مدیر مسئول، ڈاکٹر اسرار احمد

مقام اشاعت:
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

فون :- ۸۵۲۶۸۳ — ۸۵۲۶۱۱

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

ماھنامہ

لاھور

جلد: ۳۲ | شمارہ: ۱ | ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء

مشمولات

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (حدیث نبوی)

(تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اس کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں)

نشر القرآن کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

کے

دروسِ قرآن

خطاباتِ عام

نشر القرآن تنظیم اسلامی

کیسٹ سیریز

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن،

فون نمبر :- ۲۶۱۱

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہ تعالیٰ سُبحانہٗ، ماہنامہ میثاق، کی بتیسویں جلد کا پہلا شمارہ بابت ماہ ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ ہم بارگاہ رب العزّت کے شکر گزار ہیں کہ ۱۹۸۲ء کے پُورے سال میں پابندی کے ساتھ "میثاق" کے بارہ شمارے شائع ہوئے جن میں ماہ مئی ۸۲ء کا شمارہ "اشاعت خصوصی" کے طور پر دو سو صفحات پر مشتمل تھا اور یہ شمارہ مستقل سالانہ معاونین کی خدمت میں کسی اضافی قیمت یا کسی شمارے کی کمی کے بغیر پیش کیا گیا تھا۔ اب الحمدللہ میثاق کی اشاعت کے نظم پر قابو پا لیا گیا ہے اور اللہ نے چاہا تو سال رواں میں بھی 'میثاق' قارئین کو ہر ماہ پابندی سے ملتا رہے گا۔

گذشتہ سال یعنی ۸۲ء میں بحمد اللہ وعونہ میثاق کی اشاعت میں بھی بتدریج اضافہ ہوا ہے۔ ۸۲ء کے مقابلے میں موجودہ تعداد اشاعت سہ گنا ہو چکی ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ تعدادِ اشاعت کے لحاظ سے پاکستان میں شائع ہونے والے دینی پرچوں میں میثاق کو تیسری پوزیشن حاصل ہو گئی ہے۔ اگر ہمارے قارئین اور رفقاء تنظیم ہمت کریں اور اپنے حلقۂ احباب و اثر میں 'میثاق' کو متعارف کرانے کی پیہم سعی جاری رکھیں تو ان شاء اللہ امسال اس کی اشاعت موجودہ اشاعت سے دوگنی ہو سکتی ہے۔ یہ معاونت اللہ نے چاہا تو تعاون علی البر شمار ہو گی۔ چونکہ میثاق کوئی کاروباری پرچہ نہیں ہے بلکہ دعوت اسلامی کا نقیب اور تنظیم اسلامی کا ترجمان ہے۔ اس رسالے کے اجراء کی غرض وغایت کی وضاحت ٹائیٹل کور پر "وَقَدْ اَخَذَ مِيثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" اور اندرونی پہلے صفحہ پر "وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے فرمودات الٰہی کے حوالے سے بیان کر دی گئی ہے۔ گویا کہ ماہنامہ میثاق درحقیقت اس میثاق وعہد کی تذکیر و تجدید اور ایفاء کی دعوت کا علمبردار ہے جو ایک بندے کا اس کے رب اور اس کے مابین قرار پا چکا ہے۔

یہ عہد و پیمان اور یہ میثاق مختلف مراحل و مدارج سے گزرا ہے۔ سب سے پہلا میثاق عالم ارواح میں بیک وقت تمام انسانی ارواح سے لیا گیا۔ اس عہد و میثاق سے کوئی فرد بشر مستثنیٰ نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس عہد کا سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں بایں الفاظ مبارکہ ذکر فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِىْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ج

اسی کو ہمارے دین میں عہد الست یا میثاق الست سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا یہ عہد ہر انسان کی فطرت و جبلت میں مخفی اور مستور ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ عہد ہر انسان کے تحت الشعور میں موجود ہے۔

پھر جب پہلے انسانی جوڑے آدمؑ و حوّاء کا ہبوط ارضی ہوا تو اس کو آگاہ کر دیا گیا کہ اس دُنیا میں جہاں تم کو بحیثیت خلیفۃ اللہ بھیجا جا رہا ہے وہاں اس عہد الست کو وفا کرنے کے لئے تمہارے لئے ہدایت تمہارے رب کی طرف سے بواسطۂ انبیاء و رسل بھیجی جاتی رہے گی۔ تم میں سے جو لوگ اس ہدایت پر عمل پیرا ہوں گے ان کے لئے خوف و رنج کا کوئی موقع نہیں ہو گا یعنی ان کی پھر اسی جنت میں مراجعت ہو گی، جس سے انکا ہبوط ہو رہا ہے اور جو لوگ اس ہدایت سے روگردانی کریں گے، اس کی تکفیر و تکذیب کریں گے تو ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ اس ضمن میں چند آیات بطور حوالہ پیش کی جاتی ہیں۔ سورۃ بقرہ کی آیات نمبر ۳۸ - ۳۹ میں فرمایا: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ یہی ہدایت سورۃ اعراف کی آیات ۳۵ - ۳۶ میں ایک دوسرے اسلوب سے یوں دی گئی: يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥

ان آیات سے یہ بات قطعی طور پر مبرہن ہو جاتی ہے کہ بعثتِ انبیاء و رسل اور انزالِ کتبِ سماوی کی ایک اہم غایت یہ ہے کہ یہ حضراتِ قدسیہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت نوعِ انسانی تک پہنچائیں اور ان کو اپنے عہدِ الست کی تجدید و ایفاء کی دعوت دیں۔ جو لوگ اس مقدس جماعت کی دعوت کر لیتے اور ان پر ایمان لے آتے ہیں وہ لوگ گویا اسی عہدِ الست کی تجدید و توثیق کرتے ہیں اور اس ایمان و تصدیق کی بدولت شعوری طور پر نئے سرے سے عبادتِ رب کے میثاق کے پابند ہو جاتے ہیں۔ ان پر لازم، واجب اور فرض ہو جاتا ہے کہ اس عہد و پیمان اور میثاق کی پابندی اور اس کا ایفاء کریں۔ سورہ مائدہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں سے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا گیا: وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔

ہمارے رسول سید ولدِ آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور آخر الرسل ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ قدسی پر نبوت کا اختتام اور رسالت کا اتمام و اکمال ہوا ہے۔ چنانچہ اب تا قیامِ قیامت آں حضورؐ ہی کا دورِ رسالت جاری و ساری ہے۔ اس کی صحیح ترین تعبیر یہ ہو گی کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ہمیشہ ہمیش کیلئے ختم ہوئی اور آپؐ کی ذاتِ مبارکہ پر رسالت اکمل و اتم ہو کر دائم ہو گئی اور کارِ رسالت کی انجام دہی کی ذمہ داری بحیثیتِ مجموعی اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تفویض ہوئی۔ اب اُمت کو تا قیامِ قیامت نوعِ انسانی کو نبی اکرمؐ کی لائی ہوئی دعوت، پیغام اور ہدایت پہنچانی ہے گویا اب حضورؐ کا ہر امتی آں حضرتؐ کے امتی کی حیثیت سے آپؐ کی طرف سے اس فرض کی انجام دہی پر مامور ہے کہ اسلام کی دعوت، پیغام اور ہدایت نوعِ انسانی تک پہنچائے۔ بقولِ آیاتِ قرآنیہ:

- كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔

- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا -
- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ

اور بعنوانِ فرموداتِ نبوّیہ

- جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِيَاءَ
- فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ
- بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً"

اس مضمون سے متعلق متعدد آیاتِ الٰہیہ اور فرموداتِ نبوّیہ میں سے چند بطورِ استدلال و استشہاد یہاں پیش کی گئی ہیں ـــــ ان تعلیمات کی روشنی میں ایک تعبیر یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ نبی اکرمؐ کا ہر اُمّتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مقرر کردہ رسول (پیغامبر) ہے ـــ اس بات کو حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس قول سے بھی سمجھا جاسکتا ہے جو آں جنابؓ نے جنگ قادسیہ سے قبل رستم سپہ سالارِ افواج ایران کے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ تم ہم پر کیوں چڑھائی کرکے آتے ہو ـ پہلے بھی عرب بدو آتے تھے اور لوٹ مار کرکے چلے جاتے تھے ـ لیکن اب تمہارا آنا بالکل دوسری نوعیت کا ہے ! آخر معاملہ اور مدعا کیا ہے ؟"
جواب میں حضرت سعدؓ نے فرمایا :

اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ اِلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ اِلٰى عَدْلِ الْاِسْلَامِ -

حضرت سعدؓ کے اس جواب میں "اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا" ــ "بلاشبہ ہم بھیجے گئے ہیں" کے الفاظ بدرجہ لائقِ توجہ اور قابلِ غور ہیں ـ اَرْسَلَ يُرْسِلُ سے 'رسول' مرسل کا ہم معنی ہیں اسم مفعول ہے ـ گویا امت کا ہر فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مامور کردہ رسول ہے ـ

جن حضراتِ گرامی کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا اور جنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور کلمہ شہادت یعنی اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه واشهد ان محمداً رسول اللّٰه قبول اور ادا کیا، انہوں نے درحقیقت عبادتِ رب

کے لئے عہدِ الست کی تجدید کی اور وہ شعوری طور پر نئے سرے سے ایک میثاق کے پابند ہو گئے — اب ان کی نسل پیدائشی طور پر اس عہد و میثاق کی پابند اور امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہو جاتی ہے جیسے ہر پاکستانی کی اولاد By Born پاکستانی ہوتی ہے - اسی طرح غیر مسلموں میں سے جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہتے اور اس عہد و میثاق کو قبول کرتے ہیں وہ امتِ مسلمہ کے فرد بن جاتے ہیں اور اسی میثاق کے پابند ہو جاتے ہیں -

اللہ تعالےٰ نے اسی میثاق اور عہد و پیمان کی تجدید و تذکیر کے لئے عباداتِ مفروضہ کا ایک نظام امت کو عطا فرمایا ہے - جس کے ذریعہ مختلف طرق اور اسلوب سے ایک بندۂ مومن اس میثاق و عہد کی تجدید کرتا ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی بغیر کسی استثناء اور تحفظ کے عبادتِ رب کے تقاضوں اور مطالبوں کے مطابق بسر کرے گا - اس کی سب سے واضح اور نمایاں دلیل دن میں پنج وقتہ نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت ہے جس کے ذریعے ہر بندۂ مومن اس عہد کی تجدید کرتا ہے کہ : اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ -

بدقسمتی سے مرورِ زمانہ اور مختلف اسباب و علل کے باعث اُمت بحیثیت اُمت اس فرضِ منصبی کو بھلا بیٹھی ہے جو بندگانِ رب اور اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتا ہے — اس میثاق و عہد کے حقیقی مطالبات، مقتضیات اور مضمرات نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں - اِلا ما شاء اللہ -

ماہنامہ میثاق کا اجراء اور تنظیم اسلامی کا قیام درحقیقت اس مقصد کے لئے عمل میں آیا ہے کہ مقدور بھر مسلمانوں کو اس 'میثاق' کو یاد دلائے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دعوت دے اور جو لوگ اس کو شعوری طور پر قبول کر لیں وہ سمع و طاعت کے ٹھیٹھ اسلامی طریق کو اختیار کر کے اسی کے داعی بن کر اپنی جدوجہد کا اولین ہدف اس کام کو بنائیں کہ ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے -

دُنیا میں اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو اور بقول حضرت عیسٰی علیہ السلام جس طرح کائنات میں اللہ کی تکوینی حکومت و بادشاہت قائم و نافذ اور جاری و ساری ہے - اسی طرح اس دنیا کے عالمِ تشریعی میں بھی اللہ ہی کے احکام کو بالادستی حاصل

ہو اور اس کا حکم اور آئین و قانون ہی دنیا کا نظام حیات قرار پاتے -

---

'میثاق' کے نومبر ۸۲ء کے شمارے میں سورہ الاحزاب کی آیت ۲۱ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا خطاب "ہماری دینی ذمہ داریاں: اسوہ حسنہ کی روشنی میں" کے عنوان سے نیز دسمبر ۸۲ء کے شمارے میں اس سورہ مبارکہ کے تیسرے رکوع کے درس کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی دوسری قسط جس میں اس رکوع کا درس مکمل ہو جاتا ہے' اس شمارے میں شامل ہے -

بفضلہ تعالیٰ یہ خطاب اور درس میثاق کے حلقے میں نہایت پسند کیا گیا خاص طور پر 'خطاب' کے متعلق ہمارے اکثر بہی خواہ حضرات نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اس خطاب کو کثیر تعداد میں طبع کرا کے حد امکان تک پھیلایا جائے - ویسے ہمارے پروگرام میں یہ بات شامل ہے کہ اللہ نے چاہا تو جلد ہی مکتبہ تنظیم اسلامی کی جانب سے یہ خطاب اور تیسرے رکوع کا درس یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا -

---

سابقہ شمارے میں افکار و آراء کے عنوان کے تحت شائع ہونے والی روزنامہ الفلاح پشاور کی ایک خبر پر ادارہ کی طرف سے نوٹ لکھا گیا تھا کہ اس خبر میں ڈاکٹر صاحب کی ٹیلی ویژن پر جس تقریر کے ٹیلی کاسٹ کرنے کی خبر شائع ہوئی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا کوئی سابقہ پروگرام قند مکرر کے طور پر دوبارہ نشر کیا گیا ہے - یہ نوٹ لکھتے وقت ڈاکٹر صاحب موصوف ایک دعوتی دورے پر لاہور سے باہر گئے ہوئے تھے لہذا ان سے تصدیق کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا - بعد میں تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل پاکستان ٹیلی ویژن نے تعلیمی پروگرام (EPTV) کے تحت ڈاکٹر صاحب کی دو تقاریر ریکارڈ کی تھیں - ان ہی میں سے ایک تقریر نشر کی گئی تھی - اس معاملہ میں ارباب ٹی وی نے زیادتی یہ کی ہے کہ ریکارڈنگ کے وقت تو حاضرین و سامعین موجود ہی نہیں تھے - لیکن اس تقریر کو ٹیلی کاسٹ کرنے سے قبل آڈیٹنگ اس طرح کی گئی کہ اس نشریئے میں حاضرین بھی دکھائے گئے جن میں بلا نقاب خواتین بھی شامل تھیں حالانکہ یہ بات اخبارات کے ذریعے الم

نشر ہو چکی ہے کہ "الہدیٰ" کے آغاز ہی میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا یہ موقف واضح کر دیا تھا کہ اس پروگرام میں خواتین کی شرکت وہ صرف اس صورت میں منظور کریں گے کہ وہ باقاعدہ نقاب میں ہوں اور مخلوط نشستوں کے بجائے انکو علیحدہ بٹھایا جائے۔ جس پر ٹی وی کے ارباب حل وعقد نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ نقاب کے ساتھ اور علیحدہ خواتین کی شرکت سے تو بہتر یہی رہے گا کہ ان کو حاضرین میں شامل ہی نہ کیا جائے۔ چنانچہ جب تک "الہدیٰ" جاری رہا، اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا۔ لیکن ٹی وی کے ارباب اختیار نے EPTV کے تحت ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے ساتھ مرد وخواتین کے مخلوط ناظرین کو اڈیٹنگ کے ذریعے شامل کر کے دانستہ یا نادانستہ ڈاکٹر صاحب کے موقف کو مجروح کرنے کی ایک مذموم حرکت کی ہے۔ اس ضمن میں قارئین میثاق کو اصل صورت واقعہ سے باخبر اور ٹی وی والوں سے احتجاج کرنے کے مقصد کے پیش نظر یہ سطور لکھی گئی ہیں۔

نومبر میں ایک عشرے کے لئے جو اقامتی تربیت اور عوامی دروس قرآن کا جو پروگرام روبعمل آیا تھا اس کی اجمالی روداد سابقہ میثاق میں پیش کی جا چکی ہے۔ اس پروگرام کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف روزانہ تقریباً سوا دو گھنٹے تک دس روز تک درس قرآن میں مشغول رہے اور پانچ دنوں تک اجتماعی مطالعہ کے ضمن میں روزانہ ڈھائی تین گھنٹے توضیحات کے ضمن میں خطاب کرتے رہے۔ اس مشقت کی وجہ سے ان کے گلے پر جو اثرات مترتب ہوئے ہوں گے جو تکان ان پر طاری ہوئی ہو گی اسکا اندازہ قارئین کرام خود لگا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بجائے کہ اس شدید مشقت کے بعد ڈاکٹر صاحب آرام فرماتے وہ ۲۱ر نومبر کی شب ہی کو ٹرین سے ایک دعوتی دورے پر تشریف لے گئے۔ اس دورے کے دوران موصوف نے ۲۳ر نومبر کو ایک کثیر اجتماع میں صادق آباد میں درس قرآن دیا۔ ۲۴ر نومبر کو حیدرآباد کے ایک بڑے جلسہ عام میں "علامہ اقبال اور قرآن حکیم" کے موضوع پر خطاب کیا۔ پھر ۲۵ر نومبر کو میرپور خاص تشریف لے گئے جہاں ضلع تھرپارکر کے سوسالہ جشن کے سلسلہ میں جو ایک اجلاس سیرت مطہرہ کے بیان کے لئے مختص کیا گیا تھا، ڈاکٹر

صاحب نے اس اجلاس میں تقریباً دو گھنٹے سیرت مطہرہ کے موضوع پر تقریر کی ۔ ۲۶ ر نومبر کو لاہور واپسی ہوئی تو عالم یہ تھا کہ گلا جواب دے چکا تھا اور ۱۰۲ ڈگری کا بخار تھا ۔ ضرورت تو اس امر کی متقاضی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کم از کم ایک ہفتہ مکمل آرام کرتے لیکن چونکہ ان کے قلب و ذہن پر سورہ رحمٰن کی ابتدائی چار آیات اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ کا اتنا گہرا نقش ثبت ہے کہ انہوں نے اپنے اوقات کار کو قرآن کے بیان کے لئے ہی وقف کر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ مشکل سے دو تین دن کے آرام کے بعد ڈاکٹر صاحب کی پھر وہی مصروفیات شروع ہو گئیں اور اب ۱۹ دسمبر سے ۳۰ ر دسمبر تک کے لئے ڈاکٹر صاحب پھر دعوتی دورے پر کراچی تشریف لے گئے ہیں جہاں ایک ایک دن میں کئی پروگرام رکھے گئے ہیں ۔ ۳۰ دسمبر کو شجاع آباد میں تقریر ہے اور پھر ۳۱ ر دسمبر کو لاہور مراجعت ۔ جہاں آتے ہی خطاب جمعہ سے ڈاکٹر صاحب کی لاہور کی مصروفیات کی تجدید ہو جائے گی ۔

ڈاکٹر صاحب کی دروس قرآن اور خطابات کی کثرت کو دیکھتے ہوئے ۱۹۷۵ء میں ہمارے ایک کرم فرما نے ڈاکٹر صاحب سے کہا تھا کہ

"You are burning the candle with both ends."

"آپ تو موم بتی کو دونوں سروں سے جلا رہے ہیں "

لیکن ڈاکٹر صاحب کی موجودہ مصروفیات کو دیکھتے ہوئے راقم اس میں یہ اضافہ کرنا چاہے گا کہ گویا اب تو ڈاکٹر صاحب نے موم بتی کو درمیان سے بھی جلانے کا ارادہ کر لیا ہے ۔ بہر حال اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی طرف دعوت دینے کے لئے اس طرح زندگی کھپا دینا ایک بہت بڑی سعادت ہے اور ایسے خوش نصیب حضرات کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن کی طرف بلانے والوں کے لئے یہ بشارت موجود ہے ۔

"ومن دعا الیہ فقد ھُدی الی صراطٍ مستقیمٍ ۔"

●●●●●

اُسوۂ حسنہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع کا درس

مدرس : ڈاکٹر اسرار احمد

(دوسری اور آخری قسط)

ان مؤمنینِ صادقین کی اس استقامت و مصابرت کا جو نتیجہ نکلا اس کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ ۔ یہاں لام، لام عاقبت ہے یعنی کسی کام کا جو نتیجہ نکلتا ہے، اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ میں نے اس صورت حال کے متعلق آپ کو بتایا تھا کہ یہ کڑا امتحان اس لئے لیا گیا تھا کہ جدا کر کے اور نمایاں کر کے دکھا دیا جائے کہ کون لوگ مؤمنین صادقین ہیں؟ کون لوگ ضعفِ ایمان میں مبتلا ہیں اور کون لوگ منافقین ہیں۔ یہی تو تمیز کرنی تھی اور یہ تمیز اس لئے تھی کہ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ ۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہمارے دین میں صدق کا کیا مقام اور کیا رتبہ اور مرتبہ ہے۔ اس کی اہمیت ہمارے منتخب نصاب کے آیت برّ میں نیکوکار بندوں کے متعدد اوصاف بیان کر کے آخر میں فرمایا گیا کہ

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

"حقیقی نیکوکار تو وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کرنے والے ہوں۔ اور یہی لوگ اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ درحقیقت متقی ہیں۔"

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۹ میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

"اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں میں شامل ہو جاؤ"

صدیقین کے اوصاف میں سے چوٹی کے دو اوصاف یہ ہیں کہ وہ ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والے اور مصیبت و ابتلاء میں اور میدان قتال و وغا میں استقامت و مصابرت کا مظاہرہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی لئے سورہ النساء کی آیت نمبر ۶۹ میں منعم علیہم کی فہرست

میں نبیین کے بعد صدیقین ہی کا رتبہ اور مقام بیان کیا گیا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ۔ اس صدق کی بنیاد یہی ہے کہ قول میں سچے ہوں، وعدوں میں سچے ہوں، عمل میں سچے ہوں ـــــ اگر راست گفتاری نہیں ہے، راست بازی نہیں ہے، راست کرداری نہیں ہے تو نہ تقویٰ ہے اور نہ نیکی ہے۔ اس کے بغیر دین کا ڈھانچہ بے جان اور غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ ایسا معاشرہ بے وقعت و بے روح ہوتا ہے۔ یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔ ایسے معاشرے کے افراد صرف نمائشی پہلوان ہوتے ہیں جو نظر آتے ہیں لہٰذا ہمارے معاشرے میں بھی دین محض بطور نمائش شامل ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ معاشرہ صدق کی دولت سے تہی دامن اور تہی دست ہے۔ یہ پونجی اور یہ سرمایہ اس کے پاس سے نکل چکا ہے۔ اس پہلو سے وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا ہے۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ۔ کچھ لوگ ہوں گے جن کے پاس کچھ پونجی موجود ہو۔

حالانکہ ہمارے دین کا شدید ترین مطالبہ یہ ہے کہ جو کہہ رہے ہو اس کو عمل سے سچ کر دکھاؤ جو تمہارے اندر ہے، وہی باہر لاؤ۔ چنانچہ سورہ الصّٰفّٰت میں جو ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے دو ٹوک انداز میں فرما دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا	"اے اہلِ ایمان! تم وہ بات کیوں کہتے
لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ	ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک
اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ	یہ حرکت سخت ناپسندیدہ اور بیزار کن اور اس
يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ	کے غضب کا باعث ہے کہ تم وہ بات کہو جس
صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝	کے مطابق تمہارا عمل نہیں۔ اللہ کو تو وہ اہلِ

ایمان محبوب ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر مقابلہ کرتے ہیں جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔"

یہ ہے دراصل صدق کی بنیاد ـــ صدق قول کا بھی ہے۔ صدق عمل کا بھی ہے۔ صدق انسان کی سیرت و کردار کا بھی ہے۔ صدق بوقت ضرورت اللہ کی راہ میں نقدِ جان کا نذرانہ پیش کرنا بھی ہے۔ اب ان آیات میں صدق کی اہمیت دیکھئے۔ فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا	"اہلِ ایمان میں وہ باہمت لوگ بھی ہیں
عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى	جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچ

نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ	کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی اپنی باری کا منتظر ہے۔ (یہ اس لئے ہوا کہ اللہ مومنین صادقین کو ان کی سچائی کی جزا دے۔"

آگے فرمایا:

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝	"اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے یا اگر چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق عطا فرما دے اور ان کی توبہ قبول فرمالے۔ بے شک اللہ غفور اور رحیم ہے۔"

غزوۂ احزاب ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ زمانہ مدنی دور کا وسط ہے۔ منافقین کے باب میں آپ کو قرآن مجید میں یہ تدریج نظر آئے گی کہ شروع میں یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران میں لفظ نفاق آیا ہی نہیں۔ صرف اس نفاق کے مرض کی علامات ظاہر کی گئیں۔ سورہ النساء میں لفظ نفاق کے ساتھ سخت لہجہ اور اسلوب میں گفتگو شروع ہوتی ہے۔ یہاں یہ معاملہ ہے کہ منافقین کا کردار تو واضح طور پر بیان اور نمایاں کر دیا گیا۔ لیکن ان کے رویّے کے متعلق آخری فیصلہ ابھی نہیں سنایا گیا۔ تاکہ اگر کسی کے اندر اصلاح پذیری کا کوئی مادّہ اور رمق موجود ہے تو وہ اصلاح کرلے۔ کوئی اگر نفاق کی حالت سے لوٹ سکتا ہے، تو لوٹ آئے۔ کوئی اگر ایمانِ صادق کی طرف رجوع کرسکتا ہے تو کرلے۔ دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ لیکن آگے جاکر آخری احکام اور فیصلے آئے ہیں جن میں سے ایک فیصلہ تو سورہ النساء میں شامل کیا گیا کہ : اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ (آیت ۱۴۵) اور سورہ توبہ (برأۃ) میں جو ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے ان منافقین کی اصل حقیقت کھول کر یہ فیصلے صادر فرما دیئے گئے کہ :

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ	"منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے لئے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ○ (آیت ۶۸) گے۔ یہی ان کے لئے موزوں ٹھکانہ ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے قائم و دائم رہنے والا عذاب ہے۔"

آگے یہاں تک فرما دیا گیا کہ:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط	"اے نبیؐ! آپ خواہ ایسے لوگوں کے
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً	لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپؐ ستر
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	بار بھی ان کو معاف کر دینے کی درخواست
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط	کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○	نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ
(آیت نمبر ۸۰)	اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا ہے

اور اللہ فاسقوں کو راہ یاب نہیں فرماتا۔"

حضورؐ کا اپنا مزاج ہے۔ آپؐ رؤف بھی ہیں اور رحیم بھی۔ لہٰذا آپ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ستر سے زیادہ استغفار کرنے سے ان کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں کرتا ـــــ نبی اکرمؐ کے اس قول کا کیا مطلب ہوا؟ یہ کہ یہاں ستر سے مراد عدد یا ہندسہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک استعارہ ہے۔ یہاں ستر کا لفظ کثرت کے لئے آیا ہے کہ اب ان کے لئے توبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ ان کو بار بار متوجّہ کیا گیا، تقریباً دس سال بیت گئے، ان کو اصلاح کا پورا پورا موقع دیا گیا ـــــ اس مقام پر ہی دیکھ لیجئے کتنے پیارے انداز میں فرمایا گیا: وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ مومنینِ صادقین کے لئے تو قطعیت کے ساتھ فرمایا گیا: لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ لیکن منافقین کے لئے توبہ کرنے اور اپنے رویّے کی اصلاح کرنے کا موقع رکھا گیا اور ان کو مہلت دی گئی کہ ابھی ان کے بارے میں قطعیت کے ساتھ فیصلے کا وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی ان کے لئے راستہ کھلا رکھا گیا ہے۔ چونکہ ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا گیا تھا لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ غفوریت اور رحمانیت کا بیان فرما دیا تاکہ منافقین بالکل مایوس نہ ہو جائیں۔ گویا کہ ان کو دعوت دی جا رہی ہے کہ آؤ۔ لوٹو اور رجوع کرو۔

> باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
> ایں درگہِ ما درگہ نومیدی نیست!   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اب آگے چلئے۔ فرمایا: وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِغَیۡظِہِمۡ اور اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا۔ اور وہ اپنے دل کی جلن اور غصہ و غیظ لئے یونہی پلٹ گئے اور ان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ لَمۡ یَنَالُوۡا خَیۡرًا۔ اب غور کیجئے کہ ان کفار کو کیا کیا حسرتیں ہوئی ہوں گی! کیسے کیسے ساز و سامان کے ساتھ اور کیسی کیسی سازشوں کے نتیجے میں اتنی مختلف سمتوں سے لشکروں کا ایک جگہ آکر جمع ہو جانا! اس کے لئے کیا کیا کھکیڑ مول لئے ہوں گے! کتنی سفارتی بھاگ دوڑ اور ر ابطے ہوئی ہوگی۔ کتنے ایلچی آئے اور گئے ہوں گے! کتنے پروگرام بنے ہوں گے! وہ کوئی ٹیلی کمیونیکیشن کا دَور تو نہیں تھا۔ اس زمانے کے عرب میں اس حملے کی تیاری اور پروگرام بنانے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے گئے ہوں گے؟ ذرا ان کا تصوّر تو کیجئے! لیکن ان تمام کوششوں اور متحدہ محاذ کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے خیمے اکھاڑ کر جانے پر مجبور ہو گئے تو دلوں میں غیظ و غضب کی جو آگ سلگ رہی تھی اس پر اللہ تعالیٰ تبصرہ فرما رہا ہے۔
وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِغَیۡظِہِمۡ لَمۡ یَنَالُوۡا خَیۡرًا ـــــ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو ان کے غیظ و غضب سمیت لوٹا دیا، اب وہ اس میں سلگیں اور جلیں گویا ان کے دل آگ کی بھٹی بنا دیئے گئے ـــــ لَمۡ یَنَالُوۡا خَیۡرًا۔ وہ کوئی خیر نہ پا سکے۔ وہ کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اور کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ بغیر اس کے کہ اپنے مقاصد میں سے کچھ بھی انہیں ملا ہوتا، وہ ناکام و خاسر ہو کر لوٹا دیئے گئے ـــــ اسی آیت میں آگے فرمایا:

وَکَفَی اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ ؕ "اور اللہ کافی ہو گیا اہلِ ایمان کی طرف سے قتال کے لئے"

قتال کا تو موقعہ ہی نہیں آیا۔ خندق میں کبھی کوئی کودا ہے اور مبارزت طلبی کے بعد واصلِ جہنم ہوا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلّا! سیرتِ مطہرہ کی کتب میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے پوری کوشش کی تھی لیکن ان کی خندق میں لشکر اتارنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ چونکہ مسلمان تیر اندازوں نے اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے ان کو ہزیمت پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا اس غزوے میں دو بدو گھمسان کی جنگ جیسے بدر میں ہوئی اور اُحد میں ہوئی ایسی جنگ کا تو موقعہ ہی نہیں آیا۔ یہ جنگ تو اللہ نے مسلمانوں کے لئے جیت لی۔ اصل میں تو مسلمانوں کا امتحان مقصود تھا، وہ ہو گیا۔ دودھ اور پانی یعنی اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق جُدا جُدا ہو کر نمایاں اور ممیّز ہو گئے۔ بس یہی مطلوب تھا۔ اب کفار کے لشکروں کے منہ

مومنوں کے لیے اللہ کافی ہو گیا ـــــ یہ آیت مبارکہ اس پُرجلال و پُرہیبت اسلوب سے ختم ہوتی ہے کہ: وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ اس سے پہلے کی آیت میں در توبہ وا رکھا گیا تھا لہٰذا وہاں صفات کونسی آئیں ؟ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ یہاں اس امر کا ذکر ہوا کہ ان تمام احزاب کے لئے اللہ کافی ہو گیا تو یہاں اس مناسبت سے اللہ کی کونسی صفات آئیں ؟ قَوِيًّا عَزِيْزًا۔ آیات کے آخر میں بالعموم اللہ کی جو صفات یا اسماءِ حسنٰی آتے ہیں، ان کا مضمون سے گہرا ربط و تعلق ہوتا ہے ۔ ان پر سے سرسری طور پر گذرنا نہیں چاہیئے۔ یہاں دو صفات کی وساطت سے بتایا جا رہا ہے کہ اللہ بڑی قوت والا اور زبردست اختیار و اقتدار رکھنے والا ہے ۔ اس کی ذاتِ والا صفات فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔ وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ عرب کے مشرکین قبائل اور یہود کے دو قبیلے متحدہ محاذ بنا کر اسلامی تحریک کو بالکلیہ نیست و نابود کرنے کے لئے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے ۔ لیکن تقریباً ایک ماہ کے طویل محاصرے کے بعد قدرتِ الٰہی کا کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ ایک رات سخت آندھی آئی جس میں سردی اور کڑک اور چمک تھی اور اتنا اندھیرا تھا کہ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا نقشہ تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دیتا تھا ۔ آندھی نے دشمنوں کے خیمے تلپٹ کر دیئے تھے ۔ اور ان کے اندر شدید افراتفری مچ گئی تھی ۔ مشرکین عرب کا یہ متحدہ محاذ قدرتِ الٰہی کا یہ کاری وار سہہ نہ سکا اور صبحِ صادق سے قبل ہی ہر ایک نے اپنی اپنی راہ پکڑی ۔ صبح جب مسلمان اٹھے تو میدان خالی تھا جس کو دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے تھے:

لَنْ تَغْزُوكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ
"اب قریش تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے"

آگے چلئے اس رکوع کی آخری دو آیات میں غزوۂ احزاب کا جو ضمیمہ اور تتمہ مذکور ہے یعنی غزوہ بنی قریظہ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس کا نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ ان دو آیات میں ذکر ہے ۔ سیرت کی کتابوں میں اس کو علیحدہ عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں اس کا علیحدہ ذکر کرنے کے بجائے غزوۂ احزاب کے ضمن میں اس کا یہاں ایک Appendix کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ـــــ ان دو آیات کے مطالعے سے قبل حضورؐ کی تشریف آوری

کے وقت مدینہ منورہ میں یہود کے جو تین قبیلے آباد تھے ان کے متعلق تھوڑا سا نقشہ اپنے ذہن میں قائم کیجئے۔ یہ قبیلے تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تدبر یہ تھا کہ مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد آپؐ نے ان تینوں قبائل کو ایک معاہدے کا پابند کر لیا تھا۔ حضورؐ کی اس کمال فراست کو میں جو بھی خراج تحسین پیش کر دوں گا' وہ عقیدت میں شمار ہو سکتا ہے۔ اس تدبر و فراست پر مستشرقین کمال درجہ کا خراج تحسین پیش کر چکے ہیں۔ وہ ایچ جی ویلز ہوں' وہ منٹگمری واٹ ہوں اور دوسرے مستشرقین ہوں انہوں نے حضورؐ کے کمال تدبر اور پیش بینی کی جو مدح سرائی کی ہے' وہ کافی ہے۔ اصل تعریف و شہادت تو وہ ہے جو اعداء دین، مدینہ میں بسنے والے اوس و خزرج کے اکثر لوگ ایمان لے آئے تھے۔ یہی دو قبیلے اصلاً مدینہ کے رہنے والے تھے۔ یہود تو باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے ـــــ اوس و خزرج کی دعوت ہی پر باذن الٰہی حضورؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔ لہٰذا حضورؐ آپ سے آپ مدینہ کے مقتدر اعلیٰ' امیر' حاکم جو چاہیں قرار دے لیں، ہو گئے۔ آپؐ نے ان یہودی قبائل کو اس معاہدے میں جکڑ لیا کہ اگر باہر سے مدینہ پر کوئی حملہ آور ہوا تو سب مل کر دفاع کریں گے۔ یہ معاہدہ تھا جو یہود کے گلے کا طوق بن گیا۔ یہ معاہدہ نہ ہوتا تو شاید صورتِ حال مختلف ہوتی۔ میں شاید ہی کہہ رہا ہوں۔ واللہ اعلم ـــــ اپنی جگہ پر ایک دوسری بات بھی قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ مسلمان قوم جب بگڑتی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے اندر وھن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لفظ وہن کی حضورؐ نے تشریح یوں فرمائی ہے کہ اس میں حُبُّ الدُّنیا و کراہیتُ الموت پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ مشرکین کے مقابلہ میں کمزور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہود اس وقت کی بگڑی ہوئی مسلمان قوم تھی۔ ان کے اندر وہ ضعف تھا کہ جب اللہ نے چاہا اور ہم سورۂ حشر کے مطالعہ تک پہنچے تو وہاں ہم پڑھیں گے کہ وہاں ان یہودیوں کے متعلق فرما دیا گیا ہے:

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ	"یہ یہود کبھی اکٹھے ہو کر کھلے میدان میں اے مسلمانو! تمہارا مقابلہ نہیں کریں گے' لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔"

ان یہودیوں کے برعکس مشرکین نے کھلے میدانوں میں آ کر جنگ کی ہے۔ ابوجہل نے

جنگ میں اپنے معبودانِ باطل اور اپنے اوہام کے لئے دوبدو ہوکر اور لڑ کر گردن کٹوائی۔ یہ نہیں کرسکیں گے۔ یہ یہود جب لڑیں گے تو فصیلوں پر چڑھ کر عورتوں کیطرح پتھراؤ کریں گے۔ پھر یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں: بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تم ان کو اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ (آیت نمبر ۱۴) لہٰذا تم ان سے گھبراؤ نہیں۔ بظاہر ان کی جمعیت بہت مرعوب کن ہے، یہ بہت پیسے والے ہیں، ساز و سامان بھی ان کے پاس وافر موجود ہے۔ اسلحہ بھی ان کے پاس بہت ہے۔ ان کے پاس گڑھیاں ہیں، قلعے ہیں۔ پس صورت واقعہ یہ تھی کہ یہ اندر سے اتنے بودے تھے کہ ان میں میدان میں آکر لڑنے کا حوصلہ نہیں تھا۔

پھر ان تمام کمزوریوں کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاہدے میں جکڑ لیا تھا۔ اب یہ ہوا کہ یہ مختلف مواقع پر اس معاہدے پر تلملاتے رہے۔ ان میں سب سے زیادہ شجاع بنو قینقاع تھے۔ آہن گری اور زرگری کے پیشے کے اعتبار سے ان کے پاس پیسہ بھی بہت تھا اور سامان حرب اسلحہ وغیرہ بھی کافی تھا ـــــ غزوہ بدر کے بعد سب سے پہلے تو ان کی طرف سے نقضِ عہد ہوا۔ اور اس معاہدے کی خلاف ورزی ہوئی اور حضورؐ نے فوراً اقدام فرمایا اور ان کو مدینہ بدر ہونا پڑا ـــــ یہ پہلا معاملہ تھا، نبی اکرمؐ نے ان کے ساتھ بڑی رعایت برتی۔ ان کو اپنا تمام ساز و سامان لے جانے کی اجازت دے دی اور وہ اونٹوں پر اپنا تمام اسباب لاد کر گاتے بجاتے ایک جشن کی صورت میں مدینہ سے نکلے۔ یہ پہلا معاملہ تو ۲ھ میں بدر کے بعد بنو قینقاع کے ساتھ ہو گیا۔

غزوہ اُحُد کے بعد یہی معاملہ بنو نضیر کے ساتھ پیش آیا۔ اُحُد میں مسلمانوں کی عارضی ہزیمت سے ان کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔ اور یہ قبیلہ دلیر ہو کر مسلسل بدعہدیاں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش تک کر ڈالی۔ نبی اکرمؐ نے اس قبیلے کو بھی مدینہ بدر کر دیا اور یہ دونوں قبیلے خیبر کے آس پاس جا کر آباد ہو گئے۔ جہاں یہودی پہلے سے آباد تھے اور انہوں نے بڑی مضبوط قلعہ بندیاں کر رکھی تھیں ـــــ ان دونوں قبیلوں کو اسلام اور حضورؐ سے دلی عداوت تو پہلے ہی سے تھی۔ مدینہ سے اس جلا وطنی نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور یہ قبیلے خیبر میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف عرب کے مشرک قبائل کو بھڑکانے اور مدینہ پر چڑھائی کرنے پر اکسانے

اور آمادہ کرنے کے سلسلے میں مسلسل سازشیں کرتے رہے۔ ان کے سردار، ان کے شعراء اور ان کے خطیب مشرکین کے قبیلوں میں جاکر مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ چنانچہ ۵ھ میں غزوہ احزاب میں ہر چہار سمت سے عرب کے مشرک قبائل نے مدینہ پر جو یلغار کی وہ انہی یہود کی سازش کا نتیجہ تھی اور اس یلغار کی نقشہ بندی میں بھی یہی یہودی پیش پیش تھے۔ اس موقع پر جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، حملہ آور لشکروں کی تعداد تقریباً بارہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں کے خلاف اتنی بڑی جمعیت اس سے قبل کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ اگر یہ حملہ اچانک ہوتا تو سخت نقصان دہ اور تباہ کن ہوتا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ آپؐ کو دشمنوں کی نقل و حرکت کی برابر اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر دفاع کے لئے جبلِ اُحُد کے مشرقی اور مغربی گوشوں میں خندق کھدوا کر شہر کو محفوظ کر لیا۔ چونکہ مدینہ کی جغرافیائی پوزیشن ایسی تھی کہ اسی طرف سے حملہ ہو سکتا تھا۔ بقیہ سمتوں میں قدرتی رکاوٹیں موجود تھیں۔ کفار و مشرکین اس طریقِ دفاع سے ناآشنا تھے ناچار انہیں جاڑے کے موسم میں ایک طویل محاصرے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ جس کے لئے وہ تیار ہو کر اپنے ٹھکانوں سے نہیں آئے تھے۔ اب ان کے لئے ایک ہی چارۂ کار رہ گیا تھا کہ وہ بنو قریظہ کے یہودی قبیلے کو مدینہ منورہ پر جنوب مشرقی گوشے سے حملہ کرنے پر آمادہ کریں۔

چونکہ اس قبیلے سے مسلمانوں کا باقاعدہ حلیفانہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کریں گے۔ لہٰذا اس طرف سے بے فکر ہو کر مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اس سمت میں دفاع کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا بلکہ اپنے بال بچے بھی ان گڑھیوں میں بھجوا دیئے تھے جو بنو قریظہ کی جانب تھیں ــــ کفار نے اسلامی دفاع کے اس کمزور پہلو کو بھانپ لیا۔ اور انہوں نے بنو نضیر کے سرداروں کی سفارت بھیج کر ان کو غداری پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے پہلے تو وہ یہ کہہ کر کہ ہمارا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ ہے اور ہم کو اُن سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ ابتداء میں ان کا موقف یہی تھا۔ لیکن اس کے بعد ابن اخطب نے ان کو مزید دلائل دیئے کہ "دیکھو میں عرب کی متحدہ قوت کو محمدؐ پر چڑھا لایا ہوں، اسلام کو ختم کرنے کا یہ آخری موقع ہے۔ اتنے بڑے لشکر آئندہ کبھی جمع نہیں ہو سکیں گے اور پھر ساری عمر ہم سب کو کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔ چونکہ پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکے گا"۔ ابنِ اخطب کی ان

باتوں سے بنو قریظہ پر بھی معاہدے کی پاسداری اور اخلاقی لحاظ پر اسلام دشمنی غالب آگئی۔ اور وہ نقضِ عہد پر آمادہ ہو گئے۔ نبی اکرمؐ اس صورت حال سے بے خبر نہیں تھے۔ آپؐ کو پل پل کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ آپؐ نے انصار کے سرداروں میں سے حضرت سعدؓ ابن عبادہؓ اور سعدؓ ابن معاذ نیز دو اور حضرات کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا کہ جا کے تحقیق کر کے آؤ کہ صورتحال کیا ہے! ادھر خود اہل ایمان کے لشکر میں منافقین کا ففتھ کالم کا عنصر موجود تھا۔ وہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لئے خبریں پھیلا رہے تھے کہ اب بنو قریظہ کی جانب سے بھی حملہ ہوا چاہتا ہے۔ لہٰذا ہوش کے ناخون لو اور اپنے گھروں کی خبر لو جو جنوب مشرقی گوشے سے بنو قریظہ کی براہ راست زد میں ہیں اور یہ منافقین پٹی پڑھا رہے تھے کہ یٰاَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا " اے یثرب کے لوگو! تمہارے لئے اب ٹھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پس پلٹ چلو" جیسا کہ ہم پچھلے رکوع میں پڑھ چکے ہیں ــــ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جن سرداروں کو بنی قریظہ سے گفت و شنید کے لئے بھیجا تھا تو ان کو تاکید فرمائی تھی کہ اگر تم دیکھو کہ بنو قریظہ اپنے عہد پر قائم ہیں تو تم آکر سارے لشکر کے سامنے علی الاعلان خوش خبری دینا کہ یہ محض افواہ ہے، اس کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ نقضِ عہد کا فیصلہ کر چکے ہیں تو صرف مجھے اشارۃً اس کی اطلاع دینا۔ عام لوگوں کے سامنے بیان نہ کرنا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے حوصلے مزید پست ہو جائیں۔ ان حضرات نے واپس آکر حضورؐ کو اشارہ و کنایہ میں بنو قریظہ کے عزائم سے آگاہ کر دیا۔ اس لئے کہ بنو قریظہ کے سرداروں نے ان انصار سے برملا کہہ دیا تھا کہ لاعقد بیننا وبین محمّد ولاعھد " ہمارے اور محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے مابین کوئی عہد و پیمان نہیں ہے" خلاصہ ــــ

غزوہ احزاب میں سب سے زیادہ تشویشناک صورت بنی تھی تو وہ بنو قریظہ کی اس غداری سے بنی تھی، اس لئے کہ نہ صرف اسلامی لشکر کا عقب محفوظ نہیں رہا تھا اور بلکہ وہ گڑھیاں اور مدینہ منورہ کا شہر بھی محفوظ نہیں رہے تھے جہاں صرف عورتیں اور بچے تھے۔ وہ تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک صاحب نعیم ابن سعودؓ قبیلہ غطفان کی شاخ اشجع مسلمان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں خفیہ طور پر حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے اسلام قبول کرنے کا ابھی کسی کو علم نہیں ہے۔ آپؐ اس وقت جو چاہیں مجھ سے خدمت لے سکتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو تم جا کر ان احزاب اور بنو قریظہ میں پھوٹ ڈلنے اور عدم اعتما

پیدا کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ وہ پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے جہاں ان کا پہلے ہی سے آنا جانا تھا اور وہ وہاں متعارف تھے اور ان کے سرداروں سے کہا کہ "قریش اور غطفان کے قبائل تو محاصرے کی طوالت سے تنگ آکر بغیر لڑے بھڑے واپس بھی جا سکتے ہیں۔ ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ لیکن تم کو یہیں رہنا ہے۔ ایسی صورت میں تمہارا کیا حشر ہوگا؟ اس کو بھی سوچ لو۔ میری رائے ہے کہ تم اس وقت تک کوئی اقدام نہ کرنا جب تک باہر سے آئے ہوئے ان قبائل کے چند سربرآوردہ لوگ تمہارے پاس بطور یرغمال نہ ہوں۔" بنو قریظہ کے دل میں یہ بات اتر گئی اور انہوں نے متحدہ محاذ کے قبائل سے یہ مطالبہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر یہ صاحب قریش اور غطفان کے سرداروں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ "میں بنو قریظہ کے پاس سے آ رہا ہوں۔ وہ کچھ متذبذب سا معلوم ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے یرغمال کے طور پر چند آدمی طلب کریں اور پھر انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے کر کے اُن کے ساتھ از سرِ نو اپنا معاملہ استوار کر لیں۔ اس لئے ان کے ساتھ ہوشیاری سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔" یہ سردارانِ لشکر اس بات سے کھٹک گئے۔ انہوں نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم اس طویل محاصرے سے تنگ آ گئے ہیں، اب ایک فیصلہ کن معرکہ ہونا ضروری ہے۔ کل تم اپنی سمت سے بھرپور حملہ کرو۔ ادھر سے ہم یکبارگی مسلمانوں پر یلغار کر دیں گے۔ بنو قریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جب تک آپ اپنے چیدہ چیدہ آدمی بطورِ یرغمال ہمارے حوالے نہیں کریں گے، ہم جنگ کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ انہوں نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس طرح دونوں فریق اپنی اپنی جگہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ نعیم کی بات سچی تھی۔ نتیجتہً نعیم ابن مسعودؓ کی یہ حکمت عملی کامیاب ثابت ہوئی اور دشمنوں کے کیمپ میں بداعتمادی اور پھوٹ پڑ گئی ــــ اور بنو قریظہ نے عملاً اس غزوے میں کوئی حصہ نہیں لیا ــــ لیکن معاہدہ وہ فسخ کر چکے تھے اور انہوں نے برملا کہہ دیا تھا کہ "لا عقد بیننا و بین محمّد ولا عھد" لہٰذا اب جب کہ غزوۂ احزاب اس معنی میں ختم ہوا کہ مشرکین عرب کے تمام لشکر محاذ چھوڑ کر اپنے اپنے مستقر کی طرف لوٹ گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہتھیار اتار رہے تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ "اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ ہتھیار اتار رہے ہیں اور ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ لہٰذا آپ فوراً تشریف لے جا کر بنو قریظہ کا محاصرہ

فرمائیے" چنانچہ اسی وقت حضورؐ نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز بنو قریظہ کی بستی میں پہنچنے سے قبل نہ پڑھے۔

اب یہاں ایک اہم بات بھی لگے ہاتھوں بیان کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہمارے ہاں جو دو مکاتیب فکر ہیں یعنی اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث ــــ ان کے مابین اصل اختلاف کیا ہے! وہ آج واضح ہو جائے گا کہ وہ اصلاً ہے کیا اس بات کو پلے باندھ لیجئے۔ حضور نے فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے۔ معنی کیا تھے۔ یہ کہ جلد سے جلد پہنچو۔ اللہ کا حکم ہے۔ حضرت جبریلؑ نے آکر بتایا ہے۔ جلد پہنچنے کے لئے حضورؐ نے فرمایا کہ عصر سے پہلے پہلے پہنچ جاؤ۔ تاکہ ان کا معاملہ چکا دیا جائے۔ اب راستے میں صورت یہ پیش آگئی کہ ایک ٹکڑی ابھی بنو قریظہ تک نہ پہنچ پائی تھی کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ لشکر مختلف ٹکڑیوں میں منزل کی جانب بڑھ رہا تھا کئی میل کا سفر تھا۔ جس ٹکڑی کو راستہ ہی میں عصر کی نماز کا وقت آگیا تو نماز قضا ہونے کا امکان پیدا ہو گیا۔ اب ان لوگوں کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔ ایک فریق نے یہ کہا کہ حضورؐ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ وہاں پہنچے بغیر عصر مت پڑھو۔ بلکہ منشاء یہ تھا کہ ہم عصر سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔ اب اگر کسی وجہ اور مجبوری سے درمیان ہی میں عصر کا وقت ہو گیا تو ہمیں نماز پڑھ لینی چاہیئے ــــ ایک فریق نے کہا کہ نہیں جو حضورؐ نے فرمایا ہے ہم تو اسی کے مطابق عمل کریں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ منشاء کیا تھا اور کیا نہیں" منشاء تو حضورؐ ہی کو معلوم ہو گا! اگر کوئی منشاء معین کرے گا تو صد فی صد یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ واقعی حضورؐ کا منشاء یہی تھا ــــ اس مسئلہ میں تو اس کی اپنی رائے اور اجتہاد ہو گا۔ وہ اس کا اپنا استنباط ہو گا کہ وہ اس سے یہ نتیجہ نکال رہا ہے۔ لہٰذا ایک فریق نے کہا کہ حضورؐ نے تو 'منشاء' بیان نہیں فرمایا۔ لہٰذا ہم تو الفاظ کی پیروی کریں گے اور عصر کی نماز بنو قریظہ کی بستی تک پہنچنے سے قبل نہیں پڑھیں گے، چاہے نماز قضا ہو جائے کیونکہ فرمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ــــ دونوں فریقوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق عمل کر لیا۔ جب حضورؐ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ دونوں نے صحیح عمل کیا! اب یہ ہے وہ حکمت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم فرما گئے ہیں۔ اللہ کے لئے بات کو کھلے دل سے سمجھئے اور خواہ مخواہ رائے، تعبیر اور اجتہاد کے اختلاف

پر مستقل طور پر من دیگرم تو دیگری کا رویہ اختیار نہ کیجئے۔ یہ تفرقہ وحدتِ امت کیلئے سم قاتل ہے۔ ایک رویہ یہ ہے کہ حدیث کے جو الفاظ (Letters) ہیں، ہم تو بالکل حرف بہ حرف، ہو بہو (Literally) اس پر عمل کریں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ علت کیا ہے اور حکمت کیا ہے! وہ اللہ جانے اور اس کا رسولؐ جانے۔ اگر مسواک کا لفظ حدیث میں آیا ہے تو ہم تو مسواک ہی استعمال کریں گے ___ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مسواک کرنے کی اصل غایت وعلت دانت صاف رکھنا ہے۔ اگر ٹوتھ پیسٹ اور برش سے دانت صاف کر لئے تو مقصد پورا ہو گیا ___ اس طرح یہ دو مکاتیب فکر ہیں۔ ایک اصحابِ حدیث جو حدیث کے الفاظ کو جوں کا توں اختیار کرنے کو صحیح اور اقرب الی السنہ سمجھتے ہیں۔ اور اسی طرزِ عمل میں عافیت خیال کرتے ہیں۔ دوسرے اصحاب الرائے ہیں جو غور و تدبر کرتے ہیں کہ کسی حدیث کی اصل حکمت کیا ہے! اس کی غرض و غایت کیا ہے! اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی ___ یہ اللہ کا شکر ہے اور اس کا کرم و فضل ہے کہ اس معاملے میں اس نے اپنے رسولؐ سے دونوں طرزِ عمل کی تائید کرا دی۔ چونکہ دونوں کی نیت دراصل تعمیل حکم اور اتباع تھا۔ پس ہم کو بھی یہی رویہ اختیار کرنا چاہیئے کہ دونوں کے لئے اپنے دل میں کشادگی پیدا کریں۔ عمل تو ایک ہی پر ہوگا، اس میں تو کوئی شک نہیں۔ یا آپ الفاظِ ظاہر یہ پر عمل کریں گے یا اس کی حکمت وعلت معلوم کر کے اسے اختیار کریں گے ___ اجتہاد کی بنیاد بھی تو یہی ہے کہ اہلِ علم احکامِ شریعیہ کی علت تلاش کریں اور دیکھیں کہ درپیش مسئلہ میں علت کس درجہ کی مشترک ہے۔ اسی کے مطابق قیاس کر کے مسئلہ کا حل نکال لیا جائے۔ ___ تو یہ طریقہ تھا اصحابِ فقہ کا، جن کو اصحاب الرائے بھی کہا گیا ہے اور اول الذکر طریقہ تھا اصحابِ حدیث کا ___ لیکن حقیقت نفس الامری اس واقعہ سے ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ دونوں مسلک حق ہیں۔ چونکہ نبی اکرمؐ نے اس واقعہ میں دونوں فریقوں کی تصویب فرمائی ___ چونکہ یہ واقعہ اسی غزدہ کے دوران پیش آیا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے بھی آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ہر واقعہ میں ہمارے لئے رہنمائی ہے اور یہی حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے اکمل و اتم ہونے کی دلیل ہے ___ بہرحال یہ ایک ضمنی بحث تھی جو درمیان میں آگئی۔

اب اصل موضوع کی طرف رجوع کیجئے۔

بنو قریظہ کی گڑھیوں پر سب سے پہلے وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بطور مقدمۃ الجیش پہنچا۔ بنو قریظہ یہ سمجھے کہ یہ ہمیں محض دھمکانے آئے ہیں۔ وہ اس وقت تک تو بڑے مطمئن میں تھے۔ انہوں نے اپنے کوٹھوں پر چڑھ کر نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کی شان میں گستاخیوں کی بوچھاڑ کردی۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں پورے اسلامی لشکر نے وہاں پہنچ کر ان کی بستی کا محاصرہ کرلیا تو ان کے ہوش ٹھکانے آگئے۔ انہوں نے عین آڑے اور پرخطر وقت معاہدہ توڑڈالا تھا۔ اور مدینہ کی پوری آبادی کو ہلاکت خیز خطرے میں مبتلا کر دیا تھا۔ انہوں نے پشت سے خنجر گھونپنے کی پوری تیاری کرلی تھی۔ یہ تو حضرت نعیمؓ کی جنگی چال اور حکمت عملی تھی، جس سے وہ مات کھاگئے۔ ان کا جرم کسی طور پر بھی قابلِ عفو نہیں تھا ـــــ اور ان کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیئے تھی۔

جب محاصرے کی شدت جو دو تین ہفتے جاری رہی، ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی تو انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے اور خود کو نبی اکرمؐ کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حَکَم بنایا جائے، وہ ان کے متعلق جو بھی فیصلہ کریں وہ فریقین تسلیم کرلیں۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو اس توقع پر حَکَم بنانے کی تجویز رکھی تھی کہ اوس اور بنو قریظہ کے مابین مدتوں سے حلیفانہ تعلقات چلے آرہے تھے۔ ان کو امید تھی کہ وہؓ ان کا لحاظ کریں گے اور قینقاع اور بنو نضیر کی طرح ان کو بھی اپنے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل جانے کا فیصلہ کریں گے۔ حضرت سعدؓ کو خندق میں دشمنوں کا ایک تیر لگ گیا تھا اور وہ شدید زخمی تھے۔ نبی اکرمؐ نے ان کے علاج و معالجہ کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگوا رکھا تھا۔ حضورؐ خود ان کی تیمارداری فرمارہے تھے۔ آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے ان کے زخم کو داغا تھا۔ حضورؐ کو حضرت سعدؓ سے بہت محبت تھی۔ انصار میں دو سعد تھے۔ ایک سعدؓ ابن معاذ جو رئیسِ قبیلۂ اوس تھے اور دوسرے سعدؓ ابن عبادہ جو رئیسِ قبیلۂ خزرج تھے۔ ویسے نفری اور حیثیت کے اعتبار سے اوس کا قبیلہ، خزرج کے قبیلے سے بہت کم تھا۔ غالباً ایک اور تین کی نسبت تھی۔ چنانچہ ایام جاہلیت میں معاہدہ طے تھا کہ اگر کسی اوسی کے ہاتھوں کوئی خزرجی قتل ہو جائے گا تو تین اوسی قصاص میں قتل کئے جائیں گے ـــــ ہوسکتا ہے کہ دو کی تعداد مقرر ہو، اس بارے میں مجھ سے اس وقت غلطی ہو

سکتی ہے۔ لیکن بات اپنی جگہ درست ہے۔ خود حضرت سعدؓ ابن معاذ کو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت تھی۔ ان کی بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح فدویت کی کیفیت تھی —— حضرت سعدؓ بن معاذ ایک ڈولی میں بنو قریظہ کی بستی میں لائے گئے۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا وہ عین یہود کی شریعت کے مطابق تھا وہ یہ کہ بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے تمام املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس فیصلے میں یہ مصلحت بھی ہوگی کہ حضرت سعدؓ اس غزوہ میں دیکھ چکے تھے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر کو مدینہ سے نکل جانے دیا گیا تو وہ گرد و پیش کے سارے قبائل کو بھڑکا کر قریش کی سرکردگی میں تقریباً بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے تھے۔ چنانچہ حیاتِ طیبہ کے دوران اجتماعی قتل اور سخت ترین سزا کا یہی ایک واقعہ ہوا ہے جو بنو قریظہ کے ساتھ ہوا۔ اگر یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کر لیتے جو انتہائی رؤف اور رحیم تھے تو وہ شاید اس انجامِ بد سے بچ جاتے۔ لیکن مشیتِ الٰہی یہی تھی اس لئے ان کی مت ماری گئی۔ اور انہوں نے عفوؐ پر عدم اعتماد کیا —— جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، حضرت سعدؓ ابن معاذ نے یہ فیصلہ عین تورات کے مطابق کیا تھا۔ بنو قریظہ اسی انجام کے مستوجب تھے چونکہ انہوں نے اس وقت جبکہ مسلمانوں کے لئے انتہائی کٹھن وقت تھا، عقب سے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ جب مسلمان بنو قریظہ کی گڑھیوں میں داخل ہوئے تو ان کو پتہ چلا کہ جنگ احزاب میں حصّہ لینے کے لئے ان غداروں نے ۱۵ سو تلواریں، تین سو زرہیں دو ہزار نیزے اور ۱۵ سو ڈھالیں جمع کر رکھی تھیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تائید شاملِ حال نہ ہوتی تو ایک طرف مشرکین یکبارگی خندق عبور کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے اور دوسری طرف یہ سارا جنگی سامان عین عقب سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بنو قریظہ استعمال کرتے ——

زیرِ درس رکوع کی بقیہ دو آیات کا تعلق اسی بنو قریظہ کے واقعہ سے ہے اس لئے میں نے قدرے تفصیل سے صورتِ حال واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو ان آیات کے پس منظر سے براہِ راست متعلق ہے۔ اب ان آیات کا مطالعہ کیجئے۔ فرمایا:

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ	"اور اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا یعنی یہود بنو قریظہ تو اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا۔"

یہ پہلے تو محاصرے کی حالت میں اپنے قلعوں پر چڑھے رہے لیکن دو تین ہفتوں سے زیادہ سہار نہ سکے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار لایا ـــــــ یہاں 'ظَاهَرُوْهُمْ' کا لفظ قابل توجہ ہے۔ اس لفظ کی اصل ظَهْرٌ ہے۔ باب مفاعلہ میں اس سے مظاہرہ بنتا ہے۔ ظَهْرٌ پیٹھ کو کہتے ہیں۔ پچھلے زمانے میں آخری مقابلہ پیٹھ سے پیٹھ جوڑ کر ہوتا تھا۔ اگر کوئی چھوٹی سی نفری کسی بڑی نفری کے گھیرے میں آجاتی تھی تو چھوٹی نفری والے پیٹھ سے پیٹھ جوڑ کر لڑا کرتے تھے۔ اس طرح اس کا مفہوم ہوگا کسی مقصد کے غلبہ کے لئے یک جان ہو کر کام کرنا ـــــــ اس لئے میں نے اس آیت کی ترجمانی میں 'حملہ آوروں کا ساتھ دینا' کیا ہے ـــــــ صَیَاصِی کی لغوی بحث کو بھی سمجھ لیجئے۔ مرغ کے پنجے کو صیص کہتے ہیں، اسی کی جمع صیاصی ہے۔ پس چونکہ مرغ اپنے پنجوں سے دفاع کرتا ہے، لہٰذا عرب اس کو استعارتاً دفاعی قلعوں اور گڑھیوں کے لئے استعمال کرنے لگے ـــــــ بنو قریظہ نہ تو حملہ آوروں کا ساتھ دے سکے اور نہ ان کے قلعے ان کو پناہ دے سکے۔ اور وہ ان سے نیچے اترنے اور باہر نکل کر خود کو نبی اکرمؐ کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے ـــــــ اسی آیت میں آگے فرمایا:

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ "اور اللہ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا"

آپ غور کیجئے کہ اگر وہ بدو لڑنے کا فیصلہ کرتے تو ان کے جو دو سو مرد قتل ہوئے تھے تو یہ پچاس ساٹھ مسلمانوں کو بھی شہید کر سکتے تھے ـــــــ انہوں نے جو ساز و سامان جمع کر رکھا تھا، اس کی تفصیل میں بیان کر چکا ہوں ـــــــ لیکن اسلحہ استعمال کرنے کے لئے ہمت اور جوش و ولولہ درکار ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کو وَھَن کی بیماری لگ جاتی ہے یعنی حُبِّ دنیا اور موت کا خوف تو یہ حال بھی ہوتا ہے کہ میزائل ٹینک دھرے رہ جاتے ہیں اور فوج کو ان کے بٹن دبانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس کے بجائے جان بچانے کے لئے اپنی جوتیاں چھوڑ کر بھاگ جاتی ہے ـــــــ ہمارے ساتھ یہ ہوا ہے۔ صحرائے سینا سے مصری فوج اسرائیل کے حملے کے وقت بھاگ گئی تھی۔ اسی طرح فتنہ تاتار کے دور میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا ہے تو تاریخ بتاتی ہے کہ بغداد کے بازاروں میں سو مسلمان کھڑے ہوتے تھے اور ایک تاتاری آتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ میرے پاس اس وقت

تلوار نہیں ہے۔ میں اس کو لے کر آتا ہوں۔ خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور وہ تلوار لے کر آتا تھا اور ایک ایک کی گردن مارتا تھا اور کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ بنو قریظہ میں جرأت و ہمت ہوتی تو حضرت سعدؓ کے فیصلے کے بعد بھی یہ کر سکتے تھے کہ یک بارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں کہ ہمیں تو مرنا ہی ہے، بیس پچیس کو ساتھ لے کر مریں گے۔ لیکن نہیں چونکہ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ۔ اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے —— آگے فرمایا:

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ "اے مسلمانو! ان کے ایک فریق کو تم قتل کر رہے اور ایک فریق کو اسیر بنا رہے ہو"

ان کے مرد قتل کئے گئے اور ان کی عورتیں، بچے اور بچیاں غلام اور لونڈیاں بنائی گئیں۔ اس پوری صورت حال پر صرف ایک آیت میں تبصرہ فرما دیا گیا۔

آگے اس رکوع کی آخری آیت میں فرمایا:

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ "اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین، اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دے دیا جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

آخر یہودی قبیلہ تھا۔ بہت مالدار اور سرمایہ دار —— ان کے بڑے بڑے باغات تھے۔ بڑی بڑی حویلیاں تھیں۔ بے شمار مال و متاع تھا —— یہ پورا علاقہ تمہیں بغیر لڑے بھڑے عطا کر دیا۔ جنگ تو ہوئی ہی نہیں۔ صرف محاصرے کے نتیجے میں یہ سب کچھ ہاتھ آ گیا۔ اس زمین پر گھوڑے دوڑے ہی نہیں کہ وہ پامال ہوتی ——

اس رکوع کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ اس رکوع کا اس سے جامع اختتام نہیں ہو سکتا تھا۔ غزوۂ احزاب کی پوری صورت واقعہ بنو قریظہ کا خاتمہ، یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مطلق قدرت کی شان کے مظاہر ہی تو تھے۔ سورۃ یوسف میں فرمایا:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ "اور اللہ غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"

اگر لوگوں کو یہ یقینِ قلبی ہو جائے تو اسی سے مانگیں، اسی سے جڑیں، اسی کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔ انہیں تو ان وسائل اور اسباب پر یقین و توکل ہوتا ہے جو ان کی دسترس میں ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الزھادۃ فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا اضاعۃ المال "دنیا میں زہد اس چیز کا نام نہیں ہے کہ تم حلال کو اپنے اوپر حرام کر لو اور مال کو ضائع کر دو۔ یہ زہد نہیں ہے۔" ولکن الزھادۃ فی الدنیا الا تکون بما فی یدیک اوثق بما فی یدی اللّٰہ "اصل زہد یہ ہے کہ اللہ پر تمہارا اعتماد و توکل اس سے زیادہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔" میرے وسائل، میرے ذرائع، میری صلاحیتیں، میری ذہانت، میری قوت میرا پہ اور میرا دہ۔ اس کو مقدم رکھو گے اور اس پر زیادہ تکیہ کرو گے تو تم کو زہد چھو کر بھی نہیں گیا۔ لیکن اگر تم کو اللہ کی توفیق، اللہ کی تائیدِ، اللہ کی نصرت اور اللہ کی قدرت پر ہی تمہارا اعتماد و توکل اور بھروسہ ہو جائے تو یہ اصل زہد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ ہم نے آج اس رکوع کا مطالعہ ختم کر لیا۔ جیسا کہ میں نے ابتداء ہی میں عرض کیا تھا کہ آج ہم اس رکوع کے مطالعہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کی روشنی میں آپؐ کے اس "اسوۂ حسنہ" کو مجموعی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں گے جو غزوہ احزاب کے اس پس منظر میں اس رکوع میں بیان ہوا ہے۔ پورے قرآن مجید میں آپؐ کے "اسوۂ حسنہ" کا تذکرہ اسی ایک مقام پر کیا گیا ہے — میں عرض کر چکا ہوں کہ شخصی طور پر تو نبی اکرمؐ پر خود آپؐ کے ارشاد کے مطابق سب سے سخت دن "یوم طائف" گزرا ہے لیکن بحیثیت مجموعی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت پر سب سے زیادہ ابتلاء و آزمائش اور کٹھن کا مرحلہ یہ غزوہ احزاب ہے جس میں جانی نقصان تو بہت کم ہوا لیکن اس محاصرے کے دوران جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا، صحابہ کرامؓ کی جماعت کو جن شدائد و مصائب و تکالیف سے سابقہ پیش آیا بجا طور پر ان کو ابتلاء کا نقطۂ عروج کہا جا سکتا ہے۔ اس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○ اس آیت کا ہم تفصیل سے دوسرے رکوع کے درس میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ اور آج کے درس میں بھی اس کا حوالہ آیا ہے — آج کا یہ درس ان لوگوں کے لئے انتہائی سبق آموز ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ شعوری طور پر یہ بات جان چکے ہیں کہ اعلائے کلمۃ اللہ، اظہارِ دین الحق اور اقامتِ دین،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر اُمتی پر فرض ہے ۔ میں کوشش کروں گا کہ اپنی تقریر میں حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلو اجاگر کر دوں[1] ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع اور صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے ۔

اَقُولُ قَوْلِی ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِی وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۔

OOOOOOO

---

[1] "اسوۂ حسنہ" سے متعلق محترم ڈاکٹر صاحب کا خطاب ماہنامہ "میثاق" کے نومبر ۱۹۸۲ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے ۔ (ادارہ)

ہر مسلمان پر

حسب صلاحیت و استعداد

قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

① — ایمان و تعظیم — یہ کہ اُسے مانے

② — تلاوت و ترتیل — یہ کہ اُسے پڑھے

③ — تذکّر و تدبّر — یہ کہ اُسے سمجھے

④ — حکم و اقامت — یہ کہ اُس پر عمل کرے

⑤ — تبلیغ و تبیین — یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا مطالعہ ان شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

درسِ حدیث

مولانا وصی مظہر ندوی

ایمان اور استقامت

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین محمد ن الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین — عن سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسئل عنہ احداً غیرک قال قل اٰمنت باللہ ثم استقم

(رواہ مسلم)

سفیان ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ، مجھے اسلام کی تعلیمات کے سلسلہ میں کوئی ایسی بات بتایئے جس کے بارے میں مجھے آپؐ کے سوا کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا: اقرار کرو کہ میں اللہ پر ایمان لایا۔ پھر اس اقرار پر ثابت قدم ہو جاؤ۔"

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلام کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ تھوڑے سے الفاظ میں آپ نے معانی کا سمندر جمع کر دیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے لفظ "قُل" ہے۔ جس کا اس موقع پر صحیح ترجمہ ہے "اقرار کرو"۔ اقرار آدمی اس بات کا کیا کرتا ہے جس کی سچائی پر اس کو پورا پورا یقین حاصل ہو چکا ہو۔ جس بات پر انسان کا دل ٹھک چکا ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اٰمنت باللہ۔ میں اللہ پر ایمان لایا۔ ایمان ایسے یقین کو کہتے ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہ ہو اور جس پر آدمی پوری طرح مطمئن ہو۔ اللہ تعالیٰ پر آدمی اس طرح کا یقین اسی وقت کر سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے

میں جو باتیں اللہ کے رسولوں نے بتائی ہیں ان کو جانے اور سمجھے۔ پھر آپ نے فرمایا
ثم استقاموا پھر اقرار پر تم ثابت قدم ہو جاؤ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرنا آسان بات نہیں ہے۔ جب آدمی سچے دل سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس پر بڑی بڑی مصیبتیں اور آزمائشیں آتی ہیں۔ ان تمام مصیبتوں اور آزمائشوں میں آدمی کو اپنے اقرار پر ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نہ کوئی ایسا کام کرے اور نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہے جو اس اقرار کے خلاف ہو۔

اس حدیث پاک کی اس مختصر وضاحت سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ استقلال اور استقامت اختیار کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ انسان کو اپنے قول اور اپنے ارادے پر ڈٹ جانا چاہیئے۔ اور کسی خوف اور کسی لالچ اور کسی تکلیف کی وجہ سے اپنے ارادے میں ذرا بھی ڈھیل گوارا کرنا استقلال کے خلاف ہے۔

لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ عزم و استقلال جس طرح بہترین صفتوں میں سے ہیں۔ اسی طرح جہالت اور ضد نہایت بُری صفتیں ہیں مگر بعض لوگ اپنی جہالت اور ضد کو استقلال سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جہالت یہ ہے کہ آدمی کسی معاملے کے بارے میں اچھی طرح علم حاصل کیئے بغیر ایک رائے قائم کرلے اور اس رائے پر جم جائے۔ اسی طرح ضد اسے کہتے ہیں کہ آدمی دل میں تو سمجھ رہا ہے کہ میری بات بالکل غلط ہے لیکن محض اپنی بات کی پیچ میں اس پر اڑ جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں نہایت بُری ہیں۔ استقلال سے اُن کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس تفصیل سے حدیث پاک کا مطلب یہ معلوم ہُوا کہ علم اور عقل کی روشنی میں آدمی اللہ کی ذات و صفات پر اپنے یقین اور اعتماد کا اعلان کرے اور پھر اس پر کتنی ہی مصیبتیں آئیں، وہ اپنے اس اقرار سے نہ پھرے۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ پر یقین تھا اور ان کو معلوم تھا کہ اللہ کا دین ضرور قائم ہو گا۔ بد امنی ختم ہو گی

امن قائم ہو گا۔ ظلم مٹ جائے گا۔ عدل کا دور دورہ ہو گا، اس لیئے وہ تمام مشکلات میں ثابت قدم رہے اور بالآخر اللہ تعالےٰ نے ان کو کامیابی عطا کی۔ اور اللہ کا دین غالب ہو کر رہا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

—— (۲) ——

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف المرسلین محمد ن الامین وعلیٰ اٰلہ و واصحابہ اجمعین۔

عن ابی عبد اللہ خباب ابن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو متوسد بردۃ لہ فی ظل الکعبۃ فقلنا الا تستنصر لنا الا تدعوا لنا فقال قد کان من قبلکم یؤخذ الرجل فیحفر لہ فی الارض فیجعل فیہا فیجیء بالمنشار فیوضع علیٰ رأسہ فیجعل نصفین ویمشط بامشاط الحدید ما دون لحمہ وعظمہ، ما یصدہ ذٰلک عن دینہ واللہ لیتمن اللہ ھٰذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضر موت لا یخاف الا اللہ او الذئب علیٰ غنمہ ولکنکم تستعجلون۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن جب ایک بار کفار کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جبکہ آپؐ کعبہ کے سائے میں ایک چادر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لیے دُعا نہیں کریں گے (ہمارے لیے اللہ سے مدد طلب نہیں کریں گے؟) آپؐ نے جواب دیا تم لوگوں سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں۔ (ان میں ایسے صاحب عزم لوگ بھی

گزرے ہیں) کہ ایک آدمی کو پکڑا جاتا پھر زمین کو کھود کر اس کو (کمر تک) اس میں دبا دیا جاتا پھر آرا لاکر اس کے سر پر رکھا جاتا۔ پھر اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے اور بعض لوگوں کا گوشت ان کی ہڈیوں سے لوہے کی کنگھیوں کے ذریعہ اُتار لیا جاتا تھا۔ لیکن (یہ مظالم) ان کو اپنے دین سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اس مہم کو کامیابی تک پہنچا کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعا سے حضرموت تک کا سفر کرے گا لیکن اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا یا اپنی بھیڑوں پر بھیڑیے کے حملے کا ڈر ہوگا۔ لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔"

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ آدمی جب کسی بات کے حق ہونے کو سمجھ لے یا تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرلے تو اس کو پختہ عزم کے ساتھ کرے۔ بڑی سے بڑی رکاوٹ اور سخت سے سخت آزمائش سے بھی آدمی بد دل نہ ہو اور نہ بڑے سے بڑا لالچ اس کو اپنے مقصد سے ہٹا سکے۔

اس حدیث کے راوی حضرت خبابؓ نے اللہ کے دین کے لیے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ یہ مکے کے صاحبِ حیثیت افراد میں سے نہیں تھے۔ لوہاری کا کام کرتے تھے۔ بہت سے کفار نے ان کے پیسے دبا لیئے۔ ایک کافر نے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ مانو تو میں تمہارے پیسے دے دوں۔ انہوںؓ نے بھی بڑا سخت جواب دیا۔ کہنے لگے کہ تو اگر ایک دفعہ مر کر دوبارہ جی اُٹھے تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار نہیں کروں گا۔ خیر یہ تو معمولی نقصان کی بات ہے، اُنؓ کو جسمانی تکلیفیں بھی انتہا درجے کی پہنچائی گئیں۔ ظالم انؓ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے۔ پیٹھ جلتی رہتی تھی لیکن یہ ہل بھی نہ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ کوئلے جسم کے پانی اور چربی سے ٹھنڈے ہو جاتے ــــ اتنی سخت مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد جب انہوں نے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی مدد طلب کرنے کی درخواست کی تو حضورؐ نے

اظہارِ ناپسندیدگی فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگ جلد بازی سے کام لے رہے ہو اُمت سے پہلے کے لوگوں پر اس سے زیادہ بڑی مصیبتیں آئی تھیں لیکن وہ عزم و ہمت کے ساتھ دین پر جمے رہے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ترین آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ آپؐ کو جسمانی تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں اور بڑے سے بڑا لالچ دے کر بھی دین کے کام سے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ مگر آپؐ نے جواب میں کہا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج لا کر رکھ دو تب بھی میں اس کام سے باز نہ آؤں گا۔ چاہے اس سلسلے میں میری جان بھی جاتی رہے۔

عزم یعنی پکا ارادہ انسان کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہے۔ ڈھل مِل آدمی دنیا میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی دھن کے پکے اور ارادے کے سچے ہوں۔ یہ عزم ہی تھا جس کا نقشہ ہمیں غزوۂ حنین میں نظر آتا ہے جب آٹھ ہزار مسلمان فوج تیروں کی بارش میں گھِر گئی اور مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی تو آپؐ اپنی سواری سے اُترے اور لوگوں کو بلند آواز میں پکارا: "خدا کے بندو! کہاں جاتے ہو، میری طرف آؤ" اور یہ رجز پڑھا:

انا النبی لا کذب   انا ابن عبد المطلب

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں)

اللہ تعالےٰ ہم سب کو عزم و استقلال کی دولت عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپرس روڈ۔ لاہور

محمد یونس جنجوعہ
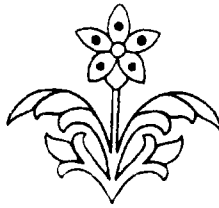
غرور الغرور

ابلیس جب اللہ تعالےٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے بارگاہ خداوندی سے رجیم (مردود) ٹھہرا تو اُس نے مہلت مانگی تاکہ اولادِ آدم کو قیامت تک گمراہ کرتا رہے چنانچہ اُسے یوم القیامۃ تک مہلت دے دی گئی لیکن خدائے رحمٰن ورحیم نے اپنے بندوں کو بھی آگاہ کر دیا کہ شیطان ہر وقت اُن کو گمراہ کرنے کی تاک میں لگا رہے گا اور جونہی وہ موقع پائے گا انہیں گمراہ کر کے خدا کے حضور ذلیل و خوار کر دے گا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ الاعراف ۱۶ - ۱۸

بولا (شیطان) چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے ۔ میں بھی لوگوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا پھر ان کو اُن کے سامنے سے بھی آلوں گا اور اُن کے پیچھے سے بھی اور ان کے داہنے سے بھی اور اُن کے بائیں سے بھی اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے ۔ (اللہ) نے فرمایا یہاں سے تو نکل ذلیل و خوار ہو کر ۔ ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کریگا سو میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا ۔

اس یاد دہانی کی خاطر ہر زمانے میں اللہ تعالےٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو نبی

اور رسُول بنا کر بھیجتا رہا جو انسانوں کو شیطان کے دھوکے سے بچنے اور خدا کی خوشنودی کے حصول کی از حد تلقین کرتے رہے - انسان فطری طور پر عجلت پسند اور جلد باز واقع ہوا ہے جہاں اس کو نقد مفاد نظر آتا ہے اُس کی طبیعت ادھر لپکتی ہے لیکن خدا کے نیک بندے ہر وقت خدا کی رضا اور خوشنودی کی طرف نظر رکھتے ہیں - وہ ظاہری اور وقتی مفادات کے پیچھے نہیں پڑتے مگر ایسے لوگ ہمیشہ قلیل تعداد میں رہے ہیں -

شیطان گمراہی کے شعبے کا سربراہ ہے - اس لئے وہ اپنے کام میں حد درجہ ماہر ہے - وہ ہر وقت اپنے نامسعود مشن میں مشنری سپرٹ کے ساتھ مصروف ہے اُس کا طریق واردات دھوکہ دے کر انسان کو برائی پر درغلانہ ہے - ظاہر ہے کہ بُرائی کو برائی کی صورت میں پیش کیا جائے - تو اُس کے قبول میں پس و پیش ہوگا اس لئے وہ ہر برائی کو اچھائی کے روپ میں پیش کرتا ہے اور نقصان دہ کام کو مفید دکھلاتا ہے - بُرے اعمال کو دلکش اور مزّین کر کے پیش کرتا ہے -

شیطان نے پہلا حملہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام پر کیا - اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو جنّت کے مخصوص درخت کا پھل کھانے سے روک دیا - لیکن شیطان نے آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر اُس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا کہ اُس کا پھل کھا کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنّت میں رہ جائیں گے - جنّت میں قیام کے خوش نما تصور کو پیش کر کے شیطان آدمؑ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہوگا -

سوچنے کی بات ہے کہ اگر شیطان آدم علیہ السلام پر کامیاب حملہ کر سکتا ہے تو عام انسان کی کیا حیثیت ہے لیکن جس طرح ہر دور میں خدائے رحمٰن و رحیم نے شیطان کے حملوں سے بچ نکلنے کی تلقین کی ہے اُسی طرح قرآن پاک میں بھی بتفصیل شیطانی وساوس سے بچنے اور عمدہ کردار اور اخلاق اپنا کر اُسوہ حسنہ کے مطابق عمل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے نیز شیطان کے پیروکاروں کو ابدی عذاب اور پیغمبروں کے فرمانبرداروں کو ابدی راحت کی خوشخبری دی گئی ہے -

قرآن پاک میں شیطانی حملے اور دھوکہ دہی کے طریق کار کی بھی وضاحت کی

گئی ہے حتیٰ کہ شیطان کو الغرور یعنی بڑا دھوکہ باز کہا گیا ہے وہ بڑے سے بڑے آدمی کو دھوکہ دینے سے نہیں چوکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انسان کو شیطان کی شر سے رحمان کی پناہ میں آنے کی دُعا کرنا سکھایا ہے۔ شیطان انسان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے لیکن دھوکہ دینے کی غرض سے کہتا ہے کہ اس طرح مال کم ہو جائے گا۔ لالچ میں آکر انسان انفاق فی سبیل اللہ سے باز رہتا ہے اور اپنی دولت کے انبار اور بنک کی پاس بک دیکھ کر پھولا نہیں سماتا اس طرح اُس کی نظر سے اللہ کی راہ میں خرچ کرکے خدا کی خوشنودی حاصل کرنا اوجھل ہو جاتا ہے۔ شیطان کسی کو جھوٹ بولنے، شراب پینے، رشوت کھانے اور جوا کھیلنے کی براہِ راست ترغیب نہیں دیتا بلکہ ان اعمال میں سے ہر عمل کی ایسی توجیہہ پیش کرتا ہے کہ انسان اس عملِ بد کو کرنے پر بآسانی آمادہ ہو جاتا ہے۔ شیطان کا یہ طریق کار بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے سے اچھی طرح واضح ہے جب وہ ہفتہ کے دن شکار کرنے سے اپنے خیال میں تو باز ہی رہے لیکن جو حیلہ سازی شیطان کی پیروی میں انہوں نے اختیار کی وہ اُن پر عذابِ عظیم کا باعث بنی۔

قرآن پاک کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بخشش کے لحاظ سے گناہوں کی دو قسمیں ہیں ایک قابلِ بخشش دوسری ناقابلِ بخشش۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شرک ناقابلِ بخشش اور باقی سب گناہ قابلِ بخشش ہیں۔ اِنَّ اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداً (النساء: ۱۱۲-

(بیشک اللہ معاف نہیں کرتا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے دوسرے گناہ جس قدر ہوں معاف کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا) چونکہ شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے اس لئے اس کا پورا زور لوگوں میں شرک پھیلانے پر رہا ہے تاکہ لوگ حتمی طور پر مغفرت خداوندی کے اہل نہ رہیں۔

دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ کچھ لوگ لامذہب، کافر بت پرست یا اہل کتاب۔

یہود و نصاریٰ ہیں جن میں یہود و نصاریٰ اگرچہ توحید کی تعلیم کے علمبردار تھے مگر شیطان اُن کے عقائد میں شرک کو داخل کر کے اُنہیں مشرکین کے زمرے میں شامل کر چکا ہے صرف مسلمان اب توحید کامل کے حامل ہیں جن کے سامنے قرآن پاک کی صورت میں خالق کائنات کی بھیجی ہوئی صحیح تعلیمات غیر متبدل موجود ہیں ۔ مگر شیطان کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا ہے کہ دنیا میں توحید خالص کی ترویج ہو چنانچہ اُس نے مسلمانوں میں بھی اس ناقابل بخشش گناہ کو مزین صورت میں پیش کیا آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کلمہ گو مسلمان بدترین شرک میں ملوث ہیں ۔

جو مسلمان نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین بار بار پڑھتے ہیں وہ نبیوں اور ولیوں کی رُوحوں سے بھی استعانت کرتے ہیں اور پھر گرتے گرتے یہاں تک گر جاتے ہیں کہ گھوڑوں اور گائیوں سے استعانت سے بھی نہیں شرماتے ۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے لیس کمثلہٖ شیئی ۔ لیکن آج مسلمان مخلوق میں خالق کی صفات بلا تامل تسلیم کرتے ہیں ۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو آسمان اور زمین کی باریک سے باریک چیز کی حقیقت اور وجود کو جاننے والا ہے ۔ ہر شخص کو جس قدر چاہے علم عطا کرتا ہے ہر فرد کا علم اُس کے علم کے سامنے ہیچ ہے ۔

قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ ۔ وما یشعرون ایان یبعثون ٥ نمل : ۶۵ (کہہ دیجئے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے ۔

ویقولون لولا انزل علیہ ایۃ من ربہٖ ۚ فقل انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین ٥

(سورہ یونس : ۲۰)

اور وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اُس کے پروردگار کی طرف سے ۔ پس کہہ دیجئے علم غیب تو سراسر خدا کے پاس ۔ پس تم انتظار کرو ۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول
انی ملک - ان اتبع الا ما یوحیٰ الی - سورۃ انعام : ۵۰)

(کہہ دیجئے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اُسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے -

قل لا املک لنفسی نفعًا ولا ضرًا الا ما شاء اللہ - لو کنت اعلم
الغیب لاستکثرت من الخیر - وما مسنی السوء ان انا الا
نذیر و بشیر لقوم یومنون ٥ (الاعراف : ۱۸۸)

(کہہ دیجئے میں مالک نہیں ہوں اپنے واسطے برے کا اور بھلے کا مگر جو چاہے اللہ اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا - میں تو ایمان لانے والوں کے لئے تنبیہ کرنے اور خوش خبری دینے والا ہوں)

قرآن پاک کی ان تصریحات کے باوجود کہ تنہا اللہ تعالےٰ ہی عالم الغیب ہے اور اُس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں آج مسلمان بڑے واضح الفاظ میں آنحضرتؐ کو عالم الغیب اور ماکان ومایکون کا علم رکھنے والا مانتے ہیں کچھ دوسرے صلحائے اُمت اور شہداء کو علم الغیب سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کی مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ قرآن میں انبیاء اور نیک لوگوں کے واقعات بھی موجود ہیں جن سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے -

قرآن پاک کی رو سے تمام اختیارات کا مالک اللہ تعالےٰ ہے - وہی ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہے - حفاظت کرنے والا - زندگی اور موت پر اختیار رکھنے والا ہے - دُعائیں سننا - نگہبانی کرنا قسمت کا بنانا بگاڑنا اُس کے ہاتھ میں ہے - حرام وحلال - جائز ناجائز کی حدود متعین کرنا اور انسانی زندگی کیلئے کے لئے شریعت تجویز کرنا اسی کے اختیار میں ہے -

یقولون ھل لنا من الامر من شیء ط قل ان الامر

کلّہٗ للہ ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۵۴)

(وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے ۔ کہہ دیجئے اختیارات تو سارے کے سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔

کیا پیغمبر یعنی خدا کے پیارے اور برگزیدہ بندے دوسروں کے نفع نقصان کے مختار ہیں یا وہ اپنے نفع نقصان کے مالک ہوتے ہیں ۔ فیصلہ کلام الٰہی سے سنیئے :- قل لا املک لنفسی ضرّا ولا نفعا الا ما شاء اللہ

سورۃ یونس : ۴۹

(کہہ دیجئے میرے اختیار میں تو اپنا نفع اور ضرر بھی نہیں ۔ سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے)

قل انی لا املک لکم ضرّا ولا رشدا ۝ قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا ۝ جن : ۲۱ - ۲۲

(کہہ دیجئے میں تم لوگوں کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا ۔ کہہ دیجئے مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اُس کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں ۔

وان یمسسک اللہ بضرٍ فلا کاشف لہ الا ھو و ان یردک بخیرٍ فلا رادّ لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہٖ ۔ وھو العزیز الرحیم ۝

(یونس : ۱۰۷)

(اور اگر اللہ تجھے کوئی نقصان دے تو اُس کو کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اُس کے فضل کو کوئی پھیرنے والا نہیں ۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا فضل کو پہنچاتا ہے ۔ وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ۔)

ان قرآنی تصریحات کے مطابق اللہ تعالٰی ہی جملہ اختیارات کا مالک و مختار ہے وہی مخلوقات کے نفع اور نقصان پر قادر ہے اگر وہ کسی کو نفع پہنچانا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ۔ اور اگر وہ کسی کو نقصان دینا چاہے تو کوئی دوسرا

اُسے نفع نہیں دے سکتا۔ لیکن آج مسلمان ہرکس وناکس کو مشکل کشا۔ حاجت روا اور داتا کے نام دیتے اور اللہ کی کتاب کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں اور بڑے دھوکے بازسے دھوکا کھا رہے ہیں اس ضمن میں مزید سُنئے :۔

ذلکم اللہ ربکم لہ الملک ط۔ والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیرہ ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکُم ج ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم (فاطر: ۱۴-۱۳)

(یہی ہے اللہ پروردگار تمہارا - اُسی کے واسطے ہے بادشاہی اور اُس (اللہ) کو چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں ہیں اگر انہیں پکارو تو تمہاری دُعائیں سن نہیں سکتے اور اگر سن لیں تو اُن کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے)

قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلاہ اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذوراہ

(بنی اسرائیل ۵۶ - ۵۷)

(ان سے کہئے پکار دیکھو ان معبودوں کو جن کو تم خدا کے سوا اپنا کارساز سمجھتے ہو وہ کسی تکلیف کو تم سے ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں بیشک تیرے پروردگار کا عذاب ایسا ہی ہے کہ اُس سے خوف کھایا جائے۔)

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیات بتوں کے متعلق نہیں ہیں بلکہ صلحائے اُمت اور بزرگان

دین کے متعلق ہیں ۔ ہمیشہ سے شیطان کا یہ طریق کار رہا ہے کہ وہ عوام کو انبیاء اور علماء کی قبروں کی طرف متوجہ کرتا ہے کیونکہ لوگ بزرگوں پر اعتقاد اور حسن ظن رکھتے ہیں ۔ اس یقین کا فائدہ اٹھاکر وہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ یہ قبروں کے اندر بھی تمہاری ہر طرح کی بات سنتے ہیں اور مدد کو پہنچتے ہیں ۔ وہ خدا رسیدہ ہیں اس لئے تمہاری مشکلات خدا تعالٰی سے سفارش کر کے حل کرا دیں گے چنانچہ لوگوں نے بزرگوں کی قبروں کو بچا کر رکھنے کے لئے پختہ ۔ مضبوط اور خوبصورت بنایا اور ان پر عمارتیں کھڑی کیں ۔ اُن کے مزار مرجع خلائق بن گئے ۔ اُمت مرحومہ پر بھی شیطانی دھوکہ اثر انداز ہوا اور وہ یہود و نصاریٰ کی طرح قبروں کا طواف کرنے ۔ وہاں دُعائیں مانگنے اور حاجات طلب کرنے میں مشغول ہو گئے اور شرک کا ارتکاب کر کے ابلیس کے تکمیل مشن کا باعث ہوئے ۔ حالانکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے ظہور کے اس قدیم ترین راستے کو یہ کہہ کر قطعی مسدود کر دیا تھا کہ میں تمہیں قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر عمارت بنانے سے منع کرتا ہوں ۔

عن جابرؓ قال نهى رسول الله صلے الله عليه وسلم ان يجصص القبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه ۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں رسول اللہ نے منع فرمایا ہے کہ قبروں کو پختہ کیا جائے ان پر عمارت بنائی جائے اور اُس پر بیٹھا جائے ۔

عن جابرؓ قال نهى رسول الله صلّے الله عليه وسلم ان يجصص القبور وان يكتب عليها وان توطأ ۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ منع فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے سے اور قبروں پر لکھنے سے اور قبروں کو روندنے سے ۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زندگی بھر نہ کسی کی قبر پختہ کی نہ اُس پر عمارت بنوائی اور کوئی تحریر لکھوائی ۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی اسی

سُنّت پر عمل رہا - خود عم رسُولؐ حضرت حمزہؓ ۳ھ میں میدان احد میں شہید ہوئے۔ آپؐ نے انہیں سید الشہداء کہا خود اُن کی تجہیز و تکفین کی - اُن کی قبر عہد رسالت میں اسی طرح خاک کی بنی ہوئی رہی عہد صحابہ میں بھی بحالہ قائم رہی اور آج تک میدان اُحد میں بغیر عمارت اور قبے کے موجود ہے - رسول پاکؐ کے واضح ارشادات آپ کے اُسوۂ حسنہ اور خلفائے راشدین کے طریقے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آج مسلمان اپنے بزرگوں کی قبریں پختہ بنا رہے ہیں ان پہ عمارتیں اور قبے تعمیر کر رہے ہیں ان کے اوپر تحریریں لکھ رہے ہیں - یہ کیوں ہو رہا ہے ؟ یہ سب کچھ شیطانی دھوکے کے سوا کچھ نہیں - شیطان اچھے روپ میں بُرے کام پیش کرتا ہے و بزرگوں کے احترام کے جذبے سے کام لے کر ہمیشہ بنی نوع انسان کو گمراہ کرتا رہا ہے - حالانکہ بزرگوں کے احترام کا طریقہ خود شریعت اسلامیہ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے عمل سے واضح ہے - قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو بزرگوں کے گستاخ سمجھنا خود پرلے درجے کی حماقت ہے - جس طریق سے وہ اپنے بزرگوں کا احترام کرتے تھے۔ وہی صحیح طریقہ تھا - قبر پرستی کا اس دور میں نشان تک نہیں ملتا -

مختصر یہ ہے کہ جس طرح شیطان کی ہمیشہ سے یہ سر توڑ کوشش ہے کہ لوگوں کو ناقابلِ معافی گناہ (شرک) میں مبتلا کر کے اُن پر جنت کا دروازہ بند کر دے اسی شدت کے ساتھ ہمیں اس بات کا احساس ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیئے کہ شرک ہم سے ہرگز سرزد نہ ہو - ہم بار بار اپنے اعمال کا جائزہ قرآن و سنت کی روشنی میں لیتے رہیں اور اطمینان کر لیں کہ ہم کسی شیطانی دھوکے میں آکر وہ کام تو نہیں کر رہے جن سے ہادی اعظم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا ہے - کیونکہ یہ شیطانی دھوکہ انجام کار ابدی زندگی کی تباہی کا موجب بنے گا - جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے -

من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماٰوٰہ النار - (مائدہ : ۷۲)

جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا پس اللہ نے اُس پر جنت حرام کر دی اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے -

مرسلہ: ڈاکٹر منیر بہادر خان بنگی

اختلافِ الوان اور قرآن حکیم

(۱)

"الہلال" ۲۴ جون ۱۹۱۴ء

قرآن حکیم میں جہاں کہیں قدرتِ الٰہی اور مظاہرِ خلقت کے عجائب و غرائب پر انسان کی توجہ دلائی ہے وہاں خاص طور پر رنگوں کے ان مظاہرِ متنوعہ و عجائبِ مختلفہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور طرح طرح کے رنگوں کے ہونے اور ان کے اختلاف کو قدرتِ الٰہی اور حکمتِ ربانی کی ایک بہت بڑی علامت قرار دیا

خلاصۂ امور: عالم کائنات کے بے شمار و بے تعداد مظاہرِ خلقت کی طرح رنگوں کا اختلاف بھی قدرتِ الٰہی کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ کیونکہ اس کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حسن و جمالِ عالم محض ایک بے ارادہ و تعقل مادۂ خلقت کی حرکت اور ترکیبِ اتفاقی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی ارادہ وراء الورٰی ضرور ہے۔ جس کے دستِ قدرت و حکمت کی مشاطگی یہ تمام نیرنگِ صناعت دکھا رہی ہے۔

قرآن کریم نے اسی امر کو دوسری آیتوں میں واضح کیا ہے۔ جبکہ منکرینِ الٰہی سے پوچھا ہے:-

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۱۶ : ۱۷)	"کیا وہ ہستی جو پیدا کرتی ہے اور وہ جو کچھ پیدا نہیں کر سکتی دونوں برابر ہیں! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ غور نہیں کرتے۔"

کیا ایک خالق و صانع ہستی، جو صفاتِ واجبہ ارادۂ عقل و علم سے متصف ہے اور ایک بے ارادہ و تعقل شے (خواہ وہ افلاک کی حرکت ہو۔ خواہ وہ اجزاء و سالمات و یتھر الیسی) دونوں ایک طرح ہو سکتے ہیں! حالانکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک صاحبِ ارادہ و عقل، خالق کی ہستی کی شہادت دے رہا ہے۔ یہاں صرف "خلقت" کا لفظ فرمایا، اور

کہا کہ خلق کرنے والا اور وہ جو خلق نہیں کرتا، برابر نہیں ہو سکتے۔ خلق وہی کر سکتا ہے جو ارادہ و تعقل رکھتا ہو۔" لا یخلق" کے اندر تمام چیزیں آگئیں۔ جو قوت خالقیت نہ رکھتی ہوں اور خالقیت کے لئے ارادہ و تعقل مستلزم ہے۔ پس فی الحقیقت اس آیت میں نیز اس کی ہم معنٰی دیگر آیات میں انہی لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو وجود الٰہی کی جگہ کسی بے ارادہ و تعقل شئے کو خلقتِ عالم کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ یونانیوں کی حرکتِ افلاک ہو یا موجودہ زمانے کے اجزار سالماتِ ابتدائیہ۔ ان آیات کو بتوں سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اب تک سمجھا گیا۔

اختلافِ الوان کے اندر بڑی بڑی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ وہ محض ایک ظہورِ حُسن اور نمائش خلقت یا فطرت کا اتفاقی نمود ہی نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر جگہ تذکیر و تفکر پر کیوں زور دیا جاتا اور علی الخصوص سورہ روم کی آیت وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ۔ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعٰلِمِينَ (۳۰:۲۱)

اس باب میں آیت ۳۵: ۲۷ عجیب و غریب ہے:۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ۔ اور اس سلسلہ کی ایک آیت ہے جس کی بناء پر بعض نئے استدلالات قرآنیہ میرے ذہن میں ہیں۔ اختلاف الوان وغیرہ مظاہر خلقت و اسرار کائنات کا ذکر کر کے فرمایا۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ! اللہ کے وہی بندے خوف و خشیت اپنے اندر پاتے ہیں جو صاحبانِ علم ہیں۔

اس بیان کے ساتھ ہی "خشیتِ الٰہی" اور علماء کا ذکر بغیر کسی ربط حقیقی کے نہیں ہو سکتا۔ اس سے صاف صاف واضح ہوتا ہے کہ خدا کی ہستی کا یقین، اس کی شناخت اور اس کے صفات کی معرفت کے بغیر اس کا خوف پیدا نہیں ہو سکتا اور قرآن کریم اس یقین کے حصول کا ایک بڑا وسیلہ یہ بتلاتا ہے کہ خلقتِ عالم کے حقائق و اسرار اور اختلاف و تغیرات کی کنہہ و حقیقت کا علم حاصل کرو تاکہ مصنوعات کی نیرنگیاں اور عجائب آفرینیاں صانع مطلق کی حکمتوں کا سراغ بتلائیں اور معرفتِ الٰہی کا یقین و اذعان ترقی کرے۔

چونکہ یہ کام ان لوگوں کا ہے جو اربابِ علم و تحقیق ہیں اور جن کا شمار علماءِ حقیقت میں ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ عجائب عالم اور یہ اختلاف الوان جو کائنات کی ہر نوع اور ہر قسم میں جلوہ گر ہے۔ اس کے اسرار و مصالح پر غور کرنے والے ہی وہ بندگانِ الٰہی ہیں جن کے لئے ان کا

مطالعہ معرفتِ الٰہی کا وسیلہ ہوتا ہے اور پھر معرفتِ الٰہی، مقامِ خشیت و عبودیت کے لئے راہنما ہوتی ہے۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

اختلافِ الوان، ایک قانونِ خلقت ہے جو تمام انواع میں جاری و ساری۔ عالمِ جمادات، نباتات، حیوانات، کوئی نوع نہیں جس کے اندر طرح طرح کی رنگتوں کا ظہور نہ ہو۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسا ظہور، کسی بڑی ہی مصلحت و حکمت پر مبنی نہ ہو!

اختلافِ الوان (۲)

الہلال یکم جولائی ۱۹۱۲ء

ہم نے گذشتہ نمبر میں قرآن کریم کی وہ آیتیں جمع کر دی تھیں، جن میں رنگوں کے اختلاف و ظہور کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور آخر میں حسب ذیل نتائج اخذ کئے تھے:۔

۱۔ قرآن کریم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مثل اور بے شمار مظاہر خلقت کے، رنگتوں کا اختلاف بھی خدا کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے

۲۔ اختلافِ الوان کے اندر قدرت الٰہی کی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں جن کو صاحبانِ عقل و فکر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۳۔ اختلافِ الوان ایک قانون ہے جو ہر نوع میں جاری و ساری ہے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا عام ظہور مصالح و اسرار پر مبنی نہ ہو۔ جبکہ قدرتِ الٰہیہ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

اس کے بعد ہم نے لکھا تھا کہ شارحین علم کی تحقیقات اس بارے میں معلوم کرنی چاہئیں کہ وہ اختلافِ الوان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ آج ہم صرف حیوانات کے رنگوں پر نظر ڈالیں گے۔

اختلافِ الوان اور علم الحیوان

یہ مسئلہ علم الحیات (BIOLOGY) اور علم الحیوانات (ZOOLOGY) کا مشترک موضوع ہے۔

جس قدر تحقیقات اس وقت تک ہوئی ہیں وہ گو ایک مرتب صورت میں مدون

کردی گئی ہیں۔ تاہم انہیں ابتدائی درجہ سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ کیونکہ مقام دلیل کا بہت کم حصہ سامنے آیا ہے اور بہت بڑا میدان ابھی باقی ہے۔

علمائے " وظائف الاعضاء (PHYSIOLOGY) کے ایک گروہ کی تحقیقات یہ ہیں کہ حیوانات میں اختلافِ الوان محض PHYSIOLOGICAL اسباب سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس میں قدرت کے کسی ارادے اور قصد یا تقدیر و تخمین کو دخل نہیں ہے۔ (فزی یالوجی) کا صحیح ترجمہ" علم وظائف الاعضاء " ہے۔ " فزیالوجیکل اسباب" یعنی وہ اسباب و مؤثرات جن کا تعلق علم وظائف الاعضاء سے ہے۔ پس ہم پہلے ان کی تحقیقات کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

فزی یالوجیکل اسباب

مادی اشیاء خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات وجمادات، ان کے لئے اکثر حالتوں میں رنگ لازمی ہے۔ حیوانات و نباتات ایک طرف رہے جمادات میں یہ مشکل کوئی ایسی مثال ملے گی جس کا پانی اور بعض خاص غازوں (گیس) کی طرح کوئی خاص رنگ نہ ہو۔ چونکہ تمام حیوانات اور نباتات کے جسم جمادات سے مرکب ہیں؛ اس لئے طبعی طور پر ان کے جسموں میں ان جمادات کے رنگوں کا موجود ہونا ضروری ہے البتہ ہماری آنکھوں کو صرف وہی رنگ نظر آتا ہے جو جسم کی بالائی سطح سے قریب ہوتا ہے مگر جب کسی جسم کی تشریح کی جاتی ہے تو اس میں ان تمام جمادات کے رنگ یا ان کے آثار نظر آجاتے ہیں جن سے ان کا قوام مرکب ہوتا ہے۔

علم الحیات کی اصطلاح میں حیوانات کی ایک قسم پروٹوزوا (PROTOZOA) یا حیواناتِ اولی ہے جس قسم کے حیوانات پر اس اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے ان کی نسبت ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا درحقیقت وہ سلسلۂ حیوانات کا اولین حلقہ ہیں یا ان سے پہلے بھی کوئی اور کڑی ہونی چاہئے! قطعی جواب تو اس کا کوئی نہیں دیا گیا اور غالباً دیا بھی نہیں جا سکتا۔ البتہ یہ معلوماتِ موجودہ یہ مسلّم ہے کہ اس وقت تک جس قدر حیوانات دریافت ہوئے ہیں ان سب میں بسیط ترین اور اوّلین حیوان یہی ہیں۔

ان حیوانات کے جسم سے ایک خاص قسم کا لیس دار مادہ نکلتا ہے۔ اس مادہ سے جب باہر کے ذرّے ملتے ہیں تو فوراً چپک جاتے ہیں۔ اور ان سے ایک خول (کیس)

سا تیار ہو جاتا ہے۔ عموماً اس خول کا رنگ حیوان کے جسم کا رنگ سمجھا جاتا ہے۔ غور کرو کہ اس میں رنگ کس شے کا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ بالوں کے علاوہ اور کس شے کا ہوگا۔
حیوانات کے ظاہری اعضاء کی طرح اندرونی اعضاء کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً جگر کا رنگ اور ہے۔ آنتوں کا اور۔ دل کا رنگ ایک ہے اور گردہ کا دوسرا۔ وھلم جرا۔ مگر ظاہری اعضاء کی طرح ان کے رنگوں کا اختلاف بھی فزیالوجیکل اسباب ہی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ان کی کیمیاوی تشریح کے نتائج اس کی تشفی بخش شہادت دیتے ہیں۔ انتہیٰ۔

تحقیقِ مزید

یہاں تک علم وظائف الاعضاء کی اس جماعت کے بیان کا خلاصہ تھا جو کہتی ہے کہ اختلاف الوان محض حیوانات کی جسمانی ترکیب کا ایک اتفاقی نتیجہ ہے۔ اس میں فطرت کے کسی خاص ارادہ اور مقصد کو دخل نہیں۔
لیکن اگر اس تحقیق کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قرآنِ کریم کا اختلافِ الوان کو قدرتِ الٰہی کی ایک نشانی قرار دینا اور بار بار "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ" "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ" "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ" (نعوذ باللہ) بالکل باطل ہے۔ کیونکہ نشانی وہی چیز ہو سکتی ہے جس کے اندر خلقت قدرت و فطرت کے اسرار و حکم اور معارف و مصالح پوشیدہ ہوں۔ لیکن اگر وہ محض حیوانات کے جسمانی حالات کا ایک ایسا نتیجہ ہے جس میں فطرت کے کسی خاص مقصد اور غرض کو دخل نہیں۔ تو اس کے وجود میں حکمت کی نشانی کیونکر ہو سکتی ہے۔
بہ حیثیت مسلمان ہونے کے ہم اس تحقیق پر قانع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" خدایا تو نے اس عالم کائنات کی کوئی چیز بھی بغیر کسی مقصد و مصلحت کے نہیں بنائی ہے۔ اور ہم کو بتلایا گیا ہے کہ "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ" (۳۸:۴۴)
پس ہماری تشفی صرف وہی علم کر سکتا ہے جو قدرت کے اسرارِ خلقت کو ہم پر منکشف کر دے۔ ہماری کتاب ہدایت نے ہم کو ایسی ہی تحقیقات کا عادی بنایا ہے۔ اور ہمارا معیارِ علم بہ حیثیت حاملِ قرآن ہونے کے حاملین علم سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے ——

نَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ : مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (۵۰: ۳۰) بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَلْعَبُوْنَ (۴۴: ۶)

قانونِ مقایسہ

خود علمائے حیوانات وعلم الحیات ہی نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ جاندار چیزوں کی بالیدگی ایک عام قانون کے ماتحت ہوتی ہے جس کو "موازنہ" یا "مقایسہ" کہہ سکتے ہیں۔ یعنی مختلف اشیاء کو باہم قیاس میں لانا اور ان کا موازنہ کرنا۔ یہ قانون جس طرح حیوانات کے قد، جسم اور اندرونی ساخت میں نافذ ہے بالکل اسی طرح رنگ میں بھی جاری ہے۔ چنانچہ جب ہم مختلف اللون حیوانات کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان کی رنگا رنگی اسی قانون کے ماتحت نظر آتی ہے۔

شیر اور چیتے کے جسم کو دیکھو۔ مور کے پروں کا مطالعہ کرو۔ کس نظام وترتیب اور تناسب وتقابل کے ساتھ ایک بہتر سے بہتر نقاش کی طرح نقاشی کی گئی ہے جس سے زیادہ متناسب اور باقاعدہ نقش ونگار ہو نہیں سکتے۔ مختلف قسم کے ہوائی پرندوں پر نظر ڈالو اور ان چھوٹی چھوٹی تتلیوں کو دیکھو جو شام کو اڑتی ہوئی دیواروں پر آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ ان کے پروں میں نقش ونگار رنگین کا نمونہ کیسا باقاعدہ، کیسا منظم، کیسا مرتب، کس درجہ با اصول ہے۔ ایک معمولی نقاش چند لکیریں بھی کھینچتا ہے تو کسی نہ کسی تصویر یا نقش کے مقصد کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ پھر کیا قدرت کی اتنی بڑی نقاشی محض ایک بے قصد ومقصد اتفاق وترکیب جسمی ہی کا نتیجہ ہے اور کوئی غرض اور کوئی حکمت اس میں پوشیدہ نہیں؟ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (۶: ۱۴۸) مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ (۳۶:۶۸) وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ؟ (۱۶: ۶۲)

علماءِ حیوانات قانونِ مقایسہ کو رنگوں میں ایک باقاعدہ مؤثر قانون تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر شیر کے خطوط میں ایک محسوس تسویہ اور نظام محفوظ ہوتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی قانون ہے۔ جس کے سبب سے اس کے دونوں پہلوؤں میں مماثلت ومساوات نظر آتی ہے۔

بے شک بعض مثالیں ایسی بھی ملیں گی جہاں یہ قانون بظاہر غیر مؤثر نظر آئے گا۔ لیکن جب زیادہ دقتِ نظر سے کام لیا جائے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ دراصل وہاں بھی

یہ قانون محفوظ ہے۔ مگر کسی غیر طبیعی سبب سے (مثلاً مختلف قسموں کے باہمی اختلاط سے، یا گرد وپیش کے بعض مؤثرات خارجیہ سے یا بعض عوارض اور ان کے توارث وغیرہ سے یہ حالت پیدا ہو گئی ہے

مماثلتِ وسط

پس ہم تلاش وجستجو میں آگے بڑھتے ہیں اور علم الحیوانات کی بلند تر تحقیقات ومعلومات کو ڈھونڈھتے ہیں۔ ہمارے سامنے محققین فائنزین کا ایک گروہ آتا ہے جس نے اسرار الوان کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اسے محض فزیالوجیکل مؤثرات کا نتیجہ بے قصد سمجھ لینے پر ہماری طرح قانع نہیں ہے۔ اس بارے میں ہمیں سب سے زیادہ مشہور معلّم، چارلس ڈارون کا ممنون ہونا چاہیئے جس نے اپنے سفر امریکہ کے جمع کردہ جانوروں کے متعلق تحقیقات کرتے ہوئے اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے بعد بعض حکماء حال ہیں جو علم الحیوانات کی تحقیق طلب راہوں میں تلاشِ منزل مقصود کے لئے تگ ودو کر رہے ہیں۔

قانونِ نشو وارتقاء ڈارون ازم کا بنیادی مسئلہ ہے جس کا ترجمہ "قانونِ مطابقت" کیا گیا ہے۔ اور "تاثراتِ وسط" سے بھی اسے تعبیر کرتے ہیں۔ الہلال جلد ۲ نمبر ۴/۲ میں ڈاکٹر رسل ولیس پر مضمون لکھتے ہوئے ہم اس قانون کی تشریح کر چکے ہیں۔

مختصر لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات پر ان کے گرد وپیش اور مولد وموطن کے تمام حالات کا اثر پڑتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ان کے اعضاء اور جسم میں تغیرات پیدا کر دیتا ہے۔ جس قسم کی آب وہوا میں رہتے ہیں اسی کے مناسب ان کے جسم کی ہر شے ہو جاتی ہے۔ گرد وپیش کے حالات کو عربی میں "وسط" کہتے ہیں جو انگریزی کے لفظ (Midle) کا ترجمہ ہے۔ اسی اصطلاح کو ہم نے بھی اختیار کیا ہے۔

اسی قانون مطابقت سے اختلافِ الوان کے ایک بہت بڑے بھید کا سراغ لگتا ہے۔

علماء حیوانات کی تحقیق ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ اشیاء کا رنگ ان اجزاء کے رنگ کا نتیجہ ہوتا ہے جن سے وہ ترکیب پاتے ہیں۔ مثلاً پتہ سبز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں کلوروفل (CHLOROPHIL) ہوتا ہے جو سبز ہوتا ہے۔ خون سرخ ہوتا ہے

کیونکہ وہ بے شمار چھوٹے چھوٹے کریات دمویہ سے مرکب ہے اور ان کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

پس صرف نباتات وجمادات کو پیش نظر رکھو اور غور کرو کہ کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں عالم نباتات وجمادات کی جس قدر پیداوار ہیں ان کی رنگت کے اجزاء کی وجہ سے ایک خاص قسم کی ہوگئی ہے۔ جن کی ان حصوں میں قدرت نے کثرت وفراوانی رکھی ہے۔ اور اسی لئے ہر حصۂ زمین میں کسی خاص رنگت کا غلبہ واحاطہ ہے۔

جب حیوانات ان حصوں میں رہنے لگے تو قانونِ مطابقت نے جس طرح ان کی تمام جسمانی حالت اور قویٰ کو ان کے وسط ــــ گردوپیش ــــ کے مطابق بنا دیا اسی طرح ضرور تھا کہ ان کی رنگت بھی ان کے وسط کے مطابق ہوتی۔ کیونکہ قانون مطابقت ہر جسمانی انفعال پر مؤثر ہے۔

چنانچہ تحقیقات سے نظر آتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ حیوانات کی ایک بہت بڑی تعداد کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے جسم کی رنگت بعینہٖ ویسی ہے جیسی رنگت ان کے گردوپیش کے درختوں، پھولوں، پتوں، پتھروں اور زمین کی ہے۔ یا ان طبیعی موجودات کی ہے جن سے وہ خطہ گھرا ہوا ہے۔ علماءِ نشو ونما نے اس حالت کو ایک خاص مؤثرہ طبیعی تسلیم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ "مماثلتِ وسط" ہے۔ یعنی گردوپیش کے مطابق حیوانات کے جسم کے رنگ کا بھی ہونا۔

مثلاً شیر نیستان میں رہتا ہے۔ اس کا اصلی وطن وہی ہے گو وہ کسی غار کے اندر یا دریا کے اندر یا دریا کے کنارے بھی لیٹا ہوا نظر آجائے۔ پس اسی لئے اس کی کھال کے بالوں کا رنگ دھاری دار، خاکی یا ملیالا ہوتا ہے۔

بعض شیر ایسے ہیں جو ریگستان میں رہتے ہیں۔ ریت کی رنگت تمہیں معلوم ہے۔ پس ان کے جسم کی رنگت بھی گرد آلود زردی مائل اور بالکل ریت کی سی ہوتی ہے۔

قطب شمالی کے ریچھ کی رنگت دیکھی گئی ہے کہ بالکل سفید ہوتی ہے کیونکہ اس کے وطن کی زمین ہمیشہ برف سے سفید رہتی ہے۔ اس طرح کے بے شمار پرندے ہیں جو درختوں میں آشیانے بناتے ہیں اور ان کی رنگت بالکل ان پتوں کی سی ہوتی ہے جو ان درختوں کی شاخوں میں لٹکتے ہیں۔

یہ مماثلت خواہ حیواناتِ اولی (PROTOZOA) کے لیس دار جسم کے ساتھ خارجی
اجزاءِ ارضیہ کے مل جانے کا نتیجہ ہو جیسا کہ علماء وظائف الاعضاء کا قول اوپر گذر چکا ہے
یا کسی مخفی قانونِ طبیعی کا نتیجہ ہو جیسا کہ بحمداللہ ہمارا اعتقاد ہے۔ مگر بہرحال قانونِ نشو و ارتقاء
کے علماء تسلیم کرتے ہیں کہ اس کے اندر بعض بیش بہا منافع اور حکمتیں نظر آتی ہیں۔

ازاں جملہ ایک حکمت جس تک فہم انسانی دسترس پا سکتی ہے کہ یہ مماثلت حیوانات
کی زندگی کے بقاء اور دشمنوں سے حفظ کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔ یہ اگر نہ ہوتی تو ہزارہا
حیوانات دنیا سے نابود ہو جاتے۔ اس مماثلت کی وجہ سے وہ اپنے دشمنوں اور اپنے سے
قوی تر حیوانات کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی رنگت اور ان کے گرد و پیش
کے اشیاء کی رنگت ایک ہی ہے۔ اس لئے ان کے دشمن کی نظریں ان کے وجود کو اردگرد
کی چیزوں سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتیں اور وہ ان کے حملے سے محفوظ رہ جاتے
ہیں۔ گویا رنگت ان کے لئے ایک بہترین کمین گاہ کا کام دیتی ہے۔

برفستان کے اندر ان جانوروں کو دیکھ لینا کس قدر مشکل ہے جن کی رنگت کی سفیدی
اور برف کی سفیدی میں کچھ فرق نہیں! ریگستان کے اندر ان جانوروں کو کیونکر دور سے
پہچانا جا سکتا ہے جو ریت کے کسی ٹیلے کے ساتھ لگ کر لیٹ گئے ہیں اور ان کی کھال بالکل
اسی رنگت کی ہے جو رنگت ریت کی ہوتی ہے۔

اس کا صحیح اندازہ ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جو شکار کے شائق ہیں اور بسا اوقات جنگلوں
میں سانپ کی نکلی ہوئی دم کو ایک خوشنما اور رنگین پتہ سمجھ کر پکڑ لیا ہے۔ حالانکہ وہ اس
رنگت والی جلد کا سانپ تھا جس رنگت کے پتوں اور گھاس سے جنگل کا وہ ٹکڑا بھرا ہوا ہے

یہ دنیا تنازع للبقاء (STRUGGLE FOR EXISTENCE) کا میدان کارزار
ہے اور ہر حیوان اپنے دشمنوں کی بڑی بڑی صفیں اپنے سامنے دیکھتا ہے جو اس کے
قرب و جوار ہی میں پھیلی ہوئی ہیں یا اس فضاء میں اڑتی پھرتی ہیں جو اس کے اوپر پھیلا ہوا
ہے۔ پس غور کرو کہ اگر ان حیوانات کی رنگت اس زمین اور وسط کے مطابق نہ ہوتی جس
میں وہ رہتے ہیں تو ان کو اپنے گھروں سے نکل کر تلاشِ غذا میں پھرنا اور زندہ رہنا کس قدر
مشکل ہو جاتا! لیکن قدرتِ الٰہیہ اور حکمتِ ربانیہ نے ان کی رنگت کو ان کے وسط کی رنگت
کے مثل بنا کر انہیں دشمنوں کی نظروں سے آڑ میں کر دیا۔ وہ نکلتے ہیں۔ زمین میں پھرتے

ہیں۔ ایک درخت سے اڑ کر دوسرے درخت پر جاتے ہیں۔ مگر ان کے دشمن اکثر اوقات پہچان نہیں سکتے۔ وہ کسی درخت کی شاخ یا مٹی کے ٹیلے کے ساتھ لگ کر چھپ جاتے ہیں اور ان کا رنگ ان چیزوں کے ساتھ مل کر دشمنوں کی نظروں کو دھوکہ دے دیتا ہے۔ "ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون" یہ مماثلت کیونکر پیدا ہوئی؟

اگر ایک طبیعاتی مذاق رکھنے والا قدرت کی نوازش و مہربانی کے علاوہ کسی دوسرے جواب کا بھی طالب ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حیوانات میں پہلے وہ تمام رنگ پیدا ہوئے جنہیں علم وظائف الاعضاء کے قاعدے سے پیدا ہونا چاہیئے تھا مگر بعد کو انتخاب طبیعی کا عمل شروع ہوا جس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت صرف قوی، موافق، مناسب، موزون اور صحیح وسالم چیزوں ہی کو باقی رہنے دیتی ہے اور نشوونما کے لئے چھانٹ لیتی ہے۔ باقی معدوم و نابود ہو جاتے ہیں۔ پس یہ انتخاب جب نافذ ہوا تو صرف وہی رنگ رہ گئے جو ان کے وسط و محیط کے مناسب تھے اور بقیہ رنگ بہت سے اعضاء کی طرح ناپید ہو گئے۔

انتخاب جنسی

اس سے بھی بڑھ کر اختلاف الوان کے مصالح و اسرار کا سراغ اس نظریئے سے لگتا ہے جسے انتخاب جنسی (SEXUAL SELECTION) کہتے ہیں۔

خواہ اسباب کچھ ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ ہر قسم کے حیوانات کی خاص خاص اور الگ الگ غذائیں ہیں۔ علم وظائف الاعضاء کی رو سے جسم پر جن چیزوں کا اثر پڑتا ہے، ان میں ایک بہت بڑی شے غذا بھی ہے۔ غذا کا اثر رنگ پر بھی پڑتا ہے جو بقدر استعداد طبیعی کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ حیوانات کی غذاؤں کے رنگ اگر روشن ہیں تو خود ان کے جسم کے رنگ بھی روشن ہیں۔ اگر غذا کا رنگ تاریک ہے تو خود ان کا رنگ بھی تاریک ہے۔

مثلاً طوطا زیادہ تر پھل کھاتا ہے اس لئے اس کا قیام پھل والے درختوں میں رہتا ہے۔ درختوں کے رنگ عموماً روشن ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کا رنگ بھی روشن ہے۔ یا بعض قسم کی مکھیاں ہیں۔ جو اصطبلوں میں رہتی ہیں۔ چونکہ وہ نجاست پر زندگی بسر کرتی ہیں جس کا رنگ تاریک ہوتا ہے اس لئے خود ان کا رنگ تاریک ہو جاتا ہے۔

ایک عرصے کے استعمال سے جانوروں کو اپنی غذاؤں کے رنگ سے ایک خاص قسم کی موانست والفت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب ان کی تناسلی خواہش میں حرکت ہوتی ہے تو وہ دوسری جنس کے انہیں افراد کی طرف بالطبع زیادہ مائل ہوتے ہیں جن میں ان کی غذاؤں کے رنگ زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ یہی شے ہے جسے انتخاب جنسی کہتے ہیں۔ پس جسطرح قانونِ ارتقاء کا انتخاب طبیعی ایک مدت مدید کے بعد پوری نوع کی نوع میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے اسی طرح انتخابِ جنسی بھی انواع کے رنگ پر حیرت انگیز تغیرات طاری کر دیتا ہے۔

بہت سے جانور ایسے ہیں جن کے رنگ عام طور پر تو معمولی حالت میں رہتے ہیں مگر جب ان کے توالد و تناسل کا موسم آتا ہے اور نر و مادہ کی یکجائی ضروری ہوتی ہے تو رنگوں میں ایک دلفریب چمک دمک اور ایک خاص رونق و حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ حیوانات کی بعض انواع یعنی کبوتر، فاختہ، مور ایسے ہیں جو اتحاد تناسلی سے پہلے اپنی مادہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے مستانہ رقص و تواجد (یعنی ناچتے) اور اپنے پروں کے دلفریب رنگوں کی ایک خاص انداز سے نمائش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے اندر دلفریبی و رعنائی کی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ جو بے اختیار مادہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور جذبہ طبیعی کے لئے اختلافِ الوان ایک بہت بڑا معین خارجی ہوتا ہے۔

غرضیکہ حیوانات کی جنسی خواہش پر رنگوں کا اثر پڑتا ہے اور زیادہ تر وہی رنگ مؤثر ہوتے ہیں جو محبوب، دلفریب، نظر افروز اور دلپسند ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حیوانات کی نسل کی افزائش و حفاظت کے لئے قانونِ انتخابِ جنسی اپنا کام کرتا رہتا ہے اور حیوانات کی رنگت ایک بہت بڑے مقصد حیات کو پورا کرتی ہے۔

خلاصۂ بحث

ہم نے بہت اختصار و ایجاز سے کام لیا۔ کیونکہ ابھی اختلافِ الوان کا بہت بڑا میدان یعنی عالم نباتات کی بحث باقی ہے۔ امید ہے کہ مندرجہ ذیل امور قارئین کرام کے سامنے آگئے ہوں گے۔

ا۔ اختلافِ الوان کے متعلق شارحین و حاملینِ علم نے جو کچھ تحقیق کیا ہے اس میں ابھی تحقیقاتِ مزید کی بہت بڑی گنجائش باقی ہے۔ تاہم موجودہ تحقیقات سے بھی

ثابت ہوتا ہے کہ اختلافِ الوان کے اندر حکمتِ الٰہیہ نے بعض عجیب و غریب اسرار و مصالح رکھے ہیں اور آگے چل کر نہیں معلوم اور کس قدر اسرار منکشف ہوں گے؛ قرآن حکیم اسی لئے انہیں حکمتِ الٰہی کی نشانی کہتا ہے۔

۲۔ قرآن حکیم نے اس زمانے میں جبکہ انسان کی معلومات محدود تھیں، اسرار خلقت کے چہرے پر نقاب پڑا ہوا تھا۔ اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو علم و حکمت سے بالکل ناآشنا تھے۔ اختلافِ الوان کو اللہ کی قدرت و حکمت کی نشانی قرار دیا۔ اور فرمایا کہ اس میں صاحبانِ عقل و فکر کے لئے بڑے بڑے اسرار و بصائر ہیں۔ آج علم الحیوان اور علم الحیات کی تحقیقات اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور انسان نے صدیوں کی تحقیق و تفتیش کے بعد چند مصالح کا سراغ لگایا ہے۔ یہ خدا کے کاموں کی انسانی تحقیق ہے اور وہ خدا کے کلمات کا مجموعہ ہے۔ پھر کیا یہ اسی کا قول نہیں جس کے "فعل" کے اسرار و مقاصد کی تحقیقات کی جا رہی ہے؟

"لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ" ——— "وَلَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ"

عن عبد الله بن عمرؓ۔ قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ
امریکہ و کناڈا میں ایک "چلّہ"

از: قاضی عبدالقادر (رفیق تنظیم اسلامی)

(تیسری اور آخری قسط)

پھر ٹورنٹو ۲۲ ستمبر کو بدھ کے دن صبح نو بجے تنظیم کے ہمارے رفیق سید جعفر صاحب کے مکان پر ڈاکٹر صاحب نے ان حضرات کو دعوت دی تھی جو تنظیم اسلامی کی دعوت کو مزید سمجھنا چاہتے ہوں اور اس سلسلہ میں عملاً کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آج صبح ہی سے موسم خراب تھا، بارش ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود بارہ حضرات تشریف لائے جن میں دو حضرات پہلے سے تنظیم کے رفیق تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کام کے سلسلہ میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔ ان کی الجھنیں رفع کیں۔ توضیح طلب امور کی وضاحت کی۔ چنانچہ دس میں سے چھ حضرات نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور تنظیم میں شامل ہو گئے۔ دعا کے بعد یہ محفل برخاست ہوئی۔ اس محفل میں انجمن خدام القرآن ٹورنٹو کے نامزد صدر ظفر حسین خان صاحب موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بعد میں بیعت کریں گے۔

ظہرانہ ہمارا ظفر حسین خان صاحب کے گھر تھا۔ اجتماع کے بعد وہ ہمیں اپنے گھر لے گئے وہاں ان کے دوسرے احباب بھی آئے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر ظفر حسین خان صاحب بمع اپنی اہلیہ کے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہو گئے۔ ایک اور خاتون بھی وہاں آئی ہوئی تھیں جو انجمن خدام القرآن ٹورنٹو کے حلقۂ محسنین میں پہلے سے شامل تھیں۔ ان کے شوہر CANADIAN ہیں۔ موصوفہ بھی ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شامل ہو گئیں۔ ظفر حسین خان صاحب کا تعلق دہلی کے مشہور حکیم خاندان سے ہے اور ان کی اہلیہ کا تعلق مولوی خاندان سے ہے۔ یہاں پر کاروبار کر رہے ہیں۔ جناب اشرف صبوحی صاحب کے بھانجے ہوتے ہیں۔ اپنے بیٹے کو برطانیہ کے ایک مدرسہ

میں قرآن حکیم حفظ کرنے کے لئے داخل کیا ہوا ہے۔ ٹورنٹو میں تنظیم اسلامی کے رفقاء کی تعداد پانچ تھی جن میں سے ایک صاحب سعودی عرب منتقل ہو گئے۔ دس حضرات (جن میں دو خواتین شامل ہیں) ہمارے اس دورہ کے دوران رفیق بنے۔ اس طرح اب وہاں پر رفقاء کی تعداد چودہ ہو گئی۔

شام کو ساڑھے تین بجے ڈاکٹر صاحب نے یونیورسٹی آف ٹورنٹو میں مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (MSA) کے زیر اہتمام انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس سنٹر" MUSLIM RENAISSANCE" کے موضوع پر انگریزی میں تقریر فرمائی۔ ہال میں ہندو پاک کے علاوہ دیگر مسلم ممالک کے طلباء و اساتذہ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر نہایت توجہ سے سنی گئی۔ بعد میں سوالات و جوابات ہوئے۔ چائے کا دور چلا اور وہیں پر نماز عصر ادا کی گئی۔ اس اجتماع کے سلسلہ میں MSA کی جانب سے خوبصورت چھپا ہوا ایک بڑے سائز کا ہینڈ بل بھی تقسیم کیا گیا۔

یونیورسٹی سے ہم ظفر حسین خان صاحب کے ساتھ ائیرپورٹ روانہ ہو گئے۔ آٹھ بجے امریکن ایرلائنز کی فلائٹ پکڑی اور سوا نو بجے شکاگو پہنچ گئے۔ شکاگو کا وقت ٹورنٹو سے ایک گھنٹہ پیچھے تھا۔ چنانچہ یہاں کی گھڑیوں میں سوا آٹھ بج رہے تھے۔ جہاز اپنے وقت سے کچھ پہلے آ گیا تھا اس لئے اسے خاصی دیر رن وے ہی پر انتظار کرنا پڑا۔ ائیرپورٹ پر ڈاکٹر خورشید ملک صاحب اور عدنان صاحب آئے ہوئے تھے جن کے ساتھ ہم قیام گاہ روانہ ہوئے۔

لاس انجیلز کے دوران قیام ہی محترم ڈاکٹر صاحب کی کمر کے بائیں جانب نیچے کی طرف درد ہوا تھا۔ ہوسٹن میں اس درد نے شدت اختیار کر لی۔ ایک رات تو شدید بے چینی میں گذاری۔ نیویارک اور ٹورنٹو میں بھی یہ درد جاری رہا اور ڈاکٹر صاحب اس کے دوران ہی تمام پروگراموں کو نبھاتے رہے۔ اس دوران کسی ڈاکٹر وغیرہ سے مشورہ کا نہ تو موقعہ ہی مل سکا اور نہ ہی ڈاکٹر صاحب نے اس کی زیادہ ضرورت سمجھی۔ انہوں نے صرف یہ کیا کہ مانٹریال اور اوٹاوہ کے پروگرام منسوخ کر کے شکاگو پروگرام سے چند روز قبل ہی واپس آ گئے۔ حالانکہ اس سے مانٹریال اور اوٹاوہ کے احباب کو مایوسی ہوئی۔ اور شاید وقتی طور پر کچھ بددلی بھی ہوئی ہو۔ مانٹریال کے ہمارے مخلص ساتھی بھائی شفیق صاحب تو ڈاکٹر صاحب کی مزاج پرسی کے لئے ٹورنٹو بھی

آئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین!

پھر شکاگو شکاگو پہنچ کر دو تین روز تو ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے ساتھ اسپتال جاتے رہے جہاں ان کے مختلف TESTS اور ایکس ریز ہوتے رہے۔ ادھر یہ ہوا کہ شکاگو سے واپسی کے بعد عارف میاں کی طبیعت خراب ہوگئی۔ بخار نے آلیا۔ سردی کے ساتھ بخار یعنی ملیریا تھا۔ کئی روز تک بستر پر پڑے رہے۔ دو پا کا کمپ سے واپسی اور لاس اینجلز روانہ ہونے سے قبل یہ خاکسار بھی ملیریا کا شکار ہو چکا تھا چار روز تک تیز بخار رہا۔ نارمل پہ آنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو خدشہ تھا کہ شاید ٹائیفائڈ ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ بخار اتر گیا ـــــ اب عارف میاں کی باری تھی ـــــ ملیریا کے بارے میں یہ پتا چلوں کہ امریکہ دکناڈا میں اسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا گیا ہے۔ باہر سے آنے والے جو اس کے جراثیم ساتھ لاتے ہیں کبھی کبھار اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

واپسی میں شکاگو میں ہم چھ دن رہے یعنی ۲۲ سے ۲۸ ستمبر تک۔ ۲۴ ستمبر کو ڈاکٹر خورشید ملک صاحب نے اپنے گھر پر عشائیہ دیا جس میں پرانے لوگوں کے علاوہ علاقہ کے نئے لوگ بھی آئے تھے۔

۲۵ ستمبر بروز سنیچر بعد نماز ظہر عابد بنگالی صاحب کے گھر پر ظہرانہ میں شرکت کی۔ اس موقعہ پر تنظیم اسلامی شکاگو کا ایک اجتماع بھی رکھ لیا گیا۔ نئے لوگ جو عرصہ سے تنظیم کے اجتماعات میں شرکت کرتے رہے تھے اور اب باقاعدہ تنظیم میں شمولیت چاہتے تھے وہ بھی اس اجتماع میں مدعو تھے۔ چنانچہ سترہ حضرات (جن میں چھ خواتین بھی شامل تھیں) نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ یعنی چھ حضرات مع اپنی بیگمات کے شامل ہوئے۔ یہاں پر کوشش یہ ہے کہ تنظیم میں شوہر کے ساتھ بیوی کو بھی شامل کیا جائے تاکہ گاڑی کے دونوں پہیئے بغیر رکاوٹ کے دین کے اعلیٰ مقصد کی جانب رواں دواں رہیں۔ شکاگو کی تنظیم میں پہلے سات رفقاء تھے جن میں سے ایک رفیق یعنی بھائی الطاف صاحب نیویارک میں ہیں۔ سترہ نئے حضرات کو شامل کر کے یہاں رفقاء کی تعداد ۲۳ ہو گئی ہے لہٰذا اب لاہور اور کراچی کے بعد تیسری بڑی تنظیم شکاگو کی ہے۔ شکاگو کی تنظیم کے امیر احمد سلطان صدیقی صاحب تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے درس سے متاثر ہو کر انہوں نے داڑھی رکھی ا

وہ بھی بہت بڑی۔ ہمارے قمر سعید قریشی صاحب کی طرح۔ جسامت میں بھی انہی کی طرح ہیں اور اقامتِ دین کے لئے محنت بھی انہی کی طرح کرتے ہیں۔ اس لئے ہم انہیں شکاگو کے قمر سعید قریشی صاحب کہتے تھے۔ ان کا پٹرول پمپ کا کاروبار ہے۔ کئی پٹرول پمپ تھے۔ جب تنظیم میں شامل ہوئے تو بنک کے سود سے چھٹکارا پانے اور بینک کا قرضہ واپس کرنے کے لئے دو پٹرول پمپ فروخت کرنے پڑے۔ اور ایک دو ہی پر گذارہ کرنا پڑا۔ اب ایک طرف تنظیم کے لئے شب و روز محنت اور دوسری طرف کاروبار کا سکڑ کر رہ جانا ــــــ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاروبار کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکے اور نقصانات برداشت کئے۔ چنانچہ امیر محترم نے رفقاء کے مشورہ سے اس سال سلیم صاحب کو امارت سے فارغ کر دیا تاکہ وہ کاروبار کی طرف توجہ دے سکیں اور ان کی جگہ احمد عبد القدیر صاحب کو امیر مقرر فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر رفقاء کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تربیت اور دین کی دعوت کی توسیع کے سلسلہ میں چند ضروری ہدایات دیں اور نصیحتیں فرمائیں۔

شام کو مسلم کمیونٹی سنٹر میں فنڈ جمع کرنے (FUND RAISING) کے سلسلہ میں اجتماع اور ڈنر تھا جس میں ڈاکٹر صاحب نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔

۲۶ ستمبر کو اتوار کے دن مسلم کمیونٹی سنٹر کے وسیع ہال میں ظہر کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب نے "اسلام میں خواتین کا مقام" کے موضوع پر تفصیلی تقریر فرمائی۔ اس کا اعلان پہلے کیا جا چکا تھا۔ مردوں کے علاوہ خواتین کی کثیر تعداد نے اس میں شرکت فرمائی۔

مغرب کے بعد عبد الرحمٰن صاحب کے گھر پر عشائیہ میں شرکت کی۔ عبد الرحمٰن صاحب اور ان کے بھائی کا تعلق کراچی سے ہے۔ یہاں پر امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے دروس سے بہت متاثر ہوئے اور دین کے لئے عملاً کچھ کرنے پر آمادہ ہیں۔ بعض وجوہات کی بنا پر ابھی تنظیم میں شامل نہیں ہوتے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ جلد ہی ان کے راستے کی رکاوٹیں دور کر کے انہیں اقامت دین کے لئے اجتماعی کوشش کی توفیق عطا فرما دے گا۔ عبد الرحمٰن صاحب نے اپنے احباب کو کھانے پر بلایا ہوا تھا۔ یہاں بھی مختلف مسائل پر دیر تک ڈاکٹر صاحب سے تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ رات کو دیر سے قیام گاہ پر پہنچے تو وہاں علاقہ کے کچھ حضرات آئے ہوئے تھے جو اس علاقہ میں

مسجد کے قیام کے سلسلہ میں بعض مسائل پر دیر تک ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کرتے رہے۔

۲۷ ستمبر کو فجر کے بعد ہی احمد عبدالقدیر صاحب تشریف لے آئے۔ ساتھ ہی جماعتِ اسلامی ہند کے رکن عرفان احمد خان صاحب بھی آ گئے۔ جن سے مختلف امور پر مفصّل تبادلۂ خیال ہوا۔

صبح دس بجے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب سے ملنے ان کے مکان پر گئے۔ ڈاکٹر صاحب اور عارف رشید چند روز قبل ایک بار اور جا چکے تھے۔ پہلے بھی امریکہ کے دورہ کے دوران ڈاکٹر صاحب کی فضل الرحمٰن صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں۔ کبھی ڈاکٹر صاحب ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ڈاکٹر صاحب کی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب صدر ایوب خان کے دور میں اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے سربراہ کی حیثیت سے متنازعہ شخصیت بن گئے تھے۔ ان کے خیالات پر علماء نے شدید گرفت کی تھی۔ مولانا احتشام الحق صاحب مرحوم خصوصاً ان کے خلاف شمشیرِ برہنہ تھے۔ اُس وقت علماء اور سیاستدانوں کا ہدف دراصل صدر ایوب تھے۔ ان کو گرانا مقصود تھا۔ لیکن صدر ایوب بھی کم سیاستدان نہ تھے۔ انہوں نے خود ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو قربانی کا بکرا بنایا اور آخرکار ڈاکٹر صاحب کو اس کوچے سے نکلنا پڑا اور ——— نکلے بھی ایسے کہ ملک ہی کو خیرباد کہہ دیا اور امریکہ میں ڈیرہ جما لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹر فضل الرحمٰن سے کئی گھنٹے گفتگو جاری رہی۔ کئی مسائل زیرِ بحث آئے۔ جن مسائل پر خصوصاً "وحی" کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کو شدید اختلاف تھا وہ بھی زیرِ بحث آیا اور ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ وہ اس موضوع پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے خیالات کے جواب میں اِن شاءاللہ "میثاق" میں مضمون لکھیں گے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے اس ارادہ کو سراہا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب میں جہاں میں نے دیگر خوبیاں پائیں وہاں یہ خوبی بھی کہ اگر دلائل کے ساتھ ان پر ان کی کوئی غلطی واضح کر دی جائے تو انہیں اسے قبول کرنے میں ذرّہ برابر تامّل نہیں ہوتا۔ بڑے لوگوں کی یہ نشانی ہے۔ ورنہ ہمارے اکثر اہلِ علم کا حال اس کے برعکس ہے۔ اب یہ ہی دیکھیے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی میز پر اُن کا لکھا ہوا ایک مقالہ رکھا ہوا تھا، غالباً ٹائپ شدہ تھا۔ یعنی ہر طرح سے تیار جو موصوف کو لاس انجیلز میں کسی کانفرنس میں پڑھنا تھا۔ موصوف نے اس مقالہ کو ڈاکٹر صاحب کو

دکھایا کہ ذرا ایک نظر آپ دیکھیں۔ اب اتنا وقت تو نہ تھا کہ اس طویل مقالہ کو ڈاکٹر صاحب پڑھتے۔ پہلے ہی صفحہ پر ایک سرسری سی نظر ڈالی کہ ایک غلطی واضح ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کو توجہ دلائی کہ ایک آیت سے "شہادت" کا جو مفہوم انہوں نے بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے صحیح مفہوم بیان کیا۔ تھوڑی دیر دونوں علماء میں تبادلۂ خیالات ہوا۔ ہر ایک نے اپنے دلائل پیش کئے۔ آخر کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ اور ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی رائے کے مطابق مقالہ میں ترمیم کرلیں گے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو اپنی کچھ کتب بھی ہدیہ کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنی کچھ کتب موصوف کو پیش کیں۔

دوپہر کا کھانا ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے چھوٹے بھائی سلطان صاحب کے ہاں تھا۔ کھانے میں دیگر چیزوں کے علاوہ دہلی کی مشہور "نہاری" اور پائے تھے اور نہایت لذیذ۔ بھائی جمیل صاحب یاد آگئے۔ عید الاضحیٰ سے ایک روز قبل ہماری عید ہوگئی دیارِ مغرب میں سری پائے اور وہ بھی اتنے لذیذ کہ بس مزہ ہی تو آگیا۔ مغرب کے بعد ہماری قیام گاہ پر تنظیم اسلامی کے رفقاء کا اجتماع تھا۔ جہاں پر کام کے سلسلہ میں مزید بات چیت ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے ہدایات دیں۔ شہر کو تین اُسروں میں تقسیم کیا گیا۔ جن کے تین ناظمین مقرر ہوئے۔ یعنی بھائی وجیہہ الدین صاحب، بھائی ضیاء الدین ملک صاحب اور بھائی عارف پردیسی صاحب۔ بھائی احمد عبدالقدیر صاحب کو تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی شکاگو کے امیرِ تنظیم کی حیثیت سے نامزد فرما چکے تھے۔ اب بھائی محمد علی چوہدری صاحب بحیثیت معتمد یعنی جنرل سیکرٹری اور بھائی عابد بنگالی صاحب ناظم بیت المال کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کی جانب سے ضروری ہدایات اور نصائح اور پھر دعائے خیر کے بعد اجتماع کی یہ کارروائی ختم ہوئی۔

عید الاضحیٰ آج ۲۸ ستمبر ہے اور عید الاضحیٰ ہے۔ عید کا سب سے بڑا اجتماع اس سال شہر کے وسط میں انٹرنیشنل ایمپی تھیٹر (INTERNATIONAL AMPITHEATR) میں منعقد کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا ہال ہے۔ جہاں پر ہزاروں افراد بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ صفوں کے لئے کاغذ

کے تھال بچھا دیئے گئے تھے ۔ دراصل یہاں پر امریکہ میں ہر چیز DISPOSABLE ہے جو کاغذ سے بنائی جاتی ہے۔ دعوتوں کے لئے دسترخوان سے لے کر پلیٹیں، گلاس، چمچوں، پیالوں اور تولیہ تک ہر چیز DISPOSABLE ہے۔ یعنی استعمال کے بعد پھینک دی جائے ۔ یہی حال جائے نماز کا تھا ۔ کاغذ کے تھان بچھے ہوئے تھے۔ جو ظاہر ہے نماز کے بعد ردی کی نذر ہو جائیں گے ۔ نماز ڈاکٹر صاحب نے پڑھائی اور اس کے بعد گرجدار آواز میں انگریزی میں طویل خطبہ دیا۔ جو بہت مؤثر تھا حسب معمول ہمارے احباب نے نہ صرف اس کو ٹیپ کیا بلکہ اس منظر کو فلم کے ذریعہ محفوظ کر لیا ۔ شکاگو ٹیلیویژن کی جانب سے بھی لوگ آئے تھے ۔ جنہوں نے اس کی فلم بندی کی اور بعد میں شام تک ہر دو ایک گھنٹہ کے بعد خبروں کے بلیٹن کے ساتھ اس کی فلم بھی دکھائی گئی۔ جس میں ڈاکٹر صاحب خطبہ دے رہے تھے۔

واپسی برٹش ایرویز کی آج شام کی فلائٹ میں شکاگو سے لندن تک کیلئے ہماری نشستیں ریزرو تھیں اور لندن سے اسلام آباد کے لئے ۲ اکتوبر کو۔ ہم نے اس کی کوشش کی تھی کہ کسی طرح اگلے روز یعنی کل ۲۹ ستمبر کو لندن سے اسلام آباد کیلئے نشستیں مل جائیں لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد ہم نے سوچا کہ چلو برٹش ایرویز کے دفتر سے جو قریب ہی تھا ایک بار پھر کوشش کر دیکھیں۔ جا کر معلوم ہوا کہ کل کے لئے تین نشستیں مل گئیں ۔ دراصل ہم لوگ ڈاکٹر صاحب کی بیماری کی وجہ سے جلد وطن لوٹنا چاہتے تھے ۔ لندن میں ہم اپنی آمد کی اطلاع عبدالجلیل ساجد صاحب کو دے چکے تھے اور انہوں نے اپنے احباب سے مل کر وہاں پر ڈاکٹر صاحب کا تین روز کا پروگرام بھی ترتیب دے لیا تھا۔ لیکن اب نشستیں مل جانے کے بعد لندن کا قیام ممکن نہ رہا۔ عبدالجلیل ساجد صاحب کو ٹیلیفون کے ذریعے اطلاع کر کے معذرت کر لی گئی اور ہم لوگ رات کو ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے شکاگو سے لندن روانہ ہو گئے ۔ ایئرپورٹ پر کثیر تعداد میں احباب الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے ۔ برٹش ایرویز کے جمبو جیٹ نے اگلے دن صبح دس بجے (لندن کے مقامی وقت کے مطابق) لندن پہنچا دیا ۔ لندن میں کہر تھی اور بوندا باندی جاری تھی۔ ٹرمینل ۳ سے ہم بذریعہ بس ٹرمینل ۲ پہنچے ۔ سامان ہم نے شکاگو سے براہ راست راولپنڈی کے لئے بک کرا دیا تھا۔ تین گھنٹے کے بعد یعنی دوپہر ایک بجے ہم برٹش ایرویز

کے ٹرائی اسٹار (TRI - STAR) کے ذریعہ عازم راولپنڈی ہوئے۔ راستہ میں جہاز دوہا اور ابوظہبی رُکا۔ ابوظہبی میں ہمیں جہاز سے اتر کر ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے کی اجازت مل گئی۔ کراچی کی ڈیفنس سوسائٹی کی مسجد کے ہال کی طرح مگر اس سے بہت بڑا ہال تھا۔ جس میں نیچے چاروں طرف دوکانیں تھیں اور اوپر دفاتر۔ درمیان میں فوارے جیسی شکل تھی جو اوپر جاکر ہال میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ ہم نے سوچا یہاں پر نماز باجماعت ادا کر لی جائے کیونکہ طیارہ کے اندر اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہاں نماز کی جگہ کا معلوم کیا گیا لیکن معلوم ہوا کہ ٹرانزٹ لاؤنج کی اتنی بڑی عمارت میں اور تو سب کچھ ہے۔ لیکن نماز کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں کی گئی ـــــــ یہ تھا متحدہ عرب امارات کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ ـــ! بہرحال ہم نے ایک صاف سی جگہ پر زمین ہی پر نماز ادا کی ـــــ تیرہ گھنٹے کی پرواز کے بعد اگلے دن یعنی ۲۰ ستمبر کی صبح پونے چھ بجے ہمارا طیّارہ راولپنڈی کی زمین کو چھو رہا تھا۔ شکاگو سے راولپنڈی تک مسلسل سفر میں جہاز میں ہم نے دو راتیں اور ایک دن گذارا۔ یعنی ۳۶ گھنٹے لیکن ٹائم زون کی تبدیلی کی وجہ سے یہ دو راتیں اور ایک دن ۲۴ گھنٹے میں پوری ہوگئیں۔ اس دوران سونے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ مسلسل جاگتے ہی رہے۔

راولپنڈی ایئرپورٹ پر جہاز کے رُکنے اور دروازہ کھلنے کے بعد سب سے پہلا مسافر جس نے قدم باہر نکالا وہ یہ خاکسار تھا۔ وطن کی بھینی بھینی خوشبو کی ایک لپٹ آئی اور جسم و جان کو معطّر کر گئی ـــــ اپنا وطن پھر اپنا وطن ہے اور یہ وطن میرا وطن اس لئے ہے کہ یہ اسلام کا وطن ہے ورنہ میرا اصل وطن تو اسلام ہے ؏

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

یہ ملک چونکہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے قائم ہوا ہے۔ اس لئے میرے وطن کی محبت دراصل میرے دین کی محبت کی وجہ سے ہے۔

انجمن خدّام القرآن راولپنڈی کے صدر جناب جسٹس (ریٹائرڈ) عبدالحکیم صاحب ہمارے استقبال کو موجود تھے۔ انہیں لاہور سے بذریعہ فون ہمارے آنے کے پروگرام کا علم ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اور دین سے تعلق کی محبت انہیں صبح ہی صبح کشاں کشاں ایئرپورٹ کھینچ لائی تھی ـــــ ناشتہ کے لئے اصرار کرنے لگے۔ لیکن ہمیں چونکہ جلدی لاہور روانہ ہونا تھا اس لئے معذرت کر لی گئی۔

پی۔ آئی۔ اے کا نوکر طیارہ ہمیں پونے نو بجے لے کر راولپنڈی سے روانہ ہوا اور پونے دس بجے ہم لاہور ایئرپورٹ پر لینڈ کر رہے تھے۔ احباب کثیر تعداد میں ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ ۲۰ اگست کو ہم امریکہ پہنچے تھے اور ۲۸ ستمبر کی رات کو وہاں سے روانہ ہوئے۔ اس طرح ہم امریکہ و کناڈا میں چالیس دن یعنی ایک چلّہ کاٹ کر واپس آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے واپس لاہور آجانے پر احباب خوش تھے کہ اب پھر گرمیٔ محفل کا سامان بنے گا۔ اور سے

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش!
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۔ ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

افکار و آراء

(۱)

نظامِ قدرت اور تقاضائے فطرت

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم!

ماہنامہ "میثاق" کی مئی ۸۲ء کی اشاعتِ خصوصی میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مضمون "اسلام میں عورت کا مقام" پڑھ کر ذہن و قلب کو تنویر حاصل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں عورت کا جو مقام اور دائرہ کار مقرر کیا گیا ہے، اغور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فطرت اور قدرت کے نزدیک عورت کی مثال شہد کی مکھیوں کی ملکہ کی سی ہے بلکہ چھتہ کی سب سے ممتاز اور فعال رکن ہے۔ ذاتی طور پر وہ لاکھوں میں سے ایک ہے۔ سب سے زیادہ Important اور واحد حیثیت کی مالک ہے۔ اس کی دیکھ بھال رہائش اور خوراک کا خاص طور پر سب سے مخصوص اور بہتر انتظام کیا جاتا ہے اور مکھیوں کے نظام میں ملکہ کی حیثیت The single most vital member کی ہے۔ اور ملکہ کے بغیر ان کے سماجی، معاشی، اور معاشرتی نظام کے چلنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ ان کی بقا کا دارو مدار بھی اس کی کارکردگی پر منحصر ہے۔ لیکن ملکہ ہمیشہ اور دائمی طور اپنی جگہ چھتہ میں قائم اور دائم رہتی ہے۔ وہ شہد جمع کرنے یا دوسرے فرائض یا کاموں کے سرانجام دینے کے لئے باہر سرگرداں نہیں پھرتی۔ اس کا اپنا مخصوص دائرہ کار ہے، جو چھتے کے اندر ہی واقع ہے اور وہ باہر سیر سپاٹے یا کام کاج کے لیے پھرنے کی بجائے چھتے کے اندر رہ کر اپنے فرائضِ منصبی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہے۔ اس کے دل میں مزدور مکھیوں کی طرح نہ باہر نکل کر شہد جمع کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور نہ اس معاملہ میں وہ ان سے رشک یا حسد کرتی ہے۔ وہ بیرونی دنیا کی تگ و دو سے قطعاً بے نیاز ہو کر تندہی سے اپنے فرائضِ منصبی میں دن رات چوبیس گھنٹے اور تین سو پینسٹھ دن لگی رہتی ہے۔ یہی اس کی دنیا ہے۔ یہی اس کا کام ہے۔ اسی کے لیے اس کی

تخلیق خالقِ کائنات نے کی ہے۔ وہ اسی میں مگن رہتی ہے۔ اسے چھتے کے دوسرے طبقات کے کاموں سے تعرض نہیں۔ نہ وہ اس کے دائرہ کار میں ہیں۔ اور نہ وہ ان میں دخل انداز ہوتی ہے۔ وہ ایک قدم بھی نہیں اُڑتی حالانکہ دوسری مکھیاں روزانہ درجنوں میل اُڑ کر پھول پھول کی سیر کرتی ہیں۔ انہیں چوستی ہیں رس پیتی ہیں اور جمع بھی کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ شہد کی مکھی کا مقام out-door work میں تندہی۔ کاوش۔ ریاضت۔ مشقت اور جانفشانی کے معاملہ میں مخلوق میں ممتاز ترین ہے۔ غالباً اولین ہے اور Organisation or Descipline میں تو وہ اشرف المخلوقات حضرتِ انسان کو بھی میلوں پیچھے چھوڑ گئی ہے۔

شہد کی مکھیوں کے نظام میں جو غالباً مخلوق کا سب سے منظم اور باقاعدہ نظام ہے ہر ایک جنس و طبقہ کے مخصوص فرائض ہیں۔ ان کے اپنے دائرہ کار ہیں یہ فرائض اربوں سال کے Trial & Error کے ذریعہ اس جنس و طبقہ کے افراد کے Temprament طبیعت۔ فطرت۔ عادت۔ خصلت یعنی characteristics خصوصیات وغیرہ وغیرہ کے تحت وجود میں آئے ہیں اور بانٹے گئے ہیں۔ Above all ان کے خالق نے ان کے فرائض اپنی دانشِ حقیقی کے ذریعہ تخلیق کے وقت ان کی فطرت میں سمو دیئے ہیں۔ ایک جنس یا ایک طبقہ دوسرے کے فرائض منصبی پر نہ ڈاکہ ڈالتا ہے اور نہ عداوت بغض، حسد یا جلن یا رشک محسوس کرتا ہے جس کو خالق نے جس کام کے لیے موزوں بنایا ہے۔ وہ اپنے اسی دائرے میں تندہی، امانت، دیانت، خوش اسلوبی اور مستعدی سے کام میں مصروف رہتا ہے۔ جنسوں یا طبقوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی Friction نہیں ہے۔ ایک طبقہ یا ایک رکن دوسرے کے فرائض یا حقوق غصب کرنے کی کوشش میں اپنی قوتوں کو ضائع نہیں کرتا اور نہ Frustrations کا شکار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے شہد کی مکھیوں کا عائلی۔ سماجی۔ معاشی اور معاشرتی نظام کرۂ ارض پر سب سے زیادہ Efficiently and smooth running organisation ہے۔ یہ نظام اربوں سال سے اسی طرح چل رہا ہے اور غالباً تا قیامت

چلتا رہے گا۔

کاش یہ حضرتِ انسان جو اپنے آپ کو اتنا بلند و برتر سمجھتا ہے — بمصداق "ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی قائل نہ ہوا" اور خاص طور پر اس کے گھرانہ کی ملکہ مولی الم یزل کی اس بظاہر ادنیٰ اور حقیر سی مخلوق سے سبق حاصل کر سکے۔ آمین۔ ثم آمین۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(میجر اے کیو شاہ ۔ الحبیب ٹرسٹ لاہور چھاؤنی)

—— (۲) ——

مکرمی و محترمی جناب ایڈیٹر صاحب ۔ السلام علیکم!

اللہ رب العزت نے واقعی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اپنے فضلِ خاص سے فہم قرآن ودیعت فرمایا ہے اور موصوف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کے معروضی مطالعے اور اس سے صحیح رہنمائی اخذ کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت ۲۱ کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس میں ہم مسلمانوں کے لیے اشد ضروری راہنمائی موجود ہے۔ شاید ہی کسی سیرت نگار نے نبیٔ خاتم اور آخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے اس پہلو کو اجاگر کیا ہو کہ آں حضورؐ نے دعوتِ توحید، پیغامِ ربانی اور اقامتِ دین کا فرضِ منصبی انقلابی طرز کی جدوجہد فرما کر خالص انسانی سطح پر مصائب و مشکلات جھیل کر بنفسِ نفیس صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہو۔

ڈاکٹر صاحب کا خطاب بعنوان "ہماری دینی ذمہ داریاں ۔ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں" شائع شدہ میثاق شمارہ نومبر ۱۹۸۲ء واقعتہً انتہائی مؤثر اور فکر انگیز ہے۔ اس کے مطالعے سے مسلمانوں کے دل میں حرارتِ ایمانی اور جوشِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس خطاب کو پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جن اہلِ ثروت کو دین سے محبت اور شغف عنایت فرمائی ہے، ان کا فرض ہے کہ وہ اس خطاب کو اپنے طور پر طبع کرا کے ہر پڑھے لکھے مسلمان کو پہنچانے کی کوشش کریں۔ حقیقتاً ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب منصب

رسالت اور اسوہ حسنہ کا صحیح طور فہم پیدا کرنے اور لوگوں میں عمل کے لیے جوش و ولولہ اُبھارنے نیز اسلام کی انقلابی دعوت کا شعور پیدا کرنے کے سلسلے میں انشاء اللہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

والسلام نیاز کیش حبیب الرحمٰن ۔ رتن تالاب ۔ کراچی

—— (۳) ——

ملک کے موقر روزنامہ "جسارت" کراچی کا ایک تبصرہ۔

فہم قرآن رات نو بجکر دس منٹ پر پیش کیا جانے والا پروگرام "فہم قرآن" نشریات میں خرابی کا شکار رہا۔ مقرر تھے اور پروڈیوسر آصف قاضی۔ بحث کا موضوع سورۂ توبہ کی چند آیات تھیں لیکن انداز پھیکا اور غیر متاثر کن تھا۔ "فہم قرآن" ڈاکٹر اسرار والے مقبول ترین پروگرام "الہدیٰ" کا چربہ ہے لیکن اس کو وہ مقبولیت اور اثر اندازی حاصل نہیں ہے جو مرحوم "الہدیٰ" کو تھی۔ لہٰذا قابل مبارکباد ہیں ٹی وی کے وہ اربابِ اقتدار جن کی دلی خواہش تھی کہ اب ٹی وی اسٹیشن پر خواتین کے مظاہرے کی نوبت نہ آئے۔ ان کی تمنا یقیناً پوری ہو چکی ہے۔

(ماخوذ اشاعت ۴ دسمبر ۸۲ء از ٹی وی تبصرہ)

موقر روزنامہ "جسارت" کراچی ۔ موقر روزنامہ "الفلاح" پشاور نیز بعض دیگر جرائد بھی فہم قرآن کے اکثر پروگراموں پر اسی نوع کا اظہارِ خیال کر چکے ہیں اور الہدیٰ کی افادیت اور اس کی تاثیر کے پیشِ نظر اس کی تجدید کے لیے ٹی وی کے اربابِ اختیار کو متوجہ کرا چکے ہیں۔ روزنامہ "جسارت" میں اس سے قبل بھی اس قسم کی رائے کا اظہار ہو چکا ہے۔ (ادارہ)

EAGLE
ایگل
ایک عالمگیر قلم
خوشخط، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
اریڈیم ٹپڈ نب
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز اینڈ کمپنی لمیٹڈ

تبصرۂ کتب

شرحِ تلمیحات و مشکلاتِ اکبر

مولفہ : پروفیسر یوسف سلیم چشتی
شائع کردہ : عشرت پبلشنگ ہاؤس، ہسپتال روڈ، لاہور
سائز : ۱۸x۲۲/۸ ، صفحات ۴۲۴ ، قیمت : ۲۰ روپے

اکبرالٰہ آبادی کا نام عام اردو داں طبقے میں غیرمعروف نہیں۔ تاہم اکبر کے جاننے والوں، میں سے بھی اکثر اُنہیں محض ایک ظریف شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ برجستگی اور شگفتگی و ظرافت یقیناً اکبر کے نمایاں اوصاف ہیں لیکن اُن کے کلام کا اگر بحیثیتِ مجموعی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض ایک ظریف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک فلسفی و حکیم اور صوفی و عارف بھی تھے چنانچہ اُن کی ظرافت بھی عمق و گہرائی لئے ہوتے ہے اور اپنی شگفتہ بیانی ہی میں وہ بہت فکر انگیز باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اور اس طرح اُن کے اکثر ظریفانہ اشعار بھی ہمیں کسی نہ کسی پیغام کے حامل نظر آتے ہیں۔

گو اکبر کے کلام میں وہ غالب کی سی 'مشکل پسندی' نہیں ہے جس نے خود اپنے کلام کے بارے میں کہا تھا کہ ؎

آگہی دامِ شنیدن جسقدر چاہے بچھائے ۔۔۔ مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

تاہم اکبر کے وہ اشعار جو فلسفیانہ گہرائی اور عارفانہ گیرائی لئے ہوتے ہیں، ان کا سمجھنا آسان نہیں۔ اسی طرح اُن کے کلام کی تلمیحات کا فہم ہرکس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اسی لئے اکبر نے کہا تھا ؎

نغماتِ سازِ اکبر کی لے کو کون سمجھے ۔۔۔ ماہر نہیں ہیں ہم میں اِس تال اور سُر کے

زیرِ تبصرہ کتاب کے مولف، پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ اقبال کے فارسی کلام کے شارحین میں موصوف کا نام سرفہرست ہے۔ اقبال کے مرشدِ معنوی یعنی اکبر سے چشتی صاحب کو ایک خاص نسبت حاصل ہے۔ اس نسبت کی تفصیل اسی کتاب کے دیباچے میں وضاحت سے موجود ہے۔ مختصراً اتنا کہہ دینا کافی

ہے کہ صرف سلیم چشتی ہی اکبرؔ کے کلام میں واردشدہ تلمیحات کی شرح کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبرؔ کے انتقال کو ساٹھ برس بیت چکے ہیں لیکن آج تک اس موضوع پر سوائے چشتی صاحب کے کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ کلامِ اکبرؔ کی تلمیحات کو سمجھنا کس قدر مشکل ہے اس کے لئے بطورِ نمونہ ایک شعر پیش خدمت ہے۔

یا امی ٹیشن کے بدلے جائیے، دودھ اور کھانڈ لے
یا ایجی ٹیشن کے بدلے تو چلا جا مانڈلے

اس میں اشارہ ہے مشہور سیاسی لیڈر لالہ لاجپت رائے (متوفی ۱۹۲۸ء) کی نظر بندی کی طرف جسنے انگریزوں کے خلاف ۱۹۰۸ء میں سب سے پہلے باغیانہ تقاریر کی تھیں چنانچہ انہوں نے فوراً اُسے مانڈلے (برما کا مشہور شہر) چلتا کیا۔

"شرحِ تلمیحات و مشکلاتِ اکبرؔ" میں تلمیحات کی تشریح کے ساتھ ساتھ کلامِ اکبر کے اکثر مشکل اشعار کی شرح بھی بہت ہی آسان فہم اور خوبصورت انداز میں کی گئی ہے اور یقیناً یہ کتاب طلبہ اور علم دوست حضرات کے لئے کلامِ اکبر سے تعارف حاصل کرنے کا ایک بہتر ذریعہ اور اس کے فہم کے حصول کے لئے ایک کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔ چشتی صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اکبرؔ کے کلام میں دل و دماغ دونوں کی تربیت اور آبیاری کا سامان وافر مقدار میں موجود ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں جو چار اشعار انہوں نے پیش کئے ہیں وہ واقعتہً ان کے دعوے کی صداقت کا ثبوت بھی ہیں اور پیش کئے جانے کے قابل بھی۔ ملاحظہ ہوں۔

تو وضع پہ اپنی قائم رہ، فطرت کی مگر تحقیر نہ کر
دے پاتے نظر کو آزادی خودبینی کو زنجیر نہ کر
گو تیرا عمل محدود سہی اور اپنی ہی حد مقصود سہی
رکھ ذہن کو ساتھی فطرت کا بند اس پہ در تاثیر نہ کر
باطن میں اُبھر کر ضبطِ فغاں، لے اپنی نظر سے کارِ زباں
دل جوش میں لا، فریاد نہ کر، تاثیر دکھا، تقریر نہ کر
تو خاک میں مل، اور آگ میں جل جب خشت بنے تک کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پہ بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر

حاصل کرکے اس کی توسیعِ اشاعت میں ہاتھ بٹائیے

- "میثاق" عام معنوں میں صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ دعوتِ رجوع الی القرآن کی تحریک ہے جس کے ساتھ تعاون کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ آپ "میثاق" کی ایجنسی قبول فرمائیں۔
- "ایجنسی" اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کیلئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زرِ تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینہ ایک پرچہ کی قیمت دیکر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے "میثاق" کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔

ٹیلی ویژن کے پروگرام "الھُدیٰ" کے ذریعے

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قرآن حکیم کی دعوت کو جس وسیع پیمانہ پر پھیلا رہے ہیں۔ اس کے ہمہ گیر اثرات پاکستان کے شہروں ہی میں نہیں قصبات اور دیہات تک پہنچ رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ "میثاق" کے ذریعہ اس دعوت کو مزید عام کیا جائے اور عوام الناس کو بندگیٔ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے فرائض یاد دلا کر انہیں اجتماعی طور پر ادا کرنے کی تحریک برپا کی جائے۔ اس سلسلہ میں ہم اپنے تمام ہمدردوں اور کرم فرماؤں سے گذارش کریں گے کہ اپنے شہروں میں "میثاق" کی ایجنسی کا اہتمام فرمائیں بلکہ مزید تعاون یہ ہوگا کہ ہمارا ہر ہمدرد اور رفیق اس کی ایجنسی لیکر اس کارِ خیر میں معاون بن جائے۔

ایجنسی کی شرائط

- ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔
- کمیشن ۳۳ فی صد دیا جاتا ہے۔
- پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔
- مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی۔پی۔ روانہ کئے جاتے ہیں۔
- خریدے ہوئے پرچے واپس نہیں لئے جاتے۔

منیجر "میثاق"

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

HONDA

Regd. No 7360.

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol 32 JANUARY 1983 No. 1

میثاق
لاہور
مدیر مسئول : ڈاکٹر اسرار احمد
مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

جلد: ۳۲ | شمارہ: ۲ | ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق فروری ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر

ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون: ۸۵۲۶۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل الرحمٰن

عرض احوال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ رب العزت کی توفیق و تائید سے 'ماہنامہ میثاق' کا ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق فروری ۱۹۸۳ء کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ اس شمارے میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا وہ خط بھی شامل ہے جو موصوف نے ۲۷ دسمبر ۸۲ء کو صدر پاکستان محترم جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ ہمارا ملک سلطنت خداداد اس وقت دینی و اخلاقی اعتبار سے جس انحطاط و زوال اور سیاسی لحاظ سے جس تعطل و انتشار کے بحران سے دوچار ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اور یقیناً اس صورتِ حال سے ہر محبِ دین و محبِ وطن سخت مضطرب و پریشان اور مبتلاء تشویش ہے۔ ان ہی کیفیات سے ڈاکٹر صاحب موصوف بھی دوچار رہتے ہیں چنانچہ خالصتاً نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت اپنے فہم کے مطابق مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اجتماعاتِ جمعہ میں مسلسل کئی تقاریر میں وہ ان موضوعات پر مفصل اور سیر حاصل گفتگو کرتے رہے ہیں۔ مزید یہ کہ پاکستانی معاشرے میں حقیقی ایمان کی شمع فروزاں اور رجوت جگانے کے لئے دعوتِ رجوع الی القرآن اور تحریک تجدید ایمان، توبہ اور تجدید عہد کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے، ان کی تمام تر مساعی کا ہدف اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور تجدید دین کی مثبت دعوت ہے۔ ملک کے موجودہ دینی انحطاط اور سیاسی بحران کو دُور کرنے کے جذبے کی خاطر انہوں نے محترم صدر پاکستان کو یہ خط لکھا تھا۔ اس خط کا متن روزنامہ جنگ کراچی، لاہور، راولپنڈی اور کوئٹہ میں بھی شائع ہو چکا ہے اور اب اس کو قارئین میثاق کے مطالعہ اور غور و فکر کے لئے اس شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان شاء اللہ اس خط پر آراء اور تبصروں کا خواہ وہ تائیدی ہوں خواہ اختلافی، خیر مقدم کریں گے اور ان پر غور و فکر فرمائیں گے۔ ہمارے علم کی حد تک دو تین روزناموں اور ایک مؤقر دینی ہفت روزہ میں تا حال تبصرہ کیا گیا ہے۔

اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ان آراء اور تبصروں کو مکمل یا ان کے اہم اقتباسات 'میثاق' میں شائع کر دیئے جائیں گے ۔

تقریباً سات آٹھ ماہ قبل سرکاری اور نیم سرکاری سطح پر تحریکِ اصلاحِ معاشرہ کا غوغا اٹھا تھا ۔ شروع شروع تو سرکاری، نیم سرکاری طور پر محافل و مجالس، تقاریر و مضامین اور اخباری بیانات میں اس کا کافی چرچا رہا ۔ لیکن جو حشر 'چادر و چہار دیواری' کے تقدس کو قائم اور نافذ کرنے کے دعوے کا ہوا تقریباً اسی سے یہ تحریک بھی دوچار ہوئی اور اس غبارے میں سے بھی ہوا نکل گئی اور اب اس کا ذکر شاذ ہی ہوتا ہے ۔ وہ بھی تبرکاً ۔ بعض اہلِ دل اور دردمند اصحاب نے اس ضمن میں نہایت مخلصانہ اور دردمندانہ مشورے اور تجاویز بھی پیش کیں جو خالصتاً نفع و خیرخواہی پر مبنی اور عملی تدابیر سے متعلق تھیں ۔ لیکن یہ باتیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں اور ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئیں ۔ چونکہ ملک کے بیشتر ذرائع ابلاغ جن میں سے دو مؤثر ترین ذرائع ریڈیو اور ٹیلیویژن ہیں اور جو براہ راست حکومت کے کنٹرول میں اصلاح و تعمیرِ معاشرہ کے بجائے تخریب کاری میں مصروف رہے ۔ چنانچہ یہ تحریک اصلاح معاشرہ قطعی ناکام رہی ۔ پھر مزید یہ کہ ریڈیو اور ٹی وی میں دینی و اصلاحی پروگراموں کا تناسب ویسے ہی انتہائی کم ہے اور جو کچھ پیش ہوتا ہے وہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر اور محض تبرکاً اور برائے بیت ہوتا ہے ۔ ان کا اگر کوئی اثر ناظرین پر مترتب ہوتا بھی ہو تو ایسے پروگراموں کے ماقبل اور مابعد کے پروگرام اس اثر کو اس طرح wash out کر دیتے ہیں جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے ۔

ایک معاشرہ دراصل خاندانوں کے اجتماع سے عبارت ہوتا ہے اور خاندان کی اکائی فرد ہوتا ہے ۔ لہذا اصلاح معاشرہ کی کسی تحریک کی کامیابی کے لئے فرد کی اصلاح کو اوّلیت و اقدمیت حاصل ہوتی ہے ۔ اس ذیل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرد کی اصلاح اور اس کی تعمیر کردار اور سیرت سازی کی اساسات کیا ہیں ؟ پھر ہمارے لئے انتہائی ضروری بلکہ قطعی ناگزیر بات یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ انفرادی تعمیرِ سیرت و کردار اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے ہمارا دین کن اساسات کی تعلیم و ہدایت

عطا فرماتا ہے - ! اسی ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے مسجد دارالسلام کے دو اجتماعاتِ جمعہ اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی دس سالہ تقاریب کے افتتاحی اجلاس میں "اصلاحِ معاشرہ اور قرآن حکیم" کے موضوع پر تین تقریریں کی تھیں، جن میں موضوع متعلقہ کے ساتھ ساتھ بڑے شرح و بسط کے ساتھ وہ اصول و مبادی بھی آ گئے جو کسی اصلاحی تحریک کو انقلابی رنگ دے سکتے ہیں اور جن کی بدولت تعمیرِ کردار اور اصلاحِ معاشرہ ہی نہیں بلکہ ایک عالمی اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو سکتی ہے - تنگیٔ داماں کے باعث پہلی تقریر کا بھی نصف حصہ اس اشاعت میں شامل ہو سکا ہے - ان شاء اللہ تمام ہی تقاریر کی اشاعت کا قسط وار سلسلہ جاری رہے گا -

---

کتنی ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف اصلاحِ معاشرہ کی تحریک چلائی جاتی ہے دوسری طرف قوم کو مختلف لغو بے مقصد اور تضیع اوقات کی انواع کی دلچسپیوں میں مشغول رکھنے کی کامیاب کوششیں بھی شد و مد کے ساتھ جاری رکھی جاتی ہیں - مزید برآں ثقافت کے نام پر سرکاری و نیم سرکاری سطح پر لذت کوشی کے پروگراموں کو رُو بعمل لانے کا کام بھی تسلسل سے جاری ہے - جس کی تازہ ترین دو مثالوں کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا - چونکہ یہ داستانِ غم اتنی طویل ہے کہ اس کے لئے 'عرض احوال' کے صفحات کفایت کر ہی نہیں سکتے - ان میں بہت نمایاں تفریح قوم کو کرکٹ فوبیا میں مبتلا کرنے کی رفتار میں بے حد حساب اضافہ ہے - سالِ گذشتہ ۸۲ء میں پاکستانی ٹیم نے انگلستان کا دورہ کیا پھر خود ہمارے ملک میں سری لنکا، آسٹریلیا اور بھارت کی کرکٹ ٹیمیں آئیں بھارت ٹیم کا یہ دورہ تاحال جاری ہے چونکہ یہ چھہتر دنوں پر محیط ہے اور فروری ۸۳ء کے اوائل میں اختتام پذیر ہو گا - بھارت کا یہ دورہ ان حالات میں شروع ہوا ہے جبکہ بھارت کے متعدد مشہور شہروں میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی اور تاہنوز کھیلی جا رہی ہے - چنانچہ اس دورے میں بھارتی ٹیم کے منیجر جناب فتح سنگھ گائیکواڈ صاحب سابق مہاراجہ ریاست بڑودہ ہیں - اس دورے کے دوران 'بڑودہ' میں مسلمانوں کو تختۂ ستم بنایا گیا اور ان پر غیر مسلموں کی طرف سے تاخت ہوئی

جس کی وجہ سے جناب منیجر صاحب کو دورے کے درمیان دو تین دن کے لئے پردہ
جانا پڑا۔ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیئے کہ بھارت میں بسنے والے حساس و مظلوم دلوں پر
کیا گزر رہی ہوگی ۔ ایک طرف بھارت میں ان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہو
اور دوسری طرف پاکستان میں بھارتی کھلاڑیوں کے ساتھ بطور تفریح کرکٹ کا کھیل
پورے جوش و خروش سے جاری ہو۔ اور اس میدان میں پاکستانی اپنی فتح پر شادیانے
بجا رہے ہوں اور وہاں مسلمانوں کا جو مظلومانہ اور ناحق خون بہہ رہا ہے اس پر رونے
والی آنکھ کوئی نہ ہو ۔ کھیل کی اس سیریز میں بھارتی ٹیم پر جو پاکستانی سرمایہ اور
زرمبادلہ صرف اور ادا کیا جائے گا ۔ اس کی تفصیل روزنامہ جنگ (اشاعت ۲۳
جنوری) میں اس طرح آئی ہے ۔

و "پاکستان بورڈ انڈین بورڈ کو اس سیریز کا معاوضہ تقریباً ۸۰ ہزار امریکن
ڈالر ہیں ادا کرے گا ۔"

و "دیگر الاؤنسیز یہ ہوں گے ۔ ٹیم کو تیئیس ۲۳ ہزار چار سو روپے ہفتہ وار الاؤنس"

و "خرچہ رہائش کھانا ٹیم ۔"

و "پانچ ہزار روپے منیجر ۔ ڈھائی ہزار روپے ڈپٹی منیجر" ۔ اس میں یہ تصریح نہیں
ہے کہ یہ الاؤنس ہفتہ وار ہے یا پورے دورے کے لئے ہے ۔ غالب گمان
یہ ہے کہ یہ ہفتہ وار الاؤنس ہے ، پھر ٹیم کے مختلف مقامات پر کھیل کے لئے
آمد و رفت ، جن میں ہوائی جہاز ، ریل کی ایئر کنڈیشنڈ کلاس میں سفر اور دوسرے
ٹرانسپورٹ کے اخراجات اس کے علاوہ ہیں استقبالیوں ، عشائیوں اور انعامات کے
اخراجات مستزاد اور یہ سب کچھ اس دور میں ہو رہا ہے جبکہ ضروریات زندگی کی اشیاء
ملک میں انتہائی گرانی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور ملک توانائی (Energy) بجلی
اور گیس کے بحران سے دوچار ہے ۔ پھر اسٹیڈیم میں کھیل دیکھنے کی بدولت
قومی زندگی میں ایک نوع کے تعطل کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ طلبہ طالبات
سرکاری اداروں کے کارکن عموماً ٹی وی پر میچ دیکھنے یا ریڈیو پر کمنٹری سننے میں اپنا
وقت ضائع کرتے ہیں ۔ تقریباً یہی کیفیت اکثر نجی اداروں کے کارکنوں اور اکثر
عام لوگوں پر طاری رہتی ہے ۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جمعۃ المبارک کا دن

لازماً اس کھیل میں شامل کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی اسٹیڈیم کے باہر تمام شرکاء کے لئے جمعہ کی نماز کی ادائیگی کا انتظام ممکن نہیں۔ گویا اس طرح قضاءِ صلوٰۃ جمعہ کے جرم کا حکومتی سطح پر ارتکاب ہوتا ہے۔ اسٹیڈیم میں بیٹھے رہنے یا ادھر اُدھر گشت کرنے والوں میں اگر وہ لوگ بھی شامل ہوں جو سرے سے جمعہ کا اہتمام نہیں کرتے تو انفرادی طور پر وہ تو گنہگار ہیں ہی، البتہ جمعہ کو کھیل رکھنے کی وجہ سے تمام اربابِ اختیار بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں، چاہے اس کا ان کو شعور ہو یا نہ ہو ــــ اس مسئلہ پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے خطابات اجتماع جمعہ میں دو ڈھائی سال قبل کئی بار حکومت کو توجہ دلا چکے ہیں اس کا ایک فوری اثر تو یہ ہوا تھا کہ وفاقی حکومت کی طرف سے اعلان ہوا تھا کہ جمعہ کی نماز سے قبل کوئی کھیل پاکستان کے کسی گراؤنڈ میں سرکاری سرپرستی میں نہیں ہوگا۔ لیکن گنتی کے چند ہفتوں تک تو اس پر عمل ہوا۔ پھر وفاقی حکومت کے اس اعلان کردہ ضابطے کی جس طرح دھجیاں بکھیری جاتی رہی ہیں، وہ پوری قوم کے سامنے ہے ــــ اگر حکومت کی سطح پر اس ضابطے پر بھی عملدرآمد نہیں کرایا جا سکا تو غور طلب بات یہ ہے کہ آخر حکومت اپنے کن کن ضوابط اور قوانین کو واقعی نافذ اور روبعمل لانے کی توقع رکھتی ہے!

حسنِ اتفاق سے ۲۸ نومبر ۸۰ء کو صلوٰۃ جمعہ کی ادائیگی کے لئے محترم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت اجتماع جمعہ سے خطاب کر رہے تھے۔ محترم صدر مملکت کی تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے نصح و خیر خواہی کے پیشِ نظر صدر صاحب کو مخاطب کر کے چند مشورے پیش کئے تھے۔ جن میں ایک مشورہ یہ بھی شامل تھا۔:

> "اس موقع پر میں صدر صاحب کی خدمت میں چند باتیں ان کے غور و فکر کیلئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدارا جائزہ لیجئے کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے کھیل کو حکومت کی جو غیر معمولی سرپرستی حاصل ہے تو کیا یہ گیم قرآن مجید کی طرف سے ہم پر عائد کیا گیا ہے یا سنّتِ رسولؐ سے ماخوذ ہے یا ہماری روایات اور تہذیب کا کوئی لازمی حصّہ ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے پانچ پانچ اور چھ چھ دن ہماری پوری قوم معطل

ہو کر رہ جاتی ہے۔ کھیل کی وجہ سے دفتروں میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ لوگ یا تو ٹی وی کھولے کھیل دیکھتے ہیں یا ٹرانسسٹر ریڈیو کے ذریعے کامنٹری سنتے ہیں۔ غور کیجئے کہ کتنا قیمتی وقت قومی سطح پر ضائع ہوتا ہے۔ ہمارے گیمز اور بھی ہیں، جو ڈیڑھ دو گھنٹے میں کھیلے جاتے ہیں۔ ان میں ایکشن ہے، جوان مردی ہے۔ ایسے گیمز کی سرپرستی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ کرکٹ کا گیم واقعہ یہ ہے کہ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر کیوں ہم نے اس کو سر فہرست رکھ چھوڑا ہے جبکہ اس گیم کا ہماری روایات سے کوئی تعلق نہیں! کیا محض اس لئے کہ یہ گیم ہمارے سابقہ بدیشی حکمرانوں کا خاص اور پسندیدہ کھیل ہے اس کو جاری رکھا گیا ہے! حقیقت یہ ہے کہ اس کھیل کی سرپرستی کا کوئی جواز یا فائدہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وقت کا قومی سطح پر زیاں پھر اس کھیل پر لاکھوں کا خرچ! جو فضول خرچی اور اسراف کے ذیل میں آتا ہے۔ اس لئے میں عرض کروں گا کہ ہمدردی سے جائزہ لیجئے کہ اس گیم کی سرپرستی سے قومی سطح پر نقصان اور فائدے کا تناسب کیا ہے؟ پھر کوئی مثبت قدم اٹھائیے۔ (ماخوذ از: میثاق ـ شمارہ دسمبر ۸۰ء)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کھلاڑی خیرسگالی اور صلح کے پیغامبر ہوتے ہیں اور کھیلوں کی بدولت ممالک میں ان جذبات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ عام طور پر ٹیمیں تلخیاں لے کر واپس جاتی اور آتی ہیں اور یہ بات کھیل کے شائقین سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر ہارنے والی ٹیم جب اپنے ملک واپس جاتی ہے تو اس کی جو درگت بنتی ہے اس کی بھی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ خیرسگالی صلح اور آشتی کے جذبات کھیلوں کے ذریعے نہیں بلکہ سفارتی تعلقات و روابط سے پیدا ہوتے ہیں۔ خصوصی توجہات کا اصل میدان یہ ہے نہ کہ کھیل اور مقابلے کا میدان جہاں 'ہار جیت' پر نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ جس سے تلخیاں جنم لیتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کرکٹ انگریزوں کے لارڈز کا کھیل ہے جیسا کہ حال ہی میں ایک خطاب اجتماع جمعہ میں ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا جس کی رپورٹنگ اخبارات میں آچکی ہے اور جس پر انگریزی میگزین "M.A.G" کراچی

پاکستان میں

اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں پیش رفت

کے بارے میں رائے، اور

سیاسی تعطّل کے خاتمے

کی عملی تجویز

پر مشتمل

صدرِ پاکستان جنرل محمّد ضیاء الحق بالقابہ

کی خدمت میں ایک مکتوبِ مفتوح

از:

ڈاکٹر اسرار احمد

(شائع شدہ: روزنامہ جنگ، کراچی، لاہور و اسلام آباد)

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!
(اقبال مرحوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ری و محترمی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و صدرِ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی ۔ مندرجہ ذیل گذارشات پیش خدمت ہیں :۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ میں معروف اور مروّجہ نی ہیں ہرگز سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میرے بیشتر اوقات اور تمام تر مساعی مستقبل ے اسلامی انقلاب کے لئے میدان ہموار کرنے کی غرض سے دعوتی و تبلیغی اور تعلیمی و تدریسی رگرمیوں کے لئے وقف ہیں ۔ (چنانچہ یہی میرے وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ سے استعفے ا اہم ترین سبب تھا ۔!)

ساتھ ہی مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ یہ حقیقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہیں ہو سکتی کہ کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہو سکتا ۔ بایں معنیٰ کہ وہ ت ملّت کے حالات سے قطعاً بے خبر یا لاتعلق رہے اور قوم و وطن کی صلاح و لاح یا اُن کو درپیش خطرات و خدشات کے بارے میں سوچ بچار اور غور و فکر سے بھی کام نہ لے ۔

چنانچہ میں بھی اس ضمن میں اپنی امکانی حد تک حالات کا مشاہدہ بھی کھلی آنکھوں ے کرتا ہوں اور دوسروں سے تبادلۂ خیال بھی کھلے قلب و ذہن کے ساتھ کرتا ہوں ۔ اور اس سلسلے میں مجھے اپنے اُن دَوروں اور سفروں سے بھی مدد ملتی ہے جو مجھے پی دعوتی و تبلیغی مساعی کے ضمن میں اندرونِ ملک یا بیرونِ وطن کرنے پڑتے ں ؟ ۔۔ اور پھر خود غور و فکر بھی کرتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو رائے بھی میری نے ، میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے مطابق مشورہ پورے نصح و خیر خواہی کے ذبے کے ساتھ عوام کو بھی دوں اور ان کو بھی جن کے ہاتھوں میں ملک و قوم ل زمام کار ہے ۔ از روئے فرمانِ نبوی ؐ : "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی "دین زمام ہی نصح و اخلاص اور خیر خواہی و وفاداری کا ہے" اور جب پوچھا گیا "لِمَنْ یا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟" یعنی "حضورؐ! کس کے ساتھ ؟" تو ارشاد ہوا : لِلّٰہِ وَلِکِتٰبِہٖ

وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ"۔ یعنی " اللہ اور اس تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ اخلاص و وفاداری اور مسلمانوں کے اولوا الامر اور عوا دونوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی!"

یہی وجہ ہے کہ آج سے سوا دو سال قبل اغلباً ۱۸ راگست ۸۰ء کو اسلام آباد علماء کنونشن سے قبل منعقدہ مشاورتی اجلاس کے موقع پر جب میں نے آپ سے منٹ علیحدگی میں گفتگو کی تھی، تب بھی بعض مشورے آپ کے گوش گزار کئے تھے جن تعلق اکثر و بیشتر ملک کی سیاسی صورت حال سے تھا اور پھر جب اوائل مئی ۱۲ میں لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں، میں شوریٰ سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے حا ہوا تھا، تب بھی میں نے بعض مشورے دیئے تھے جن کا تعلق اس ملک میں اسلا نظام کے قیام و نفاذ سے تھا — اور اللہ گواہ ہے — اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا دا بھی گواہی دے گا کہ ان دونوں مواقع پر میرا محرک مندرجہ بالا حدیث نبوی ؐ کے مطا نصح و خیر خواہی کے جذبے کے سوا اور قطعاً کچھ نہ تھا! — اور خالصتہً اسی جذبا کے تحت آج پھر میں اس عریضے کے ذریعے حاضر خدمت ہو رہا ہوں، اس دُ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق کہنے اور آپ کو حق سننے اور اس پر عمل کرنے کی تو ارزانی فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ آمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جہاں تک اس ملک میں اسلامی شعائر کی ترویج اور شریعت اسلامی کے نفاذ — یا بالفاظ دیگر اسلامی نظام کے قیام کا تعلق ہے اس کے بارے میں مجھے اس وقت کچھ عرض نہیں کرنا — جس کا اصل سبب، میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں، یہ ہے کہ اس معاملے میں میں آپ سے قطعاً مایوس ہو چکا ہوں اور عرض و معروض یا گلہ شکوہ وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی توقع موجود ہو!

مجھے خوب معلوم ہے کہ اس ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی ہر اعتبار سے نہایت بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلام کا قیام و نفاذ کوئی آسان کام نہیں اور اس کے

ین محکم پر مبنی جرأتِ مومنانہ اور علم راسخ پر مبنی حکمتِ عمل کی ضرورت ہے۔ لیکن
ب کو تقدیرِ الٰہی نے جو ایک موقع عطا فرمایا تھا کہ آپ "بازی اگرچہ پا نہ سکا سر
ہو سکا" کے مصداق اگر دینِ حق کے قیام و نفاذ کے لئے بھرپور کوشش اور پورے
رأت مندانہ اقدام کے باوجود خدانخواستہ ناکام رہتے تو کم از کم ایک ایسی مثال تو
ریخ میں چھوڑ جاتے کہ اگر ایک غیر مسلم (پرنس آف ویلز بعدہٗ ڈیوک آف ونڈسرا)
ک عورت کی خاطر وقت کی عظیم ترین سلطنت کے تخت سے دست بردار ہو سکتا ہے تو
ک مسلمان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی اسلام کی خاطر حکومت و اقتدار کو قربان کر
سکتا ہے ۔ مجھے شدید افسوس ہے کہ آپ اس موقع کا حق ادا نہ کر سکے ۔

اس ضمن میں، جیسا کہ میں نے ۲۰ اگست ۸۰ء کو علماء کنونشن میں اپنی تقریر میں
عرض کیا تھا، ابتدائی تین سال، جو اس اعتبار سے نہایت قیمتی تھے کہ "تحریکِ
نظامِ مصطفیٰ" کا جوش و خروش برقرار تھا اور ملکی فضا میں وہ کیفیت قائم تھی کہ
نظامِ اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں بڑے سے بڑا اقدام بھی بلا روک ٹوک کیا جا
سکتا تھا، تعطل اور تربص کے نذر کر دیئے گئے (اس طرح اسی غلطی کا اعادہ ہو گیا جس
کا ارتکاب پاکستان میں برسرِ اقتدار آنے والی اوّلین قیادت نے کیا تھا ۔)

پھر جب حدود اور زکوٰۃ آرڈی نینس کا اجراء ہوا اور اس پر اہلِ تشیّع کی
جانب سے جارحانہ ردِ عمل ظاہر ہوا تو نہ صرف یہ کہ گھٹنے ٹیک دیئے گئے بلکہ ——
زیادہ قابلِ افسوس اور اہم تر بات یہ کہ نظامِ زکوٰۃ کے ضمن میں شیعہ اور سُنّی کے
مابین تفریق کر کے ضعیف الایمان یا ناواقف سُنّیوں کے شیعہ بن جانے کا دروازہ کھول
دیا گیا —— اس کے باوجود کہ میں نے ۱۸ اگست ۸۰ء کے مشاورتی اجلاس
میں خدا کا واسطہ دے کر عرض کیا تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ زکوٰۃ آرڈی
نینس پورے کا پورا واپس لے لیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو حسبِ سابق عوام کا نجی معاملہ
قرار دیدیں ۔ لیکن خدارا اس میں شیعہ اور سُنّی میں فرق و امتیاز نہ قائم فرمایئے گا۔

اجتماعیاتِ انسانیہ کے ذیل میں اوّلین معاملہ عائلی اور سماجی نظام کا ہے اور
اس ضمن میں ایک طرف عائلی قوانین کو شریعت کورٹ کے دائرہ کار اور حدودِ اختیار میں ا
لانے کی جرأت آپ اس لئے نہیں کر پا رہے کہ بعض اعلیٰ طبقات کی بیگمات اور کچھ مغرب

زدہ خواتین کی جانب سے ناموافق ردّ عمل کا اندیشہ ہے — اور دوسری طرف معاشرے میں خواتین کے مقام و کردار اور ستر و حجاب یا خود آپ کے الفاظ میں "چادر اور چار دیواری" کے ضمن میں اسلام کے نقطۂ نظر کے بارے میں جو اختلافات گذشتہ دنوں ہمارے ملک میں زور شور سے ظاہر ہوئے، اس کے بارے میں اگرچہ زبانی تو آپ نے کچھ باتیں ایسی بھی کہیں جو دینی طبقات کے لئے اطمینان بخش تھیں، لیکن عملاً اپنا پورا وزن مغرب زدہ اور اباحیت پسند حلقے میں ڈال رکھا ہے (بالخصوص آپ کے حالیہ غیر ملکی دوروں کے دوران آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ کا یہ طرزِ عمل کہ سر سے چادر بھی اتر گئی — اور نامحرموں سے مصافحہ بھی ہو گیا — از خود بھی فیصلہ کن تھا، لیکن اس پر مزید مہر تصدیق آپ کے اُن فرمودات سے ثبت ہو گئی جو آپ نے اغلباً ہوسٹن میں ارشاد فرمائے تھے۔)

بنابریں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے عظیم معرکے کے آپ کے ہاتھوں سر ہونے کی اب کم از کم مجھے کوئی امید باقی نہیں رہی — اور مجھے اس رائے تک پہنچنے میں کہ یہاں اسلام صرف انقلابی طریق کار ہی سے آ سکتا ہے، آپ کے اس جملے نے بھی مدد دی ہے جو رحیم یار خان میں بلدیاتی نمائندوں کے ایک اجلاس میں ایک برقع پوش خاتون کونسلر کے تابڑ توڑ سوالات کے جواب میں کہ آپ نفاذِ اسلام کے لئے یہ کیوں نہیں کرتے؟ اور وہ کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "بیٹی! اس ملک میں اسلام کسی انقلابی عمل کے نتیجے میں نہیں آ رہا کہ ہم اتنے بڑے بڑے قدم اُٹھا سکیں!!" (یہ روایت ہے رحیم یار خان کے معروف دینی اور سماجی کارکن ڈاکٹر محمد نذیر مسلم صاحب کی، جو اس خاتون کونسلر کے ماموں ہیں)

تاہم پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے ضمن میں ایک مشورہ میں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور اصلاً اسی کے لئے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں۔ چونکہ مجھے اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات اور حالات کے تجزیے اور جائزے سے شدید اندیشہ لاحق ہے کہ مستقبل کا مؤرخ کہیں یہ نہ کہے کہ "۱۹۴۷ء میں 'پاکستان' کے نام سے مسلمانوں کی جو عظیم ترین مملکت وجود میں آئی تھی اسے اوّلاً تو ۱۹۷۱ء میں دو لخت کیا ایک شرابی اور زانی ٹولے نے اور پھر اس کے مزید ٹکڑے ہونے

(BALKANISATION) کا حادثہ رونما ہوا ایک پابندِ صوم وصلوٰۃ اور دین دار و پرہیز گار شخص کے ہاتھوں!!" معاذاللہ! ثمّ معاذاللہ!!!

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸ راگست ۸۰ء کو بالکل علیحدگی میں گفتگو کے دوران میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ " ملک میں جو سیاسی خلا مارشل لاء کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے، اُس کو دور کرنے کے لئے آپ کے ذہن میں نقشہ کیا ہے۔؟ میری رائے میں تو یہ سیاسی خلا (Political Vacuum) خودکشی (Suicide) کے مترادف ہے!!" —— اس پر آپ نے گہرے تأثر کے انداز میں فرمایا تھا کہ "ڈاکٹر صاحب! میں نے اپنا تو جائزہ لے لیا ہے کہ میرے اندر ہمت نہیں ہے (جس کے معنی میں نے یہ لئے تھے کہ آپ صدر ایوب مرحوم کے طرزِ عمل کی جانب اشارہ کر رہے ہیں) لیکن موجودہ سیاسی جماعتوں کو حکومت دے دینے کو بھی میں اتنا ہی Suicidal سمجھتا ہوں اور تیسری کوئی شکل موجود نہیں ہے!" —— جس پر میں نے عرض کیا تھا کہ " نہیں جناب! تیسری صورت موجود ہے اور وہ یہ کہ آپ No Party Basis اور Shortest Possible Notice پر الیکشن کرا دیں!!" —— تو آپ نے فرمایا تھا کہ " ہاں اس پر ہم غور کر رہے ہیں کہ short notice اور No Party Basis نیز ایک L.F.O. کے ساتھ الیکشن کرا دیں!" —— آخر میں میں نے عرض کیا تھا کہ " یہ بالکل درست خیال ہے لیکن آپ آخر کب تک سوچتے رہیں گے؟ جلدی کیجئے! "Time is running out for You" —— آج اس گفتگو کو سوا دو سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا لیکن افسوس ہے کہ وہ سیاسی خلا جوں کا توں موجود ہے اور آپ کی جانب سے اس کے دُور کرنے کے لئے تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

اس ضمن میں غالباً آپ کے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہ تاحال چل سکی ہے، نہ ہی اس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے —— اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اس صورتِ حال سے دھوکہ نہ کھائیے۔ اس لئے کہ اس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبِ وطن بالخصوص دینی ومذہبی مزاج کے لوگ کوئی

Risk لینے کو تیار نہیں ہیں ــ لیکن ایک بات تو کون نہیں جانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رُونما ہو سکتی ہے اور دوسرے کسی ملک کے بقا و استحکام کے لیئے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت اس ملک کے اپنے عوام کا اطمینان ہوتا ہے -

اس سلسلے میں بالخصوص اندرونِ صُوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہو گا - لیکن میں اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا کہ بعض اوقات صاحبِ اقتدار لوگوں کے ارد گرد جن لوگوں کا حِصار قائم ہو جاتا ہے وہ اُسے صحیح صورتِ حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے - واللہ اعلم!

میرے اندازے میں سندھ میں "سندھو دیش" کے لیئے میدان پوری طرح اُسی طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں "بنگلہ دیش" کے لیئے ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دُور اور کٹا ہوا تھا اس لیئے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے - لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو بآسانی کچلا جا سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس عامل (Factor) پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے -

مجھے خوب اندازہ ہے کہ ایک جانب ہم اس وقت جس صورتِ حال سے دوچار ہیں، اس میں اکثر سیاسی جماعتوں کے "متعینہ" موقف کے مطابق ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت انتقالِ اقتدار کے لئے فوری انتخاب میں بہت سی پیچیدگیاں مضمر ہیں — دوسری جانب ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں آپکے ذہن میں جو مختلف تجویزیں ہیں، وہ بھی ملک و ملت کی خیر خواہی کے جذبے پر مبنی ہیں — اور تیسری جانب مختلف سیاسی حلقوں کی طرف سے بھی جو اختلافِ رائے ان موضوعات پر سامنے آ رہا ہے کہ انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط؟ — اور حسبِ سابق ہوں یا متناسب نمائندگی کے اصول پر -؟ وغیرہ وغیرہ — وہ بھی یقیناً خلوص و اخلاص ہی پر مبنی ہیں — لیکن میرے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ ان معاملات میں آخری فیصلہ کرنے کا مجاز کون ہے؟ کیا صرف آپ اور آپکے "رفقاءِ کار" یعنی مارشل لاء انتظامیہ؟ یا زیادہ سے زیادہ وہ سیاسی جماعتیں جو کسی درجے میں آپ کی منظورِ نظر ہیں یا کم از کم آپ کے لئے قابلِ قبول ہیں — ؟؟ یا کوئی اور — ؟؟؟

میں اس مسئلہ پر کم و بیش چھ ماہ سے مسلسل غور کرتا آ رہا ہوں — اور ایک رائے جس پر میرا دل ٹھک گیا ہے، بتجویز کی صورت میں خالصۃً ملک و ملت اور خود آپکی خیر خواہی کے جذبے کے تحت آپکے سامنے رکھ رہا ہوں وہ تجویز یہ ہے کہ :-

(۱) ملک میں ایک انتخاب فوراً ہو — یعنی فروری یا مارچ ۱۹۸۳ء میں — لیکن یہ انتخاب انتقالِ اقتدار یا تشکیلِ حکومت کے لئے نہ ہو بلکہ ایک منتخب "مجلسِ شوریٰ" یا "مجلسِ ملی" کے لئے ہو — اس میں حق رائے دہی کی اساس اور حلقہ جات کی تشکیل تو بالکل وُہی ہو جس پر فروری ۷۷ء میں انتخابات ہوتے تھے - لیکن ہو یہ خالص غیر جماعتی بنیاد (No Party Basis) پر -!

(۲) اس طرح جو مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملی وجود میں آئے، اس کے سامنے ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں جو تجاویز آپکے سامنے ہیں، وہ آپ رکھیں اور طرزِ انتخاب وغیرہ کے ضمن میں جو باتیں دوسرے لوگوں کے سامنے ہیں، انہیں وہ رکھیں — اور ان تمام امور پر یہ مجلس ایک سال کے عرصے کے اندر اندر فیصلہ دے، جو نہ صرف یہ کہ دو تہائی اکثریت پر مبنی ہو بلکہ ہر صوبے سے منتخب

شدہ لوگوں کی بھی کم ازکم نصف تعداد لازماً اس میں شامل ہو — !

(۴) اگر یہ مجلس اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سرکرلے اور مطلوبہ اکثریت کے ساتھ نظام تجویز کرد ے تو مارشل لاء انتظامیہ تین سے چھ ماہ کے عرصے کے اندر اندر اس کے مطابق انتقالِ اقتدار اور تشکیلِ حکومت کے لئے الیکشن کرا دینے کی پابند ہو — اور اگر وہ مجلس ایک سال کے اندر اندر تفویض کردہ ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوسکے تو وہ از خود تحلیل (Dissolve) ہوجائے اور پھر تین سے چھ ماہ کے عرصے میں اسی "مجلسِ شوریٰ" یا "مجلسِ ملی" کا انتخاب دوبارہ ہو اور جب تک مطلوبہ اتفاقِ رائے (consensus) حاصل نہ ہو یہ سلسلہ جاری رہے — اور اس دوران میں فوج کے لئے نہ صرف اخلاقاً جائز بلکہ ملک و قوم کی حفاظت و سالمیت کے اعتبار سے لازم سمجھا جائے کہ وہ Care Taker کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلاتی رہے — !

اس تجویز کے محاسن یا روشن پہلوؤں پر گفتگو کو میں اس لئے تحصیل حاصل سمجھتا ہوں کہ وہ اظہر من الشمس ہیں — البتہ اس کے خلاف اس واحد دلیل کا جائزہ لینا لازمی ہے جو بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتی ہے یعنی کہ کہیں مجوزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملی ایک "بھرپور دستور ساز" — (Full Fledged Constituent Assembly) کا کردار اختیار نہ کرلے اور دستور ملکی کے خطرناک صندوقچے (Pandoras Box) کو کھول کر اُن نازک اور پیچیدہ مسائل کو از سرِ نو نزاعی نہ بنا دے جو ۱۹۷۳ء کے دستور میں طے شدہ ہیں۔

میرے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور اور بودی ہے، اس لئے کہ مسائل کا حل ان سے اعراض اور صرفِ نظر سے نہیں بلکہ مقابلے اور مواجہے (یعنی Face کرنے) ہی سے ممکن ہوتا ہے — پاکستان کا قیام محض ایک وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ ہندوستان ایسی منظم اور بیدار قوم اور وقت کی حکمران طاقت (برطانوی گورنمنٹ) کی متفقہ خواہشات

کے علی الرغم پاکستان صرف اس لیے قائم ہوا کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کے انتقامی طرزِ عمل کے اندیشے کا منفی محرک موجود تھا تو دوسری طرف احیائے اسلام کا مثبت جذبہ بھی موجود تھا جسے قائدِ اعظم مرحوم کے مسلسل اعلانات نے ایک نہایت قوی امید کی صورت دے دی تھی — اور تیسری طرف ارادہ الٰہی اور مشیتِ ایزدی بھی شاملِ حال تھی جو اصل فیصلہ کن عامل (Factor) ہے — اور یہ تینوں عامل اب بھی پوری قوت و شدت کے ساتھ موجود ہیں — ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے (یعنی Mobilise کیا جائے!) اور یہ کام ان شاء اللہ اس مجوزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی اور اس کیلئے منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعہ ہو جائیگا - اسلئے کہ چونکہ یہ انتخابات نہ تشکیل حکومت کے لئے ہوں گے اور نہ ہی جماعتی بنیاد (Party Basis) پر ہوں گے لہٰذا اس میں سیاسی حلقوں اور جماعتوں کی صف بندی (Polarisation) خالصتہً اس اساس پر ہو گی کہ کون محبِّ دین اور محبِّ وطن ہے — اور کون لا دینیت، الحاد، مادہ پرستی، اباحیت اور علاقائی و لسانی تعصبوں کا عاشق اور پرستار — !! — اور مجھے یقین ہے کہ اگر تقسیم اس واضح اساس پر ہو تو ان شاء اللہ فیصلہ کن فتح محبِّ اسلام اور محبِّ پاکستان قوتوں کو حاصل ہو گی - جیسے کہ اکثر مبصرین اور تجزیہ نگار حضرات نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کہا تھا کہ وہاں اگر لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ یہ رکھا جاتا کہ 'پاکستان' کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا اس سے علیحدہ ہونا ؟ — تو وہاں کے عوام کی غالب اکثریت لامحالہ 'متحدہ پاکستان' کے حق میں رائے دیتی! (مجھے اس تجزیہ سے کامل اتفاق ہے — اور مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری تجویز پر عمل درآمد کے نتیجے میں ان شاء اللہ العزیز 'تحریک پاکستان' کے از سرِ نو احیاء کا وہ مقصد بأحسنِ وجوہ حاصل ہو جائے گا جس کے لئے آپ ہر سال 'یوم پاکستان'، 'یوم اقبال' — اور 'عید میلاد النبیؐ' منانے کے ضمن میں کروڑوں روپے صرف کر رہے ہیں - (جو معاف فرمایئے، اکثر و بیشتر ضیاعِ محض ہے —!)

میں اپنی اس تجویز اور اس کی افادیت پر بحمد اللہ عقلی اور نظری اعتبار سے پوری طرح مطمئن ہوں - لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا ایک وجدانی احساس

بھی ہے، جسے میں آپ پر ظاہر کر دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا ـــ اور وہ یہ کہ قرآن حکیم میں سورۃ مائدہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مصر کے طویل دورِ غلامی کے نتیجے میں ان میں سیرت و کردار کا جو زوال و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا وہ چالیس برس کی صحرا نوردی کے بعد رفع ہو سکا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی آزادی کے بعد بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرائے تیہ، میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس کے لگ بھگ ہونے کو آئے ہیں تو کیا عجب کہ اب اس بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا سراغ مل ہی جائے ـــ!! اور مملکتِ خداداد پاکستان عالمی سطح پر احیاءِ اسلام اور غلبۂ دین کے انقلاب آفریں عمل کے ضمن میں اپنے مثبت کردار کو ادا کرنے کے لئے کمر بستہ اور سرگرم عمل ہو ہی جائے ـــ!!! وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

بصورتِ دیگر مجھے شدید اندیشہ ہے کہ ہمارا ملک تدریجاً جس محاذ آرائی کی جانب بڑھ رہا ہے اس کے دھماکہ خیز صورت اختیار کرنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی اور آپ کے تا حال امریکہ اور روس کے مابین جو نازک توازن برقرار رکھا تھا، اس میں آپ کے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد جو تبدیلی آئی ہے اُس کی بنا پر روس اور بھارت دونوں ایسی کسی بھی صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے ـــ اور اس کا نتیجہ ملک و ملّت کے حق میں کسی طرح بھی خوش آئند نہ ہوگا۔

فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

۲۷ر دسمبر ۸۲ء

مطابق ۱۰ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

خطاب بہ صدرِ مملکت

از: ڈاکٹر اسرار احمد

مسجد دارالسلام، باغِ جناح، لاہور میں ۲۸ نومبر ۸۰ء کو صلوٰۃ جمعہ کی ادائیگی کے لئے محترم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدرِ پاکستان تشریف لائے تھے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے خطاب اجتماع جمعہ میں چند گذارشات صدر صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کی تھیں۔ جن میں پہلی گذارش کرکٹ کے کھیل کی حکومت کی جانب سے غیر معمولی سرپرستی سے متعلق تھی اور اس میں وقت کو برباد کرنے والے اس کھیل کو بند کرنے کے مسئلے پر صدر محترم کو غور و فکر کی دعوت دی گئی تھی۔ دوسری گذارش ستر و حجاب اور تیسری گذارش عائلی قوانین سے متعلق تھی۔ ان آخر الذکر دو گذارشات کو ماہنامہ میثاق دسمبر ۸۰ء سے نقل کر کے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

" دوسری بات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ:

" میں اپنی اُمت کے بارے میں جس بات کا سب سے زیادہ اندیشہ رکھتا ہوں وہ عورتوں کا فتنہ ہے" (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے لئے سوچئے ہمارے دین کی کچھ روایات ہیں۔ کچھ شعائر ہیں۔ ہماری شریعت میں جہاں زنا اور قذف کیلئے حدود و تعزیرات مقرر کی گئی ہیں، وہاں ستر و حجاب کے لئے بھی کچھ احکامات دیئے گئے اور کچھ قیود عائد کی گئی ہیں میں یہ بات مختلف مواقع پر اپنی تقاریر و تحریرات میں عرض کر چکا ہوں اور ٹیلی ویژن پر بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ شریعت کے تمام احکام کو نافذ نہیں کریں گے تو یہ شریعت پر ظلم ہو گا اور لوگوں پر بھی ظلم ہو گا۔ ہمیں اپنی روایات کی طرف دیکھنا چاہیئے اور ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم ان سے روگردانی تو نہیں کر رہے ؟

میں بڑی دلسوزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ پتہ نہیں، میری زندگی کتنی ہے اور کتنی زندگی صدر صاحب! آپ کی ہے لہذا قول حق کہنے میں نہ مجھے مداہنت

اختیار کرنی چاہیئے اور نہ ہی آپ کو اس پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے میں تامل کرنا چاہیئے۔ آپ سوچیئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپکے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی کی ٹیم دیا باہر جانے کے لیئے تیار ہو رہی ہے۔ اور ایسے معاملات میں قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ سیلاب کا رخ موڑیں اور معاشرے سے وہ طور طریقے ختم کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے دین کی رو سے برائیاں ہیں اور ہماری اخلاقی اقدار کے قطعی منافی ہیں۔ خدا نے آپ کو اس کا موقع دیا ہے۔ سیاسی باتیں میں اس موقع پر نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اپنی جگہ اہم ہیں۔ لیکن ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہے۔ ویسے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں اور میں اپنی زندگی دین مبین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کی خدمت کے لئے وقف کر چکا ہوں۔ میری یہ حقیر اور ناچیز کوششیں میرے لئے کسی درجہ میں بھی توشۂ آخرت ہو جائیں تو یہی میرے لئے سب سے بڑی سعادت ہے لیکن میں اپنا دینی فرض سمجھتا ہوں کہ مجھے کتاب و سنت سے جو کچھ معلوم ہوا ہے، وہ نبی اکرمؐ کے قول مبارک کہ "الدین النصیحۃ" کی تعمیل میں آپ کی دینی و دنیوی خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں۔ حجاب کے احکام ہماری شریعت کے جزو لاینفک ہیں امہات المؤمنین کے لئے سورۃ احزاب میں جو احکام آتے ہیں، وہ محض تلاوت کے لئے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے ہیں جیسے ہمارے مردوں کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۂ حسنہ ہیں۔ ہماری خواتین کیلئے بھی تو اسوہ چاہیئے تھا۔ سورۃ احزاب ہی میں یہ آیت آئی ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (سورۃ احزاب آیت ۲۱) بلاشبہ اے مسلمانو! تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ایک بہترین و کامل نمونہ ہے۔ اب خواتین کیلئے بھی تو ایک اسوہ حسنہ چاہیئے تھا۔ خواتین کی زندگی کے کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جن کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسوہ نہیں بن سکتی۔ اس ضرورت کیلئے ہماری خواتین کے لئے اسوہ ہے ازواج مطہرات کا۔ اسی لئے ازواج مطہرات سے قرآن مجید میں اسی سورۃ احزاب میں فرمایا گیا ہے کہ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ (آیت ۳۲) "اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو" یعنی تمہیں تو امت کی خواتین کے لئے نمونہ بننا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ "اگر تم میں

سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے دہری سزا دی جائیگی" (آیت ۳۰) اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی اور نیک عمل کریگی، اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے" (آیت ۳۱) ازواج مطہرات کو جو تنبیہ کی گئی اور جو بشارت دی گئی ہے تو یہ معاملہ ہمارے غور و فکر کا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان آیات پر تدبر کریں اور ان سے جو ہدایات اخذ ہوں، ان پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں سے عمل کرانے کی حتی الامکان و رحتی الوسع کوشش کریں۔ مجھے اندازہ ہے کہ انگریز کی غلامی اور دوسرے اسباب سے ہمارے معاشرے کی ذہنی و اخلاقی اقدار و روایات میں زبردست انحطاط آیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری معیشت کا ایسا ڈھانچہ بن گیا ہے جس میں عورتیں معاشی میدان میں کام کر رہی ہیں۔ ان کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے۔ لیکن میں عرض کرونگا کہ

'Where there is a Will there is a way'

یعنی عزم مصمم ہو اور یہ ارادہ کر لیا جائے کہ یہ کام کرنا ہے، اپنی روایات اور اپنے دین کی تعلیمات کو اختیار کرنا ہے تو ان شاء اللہ راہ آسان ہو جائیگی۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ صدر ایوب مرحوم کے دور میں جو عائلی قوانین نافذ کئے گئے تھے، ان کو پاکستان کے ہر مکتب فکر کے علماء کرام نے غلط قرار دیا تھا لیکن آج بھی ان کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کے لئے سوچیئے کہ جو قوانین بالاتفاق شریعت سے متصادم ہیں، وہ کیوں نافذ رہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا کام لے اور آپ اس ملک کی تاریخ میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مواقع دیئے بدقسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو۔ لہذا میری مخلصانہ اپیل ہے کہ جو مواقع آپکو حاصل ہیں، انکو غنیمت سمجھا جائے۔ تبدیلی اور اصلاح کے کام کا آغاز چھوٹی چھوٹی سی باتوں ہی سے کیجئے" قطرہ قطرہ بہم شود دریا" ۔۔ میں نے کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں آپکے سامنے رکھی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطاء فرمائے کہ جو قول حق ہے، اس کو سنیں اور قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ کا کامل مصداق بنیں ۔ اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ ط یعنی جو صحیح بات بھی آپ کے گوش گزار ہو، اس کو عزم مصمم اور بہترین طریق سے روبعمل لانے کی توفیق پائیں۔ اٰمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

ہر مسلمان پر

حسب صلاحیت واستعداد

قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

۱ — ایمان وتعظیم — یہ کہ اُسے مانے

۲ — تلاوت وترتیل — یہ کہ اُسے پڑھے

۳ — تذکّر و تدبّر — یہ کہ اُسے سمجھے

۴ — حکم و اقامت — یہ کہ اُس پر عمل کرے

۵ — تبلیغ وتبیین — یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرِ آفاق تالیف

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا مطالعہ ان شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

جنابِ ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے مسجد دارالسلام میں ۲۹ اکتوبر اور ۵ نومبر ۸۲ء کے اجتماعاتِ جمعہ اور ۱۲ نومبر کو جلیح ہال میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی تاسیس کی دس سالہ تقاریب کے اختتامی اجلاس کے موقع پر مندرجہ بالا موضوع پر تقاریر کی تھیں جن میں سے پہلی تقریر ٹیپ سے منتقل کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز مزید تقاریر آئندہ بالترتیب "میثاق" کی زینت بنیں گی ——— (ادارہ) ———

——— ترتیب و تسوید : (شیخ) جمیل الرحمٰن ———

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ـ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (آیت ۱۶۵)

وَقَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ التَّوْبَۃِ

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (آیت ۲۴)

وَقَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الْعَلَقِ

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۗ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۗ (۶-۷-۸)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ۔

امّابعد: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَلْهِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔

اٰمین یارب العٰلمین۔

حضرات آپ کے علم میں ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں سرکاری اور نیم سرکاری دونوں سطحوں پر اصلاحِ معاشرہ کی مہم جاری ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ اکثر و بیشتر صرف کاغذی ہے۔ یہ چند محافل و مجالس میں تقریروں کے موضوع کی شکل میں اور پھر اخبارات میں خبروں کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اس معاملے کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس مہم کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔ میں یہ الفاظ جان بوجھ کر استعمال کر رہا ہوں۔ سر سے میری مُراد کیا ہے اور پیر سے میری مُراد کیا ہے اور ان دونوں کا اس مہم میں ہونا نہ ہونا میرے نزدیک کیا معنی رکھتا ہے؟ آج اسی ضمن میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ اصلاحِ معاشرہ کا پیر یا اس کی جڑ، اس کی اساس تعمیر کردار ہے۔ افراد کی شخصیتوں کی تعمیر کے لئے جو مثبت اساس ضروری ہے اگر وہ فراہم نہ کی جارہی ہو، اس پر توجہ نہ دی جارہی ہو، اس پر نگاہیں مرکوز نہ ہو رہی ہوں تو ظاہر بات ہے کہ مہم چاہے کتنے ہی جوش و خروش سے اُٹھائی گئی ہو اور لوگ اس ضمن میں کتنی ہی توانائی اور کتنا ہی صرف کر رہے ہوں، ایسی تمام کوششیں بالکل بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی جڑ اور اساس نہیں ہے۔ سر کے مفہوم میں جو بات میرے پیشِ نظر ہے، وہ یہ ہے کہ کسی معاشرے میں اگر نظام صالح اور عادلانہ نہ ہو اور اس وجہ سے لوگوں میں سکون، اطمینانِ قلب کی کیفیات اور تعمیری و مثبت احساسات و جذبات پیدا ہونے کے بجائے نفرت، بغض، عداوت اور انتقام کے جذبات پرورش پا رہے ہوں تو اس نظام میں اصلاح

معاشرہ کی کوئی مہم اور کوشش کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان سرے سے موجود نہیں ہوتا۔ سراور پیر سے میرا مفہوم یہ ہے :۔

میرے نزدیک اصلاحِ معاشرہ کی جڑ اور بنیاد ہے تعمیرِ سیرت و کردار کی مثبت کوشش اور اس کی چوٹی یہ ہے کہ معاشرے میں جو نظام قائم ہو وہ عادلانہ ہو یعنی برقسط و انصاف ہو۔ اس میں اطمینان و سکون کی کیفیات موجود ہوں اور اس نظام کے تحت زندگی گزارنے والوں کے اذہان و قلوب انتقامی اور نفرت و عداوت کے منفی جذبات سے نہ صرف پاک ہوں بلکہ ان جذبات کے بجائے ان میں تعمیری و مثبت احساسات جاگزیں ہوں —— ان دونوں کے مابین ایک درمیانی سطح ہے جس کے پیشِ نظر کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اور وہ ہے اوامر و نواہی کا ایک نظام اور تعزیر و تادیب اور احتساب کا ایک قانونی سلسلہ۔ یہ کام بھی یقیناً اصلاحِ معاشرہ میں مدد ہوتا ہے اور اس کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ درمیانی شے ہے۔ اور جب تک تعمیرِ کردار کی تعمیری و مثبت کوشش نہ ہو اور جب تک معاشرے میں ایک عادلانہ نظام قائم نہ کیا جائے اُس وقت تک محض یہ دار و گیر، تعزیر و تادیب، احتساب اور اوامر و نواہی کے صرف نعروں اور SLOGANS سے پیشِ نظر اصل مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔

اصلاحِ معاشرہ کے لیے میں نے جن امور کو سر اور پیر سے تعبیر کیا ہے یا جن کو سر اور پیر قرار دیا ہے، اس کو اجمالی طور پر تو میں نے بیان کر دیا ہے لیکن اس اجمال سے یہ مسئلہ پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ اس کا خود مجھے بھی احساس ہے اور یقیناً آپ حضرات کو بھی ہو گا لہٰذا اب میں اس اجمال کو اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق کے بھروسے پر قدرے تفصیل سے آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ حضرات سے میری درخواست ہے کہ میری معروضات پر اپنی توجہات کو مرکوز رکھیے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تعمیرِ کردار و سیرت کا انسان کی عقل یا فکر یا اس کے ذہن سے شاید زیادہ تعلق ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ تعمیرِ سیرت و کردار کا اصل تعلق انسان کے جذبات سے ہے۔ جذبات اگر صحیح رُخ پر پڑیں گے اور صحیح نہج پر اُبھریں گے تو کردار صحیح ہو گا ورنہ بسا اوقات جو کچھ ہوتا ہے وہ میرے اور آپ کے مشاہدے بلکہ ذاتی تجربے کی بات ہے کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد　　پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

جبلّی و فطری اور شعوری طور پر انسان نیکی اور بدی کی تمیز رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بھلا کیا ہے اور بُرائی کیا ہے۔ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ ۔ پھر ذرائع ابلاغ کے ذریعے کسی نہ کسی درجہ میں یہ بات پھیلائی جاتی رہتی ہے کہ یہ خیر ہے یہ شر ہے۔ یہ بھلائی ہے، یہ بُرائی ہے ۔ محراب و منبر سے بھی اس کی تلقین و تبلیغ ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہو رہی ہے اسی طریقے سے اگر حکومت کے ایوانوں سے بھی اس کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے تو بہرحال یہ بھی اپنی جگہ پر ایک مفید بات اور کام ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لوگ جانتے نہیں ہیں کہ رشوت لینا اور دینا بُرا ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بہتان لگانا بُرائی ہے ۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو علم نہیں ہے کہ خیانت، سرقہ، قمار، زنا بُری شے ہیں۔ وعدہ خلافی بُری بات ہے، دھوکہ دینا بُرائی ہے۔ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، اسمگلنگ، اور اسی نوع کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں بدی ہیں۔ بھلائی بہرحال نہیں ہیں۔ کوئی بھی ان باتوں کو ذہناً اور شعوری طور پر اچھا نہیں سمجھتا لیکن بات وہی ہے کہ :

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زُہد　　پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اصل مسئلہ یہ ہے کہ بُرائیوں کو چھوڑنے اور اچھائیوں کو اختیار کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ چونکہ بُرائیوں میں لذّت بھی ہے اور منفعت بھی [1] قرآنِ حکیم کا فلسفہ تو یہ ہے کہ خیر و شر اور نیکی و بدی کی تمیز اور شعور فطرتِ انسانی میں موجود ہے ۔ تمیز و امتیاز کی یہ صلاحیّت و اہلیت اللہ تعالیٰ نے انسان کو الہامی و وجدانی طور پر عطا کی ہے۔ یہ علم اس کی جبلّت و فطرت میں ودیعت شدہ ہے۔ چنانچہ سورۃ الشمس میں اس حقیقتِ کبریٰ کو بایں الفاظ بیان فرمایا گیا ہے :

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (۷-۸)

اور قسم نفسِ انسانی کی اور قسم اُس ذات کی جس نے اُسے سنوارا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔

---

[1] جیسے حدیث شریف میں آیا ہے: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ (مرتّب)

اصل اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو انسان کو خیر، نیکی اور بھلائی کو اختیار کرنے پر آمادہ کرے، درآں حالیکہ اُسے خیر کو اختیار کرنے کی وجہ سے فوری طور پر کوئی تکلیف یا نقصان پہنچ رہا ہو! — اور کونسا وہ جذبہ ہے جو اسے شر، بدی اور برائی سے اجتناب کرنے پر آمادہ کرے درآں حالیکہ اُسے نظر آ رہا ہو کہ اس سے اس کو فوری طور پر کوئی منفعت یا لذت حاصل ہو رہی ہو!! — ان تمام محرکات کے برعکس انسان کے جذبے کو مہمیز کرنے اور ارادے کو تقویت دینے والی شے کیا ہے؟ اس ضمن میں بڑی پیاری بات ہے جو علامہ اقبال مرحوم نے اپنے فلسفۂ تعلیم کے ذیل میں کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "نظامِ تعلیم میں اصل شے جو مطلوب ہے وہ عقل اور ذہن کی تربیت نہیں ہے عقل اور ذہن کے اندر تو نمو اور ظہور کی خلقی (IN HERENT) صلاحیت موجود ہے"۔ ان کی اس رائے کے ضمن میں یہ بات جان لیجئے کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو عطا فرمایا تھا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا - یہ درحقیقت اس کا ظہور (EXPOSURE) ہے جو بہر حال ہونا ہی تھا۔ یہ تمام مادّی علوم، یہ تمام ٹیکنالوجی اور یہ تمام فزیکل سائنسز دراصل ان تمام کا علم بالقوہ (حضرت آدم علیہ السلام کو دے دیا گیا تھا جس کا تہذیب و تمدن اور علوم وفنون کی ترقی و ارتقاء کے ساتھ ساتھ نمو اور ظہور ہوتا چلا آ رہا ہے جس کے لیے میں انگریزی کا لفظ (EXPLOIATION) استعمال کرتا ہوں — جیسے ایک بند کلی ہے اس میں بالقوہ پتیاں اور پھول موجود ہے جب وہ کھلتی ہے تو پتیوں اور پھول کا ظہور ہوتا ہے۔ پس یہ علم تو انسانیت کو عطا ہو چکا تھا لیکن اس کو تدریجاً ظہور پذیر ہونا تھا۔ جیسے میں نے کلی سے غنچہ اور پھر اس سے پھول بننے کے مدارج کی مثال دی۔ اس کی دوسری مثال بیج اور درخت کی ہے کہ بیج میں بالقوہ درخت موجود ہوتا ہے لیکن پورا درخت بننے میں وقت لگتا ہے۔ اس لیے یہ شے تو انسان میں پہلے سے ہی موجود تھی۔ اور اسے بروئے کار آنا ہی تھا — علامہ اقبال مرحوم آگے کہتے ہیں کہ "نظامِ تعلیم کی جو اصل ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ وہ انسان میں ارادہ و عزم کی ایک کیفیت پیدا کرے اور قوتِ ارادی کی تربیت کرے"۔ مجھے یقین ہے کہ علامہ مرحوم کی اس بات سے آپ کا ذہن علامہ کی اردو اور فارسی کی شاعری کی اس خصوصیت کی طرف منتقل ہو گیا ہو گا،

جس کو انہوں نے "تعمیرِ خودی" سے تعبیر کیا ہے۔ "تعمیرِ خودی" یعنی انسان کے ارادے او
اس کی عزیمت کی تربیت اس نوع سے کہ جس چیز کو وہ صحیح اور درست سمجھتا ہے اس پر
کھڑا ہو سکے۔ اس پر استقامت حاصل ہو۔ جس چیز کو وہ سمجھتا ہے کہ غلط ہے اس سے
وہ رُک سکے خواہ اس میں کوئی تکلیف آ رہی ہو۔ خواہ وہ چیز اس کے لیے فوری طور پر
کتنی ہی نقصان دہ بن رہی ہو۔ پس تربیتِ ارادہ ہی کو علامہ مرحوم نے اپنی شاعری میں
تعمیرِ خودی سے تعبیر کیا ہے۔

اب ذرا ذہن میں لائیے کہ ہمارے یہاں جو تعمیرِ کردار کا جو عظیم نظام ایک طویل
عرصے سے جاری رہا ہے جسے عام طور پر "تزکیۂ نفس" کے نظام سے موسوم کیا جاتا ہے
وہ بڑا مؤثر نظام تھا۔ یہ نہ سمجھیے کہ وہ کوئی بے بنیاد شے تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے ایسے
ادارے (INSTITUTIONS) الا ماشاء اللہ بگاڑ (CORRUPTION)
کا شکار ہو گئے۔ ان میں فساد رونما ہو گیا۔ ہم میں سے اکثر و بیشتر لوگوں نے اسلام کی
جو عظیم عبادات ہیں انہیں بھی محض رسومات بنا کر رکھ دیا ہے۔ بقول علامہ اقبال
مرحوم :—

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی   فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

تو اس طرح ہمارے وہ ادارے اور ہمارے وہ نظام بھی اس وقت اپنی اصل او
جڑ سے ہمیں ہٹے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ — تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے
کہ وہ ادارے ہی بے بنیاد اور بے اصل تھے — ہمارے ہاں اصلاحِ اخلاق،
تزکیۂ نفس اور تعمیر و تربیتِ خودی کا جو نظام رائج رہا ہے اور اب بھی الا ماشاء اللہ
بگڑی شکل میں جاری ہے— یاد ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز کیا لفظ ہے؟ وہ ہے مُرید
طلبِ ہدایت اور رہنمائی کے مقصد کے لیے کسی شخص کی طرف رجوع کرنے والا مُرید
ہوتا ہے— مُرید کے معنی کیا ہیں؟ وہ ہیں ارادہ کرنے والا۔ جس نے عزم و ارادہ
کیا ہے کہ وہ ہدایت کی راہ پر چلے گا۔ انسان جانتا تو ہے کہ خیر یہ ہے اور شر یہ ہے
بھلائی یہ ہے اور بُرائی یہ ہے۔ لیکن اس کی اصل ضرورت یہ ہے کہ اس میں ایک
ارادہ وجود میں آجائے۔ پھر اس ارادے کو تقویت حاصل ہو۔ اس کی قوتِ ارادی
مضبوط ہو تاکہ وہ خیر کی طرف پیش قدمی کر سکے درآں حالیکہ اس میں دشواری اور

مشکل درپیش ہو۔ جیسے کہ حدیث شریف میں الفاظ آئے ہیں : حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَکَارِہِ ۔ " جنت بہت سی ناگوار چیزوں سے گھیر دی گئی ہے " جنت کے حصول کے لیے بڑھنا ہو تو بڑی ناگوار کیفیات اور ناپسندیدہ مشکلات سے سابقہ پیش آکر رہے گا۔ نفس پر شاق گزرنے والی باتوں اور کاموں سے واسطہ پڑ کر رہے گا۔ آگ اور خون کی وادیوں ہی سے گزر کر انسان جنت تک پہنچ سکتا ہے۔ کوئی ٹھنڈی سڑک یا مال روڈ جنت کی طرف لے جانے والی راہ نہیں ہے ۔۔۔ سختیاں اور شدائد و مصائب جنت کی راہ کے سنگ ہائے میل ہیں۔ ان سب چیزوں اور مرحلوں کا مقابلہ و مواجہہ (FACE) کرنے کا ایک پختہ ارادہ وجود میں آئے اور اس ارادے کو تقویت دینے والا ایک نظام موجود ہو تو جنت کی شاہ راہ پر انسان کی پیش قدمی ممکن ہو سکے گی ۔۔۔ ہمارا خانقاہی نظام درحقیقت اسی بنیاد پر قائم تھا اور اسی لیے اس کا نقطۂ آغاز تھا لفظ مُرِید ۔ یعنی وہ شخص جس نے خیر کی راہ پر چلنے کا ارادہ کر لیا ہے اور خود کمر ہمت کس لی ہے اب اس کو ایک ایسا نظام درکار ہے جو اس کے ارادے کو تقویت دینے کا باعث ہو ۔۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر یہ ارادہ پیدا کرنے اور اُسے تقویت دینے والی شے کیا ہے ! یا جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ جذبات کو صحیح رُخ پر ڈال دینے والی چیز کونسی ہے !!' اگر تعمیر کردار کا اصل تعلق انسان کے جذبات کے ساتھ ہے۔ اصل ضرورت علم و فہم کی نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ ہیں، ان کا اپنا ایک مقام ہے لیکن یہاں جو موضوع زیر بحث ہے وہ ہے تعمیر کردار ۔۔۔ کردار کے اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ ایک اَن پڑھ شخص کسی بڑے فلسفی سے بھی بہت بلند ہو ۔۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں علم کی اہمیت کی نفی کر رہا ہوں۔ وہ اپنی جگہ مسلّم ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جس موضوع پر ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں اس کے اعتبار سے کس چیز کی زیادہ اہمیت ہے ! ۔۔۔ مولانا رومؒ کا وہ شعر یاد کیجئے کہ ؎

علم را بر دل زنی یارے بود ! علم را بر تن زنی مارے بود !

وہ ہی علم ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل پر ڈال لے، اس کا سایہ دل پر پڑے، اس کا انعکاس قلب پر ہو تو وہ علم انسان کا دوست ہے، اس کو سیدھی راہ

بتانے والا ہے ـــ اور وہی علم اگر تن پر ڈال دیا جائے اور اس کو صرف از
اپنی معاش کے حصول کا ذریعہ بنا لے یا دنیا کمانے کا ایک وسیلہ سمجھ بیٹھے تو وہ ا
کے حق میں سانپ ہے ـــ علم کی نفی ہرگز مقصود نہیں ہے۔ اس کی اپنی جگہ اہمیت
اور بہت بڑی اہمیت ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی : اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ
عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ ـ پھر علم کا جو مرتبہ اور مقام ہے اس کے لیے نبی اکرم صلی
علیہ وسلّم کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ " رات بھر کی عبادت کے مقابلے میں ایک
عالمِ دین کی ایک گھنٹے کی تعلیم و تعلّم افضل ہے "۔ ہمارے دین میں نسبت و تنا
یہ ہے کہ ایک شخص پوری رات نوافل کی ادائیگی کے لیے کھڑا رہتا ہے اس کے مقا
میں ایک عالمِ دین، دین کے درس و تدریس میں ایک گھنٹہ صرف کرتا ہے تو اس دو
کام کو آں حضورؐ افضل قرار دے رہے ہیں۔ پس علم کا بلند مقام اپنی جگہ ہے۔
جو بات بیان کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ اصل میں تعمیرِ کردار و سیرت کا تعلق جذبات
سے ہے، فکر و فہم سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق انسان کے ارادے سے ہے اور
ارادے کو تقویت کی ضرورت ہے ـــ

اس موضوع سے متعلق یہ بات بھی جان لیجئے کہ انسانی جذبات دو نوعیت
کے ہوتے ہیں۔ یا جذبہ محبت کا ہوتا ہے یا جذبہ خوف کا ـــ یہ دونوں بنیادی خا
ہیں کہ جن کے تحت انسان کی سیرت، اس کا کردار، اس کا اخلاق اور اس کا رویہ بنتا
اور بگڑتا ہے اور ان ہی دونوں جذبات کے تحت ایک انسان کی زندگی کے اعمال
اور معاملات ایک مخصوص شکل اور نہج و طرز اختیار کرتے ہیں ـــ پس انسان کے تما
جذبات محبت اور خوف پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہم محبت کو مثبت اور خوف کو منفی جذ
کہہ سکتے ہیں ـــ

اب ذرا جائزہ لیجئے کہ دنیا میں اس وقت جتنے بھی نظام ہائے فکر و عمل
موجود ہیں، ان میں آپ دیکھیں گے کہ ان نظاموں میں انسانی تہذیب و تمدن اور
سیاسیات و عمرانیات کی اجتماعی گاڑی چلانے کی اسکیم میں ملک کے رہنے والے
لوگوں کی تعمیرِ کردار اور تعمیرِ سیرت و شخصیت کے لیے ان دونوں جذبات کو کسی نہ کسی
اعتبار سے سمویا اور استعمال (EMPLOY) کیا گیا ہے۔ محبت کے اعتبار سے دیکھیے

تو ان تمام نظام ہائے فکر و عمل میں اپنے وطن کی محبت، اپنی قوم کی محبت یا اپنی تاریخ کے کسی عظیم شخصیت کی محبت (HERO WORSHIP) — یہ محبتیں آپ کو دنیا کے اکثر و بیشتر معاشرے کے لوگوں کی تعمیر کردار و سیرت میں نمایاں طور پر کارفرما نظر آئیں گی۔ اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ان محبتوں کی بنیاد پر ایک کردار وجود میں آتا ہے اور ہم دنیا میں اس کا مشاہدہ سر کی آنکھ سے کر سکتے ہیں۔ اسے قوم پرستانہ سیرت کہیں، شخصیت پرستانہ کردار کہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک محبت کی بنا پر ایک کردار وجود میں آتا ہے۔ اگر انسان میں واقعی اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنے مشاہیر (HEROES) کی محبت ہے تو اس میں اپنی قوم کی سربلندی اور اپنے وطن کی عظمت کے لیے اپنے وقار اور غیرت کے لیے ایثار کا جذبہ پیدا ہوگا۔ قربانی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ محنت و مشقت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ ان جذبات اور ایثار و قربانی کی بدولت اکثر قوموں نے دنیا میں بہت کچھ — ACHIEVE کیا ہے اور وہ فائز المرام ہوئی ہیں۔ آخر اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ جو بے شمار قومیں ہیں وہ خدا پرست قومیں تو نہیں ہیں، ان کا آخرت پر تو کوئی یقین ہی نہیں ہے۔ ان کے یہاں اس وقت جو بھی نظام ہے وہ درحقیقت اسی نوع کی محبتوں کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہی محبتیں ان قوموں کے جذبات کو متحرک (MOTIVATE) کرتی اور رکھتی ہیں۔ اس طرح بھی انسانوں میں ایک زوردار جذبۂ عمل ابھرتا ہے ایک مضبوط کردار وجود میں آتا ہے جو اپنے معاشرے اور اپنے ملک کو مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

ہمارا معاملہ اس وقت یہ ہے کہ ہمارا جو اصل نظامِ فکر ہے جس کو عام پر ہم "نظامِ عقائد" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں وطن کی عظمت اور قوم کی عظ اور شخصیت پرستی کی کوئی جگہ نہیں۔ زمین کے تقدس کا کوئی احساس ہمارے دا میں راسخ نہیں — زمین زمین ہے، رہنے کی جگہ ہے، اس میں ہماری معاش ہے بس اس سے زائد تو کچھ نہیں۔ یہ کوئی دیوی نہیں، یہ کوئی دیوتا نہیں۔ یہ کوئی ماتا نہ "دھرتی ماتا"، کا کوئی تصور ہمارے نظامِ فکر میں موجود نہیں* — وطن اور زمین کے لیے ہمارے یہاں جو تقدس یا مقدس کا لفظ بعض اوقات استعمال ہو جاتا ہے۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے

وہ بھی دوسروں کے دیکھا دیکھی زبان پر یا تحریر میں آجاتا ہے اور بس۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے احساسات جس فکر کے تابع ہیں اور ہمارا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے، اس میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی گنجائش ہے — ہمارا معاملہ کچھ اور ہے[1]۔

لیکن بدقسمتی سے وہ اور تو موجود ہے نہیں۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ وطن کی تقدیس کا تصور بھی موجود نہیں ہے تو یوں سمجھئے گویا ہمارے پاؤں تلے زمین ہی نہیں ہے — وہ اور یہ ہے کہ اسلام جو برتر، بالاتر اور ارفع و اعلیٰ محبتیں ہمارے دلوں میں پیدا اور راسخ کرنا چاہتا ہے وہ اللہ کی محبت ہے۔ اس کے رسول کی محبت ہے — اس پر تفصیل سے میں آگے کچھ عرض کروں گا — وہاں تک ہماری رسائی ہوئی نہ ہو اور یہ محبتیں جن پر دنیا کچھ نہ کچھ کھڑی ہے جن کی بنیاد پر ان کے یہاں ایک قومی کردار موجود ہے۔ وہ دوسروں کو دھوکہ دے لیں گے لیکن اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دیتے وہ دوسری قوموں کو فریب دے لیں گے، ان سے عہد شکنی کریں گے، ان پر جور و تعدی کرلیں گے لیکن اپنی قوم کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے — یہ بڑی بنیادی بات ہے۔ دیکھئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلامی کے آغاز ہی میں اسی بنیادی بات کو اپنے ایک خطبے میں بطور استدلال استعمال فرمایا — ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالکل ابتدا ہی میں آں حضورؐ نے یہ خطبہ بنو ہاشم یا قبیلۂ قریش کے سربرآوردہ افراد کے کسی اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

---

[1] اس کے برعکس قرآن حکیم کا ارشاد تو یہ ہے کہ : يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿عنکبوت - ۵۶﴾ "اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی بجا لاؤ"، یعنی تمہاری تخلیق کی اصل غایت عبادتِ رب ہے۔ اگر کسی مومن کو اپنے وطن میں عبادت کے تقاضے پورے کرنے میں مشکل پیش آرہی ہو تو وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر وہاں چلا جائے جہاں وہ اللہ کا بندہ بن کر رہ سکے۔ اسی آیت کے پیشِ نظر ہجرتِ حبشہ واقع ہوئی تھی۔ (مُرتّب)

[2] اس بات کی علامہ اقبال مرحوم نے یوں تفسیر کی ہے :

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی (مُرتّب)

إِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ وَاللّٰهِ لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَا كَذَبْتُكُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَا غَرَرْتُكُمْ وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَإِلَى النَّاسِ كَافَّةً۔

"(لوگو!) تم جانتے ہو کہ رائد (قافلے کا رہنما) اپنے قافلے والوں کو کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم!!! اگر (بالفرض محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی نہ بولتا اور اگر (بالفرض محال) میں تمام انسانوں کو دھوکہ اور فریب دے سکتا تب بھی تمہیں کبھی نہ دیتا۔۔ اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی اللہ نہیں! میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہاری طرف خصوصاً اور پوری نوع انسانی کی طرف عموماً۔!

یہ اُس خطبے کی تمہید ہے — میرا جو کتابچہ "دعوت الی اللہ" کے نام سے ہے، اس میں یہ پورا خطبہ موجود ہے۔ بڑا ہی عظیم خطبہ ہے اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن انتہائی جامع ہے۔ دعوتِ اسلامی کا خلاصہ، اس کا لُبِّ لباب اس کا جوہر اس میں موجود ہے۔ ساتھ ہی اس میں یہ بات بھی بتادی گئی ہے کہ کس شے کی اہمیت ہے اور وہ کونسی چیز ہے جو مؤثر ہے۔ پھر اس میں خطابت اپنی معراج پر ہے۔ گو چند جملے ہیں حضورؐ کا اپنا ارشاد ہے کہ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ — اس خطبے کے تمہیدی جملے دیکھئے اس میں کتنی مؤثر اپیل ہے: إِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ وَاللّٰهِ لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَا كَذَبْتُكُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَا غَرَرْتُكُمْ۔ "تم میرے اپنے ہو (YOU ARE MY KHITH AND KIN) میں تم کو کیسے دھوکہ دے سکتا ہوں۔ جس طرح قافلہ کا رائد (راستہ بتانے والا) اپنے قافلے والوں کو دھوکہ دے کر ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا اسی طرح میں تمہارے ساتھ جو میرے اپنے ہو دھوکہ اور فریب کا معاملہ کیسے کرسکتا ہوں۔!" لہٰذا آں جنابؐ نے اس انتہائی قریبی رشتے کے حوالے سے فرمایا کہ میں (بالفرض) پوری دُنیا سے جھوٹ بول سکتا تو تم سے کبھی نہ بولتا اور (بالفرض) اگر میں دنیا کو فریب دے سکتا تو تم کو کبھی نہ دیتا" چونکہ اس وقت مکہ والوں کی ذہنی

قوم پرستانہ ہی تھی ۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ کے پیشِ نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس ذہنی سطح اور افتادِ طبع کے مطابق اپنے اس خطبے کی تمہید باندھی۔

وہ بات ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ اگر قوم کی عظمت کا کوئی احساس ہو یا وطن کے تقدس کا کوئی لحاظ ہو جیسے "جے ہند" کا نعرہ ۔ تو یہ چیزیں اور نعرے دلوں کو گرماتے ہیں۔ اگر واقعی قوم اور وطن سے محبت ہے تو ان چیزوں اور نعروں سے انسان کے دل میں ایک جذبۂ عمل اُبھرے گا اس کی خوابیدہ قوت بروئے کار آجائے گی پھر وہ قوم و وطن کے لیے قربانیاں دے گا۔ بڑے سے بڑے کٹھن مراحل سے گزر جائے گا۔ پس قوم اور وطن کی محبت وہ چیزیں ہیں جن کو دنیا کے بہت سے نظام ہائے فکر میں جذبات کو انگیز کرنے اور تعمیر کردار کے لیے اختیار کیا گیا ہے ۔ اور ان محبتوں کی بنا پر ایک قومی کردار وجود میں آتا ہے جس سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان اپنی قوم اور اپنے اہلِ وطن کو نہ دھوکہ دیتا ہے نہ ان سے فریب سے کام لیتا ہے۔ نہ قوم اور وطن سے غداری کرتا ہے ۔ تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ قوم کی عزت اس کا وقار محفوظ رہتا ہے اور اُسے عالمی سطح پر ایک مقام میسر آتا ہے۔

اسی محبت کے جذبے کو پیدا کرنے کے ضمن میں زمانہ حال میں ایک اور مظہر ہمارے سامنے آیا ہے اور وہ ہے کسی **نظریہ کی محبت** ۔ اور اس نظریے کے بول بالا کرنے کی محبت اور جذبہ ۔ اس فکر کا جب تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی تہہ میں درحقیقت انسان کی محبت کارفرما نظر آئے گی۔ گویا وطن سے محبت قوم سے محبت، کسی قومی شخصیت سے محبت۔ ان تین محبتوں سے ایک بالاتر محبت بھی ہے۔ اور وہ ہے انسان دوستی اور انسان سے محبت ۔ فلسفہ میں آج کل اس کا بڑا چرچا ہے اور اس پر بہت زور ہے اور اس کا نہایت پرچار ہے ۔ جسے فلسفے میں HUMANISM یعنی انسان دوستی یا حبِّ انسان سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو آپ تسلیم کریں گے کہ یہ محبت آفاقی بھی ہے اور یہ محبت بھی ایک بہت بڑا جذبۂ محرکہ بن سکتی ہے۔ انسان کی خیر کے لئے یہ محبت ایک بہت MOTIVATING FORCE بن سکتی ہے۔ لیکن اس کی جو زیادہ عملی شکل سامنے آئی ہے ۔ دلوں تو بہت سے ہوں گے HUMANISTS بننے والے لکھو، ...

پورے اترنے والے شاذ ہی نظر آئیں گے کہ ہر چوں دُم بر داشتم مادہ برآمد ۔ نظر
ی آئے گا کہ اوپر نعرہ ہے HUMANISM کا لیکن درحقیقت تہہ میں کوئی نہ کوئی نیشنلزم
ر وطن پرستی پوشیدہ ہے اور اصل تسلط ان ہی چیزوں کا ہے) ــــ اور اس حُبّ
سان یا HUMANISM کا یہ عملی مظہر ضرور سامنے آیا ہے کہ جب کوئی ایسی IDEALOGY
ر کوئی ایسا نظریہ انسان کے سامنے آتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس نظریئے کو اختیار کرنے
ں انسانیت کی خیر ہے، اس میں انسان کی بھلائی ہے، اس سے ظلم ختم ہو جائے گا، اس
سے استحصال کی بیخ کنی ہو جائے گی، اس نظریئے کے روبکار آنے سے عدل و قسط اور منصفانہ
ظام اجتماعی قائم ہو سکے گا جس کی بدولت انسان کو امن و سکون اور چین میسّر آئے گا،
مثلاً یہ کہ ایک CLASSLESS سوسائٹی وجود میں آجائے گی اور اس سوسائٹی میں
متیازات اور فرق و تفاوت ختم ہو جائے گا، سب انسان برابر ہو جائیں گے حقیقی
ساوات قائم اور اونچ نیچ مفقود ہو جائے گی تو انسان دوستی کے جذبے کے پیش نظر
نظریہ انسان کے تصورات (IMAGINATIONS) کو قابو (CATCH) کرتا اور
انسانوں کے اذہان و قلوب کو مطمئن (CONVINCE) کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اس نظریئے
و دل و جان سے قبول کرتے ہیں وہ اس کے پرچار اور اس کے مطابق ایک نظام
بالفعل قائم کرنے کے لئے محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اپنا تن من اور دھن اس کیلئے
نچھاور کرتے ہیں۔ قربانیاں دیتے ہیں۔ ایثار کرتے ہیں۔ پھانسیوں کے پھندوں کو
چوم کر اپنی گردنوں میں ڈالتے ہیں۔ اپنے گریبان کھول کر اور سینہ تان کر FIRING
SQUAD کا مواجہہ کرتے ہیں ــــ تو اس تمام عمل کی تہہ میں دراصل حُبِّ انسانیت،
(HUMANISM) کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے۔ یہی محبت ایسے لوگوں کے لئے قوتِ
محرکہ یعنی MOTIVATING FORCE کا کام انجام دیتی ہے۔ یہی جذبہ ایسے
لوگوں کو اتنی عظیم قربانیاں دینے پر آمادہ کرتا ہے۔

ــــ گذشتہ جنگ عظیم کے موقع پر جرمن اور جاپانی قوم کا جو جذبہ تھا وہ تو یقیناً
ان کی قوم پرستی کی بنیاد پر تھا۔ وہ کسی IDEALOGY اور نظریئے کے غلبے اور تسلط کے
لئے نہیں بلکہ ملک گیری اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے استیلاء اور اپنی حکومت کی
[illegible]

اور انقلابی نظریہ ہے اور وہ ممالک بھی تھے جن کا CATCH WORD جمہوریت ہے۔
آپ حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں ـــــ کمیونزم انقلاب
کی کامیابی سے قبل اس نظریئے کے پرچار اور اس نظریئے پر مبنی ایک نظام مملکت قائم
کرنے کی جد و جہد میں کامریڈ مردوں اور کامریڈ عورتوں نے جو قربانیاں دی ہیں
اور ایثار کی جو نظیریں قائم کی ہیں اور جابر و مستبد شخصی حکمرانوں کے تشدد و مظالم
اور جور و ستم کو جس طرح برداشت کیا ہے، دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ اس کی تہہ میں
کونسا قوم پرستانہ جذبہ تھا؟ یہ دراصل ایک 'نظریہ' کی محبت کا جذبہ تھا جسے ایک
اعتبار سے وطن و قوم اور شخصیت پرستی سے بالاتر محبت یعنی حبِّ انسانیت (HUMAN
ISM) سے بھی تعبیر کیا جائے تو غلط نہ ہوگا ـــــ آخر انسان میں اللہ تعالیٰ نے ترفع اور
بلندی بھی رکھی ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہ اس میں اپنی ذات، اپنی
قوم اور اپنے ملک و وطن کی خیر خواہی، عظمت اور وقار سے بلند ہو کر پوری انسانیت
کے خیر و صلاح کے لئے سوچنے اور اس کے لئے عملی جد و جہد کرنے کی صلاحیت
بھی ودیعت کی گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور
اس ذاتِ گرامی کے جمال و جلال اور کمال سے محجوب اور اس کی نازل کردہ ہدایت
سے محروم ہو کر اپنے فکر و فہم سے حبّ انسانیت اور انسان دوستی کے نظریات
وضع کرتا اور ان کو اختیار کرتا ہے تو اس طرح افراط و تفریط کے گورکھ دھندے میں
الجھ کر اور ایک طلسمِ خیال و تخیل میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے ـــــ بہرحال انسان
دوستی اور اشتراکیت کے فلسفے میں قوم و وطن پرستی کے مقابلے میں ایک ترفع ہے یہ
اور بات ہے کہ وہ ہمیں نظر نہ آئے یا ہمارے ادراک کی اس تک رسائی نہ ہو ـــــ
ہمارے اپنے نونہالوں اور نوجوانوں میں آپ کو بہت سے ایسے پرجوش اور حوصلہ مند
نظر آجائیں گے جنہوں نے اس نظریئے کی خاطر اپنی مستقبل کی زندگی (CAREER) کو
داؤ پر لگا لیا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں اس نظریئے کے پرچار اور اس کے لئے کام
کرنے کی خاطر تباہ و برباد کرلی ہیں۔ ان کے باقاعدہ خفیہ CELL ہیں جہاں ان کو اس
نظریئے کے اصول و مبادی کی باقاعدہ تعلیم اور اس کو پھیلانے کی تربیت دی جاتی
ہے ـــــ غور کیجئے کہ آخر وہ کونسی چیز ہے جس نے ان کے اذہان و قلوب کو

اور ان پر قابو پایا ہے اور کون سی بات ہے کہ جس نے ان کو POSSESS - MOTIVATE اور متحرک و فعال بنایا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ وہ کہیں چین اور روس سے امپورٹ تو نہیں کئے گئے۔ وہ ہیں تو آخر ہمارے ہی بچے۔ ہمارے ہی چشم و چراغ۔ ٹھیک ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کو مغالطہ لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ایک غلط نظریئے کو قبول کر لیا۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ ان کا جذبۂ محرکہ کون سا ہے جس کے تحت انہوں نے اس کو اختیار کیا اور وہ اس کے لئے حسب استعداد و امکان سعی و جہد بھی کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ بات یہی ہے کہ اس نظریئے کا اپنا حسن ہے، اس کی اپنی اپیل ہے۔ اس کا اپنا صغریٰ کبریٰ ہے جس نے ان نوجوانوں کے اذہان کو POSSESS کیا ہے۔ اس نے لوگوں کی IMAGINATION کو مفتوح (CAPTURE) کیا ہے ـــــ تو یہ ہے ایک وہ محبت جو بسا اوقات انسان سے بڑے عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دلا دیتی ہے اور وہ کام کرا لیتی ہے جو بادی النظر میں ان ہونے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انسان کے اندر سے قوت اور برداشت کا لاوا ابلتا ہے۔ یہ محبت خود غرضی کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ انسان ایک مقصد کے لئے ایک آئیڈیل کے لئے ایک آدرش کے لئے ایک نصب العین کے لئے تن من دھن سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ بنیادی طور پر اسی محبت کا غیر معمولی مظہر (PHENOMENON) ہوتا ہے جو کسی خیال یا نظریہ یا یوں کہیے کہ انسان کی محبت اس طرح گھر کر لیتی ہے کہ جس کے نتیجے میں ایسے کردار اور ایسی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے ـــــ میں عرض کر چکا ہوں کہ سیرت و کردار نام ہی ہے مضبوط قوت ارادی کا۔ تو کیا آپ کے خیال میں اس مضبوط قوت ارادی اور عزیمت کے بغیر دنیا میں کوئی انقلابی تحریک چل سکتی ہے؟ ایک نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ایک دوسرا نظام قائم کرنا ہے ـــــ انقلاب برپا کرنا ہے۔ تو جو لوگ اس کا داعیہ لے کر سامنے آئیں گے جو اس کا بیڑا اٹھائیں گے ان کے اندر تو بڑی زبردست قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ اور یہ قوتِ ارادی پیدا ہوتی ہے اس انقلابی نظریئے، اس انقلابی خیال اور اس انقلابی نظام کی محبت سے اور جب اس کا مزید تجزیہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اس کی تہہ میں دراصل انسان کی محبت، انسان کی فلاح، انسان کے ایک بہتر مستقبل کی خواہش مستور نظر آئے گی۔

یہ ہیں وہ چیزیں جن کی بنا پر واقعتاً سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی اور ایک مضبوط قوتِ ارادی وجود میں آتی ہے۔

اب اس موقع پر دیکھیے کہ اس مقصد کے لئے اسلام کونسی بنیاد دیتا ہے۔ تعمیرِ سیرت و کردار کے لئے اسلام نے جو بنیاد دی ہے وہ یہی محبت کی بنیاد ہے۔ اسلام اولین اور اقدم ترین محبت، اللہ کی محبت کو قرار دیتا ہے ــــ میں نے آج آغاز میں جن آیات کی تلاوت کی ہے ان میں سب سے پہلے میں نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۶۵ کا جو طویل آیت ہے، درمیانی حصہ پڑھا ہے۔ اس سے قبل کے الفاظ مبارکہ بھی سن لیجئے۔ فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ	"اور لوگوں میں ایسے بھی لوگ ہیں جو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ	اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر
كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اور مدِ مقابل بناتے ہیں اور ان سے
اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ	ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ کے

ساتھ ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں"۔

ــــ قرآن حکیم کا اعجاز و ایجاز دیکھیے کہ نہایت اختصار لیکن انتہائی جامعیت کے ساتھ اس سارے فلسفے پر تبصرہ کر دیا ــــ انسان میں محبت کا یہ جذبہ درحقیقت اللہ کی محبت کے لئے رکھا گیا تھا۔ اگر یہ جذبہ محبت کسی اور چیز سے منسلک اور وابستہ (ATTACH) ہو گیا ہے۔ دل کی سنگھاسن پر اللہ کی محبت کے بجائے کوئی اور محبت براجمان ہو گئی ہے تو یہ بے راہ روی (PERVERSION) ہے۔ وہ جذبۂ محبت غلط رخ پر پڑ گیا ہے۔ از روئے قرآن حکیم انسان کی محبت کا اصل مرکز درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ بھوک انسان کے اندر ہے اور ظاہر بات ہے کہ ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ بھوک مٹانے کے لئے اچھی سے اچھی غذا، صالح غذا، مفید غذا الطیب غذا حاصل کرے۔ لیکن یہ داعیہ اتنا شدید ہے کہ اگر انسان کو کسی وقت اچھی غذا نہیں ملتی تو اس مجبوری کی حالت میں یہ داعیہ انسان کو بُری غذا پر منہ مارنے پر آمادہ کر دیتا

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرت انسانی کی اسی کمزوری کے پیشِ نظر خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا
قرآن مجید میں چھوٹ دی گئی ہے۔ اور اس کو رعایت دی گئی ہے کہ اضطرار اور
مجبوری کی حالت میں حرام چیز کھائی جا سکتی ہے۔ یہ استثناء سورہ البقرہ کی آیت
نمبر ۱۷۳ میں بایں الفاظ آیا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳ کے آخر میں اس استثناء کا ذکر بایں الفاظ فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

ایک شخص اضطرار کی حالت میں آگیا ہے کچھ اور کھانے کو نہیں ہے تو وہ حرام غذا میں
بھی منہ مار سکتا ہے۔ اس کی اجازت ہے۔ اسی طریقے فاطر فطرت نے محبت کا یہ جذبہ
رکھا تو اس لئے تھا کہ مجھ سے محبت کرو!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ	"میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں —"

اور بندگی کے متعلق میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ اس کا جسد ظاہری اطاعت ہے۔
اور روح باطنی محبت ہے۔ عبادت اصل میں اس عبادت کو کہتے ہیں جو کسی ہستی
کی محبت سے سرشار ہو کر کی جا رہی ہو۔ کسی ہستی کی عظمت کے جذبے اور احساس
سے انسان ایک عجز اور تذلل کی کیفیت اپنے اندر پائے اور اس کے سامنے جھک
جائے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی تعریف یوں کی ہے کہ: العبادۃ
تجمع اصلین غایۃ الحب مع غایۃ الذل والخضوع۔ یعنی عبادت میں
دو بنیادی چیزیں لازماً شامل ہوں گی۔ ایک غایتِ محبت یعنی انتہائی شوق و رغبت
اور دل کی آمادگی اور انبساط و نشاط کے ساتھ نہایت محبت اور اس کے ساتھ نہایت
غایۃ التذلل والخضوع — لیکن انسان سے جس طرح عبودیت میں شریک ٹھہرائے

اسی طرح وہ شرک فی المحبت میں مبتلا ہو گیا۔ اور طیب و محمود محبت کو چھوڑ کر نجس و ناپاک راہ پر گم ہو گیا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اصل میں انسان میں محبت کا یہ جذبہ رکھا گیا تھا محبتِ الٰہی کے لئے ــــ لیکن ہوا یہ کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

"لوگوں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر کچھ اور ہستیوں کو (یا نظریات کو) اس کا ہمسر اور مدمقابل ٹھہرا لیا ہے اور جان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ سے کرنی چاہیئے"

ــــ یہی تو وہ بات ہے کہ جس کی بناء پر علامہ اقبال مرحوم نے وطن کو اس دور کا سب سے بڑا بت کہا ہے۔ جب وطنیت کے نظریئے کو محبت کا اصل مرکز بنا دیا گیا تو درحقیقت وطن کو وہاں بٹھایا گیا جہاں اللہ کو ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

غیر اللہ کو محبت کے سنگھاسن پر بٹھانے اور لوگوں کی ذہنی پستی پر قرآن حکیم نے کتنا معجزانہ اور مختصر مگر جامع تبصرہ صرف ان چند الفاظ مبارکہ میں فرمایا ہے کہ ـــ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ ــــ گویا انہیں طیب اور حلال غذا میسر نہیں آئی۔ اس لئے یہ غلیظ، نجس اور گندی غذا پر منہ مار رہے ہیں ــــ طیب و پاکیزہ چیز کیا ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی شدید ترین محبت ــــ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ایمان کا اصل تقاضا کیا ہے۔ ایمان کا اصل مظہر کیا ہے؟ اگر دل میں ایمان حقیقی ایمان کے طور پر ہو تو اس کا ظہور کس شکل میں ہوگا۔ وہ شکل ہے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کی شکل ــــ تمام چیزوں کی محبت کے مقابلے میں شدید ترین محبت جب تک اللہ کی نہیں ہو جائے گی تو جان لیجئے ایمان حقیقی موجود نہیں ہے۔ اس موضوع پر ان شاء اللہ قدرے تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

ہمارے مطالعہ قرآن کے منتخب نصاب میں جب ایمان کے مباحث آتے ہیں تو میں تفصیل سے عرض کیا کرتا ہوں کہ "ایمان" اصل میں نام ہے ایمان باللہ کا۔ ایمان بالنبوۃ یا ایمان بالرسالت اور ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرہ دراصل اسی 'ایمان باللہ' کی فروع (Corollaries) ہیں۔ اللہ کی صفت ہدایت کا تکمیلی مظہر ہے! نبوت ورسالت ـــــ اور اللہ کی صفت عدل کا تکمیلی مظہر ہے! بعث بعد الموت اور آخرت۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی دو صفات کمال کے دو مظہر ہیں۔ پس اصل ایمان کیا ہوا! ایمان باللہ! باقی ایمانیات اس کی شرح وتفصیل ہیں۔ یہ سب گویا ہیں نقطاک نقطۂ ایمان کی تفسیریں۔ یہ بات پوری طرح ہمارے ذہن نشین ہو سکتی ہے اگر ایمان مجمل اور ایمان مفصل کو ہم سامنے رکھیں ـــــ ایمان مجمل میں کس کا ذکر ہے! اللہ کا 'اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ ـــــ مجمل ایمان پورا ہو گیا۔ ہاں جب اس ایمان کی تشریح وتفصیل درکار ہو تو ایمان مفصل کیا ہوگا! وہ ہوگا: اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ـــــ بالکل اسی طرح سمجھئے کہ اصلاً جو محبت ہے جو سیرت و کردار کا جو CORNER STONE ہے وہ ہے محبت الٰہی ـــــ لیکن اسی محبت کے ساتھ کچھ اور محبتیں بھی جڑی ہوئی یعنی BRACKETED ہیں جو اسی محبت خداوندی کی شرح وتفصیل ہے۔ ان محبتوں میں نمبر ایک پر آئے گی ـــــ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم[1] ـــــ میں نے یہاں پر جان بوجھ کر 'عشق رسول' استعمال نہیں کیا یہ قرآن کا لفظ نہیں ہے نہ حدیث کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں 'عشق' ایک بڑی منفی کیفیت کا نام ہے۔ قرآن میں اسی لئے یہ لفظ بالکل استعمال نہیں ہوا اور کلام نبوی تابرابت ہے کہ قرآن مجید کا ہی ایک پرتو ہے۔ لہٰذا اس میں بھی یہ لفظ کہیں نہیں آیا۔ قرآن وحدیث میں عربی کے جو الفاظ منتخب (CHOOSE) کئے

---

[1] حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَ وَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (مرتب)

گئے ہیں تو اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں ۔ یہ حاطب اللیل اور داستان گو ہوتے ہیں جو اَلل ٹپ اور رطب و یابس جمع کرتے ہیں ۔ قرآن و حدیث کے الفاظ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم افصح العرب کے منتخب کردہ ہیں یہ ان کا انتخاب ہے کہ کون سا لفظ لینا ہے اور کون سا نہیں لینا[1] لفظ "حب" (محبت) لیا ہے عشق نہیں لیا۔ اس لئے لفظ عشق میں کسی کی شیفتگی میں سوکھنے کا مفہوم شامل ہے۔ جبکہ لفظ محبّت میں جوشِ عمل و اقدام اور پروانہ وار شوق جان نثاری و قربانی کے مفاہیم شامل ہیں۔ لہٰذا محبت جوش و خروش اور جان نثاری کا ایک مظہر ہے جبکہ عشق کسی کی محبت میں سوکھنے دل گرفتہ ہونے اور عمل سے تہی دست ہونے کا مظہر ہے۔ تو انسانی کردار کو سکھانا اور بے عمل بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کو فعّال بنانا اور روبہ عمل لانا درکار ہے۔ لیکن فارسی فلسفۂ محبت کا جو ذہنی پس منظر تھا —— اس میں عشق ہی کی کیفیات مطلوب و مقصود تھیں۔ لہٰذا ان کی شاعری اور انشا پردازی میں لفظ عشق نے جگہ پائی اور وہیں سے یہ لفظ اردو ادب میں بھی آگیا اور ہمارے یہاں 'عشقِ رسولؐ' رواج پا گیا۔ حالانکہ غور طلب بات یہ ہے کہ الفاظ و اصطلاحات کے معاملہ میں اگر ہم اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے انتخاب کو چھوڑ کر اور نظر انداز کرکے دوسرے الفاظ و اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو یہ بھی ایک محرومی ہے۔ بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتا کہ کہ اس طرح کیا فرق واقع ہوتا ہے لیکن اس طرزِ عمل کے نتائج بہت دور رس ہوتے ہیں۔ یہ تو درمیان میں ایک ضمنی گفتگو آگئی۔ اب آئیے اصل مسئلہ کیطرف۔

تعمیر کردار اور سیرت سازی کے لئے از روئے قرآن جو DRIVE اور قابل اعتماد سہارا ہے، وہ دراصل **محبتِ الٰہی** ہے۔ یہی عروۃ الوثقیٰ ہے یاد کیجئے کہ آیت الکرسی کے فوراً بعد والی آیت کے آخری ٹکڑے میں کیا بات فرمائی

---

[1] اسی طرح لفظ "مذہب" قرآن و حدیث میں استعمال نہیں ہوا بلکہ "دین" استعمال ہوا ہے جس میں جامعیت اور ہمہ گیری ہے۔ لفظ مذہب میں محدودیت ہے اور یہ لفظ انسان کے محض شخصی معاملات سے بحث کرتا ہے (مرتب)

[ک]ئی ہے وہاں فرمایا گیا: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ [ا]سْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ "جو طاغوت [کا] انکار کرے۔ اللہ کے سوا جو دوسری محبتیں ہیں ان سب کو مسترد کر دے۔ [او]ر جس کی محبت ایمان لانے کی بدولت ذات باری پر مرتکز ہو جائے۔ پس اس [ن]ے تو اس اصل اور مضبوط سہارے کو تھام لیا ہے۔ وہ مضبوط کڑا اب اس کے [ہ]اتھ میں آگیا ہے۔ جس کے ٹوٹنے کا کبھی کوئی امکان نہیں۔ یہ سہارا چھوٹے گا نہیں۔ یہ اعتماد انسان کو کبھی دھوکہ نہیں دے گا۔ انسان اس کے ساتھ جڑ گیا ہے۔ تو وہ گویا خود اپنی ذات میں ایک چٹان (Rock) بن گیا۔ اس چٹان کی بنیاد (Rock Foundation) ہے حُبِّ الٰہی، محبت خداوندی — اللہ جیسے کہ میں نے عرض کیا، اسی کے ساتھ آجائے گی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس ضمن میں ایک اور بات بھی غور طلب ہے اس کو بھی آپ کے غور و فکر کے لئے بیان کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض اعتبارات اور بعض لوگوں کی ذہنی سطحوں میں جو فرق و تفاوت ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ تمام لوگ ایک فکری سطح پر آپ کو نظر نہیں آئیں گے۔ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کی ذہنی سطح بلند نہیں ہوتی یا جن کے لئے یہ محاورہ ہے کہ" لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ ان کے لئے کچھ اور درکار ہوتا ہے۔ جیسے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر!!!

تو اس اعتبار سے لوگوں کے فہم و عقل میں فرق و تفاوت ہے۔ سب ایک جیسے تو نہیں۔ جس بات کو عام طور پر شعوری سطح (LEVEL OF CONSCIOUSNESS) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جن لوگوں میں یہ کیفیت زیادہ ہو کہ ع خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر — ان کے اعتبار سے محبتِ رسول تعمیر کردار اور سیرت میں زیادہ مؤثر ہو جاتی ہے بہ نسبت محبتِ الٰہی کے — اس لئے کہ وہ ان کی ذہنی سطح سے قریب تر ہے۔ ایک انسان کی شخصیت کا ہیولا اور ایک انسانی کردار ان کے سامنے آتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اگر کسی نے کوئی تصور وابستہ

گیا ہے تو وہ شرک کے دائرے میں لازماً داخل ہو گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی بھی تصوّر اگر حاشیۂ خیال میں آ گیا تو توحید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ظاہر ہاتا ہے کہ تصوّر تو ایک ذہنی تخلیق ہے ۔ یہ اللہ سبحانہٗ نہیں بلکہ کوئی اور معبود ہے جس کو انسانی ذہن نے تراشا ہے ۔ بقول شاعر ؎

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندِ دگر
رُست از یک بند تا افتاد در بندِ دگر

ذاتِ باری تعالیٰ کا ادراک ماوریٰ ثُمّ ماوریٰ ہے۔ تصوّر و تخیل سے لات و منات تراشے جا سکتے ہیں اللہ جلّ سجانہٗ کا تخیل و تصوّر ناممکنات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک سے عاجز ہو جانا ہی دراصل ادراک ہے۔ جیسا کہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے : اَلْعِجْزُ عَنْ دَرَکِ الذَّاتِ اِدْرَاکٌ اور اس پر گرہ لگائی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے : وَ الْبَحْثُ عَنْ کُنْہِ الذَّاتِ اِشْرَاکٌ ——— وہاں تو تحیّرِ محض ہے اور کامل عجز۔ اور درماندگی ہے چونکہ وہاں تک رسائی ممکن نہیں لہٰذا بعض لوگوں بلکہ اکثریت کے لیے واقعہ یہ ہے کہ تعمیر سیرت کے اعتبار سے محبتِ رسولؐ میں تاثیر زیادہ ہے ۔ البتہ یہ بات ہر آن مستحضر اور بہ احتیاط ہر لحظ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اصل محبت، محبتِ الٰہی ہے۔ رسولؐ کی محبت اسؐ کی محبت کے تابع اور اس تعلق سے وابستہ (BRACKTED) ہے لیکن یہ محبت جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا اکثر انسانوں کے لیے یہ محبت بہت زیادہ مؤثر ہے انسان کی تعمیر کردار کے لیے قوم، وطن اور شخصیتوں کی محبتوں کی جگہ اسلام اللہ اور رسولؐ کی محبت پیش کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ سیرت سازی کے لیے ایک اور مؤثر عامل (FACTOR) ہے کسی نظریئے اور آئیڈیولوجی کی محبت — انسان کی محبت اور اس محبت سے سرشار ہو کر دنیا میں ایک عادلانہ و منصفانہ نظام قائم کرنے کی جدوجہد — اسلام نے اس کا نعم البدل بھی بھرپور پیش کیا اور اس کا نام رکھا جہاد فی سبیل اللہ کی محبت — اس مبنی بر قسط اور عادلانہ نظام (اسلام) کو قائم کرنے کا جوش و ولولہ اور محبت —— جو اللہ کا عطا کردہ الدین الحق — (نظامِ حیات) ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ —— اسلام صرف ہمارے مذہبی تصورات اور اعتقادات پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ زندگی اور نظامِ حیات ہے جو اجتماعی طور پر پوری نوعِ انسانی کے لیے قسط اور عدل و انصاف

پورا اہتمام کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد اسی قسط و عدل کے
ام کو قائم کرنا بھی قرار دیتا ہے جیسے سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں فرمایا گیا۔
قَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ" یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا
روشن نشانیاں (معجزات) کے ساتھ اور اتاری ان کے ساتھ کتاب (دستورِ حیات)
ر المیزان (نظام و ضوابط حیات) تاکہ وہ اس کو قائم و نافذ کردیں نوعِ انسانی کو قسط
و عدل و انصاف پر کاربند رہنے کے لیے۔" معاذ اللہ رسولوں کی بعثت، انزالِ
کتب اور میزان (نظامِ حیات) اللہ تعالیٰ کی کوئی کھیل اور مشغلہ (HOBBY) تو نہیں
خاتم معاذ اللہ۔ اس نے اپنی کتابیں (توریت۔ زبور۔ انجیل اور قرآن) اس لیے
نازل نہیں فرمائی تھیں کہ ان کو محض متبرک اشلوک سمجھ کر پڑھا جائے اور مقدس کتاب
سمجھ کر بڑھیا سے بڑھیا کپڑوں کے غلافوں میں لپیٹ کر طاقوں میں رکھ دیا جائے۔
اور "میزان" یعنی دین الحق، یعنی شریعت، مکمل نظامِ حیات اس لیے تو نہیں اتارا
کہ ہم اس کی مدح سرائی کر لیا کریں، اس کی شان میں قصیدے پڑھ لیا کریں۔ اس
کی تقدیس کے لیے کچھ ڈنڈورت کر لیا کریں۔ اس کی غایت تو یہ ہے کہ ؛ لِیَقُوْمَ
النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ لوگوں کو کاربند رکھنے کے لیے اس میزان کو نصب کیا جائے
اور دین (نظامِ حیات) کو قائم کیا جائے۔ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ — اب عدل و
انصاف اور قسط کے اس نظام اور میزان کو قائم اور نصب کرنے کے لیے جدوجہد
اور کار رہے۔ محنت در کار رہے — جو انبیاء و رسل کا منصب ہے۔ ان کو اور ان
کے اصحاب و حواریین کو — رائج شدہ ظالمانہ نظام میں جن لوگوں نے اپنے جائز حق
سے زیادہ پر قبضہ کیا ہوا ہے ان سے اس دین اور میزان کے قیام و نصب کے لیے
ٹکرانا ہوگا۔ ان سے تصادم کرنا ہوگا اور ان سے نبرد آزما ہونے اور ان کی سرکوبی
کرنے کے لیے اللہ نے لوہا اتارا ہے۔ چنانچہ سورۂ حدید کی اسی آیت میں آگے
فرمایا گیا ؛ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ۔" اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی شدید ترین صلاحیت
ہے اور لوگوں کے لیے تمدنی ضروریات میں دوسرے فائدے بھی ہیں" یعنی اسی
لوہے سے تلوار اور اسلحہ جنگ تیار ہوتا ہے تو ان لوگوں کی تمدنی ضروریات اور

فائدے کے لیے بھی اسی لوہے سے دوسری بہت سی چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں۔ لیکن یہ چیزیں لوہے کے BY PRODUCTS ہیں۔ لوہے کی اصلی قوت جو ہے وہ اسلحہ ہے ــــ اس ارسال رسل ؑ ۔ انزال کتب ، میزان اور حدید کی غرض و غایت اسی آیۃ کے آخر میں بایں الفاظ بیان کی گئی : وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ؀ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ دیکھ لے کون ہیں اس تعالیٰ کے وہ وفادار بندے جو اللہ سے غیب میں رہتے ہوئے اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں یعنی ان کے لائے ہوئے دین اور میزان کو قائم اور نصب کرتے ہیں۔

ہمارے دین نے تعمیر کردار اور سیرت سازی کے لیے اللہ ، اس کے رسول اور جہاد کی یہ انتہائی قوی اور متحرک یعنی DYNAMIC محبت عطا فرمائی ہے ــــ اس لفظ DYNAMIC پر ذرا غور کیجئے گا ــ میں نے اسی لیے عرض کیا تھا کہ لفظ ، "عشق" جس میں فراق و ہجر میں سوکھنے اور فنا فی الشیخ یا فنا فی اللہ کے منفی مفاہیم و تصورات شامل ہیں، قرآن و حدیث میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا ۔ اس کی جگہ محبت اور لقا باللہ کا تصور پیش کیا گیا ہے ۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے دو اشعار میں بڑی خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ یہ اشعار ان کے عظیم ترین اشعار میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل ۔۔۔ یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ خدامست ۔۔۔ یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات

ایک تصوف وہ ہے جو جمود پیدا کرتا ہے، جو بے عملی پیدا کرتا ہے، جو معاشرے سے کنارہ کشی کا سبق دیتا ہے ــ ایک تصوف وہ ہے جو انسان کو میدان عمل میں لاتا ہے ۔ جہد و کوشش کا درس دیتا ہے ۔ تصادم و قتال کی دعوت دیتا ہے ۔ نیکی کا ایک تصور وہ ہے جو راہب خانوں اور بدھ مت کے منڈلوں میں نظر آئے گا اور نیکی کا ایک تصور وہ ہے جس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت دی کہ هُمْ رُهْبَانٌ فِي اللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ فِي النَّهَارِ تھے۔ وہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار تھے۔ ان کی شان یہ تھی کہ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصوف تو یہ ہے۔ اس تصوف کا نقشہ کل ڈیڑھ سو

سال قبل ہماری سرزمین نے بھی دیکھا ہے اور بھرپور دیکھا ہے — یہ کوئی ہزار ڈیڑھ ہزار سال کی بات نہیں۔ دعائیں دیجئے ان مردانِ خدا آگاہ اور خدامست کو جنہوں نے یہ نقشہ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اسی برصغیر میں دکھا دیا تھا۔ مراد ہیں سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے ساتھی مجاہدین۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین — انہوں نے سلوکِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نقشہ پھر ایک بار دنیا کو دکھا دیا تھا — اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُبُوْرَهُمْ وَ مَرَاقِدَهُمْ وَ اَدْخِلْهُمْ فِي الْجَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ —

یہ ہے محبت کا وہ دوسرا درجہ جو اسلام نے دیا ہے اور جو انسان میں جوشِ عمل کی بجلیاں پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہ انقلابی جذبہ ہے۔ متحرک اور DYNAMIC جذبہ ہے — اور یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کی محبت — اب دیکھئے کہ کس خوبصورتی سے سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ میں، جس کی ابھی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی، ان محبتوں کو جمع کیا گیا ہے — اور تینوں محبتوں یعنی (۱) اللہ تعالیٰ کی محبت (۲) اس کے رسول کی محبت اور (۳) جہاد فی سبیل اللہ کی محبت کو BRACKETED کیا گیا ہے۔ فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اس آیتِ مبارکہ میں نبیٔ اکرمؐ کو دعوت دی گئی ہے کہ آپؐ اہلِ ایمان سے کہیں کہ وہ اپنی محبتوں کا جائزہ لے لیں۔ چونکہ زندگی کا سارا کھیل تو محبت ہی کا ہے جس میں علائقِ دنیا اور مال و زر کی محبت بڑی قوی محبت ہے —

زر کی محبت کے متعلق غالباً نظیر اکبرآبادی کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؎

زر کی محبت جو تجھے تڑپائے گی بابا ۔ در در کی ٹھوکریں کھلوائے گی بابا !

انسانیت اس زر کی محبت کی خاطر ٹھوکریں کھاتی نظر آرہی ہے۔ انسان

باطل کے آگے سرنگوں ہے۔ اس زر کی محبت میں اپنے شرفِ آدمیت، اپنے وقار، اپنی خودی اور اپنی عزت کا سودا کرنے والے لوگ دنیا میں ہر سُو نظر آ رہے ہیں۔ اپنے ضمیر کو کچلنے اور اس کا گلا گھونٹ دینے والے لوگ چہار سُو پھیلے ہوئے ہیں۔ تو سارا کھیل "محبت" ہی کا ہے۔ مَیں نے اپنی تمہید میں مال و زر اور شہرت و وجاہت اور شہوات کی محبتوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا تھا جو انسان کی ہوائے نفس سے متعلق ہیں اور جو انتہائی گھٹیا اور پست و ادنیٰ محبتیں ہیں۔ مَیں تو ان سے بالاتر محبتوں سے چلا تھا۔ وطن و قوم کی محبت ان نفسانی محبتوں سے یقیناً بلند و برتر محبت ہے، اس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ جیسے کہ مَیں نے کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ فرقِ مراتب ہے ؎ "نہ ہر زن زن است، نہ ہر مرد مرد"۔ نہ اہلِ ایمان سب برابر کے تھے نہ اہلِ کفر سب برابر کے تھے۔ اہلِ کفر میں ابوطالب بھی تھے اور اہلِ کفر میں ابولہب بھی تھا۔ کفر مشترک ہے مگر سیرت و کردار کا فرق صاف نمایاں۔ اہلِ ایمان میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمانِ ذوالنورین، علی حیدر اور دیگر اصحاب عشرہ مبشرہ بھی تھے، اصحابِ بدر بھی اصحابِ بعیتِ رضوان بھی تھے اور عام صحابہ کرام بھی تھے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ؏ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی۔

تو محبتوں کے معاملے میں گراوٹ و پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے! کے مصداق اگر انتہائی پستی والی محبت دیکھنی ہو تو وہ ہے "محبتِ ذات" — اپنی ہی حرمِ ذات کا طواف، اور اپنے ہی حریمِ ناز پر پروانہ وار نثاری — اپنی دولت، اپنا مال و زر، اپنی شہرت و وجاہت، اپنی عزت و وقار، اپنا نام و نمود — اپنی خواہشات، اپنا عیش و آرام، اپنی آرائش و زیبائش — ان ہی محبتوں کے ہم سب اسیر ہیں اور اسی چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ شاذ ہی بلکہ آٹے میں نمک کی نسبت سے بھی قلیل ایسے خوش نصیب اور اللہ والے لوگ ہوں گے جو اس سطح سے بلند ہوں۔ اللہ کی، اس کے رسول کی اور اس کی راہ میں جد و جہد اور محنت و کوشش، ایثار و قربانی تو بہت اونچی بات ہے — مَیں نے اس نفسانی محبت سے بالاتر جو محبتیں گنوائیں، یعنی وطن و قوم کی محبت اور کسی نظریے اور نصب العین کی محبت، تو ہماری عظیم اکثریت کی یہاں تک بھی رسائی نہیں ہے جبکہ ان محبتوں پر بھی ایک سیرت تعمیر ہو جاتی ہے اور ایک وطن پرستانہ کردار، ایک قوم پرستانہ کردار اور ایک انقلابی اور مجاہدانہ

کردار وجود میں آجاتا ہے۔ جس کے نقشے ہمیں نظر آتے ہیں۔ خلاتو ہمارے یہاں ہے کہ یہاں کوئی محبت ہی نہیں۔ سوائے اپنی محبت کے۔ اپنی ہی ذات کا کعبہ ہے جس کا ہم طواف کر رہے ہیں۔ اپنے ہی مفادات ہم کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں اور ہماری ساری تگ و دو اور دوڑ دھوپ اپنی ذات ہی کے گرد گھوم رہی ہے الّا ما شاء اللہ۔

اب آپ دیکھئے کہ قرآن مجید میں کس طرح ان محبتوں کا جائزہ لینے کا ہمیں ایک آیت میں سبق دیا گیا۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ جس میں اس جائزہ کے لیے ہمارے سامنے ایک کسوٹی اور ایک معیار رکھا گیا ہے، میں آپ کو سُنا چکا ہوں۔ اب اس کی ترجمانی اور تشریح و تفصیل پیش کرتا ہوں۔ فرمایا:۔ اے نبی کہہ دیجئے کہ اے ایمان لانے والو! اپنی محبتوں کا جائزہ لے لو اور اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرو۔ ایک پلڑے میں آٹھ محبتیں ڈالو (۱) باپوں کی محبت (۲) بیٹوں کی محبت (۳) بھائیوں کی محبت (۴) بیویوں کی محبت (ماں، بیٹی، بہن اور شوہر کی محبت انہی محبتوں کے تابع ہیں) (۵) رشتہ داروں اور اعزہ و اقارب کی محبت ــــ یہ وہ پانچ محبتیں ہیں جو علائق دنیوی سے متعلق ہیں ــــ (۶) اُس مال کی محبت جو بڑے چاؤ سے جمع کیا ہے (۷) اُس کاروبار کی محبت جو بڑی محنت سے تم نے جمائے ہیں جس میں تمہارا خون پسینہ شامل ہے جس کے متعلق تم گھبراتے رہتے ہو کہ کہیں ماندنہ پڑجائے کہیں گھاٹا نہ ہوجائے کہیں کساد بازاری نہ آجائے۔ اور (۸) اُن مکانوں کی محبت جو تم نے بڑے ارمانوں سے بنائے ہیں اور ان کی آرائش و زیبائش میں پانی کی طرح پیسہ لگایا ہے یہ تین محبتیں اسباب و سامان دنیوی سے تعلق رکھتی ہیں ــــ یہ کل آٹھ محبتیں ہوئیں۔ اب سب کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالو۔ اور دوسرے پلڑے میں تین محبتیں (۱) اللہ کی محبت (۲) اس کے رسولؐ کی محبت اور (۳) اس کی راہ میں جہاد کی محبت جو بڑی DYNAMIC محبت ہے، ڈالو ــ اب دیکھو کہ کونسا پلڑا جھکا ــ اگر علائق اور ساز و سامانِ دنیوی کی آٹھ محبتیں تمہارے قلب پر زیادہ مسلط ہیں ان تین محبتوں یعنی اللہ، رسول اور جہاد کی محبتوں سے ــــ اور پہلا پلڑا جھک گیا تو جاؤ دفع ہوجاؤ ــــ " فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞" پس جاؤ اور گو مگو اور انتظار کی حالت میں مبتلا رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

یہ ہیں ایک مسلم و مومن بندے کی تعمیر سیرت و کردار کی مثبت اساسات۔ اللہ کی محبت، رسول کی محبت اور جہاد کی DYNAMIC محبت۔ یہ تین محبتیں ہیں تو یوں سمجھیے کہ تعمیر سیرت کا جو CORNER STONE یعنی جڑ اور بنیاد ہے وہ اذہان و قلوب میں موجود ہے لے (جاری ہے)

نوٹ ، دوسرے منفی جذبے "خوف" والا حصّہ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں پیش کیا جائے گا۔ ضخامت کی کمی سے مجبوراً یہ حصّہ روک لیا گیا ہے۔ (ادارہ)

❀❀❀❀❀❀❀

لے : فارسی اور اردو شاعری میں عام طور پر اس محبت کے لیے "عشق" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا دیکھئے کہ ہمارے دو عارفین نے محبتِ خداوندی کو کس طرح تعبیر کیا ہے۔
مولانا رومی فرماتے ہیں :

شاد باد اے عشقِ خوش سودائے ما — اے طبیبِ جملہ علّتہائے ما !

اور علامہ اقبال فرماتے ہیں :

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق — عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات

اور — تجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اور — مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ — عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰ — عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام !

عشق فقیہہِ حرم، عشق امیرِ جنود — عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات — عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

اور — صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق — معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(مرتّب)

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تازہ شائع شدہ تألیف

اسلام اور پاکستان

تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر

کی

تقدیم

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد

پیشِ نظر مجموعہ میری چند تحریروں پر مشتمل ہے جو ۶۸-۱۹۶۷ء کے دوران ماہنامہ 'میثاق'، لاہور میں ''تذکرہ و تبصرہ'' کے زیرِ عنوان شائع ہوئیں تھی۔
ان میں مَیں نے ایک[1] جانب تحریکِ پاکستان کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیا ہے اور دوسری[2] جانب موجودہ پاک و ہند مسلم معاشرے میں مذہبی فکر کے جو مختلف حلقے پائے جاتے ہیں ان کے پس منظر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے ——
لیکن میرے نزدیک ان کا اہم ترین گوشہ وہ ہے جس سے اُن عظیم غلطیوں کا سراغ ملتا ہے جن کے باعث ہم اس حد درجہ افسوسناک صورتحال سے دوچار ہیں کہ جو ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اُس میں ثلث صدی سے زائد عرصہ

گذر جانے کے باوجود اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی
اس ضمن میں لامحالہ بعض شخصیتوں اور جماعتوں کے کردار پر تنقید بھی آئی ہے جنکی زیادہ
شدت کا ظہور فطری طور پر ان ہی کے حق میں ہوا ہے جن سے احیاءِ اسلام اور اقامت دین
کے ضمن میں سب سے زیادہ امیدیں وابستہ تھیں ——— تاہم خدا گواہ ہے کہ انکی توہین
و تنقیص نہ اس وقت مقصود تھی جب یہ مضامین لکھے گئے تھے، نہ آج مطلوب ہے، بلکہ اصل معاملہ
تب بھی وہی تھا اور اب بھی وہی ہے جو غالب کے اس شعر میں بیان ہوا کہ ؎

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف   آج پھر درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے!

پیش نظر مجموعے کی اشاعت سے قبل جب میں نے اپنی آج سے پندرہ سولہ سال قبل کی ان تحریروں
کا جائزہ تنقیدی نگاہ سے لیا تو الحمد للہ کہ اس امر کا تو پورا اطمینان ہوا کہ ان میں حالات
واقعات کا جو تجزیہ سامنے آیا ہے وہ صدفی صد درست ہے۔ البتہ یہ احساس ضرور ہوا کہ ان
بعض مقامات پر طرز تعبیر اور انداز تحریر میں تلخی شامل ہو گئی ہے۔ جو نہ ہوتی تو بہتر تھا۔
گویا اگر میں ان موضوعات پر آج قلم اٹھاؤں تو تجزیہ تو بنیادی طور پر وہی ہو گا لیکن انداز
اتنا تلخ نہ ہو گا۔

لیکن اب ان تحریروں سے اس تلخی کو نکالنا نہ ممکن ہے نہ مناسب ——— ممکن اس
لئے نہیں وہ ان کے پورے تانے بانے میں بُنی ہوئی ہے، اور مناسب یا درست اس لئے
نہیں کہ پرانی تحریروں کو اگر پرانی تحریروں ہی کی حیثیت سے شائع کیا جائے تو اُن میں ردّ و
بدل تصنیف و تالیف کے اصولوں کے خلاف ہے ——— اگر صاحب تحریر کی رائے میں بعد
میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو تو اسے اضافی حواشی کی صورت میں درج ہونا چاہیئے یا علیحدہ
وضاحت کی شکل میں!

اس ضمن میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کا معاملہ خصوصی اہمیت کا
حامل ہے۔ اس لئے کہ اُن کے ساتھ میرے ذہنی و قلبی تعلق میں اتار چڑھاؤ کی کیفیت شدت
کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا آغاز شدید ذہنی و فکری مرعوبیت اور گہری قلبی محبت
و عقیدت کے ساتھ ہوا۔ جس میں ذاتی احسانمندی کا عنصر بھی شدت کے ساتھ موجود تھا۔
لیکن پھر جب اختلاف پیدا ہوا تو وہ بھی اتنا ہی شدید تھا اور اس کے نتیجے میں طویل عرصہ
تک مایوسی ہی نہیں شدید بیزاری کی کیفیت قلب و ذہن پر طاری رہی لیکن آخرکار اس

پر افسوس، ہمدردی اور حسرت کا رنگ غالب آگیا اور قلب کی گہرائیوں میں کم از کم احسا
مندی کے احساسات بتمام وکمال عود کر آئے ـــــ میری پیش نظر تحریریں چونکہ ان تین
ادوار میں سے درمیانی دَور سے تعلق رکھتی ہیں لہٰذا ان میں تلخی کا رنگ بہت نمایاں ہے
جس کے لئے میں مولانا مرحوم کے تمام محبین و معتقدین سے بھی معذرت خواہ ہوں اور
مجھے یقین ہے کہ اگر ۷۸ء میں امریکہ میں مولانا سے میری وہ ملاقات ہو جاتی جس کی ایک
شدید خواہش لئے ہوئے میں وہاں گیا تھا تو میں اُن سے بھی معافی حاصل کر لیتا ـــــ
اس لئے کہ اُسی زمانے کے لگ بھگ مجھے ایک اطلاع ایسی ملی تھی جس سے پورا اندازہ
ہو گیا تھا کہ مولانا کے دل میں میری جانب سے کوئی تکدر یا رنج نہیں ہے ۔ (یہ اطلاع جناب
عبدالرحیم، ڈپٹی چیف مکینکل انجنیئر، کراچی پورٹ ٹرسٹ نے دی تھی کہ ایک نجی ملاقات
میں جس میں وہ خود موجود تھے مولانا مرحوم نے میرے بارے میں یہ الفاظ فرمائے تھے کہ :
"اس شخص کے بارے میں مجھے یہ اطمینان ہے کہ وہ جہاں بھی رہے گا دین کا کام کرتا رہےگا!")
جس کی تائید مزید مجھے بفلو میں مولانا کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے موقع پر مل گئی جب
مولانا کے خلف الرشید ڈاکٹر احمد فاروق مودودی سے معلوم ہوا کہ میری مولانا سے
ملاقات کی خواہش یکطرفہ نہ تھی بلکہ ان کے الفاظ میں : "..... اُدھر ابا جان بھی
آپ سے ملاقات کے بہت خواہاں تھے لیکن ....." ـــ بہرحال یہ میرا اور مولانا مرحوم کا
کا ذاتی معاملہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ میدانِ حشر میں جب میں اُن سے اپنی تلخ نوائی کی معافی
چاہوں گا تو وہ مجھے ضرور معاف کر دیں گے ۔

اس وقت اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم ماضی کے طرزِ عمل کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیں اور
اس میں نہ کسی کی محبت و عقیدت کو آڑے آنے دیں نہ کسی کے بغض و عداوت کو راہ پانے
دیں، بلکہ یہ بے لاگ تجزیہ صرف مستقبل کے لئے سبق حاصل کرنے کے لئے ہو ـــــ
اور اس اعتبار سے ان شاء اللہ العزیز قارئینِ کرام ان تحریروں کو مفید پائیں گے ۔

(تحریر یکم جنوری ۸۲ء)

عطیہ : حاجی محمد سلیم

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی کی بیعت کے بارے میں

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی خلف الرشید مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

کے لندن سے استفسار کے جواب میں

مولانا سید حامد میاں مدظلہ مجاز خلیفہ مولانا سید حسین احمد مدنی رح

کی وضاحت

"...... اس عرصہ میں خود ڈاکٹر صاحب ایک دن تشریف لے آئے میں نے ان سے بھی بات کی کہ آپ کی نیت اس بیعت میں جو آپ لیتے ہیں بیعت جہاد ہے یا کیا ہے کیونکہ اسکی صفات وہ ہیں جو بیعت جہاد کی ہوتی ہیں کہ کوئی کسی سے بھی بیعت ہو وہ آپ سے بھی بیعت کر لے وغیرہ تو انہوں نے کہا میری یہی نیت ہے۔ میں نے جو انکی بات کی تائید کی تھی تو اس وقت مذکورہ بات بھی پیش نظر تھی اور دوسرے وہ واقعات بھی کہ جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف امور پر بیعت لی ہے اور بیعت جہاد وغیرہ میں مفضول نے افضل سے بیعت لی ہو اسکا ثبوت بھی ہے لاہور ہی میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ علیہ نے حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے خود بیعت ہو جانے کے لئے فرمایا اور شاید بیعت بھی ہوتے اور بڑے بڑے لوگ بیعت ہوتے اسی لئے انہیں امیر شریعت کہا جانے لگا۔ یہ بیعت بیعت جہاد ہی کی نیت سے تھی چاہیے کلمات میں صراحت نہ ہوئی ہو جس کی وجہ حالات تھے۔ اور حکومت کا تسلط ورنہ مولانا انور شاہ صاحبؒ

اور بزرگ سے بیعت تھے، صوفیہ کرام کی بیعت اور اسکی اقسام کی بحث تو "القول الجمیل" میں ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نہ کسی سے مرید ہیں نہ مجاز اس لئے وہ یہ بیعت تو نہیں لیتے وہ جو بیعت لیتے ہیں وہ اور قسم کی ہے اور بے ثبوت یعنی بلا دلیل شرعی بھی نہیں کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ بھی لی ہے اس میں اس وقت کے مطابق کلمات تھے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جلد دوم میں مختلف قسم کی بیعتیں استنباط کی ہیں۔

(۱) البیعۃ علی السمع والطاعۃ (۲) البیعۃ علی ان لاننازع الامر اھلہ
(۳) البیعۃ علی القول بالحق (۴) البیعۃ علی القول بالعدل
(۵) البیعۃ علی الاثرۃ (۶) البیعۃ علی النصح لکل مسلم (۷) البیعۃ علی ان لانفر (۸) البیعۃ علی الموت (۹) البیعۃ علی الجھاد
(۱۰) البیعۃ علی الھجرۃ نسائی ج م کتاب البیعۃ

غرض ڈاکٹر صاحب کی بیعت یا تو بقول ان کے بیعت جہاد ہی ہے یا اس قسم کی بیعتوں میں سے کسی قسم کی ہے ......"

(تحریر ۱۷ دسمبر ۸۲ء)

کراچی میں تنظیم اسلامی کے اجتماعات کا پروگرام حسب ذیل ہے:

جن میں درس قرآن (عموماً بذریعہ کیسٹ: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) درس حدیث، مطالعہ سیرتِ مطہرہ اور فقہ اسلامی اور فہام و تفہیم کے لئے سوال و جواب کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ اجتماعات کراچی دفتر کمرہ ۱۱ داؤد منزل نزد آرام باغ میں منعقد ہوتے ہیں۔

- ہر جمعہ کی صبح ½۹ بجے تا ½۱۱ بجے
- ہر پیر اور بدھ کو بعد نماز مغرب

رودادِ تنظیمِ اسلامی حصہ اوّل اور میثاق، نومبر ۸۲ء کی بعض عبارات سے

مولانا سیّد حامد میاں مدظلہٗ کا اظہارِ اختلاف

الحمد للہ کہ مولانا سیّد حامد میاں مدظلہٗ تنظیمِ اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں شامل ہیں جو تنظیمِ اسلامی کے نظام العمل کی دفعہ ۱۰ کے مطابق قائم کیا گیا ہے۔ مولانا نے رودادِ تنظیم حصہ اوّل اور میثاق، نومبر ۸۲ء کی بعض عبارات کے بارے میں درج ذیل رائے تحریر فرمائی ہے جو اُن کی فرمائش کے مطابق شائع کی جا رہی ہے۔ بعض عبارات میں جس تبدیلی کا مولانا نے مشورہ دیا ہے اس پر ان شاء اللہ تنظیم کی مرکزی مجلس مشاورت اپنے آئندہ اجلاس میں غور کر کے فیصلہ کرے گی (ادارہ)

(۱)

روداد حصہ اوّل صفحہ ۱۱۵ پر وارد شدہ الفاظ

"قتل الحسین رضؓ بسیفِ جدّہٖ"

کے بارے میں:

صفحہ ۱۱۵ — قتل الحسین بسیف جدہٖ — یہ ناصبی لوگوں کی باتیں ہیں ان کو وزن دینا اور ان کی تشہیر مناسب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں بعض مصالح کے پیشِ نظر آئندہ منصب امارت کے لیے لوگوں سے رائے لے کر نامزد کرنا چاہا۔ لیکن بہت سے لوگ یزید کے خلاف تھے، اتفاق نہ ہو سکا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تک مروان ہی امیر تھا۔ اس نے

بمعتِ شعبہ میں یزید کا ذکر کیا۔ جس پر حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اعتراض کیا۔ اُس نے کہا پکڑو لو انہیں۔" لیکن وہ اپنی ہمشیرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے۔ اس واقعہ کا یہ حصہ تو بخاری شریف کی جلد دوم میں سورۂ احقاف کی تفسیر میں ہے۔ لیکن بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ "ھی قلیبۃ" یہ طرز تو ان لوگوں کا ہے جنہیں مسلمانوں نے شام سے نکالا۔ اب شام میں دار الخلافہ ہے تو ان لوگوں کا طرز کیوں اختیار کیا جا رہا ہے (یہ ہرقل کا طریقہ تھا کہ اپ کے بعد بیٹے ہی پر زور دیا جائے۔)

بالکل اسی طرح اور بھی بہت سے صحابہ کرام کو یہ طریقہ پسند نہیں آیا ان میں حضرت ابن زبیر اور حضرت حسین بھی ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔ گویا ان کا اختلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں اس طرزِ عمل سے ہو گیا تھا۔ ان کی رائے تھی کہ اس طرح انعقاد خلافت و امارت نہیں ہوتا۔ کوفہ، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے علماء کی یہی رائے تھی۔ حتیٰ کہ مکہ اور مدینہ میں جن حضرات نے یزید کی جانشینی کی خبر آنے پر بیعت کر لی تھی بعد میں ان میں سے بھی بعض کے سوا سب نے اُس کی بیعت توڑ دی تھی اور مدینہ کے لوگوں نے تو تمام بنو امیہ کو بھی مدینہ سے نکال دیا تھا۔ جن میں مروان بھی تھا۔ اس پر یزید نے غضبناک ہو کر مدینہ پر حملہ کا حکم دیا اور سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری کو حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ میں قتل و غارتگری مباح رکھنا۔ ابن تیمیہؒ "منہاج السنۃ" میں لکھتے ہیں و امرہ ان یستبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام اس کے بعد اس کا لشکر مکہ مکرمہ گیا۔ وہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہو ہی رہا تھا کہ یزید کی موت کی خبر آ گئی۔ یزید کے بعد اس کے بیٹے کو امیر بنایا گیا لیکن اس نے اس طرزِ حکومت کو پسند نہیں کیا۔

بددل رہا اور صرف تیس پینتیس دن بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ پھر پوری سلطنت اسلامیہ میں بنو امیہ کی حکومت ختم ہو گئی حتیٰ کہ خود شام میں بھی حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ گورنر ہو گئے — چند سال کے بعد مروان نے کچھ جمعیت اکٹھی کی اور حضرت ضحاکؓ سے بد عہدی کر کے انہیں شہید کر دیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد مروان کا بھی خود انتقال ہو گیا یا بیوی نے گلا گھونٹ دیا۔ پھر عبدالملک بن مروان جانشین ہوا۔ وہ اور اس کا جنرل حجاج بن یوسف

بہت کامیاب رہے۔ انھوں نے از سرِ نو سلطنت بنو امیّہ قائم کی۔

اتنی تفصیل لکھنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ چند سطور میں متقدمین سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہما اور اکابر دیوبند تک کا موقف سامنے آجائے اور یزید کے بارے میں بھی یہ بات آجائے کہ اس کی تفسیق کی وجہ واقعہ حرہ ہے جس میں مقتولین کی کثرت کا ذکر بخاری شریف جلد دوم، تفسیر سورہ اذا جاءک المنافقون میں حضرت انس اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے اور تاریخ کی سب کتابوں میں موجود ہے، کیونکہ اس کا انتقال اسی دوران ہو گیا اور اس بے حرمتی سے توبہ کا ثبوت نہیں ملتا اس لیے تفسیق اور بعض نے تکفیر بھی کی ہے۔

اس کی تفصیل ہی سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ یزید کی مقبولیت اس کے دورِ امارت سے پہلے بھی کم ہی تھی دورِ امارت میں ختم ہو گئی۔ بلکہ اہلِ مدینہ کے ساتھ زیادتی سے تو مسلمانوں میں اتنی مخالفت بڑھ گئی کہ ایک دفعہ تو بنو امیّہ کی حکومت ہی دنیا سے ناپید ہو گئی۔ (یہ حصّہ وہ ہے جو تاریخ کی ہر کتاب میں ہے۔ لیکن عباسی صاحب نے اسے حذف ہی کر رکھا ہے)۔

اس مسئلہ میں جو بات عرض کرنی چاہتا تھا وہ صرف یہ تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام کو طریقِ استخلاف سے اختلاف تھا۔ ان کے نزدیک اس طرح مشورہ کر کے جانشین کا تقرر درست نہیں تھا۔ آگے یہ سمجھا کہ ایسی صورت میں اہلِ کوفہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی۔ جنہوں نے یہ بھی صاف لکھا تھا کہ ہم نے اب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسی صورت میں ان کی دعوت قبول کرنا ضروری تھا۔ یہ ضروری یا فرضیت کے درجہ میں تھا یا وجوب کے اور یا صرف استحباب کے درجہ میں سفر کر کے پہنچنا بہتر تھا۔ بہرحال انھوں نے اس دعوت کو قبول فرمایا لیکن اس طریقہ سے کہ قتال کے بغیر کامیابی ہو۔ اسی لیے انھوں نے اپنے ساتھ لشکر نہیں لیا بلکہ بیوی بچوں عورتوں اور رشتہ داروں کو لیا۔ اور اسی لیے بعد میں انھوں نے ابنِ زیاد کے لشکریوں سے فرمایا کہ مجھے واپس جانے دو۔۔۔ یا یزید کے پاس لے چلو۔۔۔ یا اور آگے جہاد پر جانے دو۔ کیونکہ ان سب صورتوں میں قتالِ مسلم سے بچنا ہو جاتا۔ (واپسی یا جہاد پر جانا

ان دونوں صورتوں میں تو ظاہر ہے۔ بلکہ انہیں اگر آگے جہاد پر جانے کی اجازت دی جاتی تو وہ کوفہ۔ (ڈویژنل ہیڈکوارٹر) کے تابع ہو کر ہی آگے جاتے۔ آذربائیجان سے بلخ وغیرہ تک کی ساری شمالی پٹی کا فوجی مرکز کوفہ ہی تھا۔ جیسے اس کے جنوبی حصے (میں سندھ تک) کا مرکز بصرہ تھا۔ شمال میں قسطنطنیہ تک کا مرکز خود شام و فلسطین تھا۔ اور افریقہ کے تمام مفتوحہ علاقوں کا ڈویژنل ہیڈکوارٹر مصر تھا)۔ کے نزدیک بغیر قتال مسلم اگر یہ معاملہ امارت طے ہو جاتا تو درست ہوتا! اور یہ انہیں توقع تھی۔ لیکن ابن زیاد نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ پہلے یزید کی بیعت قبول کریں پھر انہیں گرفتار کیا جائے گا پھر فیصلہ کیا جائے گا کہ یزید کے پاس بھیج جائے یا نہیں۔ اس نے نہ یزید سے ان کی رشتہ داری کا خیال کیا نہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کیا اور صرف مذکورہ بالا صورت ہی پر اصرار کیا جو شرعاً ناجائز تھا اور غیرت و حمیت و عزتِ نفس جو شریعت نے ہر مسلمان کو بخشی ہے، اس کے منافی تھا۔ اس لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسے نہ مانا جس کے نتیجہ میں ان کی شہادت ہوئی۔

ابنِ زیاد کا یہ رویہ غیر شرعی تھا کیونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان باغیوں کے ساتھ بھی کہ جنہوں نے تلوار اٹھائی تھی کبھی ایسا سلوک روا نہیں رکھا تھا۔ مروان بصرہ کے واقعہ جمل میں قید ہو کر آیا اسے اور دوسرے قیدیوں کو آپ رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا۔ انہوں نے اعلان فرما دیا تھا کہ جو عین میدان جنگ میں بھاگ کھڑا ہو اس کا بھی پیچھا نہ کرو۔ (پھر ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی انہی کے طریقہ پر عمل کیا۔) اور یہی مسئلہ فقہ حنفی کے مسائل میں واقعہ جمل کے حوالہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔

غرض شرعاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا طریق کار قطعاً درست تھا پھر آخر میں انہوں نے جب مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت اور ابن زیاد سے بات چیت کے وقت تین صورتیں پیش فرما دیں تو مدمقابل کو دست درازی کا کوئی جواز ہی نہیں رہا تھا۔ ان کے ساتھ ابن زیاد کا معاملہ سراسر ظلم تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرما دیا تھا کہ یہ لوگ مجھے نہ چھوڑیں گے۔ آپ لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ جو ادھر ادھر ہونا اور جانا

ہا ہے چلا جائے لیکن کوئی ساتھی آپ کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہ ہوا۔ آخر میں جب
پ کو اندازہ ہوا کہ یہ مقابل لوگ حملہ کریں گے اور شہید کریں گے تو بھی آپؓ نے
پنے والد ماجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرح ساتھیوں کو حکم دیا کہ لڑائی میں کوئی
پل نہ کرے۔ دوسرا فریق پہل کرے تو کرے۔ (یہ مسئلہ بھی فقہ حنفی میں ہے اور
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتال سے لیا گیا ہے) ــــ اسی طرح کربلا میں ہوا
پہل بھی ابن زیاد کے لشکر کی طرف سے ہوئی۔ حتیٰ کہ سب لڑ سکنے والے شہید
ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ و رضی عنہم۔

ابن زیاد کے عبرتناک انجام کا ذکر تو ترمذی شریف میں ہے ــــ اور
شہادتِ حسین رضؓ کی براہِ راست ذمہ داری اسی پر ہے۔ لیکن بالواسطہ یزید پر بھی
اس کی ذمہ داری آتی ہے کہ اس نے ابن زیاد کو ادنیٰ ترین سزا بھی نہیں دی۔ جیسے
آج کل تبادلہ کر دیا جاتا ہے۔ اُس نے ابنِ زیاد کو اتنی بھی سرزنش نہیں کی۔
چہ جائیکہ سزا دیتا اور جو کسی ظلم پر راضی ہوا اور ظالم سے متفق ہو وہ بھی اس ظلم میں
شریک ہوتا ہے۔

اب جناب کے سامنے واقعہ کا بالاجمال پورا خاکہ ہے۔ اس کی روشنی میں
غور فرمائیں کہ "قتل الحسین بسیف جدہٖ" کس قدر بیجا دعویٰ ہے۔ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ جملہ یا کسی ناصبی کا ہے یا ایسے شخص کا ہے جس کی نظر نہ تاریخ پر ہے اور نہ
صورتِ واقعہ اور مسائل پر کیونکہ ان کے نانا کی تلوار ظالم کے لیے تھی نہ کہ مظلوم
کے لیے اور وہ بالاتفاق مظلوم ہیں اور شہید ــــ رضی اللہ عنہ۔

یہ تمام امور جو بیان کیے گئے ان کے حوالے درج ذیل ہیں:
روایت، عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ص ۵۷۰ ج ۲ بخاری۔
روایت، زید بن ارقم۔ ص ۷۸ ج ۲ بخاری
ان یستاسر الحسین، ابن تیمیہ منہاج السنۃ ص ۲۴۹ ج ۲۔ مسلم بن عقبہ
یزید و وقعۃ الحرہ ص ۲۵۳ ج ۲۔
مسائل بغاۃ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ص ۴۶۴ ج ۳۔

(۲)

عبارات متعلقہ حضرت سید احمد شہیدؒ

صفحہ ۱۱۸ : "وہ صرف بیعت جہاد لیتے تھے ۔۔۔ الخ"

صفحہ ۱۳۶ : "اُن سے سلوک طے نہیں ہوا ۔۔۔ الخ"

یہ بات درست نہیں وہ سلسلۂ نقشبندیہ میں ہمارے مشائخ میں ہیں۔
حضرت حاجی امداد اللہ صاحب۔ از میانجی نور محمد صاحب۔ از حضرت سید احمد شہید۔ از حضرت شاہ عبدالعزیز الخ۔ رحمہم اللہ۔
ضیاء القلوب مولفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ۔
زیرِ عنوان سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ۔

ص ۱۳۶ ۔۔ "لیکن ان سے سلوک طے نہیں ہُوا ۔ تا ۔۔ وہ سب کچھ ترک کر کے فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔" یہ بات درست نہیں۔ ان کی تکمیل سلوک کے حالات حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی صراطِ مستقیم کے بالکل آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

ص ۱۵۰ ۔۔ پر الفاظ تبدیل فرما دینے چاہئیں ۔۔ (۱) میں۔
یہ بیعت سمع و طاعت، ہجرت اور جہاد کے بارے میں فوری واجب العمل ہوگی ۔۔ (۲) میں ۔۔ اور اس امر کو ۔۔ بدل کر ۔۔ تنظیمِ اسلامی کی بیعت واجب العمل رہے گی۔

ص ۱۵۴ ۔۔ "وہ بیعت ارشاد کو بیعتِ جہاد پر مقدم سمجھتے تھے۔" (ص ۵)
حالانکہ بیعت ارشاد و سلوک میں جو ذکر تعلیم کیا جاتا ہے وہ ہجرت و جہاد کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک مجاہد سپاہی اپنے حاکم کی بھی فوری اطاعت کرتا ہے۔ اور ذکر اللہ بھی بطریق مشائخ کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت جہاد کرنے والے بہت سے مجاہدین حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے۔ (حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ صوبہ سرحد پنجتار میں مدفون ہیں)۔ حضرت عبدالرحیم صاحب سے حضرت میانجی نور محمد صاحب

ان سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مجاز ہیں۔ (یہ اکابر دیوبند کے شجرہ چشتیہ کے شیخ ہیں) رحمہم اللہ۔

(۳)

"میثاق" کے نومبر ۸۲ء کے شمارے کی ایک عبارت کے متعلق مشورہ

"میثاق" بابت محرم ۱۴۰۳ھ نومبر ۱۹۸۲ء کے صفحہ ۲۹ پر سطر ۳ سے سطر ۱۲ تک ... تنقید علی الاطلاق ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ ایسے جملے ضرور آنے چاہئیں جن سے اسی جملے کے اہل حق واضح طور پر خارج از بحث ہو جائیں۔

(ان شاء اللہ کتابی شکل میں اشاعت کے وقت جملہ بڑھا دیا جائے گا۔)
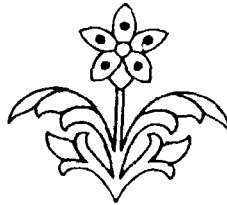
اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپرس روڈ - لاہور

عشرۂ کاملہ

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی کراچی میں مصروفیات

از قلم : حافظ محمد رفیق (کراچی)

سال ۱۹۸۲ء میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا کراچی میں یہ اختتامی دورہ دروس قرآن وخطابات تھا، جو انتہائی کامیاب رہا۔ بظاہر تعداد ایام کے اعتبار سے تو گیارہ دن (احد عشر یوماً) ہوئے، چونکہ امیر محترم ۱۹ر دسمبر بروز اتوار ٹھیک دوپہر کے وقت کراچی تشریف لائے تھے اور کراچی سے روانگی ۲۹ر دسمبر بروز بدھ تقریباً اسی وقت ہوئی کہ جو وقت کراچی میں ان کی تشریف آوری کا تھا تو گویا تقویم اوقات کے اعتبار سے مکمل دس روز یعنی قرآنی اصطلاح میں "عشرۃٌ کاملۃٌ" ہوئے۔

کراچی میں امیرِ محترم کی مصروفیات کی تاریخ وار تفصیل

۱۹ر دسمبر بروز اتوار کو ہی امیر محترم اپنی فلائٹ سے کراچی پہنچے۔ موصوف کے قیام کا بندوبست حسبِ سابق ہمارے رفیق عبدالواحد عاصم صاحب کے مکان پر تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق بعد نماز عشاء جامع مسجد بلاک نمبر ۲، ناظم آباد نزد ہادی مارکیٹ میں سورۂ حدید و سورۂ صف کے چھ روزہ درس قرآن کا آغاز ہوا۔ جس کا عنوان "خطاب بہ امتِ مسلمہ" تجویز کیا گیا تھا۔ پہلے دن یہ درس ڈیڑھ گھنٹے پر محیط تھا۔ اور سورۂ حدید کی صرف ابتدائی تین آیات کی درسی تکمیل ہو سکی جبکہ امیرِ محترم کا ارادہ چھ آیات کے درس مکمل کرنے کا تھا، (ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن)۔

واضح رہے کہ ہادی مارکیٹ کی جامع مسجد میں چھ روزہ دروسِ قرآن حکیم اور خطاب جمعہ کا اہتمام تنظیم اسلامی حلقہ کراچی کی جانب سے کیا گیا تھا اور تنظیم کی جانب سے اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق امکانی حد تک مجوزہ پروگرام کی تشہیر و تعارف کا حسبِ ذیل بندوبست کیا گیا تھا۔

اولاً، بارہ سو افراد جن کے پتے ہمارے پاس موجود تھے ان کو بذریعہ ڈاک پروگرام سے مطلع کیا گیا۔
ثانیاً، بارہ ہزار کی تعداد میں "ہینڈ بلز" ہمارے رفقاء گرامی نے ذاتی رابطے کی شکل میں اور مختلف مساجد میں جمعہ کے اجتماعات میں تقسیم کئے۔
ثالثاً، تقریباً پانچ صد سے متجاوز پوسٹرز دیواروں پر چسپاں کئے گئے جن کے لئے اسرہ جات کے اصول پر علاقوں کو تقسیم کیا گیا تھا۔
رابعاً، گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں اس دفعہ اخبارات میں بعض اہل خیر حضرات کے تعاون سے "ڈبل کالمی" اشتہارات ایک دن کے بجائے دو دن تک چھپوائے گئے۔

خامساً، کراچی میں ۱۶ مقامات پر کپڑے کے بڑے بینر لگائے گئے۔

مذکورہ بالا پروگرام کے علاوہ امیر محترم کے خطابات اور تقاریر جو مختلف مقامات پر مختلف تنظیموں اور انجمنوں کے زیر انتظام ہوئیں ان تنظیموں کی جانب سے ان کی تشہیر و اعلان کا عمدہ اور مربوط اہتمام کیا گیا۔ تقریباً جملہ پبلک مقامات پر پوسٹرز چسپاں کرنے کا کام پوری کراچی میں باحسن طریقے پر سامنے آیا اور روزنامہ اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات دیئے گئے۔

جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں دروس قرآنی کی تمام نشستوں میں حاضری بھرپور تھی۔ پہلی نشست کے علاوہ تمام نشستوں میں اوسط حاضری ہزار سے بھی متجاوز تھی اور اس میں ہر روز اضافہ ہو رہا تھا۔ جبکہ خواتین اس کے علاوہ تھیں جن کی الگ نشست کا انتظام مسجد ہٰذا کے جنوبی ملحقہ ہال میں تھا اور جملہ نشستوں میں ان کی تعداد ۴۰ - ۵۰ کے لگ بھگ رہی۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ ان میں سے اکثر یا بعض خواتین کراچی کے دور دراز علاقوں سے درس میں شامل ہوتی رہیں۔

چونکہ خواتین کی شمولیت کا ذکر آیا ہے تو مزید برآں ایک نو بیاہتا جوڑے (Newly married couple) کا ذکر کرنا ضروری ہے جن کا عقد نکاح لاہور میں ہوا۔ منکوحہ محترمہ کا تعلق لاہور ہی سے تھا اور ناکح صاحب (دولہا) ضلع سانگھڑ کے معروف زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ محترمہ رشتۂ زوجیت میں باقاعدہ منسلک ہونے سے قبل لاہور میں امیر محترم کے دروس قرآنی و خطابات جمعہ میں شریک ہوتی

رہی تھیں۔ اس لئے عقد نکاح کے بعد جب ہماری اُخت محترمہ کو ڈاکٹر صاحب کے کراچی کے درسِ قرآنِ حکیم کا علم ہوا تو وہ اپنے زوجِ محترم کے ہمراہ بذریعہ کار سانگھڑ سے کراچی آئیں اور کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں یہ سعید و مبارک جوڑا ٹھہرا اور جامع مسجد ہادی مارکیٹ کے درسِ قرآن کی نشستوں میں شامل ہوتا رہا اور درسِ قرآنِ حکیم کے اختتام اور خطابِ جمعہ کے بعد ۲۵ دسمبر کو دفتر تنظیم اسلامی میں سوال و جواب کی خصوصی نشست میں دولہا صاحب شریک ہوئے اور ان کی زوجۂ محترمہ دفتر کے باہر کار میں بیٹھی رہیں (واضح رہے کہ سوال و جواب کی یہ خصوصی نشست صرف مرد حضرات کے لئے تھی)، موصوف زبیر شاہین صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے بعض سوالات بھی کئے۔ موصوف کے ذہنی پس منظر سے قطع نظر، جہاں تک وہانت اور حریتِ فکر و نظر کا تعلق ہے تو وہ زبیر شاہین صاحب کے سوالات، ان کی نوعیت اور خود ان کے طرزِ عمل سے عیاں تھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی جملہ استعدادات و صلاحیتوں اور خوبیوں کو دین کے بنیادی تقاضوں ہی میں کھپانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۰ دسمبر بروز پیر: حسبِ سابق ابتدائی تین روز اور دو شبیں امیرِ محترم کا قیام جناب عبدالواحد عاصم صاحب، رفیق تنظیم اسلامی کی قیام گاہ واقع پی۔ای۔سی۔ایچ سوسائٹی میں رہا۔ صبح ½ ۷ بجے تحریک تعمیر پاکستان کے بانی صدر جناب طفیل دارا صاحب امیرِ محترم کے پاس تشریف لائے اور گفتگو کی۔ بعد ازاں ۱۱ بجے تک مختلف ملاقاتیوں کا سلسلہ جاری رہا جن میں عمر یوسف صاحب اور ان کے ہمراہ شیخ حفیظ صاحب اور جامع مسجد الفلاح پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس کے خطیب صاحب کے صاحبزادے، مولانا قاری محمد ہمایون صاحب، شعیب حکیم صاحب کے ہمراہ اور ضیاء منیر صاحب، افتخار برنی صاحب، مصطفیٰ الحذری فلسطینی، احسن جمیل صاحب اور فصاحت اللہ حسینی صاحب کے ساتھ تشریف لائے اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات کیا۔

امیرِ محترم ½ ۱۱ بجے جناح پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ میں فاروقِ اعظم آرگنائزنگ کونسل کے زیرِ اہتمام منعقدہ جلسے میں خطاب کے لئے تشریف لے گئے۔ اس خطاب میں امیرِ محترم نے فاروقِ اعظمؓ اور صدیقِ اکبرؓ کی سیرت و کردار کو خصوصاً اور دیگر صحابہ کرام کو عموماً مقصدِ بعثتِ نبوی کے حوالے سے اجاگر کیا اور بڑے مؤثر پیرائے میں یہ بات سمجھائی کہ سیرِ صحابہ کرام

سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مقصدِ بعثتِ نبویؐ کو اچھی طرح سمجھا جائے۔ ایک گھنٹے کا یہ خطاب تھا، پنڈال طلباء، اسٹاف اور بیرونی مہمانانِ گرامی سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ امیر محترم کی آمد پر طلباء ادارہ کا جوش و خروش اور فرطِ جذبات کا مظاہرہ نعروں کی شکل میں قابلِ دید اور دورانِ خطاب جملہ سامعین کا انہماک قابلِ ستائش تھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد امیر محترم عاصم صاحب کے مکان پر واپس تشریف لے گئے اور پھر عشاء کی نماز باجماعت جامع مسجد بادی مارکیٹ میں ادا کرنے کے بعد سورۂ حدید کی آیت ۱۴ تا ۱۵ کا دو گھنٹے تک درسِ قرآن دیا، حاضری کے متعلق جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر دوسری نشست میں سامعین کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایسا بھی ہوا کہ منتظمین کو باہر مسجد کے صحن میں شامیانہ نصب کرنا پڑا، کثرتِ حاضری سے قطع نظر، حاضرین کی حد درجہ توجہ و التفات سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان پر سکتہ طاری ہو چکا ہے۔ ہر سو انہماک کا غلبہ اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

۱۲، دسمبر بروز منگل صبح ۹ بجے طارق امین صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر عبدالمالک صاحب (اسلامک سنٹر) تشریف لائے اور تبادلۂ خیالات کیا۔ ان کے جانے کے بعد چند خواتین وفد کی شکل میں آئیں جن میں مسز فریدہ صاحبہ نمایاں تھیں۔ موصوفہ ویسے تو جماعت اسلامی کے حلقۂ خواتین میں شامل نہیں ہیں۔ البتہ نرسری میں جماعت کے حلقۂ خواتین میں ہفتہ واری درسِ قرآن دیتی ہیں۔ انہوں نے امیر محترم سے خواتین کی تنظیم میں شمولیت، تربیت اور عملی طریقِ کار سے متعلق گفتگو اور سوالات کئے جس پر امیر محترم نے انہیں خواتین کی تنظیم میں شمولیت کے حالیہ فیصلے سے آگاہ کیا۔ مگر جہاں تک خواتین کی باقاعدہ تربیت اور عملی جد و جہد اور طریقِ کار کا تعلق ہے تو اس کی افادیت و اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے سنتِ نبویؐ سے تاحال کوئی واضح ثبوت و استشہاد نہ ملنے کے باعث اپنے تردد اور مزید چھان بین کرنے کا اظہار فرمایا۔ یہ گفتگو تقریباً پونے گیارہ بجے تک چلتی رہی۔ اس کے بعد امیر محترم کسی اہم تحریری کام میں مصروف رہے اور نمازِ عشاء کے بعد مذکورہ جامع مسجد میں حسبِ پروگرام سورۂ حدید کی آیت ۱۶ تا ۲۱ کا درسِ قرآن دو گھنٹوں میں مکمل کیا۔

درسِ قرآن کے بعد امیر محترم حسبِ وعدہ جناب کیپٹن کریم صدیقی صاحب کے مکان واقع ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی قیام کی غرض سے تشریف لے گئے اور اس دوران امیر محترم

کی معیت میں ہمہ وقت رہنے کے لئے "قرعۂ فال" راقم کے نام نکلا۔ دراصل کیپٹن صاحب کے ہاں مقیم ہونے کا سلسلہ گزشتہ سالانہ مرکزی تربیت گاہ منعقدہ لاہور ۱۲ تا ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء کے دوران کیپٹن صاحب کی شرکت اور باہمی تبادلۂ خیالات بنا ــــ لاہور میں کیپٹن صاحب نے امیر محترم کے سامنے یہ انکشاف کیا کہ تقسیم ہند و پاک سے قبل، حکومت برطانیہ کی ملازمت کے دوران بکھنگم پیلس میں ان کی تعیناتی کے وقت پیلس کے مقفل و بہرہ بند کمروں سے انہیں کچھ مواد دستیاب ہوا تھا جس میں آکسفورڈ یونیورسٹی کی ریسرچ کمیٹی نے انیسویں صدی تک تاریخ انسانی میں مختلف قوموں کے مذہبی، ثقافتی، سیاسی، معاشی و سماجی کارناموں کا محققانہ تجزیہ (اپنی دانست میں) صدی وار (Century wise) پیش کیا ہے۔ پھر اقوام و مذاہب عالم کی تاریخ میں اسلامی انقلاب اور اس کے دوررس اثرات، یہانتک کہ خود یورپ میں عربی زبان کی ترویج و تسلط کا اعتراف کیا ہے۔ مگر بوجوہ اظہارِ حقیقت سے اعراض کرتے ہوئے اس مواد کو بند کمروں میں دفن کر دیا گیا تھا ــــ حُسنِ اتفاق کہ موصوف کیپٹن کریم صاحب کی ڈیوٹی بکھنگم پیلس میں لگی اور کسی طرح ان کی رسائی اس مدفون مواد و ریسرچ ورک تک ہوئی۔ بقول کیپٹن صاحب کہ اولاً تو ایسے مواد کو پڑھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور میرے لئے یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ سب کچھ کیا اعداءِ اسلام کی اپنی تحقیق و تفتیش کا ثمرہ ہے؟ ابتداءً تو مرعوبیت کے باعث اس سے زیادہ اثر نہ لیا مگر کتب میں سے متعلقہ اوراق نکالتا رہا حتٰی کہ یہ ذخیرہ کئی ہزار اوراق تک پہنچ گیا۔ تاہم Retirement کے بعد یہی اوراق الحاد و مادہ پرستی اور مغربی مرعوبیت سے نجات کا سبب بنے اور از سرِ نو اسلام اور قرآن کی عظمت و حقانیت نے اپنی طرف متوجہ کیا۔

لاہور ہی میں دورانِ قیام کیپٹن صاحب نے امیر محترم سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اب جب بھی آپ کراچی تشریف لائیں تو چند روز میرے ہاں اس غرض سے قیام فرمائیں کہ جو مواد میرے پاس منتشر حالت میں موجود ہے اس پر گفتگو و تبادلۂ خیالات کے بعد مربوط و مرتب شکل میں اسے اپنی وساطت سے ہماری نئی نسل تک منتقل فرمائیں۔ امیر محترم نے اس کا وعدہ فرما لیا تھا جسے ایفا کرنے کی غرض سے عالم صاحب کے مکان سے یہاں منتقلی ہوئی۔

۲۲ دسمبر بروز بدھ صبح کی نماز کی باجماعت ادائیگی کی نیت سے جب امیر محترم ڈیفنس سوسائٹی جامع مسجد ابوبکر صدیق میں داخل ہوئے اور پہلی صف میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تو مسجد میں موجود افراد اور آنے والے نمازی حضرات امیر محترم کے گرد جمع ہو گئے، ان میں مسجد ہذا کے خطیب و امام صاحب اور متولی صاحب بھی شامل تھے۔ اس دوران راقم چونکہ امیر محترم سے دور، اسی صف کے دوسرے کنارے بیٹھا تھا۔ اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ کس قسم کی گفتگو نمازی حضرات سے ہوئی مگر جس وقت امام صاحب نے نماز ختم کی اور سلام پھیرتے ہی اپنی نشست سے کھڑے ہو کر اعلان کی صورت میں امیر محترم سے تبرکاً چند منٹ کے لئے درسِ قرآن دینے کی درخواست کی تو مجھے گمان گزرا کہ شاید نماز سے قبل امیر محترم ان حضرات کی اجتماعی خواہش و درخواست پر آمادگی ظاہر کر چکے ہوں گے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ حالانکہ گذشتہ رات میزبان کیپٹن کریم صاحب نے اپنی اور دیگر حضرات کی جانب سے اسی قسم کی آرزو کا اشارۃً اظہار کیا تو امیر محترم نے انہیں مجوزہ لگے بندھے پروگراموں کی بہتات اور متاثرہ گلے کی نسنگی کے باعث معذوری ظاہر کردی اور کیپٹن صاحب کو تاکیدی انداز میں کہدیا کہ آپ چونکہ مسجد میں پہلے جاتے ہیں یا جائینگے تو لوگوں کو منع کر دیجئے۔ کیپٹن صاحب آج مسجد میں ہم سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے مگر شاید ان سے سہو ہو گیا اور امیر محترم کے بوجہ مجبوری اعتذار کو لوگوں تک نہ پہنچا سکے۔

بہرکیف جب امام صاحب نے اجتماعی درخواستِ درسِ قرآن کی تو امیر محترم نے واقعی عذر کے باوجود اس وقت تبرکاً دس پندرہ منٹ کچھ وعظ و نصیحت کے بجائے ۲۴ دسمبر بروز جمعہ بعد نماز فجر ایک گھنٹہ درس قرآن دینے کا وعدہ کر لیا جسے بنیادی طور پر مروتِ قلبی اور پھر امیر محترم کے اس علاقہ میں قیام پذیر ہونے سے علاقہ والوں کے عائد شدہ حقوق کی ادائیگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ امیر محترم کو جامع مسجد ہادی کمائیٹ کے طے شدہ چھ روزہ درس قرآن کو ہر نشست میں آدھے گھنٹے کے اضافی وقت کے ساتھ پانچ روز میں مکمل کرنا پڑا اور یوں اس اچانک اور اضافی پروگرام کو نبھانا پڑا۔

اسی روز صبح کا ناشتہ مختار احمد فاروقی صاحب (نسبتی داماد امیر محترم) کے گھر کورنگی نمبر ۴ میں طے تھا۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم کیپٹن صاحب کے مکان سے روانہ ہوئے۔

فاروقی صاحب کے مکان پر پہلے سے اطلاع یافتہ حضرات جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ناشتہ سے قبل آئے ہوئے موجود افراد سے باہمی تعارف کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی جن میں دینی، سیاسی، معاشرتی اور فقہی مسائل شامل تھے۔

اس ناشتہ کی دعوت میں سرور حسین صدیقی صاحب بھی مزید دو افراد کے ہمراہ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے امیر محترم سے فرنیچر مارکیٹ لیاقت آباد کے مہران کی طرف سے سیرت النبیؐ پر تقریر کے لئے وقت مانگا۔ حالانکہ امیر محترم کی تشریف آوری سے قبل، مقامی تنظیم کے ذمہ داران نے وقت اور قیام کی مدت کے اعتبار سے تمام پروگرام عملی کو آخری شکل دے دی تھی اور اب مزید کسی پروگرام کی بظاہر کچھ گنجائش باقی نہ تھی۔ باوجود عدم فرصتی اور گلے کی شکایت کے پھر وہی احساس مروّت اور سابقہ تعلق آڑے آئے اور امیر محترم انکار نہ کر سکے اور اس طرح سرور صاحب کو مورخہ ۲۸-۱۲-۸۲ کو رات کا تیسرا وقت دیا یعنی اس تاریخ کا پروگرام یہ رہا کہ مغرب تا عشاء خالقدینا ہال، سوا گھنٹہ، عشاء کے بعد فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی، ایک گھنٹہ اور تیسرا پروگرام سرور صاحب کی خاطر لیاقت آباد۔

کورنگی سے ناشتہ کے بعد سوا دس بجے کیپٹن صاحب کے بنگلہ پر واپسی ہوئی اور پھر اچانک وہاں سے طاسین صاحب کے پاس جانے کا پروگرام بن گیا۔ مولانا کے دفتر پہنچے اور ان سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو امیر محترم نے نظام بیعت کا تذکرہ چھیڑ دیا اور مولانا کی ذاتی محققانہ رائے معلوم کرنے کے لئے انہیں اس پر فوری توجہ دینے کی ضرورت کا اظہار کیا۔ اس مختصر سی ملاقات کے دوران معاشی مسائل پر گفتگو ہوئی مگر وقت کی کمی کے باعث یہ گفتگو زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی۔ چونکہ امیر محترم کو ½۱۱ بجے ڈاؤ میڈیکل کالج میں درس قرآن دینے کے لئے جانا تھا۔ مولانا طاسین صاحب سے رخصت ہو کر ہم راستے میں عبدالواحد عاصم اور سید فصاحت اللہ حسینی صاحب کو ساتھ لے کر ½۱۱ بجے ڈاؤ میڈیکل کالج پہنچے۔

ڈاؤ میڈیکل کالج میں اس درس قرآن حکیم کا اہتمام بنیادی طور پر ہمارے تنظیمی رفقاء نے چند دوسرے دینی جذبہ کے حامل فعّال احباب کے تعاون سے کیا تھا۔ عبدالمطلب (جو ڈی ایم سی کے طالب علم ہیں اور نومبر کی سالانہ مرکزی تربیت گاہ میں جزوی طور پر شریک ہوئے تھے) نمایاں تھے۔

"الہدیٰ" کے نام سے ڈی ایم سی میں یہ پروگرام متعارف کرایا گیا تھا، اندرون کالج اس کے لئے بینرز سجائے گئے اور الہدیٰ کے عنوان سے زیرِ درس آنے والی سورہ حج کی آخری دو آیات نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب انداز سے ایک کارڈ پر طبع شدہ حالت میں تقسیم کی گئیں۔

آراگ آڈیٹوریم میں تقریباً بارہ بجے امیر محترم نے سورۂ حج کی آخری دو آیات کا درس قرآن ایک گھنٹہ بھر "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے عنوان سے دیا آخر میں چند سوالوں کے جوابات دیئے مگر اس دوران ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا اور اختتام پر سامعین کی رائے طلب کی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو سوال وجواب کی نشست بعد نماز جاری رکھی جائے ورنہ ۲۵ دسمبر کو تنظیم اسلامی میں تین گھنٹے کی طویل سوال وجواب کی خصوصی نشست کا انتظام کیا گیا ہے اس میں شریک ہو کر یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے اور بالآخر یہی طے پایا کہ ۲۵ دسمبر والی نشست مناسب رہے گی۔ حاضری کے اعتبار سے آراگ آڈیٹوریم کی جملہ نشستیں بھر چکیں تو اطراف وجوانب طلباء کھڑے ہوتے گئے سامعین میں کچھ پروفیسر صاحبان بھی موجود تھے، طلباء نے پورے وقت تک عمدہ نظم وضبط کا مظاہرہ کیا۔ طالبات کی سماعت کے لئے علیحدہ قریبی ہال میں انتظام کیا گیا۔

اس روز ۵ بجے شام امیر محترم، مولانا سید وصی مظہر صاحب ندوی ممبر حیدرآباد سے جو صوبائی کونسل کے حکومتی اجلاس میں شرکت کی غرض سے کے ایم سی ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھے، ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، مغرب کی نماز باجماعت ریسٹ ہاؤس میں مولانا ندوی صاحب کی امامت میں ادا ہوئی اور عشاء کی نماز سے قبل جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں درس قرآن کے لئے روانگی ہوئی۔ اس موقعہ پر راقم کے علاوہ عبدالواحد عاصم صاحب اور سکھر سے جناب نجیب صدیقی صاحب موجود تھے جنھوں نے ۲۵ دسمبر کو دفتر تنظیم اسلامی میں دیگر مقامی تیرہ افراد سمیت تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں حسب پروگرام نماز عشاء آیت ۲۲ تا ۲۹ یعنی سورۂ حدید کا تکمیلی درس قرآن دو گھنٹوں میں تمام ہوا۔ حاضری کے متعلق پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

۲۳ دسمبر بروز جمعرات | ناشتہ میزبان کیپٹن صاحب کے ساتھ تھا تقریباً ساڑھے دس بجے امیر محترم نے سیفی انسٹیٹیوٹ ناظم آباد تشریف

لے گئے جہاں موصوف نے ایک گھنٹہ تک جامع خطاب بعنوان "مقصد بعثت نبوی اور صحابہ کرامؓ" (یوم فاروق اعظم کی مناسبت سے خلیفہ ثانی کی سیرت و کردار کا خصوصاً تقابلی تذکرہ) ہوا۔ طلباء و ادارہ کے اسٹاف کے علاوہ بیرونی مہمان حضرات بھی شریک جلسہ تھے۔ استقبال کے وقت طلباء کا جوش و خروش اور خطاب کے وقت سامعین کا نہایت توجہ اور خاموشی کا منظر دیدنی تھا۔

امیر محترم کے خطاب کے اختتام پر انسٹیٹیوٹ کے پرنسپل صاحب نے کلماتِ تشکر ادا کئے اور دروسِ قرآنی و خطابات کے حوالے سے اپنی پرانی وابستگی کا اظہار کیا۔ اختتام محفل پر اکل و شرب کا انتظام تھا۔ ہم نے برائے نام شرکت کی چونکہ دوپہر کے کھانے کی اصل دعوت ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے یہاں تھی۔ جہاں پہنچ کر کھانے سے قبل نماز ظہر امیر محترم کی امامت میں ادا کی (بہ سبب سفر امیر محترم نے قصر کی) کھانے سے فارغ ہو کر بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کے فلیٹ پر پہنچے جہاں امیر محترم مغرب کی نماز تک رہے۔ بعدہٗ حسب معمول بعد نماز عشاء بادی مارکیٹ کی جامع مسجد میں سورۂ صف کا دو گھنٹوں تک درسِ قرآن دیا۔ درسِ قرآن کی یہ آخری نشست تھی جس میں پانچ روزہ سورۂ حدید و صف کا درسِ قرآن بعنوان "خطاب بہ امت مسلمہ" مکمل ہوا۔ آخر میں ۲۵ دسمبر کو سوال و جواب کی خصوصی نشست میں شرکت کی دعوت دی گئی اور مزید براں امیر محترم کے بقیہ خطابات کے اعلانات اور مطبوعہ پروگرام تقسیم کئے گئے۔ حلقہ کراچی میں منعقدہ دروس قرآن، سیرت النبیؐ اور فقہی پروگرام کے عمومی و خصوصی اجتماعات میں شرکت کی دعوت بصورت اعلان اور باقاعدہ مطبوعہ شکل میں اشتہار تقسیم کئے گئے جن میں امیرِ محترم کی کتب اور کیسٹ وغیرہ کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔ اختتام دروس قرآن پر ٹاؤن ہال لاہور کے طرز پر تعارفی فارم، تبصرے، مشورے اور تعاون کی غرض سے تقسیم کئے گئے۔ جن کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا اور انجام کار ۲۵ دسمبر کو سوال و جواب کی نشست کے بعد ۱۰ افراد نے امیرِ محترم کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیمی رفاقت اختیار کی۔

۲۴ دسمبر بروز جمعۃ المبارک امیر محترم نے اس روز صبح کی نماز کے بعد جامع مسجد ابوبکر صدیق میں سورۂ حج کی آخری دو آیات کا بعنوان "ہماری دینی ذمہ داریاں" درس قرآن دیا اور بعد میں ۱۵ منٹ تک شرکاء کے سوالات

کے جوابات دیئے۔ مجوزہ پروگرام میں یہ درس قرآن شامل نہیں تھا مگر اولاً بحیثیت مہمان اور مسجد کے قریب پڑوس میں سکونت سے عائد شدہ حق کی ادائیگی، ثانیاً جامع مسجد ابوبکر صدیق کے امام صاحب اور مقتدی حضرات کی درخواست، اصرار اور حد درجہ اشتیاق اور ثالثاً ذاتی اور فطری حد درجہ احساسِ مروت کے پیشِ نظر اس نشست قرآنی کا انعقاد عمل میں آیا۔ دورانِ درس، ہمارے لحاظ سے حاضری کم تھی۔ اندازاً ۶۰ افراد شریک تھے تاہم کیف کے اعتبار سے یہ حاضری "خاصی اچھی" تھی۔ چونکہ اکثر افراد کو خصوصی اطلاع دی گئی تھی اور تمام شرکاء کا تعلق اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تھا۔ اس روز امیر محترم کا ناشتہ ڈاکٹر نورالٰہی صاحب، مؤسس ممبر انجمن خدام القرآن اور صدر الخدمت کراچی کے یہاں تھا، درسِ قرآن کے بعد موصوف ڈاکٹر نورالٰہی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اتفاق سے موصوف میزبان کے دو چھوٹے بھائی صاحبان جو انگلینڈ میں مقیم اور وہیں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں، آجکل پاکستان کراچی میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر نورالٰہی صاحب کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، ان کی امیر محترم سے اسلام کے معاشی نظام پر گفتگو ہوئی۔ انہیں خالقدینا ہال میں منعقدہ چار روزہ خطابات میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ جن کا عنوان بالترتیب نبی اکرمؐ کا لایا ہوا سماجی، معاشی، سیاسی اور انقلابی نظام تھا اور جو کل پاکستان سنی کونسل کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے تھے۔ چنانچہ ان میں ڈاکٹر نورالٰہی صاحب سمیت دونوں مہمان بھائی باقاعدہ شریک ہوتے رہے۔

چونکہ ۲۴ر دسمبر ۸۲ء کو جمعۃ المبارک تھا اور ویسے بھی سورۂ حدید وصف کے پانچ روزہ درس قرآن کی تکمیل گزشتہ رات ہوئی تھی۔ اس لئے "خطاب بہ امت مسلمہ" کے بعد اب "ہمارے دینی فرائض" کے عنوان سے اجتماع جمعہ کا خطاب بھی جامع مسجد طوبیٰ مارکیٹ میں ہوا۔ حاضری خوب تھی، مسجد کا اندرونی و بیرونی احاطہ بالکل کھچا کھچ بھر چکا تو بیرونِ مسجد، روڈ پر صفوں کا انتظام کرنا پڑا۔ انتہائی محتاط اندازے کے مطابق حاضری پانچ ہزار سے بھی متجاوز تھی، خواتین اس کے علاوہ ۱۵۰ سے بھی متجاوز تھیں

کراچی میں کئے گئے مختلف مقامات پر خطابات و تقریریں جن کا موضوع اکثر مقامات پر یہی تھا کہ نبی اکرمؐ کے امتی کی حیثیت سے حضورؐ کے ہر امتی کی دینی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ مگر ہر جگہ اسلوبِ بیان میں جدت اور مواد میں اضافہ و توسیع تو غالب ہی رہی مگر خطاب

ہمعہ میں اختصار کے باوجود جامعیت اور نیا اسلوب کچھ زیادہ ہی انوکھا، پُراثر اور
ل نشین تھا۔ تنظیمی دعوت کے اعتبار سے یہ خطاب انتہائی موزوں ثابت ہوگا۔ اس
لئے اس کو جلد "میثاق" میں شائع ہونا چاہیئے۔

جمعہ ۲۴ دسمبر رات کو بعد نماز مغرب و عشاء کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اس لئے امیرِ
رم نے بعد نماز مغرب تا ½۹ بجے شب پورا وقت کیپٹن کریم صاحب کے ساتھ حسبِ
ہدہ گذارا جو امیرِ محترم کے یہاں قیام کی اصل غرض و غایت تھی (جاری ہے)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

(بقیہ 'عرض احوال')

میں ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تائید اور اختلاف میں بہت سے حضرات کی آرا اور تبصرے ایک فیچر کی شکل میں شامل اور اشاعت پذیر ہوئے ہیں — کرکٹ کے انگریز لارڈز کے پسندیدہ کھیل ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انگلینڈ کے دارالحکومت میں کرکٹ کے اسٹیڈیم کا (جو اغلباً وہاں کا سب سے بڑا اسٹیڈیم ہے) نام ہی "لارڈز" ہے۔ پھر دوسرا ثبوت یہ ہے کہ یہ کھیل عموماً انہی ممالک میں کھیلا جاتا ہے جو ماضی میں انگریزی استعمار کے زیرِ نگیں رہے تھے یا اب کامن ویلتھ میں شامل ہیں — خدا کرے کہ ہمارے اربابِ اقتدار اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کر کے سرکاری سطح پر اس کھیل کو بند کرنے کا فیصلہ کریں تاکہ قومی سطح پر وقت اور سرمایہ کے ضیاع کا سدِّباب ہو سکے۔

دوسرا ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ثقافت کے نام پر مختلف ممالک کے ساتھ رقاصوں اور موسیقاروں کے طائفوں کا تبادلہ جاری ہے جس کے ضمن میں ان ہی دنوں ایک روسی طائفہ پاکستان آیا ہوا ہے جو رقص و سرود اور موسیقی کے نام نہاد فن کا ملک کے بڑے بڑے شہروں میں مظاہرہ کر چکا ہے — جس میں ملک کی بڑی سربرآوردہ شخصیتیں حتیٰ کہ محترم صدرِ مملکت اور ان کے رفقاءِ کار بھی بڑے ذوق و شوق سے شرکت فرماتے رہے ہیں — یہ سب کچھ اس عالم میں ہو رہا ہے جبکہ ایک طرف سُرخ سامراج ہمارے پڑوسی مسلم ملک افغانستان میں ہمارے مسلمان بہن بھائیوں کا تین سال سے بھی زیادہ عرصہ سے بے دریغ خون بہا رہا ہے اور پورے ملک کو اپنے استعماری شکم میں اتارنے کا درپے ہے — دوسری طرف سفید سامراج نے یہودیوں کو شام، لبنان کے باشندوں اور فلسطینی تارکینِ وطن کے خون سے ہولی کھیلنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور اسکی پشت پناہی میں اسرائیل لبنان میں چنگیز اور ہلاکو کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے بچوں، بوڑھوں عورتوں اور نہتے مردوں کو نہایت بہیمانہ طریق پر گاجر مولی کی طرح کاٹ رہا ہے۔

ہم ہر سال بڑی شان و شوکت سے یومِ اقبال مناتے ہیں لیکن ان کے پیغام اور ان کی تعلیمات پر مطلق توجہ نہیں دیتے۔ یہ علامہ مرحوم ہی ہیں، جنہوں نے کہا

تھا: ؎ میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے!
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رُباب آخر

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سب کچھ "کھلونے دے کر بہلایا گیا ہوں" کا معاملہ ہے یا بقول علامہ اقبال مرحوم یہ سب کچھ "حکمراں کی ساحری" ہے کہ لوگ ان تفریحات میں اس طرح گم ہو جائیں کہ ہمارا ملک اور عالمِ اسلام اس وقت جن مشکلات و مصائب سے دوچار ہے، اس طرف لوگوں کا دھیان نہ جائے۔

اس ضمن میں ہم اپنی معروضات کو اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد پر ختم کرتے ہیں کہ:
فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کی ایک اجمالی روداد تقریباً ہر ماہ ہی پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اب حال یہ ہو گیا ہے کہ ہر ماہ مجموعی طور پر ایک عشرے کے لگ بھگ وہ بھی مسلسل نہیں، موصوف کا قیام لاہور میں ہوتا ہے۔ ان ایّام میں بھی لاہور میں دعوتی و تدریسی مصروفیات جاری رہتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مرکزی انجمن کی راولپنڈی/اسلام آباد کی شاخ کو ہر ماہ کی پہلی پیر کا دن درسِ قرآن کے لئے دیا ہوا ہے۔ چنانچہ وہاں کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں مہینے کی ہر پہلی پیر کو بعد مغرب درسِ قرآن حکیم ہوتا ہے۔ اس کے دوسرے دن بھی عموماً ڈاکٹر صاحب موصوف وہیں مختلف مساجد اور اداروں کی فرمائش پر درس اور خطاب کیا کرتے ہیں۔ دسمبر ۸۲ء کے دورے کے ساتھ جناب محمود الحسن صاحب توحیدی ناظم و مہتمم نظام العلماء و مدرسہ جامع توحید کی دعوت پر اٹک کا دورہ بھی رکھ لیا گیا تھا چنانچہ پنڈی سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب اٹک تشریف لے گئے، جہاں موصوف نے درسِ قرآن دیا اور سیرت النبیؐ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ جنوری کے اوائل کے دورے میں کمیونٹی سنٹر اور چند دوسرے دروس و خطابات کے بعد ڈاکٹر صاحب پشاور صدر کے پینٹ کے تاجر جناب حاجی عبدالرشید صاحب کی دعوت پر پشاور تشریف لے گئے۔ جہاں پہلے دن بعد نماز عشاء پشاور کی سب سے بڑی اور قدیم مسجد مہابت خاں میں سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر خطاب کیا۔ مسجد کا وسیع و عریض ہال حاضرین سے پوری طرح بھرا

ہوا تھا - لوگ دُور دُور سے اس تقریر کو سننے کے لئے آتے ہوئے تھے - مسجد کے امام و خطیب جناب مولانا محمد یوسف صاحب نے اِس پروگرام کے انعقاد کے سلسلے میں بھرپور تعاون فرمایا - اگلے روز صبح دس بجے جامعہ اشرفیہ پشاور میں محترم ڈاکٹر صاحب نے علماء پشاور سے ہماری "دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب کیا - اس پروگرام کا اہتمام بھی جامعہ اشرفیہ کے مہتمم جناب مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد اشرف صاحب نے کیا تھا - تقریر کے اختتام پر محترم ڈاکٹر صاحب نے علماء کے سوالات کے جوابات دیئے - اسی دن دوپہر ساڑھے بارہ بجے ڈاکٹر صاحب نے پشاور یونیورسٹی میں یونیورسل ویلفیئر سوسائٹی کے زیرِ اہتمام طلباء کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا - اور سوالات کے جوابات دیئے - ان تمام پروگراموں میں مکتبہ بھی لگایا گیا جس میں ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطابات پر مشتمل کیسٹ بھی رکھے گئے -

دسمبر ۸۲ء کا آخری عشرہ ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں گزارا تھا - جہاں دروس قرآن اور خطاباتِ عام کے متعدد پروگرام ہوئے - اس دورے کی رپورٹ تنظیم اسلامی کراچی کے رفیق حافظ محمد رفیق صاحب نے مرتب کر کے بھیج دی تھی جو اسی شمارے میں شامل ہے - واپسی پر ۲۹ دسمبر کو کراچی سے ڈاکٹر صاحب بذریعہ ہوائی جہاز ملتان آئے تھے اور وہاں سے بذریعہ کار شجاع آباد تشریف لے گئے تھے جہاں ایک عظیم الشان جلسۂ عام میں سیرتِ مطہرہ کے موضوع پر ایک مبسوط خطاب ہوا تھا - ۳۰ دسمبر کو لاہور مراجعت ہوئی آتے ہی رات کو مسجد شانِ اسلام گلبرگ میں ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کیا اور ۳۱ دسمبر جمعہ سے لاہور کی دعوتی سرگرمیاں شروع ہو گئیں - پھر ۵ جنوری سے ۸ جنوری تک اسلام آباد / راولپنڈی اور پشاور کے دورے ہوئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے - پشاور سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب دو مرتبہ ملتان تشریف لے گئے پہلی مرتبہ بلدیہ ملتان کی دعوت پر بلدیہ ہال میں سیرتُ النبیؐ کے موضوع پر خطاب کیا - دوسری بار ملتان ۱۲ جنوری یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹس یونین کی دعوت پر تشریف لے گئے لیکن یونیورسٹی کے اربابِ اختیار کے نمائندوں نے ہوائی اڈے پر آ کر ڈاکٹر صاحب سے معذرت کر لی کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے انہیں تقریر کا موقع دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہے -

یہ وجوہات تاحال واضح طور پر سامنے نہیں آئیں بہر حال اس روز بعد عشاء ڈاکٹر صاحب نے مسجد جامعہ تعلیم الابرار میں ایک بڑے اجتماع میں سیرت محمدی کا انقلابی پہلو کے موضوع پر خطاب کیا - ملتان سے واپسی کے بعد ۱۴ رجنوری کو حسب دستور اجتماع جمعہ کا خطاب ہوا اور اسی شب کو برکت علی اسلامیہ ہال لاہور کا اجتماع تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہوا جس میں سیرت پر ہی تقریر ہوئی - ۱۵ ر اور ۱۶ ر دو دن تنظیم اسلامی کی مجلس مشاورت کے سہ ماہی اجلاس کے سلسلے میں مصروفیت رہی - اس کے بعد جنوری کے آخری پندرھواڑے کے لئے ڈاکٹر صاحب کا یہ پروگرام طے ہو چکا ہے کہ موصوف ۱۷ رجنوری کو لالہ موسیٰ، ۲۳ ر کو سرگودھا، ۲۴ ر کو میانوالی اور پھر ۲۶ تا ۲۹ رجنوری کے لئے برائے دروس و خطابات کراچی تشریف لے جائیں گے - ان دوروں کی اجمالی روداد ان شاءاللہ آئندہ پیش ہوگی -

حلقہ ماہنامہ میثاق، رفقاء تنظیم اسلامی اور وابستگان مرکزی انجمن خدام القرآن کے لئے یقیناً یہ اطلاع باعث مسرت ہوگی کہ قرآن اکیڈمی کی "رفاقت سکیم" کے تحت جن نوجوانوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق و تائید سے اپنی زندگیوں کو اللہ کے دین متین اور اس کی کتاب حکیم کی خدمت کے لئے وقف کیا ہے، اُن میں ایک ایم - بی - بی - ایس اور ایک بی - ڈی - ایس ڈاکٹر بھی شامل ہیں - چنانچہ مرکزی انجمن نے اس کے تحت کہ خلق خدا کو ان کی اس دینی و ملی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کی فنی تعلیم و تربیت سے بھی فائدہ پہنچے - اپنے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی ہی کی عمارت میں دو ستنے کلینک کھول دیئے ہیں، جن میں سے ایک امراض عامہ کے معالجے کے لئے ہے جس کے انچارج ڈاکٹر عارف رشید، ایم - بی بی ایس ہیں اور دوسرا دانتوں کے امراض کے لئے ہے جس کے انچارج ڈاکٹر عبدالسمیع بی - ڈی - ایس ہیں -

الحمد للہ دونوں کلینکوں نے اتوار ۲ رجنوری ۱۹۸۳ء مطابق ۱۶ - ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ سے کام شروع کر دیا ہے، کلینک کے اوقات کار نماز عصر سے نماز عشاء تک رکھے گئے ہیں - اور ان میں بفضلہ تعالیٰ لوگوں کو سستے اور مناسب علاج فراہم کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے -

EAGLE
ایگل
ایک عالمگیر قلم
خوشخط ، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
اریڈیم ٹپڈ نب
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز اینڈ کمپنی لمیٹڈ

یہ امر مسلّم ہے کہ

کوئی دینی جریدہ اصحابِ ثروت کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا

اس میں **اشتہار** شائع کرائیں

نرخنامہ اشتہارات

سرورق:

آخری صفحہ		=/۱۵۰۰ روپے فی اشاعت
دوسرا صفحہ	(اندرونی)	=/۱۲۰۰ روپے ״ ״
تیسرا صفحہ	(اندرونی)	=/۱۰۰۰ روپے ״ ״

اندرونی عام صفحات

پورا صفحہ	=/۸۰۰ روپے ״ ״
نصف صفحہ	=/۵۰۰ روپے ״ ״

نوٹ

۱ اشتہار میں نہ کوئی تصویر چھپے گی نہ دینی اعتبار سے کوئی قابلِ اعتراض مواد!

۲ 'میثاق' کے پورے صفحے کا سائز ۷ × ۴ ہے!

۳ کسی خاص ڈیزائن کے لئے پوزیٹیو فلم مشتہر حضرات کو خود فراہم کرنی ہوگی،

۴ رنگین اشتہارات میں رنگ کے لئے ۵۰ فی صد مزید معاوضہ ہوگا۔

۵. منظور شدہ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو ۱۵ فی صد کمیشن دیا جائے گا،

۶ خاص حالات میں مشتہر حضرات کو بھی رعائت دی جاسکتی ہے،

THE ORIGINAL
Coca-Cola
paragon

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

32 FEBRUARY 1983 No. 2

میثاق
مدیر مسئول: ڈاکٹر اسرار احمد
مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ماھنامہ لاھور

میثاق

جلد : ۳۲ | شمارہ ۳ | جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق مارچ ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیمِ اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے   مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

تنظیمِ اسلامی

کا
آٹھواں سالانہ اجتماع

اِن شاء اللہ العزیز

قرآن اکیڈمی ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور میں
یکم اپریل (جمعہ) تا ۷ اپریل (جمعرات)

(صبح کے اوقات میں) منعقد ہو رہا ہے

جس میں تنظیمِ اسلامی کے رفقاء و ارکان شرکت کریں گے۔
رفقاء کرام نوٹ فرما لیں کہ:

(۱) اجتماع میں اُن کی شرکت لازمی ہے۔
(۲) عدم شرکت کی صورت میں تفصیلی وجوہات کے ساتھ ۱۵ مارچ تک مرکز درخواست بھیجنی ضروری ہے۔
(۳) تمام رفقاء کو یکم اپریل کو پہنچ جانا چاہیئے۔
(۴) موسم کے مطابق بستر ساتھ لایا جائے۔

المعلن: قیّم تنظیمِ اسلامی

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

بحمد اللہ والمنہ ماہنامہ میثاق کا شمارہ بابت جمادی الاوّل ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء
ظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ توقع ہے کہ انشاء اللہ یہ شمارہ تنوع کے اعتبار سے پسند
یا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میثاق، صوری و معنوی اعتبارات سے
قی کے ساتھ پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ اور اس ضمن میں قارئین کی شکایت کا ازالہ
گیا ہے ـــــ اس شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ان دروس کا ٹیپ
سے نقل کر کے آغاز کیا جا رہا ہے جو ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" کے ٹائیٹل کے تحت مطالعہ
رآنِ حکیم کے منتخب نصاب کے خلاصوں پر مشتمل تھا جو تقریباً چودہ ماہ تک باقاعدگی
سے ہر ہفتہ ٹیلی کاسٹ ہوتا رہا تھا اور جو سورۃ الحجرات کے درس کے بعد جولائی ۸۲ء
میں اچانک بند کر دیا گیا تھا۔ جبکہ نصاب نصف تک پہنچا تھا۔ یہ دروس ان شاء اللہ
بالاقساط شائع ہوں گے اور اس طرح منتخب نصاب کا ایک خلاصہ رفقاء تنظیم کی دعوتی
تقاریب کے لئے تیار ہو جائے گا ـــــ ٹی وی پر ۸۱ء کے رمضان المبارک میں روزانہ
"الٓمٓ" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب موصوف نے قرآن حکیم کی ان سُوَر کا خلاصہ پیش کیا
تھا جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ ان سورتوں کی تعداد ۲۹ ہے۔ لہٰذا ۲۹ ر
ہی ڈاکٹر صاحب موصوف کے لیکچرز ہوئے تھے۔ ان لیکچروں کی اشاعت کا ماہنامہ "حکمتِ
قرآن" میں فروری کے شمارے سے آغاز ہو گیا ہے۔ جن سے اس ماہنامے کے
مطالعہ کے ذریعے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس شمارے میں تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع، مرکزی انجمن کے
سالانہ اجلاس اور محاضراتِ قرآنی کے انعقاد کی اطلاعات ناظرین کی نظر سے گزریں گی۔
امسال یہ پروگرام یکم تا ۷ر اپریل کی تاریخوں میں اس طور پر ترتیب دیئے گئے ہیں کہ

تنظیم کے سالانہ اجتماع میں بیرونِ لاہور سے شریک ہونے والے رفقاء بھی محاضراتِ
قرآنی سے استفادہ کر سکیں۔ صبح سے ظہر تک کا وقت تو تنظیم کے اجتماع کے لئے وقف
رہے گا اور شام کے اوقات محاضراتِ قرآنی کے لئے ــــ توقع ہے کہ رفقائے تنظیم
اس اجتماع کے لئے رخصتیں لینے اور ریل سے سفر کی صورت میں سیٹوں اور برتھوں کی
بکنگ کا بروقت انتظام کر لیں گے۔ اس اجتماع کی آخری نشست ۷ اپریل کو صبح کو ہوگی
یعنی ظہر تک ان شاء اللہ اجتماع اختتام پذیر ہو جائے گا اور ظہر کے بعد رفقاء واپس
جا سکیں گے۔ لہٰذا جو رفقاء بیرونِ لاہور خاص طور سے کراچی، سکھر اور پشاور سے تشریف
لائیں گے، ان سے درخواست ہے کہ وہ ہر حال میں ۱۰ مارچ تک مرکز کو اطلاع بھیج
دیں کہ کس ٹرین سے اور کس تاریخ کو وہ واپس جانا چاہیں گے تاکہ ان کی واپسی کے لئے
سیٹ اور برتھ کی بکنگ کا پہلے سے انتظام ہو سکے۔

لمحاتِ فکریہ!

ہمارے دینِ اسلام کا اصول یہ ہے کہ نصوصِ شرعیہ میں سے کسی نص کا بدیہی
اور واضح انکار صریح کفر ہے۔ نصوصِ شرعیہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخر المرسلین ہیں۔ آپؐ کے بعد کسی نوع کا کوئی نبی مبعوث نہیں
ہوگا۔ نہ ظلی نہ بروزی۔ مسلمانوں میں سے کوئی ایسا دعویٰ کرے گا تو وہ اور اس کے
ماننے والے مرتد ہو جائیں گے جس کی سزا قتل ہے۔ اسی بنیاد پر غلام احمد قادیانی کو نبی
یا مجددِ وقت یا مسیح موعود ماننے والوں کو چاہے وہ قادیانی مرزائی ہوں خواہ لاہوری
ــــ ۱۹۷۴ء میں غیر مسلم قرار دے دیا گیا تھا اور پاکستان کے دستور میں اس دفعہ کا اندراج
ہو گیا تھا۔ اگر غلام احمد یا کوئی دوسرا مسلمان کہلانے والا شخص کسی حقیقی اسلامی حکومت میں
ایسا دعویٰ کرتا تو اس پر اور اس کے تمام متبعین پر ارتداد کی حد جاری ہوتی لیکن انگریزی
حکومت اور اس کی خصوصی سرپرستی کی وجہ سے مرزا آنجہانی کے اس باطل دعوے
کا سرطان جسدِ ملی میں پھیلتا چلا گیا اور اب جبکہ آئینی اور دستوری طور پر انہیں "غیر مسلم"
قرار دیا جا چکا ہے ان کی دریدہ دہنی اور جسارتوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ
ان کے جارحانہ طرزِ عمل میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس کے مظاہر روزمرہ دیکھنے

تے ہیں۔ اس کے واضح ثبوت کے لئے مرزائیوں کے ترجمان "الفضل" ربوہ کا کوئی
دیکھا جا سکتا ہے مزید یہ کہ حال ہی میں لاہور میں قادیانیوں کے نام نہاد خلیفہ وقت نے
مری ظفر اللہ خاں کی کوٹھی پر کئی دن تک ڈیرا لگائے رکھا اور کھلم کھلا اپنے باطل اور مذموم
ت کی تبلیغ و اشاعت کی۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے پر زبان طعن دراز کی۔
نظریاتی مملکت و ریاست میں ملک کے بنیادی و اساسی نظریات کے خلاف نظریات کی تبلیغ
شر و اشاعت کی کسی طور پر کسی ملک میں بھی اجازت نہیں ہوتی بلکہ اس فعل کو ریاست سے
ی شمار کیا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کو غداری کی سزا دی جاتی ہے۔ لیکن کتنی بوالعجبی ہے کہ
ب کچھ اس مملکت میں کھلم کھلا ہو رہا ہے اور اقتدار وقت کی آنکھیں نہیں کھلتیں، جس
بان پر حقیقی اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کی دن رات راگنی جاری رہتی ہے۔

ستر و حجاب کے متعلق اسلامی تعلیمات کے ساتھ عرصہ دراز سے جو تمسخر و استہزا کیا
ہا وہ ہر محب دین کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس بارے میں دیدہ دلیری اور گستاخیوں
طرز عمل میں جو روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔
م پاکستان کے بعد کسی دور حکومت میں مغرب زدہ اور اباحیت پسند طبقہ بالخصوص خواتین
ستر و حجاب کے متعلق اسلام کے مسلمات اور نصوص کی کھلم کھلا نہ صرف خلاف ورزیوں بلکہ
ہزار و تمسخر کا حوصلہ نہیں ہوا ہوگا جتنا موجودہ اس حکومت کے دور میں ہو رہا ہے جو پاکستان
ں اسلامی نظام کے عزم کی مدعی ہے۔ ستر و حجاب کے سلسلے میں اس اباحیت پسند طبقے کو
س طرح ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے کا موقع مل رہا ہے اس پر ہر حساس قلب مسلمان
ون کے آنسو رو رہا ہے۔ پہلے تو جسارت یہ کی گئی کہ سرے سے اس بات سے ہی انکار کیا
لیا کہ اسلام عورت کو ستر و حجاب کا پابند بنانے اور گھروں میں قرار پکڑنے کا حکم دیتا ہے نیز
بندیوں کے ساتھ حسب ضرورت گھروں سے نکلنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس بات
و ملا کا اپنا تصور و مذہب قرار دیا گیا اور ہر نوع کی مساوات مرد و زن کو عین اسلام قرار
دیا گیا۔۔۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پریس ٹرسٹ کے ایک مشہور انگریزی روزنامے
میں ہر ہفتے ہی ایسے مراسلات اور مضامین کی اشاعت کو معمولات میں شامل کر لیا گیا ہے جن
کے ذریعے اس اباحیت پسند اور مغرب زدہ طبقے کے مذموم خیالات کو ہمارے تعلیمیافتہ

لبقے کے ذہنوں میں اتارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں حال ہی میں ایک
ماحب کا اسی اخبار میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "یہ صحیح ہے کہ
رآن حکیم میں ستر و حجاب کے احکام آئے ہیں اور خواتین کو گھروں میں ٹھہرنے کی تاکید
ی گئی ہے لیکن موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہمیں اس امر میں زبردست
جتہاد کرنا ہوگا۔" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس ملک میں جو اسلام کے نام سے قائم
وا ہے ایک مسلمان کہلانے والا شخص اس اخبار میں جو پریس ٹرسٹ یعنی حکومت وقت
ی زیر نگرانی نکل رہا ہے "اجتہاد" کے نام پر قرآن حکیم میں تحریف کا کھلم کھلا مشورہ دے
ہا ہے اور ایوانِ اختیار میں جنبش بھی نہیں آتی ـــــ سورۂ یونس میں کفار و مشرکینِ مکہ
کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ
قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا
ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ
قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ
تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا
يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ
عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ
(آیت ۱۵)

"جب انہیں ہماری صاف صاف
اور واضح باتیں سنائی جاتی ہیں تو
وہ لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں
رکھتے ــ یعنی منکرین آخرت ـــ
وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بجائے
کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کوئی
تغیر و تبدل کرو، اے نبی! ان سے
کہہ دیجئے کہ میرا یہ مقام نہیں ہے
کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی ترمیم کرلوں۔ میں تو خود اس وحی کا پیرو ہوں جو
میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں یعنی قرآن میں
ترمیم کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے"

ـــــ قرآن حکیم میں تبدیلی کا اختیار خود نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی حاصل نہیں تھا
ر اللہ تعالیٰ نے حضور سے صاف کہلوا دیا کہ اگر میں اپنے جی سے اس میں کوئی تغیر و
دل کروں تو یہ نافرمانی ہوگی جس کی پاداش کا مجھے آخرت کے عظیم دن کے عذاب کا خوف
ہے۔ اور ہمارے "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کہلانے والے ملک میں اجتہاد
کے نام سے قرآنی احکام کو تبدیل کرکے ان کو 'زمانے کے مطابق' ڈھالنے کا خود حکومت

کی زیر سرپرستی نکلنے والے اخبار میں مشورہ دیا جاتا ہے اور ارباب اقتدار میں سے کسی کے ماتھے پر بل بھی نہیں آتا اور آئے بھی کیوں؟ جب کہ وہ خود ایک طرف چادر اور چاردیواری کے احترام و تقدس کو قائم کرنے کے عزم کا زبانی و کلامی اظہار کرتے ہیں تو دوسری طرف عورتوں اور مردوں کو شانہ بشانہ کام کرنے کے نظریے کے محض علمبردار ہی نہیں بلکہ عملاً اس نظریے کے مطابق ہمارے معاشرے کو ڈھالنے کے لئے اپنی قوت نافذہ کو دھڑلے سے استعمال کر رہے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

یہ حکم بھی نصوص شریعت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کے نصاب میں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے مساوی رکھا ہے۔ یہ نص سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں بیان ہوئی ہے جو ایک طویل آیت ہے اور جس میں متعدد احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس آیت میں شہادت کے نصاب کے متعلق فرمایا گیا کہ:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ	"اور گواہ بناؤ دو گواہ اپنے مردوں
مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ	میں سے پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک
يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ	مرد اور دو عورتوں کو جن کو تم گواہوں
وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ	میں سے پسند کرو"
الشُّهَدَاءِ	

ہر اسلامی حکومت میں قانون شہادت میں قرآن حکیم کا یہ منصوص حکم مستقل دفعہ کے طور پر شامل رہا ہے۔ انگریزی استعمار سے قبل اسی برصغیر پاک و ہند میں یہی قانون جاری تھا لیکن جب انگریزی حکومت نے یہاں شریعت کے قوانین کو منسوخ کر کے اپنی مرتب کردہ تعزیرات اور ضوابط و قوانین جاری کئے تو شہادت کے قانون کو بھی بدل دیا گیا۔ اور اس امر میں مرد و عورت کو مساوی قرار دے دیا گیا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کو صدر مملکت نے اس مقصد کے لئے قائم کیا تھا کہ وہ ملک کے تمام قوانین کو شریعت کے مطابق تبدیل کرنے کے سلسلے میں اپنی سفارشات پیش کرے۔ اس کونسل میں ملک کے تمام فقہی مسالک کے متعدد جید علماء اور متعدد ماہرین قانون (جن میں کئی نامور وکلاء اور کئی سابق جسٹس و چیف جسٹس) شامل ہیں اور یہ سب پاکستان کے صدر محترم کے اپنے نامزد کردہ ارکان ہیں۔ اس کونسل نے

ں میں قانونِ شہادت کے ضمن میں اپنی سفارشات پیش کی ہیں۔ جس میں یہ سفارش
بھی شامل ہے کہ نصِ قرآنی کے بموجب دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت
کے مساوی ہوگی۔ اس سفارش کا منظرِ عام پہ آنا تھا کہ تجدد وا باحیت پسند اور مغرب زدہ
طبقے میں کہرام مچ گیا اور مسلمان کہلانے والے اس قلیل لیکن مراعات یافتہ اور با اثر طبقے
کی طرف سے اخبارات میں اس سفارش کے خلاف بیانات آنے شروع ہوگئے جن
میں اس سفارش کو خواتین کے حقوق کو سلب کرنا بلکہ اس کو ظلم قرار دیا گیا۔ پھر ستم بالائے ستم
یہ کہ اس طبقے سے متعلق بعض اعلیٰ گھرانوں اور سرکاری افسران سے تعلق رکھنے والی بعض
خواتین اس سفارش کے خلاف جلوس کی شکل میں لاہور میں سڑکوں پر نکل آئیں تاکہ اپنا
احتجاج لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تک پہنچا دیں۔ نتیجتاً پولیس سے تصادم ہوا
اور اس معاملے نے ایک انتہائی سانحہ اور ناخوشگوار معاملہ کی شکل اختیار کرلی۔ ہوسکتا
ہے کہ اس پوری صورت حال کے پیچھے اباحیت پسند و تجدد پسند بلکہ صحیح معنوں میں لادینی
عناصر کا خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہو[1] ــــ اس معاملے کا ملک کے امن و امان سے کیا تعلق
ہے؟ وہ حکومت جانے اور قانون جانے۔ ہم اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔
ہمارے نزدیک اس معاملے کا دینی پہلو ایک لمحہ فکریہ کو دعوت دیتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام بالخصوص نصوص شریعت میں سے کسی ایک کا
انکار بھی 'ارتداد' کی زد میں آجاتا ہے۔ پھر ایسے طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کے لئے
قرآن حکیم میں بڑی شدید وعیدیں اور دھمکیاں آئی ہیں۔ ایک برائی اور گناہ تو وہ ہوتا
ہے جس کو انسان گناہ اور برائی سمجھ کر اختیار کرتا ہے۔ اس کی کوئی ذاتی مجبوری بھی ہوسکتی
ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے خلوص کے ساتھ اس بات کی توفیق طلب کرتا رہتا ہے کہ اسے
اس برائی سے جلد از جلد نجات ملے تو ایسے فرد کا معاملہ ہلکا ہے۔ آخرت میں اس کی سزا
بھی ہلکی ہوسکتی ہے۔ ایک وہ فرد ہے کہ جو جہالت اور کسی اشتعال اور کسی فوری ترغیب
کے تحت کسی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن تنبیہ ہوتے ہی اللہ کی طرف رجوع اور

---

[1] ان سطور کی تحریر کے بعد دوسرے دن اخبارات سے معلوم ہوا کہ کراچی میں بھی مغرب زدہ خواتین نے
اس مسئلہ پر احتجاجی جلوس نکالا ہے۔

توبہ کرتاہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے فرد کی توبہ قبول کرنے کی بشارت دی ہے لیکن ایک وہ فرد ہے جو برائی کو برائی نہ سمجھے بلکہ اسے اچھائی اور بھلائی سمجھے یا شریعت کے احکام کو تسلیم کرے اور بعض کا انکار کر دے یا خود کو مسلمان کہے اور کہلوائے لیکن احکام نصوص شرعیہ کو تسلیم کرنے سے بالکلیہ انکار کر دے تو ایسے فرد کا معاملہ بڑا مختلف شدید ہوتا ہے۔ ایسے فرد کے لئے قرآن حکیم کا فتویٰ یہ ہے کہ اس نے اللہ کو چھوڑ اپنی ہوائے نفس کو معبود بنا لیا ہے۔ یعنی وہ اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق معاملہ ہے۔ تو درحقیقت اس کا الٰہ (معبود) اس کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں۔ طرز عمل کے متعلق قرآن مجید میں دو جگہ تنبیہہ آئی ہے۔ سورۃ الفرقان میں فر أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ط (آیت ۴۳) اور سورۃ الجاثیہ میں أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (آیت ۲۳) ان دو مقامات پر ایسے فرد شدید وعید آئی ہے۔ پہلے مقام پر ایسے شخص کو جانور بلکہ ان سے بھی بدتر دیا گیا ہے اور دوسرے مقام پر ایسے شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فر اس کا مفہوم یہ ہے کہ علم کے باوجود ایسا شخص گمراہی پر گامزن ہو گیا اور اس کی پر، اس کے قلب پر مہر لگ گئی اور اس کی بصارت پر پردہ پڑ گیا ـــــ مزید یہ کسی ایک معصیت پر اس طرح جم جائے گا کہ وہ بدی کے چکر ہی میں پڑا رہے جہنمی ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا: بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ (البقرۃ ۸۱)۔ پھر سورہ البقرہ میں یہ طرز عمل اختیار کرنے والوں کے لئے لرزا دینے والے انداز میں وعید آئی ہے جو شریعت کے بعض احکام کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ فرمایا:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ	"تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان
وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا	لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ
جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ	کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو
إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ	لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ	سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل
أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ	و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (آیت ۸۵)

شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔"

اس آیت میں اصلاً تو خطاب یہود سے ہے۔ جن کا بعثت محمدیؐ سے قبل اُن حضورؐ کے دورِ سعید میں یہی طرزِ عمل تھا۔ لیکن اس آیتِ مبارکہ کے بین السطور مخاطب وہ بھی ہیں جو نبی اکرمؐ کے امتی کہلاتے ہیں۔

شریعت کے نصوص کا انکار دراصل اپنی روح کے اعتبار سے حقیقی و معنوی دبھی ہے اور ظاہری ارتداد بھی۔ اس کی دلیل سورہ المائدہ کی اس آیت کا یہ حصہ ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔"

پھر سورۃ الصف کی آیات ۲۔۳ میں فرمایا :۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو! اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔"

کثر مفسّرین نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ایمان

کے دعوٰی کے بعد ایمان کے تقاضے پورے کرنے سے اعراض کرنا، رو گردانی کرنا، سرتابی کرنا قول و فعل کا تضاد ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے اور بیزاری پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ چونکہ یہ طرزِ عمل منافقت و تناقض کی تعریف میں آتا ہے۔ اسی لئے ہم اپنی ان بہنوں سے جنہوں نے مغالطے میں آکر قانونِ شہادت کے خلاف مظاہرے کئے ہیں نہایت دلسوزی اور نہایت اخلاص کے ساتھ عرض کریں گے کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کے لئے رجوع کریں تاکہ آخرت میں اللہ کی پکڑ سے بچ سکیں۔

قرآن کریم میں یہود کے اس قریہ کا کئی مقامات پر ذکر آیا ہے جس کے رہنے والوں نے یوم سبت کی پابندیوں کی خلاف ورزی کی تھی۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۶۳ میں اس خلاف ورزی کا ان الفاظ ذکر ہے:

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۞	"اور ذرا ان (بنی اسرائیل) سے اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ انہیں یاد دلاؤ وہ واقعہ کہ وہاں کے لوگ سبت۔ (ہفتہ) کے دن کے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت کے دن ہی ابھر ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ ہم ان نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے۔"

—— اس بستی کے یہودی ایک حیلے سے یوم سبت (ہفتہ کے دن) کے اس حکم کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے کہ چونکہ یوم سبت کو مچھلیاں ابھر ابھر کر سطح پر آتی تھیں تو اکثر لوگ ایک دن قبل رات کے وقت خلیج عقبہ کے سطح کے ساتھ ساتھ (جہاں یہ بستی آباد تھی گڑھے کھود لیتے تھے تاکہ پانی کی سطح پر ہفتہ کے دن جو بے شمار مچھلیاں اچھلتی رہتی تھیں وہ پانی کے ساتھ ان گڑھوں میں آجائیں جن کو وہ دوسرے دن جاکر پکڑ

لیا کرتے تھے۔ بستی کے بعض دین داروں نے انہیں ردکا کہ یہ حیلے بازی اپنی اصل اور روح کے اعتبار سے حکم خداوندی کی خلاف ورزی ہے لیکن وہ باز نہیں آتے تھے۔ بستی کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو ان منع کرنے والوں سے کہا کرتا تھا کہ تم کیوں ان کو نصیحت کرتے ہو، ان کی تو مت ماری گئی ہے۔ یہ باز آنے والے نہیں ہیں ـــــ اس نافرمانی پر اللہ تعالیٰ کے جس عذاب نے ان کو اسی دنیا میں آپکڑا اس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیات ۶۵، ۶۶ میں ہے کہ:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝

"(اے بنی اسرائیل!) اور یقیناً تمہیں اپنی قوم کے ان لوگوں کا قصہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا تھا۔ ہمارے کلمہ "کُنْ" نے کہدیا کہ بندر بن جاؤ ذلیل و خوار ہو کر۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیوی عذاب کے لئے سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۶ میں اپنا یک ضابطہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝

"جب ہم کسی بستی کو (اس کی بداعمالیوں اور نافرمانیوں کے باعث) ہلاک کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

اس آیت پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور نے یہ حاشیہ لکھا ہے:

"جس حقیقت پر اس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ ایک معاشرے کو آخر کار جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس کے کھاتے پیتے، خوشحال لوگوں اور اونچے طبقوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آنے کو ہوتی ہے تو اس کے دولت مند اور صاحب اقتدار لوگ فسق و فجور پر اتر آتے ہیں، ظلم و ستم اور بدکاریاں اور شرارتیں کرنے لگتے ہیں اور آخر کار یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔"

عربی میں 'فسق' کے معنی 'حد سے نکل جانے' کے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے

اس لفظ کو بھی بطور اصطلاح اختیار کیا ہے۔ یہ لفظ دراصل 'تقویٰ' کی ضد ہے اور اس کا اصطلاحی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے احکام (اوامر اور حدود) سے تجاوز کرنا اور نواہی (منکرات کو اختیار کرنا۔ ایسے تمام افعال دینی اصطلاح کی رو سے 'فسق' ہیں ـــــ آج ہمارا معاشرہ بحیثیت مجموعی فسق میں مبتلا ہے۔ اس فسق کی بدولت اسی دنیا میں جس ہلاکت خیز عذاب سے امت دوچار ہو چکی ہے' اس کا نقشہ دیکھنا ہو تو چنگیز اور ہلاکو کے ہاتھوں دولتِ عباسیہ جس المناک انجام سے دوچار ہوئی' اندلس میں دولت امویہ جس بُرے نتیجے سے عیسائیوں کے ہاتھوں دوچار ہوئی۔ برصغیر میں مغل سلطنت کو کبھی مرہٹوں' کبھی سکھوں اور بالآخر انگریزوں کے ہاتھوں جو ذلت اٹھانی پڑی' اس کی عبرتناک داستانوں کو اپنی تاریخ کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر دور جانے کی ضرورت نہیں ماضی قریب میں پہلی جنگ عظیم کے بعد اغیار کے ہاتھوں دولت عثمانیہ کی جو درگت بنی۔ قیام پاکستان کے موقع پر ہندوستان کے متعدد شہروں بالخصوص مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو وحشیانہ مظالم ٹوٹے۔ پھر ۱۹۶۷ء میں اسرائیل جیسی مغضوب علیہم قوم کے ہاتھوں دول عرب اردن' مصر اور شام کو جس ذلت آمیز شکست اور ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا اور مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) میں ۱۹۷۱ء میں خود مسلمانوں نے ایک دوسرے کے خون سے جو بیدریغ ہاتھ رنگے' عصمت وعفت کے جو پاکیزہ آبگینے توڑے۔ وہ تو کل کی بات ہے۔ آج بھی یہ حال ہے کہ عذاب الٰہی کے کوڑے مسلسل پیٹھوں پر برس رہے ہیں۔ لبنان میں اسرائیلی جارحیت ننگا ناچ' ناچ رہی ہے اور شیر خوار بچے' عورتیں اور بوڑھے تک اس کی بہیمیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں ایک طرف سُرخ سامراج افغانستان کو ہڑپ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے اور مزاحمت کرنے والے مجاہدین کا خون پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ دوسری طرف بھارت میں مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو سے برہمنی سامراج ہولی کھیل رہا ہے۔ لیکن سبق آموزی اور عبرت پذیری کے بجائے ہم فسق میں اور دلیر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور جو ملک اسلام کے نفاذ کے لئے قائم ہوا تھا' اس میں برملا اور اعلانیہ دین کا استہزاء ہو رہا ہے۔ اور ہماری دینی حمیت وغیرت

خوابِ غفلت میں پڑی ہے۔ بلکہ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؛ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی و حلیمی کا طفیل ہے کہ ہمارا ملک کسی دھماکہ خیز حادثہ وسانحہ سے تاحال محفوظ ہے اور وہی تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ ڈھیل کب تک دی جاتی رہے گی۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جس کا اظہار اس تعالیٰ نے سورۂ قلم میں ان الفاظ میں فرمایا: اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ـــــ

اگر تجدد اور اباحیت پسند مغرب زدہ طبقے کو اسی طرح بے لگام چھوڑ دیا گیا تو کیا عجب کہ ان کی جسارتیں یہاں تک بڑھ جائیں کہ یہ مطالبہ بھی ہونے لگے کہ وراثت میں سے خواتین کو مردوں کے برابر حصّہ ملنا چاہیئے۔ چونکہ یہ طبقہ مساواتِ مرد و زن کے نظریئے کا علمبردار ہے لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ ہونا چاہیئے ـــــ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے تو آج سے تقریباً ستر سال قبل انگریزی حکومت نے خود مسلمانوں کے ہاتھوں اسلامی شعائر کی دھجیاں بکھرتے دیکھ کر کہا تھا۔

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ ۔۔۔ گلے میں جو آئیں وہ تانیں اڑاؤ

کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسّر ۔۔۔ 'اناالحق' کہو اور پھانسی نہ پاؤ

آج اس ملک میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس اقتدار کے دور میں جو تقریباً ساڑھے پانچ سال کے عرصے سے رات دن تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس عزم کی راگنی راگتا ہے اور جو اقتدار کو ہاتھ میں رکھنے کی وجہ جواز ہی اس عزم کو بتاتا ہے۔ اس سے بھی کہیں بڑھ کر "آزادیاں" میسّر ہیں جن کا مشاہدہ اکبر مرحوم نے انگریزی دورِ حکومت میں کیا تھا۔

ایک طرف تجدّد و اباحیت پسند اور مغرب زدہ قلیل لیکن مراعات یافتہ اور ذرائع ابلاغ پر مضبوط گرفت رکھنے والے طبقے کا یہ جارحانہ طرزِ عمل ہے کہ وہ شریعتِ اسلامی کا جھٹکا کرنے یا اس کا حلیہ مسخ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں ـــــ دوسری طرف ملک میں سیکولر ذہن رکھنے والی شخصیتیں بڑے زور و شور سے چار قومیتوں کے نظریئے کا نعرہ لگا رہے ہیں اور اس کا پرچار کر رہے ہیں۔ اس طرح نظریہ پاکستان کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے

وششیں ہو رہی ہیں۔ تیسری طرف ملک دو اطراف سے ایسے ممالک کی زد میں ہے
ن کی آنکھوں میں قیام پاکستان اول روز سے کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا ہے۔ مزید
ہ تخریب پسند عناصر بھی ملک کے داخلی امن کو سبوتاژ کرنے کی سازشوں میں
صروف ہیں۔ چوتھی طرف محب دین اور محب پاکستان طبقات کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف
رقوں اور پارٹیوں میں منقسم ہیں بلکہ ہر فرقہ اور سیاسی پارٹی گروپ در گروپ میں
ٹی ہوئی ہے۔ قرآن حکیم نے یہودیوں کے مدینہ میں مقیم قبیلوں کے متعلق کہا تھا کہ:

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ (الحشر ۱۴)

"(اے اہل ایمان!) تم ان (یہودیوں) کو اکٹھا سمجھتے ہو۔ حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں"

ان کا سیاسی نعرہ 'اسلام' ہے۔ لیکن دکھ کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ
س وقت یہی کیفیت ہماری دینی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کی ہے ـــــ اس موقع
پر ہمیں خالص سیاسی پارٹیوں سے کچھ عرض نہیں کرنا۔ البتہ محب دین جماعتوں اور ملک
کے تمام اہل علم و فضل دینی زعماء کی خدمت میں نہایت دردمندی اور دلسوزی
کے ساتھ گذارش ہے کہ ہمارے فقہی اختلافات اور گروہ بندیوں نے پورے
عالم اسلام بالخصوص پاکستان میں وحدت ملی کو پارہ پارہ کیا ہے' اس سے نظریہ پاکستان
اور نفس دین کو جو ضعف پہنچ رہا ہے ـــــ ہماری نوجوان تعلیمیافتہ نسل کا دین سے
جو بُعد بڑھ رہا ہے اور دینی عناصر' دینی شعائر حتی کہ نصوص قرآنیہ کے ساتھ جو تمسخر و
ستہزاء ہو رہا ہے۔ اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک اہم سبب رجال
دین کے فقہی اختلافات' تفرقہ بازی اور فروعی مسائل پر مورچہ بندی اور معرکہ آرائی
بھی ہے۔ اس وقت جبکہ لادینی' اباحیت و تجدد پسند'
ان تمام عناصر و طبقات کی جانب سے اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنے کی منظم مساعی
اور سازشیں ہو رہی ہیں ۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارضی و سماوی عذاب
کے علاوہ عذاب کی ایک یہ صورت بھی بیان فرمائی ہے کہ تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے
ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھا دے : قُلْ هُوَ الْقَادِرُ
عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ

يُلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ط (الانعام) ـــــ آ

اور افتراق وہ مرض ہے جس سے جسد ملّی تپ دق کی طرح گھلتا رہتا ہے او

وملت کی قوت کو گھن لگ جاتا ہے۔ بنی اسرائیل پر قرآن حکیم میں جو فرد جرا

ہے اس میں یہ تفرقہ بھی شامل ہے۔ اسی سورۃ الانعام میں ان کے اس

ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ط اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝	"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی ان کو بتائے گا جو کچھ وہ کرتے رہے تھے"

اہل ایمان کو تفرقے سے بچنے کا سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۲ میں تاک

حکم آیا ہے جس سے قبل اس چیز کی جانب بھی رہنمائی فرما دی گئی جس سے اعتص

کی بدولت امت مسلمہ بنیان مرصوص بن سکتی ہے۔ فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔	"اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو تم سب مل کر ـــــ اور تفرقہ میں نہ پڑو۔"

یہ 'حبل اللہ' کیا چیز ہے؛ اسے نبی اکرمؐ نے ایک طویل حدیث میں وا

فرمایا جس کے راوی ہیں حضرت علیؓ۔ اس حدیث میں قرآن مجید کی مدح اور عظم

بیان کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ ۔ یہ (قرآن) ہی اللہ کی رسّ

اسی سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۵ میں پھر تاکید فرمائی: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّ

تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا "اور کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ

مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ "جبکہ ا

پاس کھلی کھلی اور واضح ہدایات آگئی تھیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے سخت عذا

دین کے دائرے میں تعبیر و رائے، افضل و مفضول اور راجح و مرجوح
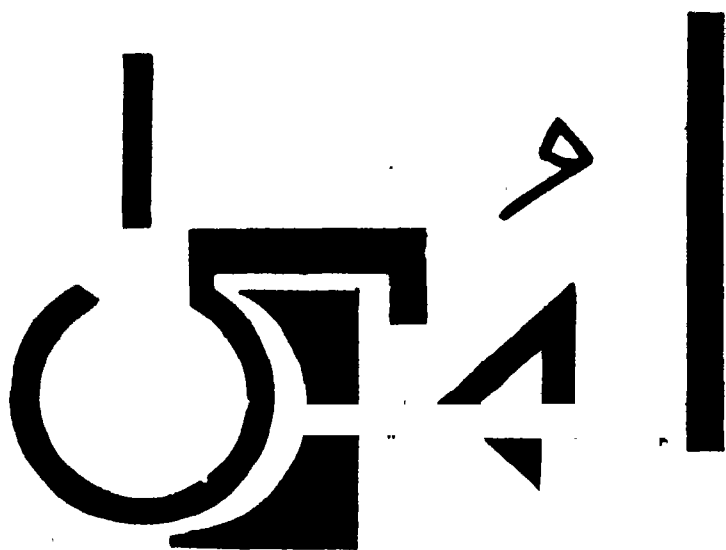
یعنی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے

مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب

کے دروس جو

پاکستان ٹیلیویژن

پر اپریل ۸۱ء تا جون ۸۲ء نشر ہوتے

پاکستان ٹیلی ویژن کے ارباب حل وعقد سے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کو ٹی وی پر نشر کرنے کے لئے آغاز میں مرکزی انجمن کی جانب سے خط وکتابت ہوئی تھی۔جس میں اس منتخب نصاب کے تمام مقامات کے مضامین کا خلاصہ بھی درج کیا گیا تھا۔ صدر مملکت محترم جناب محمد ضیاء الحق صاحب نے اس میں ذاتی دلچسپی بھی لی۔ نتیجتہً اس نصاب کو ہر ہفتہ ٹیلی کاسٹ کرنے کی ارباب ٹیلی ویژن کی جانب سے منظوری آگئی۔گویا اس منظوری میں یہ مفاہمت (Understanding) اپنے آپ شامل تھی کہ یہ پورا نصاب ٹی وی پر نشر ہوگا۔چنانچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۸۱ء سے ہر ہفتہ "الھُدیٰ" کے ٹائٹل کے تحت اس کا آغاز ہوگیا۔

لیکن پھر یہ بوالعجبی وقوع پذیر ہوئی کہ جولائی ۱۹۸۲ء سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو کوئی پیشگی اطلاع دیئے بغیر اچانک اس کو اس وقت بند کر دیا گیا جبکہ یہ نصاب نصف کے بقدر نشر ہوا تھا۔اس پروگرام کو جو قبول عام حاصل ہوا، اس سے ٹی وی کے تمام ناظرین بخوبی واقف ہیں۔اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس کو عوام سے خواص تک ہر طبقے کے لوگ بڑے ذوق وشوق سے صرف پاکستان ہی میں نہیں دیکھتے اور سنتے تھے بلکہ بھارت (مشرقی پنجاب) میں بھی دیکھتے اور سنتے تھے۔اس پروگرام کی اثر پذیری، افادیت، دلنشین اسلوب بیان اور دل پذیر انداز تخاطب کا ہر طبقہ معترف تھا۔تمام دانشوروں کی رائے تھی کہ اس طرح قرآن حکیم کی دعوت اور اس کا پیغام نہایت مؤثر انداز میں خلق خدا تک پہنچ رہا ہے۔اور اذہان وقلوب میں نفوذ کر رہا ہے۔لیکن شاید ٹی وی کے ارباب اختیار کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ قرآن فہمی کا یہ پُر تاثیر پروگرام لوگوں کے اذہان وقلوب کو مسخر کرکے ان میں اسلام پر عمل پیرا ہونے کا جذبۂ صادق بیدار کرنے کا ذریعہ بن جائے اس لئے انہوں نے اس کو بند کرکے لوگوں کو ایک بڑے خیر سے محروم کر دیا۔بہرحال اس پروگرام کو چونکہ ٹیپ کر لیا گیا تھا چنانچہ اُسے کیسٹ سے منتقل کرکے میثاق میں ان شاءاللہ بالاقساط پیش کیا جاتا رہے گا۔اس طرح منتخب نصاب کا سورۃ الحجرات تک ایک خلاصہ تیار ہو جائے گا۔ان شاءاللہ العزیز (ادارہ)

لوازمِ نجات

سُورۃ العصر کی روشنی میں

پہلی نشست

السّلام علیکم، نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم - امّا بعد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ -

سامعینِ کرام اور معزز ناظرین! آج ہم اللہ کے نام سے "الھُدٰی" یعنی قرآن حکیم کے ایک منتخب نصاب کا درس شروع کر رہے ہیں۔ اس نصاب میں قرآن مجید کے جو مقامات شامل ہیں اور ان کے انتخاب میں جو امور پیش نظر رہے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ قرآن کے جو اہم مضامین ہیں یعنی جو اس کے Main Themes ہیں ان کے ساتھ آپ کا تعارف ہو جائے - نیز قرآن حکیم کا اپنا مخصوص طرزِ استدلال ہے وہ بھی آپ کے سامنے آ جائے - لیکن ان سے بھی بڑھ کر جو چیز پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ دین کا ایک صحیح اور جامع تصور سامنے آئے اور بالخصوص ہمارے جو دینی فرائض ہیں، بحیثیتِ مسلمان ہماری جو ذمہ داریاں ہیں ان کا ایک واضح شعور اجاگر ہو جائے - یہی وجہ ہے کہ اس منتخب نصاب کا نقطۂ آغاز 'سورۃ العصر' کو قرار دیا گیا - اگرچہ بعض دوسرے اعتبارات سے

قرآن مجید کی دوسری سُورتیں نہایت اہم ہیں - مثلاً قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کی نہایت جامع تعبیر کے اعتبار سے سُورۃ الفاتحہ ہے جسے اُمّ القرآن کہا گیا، اساس القرآن کہا گیا - اسی طریقہ سے ایمانیات کے ضمن میں جو اہم ترین ایمان ہے یعنی ایمان باللہ - اس کے متعلق توحید اور خلوص و اخلاص کے موضوع پر سُورۃ الاخلاص جس قدر جامع ہے وہ اس بات سے واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ثلثِ قرآن قرار دیا ہے - یعنی یہ سورۃ مبارکہ ایک تہائی قرآن کے مساوی ہے - لیکن اس میں بھی ظاہر ہے کہ دین کا صرف ایک پہلو سامنے آتا ہے اور وہ ہے اعتقادی - اور اعتقادات میں سے بھی بالخصوص توحید - لیکن سُورۃ العصر کا معاملہ یہ ہے کہ دین کے جو عملی پہلو ہیں یعنی از روئے قرآن حکیم فوز و فلاح کے جو لوازم اور شرائط ہیں، ان کے بیان میں یہ سُورۃ مبارکہ انتہائی جامع ہے - لہٰذا اس منتخب نصاب کا نقطۂ آغاز سُورۃ العصر ہے - آئیے اب اس سُورۃ مبارکہ کا مطالعہ شروع کریں، فرمایا :

وَالْعَصْرِ ۝ زمانہ کی قسم ہے - اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ یقیناً تمام انسان بہت بڑے خسارے میں ہیں - اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا - سوائے اُن کے جو ایمان لائے - وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ - اور انہوں نے نیک کام کئے - وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ - اور انہوں نے باہم ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی - وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ اور انہوں نے باہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی - میں تمہیداً یہ بات عرض کر دوں کہ فہم قرآن کے دو درجے ہیں - جن کی طرف قرآنِ مجید ہی میں اشارہ کیا گیا ہے - ایک ہے 'تذکّر بالقرآن' - قرآن حکیم کے ذریعہ نصیحت اخذ کرنا - جو اس کا اصل سبق ہے وہ حاصل کر لینا - دوسرا ہے 'تدبر قرآن' - قرآن حکیم کی حکمتوں کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنا بقولِ علامہ اقبال مرحوم ؏
قرآن میں غوطہ زن ہو اے مردِ مسلماں - تذکّر بالقرآن کے اعتبار سے قرآن حکیم ایک نہایت سلیس اور ایک نہایت آسان کتاب ہے - سُورۃ القمر میں چار مرتبہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (آیات: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰) — "ہم نے اس قرآن کو ذکر کے لئے، نصیحت کے لئے سبق آموزی کے لئے بہت آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی جو اس سے نصیحت اخذ کرنا چاہے۔؟" لیکن جہاں تک تدبرِ قرآن کا تعلق ہے وہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کی گہرائیاں اتھاہ ہیں۔ لہٰذا اس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنے کے لئے واقعہ یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی وقف کر دے تب بھی وہ کبھی یہ محسوس نہیں کر سکے گا کہ اس نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

آج پہلی نشست میں ہم اس سُورۃ العصر پر بطریق تذکّر غور کریں گے اور اس کے لئے میں چاہوں گا کہ چار بنیادی باتیں اس سورہ مبارکہ کے بارے میں آپ بطور تمہید ذہن نشین فرمالیں۔

سب سے پہلی تمہیدی بات یہ کہ یہ قرآن حکیم کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے۔ یہ کُل تین آیات پر مشتمل ہے اور اس کی بھی پہلی آیت صرف ایک لفظ پر مشتمل ہے — وَالعصر — قرآن حکیم میں تین ہی سورتیں ہیں جو تین تین آیات پر مشتمل ہیں۔ ایک یہ سُورہ مبارکہ، دوسری سورۃ الکوثر اور تیسری سُورۃ النصر — تین سے کم آیات پر کوئی سورت مشتمل نہیں ہے۔

دوسری تمہیدی بات یہ کہ نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی اوّلین سُورتوں میں سے ایک ہے — نوٹ کیجئے کہ میں نے ابتک دو باتیں عرض کیں۔ پہلی یہ کہ یہ سورت قرآن حکیم کی مختصر ترین سُورتوں میں سے ایک ہے دوسری یہ کہ یہ سورت قرآن مجید کی اوّلین سورتوں میں سے ایک ہے۔۔ لیکن تیسری بات کے ضمن میں میں اسلوب بدل رہا ہوں۔

تیسری تمہیدی بات یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ قرآن حکیم کی جامع ترین سورت ہے۔ میں نے جامع ترین سُورتوں میں سے ایک سورت نہیں کہا۔ بلکہ یہ کہا کہ یہ جامع ترین سُورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا موضوع ہے انسان کی ہدایت — یہ "الھُدیٰ" ہے انسان کے لئے رہنمائی یہ اس کا اصل مضمون ہے — یہ نہ فلسفے

کی کتاب ہے، نہ سائنس کی کتاب ہے، نہ تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب ہے - بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے - ھُدًی للنّاس ہے - اور جو رہنمائی اس میں ہے اور انسان کی کامیابی کے جس راستے کی طرف یہ رہبری کرتی ہے - اس کا خلاصہ، اس کا لبِّ لباب نہایت جامعیت کے ساتھ اس سُورہ مبارکہ میں موجود ہے - اس کی ایک تعبیر میں یوں بھی کیا کرتا ہوں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پورا قرآن مجید ایک درخت کے مانند ہے اور یہ چھوٹی سی سورت اُس کا بیج ہے اور جس طرح ایک بیج میں پورا درخت پنہاں ہوتا ہے، اسی طرح سُورۃ العصر میں پورا قرآن حکیم موجود ہے -

یہی وجہ ہے کہ ہم کو ایک اثر ملتا ہے کہ صحابہؓ کرامؓ کو بھی اس سُورۃ مبارکہ سے ایک خصوصی شغف حاصل تھا - اس اثر کو امام طبرانیؒ اپنی "معجم الاوسط" میں اور امام بیہقی اپنی تالیف "شعب الایمان" میں لاتے ہیں - جس میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ :- "عن ابی مدینۃ الدارمی رضی اللہ تعالٰی عنہ : قال کان الرجلانِ من اصحابِ النبی صلّے اللہ علیہ وسلّم اذا التقیا لم یتفرّقا حتّٰی یقرأ احدُھما علی الاٰخرِ سورۃ العصرِ ثُمَّ یُسلّمُ احدُھما علی الاٰخرِ" - اس کا ترجمہ یہ ہے کہ " حضرت ابو مزینہ دارمیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے دو حضرات جب باہم ملاقات کرتے تو اس وقت تک ایک، دوسرے سے جدا نہ ہوتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کو سورہ العصر نہ سنا لیتا - اس کے بعد ہی ان میں سے ہر ایک دوسرے کو (الوداعی) سلام کہتا "

ائمۂ اربعہ میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعض اعتبارات سے بڑا اونچا مقام ہے - اس سورۃ مبارکہ کے بارے میں انکے دو قول ملتے ہیں، ایک وہ جو حافظ ابن کثیرؒ نے اس سُورت کی تفسیر کے ضمن میں نقل کیا ہے - یہ کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ : لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ لَوَسِعَتْھُمْ " اگر لوگ صرف اس ایک سورت پر تدبّر کریں، غور و فکر کریں غوطہ

زنی کریں تو یہ ان کی پوری رہنمائی اور کامل ہدایت کے لئے کافی ہوجائے گی۔"
دوسرا قول مفتی محمد عبدہٗ مرحوم نے اپنی تفسیر پارہ عم میں نقل کیا ہے اس کی رو سے
امام شافعیؒ نے اس سورہ مبارکہ کے متعلق فرمایا کہ: "لَوْ لَمْ یُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْآنِ
سِوَاهَا لَکَفَتِ النَّاسَ" "اگر قرآن میں سوائے اس ایک سورت کے کچھ بھی
نازل نہ ہوتا تو صرف یہ سورت ہی لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کافی تھی۔"
— جب ہم اس سورۃ مبارکہ پر غور کریں گے تو واقعہ یہ ہے کہ انسان کے نزدیک
فلاح، اس کی نجات، اس کی کامیابی اور کامرانی کے جتنے لوازم ہیں، اس کی جتنی
شرائط ہیں ان کو نہایت جامعیت اور انتہائی منطقی ربط کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ
میں سمو دیا گیا ہے۔

چوتھی اور آخری تمہیدی بات یہ ہے کہ یہ سورہ مبارکہ قرآن حکیم میں "سہل
ممتنع" کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر زبان کے ادب میں سب سے
اعلیٰ شاہ پارہ اُن کو سمجھا جاتا ہے۔ جن میں زبان آسان ہوتی ہے لیکن مضامین
بلند ادا ہوتے ہیں۔ بھاری بھرکم الفاظ کے ذریعہ سے بلند مضامین کو ادا کر لینا آسان
ہے لیکن سہل اور آسان زبان میں بلند اور اعلیٰ مضامین کو بیان کرنا بہت مشکل ہے
چنانچہ سہل ممتنع ہونے کے اعتبار سے سورۃ العصر نقطہ عروج پر ہے۔ اس میں کوئی
لفظ مشکل نہیں آیا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ان تمام الفاظ سے عام اُردو داں شخص
بھی بخوبی واقف ہے۔ ہمارے یہاں جو کتابی اُردو ہے اس میں یہ تمام الفاظ
مستعمل ہیں۔ "العصر، عصرِ حاضر، عصرِ رواں، ہم عصر لوگ ہم بولتے اور سمجھتے
ہیں۔ "انسان، خسارہ، یا "خسران"۔ ایمان، عمل، صالح" یہ تمام الفاظ بھی ہمارے
یہاں معروف و مشہور ہیں۔ ان کا مفہوم اور ان کے معنی ہر معمولی پڑھا لکھا شخص
بھی جانتا ہے۔ صرف ایک لفظ ہے جس کو سمجھنے میں کچھ دقت ہو سکتی ہے اور
وہ "تَوَاصَوْا" ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ لفظ "وصیت" سے بنا ہے تو یہ اُردو
زبان ہی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں نہایت تاکیدی نصیحت"۔ پھر "حق" اور
"صبر" کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو ہمارے لئے نامانوس ہو۔

اب میں چاہوں گا کہ آپ حضرات اس سُورہ مُبارکہ کو اپنے سامنے بحیثیت کُل رکھئے - اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رہے کہ اگرچہ اس کی آیات تین ۳ ہیں - لیکن قواعد کی رُو سے یہ ایک ہی جملہ ہے - ایک Sentence ہے اور اس میں نہایت سلیس انداز اور اسلوب سے ایک مضمون سامنے آ رہا ہے - جس کو آپ ایک Simple statement سے تعبیر کر سکتے ہیں — پہلی آیت میں ایک قسم ہے ' وَالْعَصْرِ - اب ظاہر بات ہے کہ جب تک قسم کے بعد یہ بات سامنے نہ آئے کہ قسم کس بات پر کھائی گئی تو بات پوری نہیں ہوتی — آخری آیت میں ایک استثناء (Exception) ہے : اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ استثناء کے ساتھ جب تک مستثنیٰ منہ نہ ہو کہ کون سی بات ہے جس سے استثناء کیا جا رہا ہے تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی - توجب پہلی آیت کو دوسری آیت کے ساتھ جوڑیں گے تو بات مکمل ہو گی اور تیسری آیت بھی درمیانی دوسری آیت کے ساتھ ملحق ہو گی تو تب اس کا مفہوم واضح ہوگا - اس اعتبار سے جملہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ : -

" زمانے کی قسم ہے کہ تمام انسان بہت بڑے خسارے میں ہیں ماسوا ان کے جو ایمان لائے - اور انہوں نے نیک عمل کئے اور انہوں نے باہم ایک دوسرے کو حق کی نصیحت و تلقین کی اور انہوں نے باہم ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی "

اس ترجمے کو ایک جملے کی حیثیت سے اپنے سامنے رکھئے اور اب میں چاہوں گا کہ چار نتائج آپ اس سے اخذ کریں - اور ان شاء اللہ آپ کو ایسا محسوس ہو گا جیسے وہ بالکل سامنے کی بات ہے -

اس سے پہلا نتیجہ تو یہ سامنے آتا ہے کہ اس سُورہ مُبارکہ میں انسان کی کامیابی و ناکامی کا ایک معیار بیان ہو رہا ہے - اسکی اہمیت پر آپ خود غور کرلیں کہ انسان کی ساری بھاگ دوڑ، تگ و دو، اسکی سعی و جہد اسکی کوشش درحقیقت

اس کے کسی تصورِ کامیابی پر مبنی ہوتی ہے - کوئی نہ کوئی اس کے سامنے معیار (Ideal) ہوتا ہے - ہر شخص کامیابی سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے - لیکن کامیابی کے تصورات میں فرق و تفاوت ہوگا - یہاں اس سورۃ مبارکہ میں خسارے سے بچنے اور کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کا ایک تصور آ رہا ہے - وہ یہ کہ خسارے سے بچنے والے صرف وہ لوگ ہیں کہ جن میں یہ چار شرطیں موجود ہوں - ایمان - عمل صالح تواصی بالحق اور تواصی بالصبر -

دوسرا نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ یہاں کامیابی کے اعلیٰ مراتب کا ذکر نہیں ہے بلکہ کامیابی کا جو سب سے کم سے کم یعنی Minimum درجہ ہے یا یوں کہیے کہ جو اسکے کم سے کم لوازم ہیں، اُن کا بیان ہے - اس لئے کہ اگر مضمون یہ ہوتا کہ زمانے کی قسم ہے کہ وہ لوگ بہت اعلیٰ و ارفع مراتب حاصل کریں گے جن میں یہ چار شرطیں موجود ہوں تو منطقی طور پر ایک امکان باقی رہتا کہ جن میں یہ چاروں بالفعل نہ ہوں، ان کو اعلیٰ مراتب حاصل نہ ہوں - لیکن کسی درجے میں کم سے کم سطح پر کامیابی حاصل ہو سکے گی - مگر چونکہ یہاں اسلوب یہ ہے کہ : وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں تو کامیابی کے ناگزیر لوازم کا بیان ہو رہا ہے - ایک مرتبہ میں ایک درس گاہ میں یہ مضمون بیان کر رہا تھا تو میں نے طلباء کی مناسبت سے اس کو یوں ادا کیا کہ Distin-ction یعنی امتیازی طور پر کامیابی کا بیان نہیں ہے یہ فرسٹ ڈویژن یا سیکنڈ ڈویژن کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہاں تو کامیابی کی آخری اور بنیادی سطح یعنی Pass Pecentage کا ذکر ہو رہا ہے - یہاں فوز و فلاح اور نجات و کامیابی کے ناگزیر لوازم بیان ہوئے ہیں -

تیسرا نتیجہ — اور وہ بہت اہم بات ہے — وہ یہ کہ یہاں قرآن حکیم انسان کی فلاح و کامیابی کو چار شرائط سے مشروط کر رہا ہے - ایمان، عمل صالح

تواصیؔ بالحق اور تواصیؔ بالصبر — پس معلوم ہوا کہ یہ چاروں چیزیں لازمی ہیں ۔ اتنی مختصر سورت! — لیکن چار شرائط کا بیان — اس سے آپ آپ اس بات کی طرف رہنمائی ہو رہی ہے کہ ان میں سے ہر شرط اپنی جگہ ناگزیر ہے ۔ ویسے بھی آپ غور کریں کہ اگر کوئی حکیم، کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو نسخہ لکھ کر دے اور اس میں چار ادویہ تجویز کی گئی ہوں اور مریض اس میں سے ایک یا دو کو اپنی مرضی سے ساقط کر دے تو بالکل منطقی طور پر یہ بات سامنے آئے گی کہ اب یہ نسخہ اس حکیم اور ڈاکٹر کا نہیں جس نے اسے تجویز کیا تھا ۔ اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے بلکہ جس نے اس میں ترمیم کی ہے، اب اس کی ذمہ داری اُسی پر ہے ۔ قرآن حکیم بلکہ بہ الفاظ صحیح اللہ تعالےٰ انسان کی کامیابی کے لئے اور خسران سے بچنے کے لئے چار شرائط بیان فرمارہے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ کسی کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ کسی ایک شرط کو بھی ساقط کر سکے ۔

چوتھا اور آخری نتیجہ یہ کہ یہاں انداز و اسلوب بیان نہایت تاکیدی ہے ۔ وقت نہیں ہے ورنہ میں آپ کو تفصیل سے بتاتا کہ عربی زبان میں تاکید کے جتنے اسلوب ممکن ہیں وہ اس سورۃ مبارکہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں ۔ یہی قرآن حکیم کا اعجازِ بیان ہے کہ جس کے آگے عرب کے بڑے بڑے شعراء اور خطباء نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے ۔ کتنی چھوٹی سی سورت ہے ۔ لیکن عربی زبان میں کسی بات پر زور دینے اور تاکید کے جتنے اسلوب بھی ممکن ہیں، وہ سب یہاں جمع ہو گئے ہیں — بات قسم سے شروع ہوئی ۔ پھر حرفِ تاکید اِنَّ آیا ۔ مزید حرف تاکید لام آیا ۔ لَفِی ۔ پھر خُسْرٍ نکرہ کی شکل میں آیا یہ اس کی تفخیم ہے ۔ پھر جملہ اسمیہ ہے جس میں تاکید زیادہ ہوتی ہے ۔ الغرض جتنے بھی تاکید کے اسلوب ہیں، ان کو یہاں جمع کر دیا گیا تاکہ کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے ۔ اوّل تو یہ اللہ کا کلام ہے ۔ مستند ہے ان کا فرمایا ہوا — وہ قسم نہ بھی کھائے تب بھی اس کی ہر بات، ہر لفظ، ہر حرف اور ہر شوشہ اٹل ہے ۔ لیکن ہمارے

نوں کے مطابق، ہماری تفہیم کے لئے، ہمارے قلوب پر اثر ڈالنے کے لئے
تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں تاکید کے تمام اسلوب جمع فرما دیئے ہیں -
اب میں چاہوں گا کہ جو باتیں میں نے آج کی اس نشست میں بیان کی
، ان کے ضمن میں کوئی وضاحت درکار ہو تو دریافت فرمائیے، میں انشاء اللہ
پیش کر دوں گا -

اس نشست کے شرکاء کی طرف سے جو سوالات ہوئے - اور ڈاکٹر صاحب
موصوف نے ان کے جو جوابات دیئے - وہ حسب ذیل ہیں :-

سوال : ڈاکٹر صاحب ! قسم کسی عظیم ترین چیز کی کھائی جاتی ہے اور
مد سے زیادہ عظیم کوئی نہیں ہے - صرف وہی العظیم ہے - تو یہاں زمانے کی قسم
سے بات شروع ہونے سے کیا مراد ہے ؟

جواب :- قسم کا اصل مفاد شہادت ہوتا ہے - کسی چیز کو گواہی میں پیش
رنا - ہم جب کسی وعدے پر یا کسی بات پر اللہ کی قسم کھاتے ہیں تو اس کے
نی یہ ہوتے ہیں کہ میری اس بات پر اللہ گواہ ہے - یا میرے اس قول یا وعدے
اللہ گواہ ہے - یہی وجہ ہے کہ ہم جب قسم کھائیں گے تو کسی عظیم ہستی کی کھائیں
لے جب ہی اس میں کوئی معنی پیدا ہوں گے - لیکن چونکہ اللہ سے عظیم تر تو کوئی نہیں
ذا ہمیں تو کسی اور چیز کی قسم کھانے سے نبی اکرمؐ نے روک دیا ہے — البتہ
عالیٰ نے قرآن حکیم میں جو قسمیں کھائی ہیں ان میں عظمت کا پہلو نہیں ہوتا
ن میں صرف شہادت کا پہلو ہوتا ہے - جب ہم اس کا بامحاورہ ترجمہ کریں گے
وہ ہوگا "زمانہ گواہ ہے" - اور میں ان شاء اللہ العزیز آئندہ ہفتے کے پروگرام
ں یہ عرض کروں گا کہ اس سورہ مبارکہ میں زمانہ کی گواہی کن کن اعتبارات سے
یش کی گئی ہے -

سوال : ڈاکٹر صاحب ! جب ہم قرآن مجید کے مضامین کا مطالعہ کرتے ہیں
یہ نظر آتا ہے کہ اکثر سورتوں یا آیتوں کی کوئی شانِ نزول ہوتی ہے - تو کیا اس

سُورت کی بھی کوئی خاص شانِ نزول ہے ؟ یا یہ جامعیات میں آتی ہے ؟ -

جواب : اس سُورۃ مبارکہ کی کوئی خاص شانِ نزول نہیں ہے - عام طور پر شانِ نزول ان سُورتوں یا آیتوں کی ہوتی ہے - جن میں دورِ نبویؐ کے کسی واقعہ پر تبصرہ ہوتا ہے - لہذا ان سُورتوں یا اُن آیات کا صحیح فہم حاصل کرنے کے لئے اُن کا جو واقعاتی پس منظر ہے اس سے بڑی مدد ملتی ہے - اسی لئے ایسے واقعات کی بالخصوص تحقیق تفتیش ہوتی ہے - لیکن اِس سُورہ مبارکہ کے متعلق تو یوں سمجھئے کہ یہ ایک آفاقی صداقت (Universal Truth) ایک ابدی حقیقت' ایک لازوال سچائی ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے - اس کیلئے کسی واقعاتی پس منظر کی ضرورت ہے ہی نہیں - اس سورت میں چونکہ انسان کو اس کی ذمہ داریوں پر متنبّہ (Warn) کرنا مقصود ہے لہٰذا عمل صالح کے اندر جو کچھ مضمر ہے اُسے یہاں مزید کھول دیا گیا ہے - عمل صالح کی بعض چیزیں تو اظہر من الشمس ہیں - جیسے نیکی، خیر، خدمتِ خلق، رفاہ عام، صدقات، حسنات - ارکان اسلام (نماز زکوۃ حج روزہ) وغیرہ وغیرہ - لیکن جان لو اُسی میں تواصی بالحق بھی اور اُسی میں تواصی بالصبر بھی شامل ہے - بہرحال اس سورہ مبارکہ پر جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا آئندہ مزید گفتگو ہوگی - تو اِن شاء اللہ آئندہ نشستوں میں ہم اس سُورت کے بعض اور مضمرات کو کھول کر سمجھنے کی کوشش کریں گے -

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

بِاسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ

اصلاحِ مُعاشرہ کا قرآنی تصوّر

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

—————(گزشتہ سے پیوستہ)—————

میں نے عرض کیا تھا انسان کے بنیادی جذبات میں دوسرا منفی جذبہ ہے۔ اور وہ خوف کا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سب لوگ محبت کے رمز آشنا نہیں ہوتے۔ ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ اکثر کے بارے میں یہ محاورہ بالکل راست ہوگا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ اور بمصداق اس کے کہ ع نوا را تلخ تر می زن کہ ذوق نغمہ کمیابی۔ ہر کس و ناکس میں ذوقِ نغمہ نہیں ہوتا۔ تلخ نوائی کی ضرورت پڑتی ہے — خشونت کی بھی، دھمکی کی بھی، وعید کی بھی ڈر کی بھی خوف کی بھی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ لوگوں کی اکثریت اسی سطح پر ہوتی ہے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ کسی معاشرے کے رُخ کو متعین کرنے والی تو وہ اقلیت ہوتی ہے جو محبت کے رمز آشنا ہو اور اسی محبت کے مثبت جذبے سے سرشار ہو کر عمل کے میدان میں آئے۔ معاشرے کا رُخ یہی لوگ متعین کرتے ہیں۔ لیکن عوام کی عظیم اکثریت کے لیے دوسرے منفی محرک کی بھی ضرورت ہے اور وہ ہے خوف کا جذبہ — اب دیکھنا چاہیے کہ دنیا میں رائج الوقت انسانی ذہن کے بنائے ہوئے نظام ہائے فکر و عمل میں اس خوف کے جذبے کو کس طرح بروئے کار لایا گیا ہے! — یہ نظام ہم سب کے سامنے ہے۔ یہ تعزیرات اور قوانین ہیں یہ جیل ہے۔ یہ پولیس ہے۔ یہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ہیں۔ یہ عدالت ہے۔ یہ پھانسی گھر اور گیس چیمبرز ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں —؟ یہ اسی خوف کے جذبے کے لیے تادیب و تعزیرات اور احتساب کے نظام کے مظاہر ہیں ACCOUNTABILITY ہے۔ AUDIT ہے۔ جواب دہی اور محاسبہ ہے۔ پوچھ گچھ ہے۔ تفتیش ہے۔ گرفتاری ہے۔ مقدمہ ہے۔ سزا و تعزیر ہے۔ جیل اور پھانسی ہے۔ الغرض تادیب و تعزیر یہ پورا نظام

اسی خوف کے منفی جذبے کو بروئے کار اور زندہ و تازہ رکھنے ہی کے لیے ہے۔ تاکہ جو لوگ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر برائی اور غلط کام سے نہ رک پائیں، ان کو غلط کاری سے باز رکھنے کے لیے خوف کے طور پر سزا کا یہ نظام موجود ہے ! ۔ اسلام نے اس کو بھی اختیار اور EMPLOY کیا ہے۔ اور بڑی شدت سے کیا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح اس کو استعمال کیا ہے، موجودہ دنیا اس کو اس طرح استعمال کر بھی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ متمدن ترین ممالک میں جرائم کا معاملہ کنٹرول میں نہیں آرہا اور بڑے سنگین اور دہشت ناک نوع کے جرائم کا ارتکاب یورپ بالخصوص امریکہ میں عام ہو رہا ہے اور ان میں کمی کے بجائے روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرائم کے لیے اسلام نے جو حدود و تعزیرات اور سزاؤں کے ضوابط رکھے ہیں۔ وہ بڑے شدید ہیں [1]۔ جس کے باعث جو لوگ اسلامی سزاؤں میں شدت کے اصل و اساسی فلسفہ اور حکمت کو سمجھ نہیں پاتے وہ ان کو وحشیانہ و بہیمانہ سزائیں قرار دے دیتے ہیں۔ اسلام میں سزاؤں میں شدت فاطر فطرت نے دراصل عبرت پذیری کے لیے رکھی ہے۔ لہذا ان کو درحقیقت عبرتناک سزائیں کہنا صحیح ہو گا۔ اور اس کی اصل حکمت یہی ہے کہ لوگ عبرت پکڑیں اور جرائم سے باز رہیں۔ ساتھ ہی اسلام چونکہ عادلانہ نظام کا علمبردار ہے لہذا اس میں شک کا فائدہ مُلزَم کو پہنچتا ہے۔ جس کو عام طور پر مُلزِم کہا جاتا ہے جبکہ صحیح لفظ مُلزَم ہے۔ یعنی وہ شخص جس پر الزام لگایا گیا ہو۔ تو یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ دنیا میں اسلام ہی وہ ضابطۂ حیات ہے جس نے دنیا کو اس اصول سے متعارف کرایا۔ کہ شک کا فائدہ مُلزَم کو ملے گا۔ اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو اس حد تک ہے کہ "شک کا فائدہ اٹھا کر سو مجرم چھوٹ جائیں، کوئی حرج نہیں ہے لیکن کسی بے گناہ کو سزا نہ ہو جائے۔" موجودہ دُنیا میں مُلزَم کو شک کا فائدہ دینے کا جو اصول رائج ہے یہ درحقیقت ابتداءً رحمۃ للعالمین ہی کا عطا کردہ (INITIATED) ہے۔ یہ اصُول بھی حضور ہی کا دیا ہُوا ہے کہ جب تک

---

[1] یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں جہاں شریعت کی حدود و تعزیرات جاری ہیں۔ جرائم کا تناسب تمام ممالک کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔

دونوں فریقوں کی بات نہ سن لو، فیصلہ نہ کرو۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ دونوں کو
جائے اور ثبوت یا تردید اور صفائی کا فریقین کو پورا موقع دیا جائے۔ یہ اصول کہ
نے مرحمت کیا کہ بارِ ثبوت مدّعی پر ہے۔ مدّعا علیہ پر نہیں ہے۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ
چیز "میری ہے" تو مجھے ثابت کرنا ہوگا کہ جس چیز کی ملکیت کا دعویٰ ہے فی الحقیقت و
میری ہے۔ جس شخص کے قبضے میں میری کوئی چیز ہے اس سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ
ثابت کرے کہ وہ چیز اس کی ہے۔ اگر مدعی ایسا ثبوت یا معتبر شہادت پیش کرنے سے
قاصر ہو تو زیادہ سے زیادہ مدعا علیہ سے قسم لے کر مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ آں جناب رض
کی ایک زرہ چوری ہو گئی تھی جو ایک یہودی کے قبضے میں پائی گئی۔ حضرت علی رض نے
قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ قاضی نے ثبوت طلب کیا۔ حضرت علی رض نے
شہادت میں اپنے صاحبزادے حضرت حسن رض اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ لیکن قاضی
شریح نے اس بنیاد پر مقدمہ خارج کر دیا کہ باپ کے حق میں بیٹے کی اور آقا کے حق میں
غلام کی گواہی اسلام میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ حالانکہ ذاتی طور پر وہ جانتے تھے
خلیفہ وقت دامادِ نبی اور گواہ جھوٹ نہیں بول رہے۔ لیکن انصاف کے لیے جو شرائط
ہیں ان کو حضرت علی رض پورا نہ کر سکے۔ یہ عادلانہ بات دیکھ کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا
یہ سارے اصول جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ ہیں۔ لیکن جب ملزم پر
ان ساری رعائتوں کے باوصف جرم ثابت ہو جائے تو اب اس کو سزا انتہائی شدید ملنی
چاہیئے تاکہ ایک کو سزا ملے اور لاکھوں افراد تھرا اُٹھیں اور ان کو عبرت حاصل ہو۔
قرآن مجید میں تو یہ فلسفہ قتال کے لیے بھی استعمال کیا ہے سورۂ انفال میں فرمایا
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ (آیت ۵۷) "پس اگر (معاہدہ توڑنے والے) کفار تم
کو جنگ میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو تا کہ ان کے پیچھے بیٹھے (معاہدہ توڑتے اور جنگ
کی ترغیب دینے والے) لوگ حواس باختہ ہو جائیں۔" ہوتا یہ تھا کہ دعوتِ اسلامی
پھیلنے کے لیے عوام الناس کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے بڑے بڑے سرداران اور
چودھری پیچھے بیٹھے سازشیں کیا کرتے تھے جن میں یہودیوں کے سردار پیش پیش رہتے

تھے بلکہ اصل سازشی لوگ یہی تھے۔ دوسروں کی حیثیت تو اکثر کٹھ پتلیوں کی ہوتی تھی۔ یہود ہی ان کو ورغلاتے اور حملہ کے لیے بلاتے تھے چونکہ وہ حبِ دنیا کی وجہ سے انتہائی بزدل ہو چکے تھے۔ وہ خود کھلے میدان میں نکل کر مردانہ وار جنگ کرنے کی جرأت ہی نہیں کرتے تھے۔ ان کی اس بزدلی پر قرآن مجید میں بایں الفاظ تبصرہ کیا گیا ہے:

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ ط "(اے مسلمانو!) یہ یہود تم سے کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے، لڑیں گے بھی تو قلعہ بند گڑھیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر (چھاپہ مار جنگ کی صورت میں)" (الحشر) اسی لیے حکم دیا گیا اے مسلمانو! جو کفار حملہ آور ہو کر جنگ کے لیے آتے ہیں ان کی ایسی سرکوبی کرو اور درگت بناؤ کہ ان کے پیچھے بیٹھے جو لوگ سازشیں کرتے رہتے ہیں ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں اور ان کو سبق مل جائے ۔۔۔ تو جنگ کا معاملہ بھی یہی ہے اور حدود و تعزیرات اور سزا کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اس کو دنیا چاہے وحشیانہ سزائیں کہہ لے۔ بڑی ہی وحشیانہ سزائیں کہہ لے۔ بلاشبہ اسلام کی حدود شدید ترین ہیں۔ چونکہ ان کی حکمت عبرت پذیری اور سبق آموزی ہے۔ پھر یہ اصول بھی رکھا گیا ہے کہ ان حدود کو بر سرِ عام نافذ کیا جائے۔ چونکہ پائیدار عبرت اسی طور پر حاصل ہو سکتی ہے۔ شادی شدہ مرد و عورت کے لیے زنا کی سزا رجم (سنگ ساری کے ذریعے ہلاک کرنا) حد ہے۔ اس بات کو چھوڑ دیجیے کہ اس بات کا حکم قرآن میں ہے یا نہیں کوئی بھی انصاف پسند شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حد قرار دیا ہے اور اپنے دورِ سعید میں اس حد کو جاری فرمایا ہے۔ خلفاءِ راشدین کے عہدِ زریں میں یہ حد جاری ہوئی ہے۔ تمام ائمہ و فقہاءِ امت کا اس پر اجماع ہے کہ رجم حد ہے۔ اس میں کمی بیشی ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ "تعزیرات" وہ سزائیں ہیں، جن میں حالات کے مطابق کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ گویا تعزیرات کا معاملہ ایک اسلامی مملکت میں لیجسلیچر (LEGISLATURE) کا میدان بھی ہے یعنی قرآن و سنت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ان جرائم کے علاوہ جو "حدود" کے دائرے کے اندر میں [illegible] تعزیرات مقرر کر سکے۔ حدود میں کمی بیشی کا کوئی مجاز نہیں ہے۔ شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا رجم "حد" ہے۔ سرقہ کی سزا قطع ید "حد" ہے۔ غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لیے [illegible]

کے ارتکاب پر سو کوڑے کی سزا "حد" ہے۔ قذف کی سزا کوڑے "حد" ہے۔ مرتد کی سزا "قتل" "حد" ہے ––– اور حکمتِ دین یہ ہے کہ ان تمام "حدود" کا نفاذ بر سرِ عام ہو، تاکہ معاشرہ واقعتاً ان سے عبرت پکڑ سکے اور سبق لے سکے۔

پس اسلام نے بھرپور طریقے پر حدود و تعزیرات کے ذریعے خوف کے منفی جذبے کو پیدا کرنے کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ لیکن اسلام دل میں جو اصل خوف قائم کرنا چاہتا ہے وہ خوف **خوفِ آخرت** ہے۔ دنیوی احتساب اور سزا سے بچنے کے اور اس خوف کے مضمحل ہونے کے بہت سے چور دروازے ہیں ––– CORRUPTION - عام ہو گئی ہے۔ پولیس ہے تو رشوت لینے والی۔ مجسٹریسی ہے تو رشوت لینے والی۔ پھر اثر و رسوخ اور سفارشات کا وسیع سلسلہ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ سارے خوف DILUTE ہو گئے۔ اوّل تو جرم میں پکڑے جانا ہی محلِ نظر ہے۔ اور اگر پکڑے بھی گئے تو – THERE IS MANY ASLEEP BETWEEN THE CUP AND THE LIP۔ بچ نکلنے کی بہت سی شکلیں ہیں۔ رشوت ہے، سفارش ہے، جھوٹی شہادتوں کا بندوبست ہے۔ یہ ہے اور وہ ہے۔ یہاں کبھی ہوتے تھے۔ اس میں میں نے ایک جملہ پڑھا تھا کہ:

ART. GLORY FREEDOM FAIL BUT NATURE'

STILL IS FAIR –

اسی طرح سمجھیے کہ دنیوی سارے خوف ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن آخرت کا حقیقی خوف دل میں ایک مرتبہ واقعی قائم ہو جائے تو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ یہ یقین کہ ایک آنکھ ہر وقت دیکھنے والی ہے۔ اس سے چھپنا قطعی ناممکن ہے۔ ایک عدالت ہے جہاں نہ کوئی سفارش ہے، نہ رشوت ہے نہ فدیہ ہے نہ دوستی کام آنے والی ہے۔ جہاں کوئی ساتھی اور مددگار نہیں ہو گا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بات بنی اسرائیل سے دو مرتبہ تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ فرمائی۔ چھٹے رکوع میں فرمایا:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

لہ حد جس کی جمع حدود ہے، دینی اصطلاح میں وہ سزائیں ہیں جو قرآن و سنت نے مقرر کر دی ہیں۔ (مرتب)

شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (آیت ۴۸)

اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا۔ نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول ہوگی۔ نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا۔ اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی۔

پھر آگے پندرہویں رکوع میں فرمایا:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (آیت ۱۲۳)

"اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا۔ نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔ نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو فائدہ دے گی اور نہ مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔"

پھر اسی سورہ بقرہ کے چونتیسویں رکوع میں اہلِ ایمان سے خطاب فرما کر اسی بات کا اعادہ کیا گیا، فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط (آیت ۲۵۴)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔"

اسی مقصد کے لیے میں نے آغاز میں سورہ علق کی تین آیات کی تلاوت کی تھی:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝

ان آیاتِ مبارکہ کی ترجمانی یوں ہوگی کہ "ہرگز نہیں۔ انسان سرکشی پر، تعدی پر اور عدوان پر

ظلم پر، دست درازی پر، آمادہ ہو ہی جاتا ہے۔ طغیٰ ہی سے لفظ طغیان اور طغیانی بنا ہے۔ آخر الذکر لفظ طغیانی اُردو میں کافی مستعمل ہے ع دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام۔ دریا اپنی حد میں ہے تو ٹھیک ہے۔ آگے نکل جائے تو یہی طغیانی ہے ۔
انسان اپنے حق پر قانع رہے، اپنی حد سے آگے نہ بڑھے تو یہ ہے عدل وانصاف اور صحیح رویّہ۔ اب اگر اپنے حق سے تجاوز کر کے کسی دوسرے کے حق پر منہ مارا اور دست درازی کی اور اپنی حد سے تجاوز کر کے کسی دوسرے کی حد میں دخل اندازی کی۔ تو یہ طغیانی ہے لہٰذا فرمایا: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۔ "ہرگز نہیں! انسان سرکشی اور طغیانی پر آمادہ ہو جاتا ہے"۔ کیوں؟ اس کا سبب اگلی آیت میں بیان ہوتا ہے۔ فرمایا: اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۔ "اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے"۔ مطلب یہ ہوا کہ بُرائی اور معصیت پر یہاں پکڑ نہیں ہوتی۔ میں نے جھوٹ بولا تو زبان پر چھالا بھی نہیں پڑا۔ میں نے کسی کو دھوکہ دیا تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ میں نے حرام طریقے سے حاصل کیا ہوا مال ہڑپ کیا تو مجھے بدہضمی بھی نہیں ہوئی بلکہ وہ رچ بس گیا۔ میں نے ناجائز ذرائع سے دولت کمائی، خوب رشوت لی اور رشوت دے کر اپنے حق سے زیادہ حاصل کیا ۔
کسانوں اور مزدوروں کا استحصال کیا اور اپنا STATUS بلند کیا۔ لیکن معاشرے میں میری بدنامی ہونا تو درکنار، میری شہرت، میری وجاہت، میری عزّت اور میرے وقار میں اضافہ ہی ہوا۔ لوگ مجھے جھک کر سلام کرتے ہیں ۔ یہ اس لیے کہ دنیا میں اخلاقی بُرائیوں کی پاداش کا قانون نافذ نہیں ہے۔ طبعی قانون (PHYSICAL LAW) وہ نافذ ہے۔ یہ وہ بات ہے جو انسان کو بداخلاقی پر اور سرکشی اور جائز حدود سے تجاوز کرنے پر آمادہ کر ہی لیتی ہے ۔ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کو اگلی آیت میں بیان فرمایا: اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۔ "یقیناً (انسان) کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے"۔ یہ یقین اگر قلب میں جاگزیں ہو جائے تو طغیانی اور سرکشی کیسے ہو؟۔ یہ معلوم ہو کہ سب کھایا پیا اُگلنا پڑے گا تو انسان حرام کیسے کھائے گا؟؟ یہ یقین ہو کہ زندگی کے تمام اعمال کا آخرت میں محاسبہ ہوگا۔ جواب دہی کرنی ہو گی تو انسان بے نیازی کا رویّہ کیسے اختیار کرے گا؟؟۔
یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ ایمان بالآخرت پر قرآن نے سب سے

زیادہ زور دیا ہے۔ ابتدائی مکی ساری سورتوں کا مرکز و محور انذار ہے۔ وہی بات کہ
نوارا تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کمیابی۔ تاکہ آخرت اور اس کے محاسبے کا خوف
انسان کے قلوب و اذہان میں پوری طرح جاگزیں اور ان پر مستولی ہو وہاں کی پکڑ
کا احساس اور جواب دہی کا استحضار رہے ۔ اسی خوف آخرت کے انذار کی کیفیت
ہی کا نقشہ مولانا حالی مرحوم نے اس شعر میں کھینچا ہے کہ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی　　عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ ربانی "قُمْ فَاَنْذِرْ" کی تعمیل میں وحی الٰہی
پیش کی جس میں دعوتِ توحید اور دعوتِ ایمان بالرسالت کے ساتھ انذارِ آخرت پر
سب سے زیادہ زور تھا اور اس پر ایمان لانے کی پُرزور اور پُرتاثیر دعوت تھی۔ قیامت،
میدانِ حشر، اور احتساب کے احوال اور شدائد کا انتہائی پُرتاثیر، پُرجلال، پُرہیبت،
اور دلوں کو لرزاں و ترساں کرنے والے بلیغ انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ جیسے :

اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ ۔ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ
يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ
فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ
رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ
هَاوِيَةٌ ۔ وَمَا اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ ۔"

"عظیم حادثہ ہے وہ۔ کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ وہ عظیم
حادثہ کیا ہے؟ وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور
پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اُون کی طرح ہوں گے۔ پھر جس کے
پلڑے بھاری ہوں گے وہ دلپسند عیش میں ہوگا اور جس کے
پلڑے ہلکے ہوں گے اس کی جائے قرار کھائی ہوگی اور تمہیں کیا خبر کہ
وہ کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ۔"

اور جیسے اَلْحَآقَّةُ ۙ مَا الْحَآقَّةُ ۔ اور قیامت میں نفسی نفسی کے عالم کا نقشہ
سورہ المعارج میں بایں الفاظ کھینچا گیا :

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۙ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۙ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ۝ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ۝ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۝ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝

"(وہ عذاب اس روز ہوگا) جس روز آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہوگا اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اُون جیسے ہو جائیں گے۔ اور کوئی جگری دوست اپنے جگر کے دوست کو نہ پوچھے گا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا، اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے اور تدبیر اسے نجات دلا دے، ہرگز نہیں۔ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپیٹ ہوگی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی، پکار پکار کر اپنے رب کی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا۔"

احوالِ قیامت اور اس کے شدائد و مصائب کے نقشے مختلف اسلوب سے کئی سورتوں میں کھینچے گئے۔ چند مزید سن لیجئے۔ سورۂ عبس کے آخر میں فرمایا:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (آیات ۳۴ تا ۴۲)

"اُس روز آدمی اپنے بھائی، اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی
بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن
ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ کچھ چہرے
اُس روز دمک رہے ہوں گے۔ ہشاش بشاش اور خوش و خرم
ہوں گے اور کچھ چہروں پر اُس روز خاک اُڑ رہی ہوگی اور کلونس
چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی کافر و فاجر لوگ ہوں گے۔"

سورہ قیامہ میں استفہامیہ انداز میں فرمایا: کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ
وہ یونہی سرکش اونٹ کی طرح بے محابہ چھوڑ دیا جائے گا؟ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ۝ اس سے اس دنیوی زندگی کا حساب نہیں لیا جائے گا۔
اور سورہ المومنون میں فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ
اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۔ اس کا جواب سورہ انفطار میں بایں الفاظ دیا گیا کہ:
کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۙ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۙ
کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۙ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اور سورہ قٓ میں
فرمایا گیا: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝ سو
الزلزال میں یہ اصول پیش کر دیا گیا: یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا
لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝
وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝

سورہ کہف میں میدان حشر کا نقشہ بایں الفاظ کھینچا گیا:

وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ
مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ
لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا
وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا یَظْلِمُ
رَبُّکَ اَحَدًا ۔ (آیت ۴۹)

" اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ
مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور
کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے! ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری
کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو۔ جو

پھر انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا۔"

مَیں نے صرف چند مثالیں پیش کی ہیں۔ لیکن ہُوا یہ کہ مکّہ میں ان اخبار و احوال قیامت و آخرت اور محاسبے سے ایک ہل چل مچ گئی۔ ان کے حاشیہ خیال اور تصوّر میں یہ بات آتی ہی نہیں تھی کہ مرنے کے بعد پھر جی اُٹھنا ہے۔ انہوں نے اس کا مختلف انداز میں مذاق اُڑانا شروع کیا۔ اور چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ وہ استفہامی انداز میں اس خبر کا استہزا کیا کرتے تھے۔ ان کی ان مختلف باتوں کا مختلف انداز میں قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔

مثلاً سورۃ النمل میں ان کافروں کا قول نقل ہُوا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ مشرکین و کفار کے اسی قول کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورہ المومنون میں ان کا یہ اعتراض نقل ہُوا: قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اسی سورہ میں دہریوں کا بھی قول نقل ہُوا۔ یہ وہ بات ہے جو تمام خدا ناآشنا قدیم و جدید فلسفوں میں اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ "یہ (نبی) تم سے وعدہ کرتا اور تمہیں خبر دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور جب تمہاری ہڈیاں بھی گل سڑ کر رہ جائیں گی تو پھر تم کو (قبروں سے) نکالا جائے گا؟ یہ وعدہ بعید ہے بلکہ بعید از قیاس ہے۔ زندگی کچھ نہیں ہے مگر بس اسی دنیا کی زندگی۔ ہم یہاں خود مرتے ہیں اور خود جیتے ہیں ۔۔ اور ہم ہرگز اُٹھائے جانے والے نہیں ہیں ۔۔" سورہ الجاثیہ میں ان دہریوں کا قول ایک دوسرے اسلوب سے نقل ہُوا: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۔" اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس اسی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہم خود جیتے اور خود مرتے ہیں اور گردشِ ایام کے سوا ہمیں کوئی چیز ہلاک نہیں کرتی۔"

متعدد سورتوں میں آخرت کے بارے میں کفار و مشرکین کی کٹ حجتی کا ذکر کیا گیا

ہے۔ تین مثالیں مزید سُن لیجیے :۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا : وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ دوسری سورہ یٰسٓ میں اپنی قدرت کے ساتھ ہی انسان کی حجت بازی کا بھی ذکر فرمادیا : اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

قرآن حکیم نے ان تمام اعتراضات کے مختلف اسالیب سے نہایت مدلل اور جامع جوابات دیئے ہیں۔ اتنا موقع نہیں کہ میں مختلف سورتوں سے متعلقہ آیات پیش کردوں، البتہ چند جوابات پیش کیے دیتا ہوں۔ سورۂ یٰسٓ میں وارد اعتراض کے جواب میں فرمایا : قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ " اے نبی ان سے کہہ دو، ان کو وہی ذات تو دوبارہ زندہ کرے گی جس نے ان کو پہلے پیدا کیا تھا۔" غور کیجیے کہ کتنی مسکت اور معقول دلیل ہے۔ سورہ قٓ میں فرمایا : اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ " (لوگو! غور کرو) کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے عاجز تھے! مگر یہ لوگ دوبارہ کی تخلیق کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔" اسی سورہ قٓ میں مزید فرمایا :

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ (آیات ۴۱۔۴۴)

" اور سنو! جس دن منادی کرنے والا (ہر شخص کے) قریب ہی سے پکارے گا، جس دن سب لوگ آوازۂ حشر کو ٹھیک ٹھیک سُن رہے ہوں گے، وہ زمین سے مُردوں کے نکلنے کا دن ہو گا۔ ہم زندگی بخشتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی اس دن سب کو پلٹنا ہے جب زمین پھٹے گی اور لوگ اس کے اندر سے نکل کر تیز تیز بھاگے جا رہے ہوں گے۔ یہ حشر ہمارے لیے بہت آسان ہے۔"

سورہ الانشقاق میں فرمایا :

يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۞ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۞ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۞ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۞ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۞ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۞ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۞ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۞ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۞ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۞ (آیت ۶ تا ۱۵)

"اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا، اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔ وہ اپنے گھر والوں میں مگن تھا۔ اس نے سمجھا تھا کہ اس نے کبھی پلٹنا نہیں۔ پلٹنا کیسے نہ تھا اس کا رب اس کے کرتوت دیکھ رہا تھا۔"

الغرض جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ابتدائی مکی سورتوں کا مرکز و محور انذار ہے تاکہ نیند کے ماتے جاگیں اور ان کو معلوم ہو جائے کہ زندگی صرف یہی زندگی نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد ان کو پھر زندہ کیا جائے گا اور ان کو عدالتِ خداوندی میں محاسبہ کے لیے پیش ہونا ہوگا۔ آخرت کی پیشی اور جواب دہی اور جزا و سزا کا اگر انسان واقعی دلی یقین حاصل ہو جائے اور ان کے قلوب و اذہان میں راسخ اور جاگزیں ہو جائے تو یہ خوف کا جذبہ دنیا میں ان کو ایک بہترین انسان دوست شخصیت بننے میں انتہائی مؤثر ثابت ہوگا۔

اسلام انسان کے قلوب و اذہان میں اللہ کی محبت کا مثبت جذبہ اور آخرت میں اللہ کی ناراضگی اور اس کی پکڑ کے خوف کا منفی جذبہ پیدا کر کے اس کی ایسی تعمیر سیرت و کردار کرتا ہے کہ ایسا انسان ایک طرف نیکی اور بھلائی کا پیکر بن جاتا ہے، دوسری طرف انسان دوستی، انسانی ہمدردی، قوم و وطن کی محبت بھی اس کے وجود میں موجود رہتی

ہے۔ چنانچہ یہ نقشہ ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیوں اور خلافتِ
راشدہ کی حکومت کے دورِ سعید میں بکمال و تمام نظر آتا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا
انسانوں کی اکثریت "نوا را تلخ ترمی زن کہ ذوقِ نغمہ کمیابی" کے مصداق 'خوف' کے جذبے
سے زیادہ محتاط رہتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس جذبے پر نہایت زور دیا ہے اور
emphasise کیا ہے۔ سورہ وَالنّٰزِعٰت میں قیامت و آخرت کے نقشے کے
بارے میں فرمایا :۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (آیت ۳۴ تا ۴۱)

"پھر جب وہ ہنگامۂ عظیم برپا ہوگا، جس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا اور ہر دیکھنے والے کے سامنے دوزخ کھول کر رکھ دی جائے گی تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگی اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔

"جب وہ بڑی آفت یعنی قیامت و آخرت کی گھڑی آئے گی، جس روز انسان
سب کیا دھرا یاد کرے گا اور ہر دیکھنے والے کے سامنے دوزخ نمایاں کر کے رکھ
جائے گی تو جس انسان نے" دنیا کی زندگی میں سرکشی کی تھی، اپنی حدود سے تجاوز
تھا اور جس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی اور علائق و اسبابِ زندگی کی
ان ہی کے پیچھے لگا رہا تھا تو ایسے خود غرض و خود پرست کے لیے دوزخ ہی ٹھکانا
ہے — اور جس نے دل میں اپنے ربّ، اپنے مالک، اپنے آقا کے سامنے کھڑے
جواب دہی اور محاسبے کا خوف کیا تھا اور نفس کو ضبط میں رکھا تھا۔ اس کو
ان خواہشات سے روکے رکھا تھا تو ایسے شخص کا ٹھکانا جنّت ہوگا۔ غور

کیجیے کہ یہاں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی۔
خوف کے منفی جذبے کو کتنے مؤثر طریق پر نمایاں کیا گیا ہے۔ اللہ کی عدالت میں کھڑے
ہونے کے خوف سے لرزاں و ترساں رہنا ہی انسان کو ہر بُرائی اور بدی سے روکنے
میں نہایت مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہ وہی "کھڑا ہونا" ہے جس کی حدیث شریف
میں تشریح و تفسیر بایں الفاظ کی گئی ہے :

لن تزول قدم ابن آدم حتی یُسْئَلَ عن خمسٍ
عن عمرہٖ فیما افنیٰ وعن شبابہٖ فیما اَبْلٰی
وعن مالہٖ من این اکْتَسَبَہٗ وفیما اَنْفَقَہٗ
وعمّا عَمِلَ فیما عَلِمَ۔

آخرت میں کوئی انسان اللہ کی عدالت کے کٹہرے سے ہل نہ سکے گا جب تک اس
سے پانچ چیزوں کا حساب نہ لے لیا جائے۔ (۱) یہ کہ حساب دو کہ عمر کہاں گنوائی؟ ہم نے
تم کو ستر، اسی برس دیئے تھے، وہ کہاں گنوائے؟ (۲) بتاؤ کہ جوانی کا دور "جوانی کی
راتیں اور مرادوں کے دن" خاص طور پر وہ کس حال میں بسر ہوا تھا؟ اس کا حساب دو۔
(۳) یہ بتاؤ کہ مال کہاں سے کمایا تھا۔ حلال سے یا حرام سے؟ اس کا پورا حساب دو۔ اور
(۴) یہ بتاؤ کہ یہ مال خرچ کہاں کیا تھا؟ ادائے حقوق میں یا اللوں تللوں میں، اور عیاشی و
بدمعاشی میں۔ اس کا بھی پورا حساب دو۔ اور (۵) جو علم تم کو حاصل ہوا تھا اس پر تم
نے کتنا عمل کیا؟ اس کا حساب بھی دو" ان پانچ باتوں کے حساب کتاب کے بغیر ابن آدم
کے قدم عدالتِ اُخروی سے جنبش نہ کر سکیں گے۔

ایک دوسری حدیث بھی سُن لیجیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
من جعل الھموم، ھما واحدا، ھم آخرتہٖ
کفاہ اللہ ھم دنیاہ (جو اپنے تمام غموں کو ایک غم بنالے یعنی آخرت کا
غم تو اللہ تعالےٰ اس کے دنیا کے غم کے لیے کافی ہو جائے گا۔)

اب ان دونوں احادیث کی روشنی میں ان آیات کو پھر غور سے سُنیے : وَاَمَّا مَنْ
خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ۔ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ
الْمَاْوٰی ۔" جو شخص اپنے رب کے حضور میں جواب دہی کے احساس و یقین سے لرزاں و

ترساں رہا اور اس نے اپنے نفس کی خواہشات کی باگوں کو کھینچ کر رکھا۔ پس ایسے شخص کا ٹھکانا جنّت ہوگا۔" یہ ہے وہ آخرت کے محاسبے کے خوف کا جذبہ۔ ایک مثبت جذبہ محبت الٰہی کا اور دوسرا منفی جذبہ آخرت کے خوف کا۔ تعمیر کردار اور سیرت سازی کے لیے یہ دونوں اساسات انسانیت کے لیے فراہم کی ہیں۔ جس کا لُبِّ لباب اور حاصلِ کلام کیا نکلا؟ یہ کہ اصلاحِ معاشرہ کے لیے اصل اساس ایمان ہے۔ اور اس کی کامیابی کی اصل راہ تجدید ایمان کی سعی و جہد ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تجدید ایمان کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس وقت موقع نہیں ہے کہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔ اس موضوع پر قرآن حکیم کے مطالعے کے لیے مرتب کردہ منتخب نصاب میں بھی کئی مقامات کے ذیل میں تفصیلی بحث ہوتی رہی ہے۔ اجتماعاتِ جمعہ اور دوسری تقریروں میں بھی میں اپنی استعداد کے مطابق گاہ بگاہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرتا رہا ہوں۔ میں اس وقت اختصار کے ساتھ ان باتوں کا اعادہ کروں گا تاکہ بات پوری ہو جائے اور ان کی کسی درجے میں تذکیر بھی۔

ایمان کا منبع اور سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ یا اصحابِ یقین کی صحبت ہے۔ یعنی ان لوگوں کی صحبت، جن کے اذہان سے قرآن حکیم ان کے قلوب میں اُتر چکا ہو۔ علامہ اقبال کے ان اشعار کے مصداق :

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب ۔۔۔ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

بے جُز بہ قرآں ضیغمی روباہی است ۔۔۔ فقرِ قرآں اصل شاہنشاہی است

فقرِ قرآں؟ اختلاطِ ذکر و فکر ۔۔۔ فکر را کامل نہ دیدم جُز بہ ذکر

ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب ۔۔۔ کارِ جاں است ایں نہ کارِ کام و لب [۲]

یہ اصحاب یقین آسمان سے نہیں اُترتے اور نہ اُتریں گے۔ یہ وجود میں آئے ہیں، آئیں گے۔ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی نازل کردہ کتابِ مبین، یعنی قرآنِ حکیم سے۔

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

(مولانا ظفر علی خان)

اگر قرآن مجید کا اذہان و قلوب میں **نفوذ** ہو رہا ہو — میں نے یہاں جان بوجھ کر لفظ تعلیم استعمال نہیں کیا — لفظِ نشر و اشاعت استعمال نہیں کیا۔ ان کی اپنی جگہ اہمیت ہے اور بہت بڑی اہمیت — لیکن فی الوقت جس چیز کی اصل اہمیت اور ضرورت ہے وہ ہے قرآنِ حکیم کے اذہان و قلوب میں **نفوذ** کی۔ اگر علمِ قرآن اور اشاعتِ قرآن کا سیلاب بھی آیا ہو اور وہ سروں کے اوپر اوپر سے جا رہا ہو تو تعمیرِ سیرت نہیں ہو گی۔ وہی حقیقت کہ ؎ ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب — ضمیر کسے کہتے ہیں باطن میں چھپی ہوئی حقیقت کو — اس لفظ کو قلبِ حساس اور نفسِ لوامہ کا ہم معنی اور مترادف سمجھیے — تو جب تک انسان کے باطن میں قرآنِ حکیم سرایت نہ کرے اور قلب میں اس کا نفوذ نہ ہو۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق کردار سازی ممکن ہی نہیں ہے۔ اس بات کو علامہ اقبال نے اس طرح بھی ادا کیا ہے ۔[۱]

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہ کلامِ الٰہی، یہ قرآنِ حکیم جب کسی کے باطن میں اتر جاتا ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب آ جاتا ہے اور اس طرح ایک مکمل طور پر تبدیل شدہ شخصیت وجود میں آ جاتی ہے اور یہی اندر کا انقلاب ہے جو ایک عالمگیر انقلاب کا پیش خیمہ بنتا ہے — اگر حکومت فی الواقع اور سنجیدگی کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے دو کام کرنے ضروری ہیں جو میں آگے بیان کروں گا۔ یہ احتساب، یہ تعزیرات اور یہ قاضی کورٹس۔ یہ اپنی جگہ کسی حد تک ضروری اور مفید

—— بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴ ——

[۱] (ان اشعار کا ترجمہ) : قرآن کے بغیر شیر بھی گیدڑ بن جاتا ہے اور اصل بادشاہی قرآن کے تعلیم کردہ فقر میں ہے — جانتے ہو قرآن کا فقر کیا ہے ؟ یہ ذکر اور فکر دونوں کے جمع ہونے سے وجود میں آتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ بغیر ذکر کے فکر کامل نہیں ہو سکتا۔ (لیکن یہ بھی جان لو کہ ذکر کی حقیقت کیا ہے؟) ذکر اصل میں ذوق و شوق کو صحیح راہ پر ڈالنے کا نام ہے۔ یہ محض زبان اور ہونٹوں کا وظیفہ نہیں بلکہ کامل وجود اور پوری ہستی کے ساتھ کرنے کا کام ہے — (مرتب)

ہیں۔ میں ان کی نفی نہیں کر رہا۔ ان چیزوں کے بارے میں تو آغاز ہی میں عرض کر چکا ہوں
کہ ان کی بھی ضرورت ہے اور یہ درمیانے درجے کی اشیاء بھی ہیں۔ اسی سے تو آج
کی گفتگو شروع ہوئی تھی اور میں نے عرض کیا تھا کہ اصلاحِ معاشرہ کے عمل کا ایک
سر ہے اور ایک پیر ہے اور ایک درمیانی دھڑ ہے۔۔۔ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے
وہ صرف درمیانی دھڑ کی کچھ باتیں ہیں۔ نہ سر کی بات ہے نہ پیر کی۔ اس کا سر یہ ہے
کہ معاشرے میں بحیثیت مجموعی ایک عادلانہ و منصفانہ نظام قائم ہو، پھر تعمیرِ اخلاق و
کردار کے لیے محبتِ الٰہی، محبتِ رسول ؐ اور محبتِ جہاد فی سبیل اللہ کی DYNAMIC
مثبت محبتیں افرادِ قوم میں پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور اس کا پیر یہ ہے کہ
آخرت کے محاسبے اور جواب دہی اور سزا و محرومی کا منفی جذبہ لوگوں کے اذہان و
قلوب میں اُتارا جائے اور HAMMER کیا جائے۔ ٹھیک ہے کہ احتساب کا بھی،
قانون و تعزیر کا بھی، جیل کا بھی، کوڑوں اور پھانسی کا بھی خوف اپنی جگہ رہے، اس
کی ہرگز نفی نہیں ہے لیکن اصل خوف آخرت کا خوف ہی مؤثر ترین خوف ہے۔۔ اور یہ
مثبت اور منفی جذبات لوگوں کے ذہنوں میں، ان کے قلوب میں سرایت کرانے کا کوئی
معقول و مؤثر سلسلہ ہو تو کامیابی ہوگی۔۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اگر واقعی اصلاحِ معاشرہ
کے لیے حکومت کچھ ٹھوس اور نتیجہ خیز کام کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے دو کام کرنے
ضروری ہیں۔ اب میں اس کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

حکومت کے پاس دو سلسلے ایسے ہیں جن سے یہ کام بہ احسن وجوہ اور بخوبی سرانجام
دیا جا سکتا ہے۔ پہلا نظامِ تعلیم اور دوسرا ذرائع ابلاغ۔۔۔ نظامِ تعلیم کے متعلق یہ
بات جان لیجئے کہ جب تک پورے نظامِ تعلیم میں پرائمری سے لے کر یونیورسٹی کی سطح
کی اعلیٰ تعلیم کے نصاب تک قرآن مجید سمویا ہوا نہیں ہوگا کوئی مفید نتیجہ ہرگز برآمد
نہیں ہوگا۔ محض اسلامیات کا ایک ضمیمہ (APPENDIX) لگانے سے کوئی فائدہ
نہیں ہوگا۔ اس کا تجربہ ہمیں پینتیس سال میں خوب ہو گیا ہے۔۔۔ اور ذرائع ابلاغ میں
بھی اگر آپ گن کر یہ بتا دیں کہ ہفتے میں ہم نے اتنے گھنٹے مذہبی پروگراموں کے لیے
رکھے ہوئے ہیں تو اس سے ہرگز کوئی بات نہیں بنے گی۔ اصلاح کا عمل اس وقت تک
جاری نہیں ہو سکے گا جب تک قرآنِ حکیم کا حقیقی فہم لوگوں کے باطن میں سرایت کرنے

کی صحیح، معقول اور مؤثر منصوبہ بندی نہ کی جائے۔ اگر ذرائع ابلاغ انتشارِ فکری، اباحیت
لذت کوشی اور سرود و تفریح کا باعث بن رہے ہوں اور جملہ پروگراموں میں قوالیوں
اور نعتوں کے اوقات (HOUVERS) جمع کرکے یہ مغالطہ دے دیا جاتا ہو کہ ہمارے
ہفتہ وار پروگراموں میں اتنا وقت مذہبی حصے کے لیے مختص ہے۔ پھر دوسرے ایسے
پروگرام بھی کثرت سے شامل ہوں جن سے جو کچھ برائے نام اور تبرکاً مذہبی پروگرام
رکھے جاتے ہیں ان کا بالفرض کچھ اثر مترتب ہوتا بھی ہو تو وہ بھی WASH OUT
ہو جائے۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ ایسے نام نہاد مذہبی پروگراموں کا معاشرے میں کیا
واقعتاً کوئی اثر باقی رہے گا۔؟ ہر سلیم العقل اس کا جواب نفی پر دینے پر مجبور ہے۔
لہٰذا میں عرض کروں گا کہ اس اعتبار سے جائزہ لیجئے۔ جانچئے اور پرکھیے۔ اور دیکھئے
کہ کیا حقیقتاً ہمارے ذرائع ابلاغ لوگوں کے اذہان و قلوب میں قرآن حکیم کی انقلابی
دعوت، اس کا انقلابی پیغام، اصلاحِ معاشرہ اور تعمیر سیرت و کردار کے لیے اس کی
عطا کردہ محبتِ الٰہی، محبتِ رسول اور محبتِ جہاد فی سبیل اللہ کی مثبت جذبے
کی اساسات اور خوفِ آخرت اور خوفِ محاسبۂ اُخروی کے منفی جذبے کی بنیادیں
قائم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں یا نہیں! اگر یہ کام ہو رہا ہے تو ٹھیک ہے لیکن
میں انتہائی دُکھ اور رنج کے ساتھ عرض کروں گا کہ یہ دونوں چیزیں یعنی نظامِ تعلیم
اور ذرائع ابلاغ کا ISLAMAISATION تاحال مفقود کے درجے ہی میں نہیں
ہے بلکہ اخلاق اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے قرآن حکیم کی DYNAMIC اساسات و
تعلیمات کو اختیار کرنے کے بجائے یہ دونوں وسائل تخریب کے کام میں مصروف
ہیں اور ہماری نوجوان نسل سے لے کر عوام الناس تک سب کو خدا ناآشنا تہذیب
اور اس کی اقدار نیز لذت کوشی، دنیا اور مادہ پرستی کی طرف کشاں کشاں لیے
جا رہے ہیں اور ہمارے عوام و خواص میں اِلّا ماشاء اللہ یہ نظریہ پروان چڑھ رہا
ہے اور روز بروز نشوونما پا رہا ہے کہ: بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔
اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون ہ — اِن شاء اللہ العزیز اس موضوع پر آئندہ جمعہ کو بھی گفتگو جاری رہے گی۔

وما توفیقی الا باللہ۔

اِنْ شَآءَ اللہُ الْعَزِیْز

۶ اپریل بروز بدھ بعد نمازِ مغرب

جناح (ٹاؤن ہال) میں

مرکزی

انجمن خدام القرآن لاہور

کا

گیارہواں سالانہ اجلاس

منعقد ہوگا

جس میں

انجمن کی سالانہ رپورٹ پیش کی جائیگی اور

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

صدر مؤسس انجمن خدام القرآن لاہور

خطاب فرمائیں گے۔

مرکزی انجمن کے جملہ وابستگان کے علاوہ دیگر حضرات کو بھی شرکت کی عام دعوت ہے۔

المعلن:

ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

الحمدللہ کہ

ڈاکٹر اسرار احمد

کی معرکتہ الآراء تالیف

تحریکِ جماعتِ اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے

اور جلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔ اس کے لئے جو دیباچہ ڈاکٹر صاحب نے حال ہی میں تحریر کیا ہے وہ درج ذیل کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبعِ دوم

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اپریل ۱۹۶۶ء میں میرے ذاتی اشاعتی ادارے 'دارالاشاعت الاسلامیہ' کے تحت شائع ہوا تھا۔ کئی سال سے یہ بالکل نایاب تھی لگ بھگ سترہ سال بعد اس کا یہ دوسرا ایڈیشن 'مرکزی مکتبہ تنظیمِ اسلامی' کے زیر اہتمام پیشِ خدمت ہے۔

ان سترہ سالوں کے دوران یقیناً بہت سا پانی وقت کے دریا میں بہہ چکا ہے اور حالات بہت کچھ بدل گئے ہیں - یہاں تک کہ بعض شخصیتیں اور جماعتیں تو ماضی کے دھندلکوں میں بالکل ہی گم ہو چکی ہیں اور جو باقی ہیں ان میں سے بھی بہتوں کا معاملہ یہ ہے کہ ع

"کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!"

تاہم اس کتاب کا موضوع تا حال زندہ ہے - اس لئے کہ یہ برصغیر پاک و ہند کی بیسویں صدی عیسوی کی جس اہم دینی تحریک کے "تحقیقی مطالعہ" پر مشتمل ہے اُس کے کم از کم قدیم نام کے تسلسل کے ساتھ ایک نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعت پاکستان میں اور ایک نیم مذہبی اور نیم سماجی جماعت ہندوستان میں موجود ہے - اور یہ سوال دین اور تاریخ دونوں سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے اہمیت کا حامل ہے کہ تقریباً نصف صدی پیشتر شروع ہونے والی اس اسلامی تحریک کے ساتھ، جس کا ابتدائی انداز بڑا 'انقلابی' تھا کیا حادثہ پیش آیا کہ بظاہر ایک مضبوط تنظیم اور لاتعداد مخلص کارکنوں کی مخلصانہ مساعی کے باوجود وہ روز بروز منزل سے دُور سے دُور تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور اندیشہ ہے کہ رفتہ رفتہ محض ایک مذہبی فرقے کی شکل اختیار کر لے؟ ---- آیا اس کا آغاز ہی غلط تھا اور صورت وہ تھی کہ ع
"مری تعمیر میں مضمر تھی اک صورت خرابی کی!" یا یہ بعد میں کوئی غلط موڑ مڑ گئی؟ ---- اگر پہلی بات ہے تو تشخیص ہونی چاہیئے کہ ابتدائی نظریات و تصورات میں کیا کجی یا خامی تھی اور اگر دوسری بات ہے تو تعیین ہونی چاہیئے کہ وہ غلط موڑ کس مرحلے پر مڑا گیا!

کسی دوسرے شخص کے لئے یہ معاملہ محض علمی دلچسپی کا بھی ہو سکتا ہے لیکن میرے لئے اس کی اہمیت واقعی اور عملی ہے - اس لئے کہ میں نے نہ کبھی پہلے اس اعتراف میں کوئی جھجک محسوس کی نہ آج کوئی عار محسوس کرتا ہوں کہ میرے قلب

وذہن پر اس تحریک نے نہایت گہرے اور لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔ چنانچہ میں نے نہ صرف یہ کہ اپنی جوانی کے دس سال اس تحریک کے ساتھ بھرپور وابستگی کے نذر کئے تھے، بقولِ شاعر

؎ ”یہ اور بات کہ تم پر نثار کر دی ہے
عزیز اپنی جوانی کسے نہیں ہوتی!!

بلکہ اس سے تنظیمی تعلق کے انقطاع پر رُبع صدی سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود تاحال صورت یہ ہے کہ ؎

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی!

چنانچہ اس وقت راقم جو کچھ کر رہا ہے اور جس دعوت کو لے کر کھڑا ہوا ہے اُس کے ذہنی و فکری پس منظر کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس کے رفقاء و احباب، ناقدین و مبصرین اور مخالفین و معاندین سب کے لئے اس تحریک کے بارے میں اُس کی رائے کو جاننا اور سمجھنا لازمی ولابدی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے پیش کردہ تصورِ دین و مطالبات دین پر ایک نہایت اہم اور اساسی اور نہایت مدلل اور زوردار تنقید جماعتِ اسلامی ہند سے علیحدہ ہونے والی ایک معروف شخصیت جناب وحید الدین خاں (حال مدیر الرسالہ دہلی) کی تالیف ”تعبیر کی غلطی“ کی صورت میں پیشِ نظر کتاب کے طبعِ اوّل کے تقریباً ساتھ ہی منصۂ شہود پر آئی تھی اور ایک نسبتاً نرم تنقید تقریباً تین سال قبل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی تالیف ”عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح“ کی صورت میں سامنے آئی ہے — ان سطور کے راقم نے بھی اس موضوع پر اپنے ایک کتابچے ”اسلام کی نشأۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام“ میں ”تعبیر کی کوتاہی“ کے عنوان سے اظہار رائے کیا ہے۔

لیکن پیشِ نظر کتاب کے بارے میں یہ واضح رہنا چاہیئے کہ اس کا اصل موضوع

یہ نہیں ہے بلکہ اس میں 'تحریکِ جماعتِ اسلامی' کا امکانی حد تک معروضی مطالعہ اس نقطۂ نگاہ سے کیا گیا ہے کہ ۱۹۴۱ء میں اس تحریک کے آغاز کے وقت اس کے اصول و مبادی کیا تھے اور پھر ۱۹۴۷ء میں اس کا جزوِ اعظم یعنی جماعتِ اسلامی پاکستان کیا غلط موڑ مڑ گئی جس کے باعث وہ پاکستانی سیاست کی بھول بھلیوں میں اس طرح گم ہو کر رہ گئی کہ اُس کے قدیم متوسلین کی عظیم اکثریت حیران و پریشان ہے کہ ؎

کونسی وادی میں ہے کونسی منزل میں ہے
عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں؟

ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو تحریکِ جماعتِ اسلامی کے دورِ اوّل کے بارے میں جو رائے اس کتاب میں ظاہر ہوئی ہے اور بیسویں صدی عیسوی کی احیائی تحریکوں کے تصوّرِ دین کے ضمن میں جو رائے 'تعبیر کی کوتاہی' کے عنوان سے 'اسلام کی نشاۃِ ثانیہ' میں سامنے آئی ہے اُن میں کچھ فرق و تفاوت بلکہ تضاد نظر آئے — اس لئے یہ وضاحت بے محل نہ ہو گی کہ دین کے دو پہلو ہیں: ایک ظاہری اور خارجی اور دوسرا داخلی و باطنی — مقدم الذکر کی جامع تعبیر اسلام ہے اور مؤخر الذکر کا جامع عنوان' ایمان — اسلام کا آغاز " اقرارٌ باللسان " یعنی کلمۂ شہادت سے ہوتا ہے اور اُس کی اساس پر اوّلاً عبادات و معاملات کے ایک مکمل نظام کی وسیع و عریض عمارت وجود میں آتی ہے اور پھر شہادت علی النّاس اور اقامت و اظہارِ دینِ حق کی بالائی منزلیں تعمیر ہوتی ہیں جن کے لئے دعوت و حرکت اور سعی و جہد کا جامع عنوان ہے 'جہاد فی سبیل اللہ' — دوسری طرف ایمان کا نقطۂ آغاز " تصدیقٌ بالقلب " ہے اور اس کی جڑیں انسان کے باطن کی گہرائیوں میں اترتی ہیں تو تدریجاً علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور نتیجۃً صبر و توکّل، تسلیم و رضا، تضرّع و اخبات، تفویض الامر الی اللہ اور محبتِ الٰہی کے سوز و گداز کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں — مولانا مودودی مرحوم کی تصانیف سے جہاں تک دین کے مقدم الذکر پہلو کی تشریح و توضیح کا تعلق ہے وہ میری رائے

میں نہایت جامع بھی ہے اور بحیثیت مجموعی صحیح اور درست بھی اور اُسی کا مظہر ہے تحریکِ جماعتِ اسلامی کا دورِ اوّل اور اس کے اصول و مبادی، البتّہ جہاں تک مؤخر الذکر پہلو کا تعلق ہے اُس کے ضمن میں افسوس ناک حد تک کمی اور کوتاہی پائی جاتی ہے جس کے باعث یہ تحریک مجموعی مزاج اور عمومی نتائج کے اعتبار سے 'دینی' سے زیادہ 'دنیوی' بن کر رہ گئی ——— اور راقم کے نزدیک اب دعوتِ دین اور حرکتِ اسلامی کے میدان میں 'کرنے کا اصل کام' یہ ہے کہ دین کے خارجی تصورات اور تقاضوں کی جامعیت اور ہمہ گیریت کو برقرار رکھتے ہوئے اُس داخلی و باطنی عنصر کی کمی کی تلافی کی کوشش کی جائے نہ یہ کہ توجہات کو باطنی پہلوؤں پر اس طور سے مرتکز کر دیا جائے کہ دین اور اس کے تقاضوں اور مطالبوں کا تصور محدود ہو کر دُنیا کے مروّجہ مذہبی تصوّرات کی شکل اختیار کر لے!! اور اس طرح افراط کی جگہ تفریط کی صورت پیدا ہو جائے۔ اعاذنا اللہ من ذالک!!

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بغیر کسی تبدیلی کے بالکل جوں کا توں پیش کیا جا رہا ہے۔ صرف ایک مقام پر ایک لفظی تبدیلی کی گئی ہے اور وہ ہے صفحہ ۲۱۶ کی سطر ۱۳ میں جہاں قوسین میں پہلے ایڈیشن کے "حُبِّ عاجلہ" کو "عجلت پسندی" سے بدل دیا گیا ہے۔ یہ ایک تسامح تھا جس کی جانب ماہنامہ 'زندگی' (رامپور۔ بھارت) کے مدیر جناب عروج قادری نے توجہ دلائی تھی جس کے لئے راقم ان کا ممنون ہے۔

اس کتاب کا دیباچہ طبع اوّل (صفحہ ۵ تا ۲۴) آج سے سترہ سال قبل کا تحریر شدہ ہے اور بقیہ پوری کتاب اس بیان پر مشتمل ہے جو اس سے بھی دس سال قبل ۱۹۵۶ء میں ضبطِ تحریر میں آیا تھا جبکہ میری عمر کل چوبیس برس تھی ——— زبان و ادب کے میدان کا شہسوار ہونے کا تو راقم اب بھی مدّعی نہیں ہے تاہم اس وقت تو بالکل گھٹنوں چلنے والی بات تھی۔ چنانچہ لغت اور انشاء دونوں کی بے شمار غلطیاں اس

یں موجود ہیں، بایں ہمہ چونکہ اب اس تحریر کی حیثیت ایک تاریخی دستاویز کی
ہے لہٰذا اس میں کوئی اصلاح نہیں کی گئی۔
آخر میں ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب کے صفحات ۱۸۸ تا
۱۹۱ میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے ضمن میں جو بحث آئی ہے اس میں ایک تو
سلاً قادیانی مسئلے میں جماعتِ اسلامی پاکستان کا اس وقت کا طرز عمل زیر بحث
یا ہے، نہ کہ اصل مسئلہ قادیانیت اور دوسرے اُس سے یہ مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے
کہ شاید راقم کے نزدیک لاہوری احمدی دائرۂ ملتِ اسلامی سے خارج نہیں ہیں۔
س سلسلے میں راقم کو اگر پہلے کچھ تردد تھا بھی تو ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختم نبوت اور اس کے
وران سامنے آنے والے حقائق کے بعد وہ بالکل رفع ہو چکا ہے۔
میرے نزدیک اس امر میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آنجہانی
غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کے بعد ایسے کسی بھی شخص کو نبی یا مجدد ماننے والا تو درکنار محض مسلمان ماننے
والا شخص بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

خاکسار
اسرار احمد عفی عنہ
تحریر ۳۱ر جنوری ۱۹۸۳ء

(بقیہ "عشرہ کاملہ")

(نوٹ) حالیہ دورۂ کراچی اور امیر محترم کے دروس قرآن اور خطابات کے بعد کافی
حضرات ماہنامہ "میثاق" اور "حکمتِ قرآن" کے سالانہ خریدار بنے ہیں۔ جہاں تک حالیہ
دروس قرآن اور خطابات کے کیسٹس کا تعلق ہے تو کافی جوش و جذبہ کے ساتھ لوگ
ان کی فراہمی و خریداری کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی دینی ذمہ داری
کا کما حقہٗ ادراک و احساس عطا فرمائے۔ آمین

(بقیہ "عرضِ احوال")

اختلاف بالکل علیحدہ بات ہے لیکن ان کی وجہ سے مستقل طور پر علیحدہ فرقوں میں بٹ جانا اور من دیگرم تو دیگری کا رویہ و معاملہ کرنا بالکل دوسری بات ہے ـــــ بدقسمتی سے ان ہی اختلافات کی وجہ سے ہم فرقوں اور پھر فرقے بھی گروہوں میں منقسم ہیں۔ جس کے سبب ہم لادینی اباحیت و تجدد پسند قلیل طبقے کے لئے نرم چارا بن گئے ہیں ـــــ اتحادِ ملت کے لئے مولانا عبدالستار خاں نیازی مدظلہ نے حال ہی میں ایک چار نکاتی فارمولا پیش کیا ہے۔ اخبارات میں تو اس کا ملخص شائع ہوا ہے۔ ہم اسے مکمل طور پر اس شمارے میں شامل کر رہے ہیں اور چند جزئیات سے اتفاق نہ ہونے کے باوصف اس بات کے متمنی ہیں کہ یہ محض کاغذی کارروائی اور اخباری بیان بن کر نہ رہے بلکہ فی الواقع عملاً اس پر کام ہو اور مختلف مسالک کے علماء میں تعبیر و رائے کی نوع کے اختلافات کے باوصف رجالِ دین کا ایکو اتحاد بالفعل ظہور پذیر ہو سکے۔

بعض مخلصینِ دین و ملت نے اس ضمن میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے رجوع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان حضرات کو یقین دلایا کہ وہ اگرچہ عالمِ دین نہیں محض ایک خادمِ دین ہیں اور انہوں نے دعوت رجوع الی القرآن کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔ جس کے مقاصد میں جہاں تحریک تجدید ایمان ـــــ توبہ ـــــ تجدید شامل ہے وہاں "اتحاد بین المسلمین" بھی ایک اہم مقصد کی حیثیت سے شامل ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ اختلافات میں شدت و غلو کی بجائے اعتدال اور میانہ روی بھی اسی وقت پیدا ہو گی جب ہم اعتصام بالقرآن کو اختیار کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایسے تمام مخلصین کو یقین دلایا ہے کہ وہ ان شاء اللہ حتی الوسع اور حسبِ مقدرت ہر ایسے مقصد میں تعاون کریں گے جس سے ایک مضبوط دینی اتحاد فی الواقع وجود میں آ سکے۔

اللّٰھم الف بین قلوب المسلمین واصلح ذات بینھم وانصرھم علٰی عدوک وعدوھم اللّٰھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم

وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔
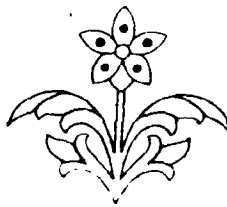
احیاءِ اسلام کے لیے مُنظّم عملی جدّوجُہد

کی دعوت و تحریک پر عُلماءِ کرام کا ردِّ عمل

اور اس پر

ایک دُکھی دِل کی صدا!

مولانا ابُوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیر "ترجمان القرآن" کا حاشیہ

متعلقہ آیت نمبر ۴۹ سُورۂ توبہ

اِئْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ ط

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پیغمبرِ اسلام نے تبوک کا ارادہ کیا، تو منافقوں کے ایک سردار جد بن قیس نے کہا "عورتوں کے معاملہ میں بہت کمزور مجھے ڈر ہے کہیں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر مفتون نہ ہو جاؤں۔ پس مجھے رہ جانے کی اجازت دیجئے اور مجھے اس فتنہ میں نہ ڈالیے (ابن جریر) بنو اصفر یعنی رومی سے معلوم ہوا جس باتیں کہی گئی ہوں گی، وہ اسی قسم کی ہوں گی فرمایا، یہ جھوٹے بہانہ نکالنے کے لیے جھوٹے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کہہ کر اصلی فتنہ میں گر پڑے کہ راہِ حق میں جہاد کرنے سے جی چرایا اور اس کے لیے جھوٹی نیکی و پرہیزگاری کی آڑ پکڑی۔

غور کرو گے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیانِ علم و مشیخت میں بولتی نظر آئے گی۔ جھوٹی دینداری اور وہمی

پرہیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں
اور وہ ساعی ہیں کہ اُمت پر بھی بند کر دیں۔ ۱۹۱۴ء کی بات ہے
کہ مجھے خیال ہوا ہندوستان کے عُلماء و مشائخ کو عزائم و
مقاصد پر توجہ دلاؤں۔ ممکن ہے چند اصحاب رُشد و عمل
نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی۔ لیکن ایک تنہا
شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی
تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے۔ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي
یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی جو اب
رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے۔۔۔"

(بقیہ "اتحاد ملت کے لئے ۴ نکات")

ہو سکتے۔ اس فارمولے کے بعد نوے کروڑ مسلمان ایک ناقابل تسخیر قوت بن
سکتے ہیں۔ اور باہمی تکفیر و تفسیق کا سلسلہ جس نے اُمت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں
بسر ختم ہو سکتا ہے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ اگر اس چار نکاتی فارمولا کو شرح صدر کے ساتھ قبول
لیا جائے تو اسلامیان پاکستان ایک زبردست طاقت بن کر سارے عالم اسلام
لیے وحدت کی مثال قائم کر سکتے ہیں ؎

ہر اک منتظر تیری یلغار کا تیری شوخیٔ فکر و کردار کا

اگر کسی کتاب میں قابل اعتراض عبارت نظر آئے تو اُس کی مُراد معین کرنے
ق مصنف کو ہو جس کی وہ عبارت ہے اور اگر وہ عبارت عام لوگوں کو غلط فہمی
ڈالتی ہو تو اس کی ایسی وضاحت ساتھ کر دی جائے کہ غلط فہمی کا احتمال نہ رہے۔
پر بھی فریقین میں اتفاق نہ ہو تو اُسے علماء کے متفقہ بورڈ سے فیصلہ کرایا جائے
متفقہ بورڈ کی تشکیل نہ ہو سکے تو شرعی عدالت میں پیش کر کے فیصلہ کرایا جائے۔
ل میں پلیٹ فارم پر بحث و مناظرے کا بازار گرم نہ کیا جائے اور تکفیر و تفسیق اور
ن و تشنیع سے کلی احتراز کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ؕ

علمائے کرام، مشائخ عظام، قائدینِ قوم اور فرزندانِ اسلام کی خدمت میں

اتحادِ ملّت کے لیے ۹ نکاتی فارمولا

من جانب : مولانا محمد عبد السّتار خاں نیازی

نائب صدر الدعوۃ الاسلامیہ العالمیہ و سابق ڈین آف اسلامک سٹڈیز اسلامیہ کالج لاہور

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر (اقبالؒ)

میں نے اتحادِ ملت کے کئی روح پرور نظارے دیکھے ہیں۔ تحریکِ پاکستان، تحریکِ ختمِ نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم میں امتِ محمدیہ نے جس ربط و ضبط اور ایثار و قربانی کا ثبوت دیا وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جونہی مقصد نگاہوں سے اوجھل ہُوا مسلمان باہم آویزی میں اُلجھ کر مکابرہ و مناظرہ کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے۔ آج جب ہر طرف سے اُمّتِ مُسلمہ اعداء و معاندینِ اسلام کے نرغے میں ہے اور نوّے کروڑ ہوتے ہوئے بھی بے اثر ہے تو ملّت کے درد مند طبقات نے اتحاد کی دعوت دینی شروع کر دی ہے۔ یہ دعوتِ اتحاد بفحوائے آیتِ قرآنی وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ حکیم الامت حضرت علّامہ اقبالؒ نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا ہے

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں   کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔

لیکن دو اور دو چار کرکے کوئی متفقہ فارمولا پیش نہیں ہوا ہے۔ تحریکِ پاکستان، تحریکِ ختمِ نبوت، اور تحریکِ نظامِ مصطفٰے میں چونکہ مقاصد متعین تھے، اس لیے اپنے نظری و سیاسی اختلافات بجائے خود رکھتے ہوئے وہ معین مقاصد کے لیے جمع ہوگئے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ موجودہ پُرآشوب دور میں اُمتِ مسلمہ کے لیے وحدتِ فکر و عمل کا کیا راستہ اختیار کیا جائے جو دائمی ہو۔ پہلے جو خطرات تھے ان کا نقصان صرف ملت کے بعض مخصوص مفادات تک منتہی تھا۔ لیکن اب پوری ملت کا وجود ہی خطرے میں ہے۔ "سرخ سامراج" ہو یا "سفید سامراج" ہر دو کے درمیان انسان بمصداق ع "درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج" چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہے۔ استعمار پرست طاقتوں اور ان کے پروردہ خانہ زاد گماشتوں نے طے کر لیا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو اعتقادی اور فکری اعتبار سے تباہ کرتے ہوئے اس کا وجود ہی ختم کر دیا جائے۔ جو کچھ "لبنان" میں ہوا اور "بھارت" میں ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ نیز اسلامی سلطنتوں میں غیر مسلم یا بے ضمیر مسلم سربراہ مسلط کرنے کی جو سازش تیار ہو چکی ہے، اس کی موجودگی میں ہمارا فرض ہے کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فی الفور اتحادِ اسلامی کا نقشہ مرتب کر لیں۔

اجماعِ امت کے خلاف پہلے اعتزال، انحراف، الحاد، زندقہ، رفض و خروج اور انکارِ سنت کی جو تحریکیں چلیں اُن کو ختم کرنے کے لیے کہیں امام ابوالحسن اشعری رح اور امام محمد ابوالمنصور ماتوریدی رح میدانِ عمل میں آتے ہیں تو کہیں امام رازی رح اور امام غزالی رح فلسفۂ یونان کو رد کر کے اسلام کی بالادستی کے لیے نبرد آزما ہیں۔ لجمیت، افرنگیت، برہمنیت کے فلسفہ ویدانت کو ختم کرنے کے لیے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رح اپنے دور کے اندر جو کردار ادا کرتے ہیں عصرِ

حاضر ہیں علامہ اقبال نے اُن کی پیروی کی۔ اور پھر ہمارے مکاتیب فکر کے اکابر مولانا سیّد ابوالحسنات محمد احمد قادری، مولانا احمد علی لاہوری، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی مقصدِ وحید پر جمع ہو گئے تھے تو آج ہم کیوں جمع نہیں ہوتے؟

جب کہ اس وقت ملکی اور بین الاقوامی سطح پر حالات اس طرح مخدوش و خطرناک ہیں کہ ہم ایک طرف سُرخ و سفید سامراجوں کے نرغے میں ہیں اور دوسری طرف بنیا برہمن سامراج ہم پر دانت تیز کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں ان طاقتوں کے تخریبی ایجنٹ داخلی طور پر اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ساری دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ روسی درندوں نے افغانستان میں اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ سُنّی کو مار دیا جائے اور غیر سنّی کو چھوڑ دیا جائے بلکہ انہوں نے بستیوں کی بستیاں اُجاڑ دی ہیں، معصوم بچیوں کی عزتیں لوٹ لیں۔ کھیتیاں، باغات ویران کر دیئے۔ مکانات پر بمباری کر کے انہیں پیوندِ زمین کر دیا۔ "لبنان" میں جو کچھ ہوا اس سے ساری انسانیت رنج و الم اور درد و غم سے کراہ رہی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں ہندو مسلم فساد کی آڑ میں "جن سنگھی" درندوں اور "اندرا گاندھی" کے پالتو "غنڈوں" نے اپنے پُرانے رفقاء کو بھی نہیں چھوڑا اور بلا امتیاز "سُنّی"، حنفی، اور بریلوی، دیوبندی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ ان پُر آشوب واقعات کے بعد تمام مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ افغانی مسلمان بھاگ کر ہمارے پاس آ گئے۔ لبنانی فلسطینی اسلامی ممالک میں پناہ گزیں ہوئے۔ پاکستانی مسلمان بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ اس رُوح گداز صورتِ حال کے پس منظر میں میں نے اتحاد بین المسلمین کے لیے ایک چار نکاتی فارمولا پیش کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اندر اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ اتحاد نہ صرف پاکستان کے اندر ملّی وحدت و استحکام کا حامل ہوگا بلکہ عالمِ اسلام کے لیے بھی زبردست قوّتِ مؤثر بن کر کام دے گا۔

یہ دعوت ایک ایسے خادمِ ملّت کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے جس نے تحریکِ پاکستان، تحریکِ ختمِ نبوّت، تحریکِ بحالیٔ جمہوریت، تحریکِ نظامِ مصطفےٰ

میں بھرپور اقدام کیا۔ اور تمام مکاتیبِ فکر اکابر کے ساتھ بے مثال ربط و ضبط اخوت و مؤدت اور ایثار و اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے۔

مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری ہوں، یا مولانا احمد علی لاہوری۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہوں یا مولانا عبدالحامد بدایونی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہوں یا مولانا داؤد غزنوی۔ سب نے خاکسار کو اپنے اعتماد سے نوازا ہے۔ اب میں اِن تمام اکابر سے عقیدت رکھنے والے علماء و زعماء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اعداو معاندین کی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں اور حتی الوسع تنقید و تعریض سے اجتناب کریں۔ بلکہ دنیا میں جہاں کہیں ان کے معتقدین اور حامیین موجود ہیں، سب کو انتباہ کر دیں کہ وہ بیرونِ پاکستان بھی اسی جذبۂ محبت و اتحاد کو قائم رکھیں اور مقامی حکومتوں کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ اندرونِ پاکستان جیسی فضا کو بیرونِ ملک بھی قائم رکھیں۔

اتحادِ ملّت کے چار نکات

نکتہ نمبر ۱ :

پاکستان کی تمام جماعتیں شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح، شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی رح اور شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رح کے افکار و نظریات پر اصولاً متفق ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے تمام متنازعہ فیہ امور ان کے عقائد و نظریات کی روشنی میں حل کریں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ان اکابر سے لے کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ تک ہمارا مرکزِ اطاعت ایک ہے۔ بریلوی اور دیوبندی امامِ اعظم ابوحنیفہ رح کے غیر مشروط مقلد ہیں اور دوسرے ائمۂ عظام کا پورا احترام و اکرام کرتے ہیں۔ حنفی و اہلحدیث قرآن و حدیث و اصحابِ رسول ؐ کے پیرو کار ہیں۔ اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل کتاب و سنّت اور سلفِ صالحین کی اتباع سے حاصل نہ ہو سکے۔

برِصغیر میں مسلمان فرقوں کے اختلافات کی عمر ستر اسّی سال سے زیادہ ن
ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی مقتدائے علمائے دیوبند ۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے
شمس العلماء میاں نذیر حسین دہلوی کی وفات ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ انگریز کی آ
سے قبل مسلمانوں کا تعارف اور اجماع جس ایک نام سے تھا وہ اہلِ سنّت وا
ہے۔ تمام فرقہ وارانہ ناموں کو چھوڑ کر صرف اہلِ سُنّت والجماعت کہلائیں۔ کہ
یہ نام بموجب ارشادِ نبوّت "علیکم سنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشد
المھدیین" اور "علیکم بالجماعۃ فانّہٗ من شذ شذ
فی النّار" خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رکھ دیا ہے۔

نکتہ نمبر ۲ :

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری رح کی عظمت اور مرتبے
سب لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ تمام اکابر علماء دیوبند بالواسطہ یا بلا واسطہ حضر
حاجی صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔ برِّصغیر یا عالمِ اسلام میں جب
اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں، ان کا جامع و مانع حل انہوں نے پیش کر دیا
اگر تمام مکاتبِ فکر حاجی صاحب کی تصنیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی روشنی
ایک دوسرے کا احترام کریں تو فرقہ وارانہ اختلافات چشم زدن میں ختم ہوسکے

نکتہ نمبر ۳ :

علماءِ دیوبند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا
عبد الرحیم رائے پوری، مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دار العلوم دیوبند ابن مولانا
نانوتوی۔ مولانا عزیز الرحمٰن مفتی اعظم دار العلوم دیوبند۔ مولانا مفتی کفایت
دہلوی کی مصدقہ کتاب مولانا خلیل احمد کی تصنیف "المھند" جو اعلیٰ حضرت
احمد رضا خاں بریلوی کی تصنیفات "حسام الحرمین" اور "الدولۃ المکیۃ" کے جوا
میں شائع ہوئی جس میں انہوں نے اپنے عقائد و نظریات کی وضاحت کی ہے
اس پس منظر میں علماءِ دیوبند "المھند" کو اختلافی مسائل میں نافذ العمل کر لیں ا
پبلک پلیٹ فارم پر ایک دوسرے کے خلاف طعن و تشنیع سے مکمل اجتناب کر لی

نکتہ نمبر ۴ :

انگریزی محاورہ ہے (LIVE AND LET OTHERS LIVE)
" زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" اگر کوئی مسلمان سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو اسے پڑھنے دیں۔ اور جو خاموشی سے بیٹھ کر درود شریف پڑھے تو اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کھڑا ہو کر بلند آواز سے ضرور پڑھے۔ تمام مسلمان نماز میں السلام علیک ایہا النبی پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں تو نماز کے بعد میں اس پہ کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔

مسجدوں، خانقاہوں اور اوقات کے جھگڑے بھی اسی جذبے سے طے ہو سکتے ہیں کہ مسجدوں میں کسی کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے۔ جن لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہو انہی کے مسلک کی انتظامیہ ہو۔ اگر اس طرح سب فرقے مل کر مرکزی نکتہ عظمت و وقار کو سامنے رکھیں تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا ہے۔

اغیار نے جب بھی کسی اسلامی ملک کو تباہ و برباد کیا تو مذہبی اختلاف پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا۔ فرقہ واریت نے اسلامی وحدت و استحکام کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ کیا پاکستان کو اب جن مسائل و مشکلات کا سامنا ہے اس کا احساس تمام فرقوں کے رہنماؤں کو نہیں ہے؟ اگر کوئی غیبی ہاتھ انہیں باہم متحد کرنے میں حائل ہے تو پیشتر اس کے کہ خدانخواستہ اُندلس، لبنان، تاشقند، سمرقند، بخارا، بغداد، دہلی اور افغانستان جیسے حالات پیدا ہوں، ہمارے مراکز دینی، مساجد، درسگاہیں و مزارات اغیار کے ہاتھوں خاکستر ہو جائیں، ہماری بہو بیٹیوں، ماؤں بہنوں اور بیویوں کی عزتیں ظالمین و جابرین شہروں قصبوں میں نیلام کرتے پھریں، ہمیں دل کی گہرائیوں سے فکری و ذہنی اتحاد قائم کر کے اغیار کے منصوبوں کو ناکام بنا دینا چاہیئے۔ برطانیہ جیسا چھوٹا ملک ایک دور میں تمام متمدن دنیا پر بالادستی حاصل کر سکتا ہے تو پاکستانی مسلمان منظم و متحد ہو کر کفر کی طاقتوں سے نبرد آزما کیوں نہیں ہو سکتے؟ اور اتحاد اسلامی کو زندہ حقیقت بنا کر "سرخ" اور "سفید" سامراجوں اور ان کے گماشتوں کو کیوں شکست نہیں

عشرۂ کاملہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی کراچی میں مصروفیات

از قلم : حافظ محمد رفیق (کراچی)

(دوسری قسط)

۲۵ دسمبر بروز ہفتہ اس روز امیر محترم دفتر تنظیم اسلامی میں مقررہ وقت ۹ بجے سے بھی چند لمحے پہلے پہنچے۔ رفتہ رفتہ تعداد شرکاء میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہانتک کہ دفتر کا Main Hall بھر گیا اور کئی بار شرکاء سے نئے آنے والے حضرات کے لئے مکانیت پیدا کرنے کی درخواست کرنا پڑی۔ جب ہال بھر گیا اور مزید گنجائش باقی نہ رہی تو Annax میں بعد میں آنے والے حضرات کو Accommodate کیا گیا۔

۹ بجے سے ۱۲ بجے تک امیر محترم نے شرکاء کے مختلف (درس سے متعلق وغیر متعلق) سوالات کے جوابات دیئے اور ان اشکالات کو دور کیا جو پیش کئے گئے سوال و جواب کے بعد مجموعی طور پر ۱۵ نئے افراد نے عہد نامہ رفاقت پڑھا اور امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ نئے رفقاء میں ایک صاحب کا تعلق سکھر اور دوسرے صاحب کا تعلق لاہور سے تھا۔ باقی ۱۳ اصحاب کا تعلق کراچی سے ہے نئے رفقاء کے تعارف کے بعد اجتماعی دعا ہوئی۔ اور اس طرح اس اجتماع کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔

اس اجتماع کے خاتمے کے بعد امیر محترم عاصم صاحب کے ہمراہ ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور پروگرام کے مطابق بعد نماز مغرب خالقدینا ہال میں سٹی کونسل کے زیر اہتمام "اسلام کے عطا کردہ سماجی نظام" پر مفصل و مبسوط خطاب فرمایا جو ایک گھنٹہ اور ۸ منٹ تک جاری رہ سکا۔ چونکہ عشاء کی نماز کی اذان ہو گئی تھی لہٰذا امیر محترم نے یہ کہہ کر اپنی گفتگو ختم فرمائی کہ اس مختصر وقت میں جو کچھ میں عرض کر سکتا تھا وہ عرض کر دیا۔ اب ان شاء اللہ کل حضورؐ کے لائے ہوئے معاشی نظام پر گفتگو ہوگی۔

الحمد للہ! سامعین وحاضرین کا معاملہ ہر جگہ کی طرح یہاں بھی انتہائی تسلی بخش رہا۔ سامعین ہر نئے پروگرام کی ٹوہ اور جستجو میں لگے رہے اور اپنی بھرپور حاضری سے اپنے وافر ذوق و اشتیاق کا مظاہرہ کیا۔ خالقدینا ہال میں مجوزہ احاطہ جہاں ٹینٹ نصب کئے گئے تھے اس کی تمام نشستیں پر ہوگئیں تو باقی افراد خالی جگہ و بغلی اطراف میں سمٹتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک طرف کی درمیانی قنات کو گرا کر حائل پردہ و رکاوٹ کو دور کیا گیا اور ان قناتوں کو بطور فرش استعمال کیا گیا۔ خالقدینا ہال میں اس پہلی نشست کا یہ عالم تھا کہ باقی تینوں روز نہ صرف سامعین کی عددی قوت میں اضافہ ہوا بلکہ سابقہ دروسِ قرآنی میں شریک حضرات کے علاوہ نئی کھیپ میں زیادہ تر وہ افراد تھے جو اچھے کاروباری حضرات تھے اور اچھی پوسٹوں پر فائز ملازم طبقہ تھا جس کے متعلق اگر یہ رائے قائم کی جائے کہ ایسے حضرات بہت کم ایسے مذہبی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں گویا معروف معنوں میں جنہیں سیکولر افتاد کے لوگ کہا جا سکتا ہے یعنی مذہب محض ایک نجی معاملہ ہے اور اس کا تعلق محض عقائد اور رسومات سے ہے مگر اسی عنصر کو عرف عام میں Intellectual اور minority سے موسوم کیا جاتا ہے۔ Social - Elite

خالقدینا ہال اور نماز عشاء سے فراغت کے بعد امیرِ محترم عاصم صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ رات ساڑھے دس بجے فاروق اعظمؓ آرگنائزنگ کمیٹی والوں کی طرف سے جلسہ گاہ میں لے جانے کے لئے گاڑی آئی، جیٹ لائن بالمقابل سی ڈی اے ورکشاپ کے جلسۂ عام میں امیرِ محترم نے سیرۃ النبیؐ کے عملی پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی اور نبوت و رسالت کی اتمامی و اکمالی شان کو اجاگر کیا اسی مناسبت سے امتِ مسلمہ پر عائد شدہ ذمہ داریوں کی ادائیگی پر زور دیا۔ حاضری عام جلسوں سے قدرے بہتر تھی مگر زیادہ تر مقامی آبادی سے پر مشتمل تھی۔ ایک گھنٹہ تقریر کرنے کے بعد امیرِ محترم علامہ مسدوسی صاحب کی معیت میں واپس عاصم صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ واپسی پر مسدوسی صاحب سے تقریباً ڈیڑھ بجے شب تک نظامِ بیعت اور دورِ حاضر میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی شکل کیا ہو سکتی ہے اس موضوع پر قرآن و حدیث کے احکامات اور فقہی مسالک و مذاہب کی مختلف آراء کی روشنی میں اس کی مناسب حال شکل کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ راقم اپنی کم فہمی کے باعث مجموعی طور پر مسدوسی صاحب کے مخصوص طرزِ تکلم اور تفقہ، "بھاری بھرکم" اصطلاحات اور متحیر کن

تلفظ کے رعب سے وقتی طور پر مرعوب تو ہو گیا مگر ماحصل تاحال میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

۲۶, دسمبر بروز اتوار ویسے تو اس روز نماز فجر کے بعد امیر محترم کی مسدوسی صاحب سے گزشتہ سے پیوستہ گفتگو کا سلسلہ جاری رہا اور ۷ بجے کے قریب مولانا سردار محمد عبد الحمید صاحب، محی الدین صاحب اور اویس صاحب، امیر محترم کے پاس تشریف لائے، متصلاً بعد مولانا طاسین صاحب کو بھی گاڑی لے کر آ گئی۔ اس اجتماعی نشست میں زیادہ تر مولانا سردار عبد الحمید صاحب ہی گفتگو کرتے اور امیر محترم زیادہ سنتے اور کم بولتے رہے۔ اس گفتگو سے سردار صاحب کی لائف ہسٹری' ان پر واقع ہونے والے نشیب و فراز اور ان کی موجودہ دینی خدمات اور خصوصاً قلمی جہاد کا اندازہ ہوا۔ بقول ان کے، ان کی بعض انگریزی تصانیف کے مطالعہ سے نائیجیریا میں چھ افراد نے عیسائیت سے اسلام قبول کر لیا۔ سردار صاحب کے کلام سے سادگی اور اسلام کے درد و خلوص کی جھلک نمایاں تھی اور ان کا پر خلوص و بے طمع دینی جذبہ عیاں ہو رہا تھا۔ واضح رہے کہ سردار صاحب سابق مشرقی پاکستانی ہیں اور ان کی مادری زبان بنگلہ ہے۔ اردو میں ان کے ہاں کافی روانی اور تسلسل تو موجود تھا مگر تذکیر و تانیث کی عدم تفریق اور تلفظ کی ادائیگی سے پیدا شدہ سامعین کی اندرونی کیفیت ان (سردار صاحب) کی عظمت و قدر کے باوجود چہروں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اس عارضی رکاوٹ اور ظاہری بند کو سردار صاحب کے ساتھی اویس صاحب نے اپنی ظرافت و بذلہ سنجی سے دور کیا۔

عاصم صاحب کے مکان پر ناشتہ کے بعد جناب سردار صاحب اپنے ہمراہیوں سمیت چلے گئے۔ اب مولانا طاسین صاحب، مسدوسی صاحب اور امیر محترم کے مابین گفت و شنید کا دور چلا۔ مسدوسی صاحب نے اب مولانا طاسین صاحب کی موجودگی میں از سر نو اپنا فقہی موقف دہرایا۔ مسدوسی صاحب کے چلے جانے کے بعد امیر محترم اور مولانا طاسین کے مابین مختلف موضوعات زیر بحث آئے اور فی الوقت مختلف ممالک میں رائج جمہوری، روایتی اور نظریاتی نظامہائے زندگی کے حوالے سے نظام بیعت زیر بحث آیا۔ اس گفتگو کے دوران امیر محترم کے اصرار پر مولانا طاسین صاحب نے جلد اسی دینی مسئلے کی موجودہ نزاکت کے باعث علمی و تحقیقی کام کا وعدہ فرمایا۔ غالباً ۱۱ بجے تک یہ گفتگو جاری رہی بعد ازاں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے فرزند جناب صلاح الدین صاحب کی دعوت پر دوپہر کے کھانے کے لئے ان کی رہائش

پر تشریف لے گئے اور ان سے گفتگو ہوئی۔

اسی روز بعد نماز مغرب خالق دینا ہال میں "اسلام کے عطا کردہ معاشی نظام" پر انتہائی جامع و پُر مغز خطاب فرمایا۔ سامعین کی حاضری کے متعلق پہلے ذکر آچکا ہے۔ مزید اضافہ یہ کہ سامعین کی رغبت و تاثر کا یہ عالم بھی تھا کہ بعض حضرات سر دھن رہے تھے۔ پھر ۱۰½ بجے شب فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی کے تحت منعقدہ سیرت النبی کے جلسے بمقام کورنگی میں "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کے عنوان سے ایک گھنٹہ سے زیادہ خطاب فرمایا اور محسوس ہوا کہ سامعین سیرت کے اس انوکھے انداز سے کافی متاثر تھے۔ (ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ)

۲۷ دسمبر بروز پیر

اس روز صبح گیارہ بجے تک کوئی باقاعدہ ملاقات و مصروفیت نہیں تھی۔ گذشتہ روز و شب کی تھکاوٹ و جگارے کے باعث نماز فجر کے بعد ۹½ بجے تک امیر محترم نے آرام کیا۔ برائے نام ناشتہ کیا اور اس دوران کچھ فون آتے رہے۔ گیارہ بجے کے بعد امیر محترم عاصم صاحب کے ہمراہ جامعہ اسلامیہ عربیہ بنوری ٹاؤن میں مدیر "البیّنات" جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے پاس تشریف لے گئے۔ مولانا صاحب اس وقت کسی تحریری کام میں مصروف تھے، رسمی استقبال مہمان اور مصافحہ کے بعد حسب سابق اپنے تحریری کام میں مشغول رہے حتّٰی کہ ۷-۸ منٹ بعد جب اپنے شغل سے از خود فارغ ہوئے تو امیر محترم کی طرف عام ملاقاتی کی طرح التفات فرمایا، جوں جوں گفتگو آگے بڑھتی رہی، دھیرے دھیرے حائل حجابات اور بُعد قلبی کے فاصلے چھٹتے چلے گئے۔ گھنٹے سوا گھنٹے کی اصحاب علم و فضل اور اہل دل کی یہ مصاحبت آخری لمحات میں "یک جان دو قالب" کا نقشہ پیش کر رہی تھی اور فصل، وصل میں اور بُعد، قربت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ذرا پہلی کیفیت سے آخر کا تقابل کیجئے۔ اختتام صحبت پر مولانا لدھیانوی صاحب نے اپنی علمی اور دینی شفقت و محبت کے جذبات سے امیر محترم کو اپنی کتب کا سیٹ دے کر رخصت فرمایا۔ (اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمَا)

مولانا لدھیانوی صاحب سے فارغ ہو کر امیر محترم سیدھے جناب لطف اللّٰہ صاحب کے مکان پر ان کی دعوت پر تشریف لے گئے، ان سے "منتخب نصاب" کی ریکارڈنگ اور تبلیغی و اشاعتی فروخت کے متعلق گفتگو ہوئی کہ وہ EMI والوں سے بات چیت کریں کہ

سورۂ حدید کے بقیہ منتخب نصاب کو بھی منظر عام پر لایا جائے۔ بصورت دیگر موصوف ماسٹر کاپیاں (اصل ریکارڈنگ) سے تنظیم کو استفادہ کرنے دیں۔

حسب پروگرام بعد نماز مغرب خالقدینا ہال میں "اسلام کے عطا کردہ سیاسی نظام" پر خطاب فرمایا اور یہاں سے سیدھے نئے تنظیمی رفیق محترم محمد لقمان صاحب کی دعوت پر ان کے ہاں رات کے کھانے میں شرکت ______! اس عشائیہ میں لقمان صاحب نے اپنے اعزاء و اقارب کے علاوہ بعض تنظیمی رفقاء کو مدعو کیا تھا۔ نماز عشاء باجماعت ان کے وسیع و عریض بنگلہ کے لانچ ہال میں ادا کی گئی اور کھانے سے قبل جملہ حاضرین کا تعارف لقمان صاحب نے اختصار کے ساتھ کرایا۔ اس دوران جناب محمد لقمان صاحب کے نسبتی ماموں جان اور راقم کے اسلامک سینٹر کے سابق استاذ محترم جناب مولانا عبد الرؤف صاحب سے امیر محترم کا تعارف ہوا۔ مولانا موصوف کے سابقہ عملی تجربات اور وافر صلاحیتوں کو صحیح مصرف میں لانے اور تنظیمی سطح پر ان سے استفادہ کرنے کے لئے امیر محترم نے انہیں قرآن اکیڈمی کے لئے پیش کش فرمائی۔

عشائیے کے بعد تقریباً ۱۱ بجے شب امیر محترم کو فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی کے زیر انتظام منعقدہ جلسہ سیرت النبیؐ بمقام نیو کراچی ۱۱-جی ایریا میں خطاب کے لئے لایا گیا۔ مقصد بعثت نبوی کے حوالے سے سیرت کے عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالی، ایک گھنٹہ کا یہ خطاب تھا، حاضری واجبی سی تھی۔

۲۸ دسمبر بروز منگل اس روز ناشتہ قاسم صاحب کے یہاں تھا۔ قاسم کے مکان پر دو خواتین نے صبح دس بجے امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ دوپہر کے کھانے کی دعوت جناب منصور بنگلہ صاحب کے یہاں تھی جو دہلی کی معروف پنجابی سوداگر برادری کے ایک صالح فرد ہیں۔

اسی روز بعد نماز مغرب خالقدینا ہال میں امیر محترم نے "اسلام کے عطا کردہ انقلابی نظام" پر ایک گھنٹہ سے کچھ زائد انتہائی پر اثر اور مختصر وقت میں نہایت جامع خطاب فرمایا۔ جس کے متعلق شرکاء جلسہ کے خود اپنے تاثرات یوں سنے گئے کہ "یہ پورے خطابات کا مغز ہے"! اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جملہ دروس قرآنی اور خطابات کا یہ نچوڑ

اور جو بہر تھا۔ سورۂ حدید وصف کے دروس قرآن اور دیگر جملہ خطابات اور خصوصاً خالقدینا ہال کے چار روزہ خطابات کے دوران حاضری کی کثرت کے علاوہ خطابات کی ریکارڈنگ کے لئے ٹیپ ریکارڈرز کی بھی فراوانی تھی۔

تقریر کے اختتام پر امیرِ محترم نے ان خطابات سے پیدا شدہ اشکالات و سوالات کے جوابات کے لئے کل مؤرخہ ۲۹ دسمبر صبح ۹ تا ۱۱ بجے کا وقت دفتر تنظیم اسلامی میں دیا۔ خالقدینا ہال سے امیر محترم سیدھے مولانا ظفر احمد انصاری کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور ان سے ملکی و سیاسی حالات و واقعات پر تبادلۂ خیال کیا۔

رات کا کھانا جناب طارق الدین صاحب صدر مجلس منتظمہ جامع مسجد ہادی مارکیٹ کے یہاں تھا جس میں مقامی تنظیم کے امیر ڈاکٹر تقی الدین اور چند دوسرے رفقاء بھی مدعو تھے۔ دورانِ گفتگو جناب طارق الدین صاحب نے مذکورہ مسجد میں خطابتِ جمعہ کے لئے امیرِ محترم سے تنظیم کا خطیب مانگا تو امیر محترم نے ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب کو یہ ذمہ داری تفویض کی۔ مسجد لطفی جہاں جناب ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب گذشتہ چند سالوں سے خطابِ جمعہ کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے امیر محترم کے حکم کے بعد مسجد کی انتظامیہ کو اس نئے فیصلے سے آگاہ کریں گے یا اس کا کوئی متبادل بندوبست کر کے دیں گے۔

فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی کے زیر انتظام اس شب کو ۱۲ ویں اور آخری سیرت کانفرنس کا انعقاد بمقام جامع مسجد فاروق اعظم بلاک جے نارتھ ناظم آباد میں تھا۔ جس کے اصل خطیب امیر محترم ہی تھے۔ ۱۱ بجے شب کمیٹی کی گاڑی امیرِ محترم کو جلسہ گاہ میں لے آئی۔ اور سوا بارہ بجے تک امیر محترم نے سیرت نبویؐ پر جامع تقریر فرمائی۔ یہاں حاضری بہت زیادہ تھی۔

امیر محترم کے خطاب سے قبل مولانا آصف قاسمی صاحب اور کمیٹی کے چیئرمین سہیل احمد خان نے امیر محترم کا شکریہ ادا کیا اور پھر مولانا آصف قاسمی صاحب نے "المعین فی فہم القرآن" کے عنوان سے ریکارڈ شدہ کیسٹ سیریز کا پہلا سیٹ، آٹھ کیسٹوں پر مشتمل سورۂ بقرہ مع تلاوت و ترجمہ وغیرہ امیر محترم کو ہدیۃً پیش کئے۔

۱۲½ بجے شب امیر محترم یہاں سے فارغ ہو کر تیسرے جلسہ عام سے خطاب

کرنے کے لئے فرنیچر مارکیٹ لیاقت آباد تشریف لے گئے۔ واضح رہے کہ مختار فاروقی صاحب کے مکان پر مسرور صاحب نے فرنیچر مارکیٹ کمیٹی کے عہدیداران کی طرف سے سفارش کی تھی اور امیر محترم نے سابقہ تعلق اور مروت قلبی کے تحت اپنی طبیعت پر اضافی بوجھ ڈال کر ان سے وعدہ کر لیا اور اس طرح اس روز یہ تیسرا جلسۂ عام سے خطاب تھا۔

۲۹ دسمبر بروز بدھ پروگرام کے مطابق اس روز صبح ۹ بجے تا ۱۱ بجے دوپہر دفتر تنظیم اسلامی میں خالقدینا ہال میں کئے گئے خطابات کے ضمن میں سوال و جواب کی خصوصی نشست تھی۔ مگر صبح آٹھ بجے "کے پی ٹی آرگنائزیشن آف ورکرز" کے صدر محترم خورشید احمد خان صاحب گاڑی لے کر امیر محترم کو لینے آگئے۔ اور پروگرام کے مطابق امیر محترم کو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے کے پی ٹی میں Labour Hall کا صرف سنگ بنیاد کا افتتاح کرنا تھا۔ مگر وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ منتظمین حضرات نے سیرت النبیؐ کے جلسے کی تیاری مکمل کر لی ہے۔ اور خطاب کے لئے امیر محترم سے امید وابستہ کر رکھی ہے۔ اس طرح ان حضرات نے امیر محترم کو کشمکش و پیچ میں مبتلا کر دیا۔ امیر محترم کو ان کے ناگہانی پروگرام سے ناگواری تو محسوس ہوئی چونکہ دفتر میں ٹھیک نو بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ مگر احساس ذمہ داری اور فطری مروت آڑے آئی۔ اور نتیجتاً امیر محترم نے ایمانیات ثلثہ میں سے ایمان بالمعاد کے حوالے سے آجر و مستاجر کے حقوق و فرائض کو آشکارا کیا۔ سامعین میں جناب ایم آئی ارشد صاحب چیئرمین کے پی ٹی و دیگر اعلیٰ افسران وعہدیداران وغیرہ تقریباً ۳ سو کی تعداد میں موجود تھے۔

امیر محترم وہاں سے دفتر تنظیم اسلامی چوبیس منٹ کی تاخیر سے پہنچے اور اس کا ازالہ مزید آدھ گھنٹہ اضافی وقت دے کر کیا۔ دو گھنٹے تک سوال و جواب کی یہ خصوصی نشست جاری رہی۔ اس دوران چار افراد نے تنظیم میں شمولیت کا تحریراً ارادہ ظاہر کیا۔ مگر امیر محترم کی ۲ بجے کی فلائٹ ملتان کے لئے تھی۔ جہاں سے پھر شجاع آباد جانا تھا اس لئے امیر محترم بقیہ کارروائی مقامی امیر تنظیم کے حوالے کر کے روانہ ہو گئے۔ اس طرح یہ عشرہ کاملہ تکمیل کو پہنچا۔

(باقی ص ۵۲ پر)

THE ORIGINAL

paragon

رفتارِ کار

امیرِ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دعوتی سرگرمیوں کے متعلق گذشتہ ماہ کے میثاق کے عرضِ احوال میں ۱۵ جنوری ۸۳ء تک کی رُوداد تو قدرے تفصیل سے عرض کی گئی تھی اور اگلے پندرھواڑے کے پروگراموں کا محض ذکر کیا گیا تھا۔ کراچی کے دورے کے علاوہ اب پنجاب کے ہر دورے میں لاہور کے رفقاء کا کم از کم تین افراد پر مشتمل ایک گروپ جانے کا مستقل فیصلہ کر لیا گیا ہے تاکہ ہر مقام پر امیرِ محترم کی شخصیت اور تنظیم کی دعوت سے دلچسپی رکھنے والوں سے قریبی تعلقات قائم ہو سکیں اور ان روابط کو ان شہروں میں "تنظیمِ اسلامی" کی مقامی شاخ کے قیام کے سلسلہ میں مفید طریق پر استعمال کیا جا سکے۔ ۱۷ جنوری سے ۱۲ فروری ۸۳ء تک کی بیرونِ لاہور کی دعوتی دورں کی قدرے تفصیل سے رُوداد پیشِ خدمت ہے۔ جس میں لالہ موسیٰ، سرگودھا اور میانوالی کے دورے کی رُوداد آزاد کشمیر کے ہمارے رفیق سید محمد آزاد صاحب کی مُرتب کردہ ہے۔

لالہ مُوسےٰ ۱۷ جنوری بروز پیر امیرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب انجمن اشاعت التوحید والسنۃ کی دعوت پر لالہ موسیٰ تشریف لے گئے اور اُسی روز بعد نمازِ عشاء جامع مسجد ٹھٹھرے والی میں "سیرۃ النبیؐ" کے عنوان پر عظیم الشان جلسہ منعقد ہُوا جس میں محتاط اندازے کے مطابق چار ہزار افراد کا مجمع تھا۔ مسجد میں تِل دھرنے کو جگہ باقی نہ تھی۔ حاضرین میں بے پناہ جوش و خروش دیکھنے میں آیا۔ امیرِ محترم کا خطاب سُننے کے لیے بھمبر، امیر پور، گوجر خاں، دینہ اور جہلم جیسے دُور دراز مقامات سے لوگ تشریف لائے تھے۔ جلسہ کی کارروائی تلاوتِ قرآنِ حکیم سے شروع ہوئی۔ تلاوت کے بعد سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے مختصر خطاب کیا جو مشہور عالمِ دین اور مبلغِ توحید جناب مولانا سید عنایت اللہ صاحب بخاری مدظلہٗ تعالیٰ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ ازاں بعد امیرِ محترم نے "سیرتِ النبیؐ کی روشنی میں ہمارے دینی فرائض" کے موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ تک نہایت جامع انداز میں خطاب فرمایا۔

حاضرین جوشِ جذبات میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ اور یہ جوش و جذبہ جلسہ کے اختتام تک بڑھتا ہی رہا۔ حافظ محمد مطیع اللہ صاحب اور اُن کے رفقائے جلسہ کا انتظام نہایت احسن طریق پر کر رکھا تھا۔ مسجد کے بیرونی حصہ میں انجمن خدام القرآن کی مطبوعات اور کیسٹ سیریز کے سٹال بھی لگائے گئے تھے۔ سٹال پر بھی لوگوں کی دلچسپی دیدنی تھی۔

سرگودھا

۲۳ جنوری بروز اتوار امیر محترم "نوجوانانِ توحید و سُنّت" کی دعوت پر بذریعہ کار سرگودھا تشریف لے گئے۔ اسی روز بعد از نمازِ عشاء جامع مسجد ضیاء العلوم، واٹر سپلائی روڈ میں ایک عظیم الشان جلسہ سیرت النبیؐ سے آپ نے دو گھنٹہ تک مفصل خطاب فرمایا۔ آپ کی تقریر کا موضوع "سیرت النبیؐ کی روشنی میں ہمارے دینی فرائض" تھا۔ مسجد کا وسیع احاطہ حاضرین سے بھرا ہُوا تھا اور ڈاکٹر صاحب کا خطاب سُننے کے لیے لوگ دُور دُور سے آئے تھے۔ جمعیت نوجوانانِ توحید و سُنّت کے صدر مولانا محمد عطاء اللہ صاحب بندیالوی اور ملک ضیاء الحق صاحب جنرل سیکرٹری نے اس جلسہ کے لیے بہت سرگرمی سے کام کیا تھا۔ اراکین نوجوانانِ توحید و سنّت کا ذوق و شوق قابلِ ستائش تھا اور حاضرین کا جوش و خروش قابلِ دید۔ اس موقع پر مسجد کے گیٹ کے قریب امیر محترم کی تصانیف کا مکتبہ بھی لگایا گیا تھا جس کی نگرانی قاضی عبدالقادر صاحب قیّم تنظیم اسلامی کر رہے تھے۔

۲۴ جنوری بروز پیر گیارہ بجے قبل دوپہر گورنمنٹ ڈگری کالج سرگودھا میں عظیم الشان جلسۂ سیرت النبیؐ منعقد ہُوا جس میں کثیر التعداد طلباء اور معزز شہریوں نے شرکت کی۔ کالج کی انتظامیہ نے خصوصی دلچسپی لے کر جلسہ کو کامیاب بنایا۔ امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں حضورؐ کی سیرتِ مقدسہ کے اہم واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے حاضرین پر زور دیا کہ وہ حضورؐ کی زندگی کے عملی پہلوؤں کو اپنی زندگیوں کے لیے مشعلِ راہ بنائیں۔ یہ تقریر بھی ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔ یہاں بھی مکتبہ لگایا گیا تھا اور اچھی خاصی نکاسی ہوئی۔

میانوالی

سرگودھا سے فارغ ہو کر امیر محترم ایک بجے بعد دوپہر میانوالی کے لیے روانہ ہوئے اور کندیاں میں حضرت مولانا

خاں محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں کچھ وقت گزارا۔ بعد نمازِ عشاء جامع مسجد میاں سلطان علی مرحوم میانہ محلہ میانوالی میں عظیم الشان جلسۂ سیرت النبیؐ منعقد ہوا جس میں حاضرین کی تعداد چار ہزار سے زائد ہو گی جو سرگودھا سے بڑھ گئی تھی۔ امیرِ محترم نے جامع انداز میں حضورؐ کی سیرت پر مفصل خطاب فرمایا۔ یہاں بھی نوجوانانِ جمعیت اشاعت التوحید السنۃ کا دینی ذوق اور حسنِ انتظام قابلِ تعریف تھا۔ جلسہ کی صدارت مولانا محمد امیر صاحب نے فرمائی۔ موصوف یہاں کی معروف علمی شخصیت ہیں اور ان کی خدمات کا تذکرہ یہاں ہر کس کی زبان پر ہے۔ محمد اقبال صاحب توحیدی، خواجہ محمد اسلم صاحب اور خواجہ محمد افضل صاحب (برادران) نیز ظفر اقبال صاحب صدر جمعیت نوجوانانِ توحید وسنت نے اس جلسہ کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مہمانوں کی خدمت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی اقبال توحیدی صاحب دعوت نامہ لے کر لاہور تشریف لائے تھے اور پھر سرگودھا بھی آ گئے تھے۔ اللہ تعالےٰ ان نوجوانوں کے دینی ذوق میں بیش از بیش ترقی عطا فرمائے۔ آمین !

ان مقامات کے اجتماعات کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں شرکت کے لیے دُور دراز مقامات سے لوگ آئے تھے۔ میانوالی کے جلسے میں شرکت کے لیے تنظیم کے رفیق ڈاکٹر احمد حسن ہاشمی صاحب کی سرکردگی میں داؤد خیل سے لوگوں سے بھری ہوئی کئی بسیں آئی تھیں۔ ان حضرات کا شدید اصرار تھا کہ آئندہ داؤد خیل میں پروگرام ضرور رکھا جائے۔ سرگودھا اور میانوالی میں ڈاکٹر صاحب کا یہ پہلا دعوتی دورہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی کتب اور کیسٹوں کے تمام اجتماعات میں اسٹال لگائے گئے، جن کی فروخت ہماری توقع سے بہت زیادہ بڑھ کر رہی۔

ڈاکٹر محمد انور خان نیازی صاحب (جو امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کلاس فیلو ہیں اور تیس سال بعد ملاقات ہوئی) نے قیام اور طعام کا ایسا بہترین انتظام کیا جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ ۲۵ جنوری منگل کے روز دس بجے دن امیرِ محترم نے منڈی میانوالی میں انجمن تاجران کے اجتماع سے خطاب کیا اور تاجران پر زور دیا کہ وہ تجارت کے اسلامی اصولوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں۔

اس موقع پر کلیم اللہ صاحب (چیپ میڈیکل اسٹور والے) سیکریٹری انجمن تاجران نے نہایت شاندار اور نپے تُلے الفاظ میں امیرِ محترم کی دینی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ صدرِ جلسہ کی رقت انگیز دعا پر جلسہ ختم ہُوا۔

ساڑھے گیارہ بجے ضلع کچہری میں بار رُوم میں وکلاء سے امیرِ محترم نے خطاب فرمایا اور بتایا کہ مملکتِ خداداد پاکستان کی بقاء صرف اسی صورت میں ممکن ہے، کہ یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ ازاں بعد پریس کے نمائندوں سے گفتگو ہوئی —

میانوالی سے واپسی پر امیرِ محترم واں بھچراں تشریف لے گئے جہاں انہوں نے جناب مولانا حسین علی رح کی قبر پر دعائے مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا کی۔ جو مولانا غلام اللہ مرحوم اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہ کے استاذ تھے۔ نیز اُن کے صاحبزادے سے ملاقات کی۔ اس طرح یہ کامیاب دورہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اور امیرِ محترم اپنے چند رفقاء کی معیت میں مراجعت لاہور ہوئے۔

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ امیرِ محترم ہر انگریزی ماہ پہلی پیر کو اسلام آباد/ راولپنڈی کے دورے پر تشریف لے جایا کرتے ہیں جہاں اسی روز بعد نمازِ مغرب انجمن خدام القرآن اسلام آباد/ راولپنڈی کی شاخ کے زیرِ اہتمام کمیونٹی سینٹر آب پارہ اسلام آباد میں ماہانہ درسِ قرآن ہوتا ہے۔ اس ماہ فروری میں تین دن (۵ تا ۷ فروری) امیرِ محترم نے اسلام آباد/ راولپنڈی میں گذارے۔ جس کی اجمالی رُوداد ہمارے نوجوان رفیق شعیب رحیم صاحب کی مرتب کردہ پیشِ خدمت ہے۔

اسلام آباد/ راولپنڈی

امیرِ محترم ۶ فروری بروز اتوار ہوائی جہاز سے اسلام آباد پہنچے۔ اُسی روز اقبال ہال اسلام آباد میں جلسہ سیرت النبی زیرِ صدارت جناب شاکر اللہ دتانی منعقد ہُوا۔ ڈاکٹر صاحب سے پہلے پروفیسر انعام اللہ جان صاحب نے سیرت کے موضوع پر مختصر تقریر کی۔ بعد ازاں امیرِ محترم نے پورے دو گھنٹے سیرتِ مطہرہ کے انقلابی پہلو پر تقریر فرمائی۔ ہال کے صدر دروازے کے سامنے مکتبہ لگایا گیا لیکن اُس روز چونکہ سردی زیادہ تھی اس لیے حاضری تین سو تک رہی یہ جلسہ مغرب کے بعد شروع ہُوا۔ اتوار رات کا قیام تنظیم کے رفیق واسطی صاحب پرنسپل نیوی لیبلز ہائی اسکول کے گھر پر رہا۔ رات چونکہ ڈاکٹر صاحب بے آرام رہے اس لیے

فجر کی نماز کے بعد آپ نے آرام کیا۔ دوپہر اب بھی سے ملاقاتیوں کا سلسلہ رہا۔ ۷ فروری بروز پیر ڈاکٹر صاحب کا درس کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں ہوا۔ یہ درس ہر مہینے کے پہلے پیر کو ہوتا ہے۔ حاضری لگ بھگ ۴۰۰ تھی۔ لوگوں نے پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ درس سنا۔ درس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوا۔ کیتھے پر بھی لوگوں کا ہجوم رہا۔

تیسرا پروگرام ۸ فروری بروز منگل بعد نماز ظہر جامع مسجد گنج منڈی میں ہوا۔ یہاں پر زیادہ تر منڈی کے تاجران اور کچھ دوسرے افراد نے شرکت کی۔ حاضری پہلے دروس کی طرح رہی۔ خطاب کے بعد منڈی کے تاجران نے ڈاکٹر صاحب کی تالیفات اور دروس کے کیسٹ کثیر تعداد میں خریدے۔ عصر کی نماز وہیں ادا کی گئی۔

اس کے بعد فیری لینڈ ہائی اسکول میں عشاء تک سوال و جواب کی نشست رہی جس میں تقریباً ۵ افراد موجود تھے۔ بعد ازاں ۹ افراد نے بیعت کی۔

۹ بجے شب کی فلائٹ سے ڈاکٹر صاحب واپس لاہور تشریف لے آئے۔

عرصہ زیر رپورٹ میں امیر محترم دو مرتبہ دروس و خطابات کے لیے کراچی تشریف لے گئے۔ ان دوروں کی روداد حسب ذیل ہے:-

کراچی

عرصہ زیر رپورٹ میں امیرِ محترم کے کراچی کے دو دعوتی دورے ہوئے۔ پہلا ۲۶ جنوری سے ۳۰ جنوری اور دوسرا ۹ تا ۱۱ فروری۔ ۲۶ جنوری ۸۳ء کو بعد نمازِ ظہر پی۔ آئی۔ ڈی۔ سی ہاؤس میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر خطاب ہوا۔ انتظامیہ کی جانب سے "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" نامی امیرِ محترم کے خطاب کے تین سو نسخے شرکاء میں تقسیم کیے گئے۔ کراچی کی تنظیم کا جو تربیتی اجتماع ہر بدھ کو دفتر تنظیم میں ہوتا ہے، امیر محترم نے بعد نماز مغرب اس میں شرکت کی۔ نیز شرکاء کے سوالات کے جوابات دیئے۔ ۲۷ جنوری کو بعد نماز عصر پی۔ ایس۔ او کیماڑی ٹرمینل میں سیرت النبیؐ کے موضوع ہی پر تقریر ہوئی۔ یہاں بھی مذکورہ بالا کتابچہ یونین کی طرف سے شرکاء میں تقسیم کیا گیا۔ ۲۷ جنوری کی شب کو انجمن باشندگان بلاک نمبر ۲ ناظم آباد (رجسٹرڈ) کراچی کے زیرِ اہتمام ایک جلسۂ عام کو جو میونسپل پارک میں جناب عبدالستار افغانی رئیس بلدیہ عظمیٰ کراچی کی زیرِ صدارت منعقد ہوا، امیر محترم نے "نبی اکرمؐ کی سیرت کا انقلابی پہلو" کے موضوع پر خطاب کیا۔ جلسہ کے واحد مقرر ڈاکٹر صاحب

ہی تھے۔ اس جلسہ میں حاضری بے پناہ تھی۔ تمام پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور سو لوگ کھڑے ہوئے تقریر سنتے رہے۔ شرکاء کی تعداد چھ سات ہزار کے لگ بھگ ہو گی۔ الحمد للہ تقریر نہایت جامع اور موثر تھی۔ پورے مجمع پر محویت کی سی کیفیت تھی اور پورا مجمع گہرے انہماک سے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے انقلابی پہلو کو سنتا رہا کہ کس طرح محبوب رب العلمین اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جاں گسل مصائب و مشکلات برداشت کر کے اور جان و مال کی قربانیاں دے کر اور انسانی سطح پر قدم بقدم چل کر جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی انقلاب برپا کیا تھا۔ مجمع میں والہانہ جوش و خروش تھا۔ اسی شب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ بھی نظر آیا کہ عشاء کے بعد ناظم آباد نمبر ۲ کے علاوہ ناظم آباد ہی میں دوسرے مقامات پر اچھی خاصی بارش ہوئی۔ اس جلسہ کو امیر محترم نے تقریباً دو گھنٹے خطاب کیا۔

۲۸ جنوری بروز جمعہ امیر محترم نے جامع مسجد بلاک نمبر ۴ نزد ہادی مارکیٹ میں اجتماع جمعہ سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کا موضوع تھا "دعوتِ اسلامی کا نقطہ آغاز: انذار"۔ بارہ بجے سے مسجد کا وسیع و عریض ہال پُر ہو چکا تھا اور ½ ۱۲ بجے تک وسیع و عریض صحن بھی پورا بھر گیا تھا۔ پورے ناظم آباد کے علاقوں میں یہ سب سے بڑی مسجد ہے۔ مجمع کا یہ عالم تھا کہ مسجد کے باہر تین اطراف کی سڑکیں بھی پُر ہو گئی تھیں۔

۲۸ جنوری کو بعد نماز مغرب امیر محترم نے پاکستان اسٹیل ملز کی یونین کے زیر اہتمام بِل کے ٹاؤن شپ میں بعد نماز مغرب منعقد ہونے والے ایک جلسہ عام میں "سیرتِ مطہرہ کے انقلابی پہلو" کے موضوع پر تقریر کی۔ اس جلسے میں اسٹیل ملز کے بے شمار کارکنان شریک تھے۔ حاضری اور شرکاء کا ذوق و شوق اور جوش و خروش دیدنی تھا۔ جلسہ کے بعد امیر محترم کے اعزاز میں یونین اور انتظامیہ کی طرف سے عشائیہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ان تمام پروگراموں میں قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی بھی شریک رہے تھے۔

۲۹ جنوری بروز ہفتہ امیر محترم نے کراچی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی (پی ای سی ایچ ایس) کی مسجد میں بعد نماز فجر درسِ قرآن دیا۔ اسی روز امیر محترم نے سٹی پوسٹ آفس گراؤنڈ میں بعد نماز ظہر سیرت النبیؐ کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ جس میں پوسٹ آفس سے متعلق

کارکنان بڑی تعداد میں شریک تھے۔ اسی شب کو ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کی مقتدر شخصیت ولی محمد صاحب کے مکان پر "ہمارے دینی فرائض" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ یہ ایک مخصوص نشست تھی جس میں میزبان کے احباب اور سوسائٹی کے معززین شریک ہوئے تھے جو سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ خطاب کے بعد میزبان جناب ولی محمد صاحب کی طرف سے عشائیہ دیا گیا۔

۳۰ جنوری بروز اتوار امیر محترم کی ۱۲ بجے دن لاہور مراجعت ہوئی اور یہ مختصر دورہ اختتام پذیر ہوا۔

دوسری مرتبہ دو دن کے مختصر دورے پر امیر محترم ۹ فروری بروز بدھ کراچی تشریف لے گئے جہاں اسی روز بعد نمازِ ظہر اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے وسیع و عریض ہال میں "سیرت النبیؐ کا انقلابی پہلو" کے موضوع پر تقریباً پونے دو گھنٹے تقریر فرمائی جسے شرکا نے بڑے انہماک سے سُنا۔ اس اجتماع میں اسٹیٹ بینک کے اعلیٰ افسران اور اسٹاف ممبران کے علاوہ دیگر معززین بھی شریک تھے۔ اسی دن بعد نمازِ مغرب امیر محترم حکیم مرزا احمد ہلال صدیقی صاحب کے مکان واقع مارٹن کوارٹرز جہانگیر ایسٹ میں مدعو تھے۔ جہاں انہوں نے حکیم صاحب موصوف کے صاحبزادے کی تقریب بسم اللہ میں "مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق" کے موضوع پر مختصر خطاب کیا۔ بعد ازاں عشائیہ میں شرکت کی۔

۱۰ فروری بروز جمعرات امیر محترم نیو کراچی گودھرا کیمپ تشریف لے گئے۔ جہاں کچھ دن پہلے اہلِ تشیع اور اہلِ سنت کے دو گروپوں میں خون ریز آویزش ہوئی تھی۔ سُنّی آبادی کے گھروں اور ایک مسجد کو دوسرے فریق کے ہاتھوں شدید نقصان پہنچا تھا۔ امیر محترم نے وہاں برموقع لوگوں سے ملاقات کی اور حالات معلوم کیے اور متاثرین کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کیا۔ اسی دن اُس پریس کانفرنس میں بھی شرکت کی، جو اہلِ سنت کی متعدد مشہور تنظیموں کی طرف سے بُلائی گئی تھی۔ جس میں علامہ طاہر المکی نے اپنا بیان پیش فرمایا تھا۔ اس بیان میں دقوع پذیر ہونے والے سانحے کے متعلق صحیح صورتِ حال بیان کی گئی تھی اور مقامی انتظامیہ کے اس رویتے پر احتجاج کیا گیا تھا کہ دوسرے فریق کی کثیر تعداد کی جانب سے کراچی کی مشہور شاہراہ پر دھرنا

ماننے کے دباؤ میں آکر اس فریق کے تمام مطالبات جو سراسر ناانصافی پر مبنی تھے،
منظور کر لیے گئے تھے۔ علامہ املی صاحب نے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا تھا کہ
اعلیٰ سطح کی تحقیقات کے بغیر محض طاقت کے خلافِ قانون مظاہرے سے دباؤ میں آکر
ناجائز مطالبات منظور کر کے مقامی انتظامیہ نے ایک ایسی بُری مثال قائم کی ہے
جو کراچی ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے لیے انتہائی تشویشناک ہے۔ اسی اخباری بیان
میں تمام اہلِ سنت کی تنظیموں کی طرف سے حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا
کہ وہ مقامی انتظامیہ کے اس اقدام کو کالعدم قرار دے اور اعلیٰ پیمانے پر غیر جانبدارانہ
تحقیقات کرائے اور جو مجرم ثابت ہو انہیں قرار واقعی سزا دے۔

اسی دن امیرِ محترم ملک کی نامور دینی و سیاسی بزرگ شخصیت مولانا ظفر احمد
صاحب انصاری رکن اسلامی نظریاتی کونسل سے ملاقات کے لیے ان کے مکان پر تشریف
لے گئے جہاں مولانا موصوف سے ملک کے دینی۔ سیاسی اور اخلاقی حالات و
معاملات پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ اسی روز شب کو امیرِ محترم نے کراچی ایڈمنسٹریشن
سوسائٹی (پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس) میں ایک اجتماعِ عام میں سیرت النبیؐ کا
بیان فرمایا۔

۱۱ر فروری بروز جمعہ کی صبح ساڑھے دس بجے کی پرواز سے کراچی سے لاہور
مراجعت ہوئی۔

لاہور

امیرِ محترم کے بیرونِ لاہور کے دوروں کا عالم یہ ہے کہ اب ان کا قیام لاہور
میں ایک ماہ کے دوران بحیثیتِ مجموعی ایک عشرے سے زیادہ نہیں ہوتا۔
وہ بھی اس طرح کہ عموماً ایک دورے سے رات واپسی ہوئی تو دوسرے دن کسی دوسرے
مقام پر روانگی کا مرحلہ درپیش ہوا۔ یا صبح واپسی ہوئی تو رات کو کسی دوسرے مقام کا
عزم سفر ہے۔ البتہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ موصوف جمعہ اور ہفتہ لاہور میں گزاریں تاکہ
مسجد دارالسلام باغِ جناح کے خطابِ اجتماعِ جمعہ اور ہفتہ کو مسجد شہداء ریگل چوک کا
ہفتہ وار درس قرآن کا ناغہ نہ ہو۔ لاہور کے قیام کے دوران بھی ملاقاتوں اور دیگر
دروس و خطابات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ملاقاتوں کا اوسط کافی بڑھ گیا ہے۔ لاہور،
پاکستان کے دیگر مقامات اور اب بیرونِ پاکستان سے بھی بعض حضرات بالخصوص پریس

کے نمائندے رجوع کرتے رہتے ہیں۔ خود امیرِ محترم بھی مختلف حضرات سے ملاقات کے لیے جاتے رہتے ہیں۔۔۔ ۳۰ جنوری کو کراچی سے مراجعت کے بعد ۳۱ جنوری کو بعد نماز عشاء نیو شاد باغ کی مسجد جامعہ قاسمیہ میں "سیرت النبیؐ کا انقلابی پہلو" کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس اجتماع کا انتظام انجمن دعوت الحق شاد باغ نے کیا تھا اور اس کے مہمانِ خصوصی جناب خواجہ شہزاد ناصر صاحب چیئرمین زکوٰۃ کمیٹی نیو شاد باغ تھے۔
۲۸ جنوری کے مسجد دارالسلام کے اجتماعِ جمعہ اور ۲۹ جنوری کے مسجد شہداء کے درس کا کراچی کے دورے کے باعث ناغہ رہا۔ ان دونوں کے علاوہ بحمداللہ یہ پروگرام باقاعدگی سے چل رہے ہیں۔ اجتماعِ جمعہ میں صلوٰۃ جمعہ کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے سوالات کے جوابات کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ مسجد شہداء میں مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں سے سورۃ العنکبوت، کا آخری درس ۱۲ جنوری کو بفضلہٖ تعالیٰ و عونہٖ مکمل ہو گیا ہے۔ اب ان شاء اللہ ۱۹ فروری ۸۳ء سے اس مسجد میں قرآن حکیم کے مسلسل درس کی تجدید ہوگی جو بحمداللہ پچیسویں پارے کی بیالیسویں سورت، سورۃ الشوریٰ تک مکمل ہو چکا ہے۔ ۲۱ جنوری کو قرآن اکیڈمی کی جامع قرآن میں بعد نمازِ مغرب تینتالیسویں سورت، سورۃ الزخرف، کے درس کا آغاز ہوا تھا لیکن چند انتظامی تبدیلیوں اور ان لوگوں کے اصرار سے جن کو شہر سے ماڈل ٹاؤن آمد و رفت میں دشواری ہوتی ہے، اس مسلسل درس کو مسجد شہداء میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ دو تین ماہ قبل سے جمعہ و ہفتہ کی درمیانی شب کو قرآن اکیڈمی میں رفقاء تنظیم کے لیے تربیتی اور قیام اللیل کا پروگرام ہوتا تھا۔ اب یہ پروگرام جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو کر دیا گیا ہے۔ اس پروگرام کا ۳ فروری ۸۳ء سے آغاز ہو گیا ہے۔ اس میں امیرِ محترم خود کی تربیت کے نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کے منتخب مقامات کا درس دیا کریں گے۔ چنانچہ پہلا نہایت مؤثر درس جو سورہ المائدہ کی آیات ۵۴ تا ۵۶ پر مشتمل تھا، ۳ فروری کو ہوا۔ درس کے علاوہ اس اجتماع میں تربیتی نقطۂ نظر سے درسِ حدیث، مذاکرہ، مطالعۂ سیرت، ادعیہ مسنونہ و ماثورہ، حاصلِ مطالعہ اور تنظیم اسلامی کی مطبوعات کے چیدہ چیدہ حصوں کا مطالعہ بھی شامل ہے۔
امیرِ محترم ۱۸ فروری کو کراچی کے دورے کی وجہ سے درس نہ دے سکے۔ نہ ہی ۲۰ فروری کو فیصل آباد کے دورے کے باعث اس پروگرام کا اجراء ہو سکے گا۔ لیکن آئندہ ان شاء اللہ بیرونِ

لاہور کے پروگراموں میں اس کا لحاظ رکھنے کی پوری کوشش کی جائے گی کہ امیرِ محترم کا اس شب کو لاہور ہی میں قیام رہے۔ یہ پروگرام اللہ تعالیٰ کے فضل سے کافی کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ اس میں لاہور کی چاروں تنظیموں کے رفقاء شریک ہو رہے ہیں۔ لاہور کے رفقاء کے لیے اس پروگرام کو ہفتہ وار خصوصی اجتماع اور مسجد دارالسلام میں جمعہ میں شرکت کو عمومی اجتماع قرار دے دیا گیا ہے۔ ان پروگراموں کو ہمارے رفیق قمر سعید قریشی منظم کر رہے ہیں جن کو امیرِ محترم نے لاہور کے لیے اپنے نائب کی حیثیت سے امیر مقرر کیا ہے۔

امیرِ محترم نے ۱۱ فروری ۸۳ء کے اجتماع جمعہ میں حسب ذیل قرارداد پیش کی۔ جو متفقہ طور پر منظور کی گئی۔

"اہالیانِ لاہور کا مسجد دارالسلام باغِ جناح کا یہ عظیم اجتماعِ جمعہ حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ نیو کراچی گودھرا کیمپ میں مسجد اور امام باڑے کے تنازعے کے ضمن میں کراچی کی مقامی انتظامیہ نے ایک فریق کے جارحانہ مظاہرے کے پیشِ نظر جو یک طرفہ فیصلے کیے ہیں، انہیں فی الفور واپس لیا جائے اور اس پورے معاملے کی اعلیٰ سطح کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے اور جو لوگ بھی مجرم پائے جائیں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔"[1]

صلوٰۃ جمعہ کے بعد امیرِ محترم نے بھائی محمد رفیع بٹ، رفیق تنظیم کے بھائی کا نکاح پڑھایا اور حسبِ دستور خطبہ نکاح کی حکمتوں پر مختصر روشنی ڈالی۔ نیز شادی بیاہ کی تقاریب میں جو غیر اسلامی رسوم شامل ہیں ان سے اجتناب کی نصیحت کی۔

خواتین کا اجتماع

بفضلہ تعالیٰ لاہور میں ۱۸ خواتین بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر چکی ہیں۔ ۱۰ خواتین نے

---

[1] اس قرارداد کا پس منظر زیرِ نظر مضمون ہی میں دورۂ کراچی کی رپورٹ کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے!

کراچی میں، دو خواتین نے ٹورنٹو (کناڈا) میں اور سات خواتین نے شکاگو (امریکہ) میں امیرِ محترم کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے)۔ فروری ۸۳ء سے لاہور میں ہر ماہ خواتین کے اجتماع کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ اس اجتماع کی غرض و غایت یہ ہے کہ ان خواتین کا باہمی تعارف ہو اور ربط و تعلق پیدا ہو۔ دوسری یہ کہ اپنے اپنے گھروں کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی تدابیر اور ان کی عملی صورتوں کے لیے غور اور فیصلے ہوں۔ تیسری یہ کہ ان خواتین کی دینی ذمہ داریوں کی تذکیر کا انتظام ہو۔ اس سلسلہ کا پہلا اجتماع ۱۲ ، افغانی روڈ پر ۱۱ فروری کو بعد نمازِ عصر منعقد ہوا جس میں شاملِ تنظیم خواتین کے علاوہ دیگر خواتین بھی شریک ہوئیں۔ کل تعداد ۳۲ تھی۔ مغرب کے بعد پس پردہ بیٹھ کر امیرِ محترم نے اس اجتماع کو خطاب کیا جس میں اس بات کی تذکیر فرمائی ایک مومنہ خاتون کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں! اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عورت اور مرد کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔ اس روز نہ شوہر کام آئے گا نہ اولاد اور نہ ہی ماں باپ اور اعزہ و اقارب۔

صاحبِ خانہ کی طرف سے طعام کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ ان شاء اللہ خواتین کا یہ ماہانہ اجتماع باری باری ان خواتین کے گھروں پر منعقد ہوا کرے گا جو تنظیم میں شامل ہو چکی ہیں۔

۱۱ فروری تک امیرِ محترم کی دعوتی سرگرمیوں کی روداد الحمد للہ مکمل ہوئی جو ۱۲ فروری کو قلمبند ہوئی۔ اس تاریخ کو امیرِ محترم سیالکوٹ سیرت النبیؐ کے موضوع پر تقریر کرنے تشریف لے جا چکے ہیں۔ ۱۷ فروری کو فیصل آباد میں درسِ قرآن کا پروگرام طے ہے۔ وہاں سے ۱۸ فروری کو واپسی ہو گی۔ پھر اسی ماہ ڈاکٹر صاحب کے کراچی کے لیے دو دعوتی دورے طے ہو چکے ہیں۔ ان شاء اللہ ان کی روداد آئندہ پیشِ خدمت ہو گی۔

کرکٹ کے بارے میں

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی کا وضاحتی بیان

جو پاکستان کے متعدد روزناموں میں مختصراً شائع ہوا

ہمارے ملک میں سیاست پر پابندی کے باعث اخبارات کو چونکہ گرما گرم خبریں نہیں ملتیں لہٰذا بعض اخبارات نے یہ مشغلہ اختیار کر لیا ہے کہ بعض معاملات کو ان کی اصل اہمیت سے زیادہ اچھال کر اور ــــ ان کے ضمن میں ادھر اُدھر سے مخالفانہ یا موافقانہ باتیں حاصل کر کے جو بسا اوقات بالکل غلط اور سیاق سباق سے جُدا بلکہ "طبعزاد" بھی ہوتی ہیں، اپنے قارئین کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں ــ کرکٹ کے کھیل کے بارے میں میری رائے کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ ہوا ہے ــ چنانچہ کراچی کے بعض انگریزی اخبارات نے اس مسئلے کو سب سے بڑی سُرخی کا بھی موضوع بنایا ہے اور اسلام آباد کے ایک روزنامے نے تو یہاں تک کیا ہے کہ میری طرف ایک ایسی بات منسوب کی جس کا میری زبان سے ادا ہونا تو درکنار کبھی میرے حاشیہ خیال میں بھی گزر نہیں ہوا تھا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اُس پر ایک ادارتی نوٹ بھی لکھ مارا ــ بنابریں میں اس ضمن میں اپنے خیالات کو اختصار کے ساتھ پیش کر رہا ہوں اور قومی اخبارات سے اپیل کرتا ہوں کہ میرے اس بیان کو حتی الامکان من وعن شائع کر دیں ۔

۱ ــ جہاں تک کرکٹ کے کھلاڑیوں کا تعلق ہے، مجھے ہرگز ان سے نہ کوئی پرخاش ہے نہ بُغض ــ بلکہ ان میں سے جنہوں نے محنت، مشقت اور ریاضت سے اُس میں مہارت حاصل کی ہے، پوری قوم کی طرح میرے دل میں بھی بہ "کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی !" کے مصداق ان کی قدر ہے ۔

۲ ــ اُسی طرح خود کرکٹ کے کھیل کے بارے میں بھی میں نے کبھی کوئی اعتراض

دین و مذہب کے نقطۂ نگاہ سے نہیں کیا - دین و مذہب کے اعتبار سے یہ بھی دوسرے کھیلوں کے مانند ایک کھیل ہے لہذا اگر ان سے مناسب تفریح یا جسمانی ورزش کے مقاصد حاصل ہوں تو ہرگز کوئی قابل اعتراض بات نہیں لیکن اگر انکے باعث دینی فرائض سے غفلت ہو جائے تو سخت قابلِ مذمت ہیں لیکن یہ معاملہ سب کھیلوں کا ہے صرف کرکٹ کا نہیں !

۳ - البتہ قومی اور ملکی نقطۂ نظر بالخصوص قومی معاشیات کے اعتبار سے میرے نزدیک کرکٹ کے کھیل میں متعدد پہلو محلِ نظر ہیں اس لئے کہ اس میں وقت اور پیسے کا صَرف بلکہ ضیاع بہت ہے اور اس کے مقابلے میں فوائد کا پہلو بہت کم - چنانچہ اس کا میچ پانچ پانچ روز تک جاری رہتا ہے جس کے دوران لوگوں کی ایک کثیر تعداد کی توجہ اسی ہی کی جانب مرکوز رہتی ہے - نہ طالب علم اپنی تعلیم کی جانب متوجہ ہوتے ہیں نہ اہل کار اپنے اپنے فرائض منصبی کی جانب - پھر اس میں حرکت بھی بہت سُست رہتی ہے اور فاسٹ ایکشن بس کبھی کبھی ہی ہوتا ہے ان سب پر مستزاد یہ کہ اکثر و بیشتر میچ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ہی ختم ہو جاتے ہیں - شاید یہی وجہ ہے کہ کرکٹ کے کھیل کو اولمپک کھیلوں میں شامل نہیں کیا گیا ہے - اس کھیل کے یہ نقائص اتنے اظہر من الشمس ہیں کہ ان کے بارے میں دلائل دینے کی قطعاً حاجت نہیں ہے - اور ان دنوں یہ باتیں بہت سے ملک و ملت کے بہی خواہوں کی جانب سے تفصیل کے ساتھ سامنے لائی جا چکی ہیں -

۴ - بنابریں میری خواہش اوّل تو یہ ہے کہ اس معاملے پر کرکٹ کے شائقین اور کھیلنے والوں سمیت سب حلقے سنجیدگی سے غور کریں اور اس کھیل کو قومی و ملی مصلحتوں کے پیشِ نظر ملک بدر ہی کر دیں - بصورت دیگر اگر فوری طور پر یہ انتہائی قدم گوارا نہ ہو تو بھی کم از کم یہ اقدامات ضرور کئے جائیں:

(۱) ایک یہ کہ جمعہ کے روز یہ کھیل کسی صورت میں نہ کھیلا جائے - (واضح رہے کہ اس کھیل کی اصل جنم بھومی یعنی انگلستان میں اتوار کو یہ کھیل نہیں کھیلا جاتا) -

(۲) دوسرے یہ کہ اس کھیل کی تشہیر قومی ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو اور ٹی وی

کے ذریعہ بند کردی جائے۔ تاکہ شائقین اسے کھیل میدان میں جاکر دیکھیں اور وہاں بھرپور رونق ہو۔ لیکن ملک و قوم کے بقیہ پورے ماحول پر اس کھیل کے باعث تعطل کی سی کیفیت نہ ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ اب تو محدود اوورز کے کھیل ان ممالک میں جہاں یہ کھیل زیادہ مقبول ہے کافی پسند کئے جاتے ہیں اگر پاکستان میں اس کھیل کو جاری رکھنا ہی ہے تو ایک روزہ محدود اوورز انٹرنیشنل کرکٹ تک ہی اسے محدود کیوں نہ رکھا جائے۔ اس سے وقت اور سرمائے کی کافی بچت ہوسکے گی اور کھیل لازماً ہار جیت پر ختم ہوگا جو لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

(بقیہ "افکار و آراء")

ہیں، حیران ہوں، کہ دین میں آپ کا مطالعہ اور معلومات کسقدر عمیق ہیں الہدیٰ بند ہونے پر قدرت کا یہی منشا تھا، کہ آپ منظر عام پر آکر دین کی خدمت کریں۔ الہدیٰ ٹی وی کے پردہ پر محدود لوگ سنا کرتے تھے اب آپکی مساعی جمیلہ سے عام لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔ میں نے بہت دینی ادبی رسالے مطالعہ کئے ہیں۔ لیکن جس ترتیب فصاحت بلاغت پُراثر اسلوب آپکے الفاظ اور کلمات میں ہے وہ دل سے نکلی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ حقیقت صداقت پر مبنی ہے۔ نام و نمود کا اس میں شائبہ نہیں اس لئے آپکے مضامین کو بار بار پڑھنے پر بھی دل سیر نہیں ہوتا۔ میں نے میثاق سے آپکے دروس اور تقاریر کا پشتو میں ترجمہ شروع کیا ہے، اگرچہ ہم کلمات الفاظ کو وہ زینت نہیں دے سکینگے۔ جو میثاق میں ہو بہو آپکے زبان سے نکل کر ہم کو ملتی ہے لیکن حتی المقدور کوشش کر رہا ہوں، کہ آپ کی قرآن فہمی سے بہت زیادہ لوگ فائدہ اُٹھا سکیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو صحت مند تا دیر سلامت رکھے۔ خاکسار کو ملنے کا شوق ہے۔ حیران ہوں، کہ کیسے مل سکونگا۔ والسلام

آپ کا عقیدتمند قاضی ولادر شاہ ساکن درسمند ضلع کوہاٹ

افکار و آراء

(۱)

مکرمی و محترمی السلام علیکم - گو مَیں سمجھتا ہوں - کہ انتخابات سے بگڑے معاشرے کی بگڑی تصویر ہی سامنے آتی ہے - مگر جب آپ بات کریں گے تو اس کی صحت میں شبہ کی ہرگز گنجائش نہیں رہتی -

آپ کا قرآنی تعلیمات کا پروگرام اور دیگر درس و تدریس کا سلسلہ یقیناً ایک عظیم خدمت ہے - جو آپ انجام دے رہے ہیں -

صدر پاکستان و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب ضیاء الحق صاحب کے نام آپ کا حالیہ خط اس سمت آپ کی نہایت پرخلوص کاوش ہے - آپ نے جس طور حالات کا تجزیہ اور لائحہ عمل تجویز فرمایا ہے وہ آپ کی قوت ایمانی اور اعلٰے تدبیر کا مظہر ہے -

ڈاکٹر صاحب! فی الواقع کسی فوری تبدیلی کی توقع کرنا مشکل ہوگا - کیوں کہ ہم مسلمانوں میں قول و فعل کا تضاد انتہا کو ہے - جبکہ ایمانی کمزوری ہر جگہ عیاں ہے ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ مال و دولت اور شہرت کے علاوہ کوئی اور ذریعہ انسانی تحفظ اور بہتری کی ضمانت ہوسکتا ہے -

اس کے باوجود آپ نے سچائی کی جو مشعل بلند کر رکھی ہے - وہ انشاء اللہ تادیر رہے گی اور فلاح و برکت کا باعث ہوگی -

۱۲ر جنوری ۸۲ء - تابعدار - سردار اعوان - ڈیفنس کراچی

(۲)

السلام علیکم - ڈاکٹر صاحب محترم کے دوروں کا پروگرام نظر سے گزرتا رہتا ہے - لوگوں میں اُن کے نام اور کام کا چرچا شروع ہوگیا ہے - اور دن بدن زیادہ ہو رہا ہے - اللّٰھم زد فزد

پرسوں ایک دوست کا خط کھاریاں گجرات سے آیا - اُس نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر - سیرت نبیؐ - سُنی - وہ لکھتا ہے - کہ زندگی میں پہلی بار حضورؐ کی سیرت

کو اس مؤثر انداز میں بیان ہوتے سُنی - ان کے خط کے الفاظ ہیں ؛" ۱۰ جنوری کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہمارے قریبی شہر لالہ موسیٰ میں سیرت النبیؐ کے جلسہ میں تقریر کے لئے آئے تھے - اُنہیں پہلی بار دیکھا اور تقریر بھی پہلی بار سُنی خصوصی ملاقات کا تو وقت نہ تھا - بہرحال مصافحہ ہوگیا - میرے چند دوستوں نے کافی سعی کی اور وقت لے کر تقریر کروائی - واقعی مبلّغ قرآن ہیں - سیرت پر انتہائی انقلابی تقریر کی - لالہ موسیٰ میں عامۃ الناس نے بھی یہ محسوس کیا کہ واقعی سیرت کا یہ مفہوم ہے - جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا - وہ ایک اہل علم آدمی ہیں - لکھتے ہیں - کہ صرف مصافحہ ہی کا موقع مِل سکا - والسلام -

دُعا کا محتاج ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی

(۳)

افسوسناک برطرفی

روزنامہ شہباز پشاور کا ۲۳ جنوری ۸۲ء کا اداریہ

پشاور کے معززین کی طرف سے آج کل اکثر ایسے بیانات جاری کئے جا رہے ہیں جن میں مسجد مہابت خان کے امام مولانا محمد یوسف قریشی کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے - مولانا محمد یوسف قریشی کو ایک ماہ قبل اُن کی امامت سے سرکاری طور پر برطرف کر دیا گیا اور جامعہ اشرفیہ پشاور کی شاخ واقع مسجد مہابت خان کو جو کہ دو کمروں پر مشتمل تھی سر بمہر کر دیا گیا صرافان اور علاقے کے باشندوں نے حکومت کے اس اقدام پر سخت احتجاج کا اظہار کیا اور حکومت کی جانب سے مقرر کئے گئے مسجد کے نئے امام کو ایک مرتبہ بھی امامت کرنے کی اجازت نہیں دی جس کی وجہ سے اُسے واپس لوٹنا پڑا مولانا محمد یوسف قریشی کے خلاف اس کارروائی کی اصل وجوہات کیا ہیں اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے کوئی واضح طور پر اعلان نہیں کیا ہے - تاہم کہا جاتا کہ اُن کی برطرفی کی دو وجوہات ہیں پہلی وجہ مولانا محمد یوسف قریشی کے بھائی مولانا اشرف قریشی کی کالعدم جمعیت العلمائے اسلام کو (فضل الرحمان گروپ)

کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کی گرفتاری کے خلاف تقاریر اور دوسرے وجہ صوبائی وزیر مذہبی امور کے مولانا محمد یوسف قریشی کے ساتھ ذاتی اختلافات ہیں جن کا اظہار وزیر موصوف متعدد بار کھلے عام کر چکے ہیں اور وہ بار بار یہ بھی کہتے ہیں کہ مجھے وزیر بنے اتنا طویل عرصہ گذر چکا ہے لیکن مولانا محمد یوسف قریشی ایک مرتبہ بھی میرے سلام کیلئے نہیں آئے۔

اگر مولانا یوسف قریشی کی برطرفی کی یہی وجوہات ہیں تو یہ ایک نہایت افسوسناک بات ہے کیونکہ اگر حکومت کے خلاف تقریر کی ہے تو وہ مولانا اشرف قریشی نے کی ہے اور یہ تقریر اگر حکومت کی نظر میں ایک سنگین جرم تھی تو پھر بھی ہمارے ملک میں یا دنیا کے کسی بھی ملک میں یہ قانون نہیں ہے کہ ایک بھائی کے جرم کی سزا دوسرے بھائی کو دی جائے اس کے علاوہ اگر مولانا محمد اشرف قریشی نے بھی کوئی تقریر کی ہے تو پھر ایک ایسی حکومت کی جانب سے کسی عالم دین کے خلاف کارروائی انتہائی افسوسناک عمل ہے جو کہ ملک میں نظام اسلام کو نافذ کرنے کے لئے کوششیں کرنے کی داعی ہو کیونکہ اس اقدام سے حکومت کے ان دعووں کی تردید ہوتی ہے اور ایک عام آدمی بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسی حکومت کس طرح سے نظام اسلام نافذ کر سکتی ہے جو کلمہ حق کہنے کی بھی اجازت نہیں دیتی، حالانکہ اسلام میں صاف طور سے کہا گیا ہے کہ جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا بھی جہاد ہے۔

علاوہ ازیں حکومت نے تو مولانا اشرف قریشی اور ان کے ایک ساتھی مولانا ادریس کو بھی مسجد بھوڑی گیٹ کی امامت سے برطرف کر رکھا ہے اس طرح مولانا محمد یوسف قریشی کے خلاف اقدام کا کوئی جواز نظر نہیں آتا نظام اسلام کی داعی حکومت کی طرف سے جامعہ اشرفیہ کی شاخ کے دفاتر سر بمہر کرنے اور اُن کے بورڈ گرانے کی وجہ بھی سمجھ نہیں آتی کیونکہ جامعہ اشرفیہ کو نہ تو کبھی سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی اب کیا جا رہا ہے یہ تو صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کے لئے مخصوص ہے پھر ایسے اسلامی تدریسی ادارے کی بندش بھی سمجھ نہیں آتی مولانا محمد یوسف قریشی کی برطرفی کی دوسری وجہ جو اس وقت بتائی جاتی ہے اگر یہ صحیح ہے تو یہ بھی ایک

انتہائی افسوسناک بات ہے کیونکہ اسلام کسی بھی عالم دین کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ کسی وزیر کے سلام کے لئے حاضری دے بلکہ اسلام میں اس قسم کی باتوں کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

مسجد مہابت خان کی امامت ۳۵ سال سے زیادہ عرصہ سے مولانا محمد یوسف قریشی کے خاندان کے پاس ہے پہلے مولانا محمد یوسف قریشی کے والد بزرگوار مولانا عبدالودود قریشی امام تھے جن کی وفات کے بعد مسجد کی امامت اُنہیں ملی ان ۳۵ سال کے عرصہ میں جس طریقے سے اس خاندان نے مسجد کی خدمت کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اس تمام عرصہ میں مسجد میں کوئی بھی فرقہ واریت کا ایک واقعہ بھی نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد یوسف قریشی کی امامت کی بحالی کے لئے ہر فرقہ کے لوگ چاہے اُن کا تعلق بریلوی فرقہ سے ہے یا دیوبندی سے چاہے وہ شیعہ ہیں یا سُنی سب یک زبان ہو کر اُن کی بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں ہم اس موقع پر صوبہ سرحد کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل فضل حق سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں فوری طور پر مداخلت کریں اور مولانا محمد یوسف کی بحالی کے احکامات جاری کر کے مسجد مہابت خان کے تقدس کو بحال اور لوگوں میں پائی جانے والی بے چینی دور کریں اس کے علاوہ اگر مولانا محمد یوسف قریشی کی برطرفی کی وجوہات ایسی ہوں جو اوپر بیان کی گئی ہیں تو پھر اُن کی برطرفی ایک انتہائی افسوسناک عمل ہے بلکہ اس سلسلے میں سرگرم عمل لوگوں کے کردار کا جائزہ لیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ پھر اُن لوگوں کا مقصد صرف اور صرف موجودہ حکومت اور خاص طور سے صوبائی حکومت کو بدنام کرنا اور حکومت کی جانب سے نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کی جانے والی کوششوں کو ناکام بنانا ہے اس لئے ایسے عناصر کی سرکوبی خود صوبائی اور وفاقی حکومتوں دونوں کے مفاد میں ہوگی۔

گرامی قدر محترم جناب ڈاکٹر صاحب سلمہ الرحمان

السلام علیکم۔ قبلہ محترم "میثاق" میں آپکے دروس اور تقاریر کو بغور مطالعہ کر رہا ہوں، قرآنِ حکیم کے رموز آپ جس فصاحت بلاغت سے پیش کر رہے

PEPSI

MIRINDA

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

نمبر ۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفریجریٹرز، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو
SANYO
خریدیئے

نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار / اسمبل کئے جاتے ہیں

۱۰ مختلف سائزوں میں، دلکش رنگوں میں حفاظتی تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔ بازار جانے کی کم زحمت۔ مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز بڑے قدو قامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈلز تک دستیاب

بے آواز
روم ایئرکنڈیشنرز

گرمیوں میں سرد، سردیوں میں گرم ہوا

گنجائش ۱/۲ ٹن (۱۸،۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)

پاکستان میں تیار / اسمبل کردہ

ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ

بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈیفلیکٹر سے آراستہ

براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی جالی۔

اسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

نیا ر ڈری کمپریسر آواز، آلتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے

دیوار پر نصب کیا جانے والا ڈیزائن کمرے میں قابل استعمال جگہ بچاتا ہے

۲۴ گھنٹے کا ٹائمر سوئچ۔

آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے

۳ اسپیڈ فین آپریشن سائیکل

دیوار، فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل

ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۳۵۷۰۰ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:

متذکرہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعد از فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھا سکے۔

پاکستان میں سانیو مصنوعات کے سول ایجنٹس

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر، گارڈن روڈ۔ صدر کراچی

فون: ۲۶۴ ـ ـ ۷۲ ـ ۷ ـ ۷۰۰۲

پاکستان کیبل WORLDBEST ٹیلکس 25109 WWTCO PK

186 WW 67/82

ماھنامہ
میثاق
لاھور

جلد: ۳۲ | شمارہ: ۴ | جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق اپریل ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زر تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ العزیز

حکمتِ قرآن

کا مارچ اور اپریل کا مشترکہ شمارہ

اشاعتِ خصوصی

کے طور پر ۱۵ اپریل ۸۳ء تک منصّہ شہود پر آجائے گا جس میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک خطاب — بعنوان:

فرائضِ دینی کا قرآنی تصوّر

"اسوۂ رسول علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں"

اور ایک صاحب خیر کا ایک اہم مضمون - بعنوان

"قدرت کے طبعی و تمدّنی قوانین اور اسلام و ایمان"

شامل ہونگے — اور یہ اشاعتِ خصوصی اُن صاحب خیر کی جانب سے معتدبہ تعداد میں دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو ہدیۃً پیش کی جائے گی — لہٰذا قارئین میثاق سے درخواست ہے کہ وہ جن حضرات کو یہ اشاعت ارسال کرانا چاہیں ان کے نام اور مفصّل پتے دفتر "ماہنامہ میثاق" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ ، کے پتے پر ارسال کر کے تعاون فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

ہمارے قابلِ احترام بزرگ رفیق اور رکن ادارۂ تحریر جناب شیخ جمیل الرحمٰن صاحب، جو میثاق کی ترتیب و تسوید میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں، ۱۸ فروری ۸۳ء کو اپنے معمول کے دورے پر کراچی تشریف لے گئے تھے اور ۱۲ مارچ کو ان کی لاہور مراجعت طے تھی لیکن اس دوران اُن کے بڑے بھائی جناب حفیظ الرحمٰن صاحب شدید طور پر علیل ہو گئے، جس کے باعث انہیں کراچی رُکنا پڑا اور ہنوز اُن کی تشریف آوری ممکن نہیں ہو سکی۔ لیکن وہ اپنے قیام کراچی کے دوران ایک لحظہ کے لیے بھی "میثاق" اور اس کی ذمہ داریوں سے اپنے ذہن کو فارغ نہیں کر سکے ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار

لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

چنانچہ اپنی ہمہ وقت مصروفیات کے باوصف نہ صرف یہ کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر "اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور" کے متعلقہ حصے کو ٹیپ سے منتقل کر کے ہمیں ارسال کیا اور "عرضِ احوال" تحریر کرنے کی ذمہ داری کو ادا کیا، بلکہ اس شمارے کا پورا خاکہ مرتب کر کے تمام تر تفصیلات کے ساتھ ہدایات بھیجوا دیں۔ انہی ہدایات کی روشنی میں مرتبہ شدہ "میثاق" کا تازہ شمارہ آپ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدمتِ دین کے سلسلے میں شیخ صاحب کی ان کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کے بڑے بھائی کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ (عاکف سعید)

جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق اپریل ۸۳ء کا شمارہ ماہنامہ "میثاق" کے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ الحمد للہ و المنۃ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ٹیلی وژن کے "الہدیٰ" کے ٹائٹل کے تحت دروس قرآن کی "میثاق" میں سلسلہ وار اشاعت کی شمولیت کی ہماری توقع سے زیادہ پذیرائی ہوئی۔ سابقہ پرچہ ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اور مانگ کا یہ عالم ہے کہ شاید اس کا دوسرا ایڈیشن طبع کرانا پڑے — ان شاء اللہ "الہدیٰ" کے دروس کی اشاعت کا سلسلہ "میثاق" میں پابندی سے جاری رہے گا۔ اور کم از کم ایک نشست کا درس شامل اشاعت کرنے کی ہر ممکن سعی کی جائے گی۔ ان دروس کی فصاحت و بلاغت، محکم اور مؤثر طرزِ استدلال کا اندازہ ہر قاری لگا سکتا ہے۔ البتہ ٹی۔وی پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا دلنشین و دلآویز طرزِ تخاطب و تکلم اس درس کی تاثیر و افادیت میں نورٌ علیٰ نور اور سونے پر سہاگہ کا باعث ہوتا تھا۔ تحریر میں اس اثر انگیزی کو سمونا ممکن نہیں ہے۔

"الہدیٰ" کے بارے میں اکثر حضرات تحریری اور زبانی ہم سے سوال کرتے رہتے ہیں کہ یہ پروگرام کیوں بند کر دیا گیا؟ سوال کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ گویا یہ پروگرام خود ڈاکٹر صاحب نے بند کیا ہے۔ ایسا نہیں ہوا بلکہ اصل صورتِ واقعہ اس ادارتی نوٹ میں بیان کر دی گئی ہے۔ جو مارچ کے میثاق کے شمارے میں اس سلسلے کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ ایسے تمام مستفسرین سے گذارش ہے کہ وہ اس نوٹ کو ملاحظہ فرمالیں۔ صحیح صورتِ حال ان کے سامنے آجائے گی۔

ماہنامہ حکمت قرآن کا مارچ/اپریل کا شمارہ "اشاعتِ خصوصی" کے طور پر کثیر تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جو ایک صاحب خیر کے "ایمان" کے موضوع پر ایک فکر انگیز مقالے اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر ایک ایمان و بصیرت افروز خطاب یعنی صرف ان دو مضامین پر مشتمل ہوگا۔ یہ شمارہ ماہنامہ "میثاق" کے مستقل سالانہ خریداروں کی خدمت میں بھی ہدیۃً ارسال کیا جائے گا۔ "میثاق" کے اکثر سالانہ خریدار "حکمت قرآن" کے بھی سالانہ خریدار ہیں۔ اس صورت میں ان کو "حکمتِ قرآن" کی اس اشاعتِ خصوصی کے دو پرچے ملیں گے۔ ایسے حضرات سے التماس ہے کہ وہ فاضل شمارہ اپنے حلقہ

احباب میں سے کسی علم دوست تک پہنچا کر تعاون فرمائیں۔ "میثاق" کے جن سالانہ معاونین نے تاحال "حکمت قرآن" کی سالانہ معاونت قبول نہیں فرمائی ہے، ان سے ہم درخواست کریں گے کہ وہ اس طرف توجہ دیں۔ دعوت رجوع الی القرآن کے اس جریدے کی سالانہ معاونت ان شاء اللہ تعاون علی البر شمار ہوگا۔ ماہنامہ "میثاق" اور ماہنامہ "حکمت قرآن" کے سالانہ معاونین سے ایک مزید گذارش یہ ہے کہ ان کے قریبی حلقۂ تعارف میں جو علم دوست حضرات تاحال دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک دعوت الی اللہ سے متعارف نہیں ہیں، ان میں سے کم از کم پانچ حضرات کے اسمائے گرامی مفصّل پوسٹل ایڈریس کے ساتھ ہمیں ارسال فرمادیں۔ ان شاء اللہ ایسے حضرات کی خدمت میں "حکمت قرآن" کی یہ اشاعت خصوصی ہدیۃً ارسال کردی جائے گی۔ توقع ہے کہ "میثاق" کے مستقل معاونین اس سلسلہ میں مطلوبہ تعاون پیش فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔

محاضراتِ قرآنی اور **تنظیم اسلامی** کے اجتماعات کے اعلانات گذشتہ شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ توقع ہے کہ "میثاق" کا یہ شمارہ جب قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچے گا تو ان دونوں پروگراموں کے انعقاد کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ محاضراتِ قرآنی یکم اپریل تا ۵ اپریل شام کے اوقات میں قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوں گے۔ جس میں پاکستان کے معروف اہلِ علم اور دانشور حضرات قرآنِ حکیم کے علوم، عظمت اور حکم و معارف پر بیش قیمت مقالات پیش فرمائیں گے توقع ہے کہ بھارت سے بھی بعض اہلِ علم ان محاضرات میں شرکت فرمائیں گے۔

لاہور کے ماہنامہ "میثاق" کے قارئینِ کرام سے ہم پُرزور اپیل کریں گے کہ ان کے شہر میں علم و عرفان کا جو چشمہ صافی پانچ دن تک جاری رہے گا، اس سے خود بھی استفادہ کریں اور اپنے حلقۂ احباب کو بھی مستفید ہونے کی دعوت دے کر تعاون فرمائیں۔ توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ان محاضرات میں شرکت حاضرین کے قلب و رُوح کی تشنگی دُور کرنے اور ان کو تسکین و آسودگی دینے نیز فکر و نظر کو جلا بخشنے کا باعث ہوگی۔

جناب **ڈاکٹر اسرار احمد** ۱۰ مارچ کو عمرے کے لیے حجاز مقدس

تشریف لے گئے ہیں جہاں سے ان شاء اللہ ۲۵ مارچ کو موصوف کی مراجعت ہوگی۔[1] ارضِ مقدس کے بعض شہروں میں امیر محترم کے دروسِ قرآن کے پروگرام بھی پیشِ نظر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحبزادے عارف رشید صاحب ان کے ہمراہ ہیں۔ امید ہے کہ وہ واپسی پر اس سفر کی روداد ''میثاق'' کے لیے تیار کرلیں گے جو ان شاء اللہ آئندہ ماہ پیشِ خدمت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی ۱۳ فروری سے ۹ مارچ کی دعوتی سرگرمیوں کی روداد ''رفتارِ کار'' کے مستقل عنوان کے تحت اسی شمارے میں قارئینِ کرام کی نظر سے گزرے گی۔

زرِ تعاون (بدلِ اشتراک) برائے بیرونی ممالک

بذریعہ ہوائی ڈاک

بھارت اور مشرقِ وسطیٰ	۶ امریکی ڈالر	۶۰/- روپے
یورپی و افریقی ممالک، جاپان اور ہانگ کانگ	۸ امریکی ڈالر	۸۰/- روپے
امریکہ، کناڈا اور آسٹریلیا	۱۲ امریکی ڈالر	۱۲۰/- روپے

بھارت کے خریدار پاکستانی روپے میں ہمیں پاکستان میں دائیگی کرادیں یا درج ذیل پتے پر رقم روانہ کرکے منی آرڈر کی رسید ہمیں ارسال کردیں۔ پرچہ جاری کردیا جائے گا۔ انشاء اللہ

مکتبہ الرسالہ۔ جمعیت بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، بلیماران، دہلی ۶

[1] ڈاکٹر صاحب، بفضلہ تعالیٰ وعونہ، سفرِ عمرہ سے حسبِ پروگرام واپس تشریف لے آئے ہیں۔

الہدیٰ (دوسری نشست)

لوازمِ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۲)

السلام علیکم - نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ

ربِّ اشرح لی صدری ویسّر لی امری واحلل عقدۃً من

لسانی یفقھوا قولی ۔ آمین یا ربَّ العٰلمین،

سامعینِ مکرّم و ناظرینِ محترم! گذشتہ نشست میں ہم نے سورۃ العصر پر بطریقِ تذکر کچھ غور کیا تھا۔ یعنی اس سورۂ مبارکہ سے اصل رہنمائی، اصل نصیحت اور اس کا اصل سبق حاصل کیا تھا۔ اور وہ یہ کہ ہم یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ از روئے قرآن حکیم انسان کی فوز و فلاح اور اس کی کامیابی و کامرانی کی شرائط چار ہیں۔ ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ آج ہم اس سورہ مبارکہ پر بطریقِ تدبّر غور کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اس سورۂ مبارکہ کو دو حصّوں میں منقسم سمجھنا چاہیئے۔ پہلا حصّہ: وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اور دوسرا حصّہ:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ دوسری آیت چونکہ مرکزی آیت کے مقام کی حامل ہے لہذا وہ پہلی آیت سے بھی ملحق ہے اور تیسری آیت سے بھی - اس لئے وہ دونوں حصوں میں مشترک ہے -

اب پہلے حصہ پر نگاہوں کو مرتکز کیجیے - اس میں پہلی آیت ایک قسم پر مشتمل ہے "وَالْعَصْرِ" - وَ، عربی میں حرف قسم ہے جیسے وَاللّٰہ - "اللہ کی قسم ہے" - ویسے ہی وَالْعَصْرِ - "زمانے کی قسم ہے" — عصر کا جب ہم ترجمہ کرتے ہیں تو لفظ زمانہ سے کرتے ہیں - لیکن - اب ذرا گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے کہ "زمان" خود عربی کا لفظ ہے - اُسے یہاں استعمال نہیں کیا گیا - کوئی خاص وجہ ہے کہ لفظ 'عصر' آرہا ہے! اس کیلئے ذرا مزید غور کیجیے - عربی زبان کے دو الفاظ بڑے عجیب ہیں - 'دہر' اور 'عصر' — ان دونوں میں اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے جسے انسان نے ابھی ماضی قریب میں سمجھا ہے - اور وہ یہ کہ زمان و مکان دو جدا حقیقتیں نہیں ہیں بلکہ Time & Space یہ ایک ہی وحدت ہے - عربی زبان کے ان دونوں الفاظ میں زمان و مکان کی وحدت کی طرف اشارہ ہے لیکن 'دہر' میں مکان کی وسعت کی طرف زیادہ توجہ ہے اور 'عصر' میں اس Time & Space complex کے زمانی عنصر (Element) کی طرف توجہ کی گئی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ سے قرآن حکیم میں دو سورتیں موسوم ہیں - سورۃ الدھر انتیسویں [۲۹] پارے میں اور یہ سورۃ العصر ہے تیسویں پارے میں - جس پر اس وقت ہم غور کر رہے ہیں - سورۃ الدہر کا آغاز ہوتا ہے: ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ۝" اور زیر مطالعہ سورت کے آغاز کی آیت ہے 'والعصر' دہر اور عصر میں جو بنیادی فرق سامنے آیا اب اس کے اعتبار سے غور کیجیے تو عصر کا ترجمہ ہوگا - تیزی سے گزرنے والا زمانہ، جدید فلسفے میں جو وقت اور زمان کی بحث آتی ہے، اس میں آپ کو الفاظ ملیں گے 'Serial Time' جس سے مراد ہے زمانِ

مسلسل — یہ وقت وہ ہے جو گزرتا ہے - اس میں ماضی، حال اور مستقبل کی تقسیم ہے - اور ایک ہے زمانِ مطلق Pure duration or Absolute time جس میں گزرنے کا کوئی سوال نہیں ہے - عربی زبان میں اعصار کہتے ہیں تند و تیز آندھی کو، جھکڑ کو - دن میں عصر کا وقت وہ ہے جب کہ دن تیزی سے ختم ہو رہا ہوتا ہے - پورا دن گزر چکا تھوڑا سا وقت باقی ہے جو تیزی سے گزرتا ہے - اب ہم یہاں جب 'والعصر' کی ترجمانی کریں گے تو مفہوم ہوگا 'تیزی سے گزرنے والا زمانہ گواہ ہے' - آپ غور کریں گے تو یہ وہ تصور ہے جو ہر زبان کے ادبِ عالیہ میں ملے گا - اُردو کا بڑا پیارا شعر ہے - ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی — گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

انگریزی میں بھی Psalm of Life مشہور نظم ہے :

Art is long and time is fleeting
And our hearts though stout and brave

Still, like muffled drums are beating
Funeral marches to the grave

ہمارے دل کی ہر دھڑکن ہمیں قبر سے قریب سے قریب تر کر رہی ہے - اس سُورۂ مبارکہ میں چونکانے اور جھنجھوڑنے کا انداز ہے - وَالعصر! اے غافل انسان! ذرا اپنی غفلت میں زمانے کو ٹھہرا ہوا محسوس کرتا ہے - یہ وقت جو تیری اصل پونجی ہے، جو تیرا راس المال ہے، جو تیرا اصل سرمایہ ہے - اسی میں بننا ہے تجھے جو کچھ بننا ہے - اور اسی میں تجھے بنانا ہے جو کچھ بنانا ہے - لیکن تیری یہ اصل پونجی برف کے مانند پگھلتی چلی جا رہی ہے - یہ چونکانے کا انداز، نیند کے ماتوں کو بیدار کرنے کا انداز اس ایک آیت 'والعصر' میں مضمر ہے - واقعہ یہ ہے کہ انسان کی گمراہی کے بہت سے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ وہ زمانے کی وسعتوں میں گم ہو جاتا ہے - وہ جو علامہ اقبال نے کہا کہ : ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اس گمشدگی کے عالم سے انسان کو نکالنے کے لئے یہ اسلوب نہایت بلیغ ہے نہایت موثر ہے۔ وَالعصر! 'زمانہ گواہ ہے'۔ کس حقیقت پر گواہ ہے۔ ہر کس چیز پر گواہ ہے! اب اس کا ربط قائم ہوتا ہے، دوسری آیت سے جو اس سورہ کی درمیانی اور مرکزی آیت ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اس آیت میں اِنَّ حرف تاکید ہے۔ الف لام جو 'انسان' پر داخل ہوا۔ اس نے اس میں حصر کا مفہوم پیدا کر دیا۔ تمام انسان۔ اس سے قبل اِنَّ حرفِ تاکید ہے۔ فِیْ حرفِ جار ہے۔ خُسْرٍ بہت بڑا خسارہ اب دونوں آیتوں کے ربط سے ترجمانی یوں ہوگی کہ "زمانہ گواہ ہے کہ بالیقین تمام انسان ایک خسرانِ عظیم، ایک بہت بڑے گھاٹے اور ایک بڑی تباہی اور بربادی سے دوچار ہونے والے ہیں۔"

یہ جو ایک خبر، اطلاع یا فیصلہ سامنے آیا، میں چاہوں گا کہ اب ذرا پوری توجہ اس کی طرف مرتکز کیجئے۔ کوئی حسّاس انسان اگر نوعِ انسانی کی کیفیات کا مشاہدہ کرے گا تو سب سے نمایاں جو حقیقت اس کے سامنے آئے گی وہ یہ کہ انسان بڑے بوجھوں تلے دبا ہوا ہے۔ بڑی مشقّت، بڑی محنت اور طرح طرح کے مصائب اور مشکلات ہیں، جن سے ہر انسان دوچار ہے۔ انسانوں کی کثیر تعداد تو وہ ہے جس کو صبح سے شام تک کمر توڑ دینے والی مشقت کے باوجود دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہے۔ بے شمار انسان وہ ہیں کہ جن کے بچے انکی آنکھوں کے سامنے دوا دارو کے بغیر دم توڑ دیتے ہیں چونکہ ان کو اتنی مقدرت نہیں ہے کہ وہ بچوں کا علاج و معالجہ کرا سکیں۔ پھر اس کو دکھ لگے ہوئے ہیں۔ کبھی اولاد کی محبت میں یہ تڑپتا ہے، کبھی مال کی تمنّا اسے رُلاتی ہے۔ کبھی کسی عزیز کی طرف سے اسے صدمہ پہنچتا ہے۔ کبھی اس کے جذبات کو کوئی ٹھیس لگتی ہے۔ طرح طرح کے مصائب و مشکلات اور رنج و الم، واقعہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کا مقدر ہے۔ اس کی طرف قرآن حکیم نے آخری ہی پارے کی سُورۃ البلد میں کلّیہ بیان فرمایا کہ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ۞ "یقیناً ہم نے نوعِ انسان کو محنت مشقت ہی میں پیدا کیا ہے"۔ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر ہر قلبِ حساس رکھنے والا شخص دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ غنیمت ہے کہ قلبِ حساس ہر انسان کو نہیں ملا۔ ورنہ ایک نہیں لاکھوں ہوتے گوتم بدھ جو انسان کے دکھوں کو دیکھ کر اس تہذیب و تمدن کی دنیا سے منہ موڑ کر جنگلوں میں جا دھونی جماتے! ۔ اس حقیقت کو ایک شعر میں اس انداز سے مرزا غالب نے بھی بیان کیا کہ:

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

لیکن قرآن کا بیان کچھ اور ہے۔ یہاں یعنی دنیا تک تو معاملہ اتنا ہے کہ انسان کی حیثیت بھی بار برداری کے کسی حیوان کی اور کولھو کے کسی بیل کی سی ہے ہر ایک کیلئے محنت ہے مشقت ہے۔ مزید فرق یہ ہے کہ انسان کے جذبات و احساسات بھی ہیں، اس کے جذبات کو بھی ٹھیس لگتی ہے۔ جبکہ لدوا اونٹ کے لئے یا کولھو کے بیل کے لئے یہ سوہانِ روح نہیں ہے۔ لیکن انسان کے المیے کا نقطۂ عروج اصل میں وہ مرحلہ ہوگا جب یہ ساری مشقتیں جھیل کر، یہ ساری مصیبتیں برداشت کر کے انسان دفعتاً اپنے مالک کے حضور میں پیش کر دیا جائے گا۔ جواب دہی بھی کرو، تم کیا کر کے آئے ہو۔ ہم نے تمہیں جو مہلت عمر دی، اس میں کیا بنایا! کیا کمایا! خیر کے کام کئے یا شر کے، نیکی کمائی یا بدی! ہماری طرف رُخ رکھا یا دنیا ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیا! ۔ ایک ایک فعل اور عمل کا حساب دو، ایک ایک قول کا حساب دو: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۞ (قٓ) "کوئی لفظ اس (انسان) کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو"۔ ظاہر بات ہے کہ یہ معاملہ انسان کا ہے حیوان کا نہیں ۔ انسان کو جو شرف ملا ہے اور اشرف المخلوقات کا جو مقام اُسے حاصل ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ذمّہ دار اور جوابدہ

ہے۔ Accountable ہے Responsible اور ۔جس
نقشہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کھینچا ہے کہ : لن تزول قد
ابن آدم۔ ابن آدم کے قدم ہل نہ سکیں گے، جواب دہی کے کٹہرے سے وہ جنبش
نہیں کر سکے گا۔ حتی یسئل عن خمس۔ جب تک کہ اس سے پانچ باتوں
کا جواب نہ لے لیا جائے گا۔ عن عمرہ فیما افنیٰ۔ اس کی عمر کے بارے
میں کہ کہاں ضائع کی کہاں کھپائی! دیکھئے سورۃ العصر کے ساتھ اس کا ایک گہرا
تعلق ہے۔ وعن شبابہ فیما ابلیٰ۔ خاص طور پر عمر کا وہ حصہ جسے شباب
کہتے ہیں، امنگوں کا دور۔ ولولوں کا دور۔ جسم و جان میں جبکہ حرارت اور تولنا
ہوتی ہے۔ اپنی عمر کا وہ قیمتی حصہ کہاں ضائع کیا۔ ؟ وعن مالہ فیما انفقہ
ومن این اکتسبہٗ۔ اور مال کے بارے میں کہاں سے کمایا، حلال یا حرام
سے، جائز سے یا ناجائز سے اور کہاں خرچ کیا، ادائے حقوق میں صرف کیا یا اللوں
تللوں میں اور عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں وہ مال صرف کیا اور آخری اور
سب سے کٹھن سوال ہے۔ عمّا عمل فیما علم۔ جو علم حاصل ہوا اس میں سے
عمل کتنا کیا۔ ان میں سے ایک ایک کی جواب دہی ہے۔ یہ وقت ہے جبکہ
انسان پکار اٹھے گا، یٰلیتنی کنت ترابا ، ہائے بدبختی! کاش کہ میں مٹی ہو
جاتا! اسی وقت کے احساس کو مدنظر رکھتے ہوئے نسل انسانی کے گل سرسبد حضرت
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لرزتے اور کانپتے رہے ہیں۔ آنجناب ایک عجیب کیف
کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، کاش! کہ میں ایک چڑیا ہوتا، درختوں پر چہچہانے
والی چڑیا۔ جس سے محاسبہ نہیں ہوگا۔ جس کو جواب دہی کرنی نہیں ہوگی۔ کاش!
کہ میں گھانس کا ایک تنکا ہوتا۔ جو جل کر نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے۔ اس کا محاسبہ
نہیں، اس کے لئے جواب دہی نہیں۔

یہ ہے وہ معاملہ جس کو آخری ہی پارے کی ایک اور سورت میں بڑی شانِ جلال
کے ساتھ فرمایا کہ: یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ
(الانشقاق) "اے انسان! تجھے یہ مشقتیں جھیل کر محنتیں برداشت کر کے، یہ تمام

بوجھ اٹھائے ہوئے بالآخر اپنے رب کے ساتھ ملاقات بھی کرنی ہے"۔ ایک وقت آئے گا جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو گے اور تم کو جواب دہی کرنی پڑے گی تمہارا محاسبہ ہو کر رہے گا۔ اس کی بڑی اچھی عکاسی اس شعر میں کی گئی ہے کہ:

؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

یہ ہے وہ مرحلہ جس کے احساس کی شدت سے ایک شاعر پکار اٹھا کہ

؎ مرا اے کاش کہ مادر نہ زادم — اے کاش! میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا۔

یہ انسان کے المیّہ کا نقطۂ عروج ہے، یہ اس کا climax ہے۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھیئے اور اب پھر اِن دو آیات کی طرف توجہات مرتکز کیجیے کہ وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اس کے نتیجے میں ایک مایوسی کی سی کیفیت محسوس ہو گی۔ اس کا علاج ہے جو آخر آیت میں ہمارے سامنے آئے گا۔ ایک استثنائ ہے۔ گویا کہ انسان پکار کر سوال کر رہا ہے اَیْنَ الْمَفَرُّ ؟ کہیں اس خسران سے بچنے کی کوئی صورت ہے بھی کہ نہیں؟ اس خسارے سے بچاؤ کی کوئی شکل ہے کہ نہیں؟ اب اس کا جواب ہے جو اس سورۂ مبارکہ کی تیسری آیت میں دیا گیا ہے جو آخری آیت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

اس تیسری آیت پر اب ان شاء اللہ آئندہ نشست میں گفتگو ہو گی۔ آج جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کے بارے میں کوئی مزید وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! اس سورت میں جو لفظ العصر آتا ہے اس سے ایک یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ اُسی زمانے کے بارے میں کہا گیا ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ ایک یہ زمانہ ہے، جس سے ہم گزر رہے ہیں تو اس طرح زمانوں کی کوئی تفریق تو اثر انداز نہیں ہوتی —؟

جواب : ایسی کوئی بات نہیں ہے ۔ اس کا عمدہ جواب علامہ اقبال کے ایک شعر کے حوالے سے سُن لیجئے :

؎ زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ قدیم وجدید

انسان اور اس کے عواقب ومیلانات بھی وہی ہیں جو پہلے تھے ۔ خارجی حالات بدلے ہیں ۔ لیکن انسان کے اندر کی دنیا وہی ہے جو پہلے تھی اور زمانہ اور اس کی وسعتیں اور اس کی شہادتیں بھی وہی ہیں جو پہلے تھیں ۔ اگر ہم غور کریں تو زمانے کے متعلق ایسے محسوس ہوگا کہ جیسے ایک چادر ہے جو ازل سے ابد تک تنی ہوئی ہے اور یہ ایک ہی حقیقت ہے اس میں کوئی رخنہ نہیں ہے اور زمانے کی یہ چادر ہے یہ درحقیقت چشم دید گواہ قرار دی جاسکتی ہے اُن اقوام وامم کے عروج وزوال اور ان کے ترفع وتنزل کے قصص کی جن کا قرآن حکیم میں ذکر ہے ۔ اس طرح قرآن مجید میں جو تاریخی واقعات مذکور ہیں ، گویا آیت وَالْعَصْرِ میں ان کی طرف بھی اشارہ موجود ہے ۔ اس میں قدیم وجدید کی کوئی تفریق یا تقسیم درست نہیں ہے ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب ! اس سورۃ العصر کا اپنی ماقبل سورۃ التکاثر اور مابعد سُورۃ الھمزہ سے بھی کوئی ربط وتعلق ہے ۔ اگر ہے تو براہ نوازش اسکو واضح فرمائیں ۔ ؟

جواب : اس پر شاید میں اس سورہ مبارکہ کے مطالعہ کے اختتام پر کچھ عرض کرتا ۔ لیکن اب جبکہ سوال کر ہی لیا گیا ہے تو اسی موقع پر عرض کر دیتا ہوں ۔ انسان جب اس زمانے میں گم ہوجاتا ہے اور حقائق پر اس کی نگاہ نہیں رہتی تو جو کیفیت ہوتی ہے اس کا عکس سورۃ التکاثر میں بیان کیا گیا ہے : اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ہ " تمہیں غافل کئے رکھا بہتات کی طلب نے " ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ سُورۃ العصر چونکا دینے کے انداز میں سامنے آتی ہے ۔ آغاز ہی اس سے ہوتا ہے ؛ وَالْعَصْرِ ۔ تیزی سے گزرنے والا زمانہ گواہ ہے کہ مہلت عمر کسی آن ختم ہوسکتی

ہے - تمہاری پونجی برف کے مانند پگھل رہی ہے - لہٰذا جاگو، ہوش میں آؤ - یہی اسلوب سورۃ التکاثر اور اس سے ماقبل کی سورۃ القارعۃ کا ہے - پھر اس غفلت اور مال کی بہتات کی طلب کا جو عملی نتیجہ انسان کے اخلاق اور کردار میں گراوٹ اور پستی کا نکلتا ہے اور اس میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کا ذکر "سورۃ الہمزہ" میں ہے: وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ "تباہی اور بربادی ہے ہر اُس شخص کے لئے جو لوگوں پر طعن اور چغلی کرنے کا عادی ہے (خواہ وہ مُنہ در مُنہ ہو خواہ پیٹھ پیچھے)، جس نے مال سنیت سنیت کر اور اس کو گن گن کر رکھا۔" اخلاقی اعتبار سے بھی پستی اور مال کے اعتبار سے بھی بخل اور حرص، یہ چیزیں انسان پر مسلّط ہو جاتی ہیں - ان دونوں سورتوں اَلتَّکَاثُرُ اور الہمزہ کے درمیان نہایت حسین اور خوبصورت نگینے کی حیثیت سے سورۃ العصر جڑی ہوئی ہے - ان دونوں کیفیتوں سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اس سُورۃ مبارکہ کو حرزِ جاں بنایا جائے - وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

سوال: ڈاکٹر صاحب! خسارہ سے مراد کس قسم کا خسارہ لیا جائے؟

جواب: عربی زبان میں خسارے سے مراد مالی نقصان اور گھاٹا بھی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں عربی الفاظ کو اختیار کر کے اصطلاحات کی حیثیت دی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید خسارہ سے مراد لیتا ہے آخرت کی ناکامی، نامرادی بربادی، تباہی ــــ چنانچہ قرآن کہیں کہے گا: "ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝" کہیں کہے گا "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝" کہیں کہے گا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝" اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین (نظامِ حیات و اطاعت) کو اختیار کرے تو اس کا یہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں اور ناکاموں میں شامل

ہوگا"۔ لہذا سورۃ العصر میں یہ لفظ (خُسر) نہایت جامع مفہوم کے ساتھ آیا ہے۔ دراصل ’خُسر‘ فلاح، فوز، کامیابی، کی ضد ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس نے خیر کے اُس جذبے کو جو اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ودیعت فرمایا تھا، صحیح رُخ پر پروان چڑھایا اور خیر کے اعلیٰ اوصاف کے مطابق اپنی سیرت کی تعمیر کی۔ یہ شخص کامیاب ہوا اور یہی شخص اعلیٰ وارفع انجام کو بھی پہنچا۔ ایک دوسرا شخص وہ ہے۔ جس نے شر کا راستہ اختیار کیا۔ بُرائیوں کو اپنایا۔ بدی کمائی تو الیسا شخص آخرت میں ناکام اور خاسر رہ گیا۔ پس ’خسارہ‘ یہاں اس جامع مفہوم میں آیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب! عام مشاہدہ تو یہ ہے کہ وہ اقوام اور وہ لوگ جو ان اوصاف سے خالی ہیں جن کی وضاحت اس سُورت کے حوالے سے سامنے آئی ہے وہ دنیا میں بڑی کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ تو ناکام اور خاسر قرار نہیں دیئے جا سکتے! براہ کرم اس اشکال کو رفع فرما دیجئے۔

جواب: قرآن حکیم کا چونکہ اصل مضمون یہ ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ۔ اور دنیا کی یہ زندگی بغرض امتحان و آزمائش ہے: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاؕ۔ لہذا جیسا کہ میں نے اس سے پہلے سوال میں عرض کیا کہ خسارے، تباہی، بربادی اور نامرادی و ناکامی کا ذکر قرآن مجید کرتا ہے تو اس میں اصلاً پیشِ نظر آخرت ہی ہوتی ہے۔ دنیا اس کے تابع ہوتی ہے۔ چنانچہ سورہ التغابن میں جو اٹھائیسویں (۲۸) پارے کی سُورت ہے، فرمایا: ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِؕ ہار اور جیت کے فیصلے کا اصل دن وہ یعنی آخرت کا دن ہے۔ اس دن معلوم ہو گا کہ کون حقیقتاً کامیاب و کامران رہا اور کون ناکام، نامراد اور خاسر رہا! باقی رہا

یہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں بھی کامیاب ہو تو ان شاء اللہ اگلے درس میں میں بیان کروں گا کہ دنیا میں حقیقی کامیابی کے لوازم بھی وہی ہیں جو اس سورہ

مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ہم جس ظاہری چمک دمک سے اس مغالطے میں آجاتے ہیں کہ دُنیا میں وہ لوگ جو قرآن پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، وہ بڑی کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں حالانکہ ان کے اپنے المیے اور اپنے مصائب ہیں۔ ان کی ظاہری کامیابی کے اسباب دوسرے ہیں ۔۔۔ بہرحال اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو بات اصل میں قرآنِ حکیم کے مدِّنظر ہے وہ ہے اُخروی نجات، اُخروی کامیابی اور اُخروی فوز و فلاح ۔۔

حضرات! آج ہم نے اس سُورہ مبارکہ کے جزوِ اوّل پر کسی قدر مزید گہرائی میں اتر کر غور کر لیا۔ عملی اعتبار سے جو اس کا اہم ترین حصہ ہے وہ اسکی تیسری یعنی آخری آیت ہے۔ اس پر ان شاء اللہ آئندہ نشست میں گفتگو ہوگی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اعتذار: ہم انتہائی ندامت اور رنج کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ "میثاق" کے فروری ۸۳ء کے شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب "اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور" کے پہلے صفحے (ص ۱۵) پر سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ کی نقل میں یہ سہو ہو گیا ہے کہ اس آیت کے ابتدائی حصے میں وَاَزْوَاجُکُمْ کے بعد "وَعَشِیْرَتُکُمْ" لکھنے سے رہ گیا ہے۔ اور یہ غلطی پروف ریڈنگ کے وقت بھی پکڑی نہ جا سکی۔ اس سہو پر ہم بارگاہِ ربّ العزت میں عفو کے طالب ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ (ادارہ)

بسم اللہ اوّلہٗ وآخرہٗ

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

ڈاکٹر اسرار احمد

کا خطاب نمبر ۲

خطبۂ مسنونہ، سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۴۲ تا سورۃ العلق کی آیات نمبر ۶ تا ۸ نیز ادعیہ ماثورہ کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فرمایا:

حضرات آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ جمعہ میری تقریر کا موضوع تھا "اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر"۔ آج بھی اسی موضوع پر مجھے اظہارِ خیال کرنا ہے۔ گویا میری آج کی گفتگو پچھلے جمعہ کی تقریر کے تسلسل میں ہے اور اسی سے مربوط ہے۔ اسی موضوع کی آخری کڑی انشاء اللہ میری وہ تقریر ہوگی جو مجھے آج رات کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی دس سالہ تقریب کے ضمن میں جناح (ٹاؤن) ہال میں افتتاحی اجلاس میں کرنی ہے

پچھلے جمعہ کو میں نے جو کچھ عرض کیا تھا پہلے اس کے ملخص کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے تاکہ آج بات آگے بڑھائی جا سکے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اصلاحِ معاشرہ کی کوششوں کی تین سطحیں ہیں۔ جن میں سے پہلی کو ہم اس کی جڑ یا بنیاد یا اساس قرار دے سکتے ہیں یا جس کے لیے میں نے لفظ استعمال کیا تھا اس کا "پیر" — دوسری سطح درمیانی درجہ سے متعلق ہے گویا اس کا دھڑ — اور تیسری سطح وہ ہے جس کو اس کام کی ذروۃ السنام یعنی چوٹی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جسے میں نے اس کے سر سے تعبیر کیا ہے — پھر میں نے تجزیہ کر کے بیان کیا تھا کہ اس وقت جو تھوڑی بہت کوشش ہو رہی ہے جس کا اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں خوب چرچا ہو رہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کوشش میں نہ اس کا پیر سامنے ہے اور نہ ہی اس کا سر — صرف درمیانی درجے پر نیم دلانہ قسم کی کچھ توجہات مرتکز ہیں،

وہ بھی میرے نزدیک محض نمائشی نوعیت کی ہیں گویا ذرائع ابلاغ کے ذریعے لوگوں کو
اطمینان دلانا مقصود ہے کہ اس ضمن میں حکومتی سطح پر کام ہو رہا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

اصلاحِ معاشرہ کی جڑ اور بنیاد کیا ہے! اس کے متعلق میں نے تفصیل سے عرض
کیا تھا کہ وہ یہ ہے کہ انسان کی سیرت و کردار کی مثبت تعمیر کا اہتمام ہو۔ اس لیے کہ معاشرہ
افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر انفرادی سیرت سازی اور تعمیر کردار کا مثبت پروگرام
اصلاحِ معاشرہ کی تحریک میں شامل نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس تحریک کی کامیابی
ممکن نہیں ہے۔ یہی اس کی جڑ ہے۔ یہی اس کی اساس ہے۔ یہی اس کی بنیاد ہے۔
اور یہی اس کا بیج ہے۔

اس کی چوٹی کیا ہے!! اس کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک انسان
کے ارد گرد جو ماحول ہے، اس میں اگر ایک منصفانہ اور مبنی بر عدل و قسط اور انصاف
نظام قائم نہیں ہے تو اس سے بھی انصاف میں مثبت تعمیری احساسات و جذبات
پیدا نہیں ہوں گے بلکہ ظلم و عدوان اور استحصالی و استبدادی نظام کے فطری
تقاضے کے نتیجے میں نفرت و کدورت، عداوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں
گے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی پودا زمین سے نکلتا ہے،
اس کی ایک جڑ ہے لیکن اگر اس پودے کو فضا سازگار میسر نہ ہو۔ اگر اس کی نشوونما
کے لیے ماحول میں جو کچھ درکار ہے، وہ موجود نہ ہو تو پودا پروان نہیں چڑھے گا۔
اور زمین، یہ تو ہے انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر ــــ اور ماحول درحقیقت وہ
نظام ہے جس میں انسان سانس لے رہا ہوتا ہے۔ جس میں لوگوں سے اس کے
روابط ہوتے ہیں۔ اگر وہ نظام ظالمانہ و جابرانہ ہے، استحصالی ہے، اس میں
استبداد ہے، اس میں جبر ہے ناروا امتیازات اور فرق و تفاوت DISCRIMI-NATIO
ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کا ردِ عمل انسان کے افکار و اعمال پر
لازمی ہے جس سے انسان میں تعمیری احساسات و جذبات وجود میں نہیں آئیں گے
تخریبی احساسات و جذبات وجود میں آئیں گے۔ اور محبت و اخوت کی بجائے
نفرت اور انتقام کے جذبات پروان چڑھیں گے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ان کے درمیان کی شے ہے۔ کچھ اوامر و نواہی کا نظام اور
احتساب اور

کے لیے ممد و معاون ہوتا ہے، لیکن یہ جڑ اور چوٹی یعنی پیر اور سر کے بین بین شے ہے۔ یعنی دھڑ سے متعلق ہے لیکن اگر پیر اور سر کی دونوں چیزیں نہیں ہیں تو یہ شے درمیان میں معلق ہے۔ اس کی جڑ نہ زمین میں ہے اور نہ ہی اسے فضا اور ماحول سے غذا مل رہی ہے۔ لہٰذا محض تعزیری و احتسابی نظام سے جو نتائج نکلنے چاہئیں وہ نہیں نکل رہے۔ اس میں اصلاح کی مساعی بھی ناکام ہو رہی ہیں۔

تعمیر کردار اور سیرت سازی کے لیے مَیں نے عرض کیا تھا کہ اس میں اصل اہمیت انسان کے فکر کی نہیں بلکہ اصل اہمیت اس کے جذبے اور ارادے کی ہے۔ یقیناً فکر اگر اپنی جگہ صحیح نہیں ہے تو عمل کے غلط رُخ اختیار کر لینے کی ایک بنیاد پڑ جائے گی لیکن انسان نیکی و بدی اور اچھائی و بُرائی کے معاملہ میں کسی مغالطہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اس بارے میں قرآن حکیم کی شہادت موجود ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ فطرتِ انسانی اس سے خوب آگاہ ہے کہ خیر کیا ہے، شر کیا ہے۔ نیکی کیا ہے! بدی کیا ہے! فجور کیا ہے اور تقویٰ کیا ہے!!

اصل روگ اور مرض مَیں نے مرزا غالب کے اس شعر کے حوالے سے بیان کیا تھا کہ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ۔۔۔ پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

یہ طبیعت کو راغب کرنا ہی اصل شے ہے۔ یعنی انسان کے اندر یہ جذبہ اور ارادہ ابھرے کہ وہ بدی کے خلاف مدافعت و مقاومت (RESIST) کر سکے خواہ اُسے اس میں فوری طور پر کوئی منفعت حاصل ہو رہی ہو، فوری طور پر کوئی لذت محسوس ہو رہی ہو۔ لیکن جب اس کا ضمیر یہ کہے کہ یہ شے یا یہ کام فی نفسہٖ بُرا ہے، یہ بدی ہے تو اندر اس کی قوتِ ارادی اتنی مضبوط ہونی چاہیے کہ وہ فوری منفعت یا فوری لذت سے کنارا کش اور دستبردار ہو سکے۔ اسی طرح جب اس کے اندر سے کوئی چیز اُسے بتا رہی ہو کہ یہ کام یا یہ چیز خیر ہے، بھلائی ہے، نیکی ہے تو اس کو اختیار کرنے کے لیے اس کے اندر اتنی مضبوط قوتِ ارادی موجود ہو کہ خواہ اس میں بظاہر نقصان ہو رہا ہو، بظاہر اس سے کوئی تکلیف آ رہی ہو۔ بظاہر اس سے اس کا کوئی دوست یا عزیز ناراض ہو رہا ہو لیکن جو چیز خیر کی ہے، عدل و انصاف

ی ہے وہ اسے بہر طور اختیار کرلے گا۔ جیسے قرآن حکیم میں فرمایا:
وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ۔ یعنی "(عدل و قسط کی بات کہو) چاہے وہ تمہارے اپنے خلاف پڑے خواہ وہ تمہارے والدین یا اعزہ و اقارب کے خلاف پڑ رہی ہو۔"

اب غور کیجئے کہ وہ کون سی چیز ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کو انگیز کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ چیز اندر کی ایک مضبوط قوتِ ارادی (WILL POWER) ہے۔ اگر یہ موجود ہے تو انسان کھرا رہے گا اور نیکی کی راہ پر گامزن ہوگا ورنہ نہیں ـــ اس قوتِ ارادی کی تعمیر کے متعلق میں نے گذشتہ جمعہ کو عرض کیا تھا کہ میں اسے علامہ اقبال کے الفاظ میں کہوں گا کہ یہی درحقیقت "تعمیرِ خودی" ہے۔ یہ تعمیرِ خودی جو تعمیرِ سیرت و کردار کی اصل بنیاد ہے اس کا تعلق جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں، جذبات سے ہے اور انسان کے بنیادی طور پر جذبات دو ہیں، ایک محبت کا جذبہ اور دوسرے خوف کا جذبہ ـــ محبت کا جذبہ مثبت جذبہ ہے اور خوف کا جذبہ ایک منفی جذبہ ہے۔ ان دونوں جذبات ہی کی بنیاد پر انسان کے اندر تعمیرِ کردار اور سیرت سازی کا عمل شروع ہوسکتا ہے۔

پچھلے جمعہ میں نے عرض کیا تھا کہ دنیا کے دوسرے نظاموں میں اس محبت کو وابستہ کیا جاتا ہے۔ کہیں وطن سے، کہیں قوم سے، کہیں کسی شخصیت سے، کہیں اپنی نسل اور زبان سے اور کہیں کسی نظریہ (IDEOLOGY) سے۔ ان میں سے کسی چیز کی محبت انسان کے دل میں گھر کر جائے اور اس کو POSSESS کرلے تو گویا کہ انسان کی سیرت و کردار کو سنوارنے، اس کا تسویہ کرتے اس کی قوتِ ارادی کو مضبوط کرنے یعنی اس کی "خودی" کی تعمیر کے لیے جڑ اور بنیاد فراہم ہوگئی۔ اور اس کو وہ ROCK FOUNDATION مل گئی جس پر اس کی سیرت سازی ہوسکے گی۔ چونکہ اگر انسان کے دل میں ان میں سے کسی چیز کی محبت جاگزیں ہے تو وہ خودغرضی کی سطح سے بلند ہوسکے گا۔

البتہ یہ ظاہر ہے کہ ان محبتوں کی بنیاد پر جو کردار وجود میں آئے گا وہ قوم پرستانہ کردار ہوگا۔ وطن پرستانہ کردار ہوگا۔ اس میں وہ وسعت اور بلند نظری نہیں

ہو سکتی، اس میں گھمبیرتا نہیں ہو گی اس لیے کہ اس میں بھلائی ہو گی اپنے وطن اور اپنی قوم کے لیے ــــ بھلائی اور بُرائی کے معیارات کے متعلق ایسا شخص یہ سوچے گا کہ جو کچھ میری قوم اور وطن کے لیے بہتر ہے، یہی درحقیقت بھلائی اور خیر ہے اور جو میرے وطن یا قوم کے لیے بُرا ہے وہی دراصل بُرائی اور خرابی ہے خواہ اپنی حقیقی قدر و قیمت کے اعتبار سے معاملہ برعکس ہو۔ ایسا شخص اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دے گا، دوسروں کو دھوکہ دے گا۔ اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کرے گا لیکن دوسروں کے ساتھ بے وفائی کرے گا۔ معلوم ہوا کہ اس سیرت و کردار کی افادیت محدود ہے۔ لیکن بہرحال کچھ تو بھلائی موجود ہے، اپنے وطن اور اپنی قوم کی محبت ہے۔ ان کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ تو موجود ہے۔ ایسا شخص اپنی قوم کو تو دھوکہ نہیں دے گا۔ جس کے لیے میں نے پچھلے جمعہ کی تقریر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ابتدائی دعوتی خطبے کے تمہیدی الفاظ آپ کو سنائے تھے کہ وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا کَذَبْتُکُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا غَرَرْتُکُمْ "اللہ کی قسم اگر (بالفرض) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی جھوٹ بولتا اور اگر (بالفرض) میں تمام انسانوں کو دھوکہ اور فریب دے سکتا تب بھی تمہیں ہرگز نہ دیتا۔" نبی اکرمؐ نے یہ اسلوبِ خطاب اس لیے اختیار فرمایا کہ قریش اچھی طرح جانتے تھے کہ جھوٹ کبھی آں حضورؐ کے پاس بھی نہیں پھٹکا تھا۔ اسی لیے اس معاشرے نے نبوت سے قبل آپؐ کی صداقت و امانت کے کامل مشاہدے اور تجربے کے بعد آپؐ کو "الصادق اور الامین" کے خطابات دیئے تھے۔

پس دراصل یہ تعبیر ہے اس بات کی کہ اگر قوم کی اخلاص و خلوص کے ساتھ محبت ہے تو ایک بہتر کردار وجود میں آتا ہے ــــ اور میں نے عرض کیا تھا کہ پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کا اصل المیہ یہ ہے کہ ان کے پاس یہ بنیاد بھی نہیں۔ خدا پرستی اور محبتِ الٰہی کی بنیاد تو نہایت اعلیٰ و ارفع شے ہے اور یہ چیز تو اس مصرعے کے مصداق کہ عنقا را بلند است آشیانہ۔ بالکل مفقود ہے ہی۔ (الا ماشاء اللہ) لیکن دوسری جو چیزیں دنیا کے پاس ہیں اور جو چھوٹے چھوٹے سہارے سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے دوسروں نے فراہم کیے ہوئے ہیں۔ وہ بھی دنیوی نقطۂ نظر سے

مفید ہوتے ہیں اور تو میں ان سہاروں کے بل پر کھڑی ہوتی ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید کی رُو سے ایسی تمام چیزوں کا معاملہ یہی ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ۔

لیکن ہمارا معاملہ یہ ہے کہ فی الوقت ہماری عظیم اکثریت نہ اللہ سے محبّت کرتی ہے نہ اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے — اس نمائشی محبت کو بھول جائیے، جس کا اظہار میلاد کی محفلوں، نعتوں، نعروں اور جلوسوں وغیرہ کے ذریعے کیا جاتا ہے، محبت نہیں بلکہ اصل محبت کو دل سے محو کرنے کے لیے شیطان کا ایجاد کردہ طلسم ہوش ربا ہے۔ نہ ہی ہماری عظیم ترین اکثریت اپنے وطن سے محبّت کرتی ہے اور نہ اپنی قوم سے — اس معاملے میں ہم نوسو ننانوے فی ہزار کے تناسب سے تہی دست ہیں۔ نتیجتاً اس وقت ہمارے یہاں فی الواقع جو صورتِ حال موجود ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کو تفصیل سے بیان کرنے کی مَیں حاجت محسوس نہیں کرتا۔ ہم میں سے ہر وہ شخص جو باشعور ہے جو دل حساس رکھنے والا ہے اچھی طرح جانتا ہے کہ دینی و اخلاقی اور قومی لحاظ و اعتبار سے ہمارے موجودہ معاشرے کی حالت کیا ہے!

صورتِ واقعہ اتنی المناک ہے کہ بیان کرتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ ہماری عظیم اکثریت کا حال یہ ہے کہ خود غرضی، خود لذّتی، خود علیشی کے سوا ان کے فکر کی، ان کے ذہن کی، ان کے مقاصد کی کوئی بلند تر سطح موجود ہی نہیں ہے — اپنی ذات، اپنے مفاد اور اپنی اغراض سے بلند تر ہو کر سوچنے والے ہمارے معاشرے میں نمک کے تناسب سے اگر موجود ہوں تو ہوں ورنہ صورتِ واقعہ یہی ہے کہ ہماری عظیم ترین اکثریت نے ان تمام خوبیوں سے تہی دست و تہی دامن ہو کر صرف اپنی ذات اور اپنے مفاد کے لیے اپنی تمام توانائیوں، قوتوں اور صلاحیتوں کو لگا رکھا ہے ان کی اپنی ذات ہی ان کا اصل کعبہ، اور مقصود و مطلوب ہے اور وہ اپنے اسی حریمِ ذات ہی کے گرد طواف کر رہے ہیں۔

مَیں نے گذشتہ جمعہ دوسری بات یہ عرض کی تھی کہ قوم و وطن کی سطح سے ایک بلند تر اور بالاتر محبّت "انسان کی محبت" بھی ہے اور اس حبِّ انسانیت

میں دنیا میں ایک عادلانہ ومنصفانہ نظام قائم کرنے کے لیے اور استحصالی واستبدادی نظام کو ختم کرنے کے لیے کسی نظریہ کسی آئیڈیولوجی کی محبت کا بھی یقیناً دنیا میں وجود ہے۔ اگر فاطر فطرت کا دیا ہُوا مبنی بر قسط وعدل نظام ان کے ذہن کی گرفت میں نہیں آیا یا پہنچانے والوں نے نہیں پہنچایا تو انہوں نے اپنے ذہن سے انسان کی بحیثیت مجموعی بھلائی اور خیر کے لیے سوچا ہے۔ اسی کو انہوں نے اپنے نظریئے بلکہ صحیح تر الفاظ میں اپنے عقیدے اور ایمان کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے نظریے کے مطابق ایک نظام کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں سب سے پہلا انقلاب بالشویزم ریوولیشن آج سے تقریباً ساٹھ برس قبل روس میں آیا جس کے متعلق یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ انقلاب تو انقلابوں کی ماں ثابت ہُوا۔ اور اس کے بطن سے نہ معلوم کتنے ممالک میں اسی نظریے کے مطابق انقلابات آچکے ہیں — ظاہر بات ہے کہ ان انقلابات کو لانے کے لیے لوگوں نے قربانیاں دی ہیں، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے اپنے CAREER تباہ کرائے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کی ہڈیوں کا چُورا ان انقلابات کی بنیادوں میں پڑا ہے۔ جب کہیں یہ کامیاب انقلابات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ انقلاب آپ سے آپ اور خود بخود تو نہیں آیا کرتا۔ وہ مستبد حکمران جیسے زارِ روس جن کا طوطی بول رہا تھا ایسے جباروں کا تختہ پلٹ دینا ذرا تصور کیجئے کہ کوئی آسان بات تو نہیں تھی — اس تمام ایثار و قربانی کی تہہ میں اُسی نظریے کی محبت کارفرما تھی۔ شعر کے مصداق کہ

؎ اِک تصور کے حُسنِ مبہم پر پوری ہستی مٹائی جاتی ہے۔

جیسا کہ میں نے گذشتہ موقع پر عرض کیا تھا کہ جب آپ اس نظریے کا تجزیہ کریں گے تو آپ اس نتیجے تک لازماً پہنچیں گے کہ اس کا اصل محرک انسان دوستی یا حبِّ انسانیت ہے۔ دنیا سے ظلم، استبداد اور استحصال کے خاتمے میں انسان کے لیے مستقل خیر ہے بھلائی ہے۔ یہ جذبہ ہے جو انسانی فکر سے ماخوذ اس نظریے کے لیے قربانی کا جذبہ رکھنے والے اور فعال و پُرجوش لوگوں کے اذہان و قلوب کو مسخر کرتا ہے — میں عرض کر چکا ہوں کہ حبِّ انسانیت بھی ایک نہایت پُرقوت مثبت جذبہ محرکہ ہے اور یہی اشتراکیت کے نظریے کی تہہ میں مستور ہے۔

میں نے گذشتہ مرتبہ عرض کیا تھا اور آج اس کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ اسلام

یہ دونوں جذبے دیتا ہے اور اس بلند ترین، ارفع و اعلیٰ ترین سطح پر دیتا ہے کہ جس سے بالاتر سطح کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ محبت کی بلند ترین سطح اللہ کی محبت اور اس کے ساتھ بالکل ملحق (BRACKETED) محبت ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ــــ یہ ہے وہ محبت جس کو اسلام ایک بندۂ مومن کے ذہن و قلب میں بطور احساس و بنیاد قائم کرتا ہے۔ یہ محبت FOUNDATION ROCK ہے۔ جس پر ایک حقیقی بندۂ مسلم کی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہاد فی سبیل اللہ کی DYNAMIC محبت۔ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد، کوشش و محنت اور کشمکش کرنا، وہ نظام عدل و قسط قائم و نافذ کرنے کے لیے اپنی توانائیاں، قوتیں اور صلاحیتیں لگانا جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے کر بھیجے گئے۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ اور جس کے متعلق سورہ الشوریٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا: وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ لوگو! جان لو میں صرف واعظ بن کر نہیں آیا بلکہ مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل (کا نظام) قائم کروں۔ مزید یہ کہ اس دنیا میں انبیاء و رسل کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین غایت یہ بھی ہے کہ وہ نظام عدل و قسط بالفعل قائم و نافذ ہو جو اللہ تعالیٰ فاطر السمٰوٰت والارض اور فاطر انسان کی طرف سے انکو دیا جاتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (الحدید) "بلاشبہ اور بالتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی اور واضح نشانیوں (معجزات) کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور شریعت (نظامِ زندگی) نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔"

عدل و انصاف کے بہت سے نظام انسان کے فکر اور غور و تدبر سے وجود میں آئے ہیں۔ ایک قسط و عدل کا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظامِ حیات ہے اور اس کی تکمیل و اتمام ہوا ہے، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ــــ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظامِ عدل و قسط کو صرف نظری طور پر پیش نہیں فرمایا بلکہ اس کو بالفعل قائم و نافذ کر کے دکھایا۔ اور اس کی برکات و حسنات کا تجربہ نوعِ انسانی کو کرا دیا۔ اسی نظام کے احیاء و تجدید کے لیے ایثار، اس کے قیام کے لیے محنت و

کشش اور قربانی یہ وہ دوسرا مثبت جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو عطا کیا گیا۔ ان دونوں جذبوں کو سورہ توبہ کی آیت ۲۴ میں جو میں نے آج بھی پڑھی اور پچھلی مرتبہ بھی پڑھی کہ "قُلْ" اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ "اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ" "لوگو! اگر تمہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے اعزہ واقارب" "وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا" اور وہ مال جو تم نے جمع کیے ہیں" "وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا" اور وہ تجارت جو محنت سے تم نے جمائی ہے اور جس کے کساد (مندی) کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے" "وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا" "اور وہ گھر جن کو بڑے ارمانوں کے ساتھ تعمیر اور فرش کیا ہے اور جو تم کو پسند ہیں" اگر یہ سب (علائق واسباب دنیا) تم کو محبوب تر ہیں "اَحَبَّ اِلَيْكُمْ" کس سے؟" اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے" "مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ" "تو جاؤ دفع ہو جاؤ اور انتظار کرو" "فَتَرَبَّصُوْا" "یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے" "حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط" اور (سن رکھو) اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا" "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ٥"

معلوم ہوا کہ محبت اللہ کی اور محبت اس نبی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور پھر محبت اللہ کی راہ میں جہاد کی۔ اگر یہ تین محبتیں ہیں تو گویا ایک بندہ مومن کی سیرت سازی اور تعمیر کردار کی جو مثبت اساس ہے وہ موجود ہے۔ اگر یہ تین محبتیں موجود ہی نہیں ہیں تو وہ جڑ اور بنیاد ہی سرے سے موجود نہیں ہے جس پر ایک مسلمان کی سیرت و کردار کی تعمیر منحصر ہے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ ایسے لوگ سب سے زیادہ گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ یہ نہ دنیا کے رہیں گے نہ دین کے رہیں گے۔ چونکہ نہ ان کو ان تین محبتوں کی جڑ ملی اور نہ ہی وطن پرستی یا قوم پرستی یا نسل وزبان پرستی اور کسی آئیڈیالوجی کی محبت کی اساس میسر آئی۔ ایسے لوگوں کے پاس نہ یہ ہے نہ وہ ہے۔ نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر ہیں بمصداق آیت قرآنی :۔ "مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ" وہ تو

ہوا میں معلق ہیں۔ بے لنگر کا جہاز ہیں یا ریت کے گھروندے ہیں جن کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہوتی ــــ جن لوگوں نے انسانی فکر کی مہیا کردہ اساس کو اپنا لیا ہے کم از کم ان کی دنیا تو ٹھیک نظر آئے گی۔ وہ دنیا میں سربلند نظر آئیں گے لیکن جن کے پاس یہ بھی نہیں ہے جیسا کہ فی الوقت ہمارا حال ہے تو ایسے لوگوں کے لیے تو ذلت و رسوائی ہے۔ ان کے لیے عزت و وقار جیسی اقدار کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ ان کا حال تو قرآن مجید کے فتویٰ کے مطابق یہ ہے کہ: خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ

میں نے گزشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ تعمیرِ سیرت و کردار کی مثبت اساس تو ہے "محبت کا جذبہ" اور اس کے لیے منفی اساس ہے "خوف کا جذبہ" یہ جذبہ ضروری بلکہ بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ محبت کے شناسا اور رمز آشنا ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔ یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ ذوقِ نغمہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے۔ ہاں "نوارا تلخ تر کو سمجھنے والے لوگ ہمیشہ عظیم اکثریت میں ہوتے ہیں۔ نوارا تلخ ترمی زن کہ ذوق نغمہ کمیابی ــــ اور پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر ــــ مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر ــــ پس معلوم ہوا کہ خوف کے جذبے کی بھی شدید ضرورت ہے۔ دنیا نے اس خوف کے جذبے کو برقرار رکھنے کے لیے پولیس، جیل، سزا، پھانسی اور اسی نوع کی تعزیر و تادیب کے نظام کو اختیار کیا ہے جو ہم سب کے سامنے ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اسلام نے بھی اس جذبے کو بھرپور طریقے پر استعمال (EMPLOY) کیا ہے اور دو سطحوں پر کیا ہے۔ ایک دنیا میں تعزیرات و حدود کی شکل میں اور دوسرے آخرت کے محاسبے کی صورت میں۔ دنیا میں اس نے اس خوف کے جذبے کو بڑے شدومد کے ساتھ EMPLOY کیا ہے اور اس میں معاشرے کے لیے عبرت پذیری و سبق آموزی کا پورا اہتمام کیا ہے۔ چونکہ اسلام کی حدود و تعزیرات کی اصل حکمتیں اور مصلحتیں دنیا کے سامنے نہیں ہیں۔ لہٰذا دنیا والے ان کو وحشیانہ سزائیں کہتے اور سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان شدید اسلامی سزاؤں کی حکمت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک کو سزا ملے اور معاشرے کی عظیم اکثریت کے ہوش ٹھکانے آجائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ایک حد بھی صحیح طور پر جاری (EXERCISE) ہو جائے تو اس کی برکات کے متعلق نبی اکرم

کا ارشاد ہے کہ

اقامۃ حد من حدود اللہ خیر من مطر اربعین لیلۃ فی بلاد اللہ۔ "اگر اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے کہیں ایک حد بھی جاری اور نافذ کر دی جائے تو اس ملک میں اتنی برکات کا ظہور ہوگا جتنی چالیس روز کی بارش سے برکات ہوتی ہیں۔" آپ اگر اپنے ملک کے لحاظ سے چالیس روز کی بارش کا تصور کریں گے تو یہاں سیلاب آ جائے گا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جو ابتدائی مخاطبین ہیں، ان کے لیے آب و گیاہ اور لق و دق صحرا کے ملک کا تصور کیجیے۔ وہاں اگر چالیس روز بارش ہو جائے تو وہاں جو ہریالی اور رونق ہو جائے گی۔ اس کو آں حضورؐ نے اصل میں تشبیہ کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔ نبی اکرمؐ کے اس ارشاد کا مفاد اور حاصل یہ ہے کہ ایسے کسی ملک میں جیسا کہ عرب ہے، چالیس شبانہ روز بارش سے جو برکات ظاہر ہوں گی اور زمین اپنے خزانے اگلے گی، اس سے کہیں زیادہ برکات کا ظہور وہاں ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے کسی ایک حد کو نافذ کر دیا جائے۔ ہمارے یہاں حدود آرڈی ننس کا چرچا کئی سال سے ہو رہا ہے لیکن نہ معلوم کہ کیا وجہ ہے کہ آج تک ایک حد بھی جاری نہیں ہوئی۔ اخبارات کے ذریعے یہ ضرور معلوم ہوتا رہتا ہے کہ فلاں کو اتنے کوڑے لگ گئے۔ یہ کوڑے تو سیاسی اور تخریبی نوعیت کے جرائم پر بھی لگ جاتے ہیں اور زنا، اغوا، وغیرہ کے جرائم پر بھی ۔۔۔ لیکن حدود اللہ میں سے اپنے جملہ لوازم کے ساتھ تاحال کوئی ایک حد بھی جاری نہیں ہو رہی۔ کیا چوریاں نہیں ہو رہیں؟ بلکہ چار پانچ سالوں میں مسلح اور منظم ڈکیتیوں کی وارداتیں تو بے حد و حساب ہوئی ہیں۔ شاید پچھلے تیس سالوں میں اس نوع کی جتنی وارداتیں مجموعی طور پر ہوئی ہوں گی گمان ہے کہ آخری پانچ سالوں میں ہونے والی وارداتوں کی تعداد مقابلتاً زیادہ ہی ہوگی۔ جبکہ ملک میں مارشل لاء نافذ ہے اور حدود آرڈی ننس کے اعلان پر ڈھائی سال کے لگ بھگ گزر چکے ہیں۔ کیا اس عرصے میں قطع ید کی حد کہیں ایک جگہ اور صرف ایک مرتبہ بھی کہیں جاری ہوئی؟

چوری کی سزا کی حد قطع ید کا بیان سورہ مائدہ میں آیا ہے کہ:۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا

نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۔ آیت نمبر ۳۸

"اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔"

پھر ڈاکے اور ڈکیتیوں کی سزا بطور حد سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۳۳ میں آئی ہے

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں

ان میں سے کوئی ایک حد بھی آج تک کہیں نافذ نہیں ہوئی اگر یہ حدود فی الواقع نافذ ہو جاتیں تو کیا ان عناصر کے (جو فلموں اور ٹی وی کے ذریعے منظم ڈاکوں کی (حکومت کی سرپرستی میں) TRAINING حاصل کر رہے ہیں) ہوش ٹھکانے نہ آجاتے۔ اسی طرح اگر غیر شادی شدہ زانی پر سو کوڑوں اور شادی شدہ زانی پر رجم کی حد ایک مرتبہ بھی بر سر عام نافذ ہو جاتی تو پورے معاشرے میں جھرجھری آجاتی اور جو لرزہ طاری ہوتا، اس کا آپ خود تصور کر سکتے ہیں۔ حدود آرڈیننس اپنی جگہ صحیح سمت میں اقدام تھا۔ لیکن اگر یہ آرڈیننس بالفعل نافذ نہیں تو بتایئے کہ اس کا آخر معاشرے کو فائدہ کیا حاصل ہوا۔ میری اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اس آرڈیننس میں جو خامیاں رہ گئی ہیں ان کو شرعی عدالت کے توسط سے دور کر کے اس کو فی الفور نافذ ہونا چاہیئے۔ صرف اس کو SHOW کرنا اس کا پروپیگنڈا اور چرچا کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ جیسا کہ خود ارباب اقتدار میں سے بہت ہی ذمہ دار صاحب کا فرمانا یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کی وجہ سے اب تک پولیس کے وارے نیارے ہوگئے ہیں۔ رشوت کا RATE بڑھ گیا ہے۔ چونکہ پولیس کو کامل اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو ایسے جرائم کو رائج شدہ تعزیرات پاکستان کے تحت عدالتوں میں پیش کرے اور چاہے تو حدود

آرڈی ننس کے مطابق چالان پیش کرے۔ بس اس حدود آرڈی ننس کا اگر کوئی دائرہ ہوا ہے تو وہ صرف پولیس کو حاصل ہوا ہے لیکن اس حدود آرڈی ننس کی کوئی معمولی سی معمولی برکت بھی تاحال ہمارے ماحول اور ہمارے معاشرے میں کہیں محسوس و مشہود نظر نہیں آتی اور نہ اس کا کوئی تجربہ ہمارے سامنے اب تک آیا ہے۔

جیسا کہ میں نے متعدد اسالیب سے پہلے بھی اور آج بھی عرض کیا کہ خوف کے جذبے کو اس دنیا کے نظام میں بھی اسلام نے حدود و تعزیرات کی صورت میں بھرپور طریقے پر جگہ دی ہے۔ لیکن اس سے بھی بالاتر ایک اور "خوف" بھی انسانیت کو دیا ہے اور جو اسلام کا اصل عطیہ (CONTRIBUTION) ہے۔ دنیا کے نظام میں ہوتے ہوئے سارے خوف مدہم پڑ سکتے ہیں اور مختلف اسباب سے بے اثر ہو سکتے ہیں ــــ جس معاشرے میں CORRUPTION ہوتا ہے اس میں یہ تمام خوف صحیح طور پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پولیس حتیٰ کہ عدالتی اہل کاروں میں رشوت لینا عام ہو اور رشوت کے ذریعے حقیقی ملزم بھی بچایا جا سکے تو معاشرہ اس احتساب کے نظام سے جتنا بے پرواہ اور بے خوف ہوگا وہ ہمارے سامنے ہے۔ پھر جہاں سفارش کا دور دورہ ہو وہاں بھی احتساب و تعزیر کا یہ خوف بے اثر ہو جائے گا۔ آخر کوئی بڑے سے بڑا جج بھی کسی کا بھائی، کسی کا بیٹا، کسی کا بہنوئی اور کسی کا سالا تو ہوگا۔ یہیں نہ کہیں سے کوئی رشتہ، کوئی تعلق نکال کر APPROACH ہو ہی جائے گی۔ در رستگاری اور رعایت یقینی ہو گی ــــ ہمارے اعلیٰ سطح کے عدالتی نظام میں یقیناً ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جن کے متعلق حسن ظن یہی ہے کہ وہ ان خرابیوں سے محفوظ ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں مجسٹریٹی کی سطح پر ایسے لوگ شاذ ہی ہوں گے جو ان برائیوں سے بچے ہوئے ہوں۔ بہرحال جب CORRUPTION معاشرے میں موجود ہو تو دنیوی احتساب اور تعزیر و تادیب کا خوف مضمحل و معدوم ہو جاتا ہے اور صورت فی الواقع یہ بن جاتی ہے کہ ؎

ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

لیکن ایک خوف ایسا ہے کہ اگر حقیقی طور پر وہ دل میں قائم ہو جائے تو اس سے زیادہ مؤثر خوف کا انسان تصور کر ہی نہیں سکتا۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى أَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى إِنَّ إِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى۔

"ہرگز نہیں! بے شک انسان حد سے گزرنے پر راغب ہو ہی جاتا ہے۔ چونکہ وہ اس دنیا میں خود کو بے نیاز دیکھتا ہے۔"

احکام الٰہی کی خلاف ورزی اور نواہی و منکرات پر عمل اور لوگوں کے حقوق پر دست اندازی اور حقوق العباد کے اتلاف سے اسے اس دنیوی نظام کے تحت کسی پکڑ سے سابقہ پیش نہیں آتا۔ اس بے نیازی اور غفلت شعاری کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ اس کے ذہن و قلب میں یہ یقین راسخ اور نقش کالحجر ہو جائے کہ بالآخر اسے جواب دہی اور محاسبے کے لئے ایک دن اپنے رب کے حضور مراجعت کرنی ہے ۔۔۔ اور عدالت الٰہی ' وہ عدالت ہے کہ ظاہر بات ہے کہ جہاں نہ رشوت دینے کا امکان ہے نہ فدیہ دے کر چھوٹنے کا احتمال ہے۔ جہاں نہ کسی سفارش کے ذریعے رستگاری کا کوئی امکان ہے اور نہ ہی وہاں کوئی ایسا زور آور ہو گا کہ جو عدل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہو اور اللہ کے فیصلوں میں دخیل ہو سکے اور ان کو تبدیل کرا سکے یا ان کو روکنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ وہاں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں مل سکے گی: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

یہ بات دوسری ہے کہ ہمارے یہاں اس خوف کو بھی بعض ہوشیار لوگوں نے دیمک کی طرح سے چٹ کروا دیا ہے آخر شیطان تو غافل نہیں ہے' وہ عجیا بیٹا ہے اور خاص طور پر ذہین لوگوں پر دین ہی کے نام پر فریب کے جال ڈالتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں نے کچھ اپنے مذموم اور گھڑے ہوئے خیالات کی اشاعت کے ذریعے آخرت کی جواب دہی اور محاسبے کے خوف کو بھی معاشرے کی عظیم اکثریت کے اذہان و قلوب میں انتہائی مضمحل اور کمزور کر دیا ہے ۔۔۔ شفاعت باطلہ کے عقیدے نے اس خوف کی گرفت تقریباً ڈھیلی کر دی ہے۔ اب لوگوں کے ذہن میں الا ماشاء اللہ یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ہم حضورؐ کے نام لیوا ہیں۔ آں جنابؐ کی امت میں سے ہیں، آپؐ کے دامن سے وابستہ ہیں لہٰذا ہماری تو سفارش ہو ہی

جائے گی۔ اس مصرعے کے مصداق کہ "ہم جو کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوبؐ کی امت میں ہیں" ہم تو بچا لئے جائیں ہی گے۔ ہم فلاں فلاں بزرگانِ دین کے وابستگان میں سے ہیں۔ ہم تو ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر نکل جائیں گے ـــــ شفاعتِ باطلہ کے یہ وہ تصورات ہیں جنہوں نے آخرت کے خوف کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا ہے اور ایمان بالآخرت بھی محض زبانی اظہار کی شکل میں رہ گیا ہے۔ صرف الفاظ رہ گئے ہیں جن میں بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب و کتاب، وزنِ اعمال، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا اقرار ہے لیکن محض اس زبانی کلامی اقرار و اظہار سے اذہان، قلوب اور اعصاب پر وہ گرفت قائم نہیں ہوتی، جو اس ایمان بالآخرت و معاد کے دل میں راسخ اور جاگزیں ہونے سے ہوتی ہے۔

شفاعتِ حقہ سے انکار نہیں ـــ معاذ اللہ ـــ شفاعت حق ہے۔ لیکن اس کے لئے قرآن و حدیث میں جو شرائط بیان کی گئی ہیں، ان کا اجمالی ذکر میں آگے کروں گا۔ اس موقع پر میں چاہوں گا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چوٹی کے چار کا حال آپ کے سامنے رکھ دوں۔ اور یہ چار اصحاب وہ ہیں جو عشرہ مبشرہ میں ہیں یعنی ان دس خوش بخت و خوش نصیب صحابہ میں شامل ہیں جن کو ان کی زندگی ہی میں نبی اکرمؐ نے جنت کی بشارت دی تھی اور جو بالترتیب خلافت علیٰ منہاج النبوۃ پر بحیثیت خلیفہ راشد و مہدی فائز رہے تھے۔ امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کے نہیں بلکہ آفرینش عالم سے لے کر تا قیامِ قیامت، انبیاء و رسل علیہم السلام کی مقدس جماعت کے علاوہ روئے زمین پر ان چار اصحاب نبیؐ سے زیادہ افضل اور متقی شخص کوئی نہ ہوا ہے، نہ ہوگا ـــ یہ چار گلہائے سرسبد الصادق والمصدوقؐ سے جنت کی بشارت پانے کے باوجود خوفِ آخرت سے کس طرح لرزاں و ترساں رہتے تھے، وہ سیر کی کتب میں محفوظ ہے ـــ صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ جب قیامت و آخرت کا تذکرہ ہوتا تھا تو لرز جاتے تھے اور کانپ اٹھتے تھے اور حسرت کیساتھ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں ایک چڑیا ہوتا! جو درختوں پر چہچہاتی اور مگن رہتی ہے۔ اس لئے کہ اس سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا۔ اسے کوئی جوابدہی کرنی نہیں ہوگی

کاش کہ میں گھانس کا ایک تنکا ہوتا ! جو جل جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتا ہے،' اس سے بھی میدانِ حشر میں کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی !! کاش مجھے یہ شرفِ انسانیت نہ ملا ہوتا جو ایک طرف شرف ہے تو دوسری طرف حساب کتاب اور جواب دہی و مسئولیت کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے ــــــ اسی خوف آخرت اور محاسبے سے لرز رہے ہیں۔ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقتِ آخر عظام صحابہ کرامؓ تسلی دے رہے ہیں کہ آپؓ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔ یقیناً اللہ بھی آپؓ سے راضی ہوگا لیکن وہ اشکبار ہیں اور اپنے مناقب و مراتب،' اپنے کمالات اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے باوصف کہہ رہے ہیں کہ اگر میں عدالت الٰہی سے برابر برابر بھی چھوٹ جاؤں تو میں اسے اپنے لئے بہت بڑی کامیابی سمجھونگا ــــــ ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ روتے روتے ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؓ دوزخ و جنت کے احوال کے تذکرے پر اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنا کہ قبر پر ہوتے ہیں ــــــ جواب میں کہا کہ " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر جواب دہی کی پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی اس سے نجات پاگیا تو اس کے بعد بھی آسانی ہے لیکن اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے " ان ہی حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " میں نے قبر سے زیادہ کسی مقام کو ہیبت ناک نہیں دیکھا "' اس حدیث کی روایت کے موقع پر بھی عثمان غنیؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہو جاتی تھی ــــــ اسد اللہ و رسولہ حضرت علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اظہر من الشمس ہے۔ آپؓ کا جسم فولاد کی طرح سخت تھا لیکن حال یہ تھا کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو یہ فولادی جسم خشیّتِ و خوفِ الٰہی سے تھر تھراتا رہتا تھا اور جسم رقت کی وجہ سے نرم پڑ جاتا تھا۔

یہ ہے وہ اصل خوف جو اسلام ہر مدعی ایمان کے دل میں راسخ اور جاگزیں

(باقی صـ۵۷ پر)

قرآن کا اعلان بزبان ابوالکلام

انہیں (مسلمانوں کو) یاد کرنا چاہیئے کہ ان کے پاس ایک الہامی اعلان بھی ہے جب تک وہ اس تعلیم کو اپنے سامنے نہ لائیں گے، ان کی کامیابیاں سودمند نہیں ہو سکتیں۔ وہ اعلان قرآن مجید میں دہرایا گیا ہے۔ وہ ایک مختصر سبق ہے جسے دہراتے ہوئے میں خاص طور سے خطاب کروں گا اپنے مسلمان بھائیوں سے اور التجا کرونگا اپنے ہندو بھائیوں سے کہ وہ خاص اصطلاح سن کر کبیدہ خاطر نہ ہوں، بلکہ اس حقیقت کو ڈھونڈھیں کہ جس طرح بہت سے کنول ہیں، لیکن روشنی ایک ہے۔ سرخ رنگ کے کنول سے روشنی سرخ نہیں ہو سکتی۔ اس طرح خدا کی سچائی ایک ہے، اگرچہ طرح طرح کے ناموں میں پیش کیا جائے۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی بھی دنیا کا کوئی وجود، کوئی روح، کوئی آتما، بلکہ کوئی ذرّہ اس آسمان کے نیچے نہیں پا سکتا۔ جب تک وہ اس پروگرام پر عمل نہ کرے، جو قرآن نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید نے اس بارے میں نہایت تفصیل سے بیانات دیتے ہیں، لیکن ایک بہت ہی چھوٹا سا بیان بھی ہے۔ جسکی نسبت تاریخ اسلام کے ایک بہت بڑے امام نے جن کا نام امام شافعی ہے، یہ کہا تھا کہ اگر قرآن کے صرف یہی چند جملے نازل ہو جاتے، تو تمام کرۂ ارضی کی ہدایت کے لئے کافی تھے۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٥

(مولانا ابوالکلام آزاد)

(حوالہ: پندرہ روزہ تعمیر حیات (لکھنؤ)، ۱۰ دسمبر ۱۹۸۲ء)

فرمانِ نبوی

علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ

کی تشریح از مُلّا علی قاریؒ شارحِ مشکوٰۃ

ترجمہ از قلم: مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ : میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں

۱) بِالْجَمَاعَۃِ : یعنی جماعت مسلمین کے اجماع و اتفاق کی پیروی کا دین سے متعلق اعتقاد، قول اور عمل میں، علامہ طیبیؒ نے کہا، جماعت سے مراد صحابہؓ ہیں اور ان کے بعد آنے والے تابعین، تبع تابعین نیک اسلاف ہیں سے یعنی میں اب لوگوں کو ان کی سیرت اور طریقہ اپنانے اور ان کی جماعت میں منسلک ہونے کا حکم دیتا ہوں

۲) وَالسَّمْعِ : یعنی کلمۂ حق سننے کا ہر امیر، غریب، فقیر سے اور علامہ طیبیؒ نے کہا کہ سمع سے مراد اوامر و نواہی کو کان لگا کر سننا اور سمجھنا ہے

۳) وَالطَّاعَۃِ : یعنی جائز کاموں میں امیر کی اطاعت کرنا اور علامہ طیبیؒ نے فرمایا: طاعت سے مراد احکام شرعیہ میں سے اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے ترک جانا ہے۔

۴) وَالْھِجْرَۃِ : یعنی فتح مکہ سے پہلے تو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اور اس کے بعد دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف اور دارالبدعۃ سے دارالسنۃ کی طرف اور گناہ

سے توبہ کی طرف نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی
وجہ سے " المھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ"
کہ مہاجر وہ ہے جس نے ان چیزوں کو ترک کیا جس سے
اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

(۵) والجہاد فی سبیل اللہ : یعنی کفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی اور
اس کے دشمنوں کا استیصال کرنے کے لئے اور اپنے
نفس کے ساتھ اس کو اس کی خواہشات سے روک
کر اور اس کو اس کی لذات سے منع کرکے۔ کیونکہ
کسی بھی شخص کے لئے اس کے نفس کی دشمنی کفار
کی دشمنی سے بہت زیادہ قوی اور مضر ہے اور یہ روایت
کی گئی ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا وہ دشمن
ہے جو تمہارے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔

وانہ من خرج من الجماعۃ قید شبرٍ : علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہاں " اِنَّ " کا اسم ضمیر شان
ہے اور اس کے بعد آنے والا جملہ اس کی تفسیر ہے۔
اور یہ جملہ گویا کہ تعلیل ہے اس حکم کے لئے کہ جماعت
کا دامن پکڑے رکھو۔ اور اس واؤ کی مثال اس واؤ
کی سی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :—
" وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ "۔ اس قول کے بعد کہ " وَلَقَدْ
اٰتَيْنَا دَاؤدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا " کہ جہاں مجموعی طور پر
خبر دینا ہو اور ان کی باہمی ترتیب کو سامع کے ذہن
پر چھوڑ دیا گیا ہو اور قِیْد کے معنی قدر یعنی مقدار
کے ہیں۔ اس کی اصل اَلْقَوْدُ مِنَ الْقَوْدِ سے ہے
جس کے معنی مماثلت اور برابری کے ہیں اور پورے
جملے کا مطلب یہ ہوا کہ جو اس طریقہ سے جدا ہو گیا
یعنی سنت ترک کرکے اور بدعت پر عمل کرکے اور

اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اگرچہ اتنی تھوڑی سی مخالفت ہو کہ جس کو ظاہر میں ایک بالشت سے ظاہر کیا جا سکے۔

فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان یراجع

چنانچہ اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور جماعت سے نکل گیا اور موافقت سے منحرف ہوا۔

یہ مبالغہ کا صیغہ ہے مفاعلہ سے اور ربقۃ۔ راء کے کسرہ اور اس کے بعد سکون کے ساتھ یہ اصل میں کسی رسّی کے پھندے کو کہتے ہیں جس کو کسی جانور کے گلے یا پاؤں میں ڈال جاتا ہے تاکہ وہ چلنے سے رکا رہے۔ اب اس کو استعارۃً اسلام کے لئے استعمال کیا گیا۔ یعنی وہ اسلامی پھندا جس کے ذریعہ مسلمان اپنے نفس کو بندھا رکھے۔ یعنی اس کے احکام، حدود، اوامر و نواہی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس ذمّے کو نقصان پہنچایا جو لوگوں کی گردنوں میں ایسا لٹکا ہوا تھا جیسے پھندا، ربقہ کسرہ کے ساتھ رِبَقٌ کا واحد ہے اور یہ اس رسی کو کہتے ہیں جس میں متعدد پھندے ہوں جس کے ذریعے سے جانوروں یعنی بھیڑوں کے بچّوں کو باندھا جاتا ہے۔ ان پھندوں میں سے ہر ایک کو ربقہ کہتے ہیں۔

ومن دعا بدعوی الجاھلیۃ۔

علامہ طیبیؒ نے کہا یہ جملہ اس جملے پر عطف ہے جو ضمیر شان کی تفسیر واقع ہوئی ہے تاکہ اس بات پر آگاہی دی جا سکے کہ جماعت کے ساتھ چمٹا رہنا، اور ان کے گروہ سے نہ نکلنا مؤمنین کی شان ہے اور ان کے زمرہ سے نکلنا جاہلیت کی علامت ہے جیسے

نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے اطاعت سے ہاتھ نکالا اور کھینچا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے لئے حجت نہ ہوگی اور جو مرا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت نہیں تھی وہ جاہلیت کی موت مرا اس بنا پر مناسب ہے کہ دعوی جاہلیۃ کی تفسیر علی الاطلاق جاہلیت کے طریقوں سے کی جائے کیونکہ یہی طریقے جاہلیت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور یہی وہ ایک وجہ ہے ان دو وجھوں میں سے جس کا قاضیؒ قائل ہے اور وہ دوسری وجہ یہ ہے کہ دعوٰی کا اطلاق دعا (پکارنے) پر ہوتا ہے اور وہ آواز دینا ہے اور معنیٰ یہ ہوں گے کہ جس نے اسلام میں جاہلیت کی آواز سے پکارا اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ان میں کا کوئی آدمی جب اس کا دشمن اس پر غالب آجاتا تو وہ اپنی قوم کو بلند آواز سے پکارتا کہ " اے آلِ فلاں " چنانچہ وہ سب اس کی مدد کو دوڑ پڑتے چاہے وہ ظالم ہوتا یا مظلوم اپنی جاہلیت اور عصبیت کی وجہ سے لیکن اس وجہ کا حاصل بھی وہی بنتا ہے جو پہلی وجہ کا تھا اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو شرح السنۃ میں موجود ہے اور جس کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے۔ فادعوا المسلمین بما سماھم اللہ المسلمون والمؤمنون وعباد اللہ ۔یعنی تم مسلمانوں کو اسی انداز سے پکارو جس سے اللہ نے انہیں پکارا ہے یعنی مسلمون ، مومنون اور عباد اللہ کے ناموں سے ۔

نهو من جثا جهنم — یعنی یہ داعی مذکور جیم کے ضمہ کے ساتھ مقصوری حالت میں یعنی اہل جہنم کی جماعات میں سے یہ لفظ (جُثًا) جُثْوَۃ بالحرکات الثلث کی جمع ہے اور وہ پتھروں کے ڈھیر کو کہتے ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ جُثِیّ یار کی تشدید اور جیم کے ضمہ کے ساتھ جاث کی جمع ہے جَثَا علی رُکْبَتَیہ یَجْثُوْ اَوْ یَجْثِیْ اور جیم کا کسرہ بھی جائز ہے۔ اس کے مابعد حرف کے کسرہ کی وجہ سے اور قرآنی آیت وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جُثِیًّا میں دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے اور رفائق میں ہے کہ اس کا واحد جُثْوَۃٌ جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی جہنم کی جماعتوں میں سے اور یہ اصل میں مٹی یا کسی اور چیز کے ڈھیر کو کہتے ہیں پھر جماعت کے معنی میں بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث علامہ نووی شارح مسلم کی تشریح کے ساتھ:

من ابی عثمان قال اخبرنی مجاشع بن مسعود السلمی قال جئت باخی ابی معبد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الفتح فقلت یا رسول اللہ بایعہ علی الھجرۃ قال مضت الھجرۃ باہلھا قلت فبای شیئ تبایعہ قال علی الاسلام والجہاد والخیر۔	"مجاشع بن مسعود کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی ابو معبد کو آپ کی خدمت میں فتح مکہ کے بعد لے گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ان سے ہجرت پر بیعت لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہجرت تو مہاجرین پر ختم ہو چکی میں نے عرض کیا پھر کس چیز پر آپ بیعت لیں گے؟ آپ نے فرمایا: اسلام پر، جہاد پر اور نیک اعمال پر۔"

(مسلم)

(۱) مطلب یہ ہے کہ ہجرت ممدوحہ جو فضیلت و مزیّت ظاہرہ کا سبب آپؐ کے اصحاب کے لئے تھی۔ وہ فتح مکّہ سے پہلے تھی لیکن فتح کے بعد ختم ہوگئی۔ کیونکہ مقصد حاصل ہوگیا۔

(۲) البتّہ دوسری چیزوں یعنی امور خیر جہاد اور اسلام پر بیعت لی جاسکتی ہے اور یہ چیزیں بجائے خود بہت بڑی اہمیت اور خصوصیت کی حامل ہیں۔

حُسنِ انتخاب
یعقوب چوہدری

امیر المومنین

حضرۃ مولانا سیّد احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

شہید بالاکوٹ

شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے۔

سلسلۂ نبوت حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ اب قیامت تک نبی نہیں آسکتا۔ لیکن تا قیامت سلسلۂ رُشد و ہدایت جاری رہے گا۔ مجدّدین اور علماء امت پیدا ہوتے رہیں گے، اور بفضلِ تعالیٰ راہِ ہدایت دکھلاتے رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی مثل ہیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد آپؐ کی سنّت پر عمل کرنے والے اہل اللہ پیدا ہوتے رہیں گے جنہوں نے صرف وعظ و نصیحت و تبلیغ کے ذریعہ امر بالمعروف و نہی من المنکر کا فریضہ سرانجام دیا بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی بھی کوششیں کرتے رہے۔ مسلمانانِ ہند پر جب ابتلا کا دور آیا تو اللہ رب العزت نے لوگوں کی اصلاح کے لیے بارھویں صدی ہجری میں ایک مجدد کو پیدا فرمایا جسے دنیا امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ مجدّدِ وقت حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ نے جس تحریک تجدید و احیائے دین کا آغاز کیا تھا وہ ان کی وفات کے بعد ختم نہیں ہوئی بلکہ ان کے جانشین اور فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس میں اور تیزی پیدا کی مگر اس تحریک کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خلیفہ مجاز حضرت سیّد احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقطۂ عروج پر پہنچایا۔ سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک تجدید احیاء دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی تحریک تھی۔ انہوں نے جہاں وعظ و تبلیغ کے ذریعہ غیر اسلامی رسوم اور شرک و بدعت کے خاتمہ اور خالص توحید و صحیح اسلام کے احیاء کی کوشش کی وہاں جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی۔ اور اسی کوشش میں جام

شہادت نوش فرمایا۔ سید احمد شہید ۶ صفر ۱۲۰۱ھ بمطابق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی (علاقہ اودھ) خاندانِ سادات (جو اپنی نیک نامی بزرگی اور علم دوستی کی بنا پر مشہور تھا) کے سید محمد عرفان رحمۃ اللہ کے ہاں پیدا ہوئے آپ کا سلسلۂ نسب پینتیسویں واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا تحصیل علم کے شوق میں آپ دہلی تشریف لائے اور شاہ عبدالعزیزؒ کے درس میں شامل ہوگئے۔ شاہ عبدالعزیز نے ان کو اپنے بھائی شاہ عبدالقادرؒ کے درس میں شامل کر دیا کہ وہاں بہتر تعلیم حاصل کر سکو گے۔ تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے دستِ صداقت پر بیعت کی ا خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے آپ نے تحصیل علم کے بعد فن سپاہ گری میں بھی کمال پیدا کیا۔ شاہ عبد آپ کی بہت قدر کرتے تھے اور سید احمد کے متعلق فرماتے "کہ آپ کا خاندان اعلیٰ ہے جس میں ولایت مو ہے امید ہے کہ سید احمد بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح منصب ولایت پر فائز ہوں گے"۔ اسی بنا پر ش عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ اپنے شاگردوں عزیزوں اور دوستوں کو اپنی بجائے حضرت سید احمدؒ کے دست حق پر بیعت کا حکم کرتے چنانچہ خاندانِ ولی اللہؒ نے آپ کی بیعت کو اپنے لیے باعثِ افتخا جانا۔ شاہ اسماعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ عبدالغنیؒ کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا عبدالعزیزؒ کے داماد تھے آپ سے بیعت ہوئے اور تادمِ آخر آپ کے ہمراہ رہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور جانشین خاندان ولی اللہؒ شا محمد اسحاقؒ اور دوسرے اکابر علمائے نے بھی آپ کے دستِ حق پر بیعت کی۔ آپ سے جو بھی بیعت ہوتا وہ بذاتِ خود اصلاح و احیاء کا مرکز بن جاتا۔ سید احمد شہید نے تقریباً ہندوستان بھر کا دورہ کیا وہ جہاں بھی جاتے لوگ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں بیعت کے لیے پہنچ جاتے پھ پھرتے جب آپ شہر کلکتہ تشریف لائے تو ایک سوانح نگار شہر کلکتہ میں ان سے بیعت ہونیوالو کے احوال میں لکھتا ہے: "کہ شہر کلکتہ میں بیعت کرنے والوں کی یہ کثرت تھی کہ ہزار پانچ سو آدمیوں ک ایک جگہ جمع کر کے سات آٹھ پگڑیوں کو اس مجمع میں پھیلا کر ہر ایک بیعت کنندہ کو حکم دے دیتے کہ ایک کنارہ کسی پگڑی کا منجملہ ان پگڑیوں کے پکڑ لیوے پھر پگڑیوں کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ میں تھام کر کلماتِ بیعت کو بآواز بلند تلقین کراتے تھے اور یہ کیفیت دن بھر رہتی آپ کے تشریف لانے سے قبل ہزارہا بے نکاحی عورتیں وہاں کے گھروں میں تھیں اور ہزارہا مسلمان غیر مختون اس شہر میں

موجود تھے۔ شراب تو ایک عام بات تھی، اب آپ کی برکت سے وہی کلکتہ رشکِ ارم ہوگیا ہر ایک بیعت کرنے والے سے نکاح اور ختنے کا حال پوچھا جاتا اگر غیر مختون یا بے نکاحی جوڑہ والا ہوتا تو فوراً یہ سنت ادا کر دی جاتی، مولوی عبدالحیؒ اور مولوی محمد اسمٰعیل شہیدؒ ہر منگل اور جمعہ کو ظہر سے شام تک وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اور ان بزرگوں کے وعظ کی یہ تاثیر ہوئی کہ خلقت مثل پروانہ گرویدہ ہوگئی ہر ایک بیعت کنندہ کے شراب نوشی سے تائب ہونے پر شراب کی دکانیں بند ہوگئیں"۔

ہندوستان بھر کے دورہ کے دوران حضرت سید احمد شہیدؒ کو یہ بات بڑی شدت سے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کو ایک طرف انگریز اپنی سازشوں کا شکار کر رہے ہیں تو دوسری طرف سکھ حکمران پنجاب و سرحد میں ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ سید احمد شہیدؒ نے سوچ بچار کے بعد انگریز سے پہلے سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا ارادہ فرمایا اور حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد اعلانِ جہاد فرمادیا ہندوستان بھر میں حج بیت اللہ تقریباً ختم ہو چکا تھا علمأ نے راستہ کی بدامنی کی وجہ سے فتویٰ دے رکھا تھا کہ حج بیت اللہ ہندوستانی مسلمانوں پر فرض نہیں رہا لیکن آپ حج بیت اللہ کے لیے دو بار اپنے احباب کے ہمراہ تشریف لے گئے اور عملاً ہندوستان کے مسلمانوں پر واضح فرمایا کہ ان حالات میں بھی حج کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس فتویٰ کے خلاف حج بیت اللہ کو جاری کیا مولانا عبدالحیؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلوی کو اطراف ہندوستان میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب و تحریص کے لیے بھیجا۔ تیاری مکمل کرنے کے بعد تمام مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ایک اطلاع نامہ روانہ کیا گیا" کہ سکھ قوم عرصہ سے لاہور اور دوسری جگہوں پر قابض ہے اور ان کے ظلم کی کوئی حد نہیں رہی، انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو بلاقصور شہید کیا ہے اور ہزاروں کو ذلیل کیا ہے مسجدوں میں نماز کے لیے اذان دینے کی اجازت نہیں، اور نہ ہی گائے کے ذبح کی اجازت ہے، نہ ہی مسلمانوں کو مذہبی آزادی ہے۔ ان کا ذلت آمیز ظلم و ستم ناقابلِ برداشت ہے"۔ ان کی آواز پر ہزاروں مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار ہو گئے۔ مولانا سید احمدؒ رائے بریلی سے سفر جہاد کے لیے ۱۸۲۶ء کے اوائل میں روانہ ہوئے اس وقت آپ کے ساتھ تقریباً چھ سات ہزار ہندوستانی مسلمان تھے جنہوں نے جہاد کرنے اور مسلمانان سرحد و پنجاب کو مذہبی آزادی دلانے کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ دسمبر ۱۸۲۶ء کو سب سے پہلا

معرکہ اکوڑہ کے مقام پر جو نوشہرہ سے چند کوس کے فاصلے پر ہے پر ہوا اور اللہ رب العزت نے مجاہدین کو کامیاب و کامران کیا۔ دوسرے کامیاب معرکہ کے بعد ہی علاقہ کے رؤسا اور حکمرانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آپ کو امیر المؤمنین منتخب کر لیا گیا کہ نظم و ضبط کے تحت جہاد جاری رکھا جا سکے اور آپ ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ ایک لاکھ مجاہد پنجاب و سرحد کے مسلمانوں کی مذہبی و شخصی آزادی بحال کرانے کے لیے آپ کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ مجاہدین نے باوجود کئی کئی روز کے فاقوں کے حوصلہ نہ ہارا اور بدستور غلبہ حق کے لیے برسرپیکار رہے جب پشاور فتح ہوا تو امیر المؤمنین کے حکم سے فوری طور پر شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا گیا اور مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو پشاور کا قاضی مقرر کیا گیا۔ پشاور تھوڑے ہی عرصہ میں امن و سکون کا علاقہ بن گیا۔ شہر میں بھنگ چرس افیون وغیرہ کی فروخت بند ہو گئی۔ طوائف اور فاحشہ عورتیں جو ہزارہا کی تعداد میں تھیں شہر چھوڑ گئیں یا پھر ہمیشہ کے لیے تائب ہو گئیں۔

رسوم جو خلاف شرع تھیں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ تحصیل عشر اور انتظام ملک کے لیے جابجا تحصیل دار مقرر کر دیئے گئے۔ غرضیکہ سید احمد شہیدؒ نے علاقہ پر کنٹرول حاصل کرتے ہی حکومت الٰہیہ قائم کر دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ کے دورِ خلافت میں ہی صحیح معنوں میں حکومتِ الٰہیہ قائم ہوئی۔ مگر افسوس کہ یہ دور بہت مختصر ثابت ہوا اور سردارانِ علاقہ نے جنہیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے زیادہ اپنی حاکمیت عزیز تھی غداری کی۔ حضرت امیر المؤمنینؒ کو جنرل ونٹورا اور جنرل بدھ سنگھ کی فوجیں تو شکست نہ دے سکیں مگر دربار لاہور اور انگریز کی چالبازیوں اور سازشوں نے اپنا کام کر دکھایا اور اپنے ہی ساتھیوں کی غداری کی بنا پر فتح شکست میں بدل گئی۔ شکستِ پشاور کے بعد آپ بالاکوٹ تشریف لائے اور یہیں اس جہاد فی سبیل اللہ کا آخری معرکہ ہوا۔ سکھ جرنیل راجہ شیر سنگھ غداروں کے بل بوتے پر مجاہدین کو گھیر لینے میں کامیاب ہو گیا۔ شدید جنگ کے بعد اسی مقام پر ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو حضرت خلیفۃ المسلمین سید احمد شہید بریلوی اور امام المجاھدین شاہ محمد اسماعیل دہلوی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے رحمہم اللہ تعالیٰ۔ مسلمانوں کی مذہبی و شخصی آزادی کی جنگ انہوں نے محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور

باقی ص۵۵ پر

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

۶ اپریل بروز بدھ بعد نمازِ مغرب

جناح (ٹاؤن ہال) میں

مرکزی

انجمن خدام القرآن لاہور

کا

گیارہواں سالانہ اجلاس

منعقد ہوگا

جس میں

انجمن کی سالانہ رپورٹ پیش کی جائیگی اور

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

صدر مؤسس انجمن خدام القرآن لاہور

خطاب فرمائیں گے۔

مرکزی انجمن کے جملہ وابستگان کے علاوہ دیگر حضرات کو بھی شرکت کی عام دعوت ہے۔

المعلن:

ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ
رینبو انٹرنیشنل
برآمدی اشیاء
آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ٭ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ٭ کاٹن گارمنٹس ٭ احرام تولیہ ٭ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ٭ لکڑی کا فرنیچر ۔
درآمدی اشیاء
لاکھ دانہ ٭ سٹکر فلم ٭ سوچ سٹارٹر
ربڑ سیٹکس ٭ پولیسٹر ریان ۔
مرکزی دفتر

رفتارِ کار

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ۱۲ فروری سے ۹ مارچ تک کی بیرون لاہور مصروفیات کی مختصر رپورٹ پیش خدمت ہے اس رپورٹ کو مرتب کرنے میں کئی رفقاء نے ہم سے تعاون کیا ہے جس کے لئے ہم انکے ممنون ہیں۔

(ادارہ)

سیالکوٹ

امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ سیالکوٹ کی رپورٹ ہمارے رفیق قمر سعید صاحب کی زبانی سنیئے۔

امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ دورہ رفیق محترم جناب میاں محمد رشید صاحب کی وساطت سے سیالکوٹ کے دو معززین ــ ملک محمد انور اور ملک منظور علی نے طے کیا۔ لیکن سیالکوٹ پوسٹر لگتے ہی ہمارے ایک کارکن جناب منیر اقبال صاحب بھی فوراً لاہور پہنچ گئے تاکہ ڈاکٹر صاحب کا تفصیلی پروگرام معلوم کرسکیں۔ وہ اسی سلسلہ میں ایک بار پھر لاہور تشریف لائے اور انہوں نے اس ضمن میں سیالکوٹ میں بھی کافی دوڑ دھوپ کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے ـــــ انجمن اور تنظیم کے ہمارے پرانے ساتھی ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب نے بھی سیالکوٹ میں اپنے احباب ڈاکٹر صاحبان سے رابطہ رکھا۔

۱۲ فروری بروز اتوار لاہور سے تنظیم اسلامی کے رفقاء کا ایک گروپ جو راقم الحروف، شمس الحق صاحب، مہر علاء الدین صاحب اور محمد اشرف صاحب پر مشتمل تھا، بذریعہ ۵۹ اپ ٹرین روانہ ہوا تاکہ امیر تنظیم کے پہنچنے سے پہلے انتظامات کا جائزہ لیا جاسکے اور کتب اور کیسٹس کی نمائش وغیرہ کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرلیا جائے۔ ہم سب سیالکوٹ پہنچتے ہی جناب منیر اقبال صاحب سے ملے اور اجتماع گاہ کے جائزے کے بعد وہاں کے احباب کے مشورہ سے ڈاکٹر صاحب کے قیام اور ملاقاتوں کا تفصیلی

پروگرام طے کیا۔

موسم دوپہر ہی سے کچھ ابر آلود تھا۔ وقفے وقفے سے بوندا باندی ہو رہی تھی مگر مغرب سے کچھ قبل باقاعدہ بارش شروع ہو گئی۔ راقم بھی مع اپنے ساتھیوں کے مغرب کے فوراً بعد ہی اجتماع گاہ میں پہنچ گیا۔ اور کتابوں اور کیسٹوں کا سٹال مسجد کی ڈیوڑھی میں سجایا گیا۔ مقامی مسجد میں امیر تنظیم اسلامی کی آمد کا کافی چرچا تھا اور لوگ سرِ شام ہی سے پہنچنا شروع ہو گئے۔ عشاء میں امیر محترم بھی تشریف لے آئے اور تقریباً آٹھ بجے خطاب شروع ہوا۔ صدارت خطیب مسجد حافظ منظور احمد صاحب نے فرمائی۔ سٹیج سیکرٹری ملک محمد انور صاحب چیئرمین زکوٰۃ کمیٹی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے تمہیدی کلمات میں بتایا کہ وہ دوسری مرتبہ سیالکوٹ آئے ہیں۔ پہلی مرتبہ تقریباً اکتیس سال قبل آنے کا موقع ملا تھا۔ اور کچھ معلوم نہیں کہ اللہ کو آئندہ کب میرا یہاں آنا منظور ہو۔ لہٰذا میں کوشش کروں گا کہ کوئی مکمل بات آپ کے سامنے آ سکے۔ موضوع سیرت النبیؐ تھا۔ پہلے تو ڈاکٹر صاحب نے یہ بات واضح فرمائی کہ ہم مسلمانانِ پاکستان کی امتیازی شان یہ ہے کہ ہمارا ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اس کی کوئی اور وجہ جواز بھی سرے سے نظر نہیں آتی۔ پھر آپ نے جائزہ لیا کہ حضورؐ کے ساتھ ہمارے تعلق کی بنیادیں کیا ہیں اور آیا ہم ان کا حق ادا کر رہے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں تو کس طور اس کمی کو پورا کیا جائے

بارش کے باوجود لوگوں کا ہجوم بڑھتا رہا اور کئی دفعہ خطاب روک کر لوگوں کو سمٹ کر بیٹھنے کی اپیل کی گئی۔ پھر بھی مسجد کا ہال پر ہونے کے بعد صحن جس میں شامیانہ لگا تھا، لوگوں سے بھر گیا حتیٰ کہ لوگ ڈیوڑھی اور سڑک پر بھی چھتریاں لئے کھڑے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کوئی سوا دو گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ مجمع پر مکمل سناٹے کی کیفیت طاری رہی اور اس کے بعد امیرِ تنظیم نے سوالات کے لئے صبح پھر آنے کو کہا۔

دوسری نشست اگلے روز بعد نماز فجر منعقد ہوئی۔ بارش کے باوجود کوئی سوا ڈیڑھ سو افراد جمع ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کے سوالوں کا ایک ایک

کرکے سیر حاصل جواب دیا۔

ناشتہ کے لئے ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب کے ایک دوست ڈاکٹر طارق سعید صاحب نے اہتمام کیا تھا۔ یہاں بھی شہر کے معروف ڈاکٹر اور معززین جمع تھے۔ یہ نشست بھی کافی مفید رہی۔ ایک صاحب نے، جو پیشے کے اعتبار سے ایڈووکیٹ تھے، بڑے افسوس کے ساتھ علماء کے باہمی اختلاف کا تذکرہ کیا اور اسے عدم خلوص کا نتیجہ قرار دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اختلاف کو فطری قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایک ہی مقدمے میں جج صاحبان کا بنچ بیٹھتا ہے تو ہر جج مختلف فیصلہ لکھتا ہے۔ اور یہ فطری بات ہے۔ اسی طرح ایک صاحب نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے مجلس شوریٰ چھوڑی اور آپ بہت سخت تقاریر بھی کرتے ہیں مگر حکومت آپ کو کچھ نہیں کہتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اندر سے ضیاء صاحب کے ساتھ کوئی EQUATION رکھتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے سخت لہجے میں کہا "یہ کیا انداز ہے کہ لوگ کہتے ہیں۔ آپ بتائیے۔ آپ کہتے ہیں تو آپ کو میں جواب دوں"۔ اس پر وہ کہنے لگے "نہیں میں تو نہیں کہتا"۔ حاضرین محفل اس بات سے بہت لطف اندوز ہوئے۔ اس کے بعد کشمیر ٹمبنٹ ہاؤس کے پروپرائٹر ملک مسعود علی صاحب کی فرمائش پر ڈاکٹر صاحب ایک صاحب کے گھر گئے جو بیمار تھے اور ڈاکٹر صاحب کا پروگرام الہدیٰ ٹیلیویژن میں دیکھنے کے بعد آپ سے ملاقات کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ کچھ دیر آرام کے بعد ڈاکٹر وحید سلطان صاحب کے ہاں جانا ہوا۔ وہاں جناب منیر اقبال صاحب کے حلقے کے لوگ بھی جمع تھے (یاد رہے کہ جناب منیر اقبال صاحب نے اب تنظیم اسلامی کی رفاقت بھی اختیار کرلی ہے) ——— اور اس طرح سیالکوٹ کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

فیصل آباد فروری کے تقریباً وسط میں ڈاکٹر صاحب دو روزہ دورے پر فیصل آباد تشریف لے گئے۔ اس دورے کی مختصر رپورٹ ہمارے رفیق ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے مرتب کی جو پیش خدمت ہے۔

فیصل آباد میں اہل حدیث حضرات کے زیر اثر ایک تبلیغی حلقے نے امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے مؤرخہ ۱۷ فروری کا وقت بعد نماز عشاء درس قرآن مجید کے لئے حاصل کیا۔ راقم جب فیصل آباد میں تھا تو اس وقت سے گورنمنٹ اسلامیہ کالج والوں کی خواہش تھی کہ کالج میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر کروائی جائے دو دفعہ وقت بھی حاصل کیا۔ مگر دونوں ہی مرتبہ کالج کی ہڑتال اور تعطیلات کے باعث پروگرام منعقد نہ ہو پایا۔ لہٰذا اس بار جب کالج کی انتظامیہ کے علم میں یہ بات آئی کہ ڈاکٹر صاحب فیصل آباد تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے فوری رابطہ قائم کیا اور دن کے گیارہ بجے کا وقت سیرت النبیؐ پر خطاب کے لئے مختص ہوا۔

فیصل آباد کے اس دورے کے لئے جو گروپ ترتیب دیا گیا تھا اس میں راقم الحروف کے علاوہ تنظیم اسلامی کے رفقاء میں سے محمد وقاص صاحب، محمد اقبال صاحب اور شعیب رحیم صاحب شامل تھے۔ رفیق محترم رحمت اللہ بٹر صاحب بھی اپنے دفتر سے فارغ ہو کر رات کی تقریر تک وہاں پہنچ گئے۔

گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں سیرت النبیؐ کا یہ جلسہ سٹوڈنٹس یونین کے تحت ترتیب دیا گیا۔ کھلے میدان میں پنڈال بنا کر تقریباً آٹھ سو نشستیں لگائی گئیں۔ ہمارے رفقاء نے بھی مکتبہ لگایا

جناب ڈاکٹر صاحب کا خیر مقدم کالج کے پرنسپل جناب سید وقار مہدی صاحب نے کیا۔ کالج کے سابق پرنسپل پروفیسر ماجد علی شاہ صاحب بھی بطور خاص ڈاکٹر صاحب کا خطاب سننے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ قلیل تعداد میں دوسرے مقامی کالجوں کے اساتذہ بھی موجود تھے۔

محترم امیر تنظیم نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ کسی بھی بڑی شخصیت کی سیرت کا جائزہ لینے کے لئے دو چیزیں سب سے اہم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے اپنا مقصد کیا متعین کیا اور دوسرے یہ کہ وہ اس مقصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب ہوا۔ اور جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی جانب دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ہدف ایک ہمہ گیر اسلامی انقلاب تھا کہ کفر و شرک اور غیر اللہ کی حکمرانی کو ختم کر کے اللہ کی حاکمیت کو قائم کیا جائے اور آپ نے ۲۳ سال (اور وہ بھی قمری) کی مختصر مدت میں خود تن تنہا دعوت کا آغاز فرمایا، دعوت کو قبول کرنے

والوں کو منظم کیا، ان کی تربیت کی اور مزاحمت اقدام اور مسلح تصادم کے انقلابی مراحل سے گزر کر جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کے دین کو بالفعل غالب کر کے دکھا دیا ــــــ ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر ایک بات بہت زور دے کر کہی کہ حضورؐ یہ سب کچھ نہ کر پاتے۔ اگر آپؐ کو جاں نثار ساتھی میسّر نہ آتے۔ اس بات کو انہوں نے قرآن مجید سے اصحاب موسیٰ کی مثال دے کر واضح کیا کہ جب جنگ و قتال کا مرحلہ آیا تو قوم نے صاف انکار کر دیا (اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ) جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کی اس جماعت نے اپنے نبیؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان فراہم کیا اور آپؐ کے چشم و ابرو کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہو گئے اور اپنا تن من دھن اس مقصد کیلئے قربان کر دیا۔

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر امیر محترم نے مجھے حکم دیا کہ میں باقی ساتھیوں کو مسجد اہل حدیث امین بازار پہنچا کر وہاں کے منتظمین سے ملوا دوں تاکہ وہ عصر کے بعد ہی سے کتب اور کیسٹس کا سٹال لگانا شروع کر دیں۔ لہٰذا ہم نماز عصر سے کافی پہلے ہی وہاں پہنچ گئے۔ میزبانوں کے اصرار پر عصر کی نماز کے فوراً بعد راقم نے نصف گھنٹے کا درس قرآن مجید اسی مسجد میں دیا۔

عصر کی نماز کے بعد لوگوں سے غیر رسمی ملاقات کا وقت رکھا تھا۔ لہٰذا راقم الحروف کے گھر پر گورنمنٹ کالج کے دو پروفیسر صاحبان اور اسلامیہ کالج کے دو طالب علم ملاقات کے لئے آئے۔ ایک طالب علم نے اپنے میگزین کے لئے ڈاکٹر صاحب کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ جبکہ گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے شعبہ علوم اسلامیہ کے اسسٹنٹ پروفیسر چوہدری محمد نواز صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے بہت سے اہم تحریکی معاملات پر غیر رسمی گفتگو کی۔ تحریکوں کی ناکامی کے اسباب کے ذکر میں قائد اوّل کی قیادت کے فقدان کا مسئلہ زیر بحث آیا اور انہوں نے ایک بہت بڑی تحریک کا حوالہ دیا کہ اس میں قائد اوّل کے بعد تحریک کو لے کر چلنے والا ایک بھی آدمی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس میں قائد اوّل ہی نے خود اپنی غلط حکمت عملی کے باعث اپنے ان مخلص ساتھیوں کو کھو دیا

جو بعد میں تحریک کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

اسی طرح مختلف تحریکوں مثلاً جماعتِ اسلامی، تنظیم اسلامی اور تبلیغی جماعت کے مابین اتحاد کی ضرورت اور تمنا جو بہت سے دردمند لوگ دل میں رکھتے ہیں اس کا تذکرہ پروفیسر صاحب نے بھی فرمایا اس پر امیرِ تنظیم نے یہ بات واضح فرمائی کہ کسی خود ساختہ طریقے سے ان کے مابین اتحاد کا کوئی امکان نہیں ہے۔ البتہ اس کی ایک فطری صورت یہ ہے کہ کسی ایک تحریک میں اللہ کوئی ایسی شخصیت پیدا فرما دے جو دوسری دینی تحریکوں کے مخلصین کا اعتماد حاصل کر لے بصورتِ دیگر اتحاد کی کوششیں شاید سودمند ثابت نہ ہو سکیں۔

مغرب کی نماز کے بعد کھانے کا پروگرام تھا جس میں راقم نے جمعیت اہلحدیث کے ممتاز رہنما مولانا محمد اسحٰق چیمہ صاحب اور استاد محترم مولانا شمس الرحمٰن افغانی صاحب، خطیبِ جامع مسجد رحمانی کو بھی کھانے پر مدعو کر لیا۔ اس کے بعد عشاء کی نماز سے متصلاً قبل ہم جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار پہنچے۔ ہمارے ساتھی کتب اور کیسٹس کا سٹال مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے لگا چکے تھے۔ مسجد کا ہال ہجوم سے بھر چکا تھا۔ اور لوگ ذوق و شوق سے چلے آ رہے تھے اور نماز کے کچھ ہی دیر بعد مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔

بعد نمازِ عشاء ڈاکٹر صاحب نے درس کا آغاز فرمایا۔ ابتدائی کلمات میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اطلاع کے مطابق انہیں آج درس قرآن مجید دینا ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی ایک حصّہ کو منتخب کر کے اس کا درس دیا جائے دوسرے یہ کہ کسی خاص موضوع کو سامنے رکھ کر قرآن مجید کی مختلف آیات کا درس دیا جائے۔ چونکہ یہاں کبھی کبھار موقع ملتا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ قرآن مجید میں سے اپنے مطالعہ کا حاصل آپ کے سامنے رکھ دوں۔ اس مجمع میں چونکہ کچھ اہل علم بھی موجود تھے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے ان سے گذارش کی کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی بات میں جہاں غلطی پائیں فوراً ٹوک دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اہل علم کو مخاطب کر کے کہا کہ میں مانتا ہوں کہ تدریس بھی دین کی ایک خدمت ہے۔ مگر غور کیجئے کہ تعلیم و تدریس سے کیا آپ کی دینی ذمہ داریاں پوری

ہو رہی ہیں۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب نے تین ذمہ داریوں یعنی عبادتِ رب شہادة علی الناس اور اقامت دین کی اہمیت قرآن و سنّت سے واضح کی پھر ان فرائض کی ادائیگی کے لئے تین لوازم کا تفصیل سے ذکر کیا یعنی اللہ کا بندہ بننے سے لے کر اللہ کے دین کو بالفعل دنیا میں قائم کرنے کی خاطر مسلسل اور پیہم جد وجہد کی ضرورت ہے اور دین میں اس جد وجہد کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح فرمایا کہ جہاد ہرگز قتال کا ہم معنی نہیں ہے۔ جہاد مسلسل ہے پیہم ہے اور فرضِ عین ہے۔ پھر امیر تنظیم اسلامی نے دین میں نظمِ جماعت کی ضرورت واضح فرائی اور پھر اس نظم جماعت کی اصل بنیاد بیعت کو قرار دیا۔ آخر میں آپ نے تنظیم اسلامی کا تعارف کروایا کہ میں نے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ جسے مجھ پر اعتماد ہو میرا ساتھ دے بصورتِ دیگر وہ جس جماعت کے بارے میں یہ گمان کرتا ہو کہ وہ ان مقاصد کے لئے سرگرم عمل ہے اس میں شامل ہو جائے اور دین کے لئے کام کرے۔

ملتان اوائل مارچ میں ڈاکٹر صاحب ملتان تشریف لے گئے۔ اس دورے کی مختصر رپورٹ ہمارے رفیق جناب شمس الحق صاحب نے مرتب کی ہے: (ادارہ)۔

"۴ مارچ ۱۹۸۲ء کو مہتمم جامع تعلیم الابرار عیدگاہ روڈ ملتان کی دعوت پر خطاب کے لئے ڈاکٹر صاحب ملتان تشریف لے گئے۔ لاہور سے ہم تین رفقاء جن میں راقم کے علاوہ جناب محمد رفیق صاحب اور مہر علاؤ الدین صاحب شامل تھے، پہلے مکتبہ لے کر پہنچ گئے۔ ہم نے وہاں پہنچکر مقامی رفقاء سے رابطہ قائم کیا اور جمعہ کی نماز کے موقع پر مکتبہ لگایا۔

لاہور میں جمعہ پڑھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب ۲½ بجے کی فلائٹ سے ملتان پہنچے جہاں مولانا ابو الحسن قاسمی صاحب مہتمم جامع نے ان کا استقبال کیا اور یوں نمازِ عصر سے قبل ڈاکٹر صاحب جامع میں پہنچ چکے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کا خطاب چونکہ مغرب کے فوری بعد ہونا تھا۔ لہٰذا عصر کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔ مغرب کے بعد جلسہ کی باقاعدہ

کارروائی کا آغاز قاری عبدالغفار صاحب کی قرأت سے ہوا اور جلسہ کی صدارت نوجوان ایڈووکیٹ تصدق حسین گیلانی صاحب نے کی۔ نہ صرف مسجد کا وسیع وعریض صحن بھرا ہوا تھا بلکہ مسجد کے باہر بھی لوگ کافی تعداد میں جمع تھے ملتان میں ڈاکٹر صاحب کا اس سال کا چوتھا خطاب تھا اور اس مسجد میں دوسرا خطاب تھا۔ دور دور سے لوگ تشریف لائے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عوام میں اسلام کے احیاء کی تڑپ موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم اور ہماری زندگی کے موضوع پر تقریباً سوا دو گھنٹے تقریر کی۔ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھی گئی۔

اس کے بعد کرنل غلام حیدر ترین کے ہاں دعوت ولیمہ میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ جہاں بعد میں سوال جواب کی نشست ہوئی۔ زیادہ تر سوالات زمینداری کے متعلق تھے۔ وقت کافی گزر چکا تھا لیکن سوالات کی بوچھاڑ جاری تھی۔ ایک دفعہ مجلس برخاست ہونے والی تھی کہ سوالات دوبارہ شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے سب سوالات کے تشفی بخش جوابات دیئے اور اس طرح تقریباً ۱۲ بجے محفل برخاست ہوئی۔ دوسرے دن بعد نماز فجر دوبارہ جامع تعلیم الابرار میں سوال جواب کی نشست ہوئی جس میں تنظیم اسلامی اور دیگر عملی پہلوؤں پر سوالات کئے گئے۔ صبح کی مجلس میں بھی لوگ کافی دور دراز سے تشریف لائے اور حاضری ۶۰ ۔ ۷۰ افراد پر مشتمل تھی۔ ۴ افراد تنظیم اسلامی میں شامل ہوئے۔ ۶ افراد میثاق کے مستقل خریدار بنے۔ مکتبہ کی فروخت سے ۶۲۰ روپے اور کیسٹ کی فروخت سے ۹۰۰ روپے حاصل ہوئے۔ ۹ بجے کی فلائٹ سے ڈاکٹر صاحب واپس لاہور تشریف لے گئے

مانسہرہ / اوگی مانسہرہ شہر کے ایک معروف سماجی کارکن، جناب شیراز محمود قریشی صاحب کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب ۶ مارچ کو مانسہرہ تشریف لے گئے۔ خطاب کا انتظام تاریخی مسجد ملتیاں میں کیا گیا تھا۔ تحریک خلافت کے دور میں یہ مسجد اہم اجتماعات کا مرکز بنی رہی ——— ۔ امیر محترم کا خطاب بعد نماز عشاء شروع ہوا۔ ختم نبوت کے لوازم و فضائل کے موضوع پر سیر حاصل

گفتگو رہی۔ لوگوں کا اشتیاق غیر معمولی تھا۔ مسجد اپنی تمامتر وسعت کے باوجود تنگ پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ سامعین میں جہاں وکلاء، ضلعی آفیسرز اور تاجر حضرات موجود تھے وہیں علاقے کی جملہ مساجد کے خطیب حضرات بھی تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے علماء حضرات کو خصوصی طور پر مخاطب کرتے ہوئے انہیں اس امر کی جانب متوجہ کیا کہ ختم نبوّت کے نتیجے میں تبلیغ دین اور شہادت علی الناس کی جو ذمّہ داری امّت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔ عوام میں اس ذمّہ داری کے شعور کو اجاگر کیا جائے اور اس کی ادائیگی پر وہ خود بھی کمربستہ ہو جائیں اور امّت کو بھی آمادۂ عمل کرنے کی سعی کریں۔

مانسہرہ سے ۲۵ میل کے فاصلے پر "اوگی" ایک قصبہ ہے۔ وہاں سے شدت کے ساتھ تقاضا آیا کہ ڈاکٹر صاحب کا ایک خطاب وہاں بھی ہونا چاہیئے چنانچہ ۱۱ بجے صبح مارکیٹ کی مسجد میں خطاب کا پروگرام طے پاگیا۔ موسم صبح ہی سے ناسازگار تھا۔ بوندا باندی اور بارش کے باوجود بڑی تعداد میں لوگ ڈاکٹر صاحب کو سننے کے لئے جمع ہو گئے۔ خرابیٔ موسم کے باعث ڈاکٹر صاحب کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی۔ اس وقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس علاقے کے لوگوں نے مولانا قاضی محمد مشتاق صاحب خطیب مسجد ملیاں مانسہرہ سے درخواست کی کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی گذشتہ شب کی تقریر کے بارے میں اپنے تاثرات بیان فرمائیں مولانا نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ اگرچہ ماضی قریب کے ہمارے اکابرین میں مولانا غلام اللہ جیسے مدرس قرآن، مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے مقرر اور مولانا مفتی محمود جیسے صاحب بصیرت بزرگ بھی گزرے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو ان سب کی خوبیوں کا جامع بنایا ہے اور یہ اللہ ہی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ـــــ مولانا نے مزید فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کل کی تقریر میں ختم نبوت کے لوازمات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں جس انداز سے واضح فرمایا ہے یہ چیز اس انداز سے اکثر وبیشتر علماء کے سامنے نہیں رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ختم نبوّت پر ایمان کے نتیجے میں جو ذمّہ داری امّتِ مسلمہ

پر عائد ہوتی ہے وہ نہایت اہم اور قابلِ توجہ ہے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ مولانا نے اپنے تاثرات کو ان الفاظ پر ختم فرمایا کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم ان باتوں کو عوام کے سامنے لائیں تاکہ دینی ذمّہ داریوں کا صحیح شعور حاصل ہو اور جذبۂ جہاد کو جلا حاصل ہو سکے اور تاکہ اُمّت اپنی ذمہ داریوں کو کماحقہٗ ادا کرنے پر کمربستہ ہو سکے ــــــ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے اپنے مفصّل خطاب میں اُمّتِ مسلمہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کی بنیادوں پر روشنی ڈالی اور اس موضوع کے ضمن میں سورۂ اعراف کی آیت کو عنوان قرار دیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (ترجمہ: پس جو لوگ آپؐ پر (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان لائے اور آپؐ کی عزت و توقیر کی اور آپؐ کی نصرت و حمایت کی اور انہوں نے اتباع کیا اس نور کا جو ان پر نازل ہوا ہے یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں) ' اوگی ' بالاکوٹ کے قریب ہی واقع ہے۔ چنانچہ اس کی رعائت سے ڈاکٹر صاحب نے تحریکِ شہیدینؒ کا حوالہ دیتے ہوئے علماء کو نصرتِ دین کے لئے ہمہ تن جد وجہد کی دعوت دی۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اگر علماء ان کی تقریر میں اور ان کے استدلال میں کوئی غلطی پائیں تو بلا جھجک خطاب کے دوران ہی ٹوک دیں لیکن اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں فرائض دینی کا یہی تصوّر سامنے آتا ہو جو انہوں نے (یعنی ڈاکٹر صاحب نے) پیش کیا ہے تو خدارا اس بات کا جائزہ لیں کہ دین کی ذمّہ داریوں کو ہم کس حد تک ادا کر رہے ہیں اور جو کمی نظر آئے اس کی تلافی کے لئے فوراً برسرِ عمل ہو جائیں۔

راولپنڈی / اسلام آباد 'اوگی' میں تقریر کے فوراً بعد راولپنڈی کے لئے عازمِ سفر ہونا پڑا کیونکہ بعد نمازِ مغرب کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں خطاب کا پروگرام تھا۔ کمیونٹی سنٹر میں حاضری حسبِ سابق بھرپور تھی۔ سورۂ صف زیرِ درس تھی۔ درس کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کو دعوت دی کہ جن حضرات کے ذہنوں میں سوالات

ہوں وہ ۸ مارچ کو بعد نمازِ عصر فری لینڈ ہائی سکول راولپنڈی تشریف لے آئیں۔ وہاں ان شاء اللہ سوال وجواب کی نشست منعقد ہوگی ـــــ درس کے بعد رفقاء تنظیم کا ایک خصوصی اجتماع سٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ جس میں راولپنڈی اور اسلام آباد میں تنظیم کا باقاعدہ انعقاد عمل میں آیا۔ جناب احسان الحق صاحب کو راولپنڈی کا امیر نامزد کیا گیا اور اسلام آباد کی تنظیم کے لئے جناب عبدالصمد شیروانی صاحب کو امیر مقرر کیا گیا۔ ۸ مارچ کو بار ایسوسی ایشن کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب نے بار روم میں وکلاء کی ایک بڑی تعداد سے خطاب فرمایا " اسلام اور پاکستان " اور " پاکستان میں نفاذِ اسلام " کے موضوع پر مفصل گفتگو ہوئی۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے حاضرین کے سوالات کے مفصل جوابات دیئے ـــــ بعد نمازِ مغرب راولپنڈی مارکیٹ ایریا میں اللہ والی مسجد میں خطاب ہوا اور وہیں سے ڈاکٹر صاحب عازمِ لاہور ہوگئے۔

❁❁❁❁❁

بقیہ : اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہ خوف فی الواقع دل میں قائم ہو جائے تو انسان کی سیرت و کردار پر اس کی اثر پذیری کا جو عالم ہوگا وہ ان مثالوں سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے ـــــ اس سے زیادہ مؤثر ذرائع خوف کا تصوّر بھی ممکن نہیں ہے۔

بقیہ : سیّد احمد شہید بریلوی رح

اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کرنے کے لیے لڑی تھی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جامِ شہادت نوش کیا۔ ارشادِ خداوندی ہے : " اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مرا ہوا نہ کہو وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے۔"

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(ماخوذ از : ماہنامہ " بینات " کراچی۔ اشاعت ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ)

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

افکار و آراء

(۱)

کراچی سے ایک خط

محترمی و مکرمی ۔ قاضی عبدالقادر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
۲۷ جنوری کو محترم جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی بے حد فکر انگیز تقریر تقریباً سوا دو گھنٹے جس انہماک سے سنی لوگوں نے پورے نظم وضبط کے ساتھ سنی، وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہم سب اس قدر محو تھے کہ کسی کو اپنا ہوش نہ تھا پوری تقریر کے دوران مکمل خاموشی طاری تھی۔ جلسہ کے بعد سے آج تک ہر شخص ڈاکٹر صاحب کے خطاب کی تعریف کر رہا ہے۔ میں نے بحیثیت سیکرٹری انجمن ہذا جلسہ سیرت النبی صلعم کی اجمالی رپورٹ اجلاس منعقدہ ۳ فروری ۸۳ء مجلس عاملہ انجمن کے سامنے پیش کی تھی۔
ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے سلسلے میں میرے تاثرات ملاحظہ فرمائیے:
"الحمدللہ جلسہ سیرت، عظیم الشان جلسہ سیرت النبی صلعم منعقد ہوا، جس میں خطیب العصر، مقرر بے بدل محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ العالی امیر تنظیم اسلامی نے سیرت النبیؐ کے موضوع پر جو سوا دو گھنٹے کی تقریر کی تھی، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے حد فکر انگیز اور بڑی معرکۃ الاراء تقریر تھی، اور اگر میں یہ کہوں کہ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر میں سے ہمارے ہاں کی یہ تقریر ایک یادگار تقریر تھی تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کے افکار عالیہ کو ہر شخص نے سراہا۔
یہ تاثرات صرف میرے ہی نہیں بلکہ ہر شخص کے ہیں۔ اس روز اللہ کا ایک ایسا کرم ہوا جو قابل حیرت ہے اور وہ یہ کہ لسبیلہ کی جانب گولیمار، چورنگی تا سوسائٹی اور ادھر ناظم آباد عید گاہ پٹرول پمپ ناظم آباد، بارش جاری رہی اور جلسہ میں سامعین بارش میں بھیگ کر پہنچے، لیکن صرف انکوائری

آفس کا علاقہ، جہاں جلسۂ سیرت النبیؐ منعقد ہو رہا تھا اور محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ خطاب عالیہ سے ہمیں مشرف فرما رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس ٹکڑے کو بارش سے محفوظ رکھا۔ ورنہ افراتفری پیدا ہو جاتی۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری کوششیں، الحمد للہ اللہ کے یہاں بھی مقبول ہوئیں۔

والسلام احقر العباد محمد اطہر عبید صدیقی

سیکریٹری انجمن باشندگانِ بلاک ۲ ناظم آباد کراچی ۱۸

(۲)

روزنامہ "جسارت" کراچی کی اشاعت ۱۰ مارچ کا اداریہ بعنوان

"اس تحریک کے اصل خدوخال"

گزشتہ روز عالمی یوم خواتین کے حوالے سے کراچی کے پریس کلب میں ایک جلسہ ہوا جس میں ممتاز قانون دان جناب خالد اسحٰق سمیت متعدد دوسرے مقررین نے خطاب کیا۔ اس جلسے میں تقریروں کا موضوع قانون شہادت اور دوسرے اسلامی قوانین اور اقدامات بنے۔ اس میں جناب خالد اسحٰق نے خواتین کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے حقوق کے لئے باعزت اور باوقار طریقے سے جدوجہد کریں۔ انہوں نے قانون شہادت پر خواتین کی تحریک کو جذباتی قرار دیتے ہوئے کہا کہ عورتوں کو اپنے حقوق کے لئے باقاعدہ اسٹڈی گروپ قائم کرنا چاہیئے اور اس قسم کے معاملات کا تفصیلی مطالعہ ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں جذباتی ردِعمل کی نہیں قانونی جنگ کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے وکلاء مدد کرنے کو تیار ہیں۔ جناب خالد اسحٰق نے خواتین سے کہا کہ آپ مسلمان معاشرے کی خواتین ہیں۔ آپ کو اپنی بات باعزت اور باوقار طریقے سے پیش کرنی چاہیئے۔ آپ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے تمام قوانین کو وفاقی شریعت کورٹ میں چیلنج کیجئے تاکہ عدالت کے ذریعے ان قوانین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ ہو سکے۔

خالد اسحٰق قانون شہادت پر معترض ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام میں عورت کی گواہی کا تصور وہ نہیں ہے جو قانون شہادت میں یا دیت و قصاص

وغیرہ کے دوسرے قوانین میں پیش کیا گیا ہے ۔ وہ اس سلسلے میں اپنا ایک منفرد
انداز تعبیر اور تصور رکھتے ہیں۔ تاہم وہ کسی بھی رائے کے قبول و رد کے لئے قرآن
کو ذریعہ استناد سمجھتے ہیں۔ اختلاف رائے کے حق کے احترام میں ان کی بات سنی جانی
چاہیئے اور ان کا یہ موقف درست ہے کہ ان معاملات میں جذباتی انداز میں
سڑکوں، گلی کوچوں میں احتجاجی تحریکوں اور نعرے بازی سے کام نہیں چلے گا
بلکہ ایسے معاملات نمٹانے کے لئے ان اداروں سے رجوع کیا جانا چاہیئے جہاں یہ
معاملات مناسب طور پر نمٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خواتین کو صحیح مشورہ
دیتے ہوئے کہا کہ جن قوانین یا اقدامات پر اعتراض ہو انہیں خواتین پہلے اپنے
اسٹڈی گروپ میں زیر غور لائیں تاکہ وہ احتیاط اور جانچ پرکھ کے ساتھ اپنا موقف
طے کر سکیں اور اپنے اس موقف کو شریعت عدالت کے سامنے پیش کریں تاکہ وہاں
سے فیصلہ ہو کہ ان کے موقف کی شرعی حیثیت کیا ہے ۔

خالد اسحٰق صاحب نے خواتین کو جذباتی نہ ہونے اور باعزت و باوقار ہونے
کا جو مشورہ دیا وہ اس جلسے میں خواتین کے نامناسب رویّوں کے براہ راست
مشاہدے کا حاصل بھی کہا جا سکتا ہے ۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ کراچی پریس کلب
میں خواتین کے محاذ عمل کے جلسے میں شرعی قوانین سے متعلق بعض مقررین نے انتہائی
لچر اور گھٹیا خیالات کا اظہار کیا ۔ اس احتجاجی جلسے میں خواتین کی تعداد مردوں
کے مقابلے میں کم تھی ۔ چند خواتین جلسے میں آزادانہ طور پر سگریٹ نوشی کر رہی
تھیں۔ جلسے کے شرکاء میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو جناب خالد اسحٰق کی موجودگی
سے برہم تھا۔ اس گروپ نے ان کی تقریر کے دوران مسلسل ہوٹنگ کی جناب
خالد اسحٰق کی تقریر کے بعد دو خواتین اسٹیج پر تقریر کے لئے الجھ پڑیں ۔ ایک
خاتون کا کہنا تھا کہ وہ فلسفے کی استاد ہیں اور مائیک پہ اجازت لے کر گئیں تھیں
لیکن مائیک ان سے چھین لیا گیا ۔ انہیں بولنے کی اجازت نہیں دی گئی ۔ کیونکہ
ان کے بقول وہ اسٹیج سے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھنا چاہتی تھیں مگر چونکہ
جلسے میں " آزادئ تقریر " تھی اس لئے انہیں نہیں بولنے دیا گیا ۔

جلسے میں ایک مقرر نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا نام بگاڑ کر "ڈاکٹر اسرار احمد

میں پیش کرنے کا ارادہ ہے جو اس مظاہرہ میں شریک ہوئیں یا اس سے اتفاق رائے رکھتی ہیں۔

(۱) اگر یہ خواتین اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں تو انہیں کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ اسلام کے ایک ایسے قانون کے خلاف آواز اٹھائیں جس کا مقرر کرنے والا خود خدا ہو اور جو خدا کی ازلی کتاب میں بصراحت موجود ہو۔ کسی بھی دین کے پیروؤں کی جانب سے ایسا اقدام اس دین سے ان کی بغاوت کا غماز ہوتا ہے اور پھر اسلام کے کسی منصوص حکم کا انکار کسی طرح بھی کفر سے کم نہیں اور اگر یہ خواتین اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتیں تو پھر ایک مسلم ملک میں ایک شرعی قانون کے خلاف آواز اٹھانے کا جواز کسی صورت میں بھی انہیں مہیا نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس مظاہرے کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی ہے کہ اسلام کے قانون شہادت سے عورت کے مقام کی تنقیص ہوتی ہے۔ کیونکہ اس قانون میں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر قرار دیا گیا ہے اور یہ کہ صرف عورتوں کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں جب تک ایک مرد بھی گواہی میں شامل نہ ہو۔

یہ تو اس قانون کے ناقص قرار دینے کی وہ تعلیل ہے جو اس قانون الٰہی کو ناقص قرار دینے والے لوگ ہمیشہ پیش کرتے ہیں مگر یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو کسی سادہ لوح کو دھوکہ دینے کے لئے بظاہر بہت جاذب اور اسلام سے نفرت دلانے کے لئے بہت کارگر ہے۔ مگر مومن نہ دھوکہ دیتا ہے نہ دھوکہ کھاتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ رب العزت نے اس قانون کے لئے جو علت بیان فرمائی ہے اس سے ذرہ برابر بھی عورت کے مقام کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس خدائے برتر نے عورت کو ایک ایسی تباہی سے بچایا ہے کہ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو عورت کا اس تباہی میں واقع ہونا یقینی اور اس سے بچنا ناممکن تھا۔ یہ عورت پر اللہ کا محض رحم وکرم اور اس کی شفقت ہی ہے جو اس کو اس تنگی سے اس قانون کے ذریعہ نکالا۔ اس بات کی وضاحت کے لئے ہم چند امور کا ذکر کرتے ہیں تاکہ تصویر کا دوسرا رخ پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے اور انصاف پسند طبیعتیں خود فیصلہ کریں کہ خدا کا قانون کس قدر عادلانہ ہے۔

۱۔ شہادت ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جس کی صحیح ادائیگی فرض ہے۔
۲۔ شہادت کی بنیاد پر حقوق انسانی کا فیصلہ ہوتا ہے ۔
۳۔ خلاف واقعہ گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے جس کو حضورؐ نے شرک باللہ، عقوق والدین، میدان جنگ سے بھاگنا، وغیرہ سات کبیرہ گناہوں میں سے شمار کیا ہے ۔
۴۔ گواہی کا چھپانا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے ۔
۵۔ حقوق انسانی کا تحفظ اور ان کے بارے میں وثوق سے فیصلہ کرنا اسلامی عدلیہ کی ذمہ داری ہے ۔
۶۔ کسی انسان کی حق تلفی کو تمام متمدن اقوام جرم سمجھتی ہیں ۔
۷۔ عموماً عورتیں کمزور قوت ارادی رکھتی ہیں ۔
۸۔ بھول چوک مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے ۔

ان میں سے پہلی چھ باتیں شرعی طور پر مسلم ہیں۔ آخری دو باتوں سے کسی کو اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر شرعی نصوص، طبی تحقیقات، انسانی تجربات، وقائع وحوادث اس قدر زیادہ ہیں کہ دونوں حقائق سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ دونوں باتیں اس صنف کے اندر فطری ہیں، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اگر بعض عورتیں قوتِ ارادی کی مالک پائی گئی ہیں یا ان میں حفظ وضبط کی قوت بعض مردوں سے زیادہ محسوس کی گئی ہے تو اس سے یہ قاعدہ کلیہ غلط ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ بات افراد کی نہیں ہو رہی پوری صنف کی ہو رہی ہے یعنی مجموعی نسبت سے عورتیں ضعیف الارادہ اور حفظ وضبط میں کمزور ہوتی ہیں۔ ان امور پر نظر ڈال کر ٹھنڈے دل سے سوچا جائے تو ایک سوچنے والا ذہن ضرور یہ فیصلہ کرے گا کہ واقعۃً اللہ کا عورتوں پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے عورتوں پر سے اس نازک ذمہ داری کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے ورنہ اگر عورت ہر صورت میں شہادت کے مسئلے میں مردوں کے مساوی ہوتی تو حسب ذیل صورت سے سابقہ پڑتا ۔

(۱) گواہی دینا ہر صورت میں عورت پر فرض ہوتا
(۲) گواہی کو چھپانے سے گناہ کبیرہ لازم آجاتا ۔

(۳) معمول چوک کی ساری ذمہ داری اسے خود اٹھانی پڑتی ۔

(۴) کمزور قوت ارادی کیوجہ سے کوئی بھی شخص ترغیب و ترہیب کے ذریعہ اس سے جھوٹی گواہی دلوا سکتا ۔ جس کا سارا گناہ اسی کے سر ہوتا ۔

(۵) اس گواہی کی بنیاد پر ہونے والے فیصلہ سے جس شخص کی حق تلفی ہوتی اس کی ساری ذمہ داری اسی عورت پر ہوتی ۔

(۶) سابقہ دونوں فطری خامیوں کی وجہ سے صرف عورتوں کی گواہی کی اساس پر ہونے والا فیصلہ مشتبہ رہ جاتا اور حقوق انسانی کے تحفظ میں غیر ذمہ داری اور حق تلفی کا شبہ باقی رہ جاتا ۔

رہی یہ بات کہ دونوں خامیاں عورتوں میں کیوں ہیں؟ تو اس میں کسی انسانی عمل کو دخل نہیں ۔ یہ اعتراض تو عورت کو عورت بنانے پر بھی ہو سکتا ہے ۔ مگر خدا کے منشاء پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ۔

اب آئیے دیکھیں کہ کیا اس قانون سے عورتوں کی تنقیص مقصود ہے؟ تو حاشا وکلا ۔ خدا کا قانون عدالت کے اعلیٰ معیار پر فائز ہے ۔ کیونکہ:

۱ ۔ اللہ نے عورت کو گواہی کے حق سے محروم نہیں فرمایا ۔ بلکہ صرف مردوں کی گواہی اور اس گواہی میں جس میں عورتیں شامل ہیں، شریعت کی نظر میں کوئی فرق نہیں اور عدالت دونوں قسم کی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرنے کی شرعاً پابند ہے ۔

۲ ۔ بہت سے مسائل ہیں جن کی تفصیل فقہی مباحث میں موجود ہے جن میں صرف عورتوں کی گواہی پر اعتماد کیا جاتا ہے ۔ وہاں مردوں کی گواہی قابل اعتماد نہیں ۔ بلکہ بعض مسائل میں ایک عورت کی گواہی پر بھی اعتماد کیا جاتا ہے ۔ مثلاً عورتوں کے عیوب، ولادت، رضاعت جیسے مسائل جن میں عورتوں کے مشاہدہ اور تجربہ کو دخل ہو ۔

آخری یہ بات رہ جاتی ہے کہ شہادت میں دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر کیوں قرار دیا گیا ہے؟ تو یہ ایسی بات ہے کہ جو عورتوں کے حق میں ہے ۔ ان کے خلاف نہیں ۔ کیونکہ اللہ نے عورت کی گواہی میں وثوق پیدا کرنے کے لئے دوسری

عورت کو بھی شامل فرما دیا ہے تاکہ خود عورت کو اطمینان رہے کہ وہ جھوٹی یا خلاف واقعہ گواہی دینے کے گناہ عظیم سے محفوظ رہتی ہے اور پھر عورتوں کے ساتھ ایک مرد کے گواہ ہونے سے بھی اس وثوق کو تقویت ملتی ہے۔ کیونکہ فطرتاً عورت کسی بھی کام میں مرد کی شمولیت سے اطمینان اور اپنا بوجھ ہلکا محسوس کرتی ہے۔

آئیے اخیر میں خدا کے اس کلام کو سامنے رکھیں جس میں اس قانون کا ذکر ہے اور کس حسین انداز میں اس کی علت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ (بقرہ)	"اور تم گواہ رکھو اپنے مردوں (مسلمانوں) میں سے دو گواہ۔ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جو گواہوں میں تمہیں پسند ہوں۔ ہو سکتا ہے ان دونوں (عورتوں) میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دہانی کرا دیگی ــــ!

اس مبارک کلام میں جو فطرت سے ہم آہنگ ہے عورتوں کی تنقیص کا کیا پہلو نکلتا ہے۔؟ بلکہ اس سے تو شفقت و رحمت کی ایک ایسی آواز آتی ہے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ رب العزت پاکستان کے تمام مردوں اور عورتوں کو کہ اس ملک کی اسلامی طرز پہ ناقابلِ تسخیر تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

ــــــــ محمد مرسلین

متعلم کلیۃ الشریعۃ، مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب۔

پہلے خلانورد کا قبولِ اسلام

روزنامہ "جسارت" کراچی کا ایک شذرہ

(اشاعت ۱۲ فروری ۱۹۸۳ء)

چاند پر قدم رکھنے والے پہلے انسان امریکی خلانورد، آرام اسٹرانگ نے
اسلام قبول کر لیا ہے۔ ان کی زندگی میں اچانک یہ تبدیلی اس لیے آئی کہ انہوں نے
چاند پر اترنے کے بعد وہاں اذان کی آواز سنی تھی۔ ان کے لیے یہ آواز غیر مانوس تھی
پہلے تو انہیں خیال ہوا کہ شاید ان کے کان بج رہے ہیں۔ لیکن یہ آواز دیر تک مسلسل
کہیں سے آتی رہی اور چونکہ یہ پہلی اور واحد آواز تھی جو چاند پر اترنے کے بعد انہوں
نے سنی تھی، اس وقت ان کے تمام حواس بیدار اور چوکنا تھے۔ لہٰذا یہ آواز انہیں اچھی
طرح یاد رہی اور لفظ و آہنگ ان کے ذہن میں محفوظ رہے۔ برسوں بعد پچھلے دنوں
انہیں ایک لیکچر دینے کے لئے قاہرہ جانے کا اتفاق ہوا تو یہ امریکی خلانورد وہاں اذان
سن کر حیران رہ گیا۔ کیونکہ یہ تو بالکل وہی الفاظ تھے جو اس نے چاند پر سنے تھے۔ اس
عجیب و غریب تجربے کے بعد آرام اسٹرانگ اسلام کی حقانیت پر ایمان لائے اور
انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

ایسا ہی کوئی تجربہ افریقہ یا ایشیا کے کسی عام مسلمان یا غیر مسلم کے ساتھ پیش آیا ہوتا
اسے خواب و خیال یا وہم و گمان کی بات سمجھ کر ٹال دیا جاتا اور اس سائنسی دور میں بھی ایسی دقیانوسی
باتیں کرنے پر اس کا خوب مذاق اڑایا جاتا۔ لیکن سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک کے ایک بڑے
سائنسدان اور خلانورد کے انکشاف پر ترقی یافتہ دنیا کے پاس مذاق اڑانے کا کوئی حیلہ رہ گیا ہے اور
اس واقعہ کو نظر انداز کرنے کا کوئی بہانہ یہ ایک غیر مسلم کا تجربہ ہے جسے ضعیف الاعتقادی
کا مظہر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسلام کا پیغام تمام زمانوں اور جہانوں کے لئے ہے۔ آرام اسٹرانگ نے چاند پر اذان کے سننے کی شہادت نہ دی ہوتی تو بھی یہ امر اپنی جگہ مسلم اور سب سے بڑی سچائی ہے تاہم یہ بات ایک عام مسلمان کے لئے خوشی و مسرت کا باعث ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے پیغام کی حقانیت پر ایمان لانے کے واقعات ترقی یافتہ سائنسی حلقے میں پیش آرہے ہیں۔ روحانیت کی معراج کو پہونچنے کے بعد اب انسان نے مادی طور پر بھی ترقی کی اتنی منازل طے کر لی ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف و شعور پیدا ہو رہا ہے۔ اللہ تو مادے کی شہادت کا محتاج نہیں لیکن خود انسان کے لئے اس شہادت کو جھٹلانا ممکن نہیں ہوگا۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

کراچی میں تنظیم اسلامی کے اجتماعات کا پروگرام حسب ذیل ہے:

جن میں درس قرآن (عموماً بذریعہ کیسٹ: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) درس حدیث، مطالعہ سیرتِ مطہرہ اور فقہ اسلامی اور تفہیم و تفہیم کے لئے سوال و جواب کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ اجتماعات کراچی دفتر کمرہ ۱۱ داؤد منزل نزد آرام باغ میں منعقد ہوتے ہیں۔

- ہر جمعہ کی صبح ½ ۹ بجے تا ½ ۱۱ بجے
- ہر پیر اور بدھ کو بعد نماز مغرب

تبصرۂ کتب

(۱) تاریخ میلاد

مؤلف : مولانا حافظ حکیم عبدالشکور صاحب مرزا پوری رحؒ

صفحات : ۱۷۵ قیمت : -/۲۰ روپے

ناشر : عمران اکیڈمی، مسلم آباد، شالامار ٹاؤن، لاہور

جو مسائل ملّتِ اسلامیہ میں وجہ نزاع بنے ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ تشتت و افتراق کا شکار ہے، ان میں سے ایک مروّجہ "مجلس میلاد" منانے کا مسئلہ ہے ــــــ جہاں تک نفس میلاد یا نفس ذکر ولادت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور نہ ہو سکتا ہے جیسا کہ خود زیر تبصرہ کتاب میں اس کی صراحت موجود ہے۔ سب کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، خواہ وہ کسی قسم کے ہوں، کا بیان کرنا اور ان کا سننا موجب برکت و ثواب اور باعث تجدید ایمان ہے۔ لیکن چونکہ بعض لوگوں نے اس میں کچھ مخصوص چیزوں کا التزام کیا ہوا ہے، اس لئے اس مسئلہ نے ایک متنازع فیہ مسئلہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ میلاد منانے میں بعض غالی شاعروں اور مولود خوانوں کے غلو نے اس مسئلہ کی سنگینی کو اور بڑھا دیا ہے۔ مثلاً بعض نعت خوانوں نے اس طرح کے اشعار کہے ہیں :-

روشنائی بھی بنا لیجئے اگر ہے منظور پھر نہیں ملنے کا جبریل ایس سامزدور
پیسنے کے لئے ہو دیدۂ یعقوب کھرل

بعض مجالس میلاد میں تو یہاں تک کہدیا گیا ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر !

یہ اور اس قسم کے دوسرے بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کے مشرکانہ اور گستاخانہ ہونے کے سب فریق قائل ہیں۔

مولانا حکیم حافظ عبدالشکور صاحب مرزا پوری مرحوم نے اپنی اس

تصنیف میں اس مسئلہ کی نزاعی صورتوں کو ختم کرنے اور محکم دلائل کی بنیاد پر فریقین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی قابل قدر کوشش کی ہے ـــــ

مولانا مرحوم کی یہ کتاب ۱۳۵۴ھ و ۱۳۵۵ھ میں بلند پایہ عالم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی نظر ثانی کے بعد انہی کے زیر ادارت شائع ہونے والے مجلّے "الفرقان" لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہے جو بجائے خود اس کے جید اور معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

پچھلی صدی ہجری کے آخر سے لے کر تاحال میلاد منانے کی جو مختلف صورتیں رہی ہیں اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں جن جن رسوم و تقالید کا اضافہ ہوتا رہا ہے، مولانا مرحوم نے ان کو بڑے دلچسپ انداز میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ میلاد سے متعلق تحریر کردہ بعض عجیب و غریب واقعات اور عجیب و غریب رسوم کے بیان نے اس کتاب کے تاریخی پہلو کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے۔

متعلقہ مسئلہ سے متعلق مختلف ادوار کے علماء کی آراء نقل کرنے کے ساتھ ساتھ مصنّف نے ادلۂ اربعہ کی روشنی میں مروّجہ مجلس میلاد کی فقہی حیثیت کو متعین کرنے کے ضمن میں جو اصولی مباحث قائم کئے ہیں، وہ بہت بلند پایہ اور قابل مطالعہ ہیں۔

قدیم جیّد علماء مثلاً مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی، مولانا شاہ ولی اللہؒ، شیخ محی الدین ابن عربیؒ، علّامہ جلال الدین سیوطی، علامہ حجر ابن عسقلانی وغیرہم کی آراء بمع حوالہ جات نقل کر کے مزید روشنی ڈالی ہے۔

ہمارے خیال میں اگر ٹھنڈے دل کے ساتھ اور فرقہ پرستانہ جذبات سے بالاتر ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو امر حق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ آخر کتاب میں مصنّف نے فریقین میں اتحاد پیدا کرنے کی غرض سے میلاد منانے کی کچھ ایسی صورتیں بھی پیش کی ہیں جن پر اصولی طور پر فریقین متفق ہیں۔

الغرض کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جسے مصنّف نے تشنہ چھوڑا ہو۔ بایں ہمہ کتاب طباعت کی اغلاط کے لحاظ سے معمولی اصلاح طلب ہے۔

۴۔ معیار العلماء

مؤلف : مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

صفحات : ۱۴۰ قیمت ۱۵/۰۰ روپے

ناشر : مکتبہ القاسم۔ مسلم آباد۔ شالامار ٹاؤن لاہور

ہمارے بہت سے المیوں میں سے ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں نام نہاد علماء کی کثرت ہوگئی ہے جن کی لاعلمی یا کم علمی اور ناعاقبت اندیشی نے قوم میں بہت سی خرابیوں کو جنم دیا ہے۔ دوسری طرف عوام کی اکثریت میں یہ مرض سرایت کرچکا ہے کہ وہ علماءِ سوء کی لچھے دار اور افسانوی تقریروں ہی کو سن کر خوش ہوتے ہیں اور علماءِ حق اور علماءِ سوء میں امتیاز نہیں کرپاتے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں عوام کو ان حقائق سے روشناس کرایا جائے جن کی بنیاد پر وہ علماءِ حق اور علماءِ سوء میں تمیز کرسکیں۔ اس سلسلے میں ہم اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی مرحوم کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھ کر اس ضرورت کو پورا کردیا ہے۔ اس کتاب میں (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں علماءِ حق اور علماءِ سوء کا واضح انداز میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ سلف صالحین میں سے جن حضرات کی کتابوں سے حوالے دیئے گئے ہیں ان میں سے حضرت امام غزالیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو علماءِ سوء پر تنقید کرنے کے میدان کے خاص مردِ مجاہد ہیں۔

مصنف نے یوں تو بہت سے عنوانات پر بھرپور بحثیں کی ہیں تاہم چند ایک عنوانات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، مثلاً (۱) قرآن مجید اور علماء (۲) وعظ و نصیحت کا معاوضہ اور علماء (۳) کبر و غرور، ریاکاری اور علماء (۴) بحث و مباحثہ و تمسخر اور علماء (۵) اتحاد بین المسلمین اور علماء (۶) موجودہ زمانے کے علماء اور واعظین۔

کتاب کے بہت سے عربی، فارسی اشعار فکر انگیز ہیں اور بعض مبنی بر صنعات عجیبہ عبارتیں غایت درجہ دلچسپ ہیں

مصنف نے صرف علماءِ سوء ہی پر تنقید نہیں کی بلکہ نئی روشنی کے نام نہاد

مجددین پر بھی کھل کر تنقید کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے یہ الفاظ ایک گہری حقیقت کے غماز ہیں :-

"یورپ والوں کی اس قابلِ نفرین حالت کو حقیقی مقصد وری اور یورپ والوں کی اس گندی زندگی کو جنتی زندگی قرار دینے والے اور مسلمانوں کو مذہب کے نام فریب دے دے کر انہی کی ڈگر پر چلانے کی کوشش کرنے والے یا تو سخت احمق و فریب خوردہ ہیں یا اسلام کے دشمن اور بدخواہ ہیں۔"

بااین ہمہ بعض مقامات پر مصنف کا لب و لہجہ بہت شدید ہے اور بعض ظاہری عبارات دل میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں اور اس چیز کو خود مصنف نے بھی محسوس کیا ہے۔ چنانچہ آخر میں انہوں نے بعض ممکنہ خدشات کو رفع کرنے کے لئے ایک ضمیمے کا اضافہ کیا ہے۔

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

THE ORIGINAL
paragon

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (حدیث نبوی)

(تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اس کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں)

نشر القرآن کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

کے دروسِ قرآن اور

خطاباتِ عام

نشر القرآن تنظیم اسلامی

کیسٹ سیریز

لاہور: ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، فون: ۶۱۱
کراچی: کمرہ ۱۱، داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ

Regd. L No 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32 APRIL 1983 No. 4

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت: ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ
لاہور

جلد: ۳۲ | شمارہ: ۵ | رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق مئی ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۴۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ ـ شاہراہ لیاقت ـ
کراچی ـ فون برائے رابطہ ۲۱۶۷۰۹

مشمولات

حکمتِ قرآن

کا تازہ شمارہ

اشاعتِ خصوصی

پر مشتمل ہے جس میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک خطاب بعنوان

فرائضِ دینی کا قرآنی تصوّر

اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں

اور ایک صاحبِ خیر کا اہم مضمون بعنوان

قدرت کے طبعی و تمدّنی قوانین اور اسلام و ایمان

شامل ہیں

یہ اشاعت قارئینِ میثاق تک پہنچ چکی ہوگی قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مزید جن اہلِ علم دوست حضرات کو یہ اشاعت ارسال کرانا چاہیں انکے نام اور مفصل پتے دفتر میثاق کے پتے پر بھجوا دیں (شکریہ)

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہٖ تعالیٰ و عونہٖ ماہ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق مئی ۱۹۸۳ء کا شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ ماہ رجب کی مناسبت سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن کا معراج النبیؐ کے موضوع پر گذشتہ سالوں کا ایک خطاب کیسٹ سے منتقل کر کے اس شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔ افادیت کا تقاضا تھا کہ اس خطاب کو مکمل طور پر شائع کیا جائے۔ لہٰذا "اصلاح معاشرہ کا قرآنی تصوّر" کے موضوع پر امیر محترم کے دوسرے خطاب کو (جس کی پہلی قسط سابقہ شمارے میں شائع ہو چکی ہے) مزید دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ ان شاء اللہ اس خطاب کی آخری قسط جون ۸۳ء کے شمارے میں ہدیۂ ناظرین ہوگی۔ اور ماہ جولائی سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اُس خطاب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگا جو ۱۲ نومبر ۸۲ء کو جناح ہال میں انجمن کی دس سالہ تقریبات کے افتتاحی اجلاس میں "اصلاح معاشرہ کا انقلابی تصوّر" کے موضوع پر کیا گیا تھا۔ جو اس سلسلۂ خطابات کی آخری کڑی ہے۔ اس طرح اصلاح معاشرہ کے وہ تمام اصول و مبادی اور خد و خال ان شاء اللہ قارئین کرام کے سامنے آجائیں گے جو ان تین خطابات میں پیش کئے گئے تھے۔

الحمد للہ والمنّہ حسب اعلان اور پروگرام تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع، تیسری سالانہ محاضراتِ قرآنی اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے گیارہویں سالانہ اجلاس کا انعقاد بحسن و خوبی یکم تا ۷ اپریل ۸۳ء پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ پورا ہفتہ قرآن اکیڈمی میں دینی بہار کے موسم کی کیفیت میں گزرا جس میں علم و عرفان کی بارش ہوتی رہی جس سے شرکاء کے فکر و نظر اور قلب و روح کو جِلا اور بالیدگی حاصل ہوتی رہی۔ ان روح پرور پروگراموں کی اجمالی روداد کو ضبط تحریر

لانے کا کام ہو چکا ہے لیکن 'میثاق' کے صفحات کی محدودیت کی وجہ سے یہ رُوداد قسط وار ہی شائع ہو سکے گی۔ اس کی پہلی قسط اس شمارے میں شامل ہے۔

ماہنامہ حکمتِ قرآن کا مارچ اور اپریل ۸۳ کا مشترکہ شمارہ اشاعتِ خصوصی کے طور پر منصۂ شہود پر آگیا ہے۔ چند ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر واقع ہوئی۔ جس کے لئے ہم 'میثاق' اور 'حکمت قرآن' کے قارئین سے معذرت کے طالب ہیں۔ یہ اشاعتِ خصوصی صرف دو مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلا جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک خطاب کی تلخیص بعنوان " فرائض دینی کا قرآنی تصوّر: اسوۂ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں" اور دوسرا ایک صاحبِ خیر کا ایک انتہائی فکر انگیز مقالہ بعنوان " قدرت کے طبعی و تمدّنی قوانین اور اسلام و ایمان"۔ یہ دونوں مضامین اپنے طرزِ استدلال کے باعث نہایت غور و تدبّر کے حق دار ہیں۔ امید ہے کہ قارئین کرام ان کا بالاستیعاب اور معروضی مطالعہ کریں گے۔

یہ اشاعتِ خصوصی ماہنامہ 'میثاق' کے اپریل کے شمارے میں شائع شدہ اعلان کے مطابق 'میثاق' اور 'حکمت قرآن' کے جملہ سالانہ معاونین کی خدمت میں ارسال کی گئی ہے۔ اس طرح یقیناً اکثر حضرات کی خدمت میں اس اشاعتِ خصوصی کے ایک سے زاید نسخے پہنچے ہوں گے۔ ایسے تمام حضرات سے التماس ہے کہ وہ فاضل نسخے اپنے حلقۂ تعارف میں سے کسی علم دوست کو پہنچا کر تعاون فرمائیں۔ جن حضرات نے ہمیں اپنے حلقۂ احباب کے جو پتے ارسال کئے تھے اور جن کے ہم اپنے طور پر پتے حاصل کر سکے ہیں، ان کی خدمت میں بھی یہ اشاعت خصوصی ارسال کر دی گئی ہے۔ قارئین کرام اپنے حلقۂ احباب میں سے مزید علم دوست اصحاب کے نام اور پتے ارسال فرما سکتے ہیں جن کی خدمت میں ان شاء اللہ یہ اشاعت خاص ارسال کر دی جائے گی۔

ماہ اپریل ۸۳ء کا پہلا ہفتہ جہاں تنظیمی اور تربیتی اعتبارات سے رفقاءِ تنظیم اور وابستگان انجمن کے لئے روحانی انبساط کا باعث ہوا وہاں انہیں تین صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ پہلا صدمہ تو انجمن کے ایک سرگرم رکن

جناب محمد اشرف صاحب کا دل کے اچانک دورے سے ۳۱ مارچ کو انتقال سے پہنچا۔ میاں محمد اشرف صاحب مرحوم اے جی آفس میں اکاؤنٹس آفیسر تھے اور وہاں سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ گذشتہ کئی سالوں سے انجمن کی مجلس منتظمہ کے منتخب رکن چلے آرہے تھے اور اعزازی طور پر انجمن کے حساب کے اعزازی محتسب (AUDITOR) تھے۔ مرحوم تقریباً ہفتہ میں دو تین دن انجمن کے اندرونی آڈٹ کے لئے دیا کرتے تھے۔ مرحوم کی قیام گاہ ۸۰/۳ ساگر روڈ لاہور چھاؤنی میں تھی جو قرآن اکیڈمی سے تقریباً ۸ میل کے فاصلے پر ہے۔ گرمی ہو یا سردی ان کا اپنی تفویض کردہ ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے ہفتہ میں دو تین بار اکیڈمی آنے کا معمول تھا۔

دوسرا صدمہ انجمن کے دیرینہ رکن اور تنظیم اسلامی کے تاسیسی رفیق چوہدری حبیب اللہ کا ۷ اپریل کو ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے باعث انتقال ہے۔ چوہدری صاحب مرحوم ۷ اپریل کو دس بجے کے قریب اپنے مکان واقع ۵/۷ کینال بنک مغلپورہ لاہور سے اپنے اسکوٹر پر امیر محترم کا اختتامی خطاب سننے کے لئے قرآن اکیڈمی آرہے تھے کہ راستہ میں ایک کار سے ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ جس کے نتیجے میں دماغ پر شدید چوٹ آئی۔ جس کے باعث وہ چار پانچ گھنٹے بے ہوش رہے اور ہسپتال میں ڈاکٹروں کی انتہائی کوششوں کے باوجود اسی بے ہوشی کے عالم میں کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ــ کے ضابطۂ الٰہی کے مطابق چوہدری صاحب اپنے خالق حقیقی کی طرف مراجعت کر گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥

چودھری حبیب اللہ مرحوم پاکستان ریلوے میں سپرنٹنڈنٹ ٹیلی کمیونیکیشن کے بڑے عہدے پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بڑی منکسرانہ، متواضع اور خلیق طبیعت سے نوازا تھا۔ انجمن اور بالخصوص تنظیم کے وہ بڑے سرگرم کارکن اور رفیق تھے۔ اجتماعات میں چاہے وہ انجمن کے ہوں یا تنظیم کے مرحوم تمام رفقاء کے ساتھ ہر قسم کے کاموں میں اس طرح نہایت انہماک سے حصہ لیتے تھے کہ کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمارا یہ طویل قامت رفیق جو ہمارے شانہ بشانہ دریاں بچھا رہا ہے

کرسیاں لگا رہا ہے اور لاؤڈ اسپیکر کی دیکھ بھال کر رہا ہے، ریلوے کا ایک بڑا آفیسر ہے۔ نہایت دلآویز تبسم ان کے چہرے کی ایک مستقل علامت اور نشانی تھا۔ تنظیم سے وابستگی کے بعد انہوں نے داڑھی رکھی اور عین سنت کے مطابق رکھی۔ ان کو دیکھ کر، ان سے مل کر اور ان سے گفتگو کر کے واقعہ یہ ہے کہ اندازہ ہوتا تھا کہ اللہ والے لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ مرحوم کی ریٹائرمنٹ کے دن قریب تھے، ان کا ارادہ تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اپنا پورا وقت تنظیم اسلامی کی دعوت کی توسیع میں لگائیں گے۔ لیکن ہوا وہ جو اللہ کو منظور تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی ہے کہ جو بندۂ مومن حادثاتی موت سے ہمکنار ہو، اس کی موت شہادت کی موت ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا چودھری حبیب اللہ مرحوم تو اپنے گھر سے دعوتِ اسلامی کے قائد و امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اختتامی تقریر میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے تھے (ویسے بھی مرحوم تنظیم اسلامی کے اس آٹھویں اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتے رہے تھے)، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ چودھری صاحب مرحوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مرتبۂ شہادت پر فائز فرمائے گا۔ امیر محترم نے ۸ اپریل بروز جمعہ چودھری صاحب مرحوم کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تنظیم اسلامی کے اجتماعات میں جب کبھی بجلی فیل ہو جاتی تو چودھری صاحب مرحوم ہی عموماً بیٹری کے ایمپلی فائر اور لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے جنازے پر یہ انتظام تنظیم کے رفقاء نے انجام دیا۔

۷ اپریل ہی کو بعد دوپہر مرکزی انجمن کے ایک اہم فرد ملک فضل حسین نے بھی داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم انجمن کے حلقۂ محسنین میں شامل تھے اور گذشتہ دو سال تک مجلس منتظمہ کے رکن بھی رہے تھے۔ ان کے چہرے پر سرطان ہو گیا تھا۔ بغرضِ علاج امریکہ بھی گئے تھے لیکن اجلِ مسمّٰی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ملک صاحب اس علالت کی حالت میں بھی اکثر نمازِ جمعہ مسجد دارالسلام ہی میں ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادے نے بتایا کہ جمعرات کو بھی مرحوم کہہ رہے تھے کہ کل جمعہ ہے اور مجھے دارالسلام ڈاکٹر صاحب کی تقریر سننے کے لئے جانا ہے۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ آج ہی وقت پورا اور مہلتِ عمر ختم ہونے والی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا

إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ تینوں مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ بالخصوص چودھری حبیب اللہ مرحوم کو مرتبہ شہادت پر فائز فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ ـــ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَعَافِھِمْ وَاعْفُ عَنْھُمْ وَاَکْرِمْ نُزُلَھُمْ وَوَسِّعْ مُدْخَلَھُمْ وَاغْسِلْھُمْ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّھِمْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْھُمْ دِیَارًا خَیْرًا مِّنْ دِیَارِھِمْ وَاَھَالِیَ خَیْرًا مِّنْ اَھَالِیْھِمْ وَاَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْ اَزْوَاجِھِمْ وَاَدْخِلْھُمُ الْجَنَّۃَ وَقِھِمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ: آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ!

قیم تنظیم اسلامی محترم قاضی عبد القادر کے بڑے نوجوان فرزند عزیزم میاں اسامہ سلّمہٗ، نہایت صالح نوجوان ہیں تبلیغی جماعت سے ان کو عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ وہ چند دنوں سے علیل ہیں ـــ مزید یہ کہ چند دنوں سے راقم کے بڑے بھائی صاحب بھی بسترِ علالت پر ہیں۔ قارئین کرام سے ان دونوں کے لئے شفا اور صحت کی دعا کی درخواست ہے۔

اِذْھَبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا ـــ اَللّٰھُمَّ اشْفِ مَرْضَانَا نَسْاَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَھِمَا وَکُلَّ مَرْضَانَا آمین!

ان سطور کے ناکارہ راقم کی یہ انتہائی خوش بختی تھی کہ وہ تقریباً ساڑھے چھ سال سے ماہنامہ 'میثاق' جیسے وقیع ماہنامہ کے ادارۂ تحریر سے وابستہ تھا۔ اسی مقصد کے لئے اس کی کراچی سے لاہور آمد و رفت رہتی تھی۔ لیکن چند ذاتی اور نجی مجبوریوں کی وجہ سے راقم کے لئے آئندہ لاہور کی آمد و رفت کا سلسلہ قائم نہیں رہے گا۔ جس کی امیر محترم نے اجازت مرحمت فرما دی ہے اور راقم کو یہ ذمہ داری تفویض کی ہے کہ راقم کراچی ہی سے تفویض کردہ ذمہ داریاں ادا کرنے کی امکان بھر کوشش کرے یعنی امیر محترم کی تقاریر اور دروس قرآن کیسٹ سے منتقل کر کے اور دیگر ضروری تحریری کام انجام دے کر لاہور روانہ کرتا رہے۔ قارئین کرام خاص طور پر رفقائے تنظیم اسلامی سے درخواست ہے کہ وہ راقم کے حق میں دعا کریں کہ یہ ذمہ داری نبھانے کی مجھے بارگاہ رب العزت سے توفیق کی ارزانی ہو ــــ اس ضمن میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ 'میثاق' کے انتظامی امور مثلاً پرچہ نہ ملنے کی شکایت، سالانہ معاونت کے مسائل وغیرہ وغیرہ سے متعلق تو ناظم صاحب ماہنامہ 'میثاق' کو ایڈریس کیا کریں۔ البتہ اپنے مضامین، یا شائع شدہ مضامین کے حسن و قبح پر اپنی رائے اور مشورے الغرض ادارتی امور کے بارے میں خاکسار کو فلیٹ ۲۴ جاپان مینشن نمبر ۲۔ پریڈی اسٹریٹ کراچی ۳ کے پتے پر یاد فرمایا کریں۔ جزاکم اللہ خیرًا!

✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽

عن عبداللہ بن عمرؓ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السمع والطاعۃ

علی المرء المسلم فیما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیۃ

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

الہدیٰ

(تیسری نشست)

لوازمِ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۳)

السلام علیکم ۔ نحمدہ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم ، اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والعصر ۝ ان الانسان لفی خسر ۝ الا الذین اٰمنوا و

عملوا الصّٰلحٰت و تواصوا بالحق ۝ و تواصوا بالصبر ۝

صدق اللہ مولانا العظیم

رب اشرح لی صدری و یسر لی امری واحلل عقدۃ من

لسانی یفقھوا قولی اٰمین یا رب العٰلمین ،

ناظرین و سامعین کرام و معزز حاضرین ! ۔ ہماری گذشتہ نشست کا اختتام اس بات پر ہوا تھا کہ سورۃ العصر کی پہلی دو آیات کے نتیجے میں ایک گونہ ناامیدی اور مایوسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔یعنی " زمانہ گواہ ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں "۔ والعصر ۝ ان الانسان لفی خسر ۝ اس ضمن میں فطری طور پر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ اس عمومی خسارے سے بچاؤ کی کوئی صورت ہے یا نہیں ۔ ! اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ بھی ہے یا نہیں ۔ ! قرآن حکیم اسی سورہ مبارکہ میں ہمیں بتاتا ہے کہ ایک راستہ ہے ۔ اس راستہ

کہ وہ الصراط المستقیم کا نام بھی دیتا ہے، اُسے وہ السواء السبیل بھی کہتا ہے،
کہیں وہ اس کو الصراط السوی، اور کہیں القصد السبیل بھی قرار دیتا ہے ۔
قرآن حکیم میں مختلف الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ ایک راستہ ہے
جس پر چل کر انسان فوز و فلاح اور کامرانی و کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔
سورۃ العصر کی تیسری آیت میں اسی راستے کے چند مقامات کا ذکر ہے جنہیں
مَیں نے پہلے درس میں ایک نسخے کے چار اجزا سے تشبیہہ دی تھی۔ ان پر جب
ہم بطریق تدبّر غور کریں گے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ وہ اسی راستے کے سنگ ہائے
ہیں۔ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستے پر چل رہا ہو تو پہلے ایک مقام
آئے گا۔ آگے بڑھے گا تو دوسرا مقام آئے گا۔ کچھ اور آگے بڑھے گا تو تیسرا مقام
آئے گا اور آگے بڑھے گا تو چوتھا مقام آئے گا۔ تو الصراط المستقیم کے چار مقامات
ہیں۔ (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) تواصی بالحق اور (۴) تواصی بالصبر۔ ان
چاروں کے مابین جو منطقی ربط ہے، پہلے اُسے ایک بڑی سادہ مثال سے سمجھئے

ہمیں اپنی زندگی میں جن عام معاملات سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے،
اس میں اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش آ جائے جس میں کوئی نزاع ہے، کوئی جھگڑا ہے،
اور اس میں اگر آپ کو حکم تسلیم کر لیا جائے تو عقلِ عام کی رو سے، فطرت کے
تقاضے کی رُو سے جو پہلی چیز آپ پر لازم ہو گی، وہ یہ ہے کہ آپ پوری کوشش
کر کے اصل حقیقت کو معلوم کریں۔ اس معاملہ کی تہہ تک پہنچیں۔ دوسری چیز اُسی
Common Sense کے تقاضے کے طور پر آپ پر لازم ہو گی کہ جو حقیقت
آپ کے سامنے آئے، وہ خواہ آپ کو پسند ہو یا نہ ہو، آپ اُسے قبول کریں۔
پھر اگر انسان کے پاس سیرت و کردار کی پونجی ہے تو تیسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس
حقیقت کا آپ اعلان کریں — یہ دیکھے بغیر کہ یہ اعلان کسی کو پسند ہو گا یا
ناپسند — کسی کو اچھا لگے گا یا بُرا لگے گا۔ جو حقیقت آپ پر منکشف ہوئی ہے
اس کا اعلان از روئے عقل و فطرت اور از روئے عدل و انصاف آپ پر

واجب ہے۔ اگر کسی خوف سے دب کر یا کسی لالچ کے زیر اثر اس حقیقت کا اعتراف و اعلان انسان نہیں کرتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم فیصلہ کریں گے کہ اس شخص میں سیرت و کردار کی کوئی قوت موجود نہیں ــــ وہ ایک بودا انسان، کمزور انسان، اور بزدل انسان ہے ــــ چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ اگر اس حقیقت کے اعتراف و اعلان پر کوئی تکلیف آئے، کسی RESENTMENT اور کسی مخالفت و مزاحمت کا مقابلہ و مواجہہ کرنا پڑے، کسی تشدد اور PERSECUTION کو جھیلنا پڑے تو انسان کی سیرت و کردار کا اصل امتحان اور TEST یہی ہوگا اگر وہ ثابت قدم رہتا ہے، جھیلتا اور برداشت کرتا ہے، تب ہی وہ ایک صاحبِ کردار انسان شمار ہوگا۔ اس کے برعکس معاملہ ہو تو عقل عام کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ بودا انسان، تھڑدلا انسان، کم ہمت اور بزدل انسان، سیرت و کردار سے عاری اور تہی دست انسان ہے۔

اب ان چیزوں کو ذہن میں رکھیے اور غور کیجئے کہ انسان کی نگاہوں کے سامنے یہ عریض و بسیط جو کائنات پھیلی ہوئی ہے اور انسان جب شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو اس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ آتا ہے کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے۔؟ میں کون ہوں؟ میری زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کائنات کی ابتداء اور انتہا کیا ہے۔؟ اس کا مبدأ و معاد کیا ہے۔؟ رہنمائی کہاں سے اخذ کروں۔؟ آیا صرف میرے حواس ہی میری رہنمائی کا واحد ذریعہ ہیں! یا اس سے بالاتر عقل و شعور اور فکر و ادراک کی کوئی صلاحیت بھی میرے اندر ہے۔!! اور آیا میں صرف عقل ہی سے رہنمائی اخذ کروں گا یا اس سے بالاتر بھی۔ GUIDANCE اور ہدایت و رہنمائی کا کوئی ذریعہ (SOURCE) ہے۔؟ خیر کیا ہے؟ شر کیا ہے؟ ــــ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو ہر انسان کے سامنے آتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ انسان عقل و شعور کے اعتبار سے بالغ ہو ــــ چنانچہ آپ کو علم ہوگا کہ یہی سوالات ہیں جن سے دنیا کے ہر خطہ اور ہر دور میں فلاسفہ اور حکماء GRAPPLE کرتے رہے ہیں، غلطاں و پیچاں رہے ہیں۔ انہی سوالات کو حل

کرنے اور انہی گتھیوں کو سلجھانے کی تگ و دو میں انہوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں کھپا دی ہیں۔ ان سوالات کا ایک جواب وہ ہے جو بعض انسان اس دعوے کے ساتھ دیتے رہے ہیں کہ ہم تمہیں جو جواب دے رہے ہیں، وہ ہمارے اپنے فکر اور ہماری اپنی سوچ کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہمارے ظن و تخمین کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہماری اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ ہمارا خانہ زاد اور طبع زاد نہیں ہے۔ بلکہ ایک اعلیٰ ترین اور معتبر ترین ذریعہ علم اور SUPERIOR SOURCE OF GUIDANCE ہے جس سے ہمیں یہ علم ملا ہے۔ اس کائنات کے خالق و مالک نے ہمیں ان سوالات کے بذریعہ وحی جوابات دیئے ہیں، جو قطعی اور حتمی ہیں، جن میں ظن و تخمین اور شک و شبہ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ ہیں، وہ حضراتِ گرامی، جن کو ہم انبیاء کہتے ہیں۔ اور رُسل کے نام سے جانتے ہیں۔ فلاسفہ اور حکماء کے جواب میں آپ کو معلوم ہے کہ کہیں یقین کی کیفیت نہیں ہوتی وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقل "یہ" کہتی ہے۔ ہماری سمجھ میں "یوں" آیا ہے۔ ہمیں "ایسے" لگتا ہے۔ جبکہ انبیاء و رُسل کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں، وہ "الحق" ہے۔ لَارَیْبَ فِیْہِ۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ان لوگوں کی باتوں کو مان لینے کا نام اصطلاح میں ایمان ہے۔ انہوں نے جو حقائق بتائے، مابعد الطبیعیات کا جو حل انہوں نے پیش کیا، ان کی تصدیق اور ان کے اعتماد و اعتبار پر ان باتوں کو تسلیم کر لینے کا نام ہے۔

از روئے قرآن مجید یہ ایمان انسان کی کامیابی کی پہلی منزل ہے۔ یہ شرطِ اول ہے۔ یہ وہ پہلا قدم ہے، جس کے بارے میں ایک فارسی شاعر کہتا ہے کہ ؎ شرطِ اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی۔ اس کے بغیر آگے چلنے کا کوئی امکان نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ جان لیجئے کہ اس ایمان کے دو درجے ہیں۔ اس میں ایک تصدیق ہے زبانی اور لفظی۔ اور ایک تصدیق ہے قلبی۔ یہیں سے اب ہماری بات آگے چلے گی۔

ایمان جب تک صرف نوکِ زبان پر ہے تو اس کا امکان ہوگا کہ انسان کے کردار میں اس کے اثرات ظاہر نہ ہوں۔ قول و فعل کا تضاد تو ہمیں اپنے معاشرہ میں عام نظر آتا ہے، یہ عام مشاہدے کی چیز ہے ۔ پس جب تک ایمان صرف نوکِ زبان پر ہے، انسان کے عملی رویّہ میں ہو سکتا ہے کہ اس اقرار کے مخالف چیزیں نظر آئیں ۔ لیکن جب یہ ایمان قلب کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ جب یہ تصدیقؔ بالقلب کی شکل اختیار کرتا ہے۔ تو اب اس کا کوئی امکان نہیں کہ انسان کے عمل میں، اس کے کردار میں، اس کی روش میں، اس کے معاملات میں اور اس کے رویّہ میں اس کے اثرات ظاہر نہ ہوں ۔ چنانچہ یہ ہے وہ حقیقت جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے اکثر احادیث میں بیان فرمایا ہے جو میں آگے پیش کروں گا۔ یہاں یہ پیشِ نظر رہے کہ پہلا زبانی اقرار والا ایمان، قانونی ایمان ہے۔ جس کی بنیاد پر اس دنیا میں ہم کسی کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس میں سارا دارومدار اقرارؔ باللسان پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہم کسی کے قلب کی گہرائیوں میں اُتر کر ہم نہیں دیکھ سکتے کہ ایمان ہے یا نہیں۔ لیکن اصل ایمان، دل کی گہرائیوں میں جاگزیں اور راسخ ہو جانے والا ایمان ہے ۔ جیسے سورہ حجرات میں فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ۔ " مگر اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لیے دل پسند بنا دیا۔" آگے اسی سورۂ حجرات میں فرمایا قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ۔ " یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے ہو۔ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ۔ ہم نے اسلام قبول کر لیا۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔" ایمان جب فی الواقع دل میں جاگزیں اور راسخ ہو جائے گا تو دنیا بدل جائے گی۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا ؎

چوں بجاں در رفت جاں دگر شود　　جاں چوں دگر شد جہاں دگر شود

اب ایسے شخص کو ایک بدلا ہوا انسان ہونا چاہیے

یہ ہے حقیقی ایمان کا عملِ صالح سے تعلق ۔۔۔ اس تعلق کی تفہیم کے لیے میں چند احادیث پیش کرتا ہوں۔ پہلی حدیث کے راوی ہیں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسے امام بیہقی شعب الایمان میں لائے ہیں۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ: قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ: لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ۔ " شاذ ہی ایسا ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا ہو اور اس میں یہ بات آپؐ نے نہ فرمائی ہو کہ جس شخص میں امانت داری کا وصف نہیں ہے، اس کا کوئی ایمان نہیں اور جس شخص میں پاسِ عہد نہیں ہے، اس کا کوئی دین نہیں ہے۔" اسی طرح حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں اور یہ روایت متفق علیہ ہے یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ ذرا توجہ سے سنیے۔ حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ قسم کھائی: وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ۔ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ۔ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ۔ " اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔" آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رض کس طرح لرز اٹھے ہوں گے کہ کون ہے وہ بدبخت انسان جس کے بارے میں حضورؐ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کے ایمان کی نفی فرما رہے ہیں! تو ڈرتے ڈرتے پوچھا گیا: قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ "اے اللہ کے رسولؐ آپ کس کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں؟" آں حضورؐ نے جواب میں فرمایا: اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ " وہ شخص کہ جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی امن میں نہیں ہے" یہ ہے تعلق ایمان کا عملِ صالح سے۔ یہ لازم و ملزوم ہیں۔ قانونی سطح پر یہ دو علیحدہ علیحدہ مدارج (Dimensions) ہیں۔

ن حقیقت کی سطح پر یہ دونوں ایک وحدت ہیں۔ ان کے مابین چولی اور دامن
علق ہے۔

غور فرمایئے کہ آں حضورؐ نے کس قدر تاکید کے ساتھ اس شخص کے ایمان
نفیٔ کلی کا اعلان فرمایا ہے جس کی ایذا رسانیوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔
رہ بات ہے جس کو ہم زیادہ سے زیادہ بداخلاقی پر محمول کرتے ہیں۔ یہ گناہ
یرہ میں سے نہیں۔ شرک، قتلِ ناحق، زنا، سود خوری، چوری اور ڈاکے جیسے
اہوں میں سے نہیں بلکہ ایک معاشرتی اور اخلاقی برائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا
، کہ ایمان کا عمل صالح سے کتنا گہرا ربط و تعلق ہے۔ ایک اور حدیث سن لیجئے۔
ں کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضؓ ہیں اور یہ روایت بھی متفق علیہ ہے۔ حضرت
ہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ،
دَ یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ
یْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُ
ھُوَ مُؤْمِنٌ ""۔ یعنی کوئی بدکار حالتِ ایمان میں بدکاری نہیں کرتا اور
وئی چور حالتِ ایمان میں چوری کرتا ہے اور نہ کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب
تی کرتا ہے۔" گویا ان گناہوں کا صدور ہوتا ہی اس وقت ہے جب کسی
ب سے حقیقی ایمان دل سے زائل ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کے لحاظ سے "قانوناً"
مسلم و مومن ہی شمار ہوگا۔ اس کی تکفیر نہیں ہوگی۔ لیکن ایسا شخص حقیقی ایمان
ا دولت سے محروم ہو جائے گا اور وہ اسے تب نصیب ہوگا جب وہ شعوری
ور پر توبہ کر لے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح کا چولی دامن کا ساتھ ہے
ر یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں بلکہ صحیح و درست عمل اور عمدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار
یمانِ حقیقی کا لازمی جزو ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کا مستقل اسلوب
ہے کہ ایمان کے بعد اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر عملِ صالح کا ذکر ضرور ہوتا ہے
یہی وجہ ہے کہ سورۃ العصر میں ایمان کے بعد نجات، فوز و فلاح حاصل کرنے اور خسران

سے بچنے کی دوسری شرط کے طور پر عمل صالح کا ذکر کر دیا گیا۔ اس طرح آخرت کی کامیابی و کامرانی کے صراطِ مستقیم کے اب تک دو سنگ ہائے میل سورۃ العصر کے مطالعے سے ہمارے سامنے آئے۔ پہلا ایمان اور دوسرا عمل صالح۔

اب آگے چلیے۔ جب عملِ صالح ایک انسان کی شخصیت اور اس کی سیرت میں پختگی کو پہنچتا ہے تو اس کا ایک منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اس سے آس پاس کے ماحول میں نفوذ کرتا ہے۔ اگر انسان میں نیکی ہے اور فی الواقع ہے۔ وہ صرف ملمع نہیں ہے بلکہ حقیقتاً نیکی ہے تو ممکن نہیں ہے کہ نیکی ماحول میں سرایت نہ کرے۔ اگر آگ، آگ ہے، صرف آگ کی صورت نہیں ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ حرارت ماحول میں اس سے نفوذ نہ کرے۔ یہیں سے منطقی تعلق عمل صالح کا وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے قائم ہوتا ہے۔ میں نے ایک تو طبعی قانون بیان کر دیا۔ لیکن میں چاہوں گا کہ اس ضمن میں دو چیزوں کا آپ اور اضافہ کر لیں۔ پہلی یہ کہ انسان میں اگر شرافت و مروّت کی کوئی رمق موجود ہے تو عقل اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز اُسے ملی ہے، جو بھلائی اُسے میسّر آئی ہے۔ وہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔ اچھی بات آپ کے علم میں آئی، کوئی خیر آپ کو ملا، اور آپ نے اُسے اپنی ذات تک محدود رکھا تو یہ بڑی خودغرضی ہوگی۔ شرافت و مروّت اور انسان دوستی مقتضی ہوگی کہ آپ اُسے پھیلائیں، اُسے عام کریں۔ لوگوں کو اس میں شریک کریں۔ یہی وہ بات ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں آئی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

لا یؤمن احدکم۔ تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوگا۔ حتّٰی یُحبّ لاخیہ مایحب لنفسہٖ۔ جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ تو اگر خیر، بھلائی اور نیکی فکر کی یا عمل کی کسی انسان کو میسّر آئی ہو تو اس میں اپنے بھائیوں کو، اپنے عزیزوں کو، ابناءِ نوع کو شریک کرے یہ شرافت اور مروّت کا تقاضا ہے۔ اس سے آگے بڑھیے ایک شے اور بھی ہے جس کا نام حمیّت و غیرت ہے۔ اگر حق آپ پر منکشف ہوا تو اس

حق کی غیرت و حمیّت کا تقاضا یہ ہوگا کہ آپ اس حق کا پرچار کریں۔ اس حق کا بول بالا کریں۔ اس کے لیے جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں۔ سقراط کا معاملہ ذہن میں رکھیے۔ کچھ حقائق اس پر منکشف ہوئے۔ اس نے ان کا پرچار شروع کیا۔ وقت کے معاشرے نے سقراط کی دعوت کو اپنے لیے خطرہ محسوس کیا۔ اقتدارِ وقت نے سقراط کے سامنے دو متبادل طریقے (Alternatives) رکھ دیئے۔ یا ان باتوں کا پرچار روک دو، اس کام سے باز آجاؤ اور یا یہ زہر کا پیالہ ہے جو تمہیں پینا پڑے گا۔ سقراط کا فیصلہ یہ تھا کہ انسان کا اس حالت میں زندہ رہنا کہ جو حق اس پر منکشف ہُوا ہے وہ اسے بیان نہ کر سکے، اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ زہر کا پیالہ پی کر اپنی زندگی قربان کر دے۔ چونکہ کوئی تیسرا موجود ہی نہ تھا۔ پس غیرت و حمیّت کا تقاضا یہی ہے کہ جو سچائی آپ پر منکشف ہوئی ہو اس کا آپ واشگاف اعلان کریں — یہ ہے ربط و تعلق عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے بعد وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کا ۔" اور وہ باہم ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔" پس صراطِ مستقیم کا یہ تیسرا سنگِ میل ہے۔

ہمارے دین میں غیرتِ حق اور حمیّتِ دینی کا کیا مقام ہے! اُسے ایک حدیث سے سمجھیے جس کو امام بیہقیؒ "شعب الایمان" میں لائے ہیں اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے جو خطبات جمعہ تالیف کیے ہیں، ان میں مولانا رح نے اس حدیث کو تقریباً ہر خطبے میں شامل کیا ہے۔ گوشِ ہوش سے حدیث سُنیے۔ بڑی لرزا دینے والی حدیث ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَوْحَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِأَهْلِهَا "اللہ تعالیٰ عزّ و جلّ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ فلاں اور فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں پر الٹ دو۔" قَالَ فَقَالَ: "يَا رَبِّ إِنَّ فِيْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ۔" رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے بارگاہِ

ربّ العزت میں عرض کیا: اے میرے رب! اس بستی میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے آنکھ جھپکنے کی مدت کے برابر بھی کوئی لمحہ تیری معصیت میں بسر نہیں کیا" اب جگر تھام کر بارگاہِ خداوندی کا فیصلہ سُنیئے: قَالَ فَقَالَ: "اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس بستی کو پہلے اس پر اُلٹو پھر دوسروں پر، اس لیے کہ اس شخص کا چہرہ ہمارے دین کی پائمالی دیکھ کر اس کی غیرت و حمیت میں اس کے چہرے کا رنگ ایک دفعہ بھی متغیر نہیں ہوا" میں جب بھی یہ حدیث سُنتا ہوں خود مجھ پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ غور کیجئے کہ گواہی دینے والے کون! حضرت جبرئیل علیہ السلام، جن کی امانت و صداقت کی خود اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم میں گواہی دی ہے: ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۔ اور گواہی اس ہستی کے حضور میں دی جا رہی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ: لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۔ لیکن انفرادی طور پر نیک ہونا اس شخص کے کام نہ آیا۔ چونکہ اس نے تواصی بالحق کی ذمہ داری ادا کرنے میں غفلت اور بے پروائی اختیار کی تھی۔ اس حدیث سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اخروی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی تیسری شرط لازم تواصی بالحق ہے۔

اب آخری شرط کا بیان رہ گیا۔ یہ بات تو بہت ہی سادہ ہے۔ ایک عام کہاوت ہے: اَلْحَقُّ مُرٌّ ۔ حق کڑوا ہوتا ہے۔ سچی بات سننا تو لوگوں کو پسند نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا بھی اگر آپ اعلان کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ کسی کو وہ بُری لگے اور آپ کو اس کی طرف سے آزردگی (Resentment) اور انتقامی کارروائی (Retaliation) کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر یہاں "حق" محدود معنی میں نہ ہو بلکہ اپنے جامع اور گھمبیر معنی میں ہو جیسا کہ فی الواقع ہے۔ اس

کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس کا مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ یہ زمین اللہ کی ہے اس پر اسی کا حکم چلنا چاہیئے۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ کوئی اور ــــ کسے باشد، وہ کوئی شخص واحد ہو یا کوئی قوم ہو یا پوری نوعِ انسانی بحیثیتِ مجموعی ہو، اس مالکِ حقیقی کے حکم کو پس پشت ڈال کر اگر اپنی مرضی چلائے تو وہ باغی ہے۔ ایسے تمام لوگ مفسدین شمار ہوں گے ان کے خلاف حق کا پرچار کرنا۔ حق کا بول بالا کرنے کے لیے سعی و جہد کرنا ہر اس شخص پر لازم، واجب اور فرض ہے جو مدعی ایمان ہو۔ اگر ایسا انسان اس مقصد کے لیے کھڑا ہو جائے تو ظاہر بات ہے کہ اب "صبر" کا مرحلہ شروع ہوگا۔ جھیلنے اور برداشت کرنے کی راہ سے سابقہ پیش آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس راہ میں جان چلی جائے تو اس کے لیے بھی آمادہ اور تیار رہنا ہوگا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ ہے وہ مقام جہاں انسان کی سیرت اور اس کے کردار کا اصل امتحان ہوتا ہے۔ یہ اصل ہے۔ اس کا نام ہے تواصی بالصّبر۔ ایسے لوگ خود بھی صبر کا دامن تھامے رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو بھی صبر کی روش پر جم جانے کی تاکید و نصیحت کرتے ہیں۔

یہ ہیں وہ چار چیزیں۔ نجات کی ناگزیر شرائط۔ فوز و فلاح کے ناگزیر لوازم۔ یہ صراطِ مستقیم کا چوتھا سنگِ میل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معمولی سطح پر بھی جو صحیح بات سامنے آجائے تو عقل و فطرتِ سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس راستے پر چلیں۔ پہلے حقیقت کی تلاش ـ پھر اس حقیقت کو خود قبول کرنا۔ پھر اس حقیقت کا اعلان، اس کا پرچار۔ پھر اس اعلان میں جو تکلیف بھی آئے، اس کو جھیلنا۔ یہی معاملہ ایک بہت بڑی سطح پر، انسانی زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں، اس کائنات کے تمام حقائق کو سمو کر جب یہ چار چیزیں آئیں گی تو ان کا اصطلاحی نام ہوگا ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے مضامین کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہی چار مضامین

آپ کو ملیں گے۔ ان ہی کی تفصیلات و تشریحات ملیں گی۔ قرآن مجید میں یا ایمان کے تفصیلی مباحث ہیں، یا اعمال صالحہ کی تفصیلی بحثیں ہیں یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد و قتال فی سبیل اللہ، شہادتِ حق علی الناس، دعوتِ حق اور صبر و مصابرت کی بحثیں ہیں۔ ایک پانچویں چیز آپ کو قرآن حکیم میں امم سابقہ اور سابق انبیاء و رسل کے واقعات و حالات سے متعلق ملے گی۔ اس کی طرف اسی سورہ مبارکہ 'والعصر' میں اشارہ موجود ہے۔ اس اعتبار سے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں اور پہلی نشست میں عرض کر بھی چکا ہوں اور یہ حقیقت اس وقت آپ پر پوری طرح منکشف بھی ہو چکی ہو گی کہ سورہ العصر کی حیثیت اُس بیج کی سی ہے جس میں بالقوۃ پورا درخت پنہاں ہوتا ہے۔ آم کی گٹھلی میں Potentially پورا آم کا درخت موجود ہے بالکل اسی طرح سورۃ العصر میں قرآن حکیم کی تمام تعلیمات کو سمو دیا گیا ہے۔ اور یہی اس سورہ مبارکہ کا وہ اصل مقام ہے جس کے اعتبار سے میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کا وہ حکیمانہ قول آپ کو سنایا تھا کہ: لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ۔ "اگر لوگ صرف اس ایک سورت پر تدبر کریں، غور و فکر کریں تو یہ ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی ہو جائے گی۔"

اب اس ضمن میں آج کی اس نشست کے شرکاء میں سے اگر کوئی صاحب کوئی مزید وضاحت طلب کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔

سوال: ڈاکٹر صاحب، آپ نے پچھلے دروس میں اور اس درس میں سورۃ العصر کی بڑی اہمیت اور شان بیان کی ہے۔ اس کو آپ نے قرآن مجید کی جامع ترین سورۃ بھی قرار دیا ہے۔ ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ جب ہم کسی سورۃ کی شان یا اہمیت بیان کرتے ہیں، تو کیا اس سے دوسری سورتوں کی اہمیت تو کم نہیں ہوتی۔؟

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا، اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہُوا ہو تو اس کی بھی تصحیح ہو جائے گی۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ قرآن مجید میں مختلف مقامات، مختلف سورتوں یا مختلف آیتوں کی مختلف اعتبارات سے عظمت

اور اہمیت ہے۔ مثلاً عقیدہ توحید کے بیان میں سورۃ الاخلاص گویا کہ چوٹی پر ہے
نبی اکرمؐ نے اسے ثلثِ قرآن کے مساوی قرار دیا۔ ایمانیاتِ ثلاثہ میں سے
توحید پر ایمان ہی چوٹی والا اور اساسی ایمان ہے۔ اسی پر دوسرے ایمانیات
Base کرتے ہیں۔ پھر توحید ہی کے موضوع پر آیت الکرسی بہت اہم ہے۔ اس
کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ یہ قرآن کی تمام آیات کی سردار ہے۔ حضورؐ نے سورہ
یٰسٓ کو قرآن کا دل اور سورہ رحمٰن کو قرآن کی دلہن فرمایا۔ تو ع

ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است

قرآن حکیم کی سورتوں پر یہ حقیقت پورے طور پر منطبق ہوتی ہے۔ کوئی آیت، کوئی
سورت کسی خاص پہلو سے عظیم ترین ہوگی۔ دوسری آیات، دوسری سورتیں دوسرے
اعتبارات سے عظیم ترین ہوں گی۔ لہٰذا ایک کی عظمت کے بیان میں دوسری کی
تنقیص کا لازماً نتیجہ نہیں نکلتا۔

سوال: میں نے سنا ہے کہ سورۃ العصر کو بعض لوگ مکی اور بعض لوگ مدنی کہتے ہیں۔
کیسے پتہ چلتا ہے کہ کونسی سورت مکی ہے اور کونسی مدنی۔ اور یہ سورت مکی ہے یا
مدنی۔؟

جواب: سورۃ العصر کے بارے میں تو میرے علم کی حد تک اجماع ہے کہ یہ مکی سورت
ہے۔ لیکن بعض سورتوں اور آیتوں کے متعلق اس نوع کا اختلاف پایا جاتا ہے اس
کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اصل چیز اس کا TEXT ہے۔ آپ نے جو مفہوم اخذ
کرنا ہے وہ اس کے متن (TEXT) سے کرنا ہے۔ اور اس سورہ العصر کے بارے
میں پہلے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ اس سورہ میں کوئی واقعہ زیرِ گفتگو نہیں آیا۔
بلکہ اس میں ایک عالمگیر سچائی (Universal Truth) بیان کی گئی ہے
لہٰذا یہ مکی ہو یا مدنی اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

حضرات! ہم نے سورہ العصر پر تین نشستوں میں کافی گفتگو کر لی ہے۔ اگرچہ
سورۂ مبارکہ اتنی Profound غامض وعمیق اور بصیرت افروز ہے کہ
اس طرح کی دس اور نشستیں بھی ہوں تب بھی ہم سیری محسوس نہیں کریں گے کہ

ہم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ تاہم جیسا کہ مَیں نے پہلے دن عرض کیا تھا کہ اس سورہ مبارکہ کا جو اصل حاصل ہے، اس کا جو لبِ لباب ہے۔ اس کا جو اصل سبق ہے۔ اس کی جو اصل رہنمائی ہے وہ ہمیں آخری آیت سے حاصل ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ از روئے قرآن مجید کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح چار شرائط سے مشروط ہے (۱) ایمان (۲) عملِ صالح (۳) تواصی بالحق (۴) تواصی بالصبر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں میں شامل فرمائے جو ان چاروں شرطوں کو پُورا کرنے والے ہوں۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

معراج النبیؐ

علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک خطاب

ترتیب و تسوید : جمیل الرحمٰن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

فقال اللہ تبارک و تعالیٰ فی سورۃ بنی اسرائیل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ (آیت ۱)

وَقَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ النَّجْمِ۔

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ہ اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ہ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی لا عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی ہ عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی ط اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی لا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ہ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ہ (آیات ۱۱ - ۱۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل

حقدة من لسانی یفقھوا قولی۔ اللّٰھم ربنا الھمنا
رشدنا واعذنا من شرور انفسنا۔ اللّٰھم ربنا
ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل
باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

حضرات! آج مغرب کے وقت سے ماہِ رجب المرجب کی ستائیسویں شب کا آغاز ہوا ہے اور معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں جو روایات ملتی ہیں، ان سے اس کی تاریخ اور سن کا جس حد تک بھی تعیّن ممکن ہے تو وہ آں حضورؐ کا باونواں سن ولادت ہے۔ یعنی عمر شریف کا باونواں سال۔ ہجرت مدینہ سے لگ بھگ ڈیڑھ سال قبل۔ ماہِ رجب کی ستائیسویں شب کو وہ محیر العقول واقعہ پیش آیا کہ جسے ہم "معراج" کے نام سے جانتے ہیں۔ اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے! اس کی اہمیت کیا ہے! اس موضوع پر گفتگو کرنے کے ضمن میں سب سے پہلے ہمیں یہ متعیّن کرنا ہوگا کہ اس واقعہ کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع (SOURCES) کیا ہیں! ظاہر بات ہے کہ ہمارے لیے کسی بھی ضمن میں مرجع اوّل اور اوّلین بنیاد قرآن مجید ہے: قرآن حکیم میں واقعہ معراج کا ذکر دو مقامات پر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں نہ کسی اشارے یا کنائے یا رمز یا ایما کا اسلوب اور انداز ہے اور نہ اس میں کوئی ابہام ہے، نہ کوئی ایہام ہے۔ بلکہ صراحت کے ساتھ واضح الفاظ میں ذکر ہے۔ اس سفر مبارک کے دو ہی حصے ہیں۔ ایک اس کا زمینی حصہ ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ اور ایک اس کا آسمانی حصہ ہے یعنی مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس واقعہ کے دونوں حصوں کو جدا جدا بیان کیا گیا۔

پندرہویں پارے کی بھی پہلی آیت ہے اور سورۃ بنی اسرائیل کی بھی پہلی آیت جس میں اس زمینی سفر کا ذکر ہے جس کی میں نے آغاز میں پہلے تلاوت کی تھی۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو شب کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصا تک۔" الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ "جس کے ماحول (گرد و پیش) کو ہم نے مبارک بنایا" لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا

"تاکہ ہم دکھائیں اسے (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نشانیوں میں سے نشانیاں۔" اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ" یقیناً سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہ (تبارک و تعالےٰ) ہے۔" جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ یہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔ نوٹ فرمالیں کہ اس سورہ مبارکہ کا دوسرا نام سورۃ الاسراء بھی ہے بلکہ عرب ممالک میں جو قرآن مجید طبع ہوتے ہیں ان میں اسے سورہ بنی اسرائیل کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا بلکہ سورۃ الاسراءُ کے نام سے کیا جاتا ہے۔

اس سفرِ مبارک کا جو آسمانی حصّہ ہے، اس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے۔ وہ آیات بھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھیں۔ ان کا ترجمہ میں بعد میں اپنی تقریر کے دوران ہی کروں گا۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے پر مطلع ہونے کا ہمارا مرجعِ اوّل قرآن مجید ہے۔ جس میں صراحت کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس وضاحت سے یہ بات جان لیجئے کہ اس واقعہ کی بنیاد صرف احادیث پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں بصراحت اس کا ذکر ہے لہٰذا اس کا انکار کفر ہوگا۔ اگرچہ توجیہ، تاویل اور اس کی اصل حقیقت کیا تھی! ان اعتبارات سے الفاظِ قرآنی میں جس حد تک گنجائش ہو اس حد تک اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے کفر نہیں سمجھا جائے گا۔

اس واقعہ کا مرجعِ ثانی احادیث نبویہؐ ہیں ـــــ ہمارے دین کے یہ دو بنیادی مآخذ ہیں، قرآن و حدیث۔ اسی کو اصطلاحاً کتاب و سنّت بھی کہا جاتا ہے یہ معروف بات ہے کہ احادیث میں درجہ بندی ہے۔ سند کے اعتبار سے قوی ترین احادیث وہ ہیں جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان میں سے بھی وہ احادیث جو ان دونوں میں موجود ہوں جن کی صحت پر یہ دونوں امام متفق ہو گئے ہوں، وہ اپنی سند کے اعتبار سے قرآن مجید کے آس پاس پہنچ جاتی ہیں۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات جان لیجئے کہ اگرچہ ایسی احادیث کی تعداد کثیر ہے جن میں مختلف تفاصیل مذکور ہیں۔ تاہم نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ کم از کم اٹھائیس صحابہ کرام رضؓ ہیں کہ جن سے یہ واقعہ معراج مروی ہے ۔

چونکہ ایک ہی روایت کئی کئی صحابہ رضؓ سے مروی ہے اس اعتبار سے روایات کی تعداد تو بڑھ جائے گی لیکن اٹھائیس صحابہؓ ہیں جن سے واقعہ معراج کا ذکر تفصیلاً یا اجمالاً مروی ہے۔ پھر ان میں ایک بڑی مفصل روایت وہ بھی ہے جو متفق علیہ ہے یعنی احادیث کے اس طبقے سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کے بارے شک وشبہ کی گنجائش بہت ہی کم رہ جاتی ہے بلکہ صحیح تر بات یہ ہو گی کہ معدوم کے درجے میں آجاتی ہے۔ اس متفق علیہ حدیث میں جو تفاصیل آئی ہیں، انہیں ہمیں من وعن ماننا ہو گا۔

اس تمہید کے بعد پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ اس واقعہ کی نوعیت کیا ہے۔ ۱۔ آیا یہ کوئی منفرد واقعہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو پیش آیا ہے۔ ۲۔ یا یہ کہ یہ نبوت ورسالت کے مستقل معاملات میں سے ایک معاملہ ہے۔ اور مختلف انبیاء ورسل کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ ۳۔ اگر پیش آیا ہے تو اس میں جو فرق وتفاوت ہے وہ آیا نوعیت کا ہے یا کیفیت کا۔ ۴۔ یہ بات جان لیجئے کہ مکاشفات، مشاہدات، یہ تو نبوت کے جزو لاینفک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء ورسل اس منصب اور خدمت پر مامور ہوتے ہیں کہ اُن امورِ غیبی کی اطلاع دیں جن پر ایمان لانا لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ والاصفات ہے۔ جو ذات وصفات کے اعتبارات سے احد ہے، ملائکہ ہیں۔ اسی طریقہ سے جو آئندہ پیش آنے والے واقعات ہیں، جب تک وہ پیش نہ آجائیں وہ پردۂ غیب میں ہیں۔ یوم الآخر، قیامت کا دن۔ ایک امرِ غیبی ہے۔ بعثِ بعد الموت، حشر ونشر، وزنِ اعمال، جزاء وسزا یہ سب امورِ غیبی ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے جس کے متعلق یا یوں کہہ لیں کہ وہ تو غیب میں ہے یا یوں کہہ لیں کہ ہم اُس سے غیب میں ہیں۔ نتیجۃً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس ذاتِ عزّ وجل اور ہمارے مابین غیب کا پردہ حائل ہے۔ یہ وہ چیزیں اور وہ امور ہیں جن پر ایمان لانا لابدّ منہٗ ہے۔ ہدایت کا نقطۂ آغاز ہی یہ ہے کہ ان باتوں کو مانا جائے۔ یہی وجہ ہے، کہ سورہ بقرہ میں ہدایت کے لیے جو شرطِ اوّل بیان کی گئی ہے، وہ یہی ایمان بالغیب ہے۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔۔۔ یہ شرط اوّل ہے۔ اب جو ہستیاں اس خدمت پر مامور ہوئی ہوں کہ وہ ان امورِ غیبیہ پر ایمان کی دعوت دیں، ظاہر ہے کہ انھیں تو ان پر بدرجہ کمال و تمام ایمان و یقین ہونا چاہیئے۔ جب تک وہ ایمان و یقین ان کے اندر اپنے تمام و کمال کو پہنچا ہوا نہیں ہوگا تو وہ دوسروں تک اس ایمان بالغیب کو کیسے منتقل کریں گے!

اب یہ بھی جان لیجئے ایمان و یقین کے مراتب ہیں۔ ایک یقین وہ ہے جو فکر و نظر اور تعقّل و تفکّر کے نتیجے میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک یقین وہ ہے جو خود ذاتی مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بلند تر ایک درجہ وہ ہے کہ جو انسان کے ذاتی تجربے اور احساس پر مبنی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ان مدارج کے لیے تین اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ۔۔۔ علم الیقین یہ ہے کہ آپ نے استنباط کیا، استدلال کیا اور کسی چیز کا علم آپ کو حاصل ہوا اور آپ کو یقین آگیا۔ عین الیقین یہ ہے کہ آپ نے کسی چیز کو دیکھا اور آپ کو یقین حاصل ہو گیا ۔۔۔ اور حق الیقین کا درجہ ان دونوں سے بلند ہوگا۔ یہ یقین وہ ہوگا جو انسان کے اپنے ذاتی تجربے کا ایک جزو بن جائے۔ میں ایک مثال سے اس کو واضح کروں گا۔ بڑی سادہ سی مثال ہے، شاید آپ نے اُسے سن رکھا ہو۔ وہ یہ کہ اگر آپ دیکھیں کہ کہیں دھواں ہے تو آپ کو استدلال کے ذریعہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہاں آگ ہے۔ اس لیے کہ آپ کو کلیۃً معلوم ہے کہ دھواں اور آگ لازم و ملزوم ہیں۔ آگ اگرچہ آپ نے نہیں دیکھی۔ آپ نے دھواں ہی دیکھا ہے۔ لیکن اس کو دیکھ کر آپ کو استنباط سے اور استدلال سے آگ کے وجود پر یقین آگیا۔ یہ علم الیقین ہے۔ اب آپ نے قدم بڑھایا، بھاگے دوڑے اور آپ وہاں پہنچے جہاں سے دھواں اُٹھ رہا تھا اور آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے آگ کا مشاہدہ کر لیا تو یہ علم الیقین سے بلند تر درجہ ہے اور یہ عین الیقین ہے۔ جیسے عربی میں کہا جاتا ہے کہ "لیس الخبر کالمعاینۃ" کسی کو بتانے سے جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ اس درجے کا نہیں ہو سکتا جو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔"

فارسی میں کہتے ہیں کہ "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ"۔ سُننے سے جو علم حاصل ہو وہ اس کے برابر نہیں ہوتا جو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا جو بلند ترین درجہ ہے وہ اصل میں آگ کی اصل حقیقت کا ادراک ہے۔ آپ نے آگ آنکھ سے دیکھ لی۔ لیکن اس وسوسے کا امکان ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ کی سی صورت ہو، حقیقی آگ نہ ہو۔ سورۃ النجم میں جو آیا ہے کہ: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ "نظر نے جو دیکھا دل نے اُس کو جھٹلایا نہیں"۔ اس میں اسی وسوسے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت انسان کسی شے کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن یقین نہیں آتا کہ میں ٹھیک دیکھ رہا ہوں اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انسان پکار اُٹھتا ہے کہ: "آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب"۔ "اے اللہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یہ بیداری میں دیکھ رہا ہوں یا کہ خواب میں دیکھ رہا ہوں"۔ دیکھ ضرور رہا ہوں لیکن یقین نہیں آ رہا۔ اس وسوسے کا کلیتہً ازالہ اُس وقت ہو جائے گا جب وہ آگ آپ کو چھو جائے یا آپ اس آگ کو خود چھو لیں۔ اب یقین ہو جائے گا کہ یہ آگ صورتِ آگ نہیں بلکہ حقیقتِ آگ ہے۔ یہ واقعتاً آگ ہے۔ اس تجربے ہی سے آپ کو صحیح اندازہ ہو گا کہ آگ کہتے کسے ہیں! اگر کبھی انگارے نے آپ کے جسم کے کسی حصّہ کو چھوا نہ ہو اور آپ نے ساری عمر آگ صرف دیکھی ہو تو اس کی اصل حقیقت کا علم اور ادراک آپ کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ آگ آپ کے جسم سے کہیں مس نہ ہوئی ہو۔ یہ ہے وہ ذاتی تجربہ جس کی رسائی انسان کے اپنے احساس تک ہو جاتی ہے تو اس کو کہا جائے گا حق الیقین۔

اب ظاہر بات ہے کہ انبیاء و رسل کو جو یقین دوسروں تک منتقل کرنا ہے اس کے لیے ان کا تجربہ، ان کا معائنہ اور ان کا مشاہدہ اگر نہ ہو تو یقین کا وہ درجہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدّی ہو جائے، لوگوں تک پہنچے، پھیلے۔ جیسے اگر آگ کی بھٹی ہو تو اس سے حرارت خود بخود نکلتی ہے اور دوسروں تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ہے اصل میں وہ سبب جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ عالمِ ملکوت کے مشاہدات انبیاء و رسل کو کراتا ہے۔ یہ مکاشفات کی شکل میں بھی ہوتے ہیں۔ یہ رؤیا کی شکل میں بھی ہوتے ہیں۔ یہ حالتِ نوم میں بھی ہوتے ہیں اور حالتِ بیداری میں بھی ہوتے ہیں۔ ان دونوں

یعنی نوم و بیداری کی درمیانی کیفیت میں بھی ہوئے ہیں۔ بین النوم والیقظہ۔ اس میں کچھ چیزوں کو مثل کرکے بھی دکھایا گیا ہے۔ بعض حقائق کا براہِ راست مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ جیسے جیسے مراتب ہیں ویسے ویسے ہی ان تجربات و مشاہدات کا معاملہ ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۷۵ میں فرمایا گیا: وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلْمُوقِنِينَ ۝ "اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے رہے ملکوت السموٰت والارض"۔ اس کائنات کی ہماری خفیہ حکومت کا جو انتظام و انصرام ہے۔ اس کے جو کارندے ہیں، اس کی جو سول سروس ہے یعنی ملائکہ لیکن جو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ ملائکہ تو ہر جگہ ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہیں۔ کراماً کاتبین موجود ہیں۔ لیکن وہ مخفی ہیں۔ وہ غیب میں ہیں یا ہم اُن سے غیب میں ہیں۔ اس عالم کا ابراہیمؑ کو مشاہدہ کرایا جاتا رہا ہے۔ وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ۔ حضرتِ ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی اس خفیہ حکومت، اس عِلوی حکومت کے رموز و اسرار اور معاملات دکھائے جاتے رہے ہیں۔ اس آیت کا آخری ٹکڑا میری اس گفتگو کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ: وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلْمُوقِنِينَ "تاکہ وہ (یعنی حضرت ابراہیمؑ) اصحابِ یقین میں سے بن جائے۔" ایمان تو محض خبر کی بنیاد پر بھی ہے لیکن میں نے یقین کا جو بلند ترین درجہ عرض کیا ہے وہ مشاہدے اور ذاتی تجربے کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ اس بلند ترین درجے کا یقین انبیاء و رسل کو دینا مقصود ہوتا ہے لہٰذا انہیں یہ مشاہدات تجربات کرائے جاتے ہیں۔ البتہ جیسے نبوت و رسالت کے سلسلے کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ہوئی ہے، اسی طریقے سے ان مشاہدات کے بارے میں بھی چوٹی کا مشاہدہ اور ذاتی تجربات کے ضمن میں بھی بلند ترین تجربہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہُوا۔ جسے ہم معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ لیکن نبی اکرمؐ کے بارے میں یہ بات ضرور ذہن میں رکھئے کہ یہ واحد تجربہ نہیں ہے، آپؐ کو بے شمار تجربات ہوئے ہیں۔ آپؐ صلوٰۃ استسقاء پڑھا رہے ہیں اور جنت آپؐ کے سامنے لے آئی گئی۔ اور بے اختیار آپؐ کا ہاتھ اُٹھا اور آگے بڑھا تاکہ

آپ جنت کے کسی درخت کا پھل یا میوہ توڑ لیں۔ یہ ہاتھ کا اُٹھنا اور بڑھنا ایک بے اختیارانہ عمل تھا۔ اس نوع کے عمل میں کسی ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ پھر جو سامنے سے آئی گئی اور آپؐ بے اختیار اس کی حرارت، اس کی گرمی اس کی دہشت سے اچانک پیچھے ہٹے۔ یہ پورا تجربہ نماز میں ہو رہا ہے۔ عالمِ بیداری میں ہو رہا ہے۔ حضورؐ مجمع میں ہیں، خلوت میں نہیں ہیں، وہاں ہو رہا ہے۔ ہم ان منا... کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئے۔

اس کے حوالے سے میں چاہتا ہوں کہ معراج کے بارے میں آپ یہ بات نشین کر لیں کہ معراج کے ضمن میں جو روایات آتی ہیں، ان میں بہت اختلاف ہے۔ ایک تو ہے مجرد وہ واقعہ وہ تو متفق علیہ ہے۔ ایک اس خاکے میں جو رنگ ہیں وہ مختلف روایات میں جُدا جُدا ہیں۔ ان میں بھی ایک تو اس نوعیت کی چیزیں ہیں جن میں ہم آہنگی کی جا سکتی ہے اور وہ باہم FIT ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک واقعہ آپ نے دیکھا اور وہی واقعہ کسی اور نے بھی دیکھا تو آپ اس کو جس انداز میں بیان کریں گے ہو سکتا ہے کہ دوسرا اس کو کسی اور انداز سے بیان کرے۔ آپ اس واقعے کی کسی ایک کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں اور شاید دوسرے صاحب اس کو اجمالی طور پر بیان کریں اور کسی دوسری کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں۔ ہر شخص کا ایک اپنا ذوق اور اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اسی کے اعتبار سے واقعات کا بیان بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذوق کے اعتبار سے کوئی بات آپ کے نزدیک کم اہمیت رکھتی ہے تو آپ اُسے سنیں گے یا دیکھیں گے بھی، لیکن وہ حافظے میں محفوظ نہیں رہے گی۔ ایک دوسری چیز کی طرف آپ کو زیادہ میلان ہے اس کو آپ پوری طرح گرفت میں لائیں گے، اُسے CATCH کریں گے اور محفوظ کر لیں گے۔ تو ایک ہی واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اُسے دو نے سُنا یا پانچ نے سُنا تو جب یہ حضرات اس کو بیان کریں گے تو تھوڑا تھوڑا فرق ہو جائے گا لیکن آپ اس فرق کو جوڑ کر ایک وحدت بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا روایات میں ایک اختلاف تو اس نوعیت کا ہے جس میں کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں یہ ہوگا کہ اس واقعہ کا کوئی درمیانی یا بعد والا حصّہ کوئی شخص پہلے بیان کر دے گا اور اسے

جب یاد آجائے گا تو وہ پہلا حصّہ بعد میں بیان کردے گا۔ یہ تقدیم و تاخیر والی باتیں بھی بالکل سمجھنے میں آنے والی ہیں۔ عقلِ انسانی ان کو ہم آہنگ reconcile کر سکتی ہے۔

البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جو Inconciable ہیں۔ وہ بالکل متضاد نوعیت کی ہیں۔ مثلاً کہیں تو یہ بیان کیا گیا کہ سفرِ معراج حطیم سے شروع ہوا۔ کسی دوسری روایت میں بیان ہو رہا ہے کہ اس کا آغاز کسی گھر سے ہوا۔ حضور کے اپنے گھر یا حضرت اُمِّ ہانی رضؓ کے گھر سے، جو آں حضرتؐ کی چچا زاد بہن ہیں۔ روایت کے آخر میں الفاظ ایسے آگئے ہیں کہ: ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ "پھر میں جاگ گیا" جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ عالمِ خواب اور نیند میں ہوا۔ اس لیے "استیقظت" کے معنی کوئی اور نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا تاویل ممکن نہیں۔ یہ جو تضاد کی روایات ہیں جن کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم جوڑنا ممکن نہیں ہے۔ ایسی کی تاویل بہت سے محققینِ امت کے نزدیک یہ ہے کہ واقعہ معراج بھی ایک بار نہیں کئی بار ہوا ہے۔ اس طرح کوئی روایت بھی رد نہیں ہوتی۔ بعض محققین اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے کہ واقعہ معراج بار بار ہوا ہے۔ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد اُس روایت پر بناتے ہیں جسے وہ زیادہ معتبر سمجھتے ہیں صرف اسی کو قبول کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ بقیہ روایات کو وہ رد کر دیتے ہیں۔ سلف سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ اور یہ آئندہ بھی رہے گا۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں، وہ میں آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ کم از کم دو مرتبہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا۔

ایک مرتبہ یہ معراج ہوا ہے بالکل ابتدائی زمانے میں یعنی نبوت کے دور میں۔ یوں سمجھیے کہ یہ معراج نبوت کے سن دو یا تین میں ہوا یعنی ۴۲ یا ۴۳ سن ولادت میں۔ اور یہ معراج ہوا ہے حالتِ نوم میں۔ ایسی روایات اس کے ساتھ جڑیں گی جن کے آخر میں مذکور ہے "ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ" پھر میں جاگ گیا۔ یہ جو تجربہ ہے اس کو نیند میں ایک روحانی تجربے، ایک مکاشفے یا خواب سے تعبیر کیا جائے گا اور جو دوسرا واقعہ ہے جو انتہائی مشہور و معروف ہے اور جس کو

معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ معراج نبوّت کے سن گیارہ کے اواخر یا سن بارہ کے اوائل میں ہوا ہے۔ گویا یہ آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر شریف کا باونواں سال ہے۔ ہجرت سے لگ بھگ دو سال قبل۔ یہ واقعہ درحقیقت ان تجربات کی جو آں حضورؐ کو اس وقت تک ہوئے تھے، تکمیل ہے اور یہ تجربہ ان تمام تجربات کا نقطۂ عروج ہے۔ یہ ان کا CLIMAX ہے اور یہ سفر جو ہے وہ ہرگز نیند میں نہیں ہوا۔ یہ صرف روحانی تجربہ نہیں ہے۔ یہ کوئی رؤیا یا خواب نہیں ہے بلکہ یہ سفر ہے بجسدہٖ۔ نبی اکرمؐ کے پورے جسدِ مبارک کے ساتھ معراج کا یہ پورا کا پورا سفر پیش آیا۔ اس ضمن میں اس دَور میں جو عقلیّت پرستی۔ RATIONALISM کا دور ہے۔ اگرچہ عام پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ اس کو Eighteenth Century Rationalism کہا جاتا ہے۔ یعنی اِسے اٹھارویں صدی عیسوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن مجھے علامہ اقبالؒ کا یہ شعر یاد آیا جس میں انہوں نے مشرق و مغرب کی سوچ کا فرق یوں واضح کیا کہ ؎

وہاں دگرگوں ہے لحظہ بہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ

مغرب میں فکرِ انسانی کئی قلابازیاں کھا چکا ہے اور مشرق کے کچھ مفکرین ہیں جو ابھی تک اٹھارہویں صدی ہی کے RATIONALISM کو بیٹھے چاٹ رہے ہیں۔ اٹھارویں صدی کی وہ عقل پرستی مغرب میں ختم ہو چکی ہے۔ سائنس کے صغریٰ کبریٰ اور مقدمات و متعلقات (PREMISSES) تبدیل ہو چکے ہیں۔ اصول و مبادی بدل چکے ہیں لیکن ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو ابھی تک نیوٹونین فزکس NEWTONION PHYSICS کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں، جن کے نزدیک معراج کا واقعہ محالات میں سے ہے، ناممکنات میں سے ہے۔ میں اسی لیے کہا کرتا ہوں کہ اگر سرسید احمد خاں مرحوم نے ٹھوکر کھائی تو وہ قابلِ رحم ہیں اور معذور ہیں۔ وہ آج سے سو سوا سو سال پہلے کے انسان ہیں وہ جس سائنس کی عقل پرستی سے مرعوب تھے۔ اس سائنس کے، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ (PREMISSES) بدل گئے۔ لیکن تعجب اور حیرت تو ان لوگوں کی حالت پر ہوتی ہے جو سرسید کے فکر پر آج بھی اپنی دوکانیں چمکا رہے ہیں۔

یہ مقلدِ محض ہیں۔ ان کے پاس تو در حقیقت عقلِ عام COMMON-SENCE نام کی شئے بھی نہیں ہے کہ ان کو اندازہ ہو کہ ہم کس دور میں سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی RATIONALISM کی بات کر رہے ہیں۔

یہ آئن اسٹائن کی فزکس کا زمانہ اور دور ہے۔ وہ ڈیڑھ سو سال پہلے کی فزکس کے مقدمات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب MATTER (مادّہ) حتمی، قطعی اور ناقابلِ تردید یا اور مستحکم (Indisputable and Indissolvable) نہیں رہا۔ اب سائنس یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نظری اعتبار سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی PHYSICAL-OBJECT نور کی رفتار (Velocity of light) کے ساتھ حرکت (MOVE) کرے گا تو اس کے لیے وقت نہیں گزرے گا۔ حساب نے یہ ثابت کر دیا اگرچہ ابھی ہم اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ سب سے زیادہ رفتاریں انسان کے سامنے دو تھیں۔ ایک آواز کی رفتار۔ اس سے تو انسان آگے گزر گیا ہے۔ پہلے بندوق کی گولی آواز سے آگے جاتی تھی۔ گولی پہلے لگتی تھی آواز بعد میں آتی تھی۔ لیکن اب تو سُپر سانک جیٹس ہیں۔ آواز سے کہیں زیادہ ان کی اپنی رفتار ہے۔ اب صرف ایک رفتار رہ گئی ہے اور وہ ہے نور یا روشنی کی رفتار (VELOCITY OF LIGHT) اس سے آگے پہنچنے کا ابھی کوئی تصور ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کی جانی چاہیے کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ وہ چاہے بالفعل ہمارے لیے ابھی ACHIEVE کرنا ممکن نہ ہو لیکن یہ بات اب عقل میں آتی ہے۔ حساب کتاب سے وہ بات برآمد ہو رہی ہے۔ صرف فرق ہے انسانی قدرت اور اللہ کی قدرت کا جس کی طرف اشارہ کرکے بات شروع کی گئی کہ: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا "پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔" "مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصا تک"۔

اس آیت میں پہلی قابلِ توجہ بات لفظ "سبحان" ہے۔ جو ہستی اس فعل کی فاعلِ حقیقی ہے، وہ "سبوح" ذات ہے۔ اگر یہ بات کسی انسان کی طرف منسوب ہوتی تو بات اور تھی۔ اگر یہ فعل حضورؐ کی طرف منسوب ہوتا کہ حضورؐ خود تشریف لے گئے تو اور بات تھی۔ یہاں صورت بالفعل یہ تھی کہ:

گا "میں آیا نہیں ہوں لایا گیا ہوں"۔ حضورؐ گئے نہیں لے جائے گئے ہیں۔ اور لے جانے والی وہ ذات ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ جو پاک ہے ہر عیب سے، ہر نقص سے ہر ضعف سے، ہر کوتاہی سے، ہر درماندگی سے، اور وہ ذات سبوح ہے، منزہ ہے، ارفع ہے، اعلیٰ ہے، بالاترین ہے لہٰذا اس کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصا تک اور پھر مسجدِ اقصا سے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جائے اور واپس لے آئے اور مسجدِ حرام میں پہنچا دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ کی مراجعت پر وضو کا پانی ابھی بہہ رہا تھا اور حضورؐ کے مکان کے دروازے کی کنڈی ابھی ہل رہی تھی۔ معلوم ہُوا کہ ابھی وقت نہیں گزرا[1] یہ چیز جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آج کا جو

---

[1] اس موقع پر اس عاجز کو مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی "معراج" کے موضوع پر کی گئی ایک تقریر کا وہ حصہ اچانک یاد آگیا جو اسی مسئلہ سے متعلق تھا۔ یہ تقریر اس عاجز نے نوجوانی کے دور میں سُنی تھی۔ ایک مسجد میں تقریر تھی۔ اس زمانے میں عموماً وقت بتانے والے وہ گھنٹے ہُوا کرتے تھے جو چابی اور Pendulum (لنگر) سے چلتے تھے۔ مولانا مرحوم جب تقریر میں اس موضوع پر آئے تو انہوں نے ایک بڑی پیاری مثال سے اس مسئلہ کو سمجھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ "آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس گھنٹے میں چابی بھری ہوتی ہے لیکن یہ گھنٹہ پنڈولم کے رقص کی بدولت چل رہا ہے اور وقت بتا رہا ہے۔ اس وقت اس میں گیارہ بج رہے ہیں۔ اب اگر میں اس کو روک دوں تو یہ گیارہ بجے کے وقت پر رُک جائے گا۔ بعد ازاں ایک یا دو دن یا چند ہفتوں یا چند مہینوں کے بعد اس پنڈولم کو حرکت دی جائے تو یہ ٹھیک گیارہ بجے سے جہاں اسے روکا گیا تھا حرکت میں آجائے گا۔" مولانا نے یہ مثال دے کر آگے فرمایا کہ "ہم جس اللہ کو مانتے ہیں، وہ علیٰ کل شئ قدیر اللہ ہے اور اس کائنات کے رواں دواں رہنے میں ہر لحظہ اور ہر آن اسی کا حکم کارفرما ہے۔ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ اب جبکہ اس نے اپنے بندے محمد رسول اللہ کو معراج عطا فرمایا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ

ذہن ہے، اس کی رُو سے یہ بات ناقابلِ قیاس اور ناقابلِ یقین نہیں رہی ۔
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ۔

دوسری قابلِ توجہ بات ہے لفظ "عبد"۔ ایک اس پہلو سے کہ لفظ عبد کا اطلاق صرف رُوح پر نہیں ہوگا بلکہ رُوح اور جسد دونوں پر ہوگا۔ ہم عبد ہیں، صرف ہماری رُوح کو عبد نہیں کہا جائے گا۔ ہم اپنی روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو روحِ محمد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام کی حقیقت کو کیا سمجھ سکیں گے! بلکہ جان لیجئے کہ عبد کا اطلاق اکثر و بیشتر تو جسد پر ہوگا۔ اس صراحت سے یہ اضافی بات معلوم ہوئی کہ صرف رُوحِ محمدیؐ نہیں لے جائی گئی بلکہ بنفسِ نفیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے جائے گئے۔ اور "محمدؐ" کا اطلاق رُوحِ محمدیؐ اور آپؐ کے جسدِ شریف دونوں کے مجموعے پر ہوگا صرف رُوح پر نہیں ہوگا۔

تیسری بات جو بہت قابلِ لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو مقام عروج ہے، جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہو رہا ہے، اس میں حضورؐ کی دو نسبتوں میں سے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے، وہ نسبتِ رسالت نہیں ہے،

بقیہ حاشیہ صلاہ ۲۲ سے آگے

تو اس نے کائنات کو معطل (SUSPEND) ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہر چیز کی حرکت اسی جگہ رُک گئی۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جہاں آپؐ کی امامت میں تمام انبیاء و رسل نے نماز پڑھی جو گویا علامت تھی اس بات کی کہ آپؐ سیّد الانبیاء و رسل ہیں۔ اس کے بعد آپؐ حضرت جبرئیلؑ کی معیت میں یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں پر پھر سدرۃ المنتہٰی تک تشریف لے گئے۔ آپؐ کو جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد حضورؐ کو واپس اپنے مستقر پر بھیج دیا گیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے کائنات پھر رواں دواں ہوگئی۔ چنانچہ جو چیز جس مقام پر رُک دی گئی تھی، اسی جگہ سے اس نے حرکت شروع کر دی۔" مولانا نے فرمایا کہ "یہ ایک عقلی توجیہہ ہے اس بات کی کہ حضورؐ کی واپسی پر کنڈی ہل رہی تھی۔ وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور بستر میں حرارت موجود تھی۔" (مرتب)

بلکہ نسبتِ عبدیت ہے۔ ویسے بھی عام طور پر قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خصوصی اور شفقتِ خصوصی کا ذکر آتا ہے اور اظہار ہوتا ہے، وہاں آپؐ کی نسبتِ عبدیت کا ذکر ملتا ہے، جیسے ہم نے یہاں دیکھا۔ جیسے اگلی سورت سورۃ الکہف میں ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ اور جیسے سورۃ الفرقان میں ہے، تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۔ اسی طریقے سے سورۃ النجم میں ہے، فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۔ اسی طرح یہاں ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ یہاں یہ نکتہ جان لیجئے کہ نسبتِ عبدیت بالاتر ہے نسبتِ رسالت سے ۔ اور اگر اسے صوفیاء کی اصطلاح سے سمجھیں تو وہ یہ ہے کہ نسبتِ عبدیت ایک عروجی نسبت ہے۔ نسبتِ رسالت ایک نزولی نسبت ہے۔ اگر اس امر کو آپ ذہن میں رکھیں گے تو بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پہلی وحی ہوئی ہے یا مخاطبہ یا مکالمہ سے جو وہ مشرف ہوئے ہیں تو وہ کوہِ طور پر ہیں، بلند مقام پر ہیں۔ اور اس سے اعلیٰ مقام کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ گفتگو ہو رہی ہے۔ درمیان میں کوئی واسطہ حائل نہیں ہے۔ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا۔ "اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا جیسا کہ کلام کیا جاتا ہے"۔ یہاں موسیٰؑ گویا ہیں اعبد ہیں۔ رسالت کا حکم ملا تو فرمایا گیا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۔ "جاؤ فرعون کی طرف، بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے"۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتریں گے تو فرعون کی طرف جائیں گے۔ کسی کے پاس سے کوئی جاتا ہے تو اس کی طرف پیٹھ کر کے جاتا ہے۔ کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے حضور میں ہے۔ مواجہہ کر رہا ہے۔ FACE TO FACE ہے۔ تو غور کیجئے کہ کونسی نسبت بالاتر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ نسبتِ عبدیت۔ جس میں رُخ اللہ کی طرف ہوتا ہے اور رسالت ایک فرضِ منصبی ہے کہ جاؤ ادا کرو۔ اس کا رُخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کو ایک تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ بہترین تمثیل ہے۔ اصل میں ان حقائق کو جاننے

والے یہ صوفیاء ہی ہیں۔ یہ نہ فقہاء کا دائرہ ہے نہ محدثین کا دائرہ ہے۔ اپنے اپنے دائرے ہیں۔ ان دائروں میں سب نے اپنے اپنے کام کیے ہیں۔ یہ سارے اصحاب ہمارے محسن ہیں لیکن یہ کہ اپنا اپنا ذوق ہے اور اپنا اپنا میدان (FIELD) ہے۔ عبدیت و رسالت میں جو فرق مراتب قائم کیا ہے، وہ صوفیا ہی کے کرنے کا کام ہے۔ مولانا روم رح نے بارش کی مثال دی ہے۔ ہماری دنیا میں بارش کے نظام کا جو سائیکل چل رہا ہے وہ کیا ہے! سمندر سے بخارات اٹھ رہے ہیں۔ یہ عروج ہے۔ نہایت لطیف حالت میں ہیں، نہایت پاک وصاف ہیں۔ یہ عمل کشید و تطہیر ہو رہا ہے۔ پانی کو بھاپ بنایا جا رہا ہے۔ اس میں کثافت تو ساتھ نہیں جائے گی۔ پانی انتہائی لطیف اور پاک وصاف صورت میں اُوپر جا رہا ہے۔ اوپر جا کر ان بخارات نے بادلوں کی شکل اختیار کی۔ ہواؤں کے دوش پر یہ بادل فضا میں تیرتے ہیں۔ پھر بارش بن کر وہی پانی نازل ہو رہا ہے۔ اب اس نزولِ بارش سے کیا ہو گا! پہلے وہ فضا کو دھوئے گا۔ اس عمل میں فضا کی کچھ نہ کچھ برستے پانی میں کثافت شامل ہو جائے گی۔ پھر وہ بارش زمین تک پہنچے گی اور زمین کو دھوئے گی۔ لیکن کچھ مزید کثافتیں شامل ہو جائیں گی۔ یہ پانی ندیوں، نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہُوا پھر سمندر میں پہنچے گا۔ وہ ساری کثافتیں سمندر میں رہ جائیں گی اور پھر وہی پانی لطیف اور پاک وصاف ہو کر بخارات کی صورت میں آسمان کی طرف اُٹھ جائے گا۔ یہ عروج ہے۔ اور وہ نزول ہے۔ نزول سے صفائی ہو رہی ہے فضا کی اور زمین کی۔ عروج میں پانی کی اپنی صفائی ہوتی ہے۔ یہی ہے سائیکل جو عبدیت و رسالت کے مابین چلتا ہے۔ رات کو اللہ کا بندہ اس کے حضور میں کھڑا ہے۔ یہ کس کی صفائی ہے۔ ! اپنی۔ کس چیز سے صفائی! یہ میں بعد میں عرض کروں گا۔ اس کو کہیں اپنی کثافتوں پر قیاس نہ کر لیجئے گا۔ وہ کثافتیں ان کے آس پاس بھی نہیں ہوتیں۔ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی لیکن دن کے لیے کیا حکم ہے! اب وہ نزول ہے جاؤ لوگوں کی طرف، انہیں اللہ کا پیغام پہنچاؤ۔ ان کو اللہ کے راستے کی طرف پکارو اور بلاؤ۔ یہ کام منصب رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مشرکانہ ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت پہنچا رہے ہیں۔ مجمعوں میں قرآن پیش فرما رہے ہیں، گھروں پہ

دستک دے رہے ہیں، در بدر تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن ہو کیا رہا ہے؟ یہ کہ کسی نے استہزا اور تمسخر کیا۔ کسی نے گالی دے دی۔ کسی نے مجنون و دیوانہ کہہ دیا۔ کسی نے ساحر اور جادوگر کہہ دیا۔ کسی نے شاعر کہہ دیا۔ کسی نے کاہن کہہ دیا۔ ان باتوں سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ کدورت پیدا ہوتی ہوگی یا نہیں! ان کے طبع مبارک کو رنج پہنچے گا یا نہیں! یہ اثرات بالکل مترتب نہ ہوں، یہ ناممکن ہے۔ اسی لیے تو قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے حضور کو تسلی دی جاتی رہی ہے جیسے فرمایا: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ ۔" ہمیں بخوبی علم ہے کہ آپ کو رنج ہوتا ہے۔ افسوس ہوتا ہے۔ آپ کی طبیعت پر ان کی باتوں سے تکدر پیدا ہوتا ہے، آپ ملول اور غمگین ہوتے ہیں" اور: نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝" ن قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں (یعنی قرآن) آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ربّ کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں ہیں۔" چنانچہ نبی اکرم کو ایک طرف تسلی دی جا رہی ہے اور جو تکدر دل پر آگیا ہے، اس کا دُور کیا جانا بھی ضروری ہے لہٰذا حکم ہو رہا ہے کہ راتوں کو کھڑے ہوئیے: يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ " اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے! رات کو کھڑے رہا کرو۔ یعنی نماز پڑھا کرو۔ مگر تھوڑی۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر (حالتِ قیام میں) پڑھا کرو۔" اب یہ معراجی کیفیت ہے، یہ نسبتِ عبدیت ہے کہ عبدہٗ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس کا بندۂ خاص، اسی کے حضور میں راتوں کو کھڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوئی ہے اور اپنے رب، اپنے مولا، اپنے ناصر، اپنے حامی کے حضور میں مناجات ہو رہی ہے۔ دن میں نزولی عالم ہے کہ لوگوں کے اذہان و قلوب کو نورِ توحید سے منور کرنے کی مساعی ہو رہی ہیں۔ ماحول کو صاف کرنے کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے سورۃ المزمل کی آیات ایک تا دس میں، جن میں سے پہلی

ر آیات اوران کا ترجمہ میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ اب اگلی چند آیات اوران
ترجمہ بھی سن لیجیے تاکہ بات مکمل ہو جائے۔ فرمایا :

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ۝ وَاذۡكُرِ اسۡمَ
رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ۝ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَكِیۡلًا ۝ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا
یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا ۝

"(اے نبی) بلاشبہ آپ کے لیے دن میں (تبلیغ کی) بڑی مصروفیات ہیں۔
بڑی محنت اور مشقت ہے (لیکن) اس میں (بھی) اپنے رب کے نام کے ساتھ
اس کا ذکر کیا کیجیے اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہیے۔ وہ (اللہ) مشرق و مغرب
کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اُسی کو اپنا پشت پناہ بنائیے۔ اُسی
پر بھروسہ کیجیے۔ اور (اے نبی) آپ کی دعوت پر لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں،
ان پر صبر کیجیے اور ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ کنارہ کش ہو جائیے۔"

طنز و استہزا اور طعن و تشنیع کے گھاؤ بڑے کاری ہوتے ہیں۔ ان کو
جھیلنا آسان نہیں۔ اس سے طبیعت مبارک پر جو تکدر آتا تھا اس کا ازالہ ہوتا
تھا جب عبدہٗ نسبتِ عبدیت کے اعتبار سے رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے
حضور کھڑا ہوتا تھا اور حالتِ سرورمی کی کیفیات سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ تو یہاں
لفظ عبدہٗ کے حوالے سے ان حقائق کو ذہن نشین کر لیجیے : سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ
اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا۔

اب آیت کے اس حصے میں دو الفاظ مزید وضاحت طلب ہیں۔ ایک
اسراء اور دوسرا لیلًا۔ عربی میں اسراء کے معنی ہیں راتوں رات لے جانا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۵۲ میں یہی لفظ آیا
ہے : وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ۝
"اور ہم نے موسیٰؑ کو وحی بھیجی کہ (اے موسیٰ) راتوں رات میرے بندوں کو لے کر
نکل جاؤ، تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔" تو حضورؐ کے لیے بھی لفظ آیا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ

اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ — اس کے بعد لَیْلًا کیوں آیا؟ جبکہ اسریٰ میں راتوں
رات، کا مفہوم ومعنی شامل ہیں۔ دوہرایا کیوں گیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے
اس آیت کے ترجمہ میں لَیْلًا کا ترجمہ "رات کا ایک حصّہ" کیا تھا۔ پوری رات
نہیں لگی تھی۔ اس کا ایک حصّہ ہے، نہایت قلیل، نہایت مختصر، جو اس
سفرِ مبارک میں صرف ہوا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا
حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ؁
"پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اس کے ایک حصّے میں اپنے بندے
کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصا تک جس کے ماحول کو اس نے بابرکت بنایا ہے۔
تاکہ اپنے اس بندے کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں
وہی ذات تو ہے سب کچھ سُننے اور دیکھنے والی۔"

اب دوبارہ ترجمے سے پوری بات آپ کے سامنے بالکل منقح ہوکر آگئی ہوگی
اب دو باتیں تشریح و وضاحت طلب رہ گئیں، ایک تو یہ کہ کیا نشانیاں حضورؐ کو
دکھائی گئیں! وہ میں آپ کو احادیث کے حوالے سے آگے بتاؤں گا۔ اس لیے
کہ ان کا ذکر احادیث ہی میں بصراحت موجود ہے۔ دوسرے اس آیت کا آخری
ٹکڑا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہے۔ "سب کچھ سُننے والا سب کچھ دیکھنے
والا تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔" یہ اس کے علمِ کامل کی دراصل شرح ہے۔
یہاں حصر کا اسلوب ہے۔ یعنی اس کے سوا یہ وصف کسی اور میں ہے ہی نہیں
چاہے وہ ملائکہ ہوں، انبیاء ہوں، رسل ہوں، اولیاء ہوں۔ البتہ یہ اس کو
اختیار ہے کہ وہ اپنے علم میں سے جتنا جس کو چاہے عطا فرما دے۔ اپنی سماعت
میں سے جتنا چاہے حصّہ کسی کو مرحمت فرما دے۔ اپنی بصارت میں سے جتنا چاہے
حصّہ کسی پر فیضان فرما دے۔ یہ اسی کو اختیار ہے، وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ
مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج "اللہ کے علم میں سے کوئی بھی کسی چیز کا احاطہ
نہیں کرسکتا ماسوا اس کے جو وہ خود چاہے" اور: سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ
لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا "اے اللہ تو پاک ہے اور ہمیں کوئی علم حاصل نہیں

ہے مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔" یہ ملائکہ کا قول نقل ہوا۔ پس فرشتوں کے علم کی نوعیت یہی ہے اور انبیاء و رسل کے علم کی کیفیت بھی یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، اتنا ہی ان کا علم ہے۔ باقی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا، سب کچھ جاننے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ سبحانہٗ ہی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حصر کا اسلوب ہے۔ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

اب میں چاہتا ہوں کہ یہ پورا واقعہ آپ کو اس حدیث کے حوالے سے سُنا دوں جو متفق علیہ ہے۔ میں خود بیان کروں گا تو کچھ نہ کچھ کمی بیشی کا احتمال ہے۔ اگرہم اتنے خوش قسمت ہیں اور فی الواقع ہیں کہ وہ واقعہ مفصل طور پر حدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور حدیث دوسرے یا تیسرے طبقے کی کتابوں کی نہیں ہے، بلکہ متفق علیہ ہے، جس کا پایہ، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، روایت اور سند کے اعتبار سے تقریباً قرآن مجید کے برابر ہے۔ اس حدیث کے راوی ہیں حضرت مالک ابن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان رضؓ کے بارے میں ایک بڑی اہم بات ہے اُسے نوٹ کر لیجیے۔ یہؓ انصاری صحابی ہیں اور ان میں سے ہیں جنہیں حدیث بیان کرنے کا زیادہ شوق نہ رہا ہو۔ غالباً یہ واحد حدیث ہے جو ان رضؓ سے مروی ہے۔ ان رضؓ کو اس حدیث سے نہایت شغف تھا۔ نہایت محبت کے ساتھ انہوں نے اس کو محفوظ کیا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کی تھی۔ چنانچہ بعض دوسرے وہ صحابہ کرام رضؓ بھی جنہوں نے خود نبی اکرمؐ سے یہ واقعہ سُنا ہُوا تھا۔ یعنی وہ خود بھی روایت کر رہے ہیں کہ ہم نے آں حضورؐ سے خود سُنا۔ جیسے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لیکن ایسے صحابہؓ بھی ان کی خدمت میں خاص طور پر حاضر ہو کر اس روایت کو سُنتے تھے۔ اس لیے کہ اس روایت میں ان رضؓ کا درجہ بہت بلند ہے۔ ان رضؓ کو اس سے بہت شغف تھا۔ الغرض جو صحابہ رضؓ خود نبی اکرمؐ سے یہ واقعہ براہِ راست سُن چکے تھے۔ خاص طور پر اِن رضؓ کے پاس جا کر اس حدیث کو سُنا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ حدیث جو متفق علیہ ہے۔ اُسے امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں عن قتادۃ عن انس ابن مالک عن مالک ابن صعصعۃ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں یہ روایت براہِ راست حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے مروی موجود ہے۔

اب میں وہ روایت لفظ بلفظ آپ کو سُناتا ہوں۔ ساتھ ساتھ ترجمہ اور تشریح و توضیح بھی کرتا جاؤں گا۔ نہایت غور سے یہ حدیث سماعت فرمایئے۔ ان شاء اللہ العزیز اس طرح بہت سے اشکالات دُور ہو جائیں گے۔ حدیث یہ ہے:
عن مالک بن صعصعۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثھم عن لیلۃ اسری بہ۔ حضرت مالک بن صعصعہ روایت کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں وہ حالات و واقعات سُنائے جو اس رات کو پیش آئے، جس رات کو آپؐ کو لے جایا گیا"۔ یعنی واقعۂ معراج اب دیکھئے یہ مرفوع حدیث ہوگئی۔ آگے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "بَیْنَمَا اَنَا فِی الْحَطِیْمِ وَرُبَمَا قَالَ فِی الْحِجْرِ۔" "اس اثناء میں کہ میں حطیم میں تھا۔ یا شاید حجر کا لفظ ارشاد فرمایا" حجر بھی حطیم کے ایک حصّے کو کہتے ہیں۔ مُضْطَجِعًا۔" میں لیٹا ہُوا تھا" اذ اتانی اٰتٍ "کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا آیا" یہ آنے والے کون ہیں یہ حضرت جبریلؑ ہیں۔ یہ آگے واضح ہو جائے گا۔ نشق ما بین ھٰذہٖ الی ھٰذِہٖ۔" حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ اس نے یہاں سے وہاں تک میرا سینہ چاک کیا"۔ یعنی من ثغرۃ نحرہ الی شعرتہ۔" یعنی حلق کے گڑھے سے لے کر ناف تک"۔ فاستخرج قلبی۔" پھر میرا دل نکالا"۔ ثم اتیت بطست من ذھب مملو ایمانا فغسل قلبی۔ "پھر ایک سنہری طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہُوا تھا۔ پھر اس سے میرا دل دھویا گیا"۔ وفی روایۃ ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملیٔ ایمانا وحکمۃً۔ "اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اسی طرح پیٹ کو آبِ زمزم سے دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیئے گئے"۔ ثم اتیت بدابۃ۔" پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا"۔ دون البغل فوق الحمار۔" جو خچر سے تو چھوٹا تھا گدھے سے بڑا تھا"۔ ابیض یقال لہ البُراق۔" وہ بالکل سفید تھا۔ اُس کا نام براق ہے"۔ یضع خطوہ

عند اقصی طرفہ ۔" اس کا ہر قدم، اس کی حدِ نگاہ تک پڑتا تھا"
نحملت علیہ ۔" پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا" ثم انطلق بی جبرئیل
" پھر جبرئیل میرے ساتھ چلے" اب یہاں نام آگیا اور صراحت ہو گئی کہ آنے
والے حضرت جبرئیل تھے۔ حتّی اتی السماء الدنیا۔" یہاں تک کہ وہ آسمان
دنیا تک پہنچ گئے" یہ پہلا آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے۔ اب یہاں دیکھئے کہ اس
روایت میں زمینی حصّہ کا ذکر رہ گیا۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور دوسری
روایات جوڑ کر اس خلا کو پُر کیا جاتا ہے۔ پہلا زمینی سفر ہے۔ مسجد اقصا تک پہنچے
ہیں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ" میں نے اپنی
سواری براق کو اس جگہ باندھا جہاں انبیاء باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں بہت سے
لوگ نماز کے لیے جمع تھے۔ میں منتظر تھا کہ کون امامت کرے گا کہ حضرتِ جبرئیل
نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے آگے کیا۔ میں نے نماز پڑھائی اور پھر حضرت جبرئیلؑ نے
مجھے بتایا کہ میری اقتدار میں نماز ادا کرنے والے وہ تمام انبیاء ہیں جو دنیا میں
مبعوث ہوئے اور آج آپؐ نے ان سب کی امامت کی" یہ علامت ہے نبی اکرم
صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سیّد الانبیاء والمرسلین ہونے کی۔ پھر یہاں سے آسمانی سفر
کا آغاز ہُوا۔ اب پھر اسی روایت کا سلسلہ جوڑتا ہوں جو بیان ہو رہی تھی۔ حضورؐ
حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ پہلے آسمان پر پہنچے تو فاستفتح ۔" حضرتِ جبرئیل
نے دستک دی دروازہ کھلوانا چاہا" قیل من ھٰذا ۔" پوچھا گیا کون
ہے ؟" قال جبرئیل ۔" انہوں نے جواب دیا جبرئیل" قیل ومن معک
" پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے" یہاں یہ بات ذہن میں رکھئے گا کہ اس امکان کو
کوئی مسترد نہیں کر سکتا کہ آسمانِ اوّل کے دروازے پر تعینات فرشتوں کو معلوم ہو
پھر بھی پوچھ رہے ہیں۔ قانون قانون ہے۔ دروازے پر دستک دینی ہو گی۔
شناخت کرانی ہو گی Identity disclose کرنی ہو گی۔ چاہے علم میں ہو۔ جج
اپنے علم کی بنیاد پر کبھی فیصلہ نہیں دے گا۔ وہ تو مقدمے کی سماعت ہو گی اور شہادتوں
کی بنیاد پر فیصلہ ہو گا۔ کسی جج کو کسی واقعہ کا ذاتی علم ہے تو اسے مقدمہ کسی عدالت کو
منتقل کرنا ہو گا اور وہاں گواہ کی حیثیت سے پیش ہونا ہو گا۔ پس قانون قانون

ہے" پوچھا گیا ساتھ کون ہے" قال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
" حضرت جبریل نے جواب دیا محمدؐ" قیل وقد ارسل الیہ قال نعم
" پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے ؟" انہوں نے فرمایا" ہاں " قیل مرحبا
بہ فنعم المجیٔ جاء ففتح فلما خلصت ۔" اس کے بعد کہا گیا
مرحبا ہے ان کے لیے، تہنیت ہے، مبارکباد ہے، خوش آمدید ہے۔ کیا ہی اچھا
ہیں جو لائے گئے ہیں"۔ پھر سمائے دنیا کا دروازہ کھولا گیا۔ پھر میں داخل ہوا۔
فاذا فیہا آدم" پھر میں نے دیکھا وہاں آدم تشریف فرما ہیں"۔ فقال
ھذا ابوک آدم فسلم علیہ فسلمت علیہ" جبریل نے
کہا یہ آپ کے جدِ امجد ہیں پس آپ ان کو سلام کیجئے تو میں نے ان کو سلام کہا"
فرد السلام ثم قال مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح
" انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا خوش آمدید ہے، تہنیت ہے صالح بیٹے اور
صالح نبی کے لیے" ثم صعد بی حتی اتی السماء الثانیۃ" پھر
مجھے اوپر اٹھایا گیا یہاں تک کہ جبریل دوسرے آسمان تک پہنچ گئے"۔ پھر
وہی سوال وجواب ہوئے۔ اب میں ترجمہ نہیں کروں گا صرف متن بیان کروں گا۔
فاستفتح قیل من ھذا قال جبرئیل قیل ومن معک
قال محمد قیل وقد ارسل الیہ قال نعم، قیل مرحبا
بہ فنعم المجیٔ جاء ففتح فلما خلصت ۔ اس ساری کارروائی
کے بعد جب حضورؐ دوسرے آسمان میں داخل ہوئے ہیں تو: اذا یحییٰؑ و
عیسیٰؑ وھما ابنا خالۃ۔ قال ھذا یحییٰؑ وعیسیٰؑ فسلم
علیہما فسلمت فردا ثم قالا مرحبا بالاخ الصالح والنبی
الصالح" وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ تھے اور یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی
ہیں۔ جبریلؑ نے کہا کہ یہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں، ان کو سلام کیجئے تو میں نے سلام
کیا۔ پھر انہوں نے بھی سلام کہا اور کہا خوش آمدید، مرحبا صالح بھائی اور صالح
نبی کو" یہاں غور کیجئے کہ حضرت آدمؑ نے حضورؐ کا استقبال بیٹا کہہ کر کیا
جبکہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے بھائی کہہ کر خیر مقدم کیا۔ یہ اس لیے کہ

حضرت آدمؑ تو کل بنی نوعِ انسان کے جدِّ امجد ہیں۔ جبکہ حضرات یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، وہ بیٹا کہنے کے بجائے بھائی کہتے ہیں۔ اسی طرح آگے حضرات یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ بھائی کہیں گے۔ آگے حضرت ابراہیمؑ بیٹا کہیں گے۔ چونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

آگے چلیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ثم صعد بی الی السماء الثالثة فاستفتح قیل من هذا قال جبرئیل، قیل ومن معک قیل محمد، قیل وقد ارسل الیه، قال نعم، قیل مرحبا به فنعم المجیٔ جاء ففتح فلما خلصت اذا یوسفؑ، قال هذا یوسف فسلم علیه فسلمت علیه، فرد ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اب ترجمے کی ضرورت نہیں ہے۔ پس میں تیزی سے صرف آسمانوں اور ان پر جن انبیاءؑ سے ملاقات ہوئی ان کا ذکر کرکے ان مقامات سے گزر جاؤں گا۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور مکالمہ ہوا۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کا ذکر حدیث میں اس طرح ہے کہ سلام کے تبادلہ کے بعد "فلما جاوزت بکی" جب میں آگے چلنے لگا تو موسیٰؑ رونے لگے۔ قیل له ما یبکیک "ان سے پوچھا گیا آپ کو کیا چیز رُلا رہی ہے؟" — قال ابکی لان غلاما بعث بعدی یدخل الجنة من امته اکثر ممن یدخلها من امتی، موسیٰؑ نے کہا کہ مجھے اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ یہ جوان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بہت بعد جس کی بعثت ہوئی ہے۔ اس کے باوجود ان کی امت کے جنت میں داخل ہونیوالوں کی تعداد میری اُمت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگی۔" یہ شفقت و الفت جو نبی

کو اپنی امّت سے ہونی چاہیئے۔ یہ بکمال و تمام اس کا اظہار ہے۔ اسے معا
کسی حسد پر محمول نہ سمجھ لیجئے گا۔ بلکہ یہ اپنی امّت کی محرومی کا جو احساس
وہ ہے کہ جس سے حضرت موسٰے علیہ السلام پر یہ کیفیت طاری ہوئی۔ ثم
بی الی السماء السابعۃ " پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا" دا
داخلہ کے لیے فرشتوں سے مکالمہ ہُوا۔ اس آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ ال
سے ملاقات ہوئی" حضرت جبرئیل نے کہا یہ آپ کے جدّ حضرت ابراہیمؑ ایر
کو سلام کیجئے۔ مَیں نے ان کو سلام کہا" فلما خلصت فاذا ابراہ
قال ھذا ابوک ابراھیم فسلم علیہ فسلمت علیہ
فرد السلام ثم قال۔" جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے بھی سلا
اور ان الفاظ سے میرا استقبال کیا" مرحبا بالابن الصالح و
الصالح " خوش آمدید صالح بیٹے اور صالح نبی کے لیے" ثم رفعت
الی سدرۃ المنتھٰی " پھر مجھے اور بلند کیا گیا۔ سدرۃ المنتہٰی تک
یہاں نوٹ کیجئے کہ صُعد بی کی جگہ رفعت کا لفظ استعمال ہ
پھر یہی سدرۃ المنتہٰی ہے، جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہُوا ہے۔ مَیں چاہتا ہو
موقع پر حدیث کے بیان کی تکمیل سے قبل مَیں آپ کے سامنے سورۃ النجم کی ا
سے متعلق ان آیات کی تشریح و توضیح بھی پیش کر دوں، جن کی مَیں نے آغاز
تلاوت کی تھی۔ اس سے پہلے یہ بات جان لیجئے کہ ابتدائی آیات کی تفسیر و تش
بہت اختلاف ہے۔ وہ مشکلات القرآن میں سے ہیں۔ ہمارا قرآن حکیم کا جو
درس چل رہا ہے اس سلسلے میں سورۃ النجم زیادہ دُور نہیں ہے۔ ان آیات
مشکلات اور ان کی تفسیر و تشریح میں جو اختلافات سلف سے چلے آرہے ہیں
پر تو گفتگو انشاء اللہ اُسی موقع پر ہو گی۔ یہاں اس کا محل نہیں ہے۔ بہ
نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جو مشاہدات کرائے گئے، اس وقت مَیں ان سد
بحث نہیں کروں گا۔ البتہ جس مشاہدے کا ذکر آیت نمبر ۱۱ تا نمبر ۱۸ میں آیا ہ
ان آیات کا تعلق تقریباً تمام مفسرین و علمائے امّت کے نزدیک واقعۂ معرا
ہے لہٰذا میں اس کا ذکر کروں گا۔ فرمایا: مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَا

"جو کچھ انہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی نگاہوں سے دیکھا اس کو ان کے دل نے
جھٹلایا نہیں" اس کی طرف میں اشارہ کر چکا ہوں۔ ایک ہمارا مشاہدہ ہوتا ہے کہ
اس کے ساتھ وسوسے بھی ہوتے ہیں کہ یہ جو دیکھ رہا ہوں، وہ درحقیقت آگ
ہے یا اس کی سی صورت ہے۔ آج کل تو میں نے اس طرح کے لیمپ بنے ہوئے
دیکھے ہیں کہ انسان کو ان کے اندر حقیقی انگارے دہکتے نظر آتے ہیں۔ سو انسان
دھوکہ کھا سکتا ہے، حالانکہ انگاروں کا وجود ہے ہی نہیں۔ تو ہماری آنکھ دھوکہ
کھاتی ہے لیکن نبی کا جو مشاہدہ ہوتا ہے وہ آنکھ اور دل، نظر و قلب، بصارت و
بصیرت کی یکجائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں فرق و تفاوت اور وسوسہ نہیں
ہوتا۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لیے نہایت فصیح و بلیغ اور اعجاز و ایجاز سے فرمایا:
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ — آگے فرمایا: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝
"لوگو! کیا تم ان چیزوں کے بارے میں ان سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں"
ان چیزوں کے بارے میں جھگڑا ہو سکتا ہے جو کہیں سے سنی سنائی ہوں لیکن
تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھگڑ رہے ہو ان چیزوں کے بارے میں جو وہ دیکھتے
ہیں، چشم سر سے اور دل کی بصیرت سے — وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝
"اور بلاشبہ ان کا یہ مشاہدہ پہلی بار نہیں ہوا ایک مرتبہ پہلے بھی ہو چکا ہے"
یہ جو وہ مشاہدہ ان کو کہاں ہوا! — عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى
سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا" عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اسی سدرۃ المنتہیٰ
کے پاس جنت الماویٰ ہے۔" وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو اللہ کے نیکوکار
بندوں کا ٹھکانا بنے گی جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ جس کے متعلق سورۃ الزمر
میں فرمایا گیا: وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا
خٰلِدِيْنَ ۝ "اور جنت کے داروغہ ان (نیکوکاروں) سے کہیں گے سلامتی
ہو تم پر۔ تم بہت خوش بخت رہے داخل ہو جاؤ (اس) جنت میں ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے۔" یہاں نوٹ کر لیجیے کہ احادیث میں معراج کے موقع پر جنت کے
مشاہدات کے جو احوال آئے ہیں، وہ جنت وہیں تو ہے۔ ان آیات میں ان احوال
کا ذکر نہیں ہے۔ سدرہ عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ لفظ منتہیٰ

انتہا سے بنا ہے جس کا مفہوم وہ جگہ اور مقام ہے جہاں جاکر کوئی چیز ختم ہو جائے۔ یہ "سدرۃ المنتہیٰ" کیا ہے! اس کا سمجھنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اس کے متعلق میں آگے کچھ عرض کروں گا۔ قرآن مجید نے یہاں ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ ہر شخص اس اسلوب سے یہ جان لے کہ یہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ ذکر ہو رہا ہے۔ واقعہ ہے، بیان کرنا ضروری ہے، لیکن تم اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ منتہیٰ کس اعتبار سے ہے! اب اس کو سمجھنا چاہیے۔ یہ اس اعتبار سے ہے کہ یہاں سے آگے مخلوق کا گزر نہیں ہے۔ یہ انتہا ہے یہاں سے آگے حضرت جبرئیلؑ بھی نہیں جاسکتے۔ اور یہاں نوٹ کیجئے کہ اس سے آگے جانے کا کہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ صرف ہماری شاعری میں ہے کہ اس سے آگے بھی حضورؐ گزر گئے۔ لیکن اس کا قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہیں تک گئے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اس بارے میں بھی وضاحت آئی ہے کہ وحیٔ الٰہی بھی یہاں نازل ہوتی ہے اور یہاں سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ جو چیز عرش الٰہی سے اُترتی ہے، وہ بلاواسطہ اولاً یہیں نازل ہوتی ہے۔ اس سے آگے وہ حریم کبریا ہے جس حرم میں داخلہ نہیں ہے۔ وحی بھی یہاں آئے گی اور یہاں سے ملائکہ لے کر نیچے جائیں گے۔ اور جو کچھ عالم خلق کی شے آئے گی وہ بھی یہیں تک آئے گی۔ اس سے آگے نہیں۔ حضرت جبرئیلؑ کی رسائی بھی یہیں تک ہے۔ لہٰذا نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید نے جو ذکر کیا وہ سدرۃ المنتہیٰ کے آگے یا پار کا نہیں کیا بلکہ فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ یہ ہے وہ بات جس کی طرف میں اشارہ کر رہا تھا۔ فرمایا: "جب کہ اس بیری کے درخت کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا" یعنی نہ اس کو زبان ادا کر سکتی ہے، نہ انسانی زبان میں وہ حروف و الفاظ ہیں جو اس کیفیت کو بیان یا اس کی تعبیر کر سکیں۔ نہ اس کا کوئی تصور انسان کے لیے ممکن ہے۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے: ولا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر" وہ نعمتیں جو نہ کسی

ہ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سُنیں نہ انسان کے دل پر ان کا خیال تک کبھی
ہے" اب انہیں بیان کریں تو کن الفاظ میں کریں! اس کا ابلاغ و اعلام کیسے ہو!
COMMUNICATE اور ابلاغ! کیسے ہو۔ COMMUNICATION
سی ایسی چیز کے حوالے سے ہوتی ہے جس کا آپ کو تجربہ ہو۔ وہ آپ کی دید یا
شنید میں آئی ہو۔ آپ کے ذہن میں اس کا کوئی تصور ہو۔ اس کے حوالے سے
ن ہو سکتی ہے لہٰذا یہاں اسلوب اور انداز کیا ہے! وہ یہ ہے کہ: اِذْ یَغْشَی
سِدْرَۃَ مَا یَغْشٰی۔ تجلیاتِ ربّانی کس نوعیت اور کس کیفیت کی حامل تھیں
، تجلیات کا جو براہِ راست نزول ہو رہا تھا۔ اس مہبط تجلیات اور ان
ے نزول کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا۔ اس کا ذکر ہے ان آیات
ں، مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝
لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا
جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝

ہماری شاعری میں بے نہایت مبالغے ہو جایا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال
ر کچھ بھی تھے۔ بہرحال شاعر بھی تھے۔ مبالغہ شاعری میں لازماً آتا ہے لہٰذا کہتے

ہیں ؎

وسیٰ بے ہوش رفت بیک جلوۂ صفات تو عینِ ذات می نگری در تبسمی

وسیٰؑ تو ایک جلوۂ صفات ہی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے خَرَّ مُوسٰی صعقاً۔ اور تو م
عین ذات کا مشاہدہ کر رہا ہے اور تبسّم میں ہے۔" لیکن یہ مبالغہ ہے۔ عین ذات
کے مشاہدے کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں۔ اگرچہ
اختلاف ہے اور یہ صحابہ کرام رض سے چلا آ رہا ہے۔ سلف میں ہے، خلف میں ہے۔
کوئی رائے رکھنا چاہے تو رکھے۔ میں نے اسی لیے شروع میں کہا تھا کہ اس واقعہ
معراج کا بالکلیۃً انکار کفر ہوگا۔ تفصیلات اور توجیہات، تاویلات کا اختلاف
کفر نہیں ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ شبِ معراج میں حضورؐ نے اللہ کو دیکھا۔
براہِ راست دیدارِ الٰہی ہوا ہے۔ لیکن زیادہ قوی رائے یہ بھی ہے کہ نہیں ذاتِ
باری تعالیٰ کا براہِ راست مشاہدہ نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے جب ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا! نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ "اللہ تو ایک نور ہے اُسے دیکھا کیسے جا سکتا ہے۔!" آپ نور کے ذریعے سے کسی اور شے کو دیکھتے ہیں۔ نور تو نور ہے اس کو کہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا: اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝ درمیانی آیت کے متعلق تو میں بعد میں عرض کروں گا۔ آخری آیت پر غور کیجئے۔ اس میں فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا! "بے شک انہوں نے اپنے ربّ کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا" کبریٰ اسم تفضیل ہے۔ پس یہاں عظیم ترین آیاتِ ربّانیہ کے مشاہدے کا ذکر ہے۔ جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ ہوا ہے۔ ربّ کا نہیں، آیاتِ ربّانیہ کا مشاہدہ ہوا ہے۔ یاد کیجئے زمینی سفر کی غایت سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں کیا بیان ہوئی تھی! یہ کہ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ یہ سفر اس لیے کرایا گیا کہ ہم اپنے رسول کو اپنی آیات میں سے چند کا مشاہدہ کرائیں۔ وہاں "کبریٰ" نہیں آیا۔ وہ زمینی آیات ہیں، وہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں لیکن عظیم ترین آیاتِ الٰہیہ وہ ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ آیاتِ الکبریٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔

یہ تقابل اگر کیا جائے تو غلط نہیں ہو گا اور اگر اس اعتبار سے فضیلتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ثابت کی جائے تو درست ہو گی کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی ایک تجلّی جو کوہِ طور پر پڑی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا بھی تحمّل نہ کر سکے۔ اور یہاں تجلیاتِ ربّانیہ کا سدرۃ المنتہیٰ پر براہِ راست جو نزول ہو رہا ہے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور بھرپور انداز میں دیکھا اور ان کا تحمّل کیا۔ اس اعتبار سے فرق و تفاوت ثابت ہے۔ لیکن اگر یہاں ذاتِ باری تعالیٰ کے دیدار کو لایا جائے تو یہ بلا سند ہے۔ اس کی قرآن میں سند نہیں۔ حدیث میں سند نہیں۔ اگر ایسا ہُوا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اس کی صراحت کر دی جاتی۔ یا حدیث میں ہی اس کی تصریح ہوتی۔ ہاں بعض صحابہ رضؓ کے یہ اقوال کہ آپؐ

شبِ معراج میں دیدارِ الٰہی سے بھی مشرف ہوئے تھے سند کے ساتھ منقول ہیں۔ لیکن عظیم اکثریت کی رائے یہی ہے کہ شبِ معراج میں حضورؐ کو دیدارِ الٰہی نہیں ہوا جمہور اہلِ سنت کی بھی یہی رائے ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو جو آنکھیں اور ان میں بصارت کی جو صلاحیت رکھی ہے۔ وہ دیدارِ الٰہی کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ یہ رائے رکھنے والے اصحابِ رسول علیٰ صاحبہم الصلوٰۃ والسلام اس کے لیے قرآنِ حکیم کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں: لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (الانعام)

البتہ جمہور علماء امت اس بات کے قائل ہیں کہ قیامت کے روز اہلِ ایمان دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بعثِ بعد الموت ان کو وہ بصارت عطا فرمائے گا جو دیدارِ الٰہی کا تحمل کر سکے گی۔ یہ حضراتِ علماء اس کے لیے سورۃ القیامہ کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ○ نیز یہ کہ حدیث میں بھی ہے کہ اہلِ جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہوا کرے گی۔ میری بھی یہی رائے ہے۔

اب میں اس آیت کے متعلق کچھ عرض کروں گا جس کی تشریح و توضیح میں نے مؤخر کی تھی یعنی اس آیت کی: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ یہ بڑا عجیب مقام ہے۔ یہاں بڑی عجیب کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس آیت کو سمجھنا آسان نہیں ہے جب تک آپ چند کیفیات کو اچھی طرح جان نہ لیں۔ ہمارے اپنے مشاہدے کے بارے میں ان چیزوں کو نوٹ کیجیے۔ مشاہدے کا شوق ہے اور وہ شوق اتنا ہے کہ حدِ ادب سے بھی تجاوز کرنا چاہتا ہے لیکن ظرف اتنا نہیں ہے کہ دیکھ سکے۔ اردو کا ایک شعر ذہن میں آ رہا ہے۔ جس کا پہلا مصرع اس وقت صحیح یاد نہیں آ رہا ہے

غمِ عمرِ مختصر کا سبب اور کیا بتائیں   میرے شوق کی بلندی میری ہمتوں کی پستی

اس بات کو ذرا ذہن میں رکھیے۔ شوق بہت بلند ہے۔ دیکھنا بہت کچھ چاہتے ہیں لیکن آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں، دیکھ ہی نہیں سکتے۔ ظرف نہیں ہے کہ دیکھ سکیں۔ اگرچہ طبیعت میں شوق اتنا ہے کہ حدِ ادب سے تجاوز کے لیے بھی آمادہ ہیں، لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیتِ قرآنیہ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ

وَمَا طَغیٰ ۰ ان دو متضاد کیفیات کو نہایت بلیغ اسلوب سے بیان کر رہی ہے۔ جیسے عربی کا مقولہ ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ کسی شے کی حقیقت کو اس کی ضد (ANTONYM) کے حوالے سے بخوبی پہچانا جا سکتا ہے جیسے رات کی حقیقت دن کے تقابل سے سمجھ میں آتی ہے اور دن کی حقیقت رات کے تقابل سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اب علامہ اقبال رح کا وہ شعر سُنیئے جو ان کی نظم "ذوق و شوق" میں ہے۔ علامہ کی یہ نظم میرے نزدیک ان کے اردو کلام کی معراج (CLIMAX) ہے۔ اس نظم کے آخری حصے کا یہ شعر ہے ؎

عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہِ بے ادب

دونوں اعتبارات سے جو ضد ہے اسے اقبال اس شعر میں لائے ہیں۔ میری نگاہ میں بے ادبی تھی، میری نگاہ چوری چوری بھی کچھ دیکھ لینا چاہتی تھی جس کا دیکھنا ادب کے خلاف ہے۔ لیکن حوصلۂ نظر نہیں۔ دیکھ نہیں سکتے۔ اس کو ذہن میں رکھیے اور اب یہاں دیکھئے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغیٰ ۰ وہ مشاہدہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں ۔۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ مشاہدہ اللہ کا نہیں بلکہ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی کا مشاہدہ ہے۔ لیکن اس مشاہدے کی شان کیا ہے! یہ کہ نگاہ جمی رہی۔ یہ ظرف ہے محمد کا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نگاہیں چکا چوند نہیں ہوئیں۔ جہاں تیز روشنی ہو نگاہیں ان کا تحمل نہیں کر سکیں گی اور آپ نگاہ ہٹا ئیں گے لیکن وہاں حال یہ ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ۔ نگاہ کج نہیں ہوئی ٹیڑھی نہیں ہوئی۔ جو کچھ دیکھا ہے نگاہ کو ٹکا کر دیکھا ہے ۔۔۔ جو مشاہدہ کیا ہے، بھرپور کیا ہے۔ پورے ظرفِ کامل کے ساتھ کیا ہے۔ پورے تحمل کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن: وَمَا طَغیٰ۔ حد سے تجاوز نہیں کیا، بے ادبی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ طَغیٰ: طغیانی: حد سے نکلنا ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں میں رہے

طغیٰ، حد سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ وہ مقامِ ادب بھی ہے، لہٰذا وہاں حد سے تجاوز نہیں تھا: العبد عبدٌ وان ترقّٰی والربُّ ربٌّ وان تنزّل۔ "بندہ بندہ ہی رہے گا خواہ کتنے بلند مقام تک پہنچ جائے اور رب رب ہی رہے گا

خواہ کتنا ہی نزولِ اجلاس فرمالے" سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ بندگی سے تجاوز نہیں کر رہے ہیں۔ وہاں بھی حال یہ ہے کہ: فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ "پس وہاں بھی وحی پہنچائی اپنے بندے کو جو وحی پہنچائی تھی" لیکن عبدہٗ ورسولہٗ کا عالم اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ "نگاہ نہ کج ہوئی، نہ چندھیائی، نہ ہٹی اور نہ ہی اس نے حد سے تجاوز کیا" لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ "بلاشبہ اور بالتحقیق انہوں نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات کا مشاہدہ کیا" اب ظاہر بات ہے کہ وہ نہ کہنے والی ہیں نہ سمجھ میں آنے والی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو کہہ سکتا ہے لیکن ہماری زبان کے الفاظ تحمل نہیں کر سکتے تھے کلامِ الٰہی نازل تو بہرحال ہماری زبان کے الفاظ میں ہوا ہے۔ یہ الفاظ اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس کو مجمل رکھا۔ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔

اب یہاں سے میں آپ کو اس حدیث کی طرف دوبارہ لے جا رہا ہوں جہاں سے سدرۃ المنتہیٰ کی بات شروع ہوئی تھی۔ نبی اکرمؐ سے حضرت مالکؓ بن صعصعہ آگے روایت کرتے ہیں: ثُمَّ رفعت الی سدرۃ المنتھٰی "پھر مجھے اٹھایا گیا سدرۃ المنتہیٰ تک" فَاِذَا نبقھا مثل قلال ھجر واذا ورقھا مثل اٰذان الفیلۃ۔ اب حضور سدرۃ المنتہیٰ کی کچھ باتیں ہماری زبان میں سمجھا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: کہ "اس بیری کے درخت کے بیر تو علاقہ ہجر کے مٹکوں کے سائز کے تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جتنے بڑے تھے" قال ھٰذا سدرۃ المنتھٰی۔ "(حضرت جبرئیلؑ نے) کہا یہ ہے سدرۃ المنتہیٰ" فاذا اربعۃ انھار نھران باطنان ونھران ظاھران "میں نے وہاں چار نہریں دیکھیں۔ دو نہریں تھیں جو باطن اور خفیہ طور پر اور دو ظاہر طور پر بہہ رہی تھیں" قلت ما ھٰذا یا جبرئیل؟ "میں نے پوچھا جبرئیل یہ کیا ہیں؟" قال اما الباطنان فنھران فی الجنۃ۔ "یہ جو ڈھکی ہوئی نہریں جا رہی ہیں یہ تو جنت کی نہریں ہیں (ایک کوثر دوسری سلسبیل)" واما الظاھران

فالنیل و الفرات ۔" اور یہ جو ظاہری نہریں جاری ہیں یہ نیل اور فرات ہیں۔" یعنی جن کا مادی پر تو ہمیں دنیا میں نظر آتا ہے۔ ثُمَّ رُفِعْتُ اِلٰی بیت المعمور۔" پھر مجھے اٹھایا گیا بیت المعمور تک۔" یہ بیت المعمور کیا ہے! یہ بھی جان لیجئے۔ یہ درحقیقت ساتویں آسمان پر اللہ تعالیٰ کا جو اصل گھر ہے، جس کا ظل اور سایہ اس دنیا میں خانہ کعبہ ہے۔ یہ ہے بیت المعمور۔ جس کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک مرتبہ اس میں داخل ہوا ہے اسے آج تک اس میں دوبارہ داخل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اسی طریقے سے فرشتے خانہ کعبہ کا بیت الحرام میں طواف کرتے ہیں۔ پھر جان لیجئے کہ یہ ہماری نگاہوں سے مخفی عالم غیب کی ایک دنیا ہے۔ یقیناً اس کا ایک وجود ہے، چاہے وہ ہمیں نظر نہ آئے۔ ثم اتیت باناءٍ من خمر واناءٍ من لبن واناءٍ من عسل۔ "پھر میرے سامنے تین برتن لائے گئے، ایک شراب کا، ایک دودھ کا اور ایک شہد کا۔" فاخذت اللبن۔" میں نے دودھ والا پیالہ اٹھالیا۔" قال ھی الفطرۃ انت علیھا و امتک۔" حضرت جبریل نے کہا" یہی مطابق فطرت ہے۔ جس پر آپ بھی ہیں اور آپ کی امت بھی۔" یعنی انہوں نے نبی اکرمؐ کے انتخاب کی توثیق کی۔ یہی بات اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فطرت انسانی کا انتخاب فرمایا جس پر اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ثم فرضت علی الصلوٰۃ خمسین صلوٰۃ کل یوم ۔" پھر مجھ پر (اور میری امت پر) پچاس نمازیں یومیہ فرض کی گئیں۔" ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے اس موقع پر تین چیزیں عطا کی گئیں۔ ایک تو پچاس نمازیں ایک دن رات میں فرض ہوئیں اور دوسری سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات۔ یہ وہ تحفہ ہے، جو جنت کے خزانوں میں سے امت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۟

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ
اَطَعْنَا ق غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ه لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ
اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا
حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا
طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقف وَاغْفِرْ لَنَا وقف وَارْحَمْنَا وقف
اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ه اور تیسری چیز یہ کہ
آپ کی امّت کے نیکی اور بدی کے حساب میں فرق ہوگا اور آپ کی امّت کے گناہ کبیرہ
بھی بغیر توبہ کے معاف ہو سکیں گے۔ یہ خصوصی تحفے ہیں جو امّت کے لیے بارگاہِ ربّ العزت
سے اس مقام پر شبِ معراج میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے۔
ان میں اوّل صلوٰۃ ہے۔ یہ معراج میں فرض ہوئی لہٰذا اسی کے متعلق حضورؐ کا ارشاد
ہے کہ: الصلوٰۃ معراج المومنین "اہلِ ایمان کے لیے یہ نماز بمنزلہ
معراج ہے۔"

پھر اسی روایت میں آگے تفصیل آ رہی ہے کہ نبی اکرمؐ جب واپسی کے لیے
چلے ہیں اور حضرت موسےٰؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا "یہ پچاس نمازیں بہت
ہیں مجھے تجربہ ہے، تمہاری امّت اس کا تحمّل نہ کر سکے گی۔ واپس جاؤ اور تخفیف
کے لیے درخواست کرو۔" حضورؐ گئے۔ دس نمازیں معاف ہوئیں چالیس رہ گئیں۔
پھر یہی بات ہوئی اور پھر حضرت موسےٰؑ نے حضورؐ کو واپس بھیجا۔ پھر تیس ہوئیں،
پھر گئے، بیس ہو گئیں، پھر تشریف لے گئے تو دس رہ گئیں۔ حضرت موسےٰؑ نے
پھر بھیجا تو پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسےٰؑ نے اس پر بھی کہا کہ پھر جاؤ اور مزید تخفیف
کے لیے درخواست کرو۔ یہ بھی تمہاری امّت کے لیے بھاری ہوں گی۔ حضورؐ نے
فرمایا کہ اب مجھے شرم آتی ہے اتنی مرتبہ جا چکا ہوں اب مزید جانے میں حیا محسوس
کر رہا ہوں۔ لہٰذا میں اسی پر راضی ہوں اور اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔
حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب میں موسیٰؑ کے پاس سے واپسی کے لیے روانہ ہوا تو
ایک ندا کرنے والے کی ندا آئی کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں نے اپنے فرض کو نافذ کر دیا۔

ہے اور اپنے بندوں کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ ایک دوسری متفق علیہ روایت کے آخر میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ کے ہاں یہ پانچ نمازیں ہی اجر و ثواب کے حساب سے پچاس نمازوں کے مساوی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں قول بدلا نہیں جاتا۔" میں نے حدیث کے بقیہ حصے کا ایک جا ترجمہ اور ترجمانی بیان کر دی ہے۔ اب متن بھی سن لیجئے: فرجعت الی موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمس صلوات کل یوم قال ان امتك لاتستطیع خمس صلوات کل یوم وانی قد جربت الناس قبلك وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجة فارجع الی ربك فسله التخفیف لامتك قال سئلت ربی حتٰی استحییت ولکنی ارضی واسلم قال فلما جاوزت نادی منادا مضیت فریضتی وخففت عن عبادی۔

یہ روایت ہے جو متفق علیہ ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ اس روایت کا لفظ لفظ اور اس کا ترجمہ و ترجمانی ساتھ ساتھ کرتا جاؤں۔ الحمدللہ یہ کام مکمل ہوا۔ واقعہ معراج کے متعلق روایات کثیر ہیں۔ جنت و دوزخ کے جو مشاہدات کرائے گئے وہ دوسری روایات میں مذکور ہیں لیکن اسناد کے اعتبار سے کسی دوسری روایت کا وہ درجہ اور مرتبہ نہیں ہے جو اس روایت کا ہے۔ اسی روایت کے بیان کے دوران میں نے متفق علیہ اور مسلم شریف کی بعض روایات بھی آپ کو سنائی ہیں۔ یہ ہے معراج کا واقعہ۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ پھر حضورؐ واپس مسجد اقصیٰ تشریف لائے ہیں۔ وہاں سے براق پر مکہ مکرمہ مراجعت ہوئی ہے۔ میں چند دوسری روایات کی روشنی میں عرض کر چکا ہوں کہ وقت بالکل نہیں گزرا۔ وقت کہیں روک دیا گیا ہے پوری کائنات کو کہیں تھام دیا گیا ہے۔ یہ بات تو وہ ہے جو آج سے پہلے بھی سمجھ میں آسکتی تھی کہ شاید کسی ایک وقت پر پوری کائنات کو روک دیا گیا ہو۔ کسی کے لیے بھی وقت بالکل نہ گزرا ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ سب کے لیے وقت گزر رہا ہو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے ٹھہر جا، گزرے۔ لیکن یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ اس پورے سفر کے لیے وقت کی رفتار کو روک دیا گیا ہو۔ اس موقع پر یہ مصرع ذہن میں آگیا کہ ؎
"آگے بڑھو یا وقت کی رفتار روک دو"
تو یہ وقت کی رفتار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روک دی گئی تھی۔
واللہ اعلم۔

اس واقعہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک مجمع میں سنایا تو اس پر جو ردِ عمل اور جو ہنگامہ ہونا تھا، وہ ہوا۔ یہاں تک بھی ہوا ہے کہ بعض مومنینِ صادقین متزلزل، متردد اور متذبذب ہو گئے۔ مشرکینِ مکہ نے بغلیں بجائیں کہ اب ہمیں بڑا سنہری موقع مل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تو شک ہی کی بات تھی کہ (نقل کفر، کفر نہ باشد) ان کو کچھ خللِ دماغ کا عارضہ ہے۔ اب تو ثابت ہو گیا۔ اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ آپ حضرات خود اس کا اندازہ کیجئے کہ یہ واقعہ مکہ میں مجمعِ عام میں بیان کیا جا رہا ہے جہاں منکرینِ نبوت کی عظیم ترین اکثریت ہے۔ وہاں کیسی ہنگامہ آرائی ہوئی ہوگی! مشرکین کی جانب سے امتحانی سوالات کیے گئے۔ اچھا! یہ بتاؤ کہ مسجد اقصیٰ کے ستون کتنے ہیں؟ وہاں کی کھڑکیاں کیسی ہیں؟ فرش کیسا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا۔ اس لیے کہ کس کو یاد رہتا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں جا کر حضورؐ ستون تو نہیں گن رہے تھے۔ لیکن یہ کہ جب پوچھا جا رہا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مجمع میں تالی پٹ جائے کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے مسجد اقصیٰ کو ظاہر کر دیا۔ اب میں دیکھ دیکھ کر بتا رہا ہوں اور لوگ دنگ ہو رہے ہیں۔" بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے کہ: عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا کَذَّبَنِیْ قُرَیْشٌ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ فَجَلَّی اللّٰہُ لِیْ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُھُمْ عَنْ اٰیَاتِہٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْہِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ جب مجھ کو قریش نے (واقعہ معراج پر) جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر فرما دیا۔ میں نے ان کو اس کی نشانیاں بتانی شروع کر دیں اور میں ان کو دیکھتا جاتا تھا۔"

اب دیکھئے یہ مشاہدہ ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اکرمؐ کو لیے شمار مشاہدات کرائے گئے ہیں۔ بیت المقدس سامنے لے آیا جاتا ہے۔ جنت سامنے لے آئی جاتی ہے۔ جہنم سامنے لے آئی جاتی ہے۔ مسجد اقصا کے مشاہدے سے حضورؐ نے ہر سوال کا جواب دیا۔ اسی ضمن میں وہ واقعہ آتا ہے کہ چند لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ پالا ہم مارلیں تو پھر ہماری جیت ہے۔ ابوبکرؓ کو اگر ہم متزلزل کردیں تو پھر گویا ہمارے لیے کوئی اور PROBLEM نہیں رہے گا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرتِ ابوبکرؓ نے بھی سُن کر ایک مرتبہ تو جھرجھری لی ہے لیکن آنے والوں سے صرف ایک سوال کیا وہ یہ کہ "کیا واقعی وہ یہ فرما رہے ہیں ۔؟" لوگوں نے خوش ہو کر اور تالیاں بجا کر کہا، ہاں ہاں وہ یہ کہہ رہے ہیں، چلو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے چلتے ہیں۔ اپنے کانوں سے سُن لو۔ انہوں نے سمجھا کہ ہمارا وار کارگر ہوا ہے۔ واقعی کوئی تزلزل ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس سوال کے بعد جواب یہ دیا۔ "لوگو! اگر وہ کہہ رہے ہیں تو صدفی صد درست کہہ رہے ہیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ روزانہ فرشتہ انؐ کے پاس آتا ہے تو اگر ایک مرتبہ انہیں آسمان پر لے جایا گیا تو یہ کون سی بڑی شے ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں ۔" یہ دن ہے کہ جس دن سے بارگاہِ رسالتؐ سے ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب عطا ہوا اور اسی روز سے ابوبکر صدیقِ اکبر شمار ہوتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

استدراک

(از قلم، جمیل الرحمٰن)

تقریر کا آخری کچھ حصہ ٹیپ ہونے سے رہ گیا چونکہ کیسٹ ختم ہو گیا تھا۔ ہر حال بات مکمل ہو گئی تھی۔ ذیل میں وہ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن کا حوالہ ں خطاب میں آیا ہے ۔

رُوٗیت باری تعالیٰ کے متعلق حدیث

عَنْ جَرِیْرٍؓ بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

لیہ وسلم انکم ستروں ربکم عیانا وفی روایۃ
ال کنا جلوسا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فنظر
الی القمر لیلۃ البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون
ہذا القمر ولا تضامون فی رؤیتہ فان استطعتم
ن لا تغلبوا علی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا
افعلوا ثم قرأ وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس
قبل غروبہا۔ (متفق علیہ)

"جریرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے
روردگار کو عیاں دیکھو گے۔ ایک روایت میں ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
س بیٹھے ہوئے تھے، چودھویں رات کے چاند کی طرف آپؐ نے دیکھا۔ فرمایا تم اپنے رب
طرف دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں کوئی تکلیف
سوس نہیں کرتے ہو۔ اگر تم اس بات کی طاقت رکھو کہ تم سورج نکلنے اور غروب ہونے
سے پہلے نماز پر غلبہ نہ کیے جاؤ تو ایسا ضرور کرو۔ پھر یہ آیت پڑھی " اور تسبیح بیان کرو
پنے پروردگار کی سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے۔"

حضرت ابن شہابؓ کی واقعہ معراج سے متعلق طویل روایت کے آخری حصہ کا ایک درمیانی اقتباس

فقال ارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذالک
رجعتہ فقال ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول
دی فقال راجع ربک فقلت استحییت من ربی ...
(متفق علیہ)

"(پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد) حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ پھر اپنے ربّ کی طرف
لوٹو کیونکہ تمہاری امّت اس کی (بھی) طاقت نہیں رکھے گی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔
یہ پچاس میں سے پانچ ادا کے لحاظ سے ہیں مگر ثواب کے لحاظ سے پچاس ہیں اور میرا
قول تبدیل نہیں ہوتا۔ میں موسےٰؑ کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر لوٹنے کو کہا۔ میں نے

کہا کہ اب مجھے حیا آتی ہے۔" (متفق علیہ)

حضرت ثابت البنانی رحؒ کی طویل روایت کا آخری حصے کا اقتباس

قال فلم ازل ارجع بین ربی و بین موسیٰ حتیٰ قال یا محمد انھن خمس صلوات کل یوم و لیلۃ لکل صلوٰۃ عشر فذالک خمسون صلوٰۃ من ھم بحسنۃ فلم یعملھا کتبت لہ عشرا و من ھم بسیئۃ فلم یعملھا لم تکتب لہ شیئاً فان عملھا کتبت لہ سیئۃ واحدۃ قال فنزلت حتی انتھیت الی موسیٰ فاخبرتہ فقال ارجع الی ربک فسلہ التخفیف فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت قد رجعت الی ربی حتی استحییت منہ (رواہ مسلم)

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں مسلسل آمد و رفت میں رہا، اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان۔ اللہ نے فرمایا اے محمد! یہ پانچ نمازیں ہیں، دن اور رات میں۔ دن رات میں ہر ایک نماز کے بدلے دس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ اس طرح پچاس ہو گئیں۔ جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس نے عمل کر لیا تو اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور جس نے بُرائی کا ارادہ کیا اور عمل نہ کیا تو اس کے لیے کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر عمل کیا تو صرف ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔" آپ نے فرمایا "میں اترا اور میں موسیٰ کے پاس پہنچا اور میں نے موسیٰ کو خبر دی تو موسیٰؑ نے کہا اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس سے تخفیف کا سوال کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنے رب کے پاس گیا یہاں تک کہ میں نے حیا کی۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ کی سدرۃ المنتہیٰ کی کیفیت اور معراج کے تحفوں سے متعلق حدیث

وعن عبد اللہ بن مسعود رضؓ قال لما اسری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انتھی بہ الی سدرۃ
المنتھی وھی فی السماء السادسۃ الیھا ینتھی ما یعرج
من الارض فیقبض منھا والیھا ینتھی ما یھبط
من فوقھا فیقبض منھا قال اذ یغشی السدرۃ ما یغشی
قال فراش من ذھب قال فاعطی الصلوٰت الخمس واعطی
خواتیم سورۃ البقرۃ وغفر لمن لا یشرک باللہ من
امتہ شیئا المقحمات۔ (رواہ مسلم)

"عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات
معراج کی رات لے جایا گیا اور بھیجا گیا آپؐ کو سدرۃ المنتھیٰ کی طرف اور سدرۃ المنتھیٰ چھٹے
آسمان میں ہے۔ زمین سے جو چیز چڑھائی جاتی ہے وہ سدرہ تک پہنچتی ہے۔ وہاں سے
لی جاتی ہے اور اوپر سے سدرہ تک وہ چیز پہنچتی ہے جو زمین کی طرف اتاری جاتی
اور سدرہ کے متعلق انہوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ
مَا یَغْشٰی • پھر ابن مسعودؓ نے کہا کہ وہ سونے کے پروانے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو تین چیزیں دیئے گئے۔ پانچ نمازیں اور سورۂ بقرہ کا آخر اور اس شخص کو بخش دیا گیا
جس نے شرک نہ کیا اللہ کے ساتھ۔ اس کی امت سے کچھ اور بخش دیئے گئے کبیرہ گناہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

خطاب
ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

(گذشتہ سے پیوستہ)

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ

میں نے عرض کیا تھا کہ شفاعت مطلقہ کا جو تصوّر اور عقیدہ عام طور پر ہمارے یہاں رائج ہے باطل ہے ــــ جس شفاعت کا قرآن اور احادیث میں ذکر ہے وہ مشروط ہے۔ آنا موقع نہیں کہ میں اس موضوع پر تفصیل سے کچھ عرض کروں۔ اس موضوع پر "حقیقت و اقسامِ شرک" پر میری تقاریر میں مفصل بحث ہوئی ہے۔ یہاں اتنا عرض کرنے پر کفایت کروں گا کہ قرآن نے اصلاً تو شفاعت کی نفی کی ہے۔ جہاں اس کا اثبات ہے وہاں شرائط بھی بیان کر دی ہیں۔ شفاعت کی کامل نفی سورہ البقرہ کی آیات نمبر ۴۸، ۱۲۳ اور ۲۵۴ میں بیان ہوئی ہے جو میں پچھلے جمعہ کی تقریر میں پیش کر چکا ہوں۔ پہلی اور دوسری محولہ آیات میں تو یہود کو خطاب کر کے شفاعت کی ان الفاظ میں نفی کلّی کی گئی ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

اور وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

آخر الذکر آیت میں اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

سورۂ الزمر کی آیت نمبر ۴۴ میں بطور کلیہ فرمایا گیا:

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ	"اے نبیؐ! کہہ دیجئے کہ شفاعت
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	تو کُل کی کُل اللہ تعالیٰ کے اپنے
(القرآن)	اختیار میں ہے، جس کے لئے آسمانوں

اور زمین یعنی اس کل کائنات کی بادشاہی اور حکومت ہے۔"

سورہ الانعام کی آیت ۷۰ میں نہایت پُر جلال اور پُر ہیبت اسلوب سے شفاعتِ مطلقہ و باطلہ کی تردید کی گئی ہے۔ فرمایا:-

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ	"چھوڑو ان لوگوں کو جنھوں نے
لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ	اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ	ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب
بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا	میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ ہاں
كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا	مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا	تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص
شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ	اپنے کئے کرتوتوں کے وبال میں
عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ	گرفتار نہ ہو جائے اور گرفتار بھی

اس حال میں ہو کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لئے نہ ہو۔"

پھر سورہ السجدہ کی آیت نمبر ۴ میں فرمایا گیا:

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

قرآن حکیم میں جس شفاعت کا ذکر ہے اس میں تین شرائط بیان ہوئی ہیں۔ ایک اِذن (اجازت)۔ دوسرے رضا (پسند) اور تیسرے صواب (صحیح و حق بات) آیتہ الکرسی تو مجھے توقع ہے کہ ہم سب کو یاد ہوگی۔ وہاں فرمایا:—

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ	"کون ہے وہ جو اللہ کے سامنے
اِلَّا بِاِذْنِهٖ	شفاعت کر سکے اس کی اجازت کے بغیر"

اس استفہامی اسلوب کے تیور پہچانئے۔ اسی آیت میں آگے فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

"وہ جانتا ہے جو لوگوں کے سامنے اور انکے پیچھے ہے"

یعنی ہر بات اس کے علم کامل میں موجود ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ جو کچھ کہ ہو چکا اور گزر چکا وہ بھی اس کے علم میں ہے اور جو کچھ ہونے اور گزرنے والا ہے، وہ بھی اس کے علم کامل میں موجود ہے۔ سورۃ الانبیآء کی آیت ۲۸ میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝

"جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اذن کے ساتھ 'رضا' کا ذکر بھی آگیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ جن کو شفاعت کی اجازت ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی ناراضگی سے خوف زدہ ہوں گے کہ کہیں ایسے شخص کی شفاعت نہ ہو جائے جس کی معافی اللہ کو منظور نہ ہو۔ سورہ طٰہٰ میں اس بات کو بایں الفاظ بیان فرمایا گیا ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا

"اس روز شفاعت کارگر نہ ہوگی الّا یہ کہ کسی کو رحمٰن اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔"

اس آیت میں بھی اذن اور رضا دونوں کا ذکر ہو گیا۔ پھر یہاں بھی اگلی آیت میں اپنے علم کامل کا ذکر فرما دیا گیا تاکہ یہ مغالطہ نہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم میں معاذ اللہ کوئی کمی ہے۔ فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔

سورہ النبا کی آیت ۳۸ میں اذن اور صواب کا تذکرہ فرمایا :۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔	"جس روز روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے"

اب آئیے احادیث نبویہ کی طرف ۔ صرف دو حدیثیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ دونوں حدیثیں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی۔ قیل ومن ابی۔ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔ (رواہ البخاری و مسلم)	"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " میری امت کے تمام افراد جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس شخص کے جو (داخل ہونے سے) انکار کرے گا۔ آپؐ سے پوچھا گیا (یا رسول اللہؐ) کون انکار کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو گویا اس نے جنت میں داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔" (بخاری و مسلم ، متفق علیہ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وفیہ) تردون علی غرا محجلین من اثار الوضوء ولیصدن عنی طائفۃ منکم فلا یصلون فاقول	" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میرے پاس اس حالت میں آؤ گے کہ وضو کے سبب تمہاری پیشانیاں روشن ہونگی اور تمہارے ہاتھ پاؤں چمکتے

یا رب ھٰؤلاء من اصحابی	سے	ہوں گے۔ تم میں سے ایک جماعت
فیجیبنی ملك فیقول هل	یا	کو میرے پاس آنے سے روک دیا
تدری ما احدثوا بعدك	ت	جائے گا۔ میں عرض کروں گا ۔

اے میرے رب یہ تو میرے دوست ہیں۔ اس کے جواب میں مجھ سے کہا جائے گا کہ "آپؐ کو معلوم بھی ہے آپؐ کے بعد انہوں نے کیا کیا کیا ہے ۔"

میدانِ حشر میں آفرینش عالم سے لے کر تا قیام قیامت کی تمام بنی نوع انسان حاضر ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوِ مقام اور مرتبہ کے اظہار کے لئے آپؐ کو بالخصوص شفاعت کا مجاز کیا جائیگا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء ورسل اور جملہ امم کے صدیقین، شہداء اور صالحین کے مرتبہ کے اظہار کے لئے ان کو بھی شفاعت کی اجازت ہوگی ۔ لیکن یہ تمام شافعین صرف ایسے لوگوں ہی کی شفاعت کریں گے، جن کی معافی اور مغفرت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت مطلقہ اور علم کامل میں پہلے سے موجود ہوگا اور جن کا معاملہ یہ ہوگا کہ امتحان میں کامیاب ہونے میں قلیل MARGIN سے رہ گئے ہوں گے ۔ واللہ اعلم ۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اسلام نے انسانی جذبات کو تعمیر سیرت و کردار کے لئے دو اساسات عطا کی ہیں۔ پہلی محبت کی مثبت اساس، محبت اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی ۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کی ۔ جہاد کے متعلق ان شاء اللہ آج بعد مغرب جناح ہال میں مفصّل گفتگو ہوگی ۔ یہ جہاد کیا ہے ؛ نظام عدل و قسط کو دنیا میں قائم کرنے کی جدوجہد کی ہمارے دین میں اہمیت کیا ہے ؟ اور اس کا تعلق قرآن حکیم اور ہمارے دین کے مجموعی مزاج و نظام سے کیا ہے ؟ اس کا تو، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی دس سالہ تقریب کے افتتاحی اجلاس میں آج رات کو ان شاء اللہ بیان ہوگا ۔

اب میں آج کی گفتگو کو مزید آگے بڑھاتا ہوں ۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرنا اور آخرت کا خوف دل میں قائم کر دینا،

ان دونوں کو جمع کیجئے تو اس کی صحیح تعبیر یوں ہوگی کہ معاشرے کی اصل ضرورت تجدید ایمان کی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ حقیقی ایمان درکار ہے۔ گویا تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا اور ہیر پھیر کر بات یہاں پہنچی کہ تعمیر سیرت و کردار کے لئے ہمارے معاشرے کی اصل ضرورت یہ ہے کہ قلوب میں حقیقی ایمان پیدا ہو ـــــ اس ضمن میں آج میں ایک دقیق اور پیچیدہ بحث آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ توجہات کو میری گفتگو پر خوب مرتکز فرمالیں۔ گو کہ اس مسئلہ پر پچھلے جمعہ کو بھی گفتگو ہو چکی ہے لیکن میں چاہوں گا کہ مزید گہرائی میں اتر کر اس کو زیادہ سے زیادہ قابل فہم بنانے کی کوشش کروں۔

ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ اس ایمان کا سرچشمہ اور منبع کون سا ہے؟ ایمان ملتا کہاں سے ہے؟ اس ایمان کے لئے رجوع کدھر کریں! میں چاہتا ہوں کہ سوالات کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح Thrash کر کے آپ بھی طرح سمجھ لیں۔ اس کو آپ خطیبانہ یا جذباتی و عقیدتمندانہ انداز میں نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ اس بات کو آپ تجزیاتی (Analytical) انداز میں سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔

یہ بات جان لیجئے کہ ایمان کے دو ہی ذرائع اور مآخذ (SOURCES) ممکن ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔ ایک ذریعہ (SOURCE) ہے صحبت صاحبِ یقین، ؎ صحبت صالح ترا صالح کند۔ کسی صاحب ایمان و یقین کی صحبت میسر آجائے تو آپ میں بھی ایمان پیدا ہو جائے گا۔ یہ بالکل وہ طبعی عمل ہے۔ جیسے آپ آگ کی بھٹی کے سامنے بیٹھیں گے تو حرارت خود بخود آپ میں سرایت کرے گی۔ اگر آپ کسی سرد خانے میں ہیں تو اس کی برودت اور ٹھنڈک آپ کو بالفعل پہنچے گی۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ بھٹی واقعی آگ کی بھٹی ہے اور اس میں حقیقی آگ روشن ہے۔ یا سرد خانے میں ٹھنڈک کا فی الواقع انتظام ہے تو حرارت یا برودت آپ کو محسوس نہ ہو اور اس کے اثرات آپ پر مترتب نہ ہوں۔ صورتِ آگ اور صورتِ سرد خانہ نہ ہو۔ جیسے کہ آج کل مصنوعی آگ اور مصنوعی برف اس

طرح بنائی جاتی ہے کہ اصل و نقل میں تمیز و امتیاز اور فرق مشکل ہو جاتا ہے۔
بلکہ حقیقی آگ اور حقیقی برف ہو تو لازماً ان سے حرارت یا برودت ماحول میں
سرائت کرتی ہے۔ تو صاحب یقین و ایمان سے واقعۃً یقین و ایمان پیدا ہوتا
ہے۔ البتہ اس میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں جن کا پیش نظر رہنا ضروری ہے ـــــ
ظاہر بات ہے کہ جس نوع کی وہ بھٹی ہے اسی نوعیت کا ایمان آگے پہنچے گا ـــ
اب یہ بات جان لیجئے کہ کامل ایمان و یقین کی بھٹی تو تھی ذات محمد علی صاحبہ
الصلوٰۃ والسلام کی۔ وہ ایمان جو ہر پہلو سے مکمل ہی نہیں اکمل ہے۔ وہ ایمان
جس میں شعوری و اکتسابی پہلو بھی شامل ہے۔ ذہن میں رکھئے کہ غارِ حرا کی
خلوتوں میں جو غور و فکر ہوا ہے تو انسان کی اپنی فکر کی ... ہے، جہاں
تک اس کے اپنے غور و فکر کی رسائی ممکن ہے وہاں تک آپؐ ان خلوتوں میں پہنچ
گئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس مقام پر کھڑے گویا دستک دے
رہے ہیں کہ جس سے آگے جب تک وحی کا دروازہ نہ کھلے انسان کی رسائی
ممکن نہیں ہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے بعد وحی کا دروازہ کھلا ہے۔ یہاں
اچانک علامہ اقبال کا ایک شعر ذہن میں آگیا۔ اسے بطور تفہیم اور بلا تشبیہ
آپ کو سنا دیتا ہوں۔ اس شعر کو بلا تشبیہ سامنے رکھئے گا۔ کہیں اسے
چسپاں نہ کر دیجئے گا۔ شعر ہے:

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں! میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر!

اس شعر کے حوالے سے دو مرحلے سامنے آجاتے ہیں ـــ پہلا یہ کہ عقل انسانی
اپنی اس بلندی تک پہنچ گئی ہے جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہے اور اس
مقام تک پہنچ کر حقیقت الحقائق کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اس
کے آگے کا مرحلہ خالص وہبی ہے وہ خالص اللہ کا فیصلہ اور اس کی
ہے اس کا تعلق انسان کے اپنے ذاتی اکتساب اور ذاتی محنت سے نہیں ہے۔
وہ مرحلہ اجتبائے وحی کا مرحلہ ہے جیسے سورۃ الضحیٰ میں فرمایا: وَوَجَدَكَ
ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ "اور اے نبیؐ ہم نے آپؐ کو تلاش حقیقت میں سرگرداں
و متلاشی پایا تو ہم نے پردے اٹھا دیئے اور ہدایت کے دروازے کھول دیئے

اور جس کے متعلق سورہ الشوریٰ کی آخری دو آیات میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ	" اسی طرح (اے نبیؐ!) ہم
رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ	نے اپنے حکم سے ایک روح
تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ	تمہاری طرف وحی کی ہے تمہیں
وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا	کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی
نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ	ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ مگر
عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى	اس روح کو ہم نے ایک روشنی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ	بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے
اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ	ہیں اپنے بندوں میں سے جسے
وَمَا فِى الْاَرْضِ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ	چاہتے ہیں اور تم سیدھے راستے کی
تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝	رہنمائی کر رہے ہو۔ اس اللہ

کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔ خبردار رہو۔ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

پھر وہ وقت بھی آیا کہ خاتم النبیین و سید المرسلین کو معراج عطا ہوئی اور آپؐ کو عالم ملکوتی کی بنفسِ نفیس سیر کرائی گئی جیسے کہ بیان ہوا سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں:

سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى	"پاک ہے وہ جو لے گیا ایک
بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ	رات اپنے بندے کو مسجد حرام
الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا	سے دور اس مسجد تک جس
الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ	کے ماحول کو اس نے برکت دی
لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ	ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں
هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ	کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں
	وہی ہے سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا"

اور پھر جس کا مختصر لیکن انتہائی بلیغ نقشہ سورہ النجم کی آیات نمبر ۱۱ تا ۱۸ میں کھینچا گیا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۙ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۙ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۙ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۙ

"اور ایک مرتبہ پھر اسؐ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس انہیںؑ مشاہدہ ہوا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پہ چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں"

——— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو مراحل سے گزرے ہیں کہ انسان اپنے شعور کی بدولت فکر کے جس انتہائی بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ آں حضورؐ اس بلندی تک پہنچے اور حقیقت الحقائق کے دروازے پہ دستک دی۔ چنانچہ پردے اٹھا دیئے گئے۔ دروازے کھول دیئے گئے۔ اور خالصتہً وہبی طور پہ نبوت و رسالت کی آخری و بلند ترین مسند پہ فائز فرمائے گئے۔ پس یہ ہے ایمان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اس ایمان کی بھٹی سے جو فیضیاب ہوئے ہیں، ان کا معاملہ تو واقعتہً استثنائی (Exceptional) ہے۔ اصحاب رسولؐ علیٰ صاحبہم الصلوٰۃ والسلام والا ایمان تو اب دنیا میں دوبارہ آ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آں حضورؐ کے ایمان کی بھٹی نہ اب دنیا میں موجود ہے اور نہ آپؐ کے فیض صحبت سے جو ایمان صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے البتہ بعد کے ادوار میں کچھ اصحاب نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ انسان اپنی خوش عقیدگی اور اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ بھی ایمان حاصل کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس کو اس طرح سمجھیئے کہ اگر دل میں حقیقی ایمان یا اس کی کوئی رمق موجود ہے تو وہ لازماً عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بالکل یہی معاملہ برعکس بھی ہوتا ہے یعنی جو اعمال شریعت نے اہل ایمان کو عطا کئے ہیں، اگر ایک شخص ان پر دوام کے ساتھ عمل پیرا ہوگا اور ان کو بجا لانے کا اہتمام رکھے

گا تو اس سے بھی دل میں ایمان پیدا ہوگا۔ اس کو ، چلا اور نشوونما حاصل ہوگی۔ اس میں نکھار آئے گا۔ یہ دو طرفہ عمل ہے۔ پس بعد میں اکتسابِ ایمان کا جو یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور ہمارے ہاں اہلِ تصوّف کے حلقوں نے جو کچھ روحانی ریاضتیں اور مشقتیں اور جو چند اعمال تجویز کئے ہیں ان سے بھی قلبِ انسانی میں ایمان کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں ۔۔۔۔ میں اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن یہ جان لیجئے کہ اکثر و بیشتر یہ ایک غیر شعوری اور غیر اکتسابی ایمان کا معاملہ ہے۔ ایسے حضرات کی صحبت سے جو ایمان حاصل ہوگا' اس میں بھی شعوری اور اکتسابی ایمان کا حصّہ نہیں ہوگا اس طرح وہ ایمان میسّر نہیں آئے گا جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حاصل ہوا تھا۔ بلکہ ایمان اسی نوعیت کا ملے گا کہ جس نوعیت کا اور جس طریقے سے ان اصحابِ یقین کو حاصل ہوا تھا۔ جن کی صحبت سے فیضیاب ہوا جا رہا ہو ۔۔۔۔ نوعیت اور تاثیر کے لحاظ و اعتبار سے ایسے ایمان میں یکسانیت اور یک رنگی ہوگی۔

اب یہ سوچئے قرآن حکیم کا معاملہ ۔۔۔ جو ایمان کا دوسرا سرچشمہ اور منبع ہے۔ آج میں آپ حضرات کی خصوصی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن مجید کی گواہی کیا ہے! وہ ایمان جو آں حضورؐ کے قلب مبارک میں بالقوہ (Potentially) موجود تھا۔ میرے الفاظ کی طرف آپ کو خصوصی توجہ کرنی ہوگی ورنہ مغالطے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا یہ بڑی دقیق بحث ہے۔ ایک چیز بالقوۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں موجود تھی لیکن اس کا بالفعل وجود میں آنا اور اس کا ایک حقیقت (Actuality) کی شکل اختیار کرنا اس میں اصل دخل قرآن مجید کو حاصل ہے۔ اس کے لئے سورہ الشوریٰ کی آخری آیت سے پہلی (آیت ۵۲) کی طرف رجوع کیجئے جو میں پہلے آپ کو سنا چکا ہوں۔ فرمایا

كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ	"اے نبیؐ! آپؐ کو تو معلوم نہ تھا
رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ	کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان

تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ — کسے کہتے ہیں! ——

اب ذرا غور کیجئے الفاظ اور اسلوب ایسا ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ اس کے مصداق کہ "ہشدار کہ رہبر دم تیغ است قدم را" لہٰذا اس مقام پر بڑے محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ 'کتاب' کے بارے میں تو واضح ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ اس لئے کہ آں حضورؐ پیدا ہوئے مکہ میں اور بنی اسماعیلؑ میں —— ان کے پاس کوئی کتابِ سماوی اور کوئی شریعت نہیں تھی۔ لیکن یہ بات کہ "حضورؐ ایمان کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے تھے" یا یہ کہ "آں حضورؐ کے قلب میں ایمان بھی موجود نہیں تھا" یہ کہتے ہوئے میری زبان لڑکھڑاتی ہے۔ معاذاللہ! لیکن یہاں الفاظ کا اسلوب اسی مفہوم کا حامل ہے —— میں نے عرض کیا کہ قلبِ مبارک میں ایمان بالقوۃ (Potentially) موجود تھا لیکن اس کا حقیقی (Actual) شکل اختیار کرنے کے لئے ایک خارجی تحریک کی ضرورت تھی اور وہ وحیِ الٰہی تھی۔ لہٰذا اس آیت سے قبل وحی کی مختلف اقسام کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا:

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا — "اور اسی طرح (اے محمدؐ!) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی۔"

یہ وہ نور ہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کا آئینہ جگمگا اٹھا۔ قلبِ محمدیؐ میں آئینہ تو موجود تھا۔ اس میں استعدادِ کامل بالقوہ موجود تھی لیکن آئینے کے سامنے شمع آئے گی تو وہ جگمگائے گا۔ وہ شمع کونسی ہے! وہ نور کونسا ہے! وہ شمع اور وہ نور یہی **قرآن مجید** ہے۔

مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ — "اے نبیؐ! آپؐ نہیں جانتے تھے

وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا ۔ کہ کتاب اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا"[1]

نَھْدِیْ بِہٖ میں "ہٗ" کی ضمیر غائب قرآن مجید کے لئے آئی ہے — "اور یہ نور اس لئے بنایا گیا کہ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں" — وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۔ گھپ اندھیرے میں راستہ دیکھنے کے لئے روشنی (نور) کی ضرورت ہوتی ہے۔ شرک و جاہلیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے کو دور کرنے اور سیدھی راہ دیکھنے کے لئے نور کی ضرورت تھی جس کے لئے سورۃ الفاتحہ میں انسان کو یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی تھی کہ "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" تو اس راہ کی راہنمائی کے لئے قرآن مجید نور بنا کر نازل کر دیا گیا ہے — آیت کے اختتام پر فرمایا:

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ "اور (اے نبیؐ) یقینا آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنیوالے بن گئے ہیں"

اس بات کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ "اے نبیؐ! جب آپؐ کے قلب مبارک کا آئینہ قرآن مجید کے نور سے جگمگا اٹھا ہے تو اب آپؐ وہ بھٹی بن گئے ہیں جس سے لوگوں کو نور ایمان حاصل ہوگا۔ اب آپؐ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے والے بن گئے — لیکن بنے اسی قرآن

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پر ایمان لانے کے سلسلے میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۵ کے اس ابتدائی حصے سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط۔ نیز سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۵ کے اس درمیانی حصے سے بھی: وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ج۔ (مرتب)

مجید فرقانِ حمید کے طفیل۔ یہی ہے وہ نور جس نے آپ کے قلبِ مُصفّا کو جگمگا دیا اور قلب مبارک نورِ ایمان کی بھٹی بن گیا جس سے حرارتِ ایمانی ماحول میں پھیل گئی۔

اب دیکھئے اسی مضمون کو ایک دوسرے اسلوب سے سورہ الحدید کی آیت نمبر ۸ اور ۹ میں بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی	"وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے
عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ	پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا
لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ	ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال
اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ	کر روشنی میں لے آئے اور حقیقت
لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ	یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"

یہ قرآن مجید ہی کی آیات بیّنات ہی ہیں جو لوگوں کو الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں، شرک کے اوہام کے اندھیاروں اور جاہلیت کی تمام تاریکیوں الغرض ہر قسم کے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ سے نکال کر ایمان، یقین اور توحید کی روشنی میں لاتی ہیں۔ یہ نورِ قرآن ہی ہے جو ہر نوع کی تاریکیوں اور ہر قسم کے اندھیروں کا پردہ چاک کر کے صراطِ مستقیم کو روشن کرتا ہے اور اس منوّر راہ کی رہنمائی کرتا ہے ——— !

پس معلوم ہوا کہ اس قرآن حکیم کو اگر ایمان کا سرچشمہ اور منبع نہ بنایا جائے اور صرف چند روحانی ریاضتوں اور مشقتوں اور کچھ اوراد و وظائف اور کچھ اعمال کے ذرائع سے ایمان حقیقی پیدا کرنے پر ہی توجہ مرکوز کر دی جائے تو مطلوبہ ایمان پیدا نہیں ہوگا۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب پھر اعادہ کرتا ہوں کہ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ یہ ذرائع بالکل غیر مؤثر ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایک شخص ہے کہ جو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور اذکارِ مسنونہ و ماثورہ پر دوام کے ساتھ عمل کر رہا ہو اور وہ شخص مراقبے بھی کر رہا ہو۔ ذکر اللہ کی ضربیں بھی اپنے قلب پر لگا رہا ہو تو ان طریقوں سے بھی

دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے۔ میں ہرگز اس کا منکر نہیں ہوں۔ لیکن وہ ایمان جو قرآن حکیم میں غور و فکر اور تدبر سے اخذ کیا جائے گا اور اس کے ذریعے وجود میں آئے گا۔ اس ایمان میں اور پہلے ایمان میں نوعیت اور کیفیت (Qualitative) کے اعتبار سے فرق رہے گا۔ وہ ایمان جو ایک بندہ مومن نور قرآن سے حاصل یا اخذ کرتا ہے وہ نوعیت کے لحاظ سے بڑا عظیم ایمان ہے چونکہ نور قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر اسی مقصد کے لئے نازل فرمایا ہے۔ یہ وہ نور ہے جس نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو بالقوۃ (Potentially) ایمان موجود تھا، اسے بالفعل (Actuality) ایمان بنایا ہے۔ وہی نور درحقیقت سرچشمۂ یقین اور منبع ایمان ہے۔ یہی قرآن فی الواقع صحبت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا قائم مقام ہے[1]۔ اس کی طرف رجوع ہوگا تو درحقیقت فکر کی صحیح اساس ذہن میں قائم ہوگی اور نتیجتہً قلب میں جو شعوری ایمان وجود میں آئے گا وہ ایمان محض Dogma، خوش عقیدگی اور وراثتاً ملنے والا ایمان نہیں رہے گا بلکہ انسان کے فکر و ذہن اور قلب و ذہن کے ساتھ مربوط ہوگا۔ اور ایک پختہ، مضبوط (Integrated) اور مسحور کن شخصیت وجود میں آئے گی کہ جہاں فکر و قلب، عقل و دل اور حکم و نظر یہ سب یکجا ہو جاتے ہیں اور ان میں تضاد نہیں رہتا اور ان میں کوئی تصادم نہیں رہتا بلکہ ان میں باہم پیوستگی اور ربط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بعض تابعین یا اصاغر صحابۂ کرامؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضورؐ کی سیرت مطہرہ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے! انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ یعنی آپؐ کی سیرت مبارکہ قرآن کے عین مطابق تھی۔ (مرتب)

اس حقیقی ایمان کے حصول کا ذریعہ قرآن مجید ہے۔ اس لئے جس
نے ایسا ایمان حاصل کر لیا تو ایسے شخص یا اشخاص کی صحبت کی تاثیر سے
دایمان پھیلے گا تو اس ایمان میں بھی یہ وصف سرایت کریگا اور اگر ایمان
دسری نوعیت کا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہ اگر پھیلے گا تو اسی نوعیت کا
پھیلے گا۔ میں اس موقع پہ ان جماعتوں کا ذکر کرنا نہیں چاہتا تھا جو تبلیغ
ین کے کام کر رہی ہیں۔ لیکن یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عوامی سطح پر ایمان
لی ایک عظیم تحریک ہے جو اس دور میں "تبلیغی جماعت" کے ذریعے سے چل
ہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحریک سے عملاً وابستگان میں ایمان و
یقین کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس میں وہی فرق ہے جس کو میں نے واضح
کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس یقین و
یمان کے اندر "فکر" کی ہم آہنگی نہیں ہے۔ اس لئے کہ فکر کی سطح پہ اس تحریک
یں بحث ہی نہیں ہے۔ خرد کی گتھیاں سلجھانے کا وہاں کوئی سوال ہی نہیں ہے
بلکہ حتی الامکان اسے By Pass اور صرف نظر کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔
اس تحریک کا اصل الاصول یہ ہے کہ "ایسا کیوں اور کیسے ہے؟" ان سوالات
و اشکالات کو ذہن سے جھٹک دو اور کام کرو ــــ یقیناً اس طرح بھی بے شمار
لوگوں کے دل میں ایمان پیدا ہوا۔ یہ کام بھی بہت قیمتی ہے۔ اس لئے کہ اگر
کسی کو ایمان کی ایک رمق بھی نصیب ہو جائے تو اس کی خوش بختی کا کیا کہنا!
ہو سکتا ہے کہ ایمان کی یہ رمق اس کا بیڑا پار لگانے کا سبب بن جائے۔ اس حقیقت
سے انکار ممکن ہی نہیں کہ اس تحریک کے ذریعے کثیر تعداد میں لوگوں کی
زندگیوں میں تبدیلی آتی ہے۔ کتنی عظیم حرکت ہے جو اس وقت دنیا میں قائم ہے
لیکن اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ آج کے دور میں جب تک اس دوسری
سطح کا ایمان وجود میں نہیں آئے گا جس میں فکر کی ہم آہنگی بھی موجود ہو،
جس میں صرف "دلِ زندہ" نہ ہو بلکہ جس میں عقل بھی روشن ہو اور اس میں
صحیح فکر و نظر بھی موجود ہو ــــ جب تک اس سطح پر تجدید ایمان کی ایک مؤثر
تحریک برپا نہ ہو اس وقت تک اس دور میں ہمہ جہتی اسلامی انقلاب وجود میں

نہیں آ سکے گا۔ چونکہ اس دور میں عقلیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور عقلیت پرستی تقریباً ایک دین و مذہب کا مقام حاصل کر چکی ہے۔ اب اگر اعلیٰ علمی سطح پر قرآن کے نورِ ہدایت سے عقل و خرد کی گتھیاں سلجھانے کا اہتمام نہیں ہو گا تو وہ ذہین اقلیت (INTELLECTUAL MINORITY) جو Top پر بیٹھی ہوئی معاشرے اور نظامِ حیات کا اصل رُخ متعین کرتی ہے! وہ کبھی متاثر نہیں ہو گی اور معاشرے میں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی پائیدار و مستحکم تبدیلی نہیں آئے گی۔ ٹھیک ہے کہ عوامی سطح پر بات پھیلتی چلی جائے گی، جیسے ایک بیل زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ لیکن بات ایک انقلاب آفریں جڑ اور تنے کی صورت اختیار نہیں کر پائے گی۔

یہ ہے وہ دقیق بات جو ایمان کے ضمن میں، میں آج آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ لے میں حیران ہوتا ہوں کہ اکثر اوقات کوئی حقیقی شاعر بڑے سادہ الفاظ میں کسی حقیقتِ کبریٰ کو بیان کر دیتا ہے۔ شاید آپ کو معلوم ہو، شاعر لفظ شعور سے اسم فاعل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حقیقی شاعر وہی ہوتا ہے جس میں اعلیٰ سطح کا شعور ہو۔ عرب میں جاہلیت کے دور میں تو عقیدہ یہ تھا کہ ان شاعروں کے تابع کوئی نہ کوئی جن ہوتا ہے جو ان سے ایسی دلآویز اور فصیح و بلیغ شاعری کراتا ہے ——

میرا ذہن جب کبھی بھی مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کی طرف منتقل ہوتا ہے جو میں اپنی تقاریر میں اکثر سناتا رہا ہوں، تو میں حیران ہوتا ہوں کہ مولانا مرحوم کس کیفیت میں یہ شعر کہہ گئے۔ شعر میں سادگی اور فصاحت دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ اس میں جامعیت اور بلاغت و معنویت کتنی گمبھیر ہے ؎

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

لے اس موضوع کی تفصیلی تفہیم کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف کی تالیفات (۱) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق اور (۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی صحیح بنیادیں " کا مطالعہ ان شاء اللہ نہایت مفید ہو گا (مرتب)

اس شعر میں لفظ عقل قابلِ غور ہے۔ مولانا مرحوم یہاں یہ لفظ بڑے گہرے شعور اور معنویت کے ساتھ لائے ہیں۔ واقعتہً ایک ایمان وہ ہے جو عقل کو By Pass کر کے حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ صحبت سے مل سکے گا۔ صاحب یقین و ایمان کی صحبت میں آپ بیٹھیں گے تو ایمان آپ کو بھی ملے گا۔ بھٹی کی آگ آپ کو بھی ملے گی۔ لیکن یہ ایمان عقل اور فکر کی راہ سے نہیں آرہا۔ اس میں ذہن و قلب کی ہم آہنگی نہیں ہے۔ جبکہ عالمی فکری و عملی انقلاب کے لئے جو ایمان مطلوب ہے اس میں عقل کی بنیاد موجود ہونی لازمی ہے یہ ایمان دکان فلسفہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا بلکہ واقعہ اور حقیقت کبریٰ یہی ہے کہ یہ وہ جنس ہے جو ؎

ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی کی دو عظیم مبلغ قرآن شخصیتیں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال مرحوم کو سمجھتا ہوں۔ میں یہ باتیں پہلے بھی کئی بار آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ لیکن آج میں نے ایک دوسرے اسلوب سے یہ باتیں آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ میں نے جس اسلوب سے یہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے یہ اسلوب و انداز آپ کو نہ شیخ الہند کے ہاں ملے گا اور نہ علامہ کے ہاں ـــــ حالانکہ میرا گہرا احساس بلکہ سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ چودھویں صدی کی برصغیر ہند و پاک کی حد تک ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے اعتبار سے یہ دونوں محترم شخصیتیں عظیم ترین شخصیتیں ہیں۔ علامہ اقبال کی نابغیت (GENIUSNESS) کا لوہا تو اب جیسے جیسے زمانہ گزر رہا ہے مانا جا رہا ہے۔ بعض اہلِ فکر اس رائے کا اظہار کر چکے ہیں کہ مصر میں شاہ فاروق کا تختہ پلٹنے کی تہہ میں دوسرے عوامل کے ساتھ مؤثر عامل علامہ کا پیغام تھا۔ ایران کے موجودہ انقلاب کے متعلق بھی بعض مفکرین بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس انقلاب کا اصل جذبہ علامہ کی شاعری نے فراہم کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جدید دور کے فکر و فلسفہ سے ہم آہنگی کے ساتھ اور اس کی علیٰ وجہ البصیرت تردید کرتے ہوئے عظمت قرآن کے بیان اور اس کی ترجمانی میں علامہ جس بلندی تک پہنچے ہیں

اس میں کوئی ان کا مدِمقابل نہیں ہے۔[1] دوسری طرف علماء کے طبقے میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ہیں۔ وہ مجاہد حریت اور وہ درویش جس کے نام سے انگریز لرزتا تھا اور جسے انگریزی حکومت نے جب اسیر کیا ہے تو مالٹا میں رکھا ہے ـــ میں جب بھی اس کا ذکر کرتا ہوں مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آجاتا ہے ؎

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

شیخ الہند کو گرفتار کر کے ہندوستان میں نہیں مالٹا میں رکھا گیا۔ یہ وہ شخصیت ہیں کہ استاذ العلماء ہیں ـــ میں آج آپ کو اپنے دل کی بات بتا دوں! میں معتقد اور قائل ہوں یا تو امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ـــ دورِ صحابہؓ تابعین و تبع تابعین کے بعد میرا گہرا تأثر، احساس اور پختہ رائے یہ ہے کہ عالم اسلام میں علمی اعتبار سے تین عظیم ترین شخصیتیں گزری ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام غزالی رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ لیکن ان تینوں کے اندر نسبت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اکیلے مساوی ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ اور امام غزالیؒ کے۔ ان دونوں کے کمالات جس شخص کی ذات میں جمع ہوتے ہیں۔ وہ ہیں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ عالم اسلام کے رجال دین میں شاہ صاحبؒ ہی وہ شخصیت ہیں جن میں امام ابن تیمیہؒ کی عقلیت اور سنت کے ساتھ تمسک، وہ بھی بکمال و تمام موجود ہے اور امام غزالیؒ کا وہ تصوف و تفلسف (فلسفہ و منطق) یہ دونوں چیزیں بھی بکمال و تمام موجود ہیں۔ میرے نزدیک یہ ہے مقام امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا۔

ان کے بعد برصغیر پاک و ہند میں طبقہ علماء میں جو عظیم ترین شخصیت پیدا ہوئی ہے، وہ ہیں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ـــ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جامعیت کا آپ کو اندازہ کرنا ہو تو آپ کو ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنا ہوگا ـــ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی جامعیت

---

[1] اس موضوع پر ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تالیف "اقبال اور ہم" کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (مرتب)

آپ کو اندازہ کرنا ہو تو آپ کو ان کے تلامذہ کو دیکھنا ہوگا۔ ان کے تلامذہ
ں ایک طرف تو مجاہدین حریت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔
شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ہیں، رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبید اللہ سندھی
رحمہ اللہ جیسی سیماب وش شخصیت ہیں۔ جنکے شاگرد رشید تھے مولانا احمد علی
ہوری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اسی شہر لاہور میں چالیس برس تک ایک مسجد
ں مستقل ڈیرا لگا کر قرآن حکیم کا درس دیا ہے۔ دوسری طرف علمی اعتبارات سے
مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ ہیں رحمۃ اللہ علیہ، مولانا انور شاہ کاشمیری ہیں رحمہ اللہ
یسری طرف مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد میاں
رحمۃ اللہ علیہم اور ایسی بے شمار مجاہد صفت علمی شخصیتیں ہیں۔ چوتھی طرف وہ درویش
صفت و منش، جسم اور جثے کے لحاظ سے نحیف و ضعیف لیکن عزم و ہمت اور
مجاہدہ کے اعتبار سے کوہ ہمالیہ اور سیماب وش شخصیت ہیں مولانا محمد الیاس
رحمۃ اللہ علیہ بانئ تبلیغی جماعت ـــــ پانچویں طرف صاحب علم اور صاحب تقویٰ
شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت شیخ الہند کے ساتھ
شرف تلمذ حاصل ہے ـــــ الغرض شیخ الہند کے تلامذہ گرامی میں سے ہر ایک
اپنے اپنے مقام پر علم دین و عرفان کا خورشید تھا۔ ایسی تمام شخصیتوں کو جوڑیئے!
تو اس کا منبع بنتا ہے، شیخ الہندؒ ـــــ! علم قرآن کا میدان ہو، حدیث و فقہ
کا میدان ہو، تصوف و سلوک کا میدان ہو۔ پھر انگریزی سامراج کے خلاف جہاد
حریت کا میدان ہو اور قید و بند اور دار و رسن کے مراحل ہوں ـــ ان سب
سے یہ مرد خدا آگاہ اور خدا مست گزرا ہے۔

شیخ الہندؒ اور علامہ اقبال مرحوم چودھویں صدی کی یہ دونوں عظیم شخصیتیں
اس بات پر متفق تھیں کہ امت کے سارے امراض کا علاج ایک ہی ہے کہ اس
کو قرآن مجید کی طرف لوٹایا جائے۔ میں نے بڑے وسیع پیمانے پر یہ
باتیں پھیلائی ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کا وہ قول جو اسارت مالٹا سے واپسی کے
بعد انہوں نے دار العلوم دیوبند میں علمائے وقت کے ایک بہت بڑے مجمع میں
ارشاد فرمایا تھا۔ جس کو روایت کیا ہے مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے

اپنی تالیف "وحدتِ امت" میں اس شیخ الشیوخ کا دل دردمند حالت اسیری میں امت کے حال پر سوچتا رہا ہے کہ ہمارے ساتھ ذلت و خواری اور فلاکت و محکومی کا معاملہ کیوں ہے؟ اقبال کے اس شعر کے مصداق ؎

آج ہیں کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند　　گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اس سوچ بچار اور غور و فکر کا جو جواب حضرت شیخ الہند کو ملا ہے، اس کو انہوں نے اس اجتماع علماء میں بایں الفاظ ارشاد فرمایا:-

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس بات پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی، اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کئے جائیں بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

شیخ الہندؒ کے اس قول کے متعلق اپنی تالیف میں مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ حضرتؒ نے جو یہ دو باتیں فرمائیں، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اصل میں دو نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے آپس کے اختلافات، خانہ جنگی اور تفرقے کا اصل سبب بھی قرآن مجید سے دور ہو جانا ہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جڑ اور بنیاد ایک ہی ہے اور وہ ہے ہمارا قرآن مجید فرقان حمید، شفاءٌ للناس سے بُعد ــــ اس کے سوا اور کچھ نہیں ــــ

وحدتِ ملی کی اساس کونسی ہے؟ یہی قرآن حکیم: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ وعظ کہہ دینا آسان ہے کہ اتحاد ہونا چاہیئے۔ سوال یہ

ہے کہ اتحاد کس اساس پر ہو؛ ہر تعمیر کے لئے بنیاد درکار ہوتی ہے اور وحدت ملی کی لئے اصل بنیاد قرآن حکیم ہے ــــ

دوسری طرف، جو کچھ اس بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے. اس کا بار بار تذکرہ ہو چکا ہے. میں اس وقت اس کا اعادہ نہیں کروں گا۔ صرف دو شعر آپ کو سنا کر آگے چلتا ہوں کہ

خوار از مہجوری قرآں شدی   شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی

اے چوں شبنم بر زمین افتندۂ   در بغل داری کتاب زندۂ

تمہارے تمام دکھوں اور مصیبتوں کا علاج تمہاری بغل میں موجود ہے. کہاں در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہو اور کہاں کہاں تم نے بھیک کی جھولی پسار رکھی ہے اور دست سوال دراز کر رکھا ہے ! کہیں نظریات کی بھیک مانگ رہے ہو، کہیں نظام سیاست و حکومت کی بھیک مانگ رہے ہو۔ کہیں معاشرت و معیشت کے اصولوں کی بھیک مانگ رہے ہو. کہیں اسلحہ کی بھیک مانگ رہے ہو. کہیں اقتصادی امداد کا کشکول ہاتھ میں لے کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہو. ملوک و سلاطین اور صدور و امراء کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو۔ تمہاری اصل دولت اور تمہاری تمام بیماریوں کا علاج تمہاری اپنی بغل میں موجود ہے ع در بغل داری کتاب زندۂ ـــــ!

یہ ہیں وہ عظیم ترین شخصیتیں جن کی رائیں اس بات پر مرتکز ہو ئیں کہ امت کی تمام خرابیوں اور پستیوں کا علاج صرف اور صرف رجوع الی القرآن ہے. ع متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

اس میں کوئی اختلاف نہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کریں کیا! اس قرآن حکیم کا اذہان و قلوب میں نفوذ کیسے ہو ؟ میں پھر عرض کر رہا ہوں کہ صرف قرآن کا علم کافی نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے اور اس کی بھی بڑی تاثیر ہے۔ میں تو یہ بھی مانتا ہوں کہ اگر کہیں صرف صحیح پڑھنے والا قرآن پڑھ رہا ہو تو قرآن کا جو اپنا ایک ملکوتی غنا ہے، اس کی اپنی جو ملکوتی موسیقی ہے، پڑھنے والا صرف اسے بروئے کار

لا سکے تو اس میں بھی بڑی تاثیر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ چاہے دہ پڑ
دالا سمجھ رہا ہو یا اور نہ سننے والا کہ کیا کہا جا رہا ہے پھر بھی اس میں تاثیر
اس لئے کہ یہ مالکِ ارض و سما کا کلام ہے اور اس کا ایک ملکوتی صوتی اثر
(DIVINE SOUND EFFECT) ہے۔ انسان کی روح اس ملکوتی کلا
کے اثرات سے ہم آہنگ ہے۔ اس سے آگے یہ کہ انسان قرآن مجید کی
ناظرہ تلاوت کر رہا ہو، ترجمہ سے استفادہ کر رہا ہو۔ یہ عمل بھی اس کو متاثر
کرے گا۔ لیکن ایک عمل ہے ذہن و فکر اور عقل و شعور کے ذریعے قرآ
حکیم کو قلوب میں اتارنا ؎

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

علامہ اقبالؒ نے بڑی پیاری بات ایک اور شعر میں کہی ہے۔ سنیئے
کہتے ہیں ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَآ اِلٰـہ اِلَّا !!
لغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

عالم عرب کی زبان عربی ہے، اس حقیقت سے کون واقف نہیں
لیکن کیا اس وقت ان میں باطل نظریات موجود نہیں ہیں ؟ کیوں موجود
ہیں۔ قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو ان کی مادری زبان ہے۔ وہ تو اس
کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ دقت تو ہمارے سمجھنے میں پیش آتی ہے چونکہ عربی
ہماری مادری زبان نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ کیا ہے! ایک غلاف ا
ایک خول ہے، باطل نظریات اور باطل فلسفوں کا جو ذہنوں پر چڑھا ہوا
ہے۔ یہ DUST SUSPENSION ایسی ہے جیسے ہر شخص IN HALE
کر رہا ہے۔ ان باطل نظریات کی غبار آلود فضا میں سانس لے رہا ہے
—— اور سانس کے ذریعے یہ نظریات ہمارے اذہان
میں، ہمارے فکر میں اور ہمارے قلوب میں سرایت کرتے رہتے ہیں
اور ان کا جزو بنتے رہتے ہیں۔ اس سے ہماری اقدار (VALUES)
متعین ہوتی ہیں اور اس غبار نے وہ حجاب ہمارے دلوں پر ڈال دیئے

جیسے یہودی نبی اکرمؐ سے استہزاءً کہا کرتے تھے کہ "قلوبنا غلف" اے محمدؐ! آپ ہم پر کتنی ہی تبلیغ کرلیں، ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ وہ بڑے محفوظ ہیں، ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ استہزاءً اور ڈھٹائی کے ساتھ وہ کہا کرتے تھے۔ اسی طرح اس بات کو سمجھ لیجئے کہ دراصل باطل نظریات کے غلافوں میں انسان کا فکر اور ارادہ آیا ہوا ہے۔ جب تک کہ ان باطل نظریات کا غلاف پھاڑ نہیں دیا جائے گا، جب تک ان کا پردہ چاک نہیں ہوگا۔ جب تک ان کی جو مرعوبیت اذہان پر مستولی ہے، وہ ختم نہیں ہوگی۔ قرآن مجید اندر نہیں اترے گا اور جب تک اندر نہیں اترے گا، کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آئیگی اس بات کو مثبت انداز میں علامہ اقبال نے یوں کہا ہے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود   جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہاں علامہ نے "جان کے اندر" کہا ہے۔ اردو شعر میں ضمیر کہا تھا

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب   گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

ضمیر باطن کو کہتے ہیں۔ چھپی ہوئی حقیقت۔ جان بھی باطن کے حقائق کی ایک تعبیر ہے۔ ہماری عقل، ہمارا فکر، ہمارا قلب اور ہماری روح مخفی حقیقتیں ہیں، یہی اصلاً جان ہے۔ وہاں تک اگر قرآن حکیم کی حکمت اور اس کے فطری استدلال کی رسائی نہ ہوئی تو ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل!
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لا الٰہ الا   لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

لاالٰہ الا اللہ پر جب تک دل مطمئن نہ ہو تو یہ کہہ دینا محض ایک اجنبی زبان ہی رہے گی۔ چاہے کہنے والا عرب ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔ اس تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ فرد کی اصلاح کا معاملہ ہو یا پورے معاشرے کی اصلاح کا سوال ہو تو اس کے لئے اصل ضرورت ہے **ایمان** ۔۔۔۔ اور ایمان کا سرچشمہ اور منبع ہے **قرآن مجید** ۔۔۔۔ پھر قرآن کی صرف تعلیم و تدریس ہی نہیں بلکہ اس کے حِکَم اور اس کے فطری

وبدیہی استدلال کا اذہان سے قلوب میں نفوذ ـــــ ایسا نفوذ کہ اس کی حقانیت پر فکر و نظر اور عقل و شعور مطمئن ہوں اور ان ذرائع سے یہ اطمینان قلب اور روح میں اتر جائے۔ دل گواہی دے کہ یہ قرآن حق ہے اور قلب و نظر کی کیفیات یہ ہو جائیں کہ : فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اور وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہو؟ قرآن مجید کے قلوب میں نفوذ کے لئے کیا اہتمام کیا جائے؟ اس کام کو دو سطحوں پر انجام دیا جا سکتا ہے۔ پہلی سطح محدود سطح ہے اور دوسری سطح وسیع ترین سطح ہے۔ محدود سطح یہ ہے کہ رجال دین اور دینی ادارے، انجمنیں عوامی درس کی صورت میں ـــــ عوامی درس کی اصطلاح میں نے شیخ الہندؒ کے قول سے اخذ کی ہے جو میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ عوامی سطح پر قرآن حکیم کے انقلابی دعوت و پیغام کو عام کریں۔ ان درس کے لئے فلسفہ و منطق کے اسلوب کے بجائے قرآن ہی کے طرز استدلال کو اختیار کریں جو عقل و شعور کے ساتھ ساتھ فطرت انسانی اور بدیہیات انسانی کو اپیل کرتا ہے ـــــ اجتماعات جمعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں۔ حضورؐ خطبہ میں قرآن پڑھا کرتے تھے اور اس کے ذریعے لوگوں کو تذکیر کرایا کرتے تھے۔ کَانَ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء القرآن ویذکر الناس

ـــــ خطبہ جمعہ سے قبل تقاریر کا جو سلسلہ جاری ہے یا جو حضرات اردو یا مقامی زبان میں خطبہ جمعہ دیتے ہیں، وہ اسی عمل پر دوام اختیار کریں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اساسی منہاج ہے۔ یعنی یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ـــــ وسیع ترین سطح اور بڑے پیمانے پر حکومت کے کرنے کے جو کام ہو سکتے ہیں، میں نے پچھلی تقریر میں بھی ان کا اجمالاً ذکر کیا تھا لیکن آج ان کاموں کا تفصیلاً تجزیہ کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

(جاری ہے)

ڈاکٹر عارف رشید

حجازِ مقدّس میں پندرہ دن

پچھلے رمضان المبارک میں کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے شعبۂ میڈیسن سے وابستہ دو پروفیسر صاحبان، جناب ڈاکٹر نواب محمد خان اور جناب ڈاکٹر محمد طاہر لاہور تشریف لائے تھے۔ دونوں حضرات لاہور میں رمضان المبارک کے دوران اور اس کے بعد ہونے والے ڈاکٹر صاحب کے اکثر دروس قرآن اور دیگر پروگراموں میں شریک ہوئے۔ اور انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حجاز مقدس کے شہر جدہ جا کر ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن اور خطابات کے پروگرام تشکیل دیں گے اور پھر باقاعدہ "جامعہ" (کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی) کی انتظامیہ سے اجازت لے کر ڈاکٹر صاحب کو مدعو کریں گے۔ بہرحال ان کی طرف سے دعوت نامے کا انتظار ہی رہا، غالباً ان حضرات کو جامعہ کی طرف سے اجازت نہیں مل سکی۔ اسی سال رمضان المبارک کے بعد یعنی اگست ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر صاحب کا دورۂ امریکہ کا پروگرام بن گیا۔ وہاں شکاگو سے متصل ایک ریاست وسکونسن کے ایک شہر 'ووپاکا' میں ۲۲ اگست تا ۲۸ اگست انجمن خدام القرآن، شکاگو کے زیر اہتمام ایک قرآنی کیمپ کا انعقاد تھا۔ وہیں ڈاکٹر صاحب کی ملاقات سعودی عرب میں مقیم دو پاکستانی ڈاکٹر حضرات سے ہوئی جن کے اسمائے گرامی ڈاکٹر شجاعت علی برنی اور ڈاکٹر فرحت علی برنی ہیں۔ یہ دونوں سگے بھائی ہیں۔ مقدم الذکر نے طب کے شعبہ امراض دماغی PSYCHIATARY میں ڈاکٹریٹ اور مؤخر الذکر نے انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کیا ہوا ہے۔ ڈاکٹر شجاعت علی برنی طائف کے ایک ہسپتال میں بہت بڑے عہدے پر فائز ہیں اور ڈاکٹر فرحت علی برنی 'جامعۂ ملک عبدالعزیز یونیورسٹی میں شعبۂ تدریس سے منسلک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے ان دونوں بھائیوں کی پہلی ملاقات قرآنی کیمپ میں ہوئی تھی۔ دونوں حضرات نے

اس خواہش کا اظہار کیا کہ جدّہ میں ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن کے پروگرام تشکیل پانے چاہئیں ـــــ اور اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ جدّہ جاکر اس سلسلہ میں حکاّم بالا سے گفت و شنید کریں گے اور اجازت ملتے ہی ' ویزا ' روانہ کردیں گے۔

اب سے چار سال قبل خانہ کعبہ ' کا جو سانحہ ہوا تھا اور اس میں بیت اللہ کی جو حُرمت پامال ہوئی تھی اس کے بعد سے سعودی حکومت ' مذہبی پروگرام ' کے عنوان ہی سے سخت الرجی محسوس کرنے لگی ہے۔ وہاں کی انٹیلی جنس کے کان میں بھی اگر کسی اس قسم کے پروگرام کی بھنک پڑ جائے تو وہ چوکنا ہو جاتے ہیں ـــــ لہٰذا ان حالات میں سعودی عرب میں ڈاکٹر صاحب کے پروگرام تشکیل دینا اور ان کی اجازت حاصل کرنا خاصا دشوار گذار کام تھا۔ بہرحال اگر قوتِ ارادی مضبوط ہو اور عزم مصمم ہو تو اللہ تعالیٰ راستہ ضرور پیدا فرماتا ہے

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ آسان کر دیتا ہے۔"

اور وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ "جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔"

بہرحال ڈاکٹر فرحت علی برنی کی پیہم کوشش کے نتیجے میں جامعہ ' کی طرف سے جامعہ ہی کی جامع مسجد میں دروسِ قرآن کی اجازت مل گئی۔ فوراً ہی انہوں نے ویزا ارسال کردیا اور یوں ہم یعنی ڈاکٹر صاحب (ابا جان) والدہ محترمہ اور راقم مؤرخہ ۱۰ ارمارچ بروز جمعرات صبح ۱۰ بجے کی فلائٹ سے کراچی کے لئے روانہ ہوگئے۔

جدّہ کے لئے مؤرخہ ۱۰ ارمارچ ہی کی رات ساڑھے دس بجے کی فلائٹ تھی جس کے ذریعے پاکستانی وقت کے مطابق صبح ساڑھے تین بجے اور جدّہ کے مقامی وقت کے مطابق صبح ڈیڑھ بجے ہم جدّہ ائیرپورٹ پر پہنچ گئے۔ ہماری فلائٹ میں کوئی نشست بھی خالی نہ تھی ـــــ پی آئی اے کے عملہ نے ہمارے

ساتھ بہت تعاون کیا اور ہمیں آرام دہ نشستیں فراہم کردیں جو NON SMOKING AREA میں تھیں۔ سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان لوگوں کی آمدورفت اس قدر زیادہ ہے کہ روزانہ پی آئی اے کی ایک پرواز کراچی سے جدّہ اور جدّہ سے کراچی آتی ہے اسی طرح سعودیہ ائیر لائنز کی بھی ہفتہ میں تین دن پرواز ہے — اور اس کے لئے پی آئی اے اپنا سب سے بڑا جہاز یعنی جمبو 747 استعمال کرتا ہے اور مجال ہے کہ آپ کو کہیں کوئی نشست خالی نظر آجائے — جمبو میں کل ساڑھے چار سو کے قریب مسافر سفر کرسکتے ہیں۔ — واقعہ یہ ہے کہ دورانِ سفر جب راقم کا ذہن اس طرف منعطف ہوا کہ ۴۵۰ آدمی مع اپنے سازوسامان کے اور پھر جہاز کا وزن — سب کے سب زمین سے ۳۵۰۰۰ فٹ بلند فضا میں اڑے جارہے ہیں تو فوراً قرآن کی ایک آیت یاد آگئی

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ	"کیا انہوں نے اپنے سروں پر
فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ	اڑتے ہوئے جانوروں کو نہیں
مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ	دیکھا جو پروں کو پھیلائے رہتے

ہیں اور ان کو سکیڑ لیتے ہیں — کون ہے جو ان کو (فضا میں) تھامے رکھتا ہے سوائے 'رحمٰن' کے"۔

جدّہ ائیرپورٹ پر خوش آمدید کہنے والوں میں جناب ڈاکٹر فرحت برنی، فیض اللہ خان اور دیگر کئی حضرات شامل تھے۔ جدّہ کا نیا ائیرپورٹ شہر سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر باہر واقع ہے جبکہ قدیم ائیرپورٹ وسطِ جدّہ یعنی "بلد" میں ہے۔ دونوں ائیرپورٹ زیرِ استعمال ہیں البتہ قدیم ائیرپورٹ (مطار قدیم) صرف ائیرفورس اور اس ضمن میں TRAINING کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۱۱ مارچ بروز جمعۃ المبارک صبح ۱۰ بجے ہم لوگ جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے — جدّہ سے مکّہ تک جو نئی سڑک تعمیر ہوئی ہے وہ کسی طرح بھی امریکہ کی سڑکوں سے کم نہیں ہے۔ کل فاصلہ ۷۶ کلومیٹر یعنی تقریباً ۴۶ میل ہے۔ پورے رستے میں کہیں کوئی چوک یعنی CROSSING نہیں ہے۔ ٹریفک انتہائی تیز رفتار

ہے جس کی وجہ سے حادثات عام ہیں۔ حادثات کی روک تھام کے لئے جگہ جگہ سڑک پر جلی حروف میں تنبیہی جملے لکھے ہوئے ہیں۔ حدودِ حرم سے قبل ہی یعنی مکہ سے تقریباً ۱۵ میل کے فاصلے پر مین روڈ سے ایک سڑک نکل جاتی ہے جس پر لکھا ہے "FOR NON MUSLIMS"۔ گویا اس مقام سے آگے صرف مسلمان ہی جاسکتا ہے اور غیر مسلموں کے لئے آگے حدود حرم میں داخل ہونا منع ہے۔ اس مقام پر فوراً ذہن قرآن کی اس آیت کی طرف منتقل ہوگیا

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ "مشرکین تو نجس ہیں۔ لہٰذا یہ

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں"

مکہ کی پختہ سڑکوں اور دونوں طرف بلند و بالا عمارتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے چشمِ تصور میں آج سے ۱۴۰۰ سال قبل کا زمانہ آگیا جب بیت اللہ بھی کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا اور ان سڑکوں کی جگہ تپتی ہوئی چٹانیں اور پتھر تھے ـــــ بیت اللہ کے گرد چند سو گھرانے تھے ـــــ انہیں میں سے ایک گھرانہ بنی ہاشم کا تھا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ آپ کا بچپن اور پھر جوانی انہیں گلیوں اور بیت الحرام کے قرب و جوار میں گزری پھر فوراً ذہن منتقل ہوا اور ایک اور منظر پر نگاہ ٹک گئی۔ شدید گرمی کا زمانہ ہے۔ مکہ کی سنگلاخ زمین ہے اور یہیں کعبۃ اللہ کے قریب ایک گلی میں چند لوگوں کا مجمع ہے۔ ذرا قریب ہو کر جھانکا تو دیکھا کہ ایک حبشی نژاد شخص زمین پر اوندھے منہ پڑا ہے اور اس کی پشت پر ایک انتہائی بھاری پتھر پڑا ہے اور ایک سنگدل ہاتھ میں کوڑا لئے کھڑا ہے اور اس کی ننگی پیٹھ پر برسا رہا ہے۔ زمین پر پڑے ہوئے شخص کے منہ سے گرمی کی شدت کی وجہ سے جھاگ نکل رہا ہے اور انتہائی نقاہت کے باوجود اس کی زبان سے ہلکے ہلکے کچھ الفاظ سنائی دے رہے ہیں۔ ذرا سماعت پر زور دے کر سنا تو معلوم ہوا کہ کوڑے لگانے والے شقی القلب آدمی کے سوال "مَنْ رَّبُّكَ" (تیرا رب کون ہے؟) کے جواب میں ان کے منہ سے غشی اور نقاہت کے باوجود اَحَد اَحَد (وہ اکیلا ہے، وہ اکیلا ہے) کے الفاظ نکل رہے ہیں۔ یہ زمین پر پڑا ہوا شخص کون ہے؟ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کہ ایک ادنیٰ غلام بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہ شقی القلب شخص کون ہے؟
وہ امیہ ابن خلف ہے، جس نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر اپنا
غلام بنا لیا تھا ـــــ یہی مکہ کی گلیاں ہیں اور ایک شخص کو اس کے مالک نے تپتی
ہوئی زمین پر اوندھے منہ لٹا رکھا ہے۔ قریب ہی آگ کا الاؤ روشن ہے اور اس
میں کوئلے دہک رہے ہیں۔ ایک شقی القلب شخص آتا ہے اور دہکتے ہوئے کوئلوں
کا ایک ابرتن ان کی ننگی پیٹھ پر الٹ دیتا ہے۔ پشت پر سے چربی پگھلتی ہے اور رفتہ رفتہ
وہ کوئلے ٹھنڈے پڑتے ہیں۔ ذرا سوچیے تو اس شخص کو آخر کس جرم کی سزا
مل رہی ہے! ایسا کون سا گناہ اس سے صادر ہوا ہے کہ اس کے ساتھ یہ سلوک
ہو رہا ہے۔ یہ جرم اور گناہ "صرف اس قدر ہے کہ اس نے خدا کو ایک مانا" ہے۔
اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہے اور زبان سے اس کی گواہی ان
الفاظ میں دی ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ آج اسلام جو ہم تک پہنچا ہے تو وہ ان حضرات اور ان
جیسے ہزاروں صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کے نتیجے میں پہنچا ہے۔ اگر اسلام کے لئے
اختیار کردہ راستہ "صحیح" ہے تو اس راہ میں یہ قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور مصائب و
آلام آکر رہتے ہیں۔ بمصداق آیت قرآنی:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا	"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ
اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا	صرف اسی بات پر چھوڑ دیئے جائیں
يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا	گے کہ انھوں نے زبان سے کہدیا کہ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	ہم ایمان لے آئے۔ اور ان کو
فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	آزمایا نہ جائے گا۔ ہم نے تو لازماً
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۔	آزمایا ہے ان کو جو ان سے پہلے گزرے

ہیں۔ پس اللہ جان کر رہے گا کہ کون (اپنے دعوئ ایمان میں)
سچے ہیں اور کون (اپنے دعوی ایمان میں) جھوٹے ہیں"۔

جمعۃ المبارک کی نماز سے فارغ ہو کر ہم نے عمرہ ادا کیا اور شام کو تقریباً ساڑھے
پانچ بجے جدہ واپس پہنچ گئے۔ جدہ میں ہمارا قیام "جامعہ" کے ریسٹ ہاؤس میں رہا۔

جو جامعہ سے تقریباً ۸ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہماری جدہ آمد سے قبل ڈاکٹر فرحت برنی صاحب نے بتایا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ متذبذب تھے کہ ہماری رہائش کہاں رکھی جائے! مقصود یہ تھا کہ نہ تو ہمیں تکلیف ہو اور نہ ہمارے میزبان حضرات کو۔ ابھی اسی شش و پنج میں تھے کہ جامعہ کی انتظامیہ کے ایک سرکردہ صاحب نے سوال کیا کہ تم ڈاکٹر صاحب کو بلا تو رہے ہو ان کی رہائش کا کوئی معاملہ طے ہوا ہے یا نہیں! ڈاکٹر برنی صاحب نے جواب دیا کہ وہ ہمارے گھر میں ہی ٹھہریں گے۔ اس پر انہوں نے خود تجویز پیش کی کہ جامعہ کا ریسٹ ہاؤس کیوں نہیں استعمال کرتے! ڈاکٹر برنی صاحب کو اس کی توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ اپنا ریسٹ ہاؤس بھی اس سلسلے میں پیش کر دیں گے۔ اس طرح ہماری رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ!

۱۱ مارچ، بعد نماز مغرب جامعہ کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الحجرات کی آیات ۱۳ اور ۱۴ کا درس دیا۔ جس میں "اسلام" اور "ایمان" کے فرق کا انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا۔ آج چونکہ تعطیل تھی اس لئے حاضرین کی خاصی تعداد درس سننے آئی تھی ۔۔۔۔ ۲۰۰ کے لگ بھگ حضرات شریک درس تھے تقریباً تمام حضرات کا تعلق پاکستان سے تھا جو ۴، ۵ سال سے لے کر ۱۵، ۲۰ سال قبل تک پاکستان سے سعودی عرب منتقل ہوئے تھے۔ وہاں کے لوگوں کے نزدیک حاضرین کا اس تعداد میں جمع ہونا اور ان حالات میں کہ کسی قسم کی پبلسٹی نہیں کی گئی صرف بذریعہ فون اور خط و کتابت ہی لوگوں کو مطلع کیا جا سکا، غیر معمولی بات تھی۔ نمازِ عشاء کے بعد تقریباً پون گھنٹہ سوال و جواب کی نشست رہی اور اس طرح رات ساڑھے نو بجے ہم لوگ فارغ ہوئے۔

۱۲ مارچ، بروز ہفتہ آج شام بعد نماز مغرب پھر جامعہ کی مسجد میں پروگرام تھا ۔۔۔ سورۃ الحجرات کی اگلی آیت یعنی آیت نمبر ۱۵ کا درس ہوا۔ آیت یہ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	"مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا	اللہ پر اور اس کے رسول پر اور پھر شک

وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ؀ میں نہیں پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے رستے میں، صرف یہی لوگ ہیں جو (اپنے دعوئے ایمان میں) سچے ہیں۔"

مغرب کے فوراً بعد حاضرین کی تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن پندرہ بیس منٹ کے بعد ہی حاضری ۲۰۰ سے متجاوز ہو گئی۔ کل ہی کی طرح نمازِ عشاء کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی لوگوں کا ذوق وشوق دیدنی تھا۔ ابھی ڈھیر سارے سوال باقی تھے۔ لیکن رات زیادہ گزر چکی تھی۔ اس لئے رات تقریباً دس بجے اجتماع کے اختتام کا اعلان کردیا گیا ـــــ!!

۱۳ / مارچ بروز اتوار آج جدہ میں ڈاکٹر صاحب کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ البتہ مکہ مکرمہ کے احباب نے ڈاکٹر صاحب کو مدعو کیا ہوا تھا۔ مکہ میں ڈاکٹر انصار شامی صاحب کے ہاں خواتین کا ایک پروگرام تھا جس میں تقریباً ۱۵ مرد حضرات بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر انصار شامی صاحب امریکہ میں مقیم تھے اور چار پانچ سال قبل سعودی عرب منتقل ہو گئے تھے۔ موصوف انتہائی سادہ اور بے تکلف شخصیت کے حامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے سورۃ التحریم کی آیات نمبر ۶ تا ۸ کا درس دیا۔ آیات کا مضمون انتہائی جامع تھا۔ آغاز ان الفاظ سے ہوا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا "اے اہلِ ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔"

اور اسی میں وہ الفاظ مبارکہ بھی ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ـــ "اے اہلِ ایمان! پلٹو اور رجوع کرو اللہ کی طرف اور صدقِ دل کے ساتھ توبہ کرو۔"

سورہ تحریم کی مذکورہ بالا آیات کے علاوہ سورہ تغابن کی آیات نمبر ۱۴، ۱۵ بھی زیرِ درس آئیں جن کا مضمون انتہائی جامع ہے۔ فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ

"اے اہلِ ایمان! بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں تمہارے دشمن ہیں پس ان سے بچ کر رہو"

اور

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ:

"بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ (بمنزلۂ آزمائش) ہیں"

اس اجتماع میں تقریباً پچیس خواتین شریک ہوئیں اور یہ پروگرام کافی مفید رہا۔

زبیر عمر صدیقی صاحب ڈاکٹر صاحب کے گہرے دوست ہیں۔ مکۃ المکرمہ میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو ان کا یہ خیال سامنے آیا کہ انٹیلی جنس کے لوگ مکۃ المکرمہ پر خصوصاً توجہ دیتے ہیں اور کسی قسم کا کوئی مذہبی اجتماع یہاں ممکن ہی نہیں ہے بلکہ معاملہ تو یہاں تک ہے کہ اگر کسی مکان کے باہر کاروں کا زیادہ اجتماع نظر آجاتا ہے تو فوراً انٹیلی جنس والے پوچھ گچھ کے لئے پہنچ جاتے ہیں لیکن چونکہ وہاں کے لوگوں کا بہت اصرار تھا کہ مذہبی اجتماع کے نام سے نہ سہی صرف مل بیٹھنے کا ایک پروگرام (GET TOGETHER) ہی بن جائے۔ جس میں صرف سوال وجواب اور گفتگو کی ایک نشست ہو۔ لہٰذا یہ طے کر لیا گیا کہ ۱۷ مارچ بروز جمعرات بعد نماز مغرب مکۃ المکرمہ میں ایک نشست ہو گی جو صرف گفتگو اور سوال وجواب تک محدود رہے گی۔

۱۴ مارچ بروز سوموار

آج دوپہر کے کھانے پر ہمیں جناب فیض اللہ خان ملک نے اپنے ہاں مدعو کیا تھا۔ موصوف، راقم اور ابا جان کے بہت پرانے جاننے والے ہیں۔ تقریباً ۸، ۱۰ سال سے شناسائی ہے۔ سمن آباد، لاہور میں ۱۲۔ افغانی روڈ جہاں 'انجمن' اور 'تنظیم اسلامی' دونوں کے تاسیسی اجتماعات ہوئے، ہمارے ساتھ ہی مقیم تھے اور انجمن کے لئے اعزازی کام بھی کرتے رہے۔ آج سے پانچ سال قبل سعودی عرب منتقل ہوئے اور

آج کل ایک امریکن فرم میں ملازم ہیں۔ ان کے یہاں سے شام کو واپسی ہوئی۔ مغرب کے بعد "جامعہ" کی جامع مسجد میں حسبِ معمول پروگرام تھا۔ آج "الجہاد فی الاسلام" کے موضوع پر خطاب تھا۔ دورانِ خطاب سعودی اینٹلی جنس سے متعلق ایک کارکن بہت بے چینی کے عالم میں ہال کے اندر چکر لگاتے رہے وجہ اس کی یہ تھی کہ تقریر کے دوران "اسلامی انقلاب" اور مسلح جدوجہد ISLAMIC REVOLUTION AND ARMED CONFLICT کے الفاظ کئی دفعہ دہرائے گئے اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سعودی عرب کے آج کل کے مخصوص حالات میں درسِ قرآن کے درمیان اس قسم کے انقلابی الفاظ کا زبان سے نکالنا ہی خاصا مہنگا ثابت ہوتا ہے۔

۱۵ مارچ بروز منگل یہ تمام دن گھر پر گزرا۔ دن میں سید وقار احمد حسینی صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے موصوف خاصا عرصہ امریکہ میں گزار چکے ہیں اور آج کل ام القریٰ یونیورسٹی، مکۃ المکرمہ میں شعبہ انجینئرنگ میں پروفیسر ہیں۔ تقریباً تین گھنٹے کی نشست رہی اور اس دوران نہایت ہی مفید گفتگو ہوئی۔

بعد نماز مغرب جامعہ مسجد میں ڈاکٹر صاحب کا خطاب تھا، عنوان تھا — "فلسفۂ سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم" آج چونکہ جامعہ میں ڈاکٹر صاحب کے اس سلسلۂ درس کا آخری پروگرام تھا۔ اسی لئے حاضری بھی خوب تھی — آخر میں سوال و جواب کی ایک نشست بھی ہوئی جو رات ساڑھے دس بجے تک جاری رہی۔ درس کے اختتام پر اعلان کر دیا گیا کہ "کل یعنی ۱۶ مارچ کو سعودیہ سٹی (SAUDIA CITY) میں بعد نماز مغرب "اسلام میں خواتین کا مقام" کے موضوع پر تقریر ہوگی۔

۱۶ مارچ بروز بدھ مولانا عبدالغفار حسن صاحب کے صاحبزادے جناب شعیب حسن صاحب کے ہاں آج جانے کا پروگرام تھا۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب جامعہ مدینہ (MEDINA UNIVERSITY) میں شعبہ تدریس سے منسلک ہیں اور آج کل جامعہ ہی کی جانب سے پاکستان میں بطورِ مبلغ کام کر رہے ہیں۔ مولانا موصوف چونکہ ان دنوں سعودی عرب ہی آئے ہوئے تھے۔ اسی لئے ان کا ہفتہ وار درسِ قرآن، جدہ کے پاکستانی اسکول میں

ہوتا تھا۔ جناب شعیب حسن صاحب سعودی ائیرلائنز (SAUDIA) سے منسلک ہیں۔

بعد نماز مغرب سعودیہ سٹی کی خوبصورت جامع مسجد میں " اسلام میں خواتین کا مقام" کے موضوع پر خطاب تھا۔ سعودیہ سٹی جدہ سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک نوتعمیر شدہ آبادی ہے۔ یہ آبادی کسی طرح بھی امریکہ کی کسی بہترین آبادی سے کم نہیں ہے۔ یہاں کے رہائش کنندگان کی اکثر تعداد امریکیوں پر مشتمل ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں یہ علاقہ 'عریانی' کے اعتبار سے بالکل امریکی معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے۔ چونکہ سعودیہ ائیرلائنز سے متعلق متعدد پاکستانی حضرات بھی یہاں رہتے ہیں اس لئے ان حضرات کی کوششوں سے اس جگہ درسِ قرآن کا پروگرام تشکیل پاگیا۔ مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل ہی جدہ کے پاکستانی حضرات اپنی FAMILIES کو لے کر مسجد میں پہنچ گئے تھے۔ خواتین کے لئے الگ 'ہال' کا انتظام تھا۔ مغرب کی نماز کے فوراً بعد خطیب مسجد نے جن کا تعلق 'شام' سے ہے۔ عربی زبان میں تقریباً بیس منٹ خطاب فرمایا جس میں ڈاکٹر صاحب کی اس مسجد میں آمد پر ان کا شکریہ بھی ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا خطاب عشاء تک جاری رہا اور رات گئے تک سوال وجواب کا سلسلہ بھی ــــ خواتین کی طرف سے سوالات تحریری صورت میں موصول ہوئے تھے جن کا جواب دے دیا جاتا تھا۔ ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس خطاب میں مولانا مودودی مرحوم کی صاحبزادی بھی شریک تھیں اور باقاعدہ NOTES لے رہی تھیں۔

۱۷ مارچ بروز جمعرات صبح کے اوقات میں ہماری رہائش گاہ پر بھی کئی حضرات ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی غرض سے آئے ــــ مختلف موضوعات پر گفتگو رہی۔ ظہر سے عصر تک آج بھی سعودیہ سٹی (SAUDIA CITY) میں درسِ قرآن کا پروگرام تھا ــــ حاضری ماشاءاللہ خوب تھی ــــ خواتین بھی شریک تھیں ــــ درسِ قرآن کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ نمازِ عصر تک جاری رہا۔ مکۃ المکرمہ میں پاکستانی احباب کی شدید خواہش تھی کہ ان کو بھی وقت دیا جائے۔ لہٰذا آج بعد نماز مغرب مکۃ المکرمہ میں ایک صاحب کے گھر پر پروگرام تھا۔ مکہ میں چونکہ کسی قسم کی

مذہبی سرگرمی کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے بالکل ہی خفیہ طور پر یہ اجتماع ہوا۔
شرکاء کی تعداد تقریباً ۲۵ کے قریب تھی جن میں بعض حضرات 'جماعت اسلامی'
سے متعلق بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر
چالیس منٹ خطاب فرمایا اور بعدہٗ سوال و جواب کا سلسلہ خاصی دیر جاری رہا۔ اس
پروگرام کے ORGANISER جناب زبیر عمر صدیقی تھے۔ موصوف کا جماعت اسلامی
سے گہرا تعلق ہے لیکن جماعت کے موجودہ طریق کار سے اختلاف بھی ہے تنظیم اسلامی
کی دعوت کے ساتھ بھی مخلصانہ قلبی تعلق ہے۔ اس اتفاق و اختلاف کے درمیان
ان کی فکری و ذہنی گاڑی رواں ہے ـــــ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا
بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ـــــ! جناب ڈاکٹر صاحب کا خطاب ختم ہوا تو انہوں نے
راقم سے فرمایا "صرف چالیس منٹ میں اپنی دعوت کو اس قدر خوش اسلوبی
اور وضاحت سے پیش کرنا صرف ڈاکٹر صاحب ہی کا کام ہے"۔ میں نے دل میں کہا
کہ یہ دراصل فیضانِ الٰہی اور اعجازِ قرآنی ہے ڈاکٹر صاحب کا کمال نہیں۔

۱۸ مارچ بروز جمعۃ المبارک

ابتدا ہی میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حجاز مقدس میں ہم نے پہلا جمعۃ المبارک مسجد الحرام میں
ادا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کا جمعہ ہمیں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں
ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ صبح ساڑھے سات بجے کی فلائٹ سے مدینہ
کے لئے روانگی ہوئی۔ مدینہ پہنچتے ہی ہوٹل "المنار" میں قیام کا انتظام تھا۔
جو کسی طرح بھی "فائیو اسٹار" ہوٹل سے معیار میں کم نہیں تھا۔ یہاں بھی ہمارے
میزبان جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی ہی تھے۔ ہم نے بہت زور دیا کہ 'پاکستان ہاؤس'
یا کسی اور سستے سے ہوٹل میں ٹھہر جاتے ہیں لیکن وہ مجبور کر کے ہمیں ہوٹل المنار
میں لے گئے۔ ڈاکٹر شجاعت برنی صاحب جس دلیل کی بنیاد پر ہمیں ہوٹل المنار لے
گئے وہ یہ تھی کہ "ڈرائنگ روم" کی سہولت کی وجہ سے اگر مدینہ میں مقیم پاکستانی
حضرات سے کوئی نشست ہو جائے تو جگہ کی تنگی نہ ہو۔ مسجد نبوی میں نماز جمعہ
کی ادائیگی کے بعد بہت سے پاکستانی حضرات سے ملاقات ہو گئی جن میں مولانا عبدالغفار حسن
صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (رکن مجلس شوریٰ پاکستان) بھی تھے۔

۱۹ مارچ بروز ہفتہ صبح ناشتہ کے بعد ہم لوگ "مدینۃ النبیؐ" کے بعض مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوگئے۔

"میدانِ اُحد" پر پہنچے۔ ذہن پر فوراً ایک شبیہہ اُبھری۔ چودہ سو سال قبل اسی جگہ پر معرکۂ حق و باطل' ہوا تھا اور سترجاں نثار صحابہ کا خون اس میدان میں جذب ہوا تھا۔ میدان کے دامن میں سیدالشہداء اور اسداللہ و اسد رسولہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرتِ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جائے مدفن ہیں ان دونوں حضرات کا ذکرِ مبارک آیا ہے تو ذہن دو واقعات کی طرف منتقل ہوا۔

روایات میں ہے کہ حضرتِ مصعب بن عمیرؓ جیسا خوش لباس نوجوان پورے مکہ میں نہیں تھا اور ہر وقت اس قدر معطر رہتے تھے کہ جس گلی سے گذر جاتے گھنٹوں خوشبو اس گلی سے گزرنے والوں کے مشام کو معطر کرتی۔ لیکن جب اسلام قبول کیا تو ان کی حالت میں جو تبدیلی آئی وہ اسی واقعے میں ملاحظہ فرمائیں ـــــ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ مسجد نبویؐ کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس مبارک مجلس میں شریک تھے کہ اچانک حضرتِ مصعبؓ بن عمیر کا گزر مسجد کے سامنے سے ہوا۔ پورے بدن پر ایک کمبل تھا جو جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ جب آپؐ کی نظر مصعبؓ پر پڑی تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ "یہ وہ شخص ہے جو دو دو سو درہم کا جوڑا پہنا کرتا تھا"۔ چونکہ آپؓ کی قبر مبارک کا ذکر آگیا ہے لہٰذا عرض کردوں کہ غزوۂ اُحد میں جب ان کی شہادت ہوئی تو ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی۔ یہ اصول ہے کہ شہید کی شہادت جس لباس میں ہو اسی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے لیکن صورت حال یہ پیش آئی کہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر مبارک ڈھکتے تھے تو پیر مبارک کھل جاتے اور اگر پیر مبارک ڈھکتے تو سر مبارک کھل جاتا تھا۔ جب اس بارے میں حضور اکرمؐ سے ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا "ان کو اسی لباس میں دفن کر دیا جائے"۔ یہ وہ آخری پوشاک تھی جو آپؓ کو نصیب ہوئی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

حضرتِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کون مسلمان واقف نہیں ان کی شہادت جس انداز میں ہوئی کہ جسم مبارک کا "مثلہ" کر دیا گیا۔ پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا

گیا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شدتِ غم سے وہ کیفیت طاری ہوئی کہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا: اَمَّا حَمْزَۃُ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ (ہائے! حمزہ کے لئے کوئی رونے والا بھی نہیں)

ان دونوں حضرات رضی اللہ عنہما اور دیگر شہدائے اُحُد کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبہ و منزلت کو جنت میں مزید بڑھائے۔ اس کے بعد "مسجد قبلتین" کی زیارت کی اور دو نوافل ادا کئے۔ اور آخر میں "مسجد قبا" میں دو نوافل ادا کئے۔ مسجد کی محراب کے اوپر قرآن کے وہ الفاظ درج ہیں جن میں اس مسجد کی شان بیان کی گئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی گئی ہے۔ الفاظ مبارکہ ہیں:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ......

عشاء کی نماز کے بعد مدینہ کے احباب نے ایک پروگرام تشکیل دیا تھا جس میں ہوٹل "المنار" میں ہی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شرکاء کی تعداد ۲۰ کے لگ بھگ تھی۔ "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر تقریباً ایک گھنٹہ کا خطاب تھا اور بعدہٗ سوال و جواب کی نشست ہوئی جو رات گیارہ بجے تک جاری رہی۔

۲۰ مارچ بروز اتوار آج ناشتہ میں ہم لوگ ترجمان السنّۃ کے مؤلف جناب مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند جناب مولانا آفتاب عالم صاحب کے ہاں مدعو تھے۔ مولانا موصوف نہایت سادہ طبیعت کے انسان ہیں۔ چونکہ بہت عرصہ سے مدینہ مبارک میں ہیں اس لئے سعودی قومیت مل گئی ہے مولانا کو امیر محترم کے بعض خیالات کے بارے میں چند اشکالات تھے جو وہاں پر موجود بعض اصحاب کی جانب سے پھیلائے گئے تھے۔ ایک اشکال یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب "لاہوریوں" کو کافر نہیں مانتے جب مولانا نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ جواب دیا کہ مذکورہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے جس سے وہ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے دوبارہ فرمائش کر کے اس وضاحت کو ریکارڈ بھی کر لیا۔

دوپہر ساڑھے بارہ بجے جدہ کے لئے پرواز روانہ ہوئی۔ جہاز میں سے مسجدِ نبوی کا فضائی منظر بھی دیکھا اور اللہ کے حضور دعا کی کہ وہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے دوبارہ اس مقدس مقام کی زیارت کا موقع بہم فرمائے۔!

جدہ میں مغرب کے بعد رہائش گاہ پر ہی ایک خصوصی اجتماع کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ان حضرات کو دعوت دی تھی جو 'جامعہ' کی مسجد کے دروس قرآن کے پروگرام میں شریک تھے اور امیر محترم سے اسلامی انقلاب کے طریق کار کے موضوع پر سوالات کرنا چاہتے تھے۔ یہ اجتماع توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ کل ۳۵ افراد شریک تھے۔ "تنظیم اسلامی" کے طریق کار پر مفصل گفتگو ہوئی — خصوصاً جماعتِ اسلامی سے متعلق بعض حضرات نے تنظیم اسلامی اور جماعتِ اسلامی کے باہمی اختلافات کی وضاحت چاہی۔ خیال رہے کہ 'جامعہ' میں دروسِ قرآن کی مجالس میں سعودی عرب میں جماعتِ اسلامی کے 'امیر' پابندی کے ساتھ شرکت کرتے رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب کے دروس سے خاصے متاثر نظر آتے تھے۔

۲۱، مارچ بروز سوموار آج دن میں کوئی پروگرام نہ تھا۔ البتہ بعد نماز مغرب جامعہ کے آڈیٹوریم میں ایک پروگرام تھا — یہ پروگرام نوجوانوں کی ایک تنظیم "لجنہ قومیہ سلامیہ" کے زیرِ اہتمام تھا — اس تنظیم کے صدر ایک نہایت مخلص اور پرجوش نوجوان ہیں جن کا نام محمد فیصل ہے جن کا تعلق گیانا سے ہے۔ امیر تنظیم کی تقریر کا عنوان تھا 15TH CENTURY HIJRAH & ISLAMIC RENIASSANCE " تقریر انگریزی زبان میں تھی۔ اس پروگرام میں جامعہ سے متعلق لگ بھگ ۱۵۰ افراد شریک تھے۔ جن میں اکثریت نہایت پڑھے لکھے حضرات کی تھی۔ تقریر کے بعد سوال وجواب کی نشست رہی۔

۲۲، مارچ بروز منگل آج دن میں ایک بجے جامعہ کے شعبہ انجنیئرنگ کے زیرِ اہتمام ایک پروگرام تھا جس میں جامعہ سے متعلق کم وبیش ۱۵۰ اساتذہ کرام نے شرکت کی۔ خطاب کا عنوان تھا : ROLE OF TEACHER IN ISLAM۔ یہ خطاب بھی انگریزی زبان میں تھا۔

بعد نماز مغرب : جامعہ سے متعلق لگ بھگ ۱۵ پروفیسر صاحبان نے امیرِ تنظیم کو دعوت دی۔ ان پروفیسر حضرات کا تعلق 'ترکی' سے تھا۔ وہاں

کوئی خطاب پیشِ نظر نہیں تھا۔ لہٰذا مجلس صرف گفتگو تک محدود رہی۔ ترکوں میں پاکستانیوں کے لئے جس قدر محبت ہے، وہ قابلِ رشک ہے۔ ان حضرات نے پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا، پروگرام کے اختتام پر ہدیۃً ایک بنڈل دیا جو شہد کے چھتے پر مشتمل تھا اور جس کو بہت خوبصورتی کے ساتھ لکڑی کے ایک فریم میں پیک کیا گیا تھا۔

۲۳ مارچ بروز بدھ صبح گیارہ بجے کے قریب "مکۃ المکرمہ" کے لئے روانہ ہوئے ـــــ الوداعی طواف کیا اور ظہر کی نماز بیت اللہ میں ادا کی اور شام کو واپس جدہ پہنچ گئے۔ رات پونے گیارہ بجے کی فلائٹ پر ہماری واپسی کی نشستیں ریزرو تھیں۔ وقتِ مقررہ پر پرواز روانہ ہوئی اور اگلے دن صبح ایک بج کر تیس منٹ پر (پاکستانی وقت کے مطابق ساڑھے تین بجے صبح ہم کراچی پہنچ گئے۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے ہمیں حجازِ مقدس کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی اور ہمیں واپس بخیریت وطن پہنچا دیا فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ۔

سعودی عرب میں قیام کے دوران واقعہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک من لم یشکر الناس لا یشکر اللّٰہ (جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں بنتا۔ وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا) کے مصداق اگر میں جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی اور جناب ڈاکٹر فرحت علی برنی کا ذکر نہ کروں تو یہ ناانصافی ہوگی۔ انہوں نے جس خلوص اور محبت کے ساتھ ہمارا خیال رکھا اس کا اجر اللہ ہی ان کو دے گا " فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ " (پس اس کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے) ہمارا قیام چونکہ جامعہ کے ریسٹ ہاؤس میں تھا اور وہاں پکانے کا انتظام نہ تھا اس لئے جناب ڈاکٹر فرحت علی برنی اپنے گھر سے کھانا پکوا کر ہمارے لئے لاتے اور دو تین اوقات کا کھانا ہم نے ان کے ہاں ہی کھایا۔ جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی صاحب اپنی گاڑی لئے ہر وقت موجود ہوتے۔ حتّٰی کہ 'مدینہ منورہ' بھی ہمارے ساتھ ہی تشریف لے گئے۔ اسی طرح برادرم فیض اللہ خاں صاحب کی خصوصی دوستی میرے ساتھ رہی۔ دو تین مرتبہ ان کی گاڑی میں بیت اللہ کا چکر

لگایا۔ مکہ مکرمہ میں جبل عرفات، وادی منیٰ، مسجد خیف کی سیر بھی انہیں کی مرہونِ منت ہے ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کو اجرِ خصوصی سے نوازے (آمین)

ڈاکٹر شجاعت علی برنی نے اپنے حالیہ دورۂ پاکستان میں امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ جدہ میں جناب عبدالرحمٰن رحمانی صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ جناب رحمانی صاحب کا تعلق لاہور سے ہے اور عرصہ ۸ سال سے سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ سرزمینِ حجاز میں دو رفقاء پہلے سے امیر محترم سے بیعت ہیں ۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سعی کو قبول فرمائے اور ان کو اپنے دینِ متین کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین !!

(بقیہ: رفتارِ کار)

کی تقریر کے کسی پہلو کے متعلق کوئی بات کتاب و سنت سے ہٹی ہوئی محسوس ہو تو علماء ان کی رہنمائی فرمائیں۔ بعد مغرب تقسیم انعامات کے بعد افہام و تفہیم کیلئے سوالات و جوابات کا نصف گھنٹے تک سلسلہ جاری رہا۔ جلسہ کے اختتام کے بعد بھی رئیس بلدیہ کے کمرے میں انجمن تعمیر نو کے عہدیداران اور چند علماء کرام سے تبادلۂ خیال ہوا۔ پونے نو بجے شب وہاں سے واپس روانہ ہو کر سوا دس بجے کے قریب قرآن اکیڈمی پہنچے۔ اس سفر میں بھائی مہر علاؤ الدین صاحب اور راقم (جمیل الرحمٰن) امیر محترم کے ساتھ تھے۔

اپریل کے بقیہ دنوں کے لئے امیر محترم کے دروس قرآن اور خطابات کے لئے پروگرام مرتب ہو چکے ہیں جن میں ڈیرہ غازیخان، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، فیصل آباد، کوئٹہ اور سکھر بیرونِ لاہور کے دوروں کے علاوہ لاہور میں بھی معمول کے مطابق پروگراموں کے ساتھ ہی دوسرے پروگرام بھی شامل ہیں۔ اوائل مئی میں کراچی کا دورہ بھی طے ہو گیا ہے۔ کراچی ہی سے امیر محترم ۱۰ مئی کو ڈیڑھ ماہ کے لئے امریکہ اور کینیڈا کے دعوتی دورے پر تشریف لے جائیں گے۔ ان مصروفیات اور دوروں کی روداد ان شاء اللہ جون کے شمارے میں پیش ہوگی۔ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّ ھُوَ خَیْرُ الْحٰفِظِیْنَ

تنظیمِ اسلامی کا آٹھواں سالانہ اجتماع

اور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام

تیسرے سالانہ محاضراتِ قرآنی کا انعقاد

مرتبہ: جمیل الرحمٰن

جیسا کہ مارچ ۸۳ء کے 'میثاق' میں اعلان کیا گیا تھا کہ امسال تنظیمِ اسلامی کے سالانہ اجتماع اور انجمن کے زیرِ اہتمام سالانہ محاضراتِ قرآنی کا انعقاد ایک ہی تاریخوں میں پیشِ نظر ہے۔ چنانچہ لِلّٰہِ الحمد والمنہ پروگرام کے مطابق یہ دونوں دینی اجتماعات از یکم تا ۷ اپریل ۸۳ منعقد ہو کر پایۂ تکمیل کو پہنچے جن کی نہایت اجمالی روداد حسبِ ذیل ہے:-

تنظیمِ اسلامی کا سالانہ اجتماع

ہر انقلابی دعوت کے لئے یہ امر تقریباً لزوم کا درجہ رکھتا ہے کہ اس کے وابستگان سال میں ایک بار جمع ہوں۔ اس اجتماع میں سال بھر کی کارگزاری اور دعوت کی پیش رفت کا جائزہ لیا جائے۔ موانعات کو سمجھا جائے، استحکام و توسیع دعوت کے لئے تدابیر و تجاویز پر غور و خوض کیا جائے اور نئے جوش، نئے ولولے اور عزمِ تازہ کے ساتھ وابستگانِ تحریک اپنے اپنے مستقروں کو مراجعت کریں اور دعوت کے کام کو انہماک اور سرگرمی سے انجام دینے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں ——— تنظیمِ اسلامی چونکہ عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی دعوت کی علمبردار ہے اور اس کی دعوت کے بنیادی نکات میں دعوت تجدیدِ ایمان، توبہ، تجدیدِ عہد شامل ہیں۔ لہٰذا اس کا سالانہ اجتماع خالص دینی نوعیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کے رفقاء کے سامنے صرف رضائے الٰہی کا حصول بطور نصب العین مقصود و مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے سالانہ اجتماع میں جہاں تنظیمی امور

زیرِ گفتگو آتے ہیں، وہاں شرکار کے لئے تربیتی نوعیت کے پروگرام بھی ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر اس آٹھویں سالانہ اجتماع میں ایسے تربیتی پروگراموں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا جو ایک اصولی اسلامی انقلابی تنظیم کے لئے ازبس ضروری ہوتے ہیں تاکہ اس کے وابستگان اور رفقاءِ کار کے اذہان میں تنظیم جن مقاصد کی بجاآوری کے لئے قائم ہوئی ہے اس کے بنیادی و اساسی مقاصد کا حقیقی شعور ہمیشہ اجاگر اور واضح رہے۔ ان کی بار بار تذکیر یعنی یاددہانی ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ تنظیم کے پیشِ نظر مقاصد کے حصول کے لئے تنظیم نے جو طریق کار معین کیا ہے اس کا اقرب الی السنّۃ ہونے کا اطمینان اور اس کی حکمتوں کا واضح شعور بھی رفقاءِ تنظیم کو حاصل ہوتا رہے۔ ان امور کی تذکیر کو **شعورِ جماعت** کی تذکیر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح ایک حقیقی انسان کے لئے **شعورِ ذات** ضروری ہے جس کے بغیر وہ انسان کی سطح سے گر کر حیوان کی سطح پر آجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی تنظیم اور جماعت میں " اپنے قیام کی غایت اور طریق کار کا حقیقی شعور موجود نہ ہو" تو اس کا وجود و عدم وجود برابر ہوجاتا ہے اور وہ محض ایک " نام کی تنظیم یا جماعت بن کر رہ جاتی ہے یا پھر وہ ان مشاغل میں لگ جاتی ہے جن کا اس کے قیام کے اصل مقصود سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن وہ مدعی اسی بات کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے قیام کے موقع پر اپنے طے شدہ مقصد، موقف، ہدف اور منزل ہی کی طرف گامزن ہے۔ ان مغالطوں سے محفوظ رہنے کے لئے سالانہ اجتماع میں تنظیم کے مقاصدِ قیام کی تذکیر اور طریق کار کی صحت کا تیقّن ازبس ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ تنظیم اسلامی کے اس آٹھویں سالانہ اجتماع کا افتتاح بفضلہٖ تعالیٰ امیرِ محترم کے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور کے خطابِ جمعہ سے ہوا۔ امیرِ محترم گذشتہ کئی جمعوں کے اجتماعات میں تسلسل کے ساتھ قرآن مجید اور سیرتِ مطہرہ سے استشہاد کرتے ہوئے مسلمانوں کے دینی فرائض کے موضوع کے ذیل میں اسلامی انقلاب کے چھ مراحل پر خطابات فرما رہے تھے ـــــ اس انقلاب کے مقتضیات و متضمنات کے لئے امیرِ محترم نے جو استدلالات پیش فرمائے تھے، ان کی صحیح تفہیم

تو اسی وقت ہو سکے گی جب یہ خطابات کیسٹوں سے منتقل ہو کر منصۂ شہود پر آئیں گے۔
مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ کسی بھی نظریاتی انقلاب کو جن مراحل سے دوچار ہونا پڑتا ہے،
بعینہٖ انقلاب محمد علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ البتہ
نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دنیا کے دوسرے انقلابات اصلاً مادّی
نقطۂ نظر سے انسان کے اپنے فکر پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے انقلاب کی بنیاد وحی الٰہی تھی ـــــ ان مراحل پر جیسا کہ عرض کیا گیا امیر محترم اس سے
قبل انہی اجتماعاتِ جمعہ میں تقاریر کر چکے ہیں۔ یکم اپریل کے اجتماع میں یہ موضوع زیر گفتگو
تھا کہ اگر کوئی جماعت دعوتِ عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی
جد وجہد کے لئے قائم ہو تو اس کی حیثیت اجتماعی اور اس کی تشکیل کا کون سا ضابطہ اور
طریقہ اقرب الی السنۃ ہوگا! اس اجتماعِ جمعہ میں امیر محترم نے قرآن مجید اور حدیث
شریف نیز تعامل سلف سے ثابت کیا کہ صرف **بیعت** ہی اس کا ضابطہ اور طریقہ کار
ہے، جس پر ایسی تنظیم یا جماعت کا قیام عمل میں آنا چاہئیے۔ امیر محترم نے مزید فرمایا کہ انہوں
نے اپنی امکانی حد تک اس مسئلہ پر تحقیق کی ہے اور غور و فکر بھی کیا ہے اور
بالآخر وہ اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایسی تنظیم یا جماعت کا قیام نظام بیعت ہی پر ہونا صحیح
ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی عالم دین کتاب و سنّت کے دلائل سے یہ ثابت کر دے
کہ ایسی تنظیم یا جماعت کے قیام کے لئے بیعت کے علاوہ کوئی دوسرا طریق کار بھی کتاب و
سنّت سے مستنبط کیا جا سکتا ہے تو وہ اپنی رائے سے بلا تردد رجوع کر لیں گے ـــــ
انہوں نے کہا کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس دور میں لفظ بیعت کافی بدنام ہے اور
یہ طریقِ تنظیم اختیار کرنے پر اخبارات و رسائل اور نجی مجالس و محافل میں ان کا استہزاء و
تمسخر ہو رہا ہے، ان کو تضحیک اور طنز و تعریض کا نشانہ بنایا جا رہا ہے لیکن وہ ان باتوں
سے خائف نہیں ہیں۔ ان کے لئے اصل دلیل کتاب و سنّت ہے۔ کسی کے پاس یہ دلیل
ہو تو وہ پیش کرے اسے تسلیم کرنے میں ان کی انا ان شاء اللہ آڑے نہیں آئے گی۔
ـــــ اس جمعہ میں معمول سے کہیں زیادہ حاضری تھی۔ ملک بھر سے تنظیم اسلامی کے رفقا
کی کثیر تعداد بھی اس اجتماع جمعہ میں شریک تھی۔
صلوٰۃ جمعہ سے فارغ ہو کر امیر محترم اور تنظیم کے وہ رفقاء جو اس وقت تک

مسجد دارالسلام پہنچ چکے تھے، قرآن اکیڈمی تشریف لائے۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر رفقاء نے آرام کیا۔ امیر محترم کچھ دیر کے قیلولہ کے بعد بذریعہ کار ماموں کانجن میں منعقد ہونے والی ایک اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے چونکہ وہ منتظمین کانفرنس سے شرکت کا وعدہ کر چکے تھے۔ وہاں سے تقریباً ساڑھے تین بجے شب کو مراجعت ہوئی۔ اس سفر میں ہمارے رفیق ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب ان کے ساتھ تھے۔

یکم اپریل کو عصر سے مغرب تک انتظامی امور کے ضمن میں مختلف شعبوں کی ذمہ داریاں بعلاوہ ناظم شعبہ مختلف رفقاء کو تفویض کی گئیں نیز رفقاء اس دوران ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے رہے۔ بعد نماز مغرب اس اجتماع کی پہلی نشست ہوئی جس میں ملک میں جن مقامات پہ باقاعدہ تنظیمیں یا اسرہ جات قائم ہیں، ان کا تعارف ہوا نیز بھائی عبدالرزاق صاحب نے اس اجتماع کے لئے ۲ اپریل سے ۷ اپریل تک کے نظام الاوقات سے مطلع کیا۔ اور رفقاء کو نظم قائم رکھنے اور منتظمین سے بھرپور تعاون کرنے کی اپیل کی اور اس ضمن میں ضروری پند و نصیحت کی۔ اس طرح یہ نشست اذانِ عشاء تک جاری رہی۔

۲ اپریل کو نماز فجر کے بعد ہمارے رفیق اور بھائی ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے ۴۵ منٹ تک درس قرآن حکیم دیا۔ وہ ۲ اپریل کو ماموں کانجن سے تقریباً ساڑھے تین بجے شب کو امیر محترم کے ساتھ واپس آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا بعد نمازِ فجر درس روزانہ ۷ اپریل تک جاری رہا۔ انہوں نے ان دنوں میں سورۃ الحجرات کی آیات نمبر ۱۴، ۱۵، سورۃ الحج کی آخری دو آیات اور سورۃ الصف کا مکمل درس دیا۔ ان دروس کے ذریعے ایمان حقیقی کا جہاد فی سبیل اللہ سے جو ربط و تعلق ہے اور نجات اخروی کے لئے حقیقی ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کی جو اہمیت ہے اس کی تذکیر ہو گئی۔ دو روز یعنی ۶ اور ۷ اپریل کو نمازِ فجر کے بعد درس قرآن کے ساتھ کراچی کی تنظیم کے بزرگ رفیق بھائی عبدالخالق صاحب نے شب و روز کے معمولات کے لئے ادعیہ ماثورہ کے اہتمام کرنے کی طرف نہایت دلنشین اور مؤثر انداز میں توجہ دلائی۔ موصوف نے دونوں دن پندرہ منٹ تک اس موضوع پر خطاب کیا جو بلاشبہ انتہائی

پُر تاثیر تھا۔

(۳) اجتماع کا پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ صبح ۸½ سے ۱۰½ بجے تک دعوتی و تربیتی نوع کے امور رکھے گئے تھے۔ اور گیارہ بجے سے ایک بجے تک کا وقت تنظیمی امور پر گفتگو کے لئے مختص کیا گیا تھا۔ درمیان میں نصف گھنٹہ چائے کے لئے، عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت انفرادی طور پر رفقاء سے ملاقات، تعارف اور تبادلہ خیال یا ضرورت پر باقاعدہ نشست کے لئے نیز بعد مغرب محاضرات قرآنی میں شرکت کے لئے اوقات مخصوص تھے۔

۱۷ اپریل کو صبح ۸½ بجے تنظیم اسلامی کے اس آٹھویں سالانہ اجتماع کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ پہلے دن امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبہ مسنونہ تلاوت قرآن مجید اور ادعیہ ماثورہ سے اس نشست کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں موصوف نے اس اجتماع کے مفصل پروگرام اور نظام الاوقات سے مطلع کیا اور رفقاء کو ہدایت کی کہ وہ جہاں نظم و ضبط اور وقار و متانت کا پورا پورا لحاظ رکھیں وہاں فارغ اوقات میں رفقاء ایک دوسرے سے باہمی تعارف حاصل کریں ــــ بعدہٗ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ قرآن مجید کا مطالعہ تو سن شعور کو پہنچنے کے وقت ہی سے کر رہے تھے۔ جماعت اسلامی میں شمولیت کا دوران بھی ان کا کسی نہ کسی حد تک مطالعہ جاری رہا۔ جماعت اسلامی سے اوائل ۵۷ء میں علیحدگی کے بعد انہوں نے اپنے تمام فارغ اوقات قرآن حکیم کے معروضی مطالعے اور اس کی ہدایات، اس کے حِکَم اور اس کے طرز استدلال پر غور و تدبر پر صرف کئے۔ احادیث سے بھی استفادہ جاری رہا۔ اسی وقت سے بحمداللہ تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی مطالعے کے نتیجے میں "مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب" مرتب ہوا جس میں قرآن حکیم میں مزید غور و فکر کے نتیجے میں وقتاً فوقتاً اضافے ہوتے رہے۔ امیر محترم نے مزید فرمایا کہ آج سے تقریباً ساڑھے تین چار سال قبل انہیں جب مختلف اداروں کی جانب سے سیرت مطہرہ پر تقاریر کی دعوتیں ملنی شروع ہوئیں تو انہوں نے سیرتِ مطہرہ کا بھی معروضی مطالعہ اور اس پر غور و تدبر شروع کیا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے قرآن حکیم کی ہدایات، اس کے رموز و اسرار، اس کی حکمتیں، اس کا طرز استدلال اور ا

کی تعلیمات ان پر مزید منکشف ہوئیں۔ قرآن مجید نے انہیں پوری طرح Possess کر لیا ہے اور حضرتِ عائشہ صدیقہ کے اس قول پر کہ: کان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خُلقُہٗ القرآن پختہ یقین حاصل ہو گیا۔ دینی فرائض کا جو جامع تصوّر ان کے پیشِ نظر تھا اس میں مزید گہرائی و گیرائی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کو حاصل ہوئی۔ ساتھ ہی سیرتِ مطہرہ کے مطالعے کے نتیجے میں انقلابِ محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے مراحل مزید نکھر کر سامنے آئے۔ اس ضمن میں بھی ذہنی ارتقاء حاصل ہوا۔ اسلامی انقلاب کے چھ مراحل نہایت منقح، واضح طور پر ان پر منکشف ہوئے۔ گذشتہ سال کے دوران وہ خاص طور پر فرائض دینی کے جامع تصوّر اور اسلامی انقلاب کے مراحل پر اپنی عام اور سیرتِ مطہرہ کی تقاریر میں روشنی ڈالتے رہے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ دعوتہ ہر تقریر کے دوران ان پر مزید نکات بھی واضح ہوتے ہیں اور ان پر انشراحِ صدر بھی حاصل ہوتا ہے —— !!

امیرِ محترم نے فرمایا کہ فرائض دینی کو چھ نکات کے حوالے سے جامعیت کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔ ان میں سے تین نکات تو بنیادی و اساسی حیثیت کے حامل ہیں اور تین امور ان کے لوازم ہیں۔ اس طرح یہ چھ نکات بن جاتے ہیں۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ انقلابِ محمدیؐ کے مراحل بھی چھ ہی ہیں۔ ان پر وہ بعد میں روشنی ڈالیں گے —— دینی فرائض کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ اس کے بنیادی اور اساسی تین امور میں سے پہلی اساس "اسلام" ہے یعنی ہم خود کلمۂ اسلام پر عمل پیرا اور کاربند ہوں۔ اس عمل کو آپ ارکانِ اسلام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جس کی بنیاد کلمۂ شہادت اور اس کے ارکان یا ستون۔ نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ ہیں۔ اسلام کی تعبیر کے لئے بہت سی درجہ بدرجہ قرآنی اصطلاحات ہیں جن میں پہلی اصطلاح ہے اطاعت۔ یہ لفظ طوع سے بنا ہے جس کے معنی ہیں، دل کی آمادگی سے فرمانبرداری کرنا۔ اسلام کے معنی بھی فرمانبرداری ہیں۔ لیکن اطاعت میں دل کی پوری آمادگی کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس سے اگلی اصطلاح ہے تقویٰ: اس کا اصطلاحی مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے پیشِ نظر اس کے احکام، اس کے اوامر اس کی ہدایات کی خلاف ورزی اور اس کی نواہی کو اختیار کرنے سے بچنا۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ

اسلام اور اطاعت ایک مثبت کردار کو ظاہر کرتا ہے اور تقویٰ اسی کی عکسی تصویر کے اظہار کا نام ہے ــــ اس کی اگلی اصطلاح ہے عبادت: ہمارے دین کے اعتبار سے "عبادت" کا اصطلاحی مفہوم ہوگا' اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو کر ہمہ تن ہمہ رجوع ' ہمہ جہت اور ہمہ وقت اس کی بندگی اور پرستش کو اپنے اوپر لازم کر لینا۔ یہ ہمارے دین کی ہمہ گیر اور جامع ترین تعبیر اور اصطلاح ہے۔ ان تمام اصطلاحات کو ملحوظ رکھ کر زندگی گزارنے کے لئے ہر بندۂ مومن کو جہاد مع النفس کرنا ہوتا ہے۔ یہ وہ جہاد ہے جس کے متعلق حضورؐ کا فرمان ہے کہ افضل جہاد یہ ہے کہ: اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ فِيْ طَاعَةِ اللهِ ــــ ایک اور حدیث میں ہے کہ: جَاهِدُوْا اَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَكُمْ۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ان ذمہ داریوں کو حسن و خوبی اور دل کی پوری آمادگی نیز اس احساس کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے ادا کرنے کا نام ازروئے حدیث جبریل 'احسان' ہے۔

امیر محترم نے فرمایا کہ فرائض دینی کی دوسری اساس کا تعلق ابنائے نوع کو دین پہنچانے سے ہے اس کے لئے قرآن حکیم کی متعدد اصطلاحات ہیں۔ ہر اصطلاح عمل کے لئے مشعل راہ ہے۔ پہلی اصطلاح ہے دعوت: لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا' پکارنا دوسری اصطلاح ہے تبلیغ: لوگوں تک قرآن حکیم اور اسلام کے پیغام کو پہنچانا: دعوت و تبلیغ سے متعلق دوسری متعدد قرآنی اصطلاحات ہیں جیسے تبشیر' انذار' وعظ و تذکیر' نصیحت و وصیت ــــ دوسری بڑی اہم اصطلاح ہے: امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ نیکیوں اور بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں اور خرابیوں سے روکنا ــــ امیر محترم نے فرمایا کہ 'امر' عربی میں مشورے کے لئے بھی آتا ہے۔ طاقت و قوت ہو تو اس سے یہ کام سرانجام دیئے جائیں۔ یہ میسر نہ ہو تو زبان سے اس فریضے کو انجام دیا جائے۔ اگر ماحول اتنا بگڑ گیا ہو کہ زبان سے بھی ایسا نہ ہو سکے تو دل میں شدید کڑھن ہو۔ اگر اس کڑھن کی کیفیت بھی دل میں نہ ہو تو یہ ضعف ایمان ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ یہ میں نے ایک حدیث کی ترجمانی کی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں کڑھن تک نہ ہونے کے متعلق حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جان لو ایسی حالت ہو تو دل میں ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں ہے ــــ امیر محترم نے آگے فرمایا کہ دینی فرائض

کی دوسری اساس کے ضمن میں ہمہ گیر اور جامع ترین اصطلاح ہے۔ شہادت علی الناس یعنی اپنے قول و عمل سے غیر مسلموں پر اللہ کے دین کی حقانیت کی حجت قائم کر دینا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ جامع ترین اصطلاح ہے جس کے ذریعے امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تعلق کارِ رسالت سے جڑ جاتا ہے۔ ختم نبوت کے بعد یہ فریضہ من حیث المجموع امت کو ادا کرنا تھا لیکن امت اس فرض سے غافل ہو جائے تو حکم الٰہی ہے کہ اس بڑی امت میں سے ایک جماعت تو ایسی فرور قائم رہنی چاہیئے جو اس کام کو انجام دینا شعوری طور پر اپنے فرائض دینی میں شامل سمجھے۔

امیر محترم نے فرمایا کہ دینی فرائض کی تیسری اساس دین کو بالفعل قائم کرنے سے متعلق ہے — دعوت و تبلیغ یعنی دین کی طرف بلانے، پکارنے اور دین کو دوسروں تک پہنچانے کے کام اور دین کو عملاً قائم کرنے کے کام میں بڑا فرق ہے دین کے قیام کے لئے پانچ اصطلاحات ہیں جن میں چار قرآن میں اور ایک حدیث میں مذکور ہے — قرآن کی اصطلاحات میں سے دو مکی دور کی ہیں اور دو مدنی دور کی۔ مکی دور کی اصطلاحات تکبیر رب اور اقامتِ دین اور مدنی دور کی — اظہار دین الحق علی الدین کلہ اور ویکون الدین کلہ للہ ہیں۔ حدیث کی اصطلاح ہے: لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔

امیر محترم کا یہ لیکچر تقریباً دو گھنٹے جاری رہا۔ انداز خالص تعلیمی و تدریسی تھا حسب موقع قرآن و حدیث کے حوالے بھی پیش ہوتے رہے اور موصوف بلیک بورڈ پر ڈایاگرام بنا کر بھی ان امور کی تفہیم فرماتے رہے — بعدہٗ چائے کا وقفہ ہوا۔ جس کے بعد دوسری نشست میں تنظیمی امور کے سلسلے میں تنظیم کی سالانہ رپورٹ (از یکم اپریل ۱۹۸۲ء تا ۳۱ مارچ ۱۹۸۳ء) مرتبہ محترم قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی بھائی عبدالرزاق صاحب (ناظم بیت المال) نے پڑھ کر سنائی۔ چونکہ قاضی صاحب موصوف کو اپنے فرزند ارجمند کی اچانک علالت کے باعث فوری نوعیت کی مصروفیت درپیش ہو گئی تھی۔ لہٰذا موصوف اس وقت موجود نہیں تھے۔ اس میں تنظیم اسلامی کے سال ۸۲-۸۳ء (اپریل ۸۲ء تا مارچ ۸۳ء) کی — کارگزاریوں کی رپورٹ تھی۔ ساتھ ہی مرکز کے سالانہ حسابات بابت ۸۲ء —

(از جنوری تا دسمبر) بھی شامل تھے۔ لیکن ان کو اس لئے اس نشست میں پیش نہیں کیا گیا کہ قیم محترم اس کو خود پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس رپورٹ کی رو سے ۳۱ مارچ ۸۳ء کو تنظیم اسلامی کی مختلف شہروں کی مقامی تنظیموں اور کل رفقاء کی تعداد ۸۱-۸۲ء کے مقابلے میں حسب ذیل تھی۔

سال		پاکستان	بیرون ملک	میزان
۱-۵-۸۲ کو رفقاء کی تعداد	:	۱۵۹	۱۸	۱۷۷
۱-۴-۸۳ کو " " "	:	۳۳۲	۴۸	۳۸۰

نوٹ: اس آٹھویں سالانہ اجتماع کے دوران اور متصلاً بعد ۱۲ حضرات نے بیعت کی۔ ایک رفیق چودھری حبیب اللہ کا انتقال ہو گیا۔ تادم تحریر رفقاء کی تعداد ۳۹۱ ہے۔

اس تعداد میں ۴۰ خواتین بھی شامل ہیں۔ جن سے بیعت کا سلسلہ مجلس مشاورت کے فیصلے کے مطابق ۸۲-۸۳ء میں شروع ہوا تھا۔

کل مقامی تنظیمیں: ۸۱-۸۲ء میں : ۵

اضافہ ۸۲ - ۸۳ء میں : ۳

کل تعداد ۳۱ مارچ ۸۳ء تک : ۸

نوٹ: اس آٹھویں سالانہ اجتماع میں ۴ نئی مقامی تنظیموں کی تشکیل ہوئی۔ لہٰذا تادم تحریر کل مقامی تنظیموں کی تعداد ۱۲ ہے۔

ایک بجے دوپہر اس دن کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی ——!

(جاری ہے)

PEPSI

MIRINDA

ادارہ

رفتارِ کار

محترم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی کی ۱۰ مارچ سے ۸ اپریل ۸۳ء تک کی مصروفیات کی مختصر رپورٹ پیش خدمت ہے ـــــ سابقہ شمارے میں شائع شدہ رپورٹ میں یہ ذکر رہ گیا تھا کہ ۸ مارچ ۸۳ء کو راولپنڈی اور اسلام آباد میں مقامی طور پر تنظیم اسلامی کے قیام کے ساتھ ہی راولپنڈی کی تحصیل گوجر خان کے لئے بھی مقامی تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تھا اور امیرِ تنظیم نے جناب ارشد محمود صاحب کو اس مقامی تنظیم کا امیر نامزد کیا تھا۔

دورۂ حجازِ مقدس

امیرِ محترم ۱۰ مارچ ۸۳ء کو کراچی سے اپنی اہلیہ محترمہ اور فرزند ارجمند ڈاکٹر عارف رشید سلمہ کے ساتھ حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔ جہاں تینوں عمرہ اور مسجدِ نبوی کی زیارت کی سعادت سے مشرف و شادکام ہوئے۔ اس سفر کے دوران درسِ قرآن حکیم اور خطابات کا بھی اہتمام تھا۔ اس کی روداد اسی شمارے میں ہمارے رفیق ڈاکٹر عارف رشید سلمہ کے قلم سے لکھی ہوئی علیحدہ شامل کی جارہی ہے۔

لاہور

۲۴ مارچ ۸۳ء کو امیرِ محترم کی لاہور مراجعت ہوئی۔ ۲۴ تاریخ ہی کو قرآن اکیڈمی میں شب جمعہ کے تربیتی اجتماع میں شرکت کی۔ ۲۵ مارچ ۸۳ء کو حسبِ معمول مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ کو ۱۱½ بجے خطاب فرمایا۔ "انقلابِ محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا تکمیلی مرحلہ" خطاب کا موضوع تھا۔ ۲۶ مارچ بروز ہفتہ بعد نماز عصر مسجد شہداء کے درس کی تجدید ہوئی۔ جہاں قرآن حکیم کے مسلسل درس کے ضمن میں سورۃ الفتح زیرِ درس ہے۔ ۲۸، ۲۹، مارچ کو دو دن تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی۔ یکم اپریل ۸۳ء کو صبح ساڑھے نو بجے مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام تیسری محاضراتِ قرآنی کا مسجد دارالسلام میں افتتاحی اجلاس ہوا۔ اسی تاریخ کو اجتماع جمعہ کو خطاب فرمایا۔ موضوع "نظام بیعت" تھا۔ صلوٰۃ جمعہ کے بعد امیرِ محترم نے اپنی بھتیجی اور بھانجے میں رشتۂ مناکحت قائم کیا۔

اور خطبۂ نکاح کی حکمتوں پر مختصر طور پر اظہارِ خیال فرمایا۔ محاضرات کا سلسلہ ۲/اپریل
سے ۶/اپریل تک بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی میں جاری رہا۔ ۶/اپریل ہی کو بعد نماز عصر
قرآن اکیڈمی میں مرکزی انجمن کا گیارہواں سالانہ اجلاس ڈاکٹر صاحب انجمن کے صدر
مؤسس کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں سابقہ سالانہ اجلاس کی روداد کی توثیق
کے بعد ناظم اعلیٰ قاضی عبدالقادر صاحب نے انجمن کی کارگزاریوں کی دس سالہ رپورٹ
مطبوعہ شکل میں پیش کی۔ بعدہٗ انجمن کے سالانہ حسابات پیش ہو کر منظور کئے گئے
بعد نماز مغرب محاضرات قرآنی کا آخری اجلاس صدر مؤسس ڈاکٹر صاحب کی صدارت
میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے آخر میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے دعوت رجوع الی القرآن
اور تحریک تجدید ایمان۔ توبہ۔ تجدید عہد کے باہمی ربط اور دونوں کے لازم و ملزوم
ہونے کے موضوع پر ایک مفصل و مبسوط تقریر فرمائی۔ ۲/اپریل سے ۷/اپریل
تک امیر محترم صبح سے دوپہر تک تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی کارروائی میں مصروف
رہے۔ اسی دوران امیر محترم NIPA لاہور میں لیکچر کے لئے بھی تشریف لے گئے
۷/اپریل کو بعد نماز عصر امیر محترم نے کراچی کے رفیق اور کراچی کی تنظیم کے قیم
عبدالواحد عاصم صاحب کی خواہر نسبتی کا مسجد شہداء میں نکاح پڑھایا اور
خطبہ نکاح کی حکمتیں مختصر طور پر بیان کیں۔ ۸/اپریل کو مسجد دارالسلام میں اجتماع
جمعہ کو خطاب فرمایا۔ موضوع "خواتین کی بیعت" تھا۔ یکم اپریل کی شام کو امیر محترم
اہلحدیث کانفرنس کو خطاب کرنے کے لئے ماموں کانجن اور ۸/اپریل کو
قرأت کانفرنس میں شرکت کے لئے گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ جن کی رپورٹیں
حسب ذیل ہیں۔

رپورٹ ماموں کانجن مرتبہ، ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب

ماموں کانجن میں ہر سال ایک عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوتی ہے
دو سال قبل بھی اس کانفرنس کے لئے منتظمین نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
سے وقت مانگا مگر اس کی تاریخیں مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقد
ہونے والے پہلے محاضرات قرآنی کی تاریخوں سے ٹکرا گئیں۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے
معذرت کر دی۔ اس مرتبہ ۱۷/فروری کو ڈاکٹر صاحب فیصل آباد تشریف لے

گئے۔ کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر جناب مولانا اسحٰق چیمہ صاحب نے امیر تنظیم اسلامی سے دوبارہ وقت مانگا۔ امیر محترم نے کانفرنس میں شرکت کا وعدہ فرمالیا۔ کانفرنس کی تاریخوں کے تعین کے بعد مولانا اسحٰق چیمہ صاحب نے فون پر دریافت کیا کہ ڈاکٹر صاحب ۳۱ مارچ یکم اور ۲ اپریل کے ایام میں سے کس روز ماموں کانجن تشریف لائیں گے۔ لیکن اس مرتبہ اگرچہ پھر یکم اپریل ہی سے تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت سالانہ محاضراتِ قرآنی شروع ہونے والے تھے اور ڈاکٹر صاحب کی مصروفیت بے پناہ تھی۔ تاہم ایفائے عہد کے پیشِ نظر ان کو امیرِ محترم کی طرف سے یکم اپریل بعد نماز عشاء کا وقت دے دیا گیا۔

لہٰذا جمعہ یکم اپریل کو ساڑھے چار بجے راقم اور رفیق تنظیم، اپنے بھتیجے، داماد بھائی سعید اسعد کے ہمراہ امیر محترم لاہور سے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ مغرب کی نماز فیصل آباد پہنچ کر ادا کی اور عشاء کے وقت ماموں کانجن پہنچنا ہوا ــــــ کانفرنس کی ابتداء میں صدر مجلس استقبالیہ مولانا محمد اسحٰق چیمہ صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا اور اس کے بعد صدر کانفرنس مولانا محمد حنیف ندوی کا خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد امیرِ تنظیم اسلامی کو خطاب کی دعوت دی گئی اور آپ نے سوا گھنٹہ تک حاضرین سے ایمان اور جہاد کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلے حاضرین کو بتایا کہ ان دنوں خود ان کی مصروفیت لاہور میں بہت زیادہ تھی مگر انہوں نے اس دعوت کو اس لئے قبول کیا کہ اس دارالعلوم ماموں کانجن (جس میں کانفرنس منعقد ہو رہی تھی) کے بانی صوفی محمد عبداللہ صاحب کا تعلق جماعت مجاہدین سے تھا اور یہ کہ صوفی صاحب اہل حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ تصوّف کا نام اگرچہ غیر اسلامی ہے مگر اس کی روح یقیناً اسلامی ہے اور اس کا نام حدیثِ جبرئیل کی رو سے "احسان" ہے۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ تصوّف کے ساتھ اتباعِ سنّت بھی ہو اور صوفی صاحب تو اس سے آگے بڑھ کر مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے۔ امیر محترم نے پہلے سورۃ حجرات کی آیت نمبر ۱۴ کے حوالے سے اسلام اور ایمان کا

فرق واضح فرمایا کہ اسلام ایک وسیع تر اصطلاح ہے جو اپنے اندر مومن صادق اور مومن ضعیف کے ساتھ منافق کو بھی پناہ دیتی ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں مقبول اسلام کی شرطِ لازم اطاعت بیان کی گئی ہے۔ اور اگلی آیت میں ایمان کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ ایمان تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو کر ماننے کا نام ہے اور اس کا لازمی تقاضا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس جہاد کا اوّلین میدان فرمانِ نبویؐ ان تجاھد نفسک فی طاعۃ اللہ کے مصداق خود انسان کا اپنا نفس ہے کہ انسان اس کے ساتھ کشمکش اور مجاہدہ کرے تاکہ وہ اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہو جائے اور اس کی آخری منزل قتال فی سبیل اللہ ہے کہ انسان سیف در دست میدان میں آئے اور باطل کی قوت کو للکارے۔" تقریر کے بعد تقریباً گیارہ بجے شب کو موٹر سے واپسی ہوئی اور صبح ساڑھے تین بجے کے قریب ہم بحمد اللہ بخیریت لاہور واپس پہنچ گئے۔

گوجرانوالہ ۸ر اپریل کو جمعہ کی نماز کے فوراً بعد (سوا بجے کے قریب) موسلا دھار بارش ہوئی جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔ خیال یہ تھا کہ گوجرانوالہ سے حسب قرارداد امیر محترم کو لینے گاڑی نہیں آئے گی۔ اور وہ مسجد دارالسلام پہنچی بھی نہیں تھی۔ لیکن جب ساڑھے تین بجے کے قریب امیر محترم قرآن اکیڈمی پہنچے تو وہاں گوجرانوالہ سے آئی ہوئی گاڑی موجود تھی۔ چنانچہ اس سے روانگی ہوئی۔ وہاں بلدیہ ہال میں انجمن تعمیر نو پاکستان (رجسٹرڈ) گوجرانوالہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی چھٹی قرأت کانفرنس کے تقسیم انعامات کی تقریب کی امیر محترم نے صدارت کی اور بعد نماز مغرب انعامات تقسیم کئے۔ اس کانفرنس میں پنجاب اور سرحد کے اکثر دارالعلوموں کے قراء نے شرکت کی تھی۔ عصر اور مغرب کے مابین امیر محترم نے "انقلاب محمدیؐ کے مراحل" کے موضوع پر تقریباً پونے گھنٹہ تقریر کی۔ ساتھ ہی ایسی دینی جماعت کی تشکیل کے لئے بیعت کے نظام کی اہمیت بیان فرمائی۔ بلدیہ ہال اور اس کی گیلری حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس کے باوجود سینکڑوں حضرات کھڑے ہو کر تقریر سنتے رہے۔ شرکاء میں متعدد مقامی علماء کرام بھی شریک تھے۔ امیر محترم نے ان کو دعوت دی کہ ان

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔
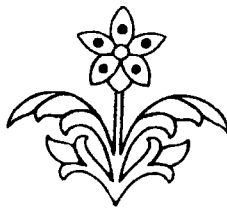
يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱ ، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۶

Regd. L. No 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32	MAY 9?	No 5

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مقام اشاعت: ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد : ۳۲ | شمارہ : ۰ | شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق جون ۱۹۸۳ء

مشمولات

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زر تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : عطاء داؤد منزل۔ نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت۔ کراچی۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق کی بدولت ماہنامہ میثاق کا شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق جون ۱۹۸۳ء کا شمارہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ عجب حُسنِ اتفاق ہے کہ "میثاق" کا پہلا شمارہ جون ۱۹۵۹ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کے زیرِ ادارت و انصرام منصۂ شہود پر آیا تھا۔ اس طرح اس کے اجراء پورے چوبیس ۲۴ سال گزر گئے۔ اور اب اس شمارے سے یہ جریدہ پچیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ تقریباً سات سال تک یہ ماہنامہ مولانا اصلاحی کے زیرِ ادارت و انتظام شائع ہوتا رہا۔ لیکن ۶۶ء میں مولانا موصوف کی 'تدبرِ قرآن' کی تیاری کی مصروفیات کی وجہ سے یہ رسالہ انتظامی و مالی بحران سے دوچار رہا۔ اسی زمانہ میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد منٹگمری (حال ساہیوال) سے مستقل طور پر لاہور اس عزم کے ساتھ منتقل ہو چکے تھے کہ وہ دعوتِ اسلامی کی تجدید کے لئے اپنی توانائیاں وقف کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے "الرسالہ" کے نام سے ایک ماہنامہ کا ڈیکلریشن بھی حاصل کر لیا تھا۔ جب مولانا اصلاحی کو اس کی خبر پہنچی تو موصوف نے ڈاکٹر صاحب کو پیش کش کی کہ "میثاق" لے لو اور اس کو دعوت کا نقیب اور ترجمان بناؤ۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء کے اواخر سے اس ماہنامہ کا ڈاکٹر صاحب کی زیرِ ادارت و انصرام نئے سفر کا آغاز ہوا۔ والحمد والمنہ کہ اس وقت سے یہ پرچہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی زیرِ ادارت شائع ہو رہا ہے۔

"مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے قیام کے بعد اس کا انتظام و انصرام انجمن نے سنبھالا۔ بعد ازاں جب محترم ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کا جاری کردہ "حکمت قرآن" جس کا سلسلۂ اشاعت بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا۔ اس کا ڈیکلریشن محترم ڈاکٹر صاحب کے نام منتقل ہو گیا تو

"حکمتِ قرآن" کو انجمن کا ترجمان قرار دیدیا گیا اور انجمن نے ماہنامہ میثاق کو تنظیم اسلامی کے سپرد کر دیا گیا تاکہ وہ اس کو اپنی دعوت کا نقیب اور ترجمان قرار دے سکے - چنانچہ مئی ۱۹۸۲ء سے یہ انتظام جاری ہے -

ماهنامہ میثاق کے اجراکی غرض وغایت پر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء کے 'عرض احوال' میں اختصار کے ساتھ اظہارِ خیال کیا جاچکا ہے - قارئین کرام سے اس پر نگاہ بازگشت ڈالنے کی درخواست ہے - اس موقع پر ہم جون ۱۹۵۹ء یعنی اس کے پہلے شمارے کے اداریے کا ایک اقتباس ذیل میں درج کر رہے ہیں تاکہ اس ماہنامہ کے اجراکی غرض و غایت کی پھر تذکیر ہو جائے -

"اس رسالے کا نام 'میثاق' محض اتفاق سے نہیں رکھا گیا بلکہ یہ نام سوچ سمجھ کر انتخاب کیا گیا ہے یہ نام بہت بڑی حد تک اس مقصد کی تعبیر کرتا ہے جو اس کے نکالنے سے پیش نظر ہے -

لغت میں میثاق سے مراد ہر وہ عہد و پیمان ہوا کرتا ہے جو شعور و ارادے کے ساتھ پورا کرنے کے لئے باندھا جائے - قرآن و حدیث میں اس کا مفہوم اس سے بہت بلند ہے اور چونکہ وہی مفہوم اس نام میں ہمارے پیش نظر ہے اس وجہ سے اس کا سمجھ لینا ضروری ہے -

قرآن مجید میں اس سے مراد وہ عہد و پیمان ہے جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا - قرآن نے اس قسم کے دو میثاقوں کا ذکر کیا ہے ایک تو وہ میثاق ہے جو اللہ تعالے نے بنی آدم کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کی عقل و فطرت سے لیا ہے - اس میثاق کا ذکر سورہ اعراف میں اس طرح فرمایا -

"اور یاد کرو جب کہ نکالا تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کے پیٹھوں سے انکی ذرّیت کو اور ان کو خود ان کے اوپر گواہ بنایا ، پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ، انہوں نے اقرار کیا کہ ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب ہے - یہ اس لئے ہوا تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس

چیز سے بالکل بے خبر ہی رہے" (اعراف آیت ۲،۷)
یہ خدا کی ربوبیت اور اس کی توحید کا میثاق ہے جو ہر انسان کی فطرت سے لیا گیا ہے اور اس پر ہماری عقل و فطرت گواہ ہے۔

دوسرا عہد و میثاق وہ ہے جو اس میثاق فطرت کی بنیاد پر اور درحقیقت اسی کے تقاضوں اور مطالبات کو بروئے کار لانے کے لئے ہمارے رب نے اپنے نبیوں، اور رسولوں کی وساطت سے ہم سے لیا ہے۔ یہ میثاق حضرت آدم سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر اور رسول بھی آئے ہیں سب نے خدا کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی اپنی امتوں سے لیا ہے۔ یہ میثاق اپنی فطرت کے لحاظ سے ہے ایک ہی میثاق لیکن چونکہ اسکی تجدید بار بار اور مختلف زمانوں میں ہوئی ہے اس وجہ سے ظاہر میں اس کے اندر تعدّد پیدا ہو گیا ہے۔ قرآن مجید نے ان تمام میثاقوں کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ پچھلی امتوں نے کس کس طرح اپنے باندھے ہوئے ان میثاقوں کو توڑا پھر یہ بتایا ہے کہ یہ میثاق اب امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لیا جا رہا ہے۔

تو اس امت کے لوگوں کا فرض ہے کہ اس میثاق میں خود بھی قائم رہیں اور دوسروں کو بھی اس کے اندر شامل کرتے اور ان کے اس پر قائم رکھنے کے لئے برابر اس کی شہادت دیتے ہیں۔ قرآن نے جو اس میثاق کی آخری اور مکمل دستاویز ہے، اس حقیقت کی یاد دہانی ان الفاظ میں کر رہا ہے۔

"اور تم اس فضل کو یاد رکھو جو اللہ نے تم پر فرمایا اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا، جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے" (سورہ مائدہ آیت ۷)

ایک جگہ فرمایا وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

اور اللہ نے تم سے میثاق لیا ہے۔ اگر تم مومن ہو۔ (سورہ حدید آیت ۸)

ماہ شعبان المعظم شروع ہو چکا ہے۔ توقع ہے کہ وسط شعبان تک یہ شمارہ قارئین تک پہنچے گا۔ ۱۴ر یا ۱۵ر جون سے ان شاء اللہ العزیز رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو جائے گا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے امام بیہقیؒ شعب الایمان میں ایک روایت لائے ہیں کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپؐ نے فرمایا۔

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالےٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے)، جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستّر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جس نے اس میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا، تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے آپؐ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان حاصل نہیں ہوتا تو کیا غرباء اس ثواب سے محروم رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ: اللہ تعالےٰ یہ ثواب

اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے (رسول اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالےٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تاآنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کو دوزخ سے رہا اور آزادی دے دے گا۔"

(ترجمہ ماخوذ از معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی)

کلمہ شہادت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے کے چار ارکان بتائے ہیں:

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں
شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ	پر ہے، اس بات کی گواہی
وان محمدا عبدہ ورسولہ	دینا کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود
واقام الصلوۃ وایتاء	نہیں اور محمدؐ اس کے بندے
الزکوٰۃ والحج وصوم	اور رسول ہیں اور نماز قائم
رمضان (متفق علیہ)	کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا
	اور رمضان کے روزے رکھنا

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دو ارکان کا تعلق بدنی عبادات سے ہے یعنی نماز اور روزہ یہ عبادات عام ہیں۔ چند استثنائی صورتوں کے علاوہ یعنی فاطر العقل یا اس درجہ علیل ہو جانا کہ تن کا ہوش نہ رہے، یہ عبادات ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ زکوٰۃ کا تعلق مالی عبادت سے ہے اور یہ صرف ان

پر فرض ہے جن کے پاس بقدرِ نصاب سال بھر تک فاضل سرمایہ (بشکل نقد، مال تجارت اور مویشی) رہے ۔ حج وہ عبادت ہے جس میں بدنی مشقت اور مال کا خرچ دونوں شامل ہیں لیکن اس کے لئے مالی و جسمانی دونوں کی استطاعت شرط ہے ۔ مالی استطاعت کو اتنی وسعت دی گئی ہے کہ سفرِ حج پر جانے کی صورت میں جس مدت کے لئے جا رہا ہو اس مدت کے لئے زیرِ کفالت افرادِ خاندان کی ضروریاتِ زندگی کا انتظام کر کے عازمِ سفرِ حج ہونا لازم ہے ۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ اور صوم کی عبادات تمام پچھلی اُمتوں پر بھی فرض رہی ہیں ۔ روزے کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ البتہ ان تینوں عبادات میں مختلف شریعتوں کے درمیان فرق رہا ہے ۔

روزے کی بے شمار حکمتیں ہیں جن کا جامع عنوان ہے تقویٰ چنانچہ روزے کا جس آیت میں حکم دیا گیا ہے جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس آیت کا اختتام ہوتا ہے اس پر کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: " تاکہ تم متقی بن جاؤ " یعنی تمہارے اندر اللہ تعالٰے کی نافرمانیوں سے بچنے کی استعداد پیدا ہو جائے ۔ انسان کا نفس ایک منہ زور گھوڑے کے مانند ہے اس کے کچھ داعیات اور اس کی کچھ خواہشات ہیں ۔ ان کو حدِ اعتدال میں رکھنا از بس ضروری ہے ۔ چنانچہ نفس کے اس منہ زور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کیلئے روزے کی عبادت فرض کی گئی ہے ۔ اس کی بدولت مسلمان کے نفس کے داعیات اتنے زور آور نہیں رہیں گے کہ وہ اس سے اپنی من مانی کرا لے اور اس کو یہ بات بھلا دے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے ۔ اس کے قانونِ حلال و حرام کا پابند ہے ۔

روزے کی عبادت کے متعلق یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس کے علاوہ دوسری جتنی عبادتیں ہیں ان کا تعلق ہر مسلمان کے کسی نہ کسی ظاہری عمل اور حرکت سے ہوتا ہے ۔ وہ مشہود ہوتی ہیں ۔ نماز کی تمام حرکات

کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے ۔ حج کے لئے ایک شخص طویل سفر کر کے جاتا ہے ۔ سینکڑوں لوگ اس کے اپنے حلقہ تعارف سے تعلق رکھنے والے ہم سفر ہوتے ہیں ۔ پھر فی زمانہ توجہ پر جانے کے لئے قرعہ اندازی ہوتی ہے ۔ قرعہ میں نام نکلنے والوں کی فہرستیں عموماً اخبارات میں شائع اور بینکوں میں آویزاں ہوتی ہیں ۔ زکوٰۃ بھی کم از کم ایک شخص دیتا اور دوسرا شخص لیتا ہے نیز فی زمانہ تو ملک میں بے شمار دینی اور رفاہی ادارے اپنے اپنے حلقوں سے اجتماعی طور پر زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور اپنے اپنے اداروں کی رپورٹوں میں زکوٰۃ کی رقم کے ساتھ ادا کرنے والوں کے نام شائع کرتے ہیں ۔ لیکن روزہ وہ عبادت ہے کہ جس کا حال اللہ اور بندے کے علاوہ کسی دوسرے پر عیاں نہیں ہوتا ۔ ایک شخص گھر والوں کے سامنے سحری کھائے اور کسی کے سامنے افطار تک کچھ نہ کھائے اور پیئے مگر چوری چھپے یہ کام کر لے تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی ۔ لیکن اگر کوئی شخص حقیقت میں روزہ رکھتا ہے اور سخت پیاس اور بھوک کی حالت میں بھی چوری چھپے کچھ پیتا اور کھاتا نہیں ہے ۔ ساتھ ہی وہ ان تمام برائیوں سے شعوری طور پر بچنے کی کوشش کرتا ہے جن سے بچنے کی تعلیم ، تلقین اور تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جیسے غیبت ، جھوٹ اور جھوٹ پر عمل اور دنگا فساد نیز دشنام طرازی سے اجتناب ۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ کے عالم الغیب ہونے اور جناب محمدؐ کے اللہ کے رسول ہونے پر کتنا پختہ ایمان اور کس قدر زبردست یقین ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے روزہ دار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ :

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ	جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ۔

اور مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

جس نے رمضان کی راتوں میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

ایمان اور احتساب روزے کی عبادت کے لازمی شرائط ہیں۔ ایمان اس پر کہ اللہ عالم الغیب ہے وہ احد ہے، وہ علیم و خبیر ہے اور وہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر فعل کا نگران ہے اور مجھے اس کے حضور میں ایک دن کھڑے ہو کر جواب دہی کرنی ہے۔ احتساب اس کا کہ روزے کی حالت میں ہر اس برائی سے بچے جس سے خاص طور پر روزے میں اجتناب کی تاکید اور تلقین کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ مہینہ بھر کی یہ ایمان و احتساب کی مشق ان شاء اللہ ایسے شخص کے لئے سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں اس کے لیے ایمان و احتساب پر قائم رکھنے میں ممد و معاون ہوگی۔ لیکن اگر اس نے صرف روزہ رکھا لیکن آفات روزہ سے محفوظ رہنے اور اجتناب کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا تو ایسے شخص کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ یہ ہے کہ:

كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ

بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ اس روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلّے کچھ نہیں پڑتا اور بہت سے راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رت جگے کے سوا انکے پلّے کچھ نہیں پڑتا۔

ایسے ہی روزہ دار دراصل ریاکار بھی ہوتے ہیں۔ ریاکاری اقسام شرک میں سے ایک شرک ہے یہ فتویٰ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

من صلی یرائی فقد اشرك — جس نے دکھلاوے کی نماز
ومن صام یرائی فقد — پڑھی تو اس نے شرک کیا اور
اشرك ومن تصدق — جس نے دکھلاوے کا روزہ
یرائی فقد اشرك — رکھا تو اس نے شرک کیا اور
جس نے دکھلاوے کا صدقہ کیا تو اس نے شرک کیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز اور صدقہ محض ریاکاری کے لئے بھی ہوتا ہے اسی طرح روزہ بھی محض ریاکاری کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ریاکاری وہ فعل ہے کہ جس پر یہ حکم عائد ہوتا ہے کہ ایسا فرد لازماً شرک کر چکا۔

روزے کی برکات اور حکمتیں بے شمار ہیں۔ ان میں سے دو اہم حکمتوں اور برکتوں کے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نہایت فکر انگیز کتابچے "عظمت صوم" کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"صیام و قیام رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جا سکتا ہے کہ:-
ایک طرف روزہ انسان کے جسد حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے۔ تاکہ رُوحِ انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی کراہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملے۔ اور دوسری طرف قیام اللیل میں کلام ربانی کا روح پرور نزول[1] اس کے تغذیہ و تقویت کا سبب بنے۔ تاکہ ایک جانب اس پر کلام الٰہی کی عظمت کما حقہ منکشف ہو جائے اور وہ اچھی طرح محسوس کر لے کہ یہی اس کی بھوک کو سیری اور پیاس کی آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اس کے دکھ کا علاج اور درد کا درماں ہے:۔ اور دوسری جانب رُوحِ انسانی از سر نو قوی اور توانا ہو کر "اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز" ہو گویا اس میں تقرب الی اللہ کا داعیہ شدت سے بیدار ہو جائے اور

---

[1] تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب ۔ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

وہ مشغول دُعا و مناجات ہو جو اصل رُوح ہے عبادت[1] کی اور لُبّ لُباب ہے رشد و ہدایت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات میں:
اوّلاً مجرد صوم کی مشروعیت اور اس کی ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اس کی غرض و غایت بیان ہوئی۔ " لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ " کے الفاظ میں اور
ثانیاً صوم رمضان کی فرضیت اور اس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر
ایک ــــ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ " کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اس پر اللہ کی جناب میں ہدیۂ تکبیر و تشکر پیش کرنے سے اور
دوسرے - وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ .... لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان کے متوجہ الی اللہ و متلاشی قربِ الٰہی اور مشغول دُعا اور محو مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادت رب کا ـ !

الغرض! صیام و قیام رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ روح انسانی بہیمت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیات تازہ حاصل کرے اور پوری شدت و قوت اور کمال ذوق و شوق کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہو جائے "

---

[1] احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام " اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" اور " اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ "

روزے کی ایک اور اہم حکمت یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کی قوتِ ارادی کی نہایت احسن طریق پر تربیت کرتا ہے۔ شریعت کے جملہ احکام اور حدود پر کاربند رہنے کے لئے ایک مسلمان کو مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہونا ضروری ہے۔ بالخصوص شریعت کا وہ حصہ جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے بڑی مضبوط قوتِ ارادی اور بڑے مضبوط صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کی مشق روزے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی سے وہ تقویٰ ظہور میں آتا ہے جو روزے کا اصل مقصود ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں جو حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے اور جس کا اوپر صرف ترجمہ دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو شہر الصبر فرمایا ہے اور اس صبر کا بدلہ جنت قرار دیا ہے۔

هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک مہینے کی تمام برکات سے بہرہ مند ہونے کی سعادت عطا فرماتے۔ آمین یارب العٰلمین۔

راقم نے گذشتہ شمارے میں اپنے بڑے بھائی شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب کی علالت کا ذکر کرتے ہوئے قارئین سے انکی صحت کی دعا کی درخواست کی تھی۔ ابھی وہ پرچہ قارئین تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ ۶ رمئی ۸۳ء کو بھائی صاحب نے دو ماہ کی علالت کے بعد اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اب قارئین سے انکی مغفرت کی دعا کی درخواست ہے۔

اللّٰھم اغفر ہ وارحمہ وعافہٖ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ وقہٖ من عذابِ القبر وعذاب النار۔ آمین یارب العالمین۔ خاکسار حمید [illegible]

۱۴۰۳ھ/۸/۱۰

برائے توجہ!

قارئین میثاق سے گذارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (شکریہ)

وننزل من القرآن ما هو شفاء
ورحمة للمؤمنين
سورة الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

ادب (چوتھی نشست) دی ۱

حقیقتِ برّ و تقویٰ

آیۂ برّ (سورۃ البقرہ: ۱۷۷) کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۱)

السّلام علیکم - نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترم حاضرین اور معزز ناظرین! مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا سلسلے وار درس ان مجالس میں ہو رہا ہے اس کا پہلا سبق سورۃ العصر پر مشتمل تھا جس پر ہم نے کسی قدر گفتگو تین مجالس میں کی ہے - اس منتخب نصاب کا دوسرا درس آیۂ برّ پر مشتمل ہے - یہ آیۂ مبارکہ سورۃ بقرہ میں آیت نمبر ۱۷۷ ہے اور مصحف میں سورۃ بقرہ کے بائیسویں اور دوسرے پارے کے چھٹے رکوع کے آغاز میں وارد ہوئی ہے - آج کی نشست میں ہم اس آیت کے بارے میں بعض ابتدائی اور تمہیدی باتوں پر غور کریں گے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس کی تلاوت کر لیں اور ایک رواں ترجمہ بھی ہمارے سامنے آجائے -

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔۔۔ الخ الاٰیہ

اس کا رواں اور سلیس ترجمہ یہ ہوگا -

" نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو بلکہ اصل نیکی اُس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر — اور دیا اُس نے مال اس کی محبت کے علی الرغم رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سائلوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں — اور قائم کی اُس نے نماز ادا کی زکوٰۃ — اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے ۔ جبکہ کوئی باہم معاہدہ کرلیں - اور بالخصوص صبر کرنیوالے فقر و فاقہ پر - تکالیف و مصائب پر - اور جنگ کے وقت - یہی ہیں وہ لوگ کہ جو راست باز ہیں - اور یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقتاً متقی ہیں "

اس آیہ مبارکہ کے بارے میں اس ترجمے کو ذہن میں رکھ کر اب چند باتیں نوٹ کیجئے - سب سے پہلی بات یہ کہ یہ ایک آیت ہے اور ہمارا پہلا سبق ایک سورۃ پر مشتمل تھا لیکن یہ آیت اُس سُورۃ کے مقابلہ میں حجم کے اعتبار سے کئی گنا بڑی ہے - اس کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن حکیم میں آیات چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی - صرف ایک لفظ پر مشتمل بھی آیت ہے " والعصر " آیت مکمل ہو گئ - حروفِ مقطعات پر مشتمل بھی آیات ہیں اور اتنی طویل آیات بھی ہیں کہ جن میں سے ایک کا اس وقت ہم مطالعہ کر رہے ہیں - سورتیں چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی ہیں سُورۃ العصر بہت مختصر ہے اور سورۃ بقرہ ۲۸۶ آیات پر مشتمل اڑھائی سپاروں پر پھیلی ہوئی ہے - یہ تمام امور اصطلاحاً ہم یہ کہتے ہیں کہ توقیفی ہیں - یعنی اس میں کسی گرامر کے اصول کو یا کسی منطق کے قاعدے کو دخل نہیں ہے - یہ انسانی اجتہاد پر مبنی نہیں ہے - اس کا انسان کی اپنی سوچ اور قیاس پر مدار نہیں ہے - بلکہ یہ امور ہمیں معلوم ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے - یہ موقوف علیہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے - یہ تمام امور توقیفی کہلاتے ہیں -

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک اس سورۃ مبارکہ کے مضامین کا تعلق ہے اگر غور کریں گے تو بڑی گہری مناسبت اور مشابہت ہے اس کے مضامین میں اور سورۃ العصر میں ـــ ذرا یاد کیجئے کہ سورۃ العصر میں ہمارے سامنے انسان کی فوز و فلاح کے چار لوازم آئے تھے ۔ ایمان ۔ عمل صالح ۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ـــ اب ذرا اس آیت پر غور کیجئے ۔

سورۃ العصر میں ایک جامع اصطلاح عنوان کے طور پر آئی تھی "ایمان" ـــ یہاں پانچ ایمانیات کا ذکر ہے ۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ـــ اس کی بالکل وہی تشبیہ ہے کہ جیسے ایک کلی ہوتی ہے جو ابھی کھلی نہ ہو اس میں پتیاں ہوتی ہیں لیکن نمایاں نہیں ہیں ـ وہ کھلتی ہے ۔ پھول بنتا ہے اور پتیاں ظاہر ہو جاتی ہیں ۔ تو لفظ ایمان میں یہ تمام مضامین موجود ہیں لیکن سورۃ والعصر میں وہ ابھی ایک بند کلی کے مانند ہیں ـ تو اس آیۃ مبارکہ میں ہم نے دیکھا کہ وہ کلی کھل گئی ۔ پھول بن گیا ۔ پانچ پتیاں نمودار ہو گئیں ۔ ایمان کسے کہتے ہیں ؟ اللہ پر ایمان ۔ ملائکہ پر ایمان ۔ یوم آخر پر ایمان ۔ کتابوں پر ایمان ۔ انبیاء پر ایمان ۔

سورۃ العصر میں دوسرا جامع عنوان آیا "عمل صالح" ـــ اب اس کی کوئی تفصیل وہاں ممکن نہیں تھی ۔ یہاں اگر غور کریں گے تو عمل صالح کے اس جامع عنوان کے تحت ہم تین ذیلی عنوان قائم کر سکتے ہیں ۔

سب سے پہلا ہو گا "انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا عنوان" یعنی انسان اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ۔ اپنی دولت جو اسے طبعاً مرغوب ہے ۔ محبوب ہے اس کی اس محبت کے علی الرغم اپنے ابنائے نوع کی تکلیف کو دور کرنے میں صرف کر سکے ـ یہ انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا ذیلی عنوان ہو گا ۔

دوسرا ذیلی عنوان بن جائے گا "عبادات" حقوق اللہ ـ جن میں نماز آ گئی اور زکوٰۃ آ گئی ۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۔

تیسرا ذیلی عنوان ہوگا "معاملات" اس لئے کہ آپ غور کریں گے کہ ایفائے عہد کا درحقیقت تعلق - معاملات انسانی سے ہے - ہمارے تمام انسانی معاملات - لین دین ہے - کاروبار ہے EMPLOYER اور EMPLOYEE RELATION-SHIP یعنی آجر و مستاجر (ملازمت و اجرت) ہے - شادی بھی ایک SOCIAL CONTRACT ہے - ان تمام انسانی معاملات کی اصل بنیاد عہد اور معاہدے پر قائم ہے - ایفائے عہد اگر کسی معاشرت میں پیدا ہوجائے تو یوں سمجھئے کہ Human Relation کی stream - lining ہوجائے گی - پورے انسانی تعلقات کا معاملہ درست ہوجائے گا -

سورۃ العصر میں "عمل صالح" ایک جامع اصطلاح تھی - یہاں اس کے تین ذیلی عنوانات ہمارے سامنے آئے اور اگر اس کے لئے میں مثال دوں تو یہ بالکل ایسے ہے جیسے ایک درخت کا تنا ہو اور اس تنے سے تین بڑی بڑی شاخیں نکلیں - تو عمل صالح جو سورۃ العصر میں آیا وہ تنے کے مانند ہے اور اس سے جو تین بڑی بڑی شاخیں نکلتی ہوئی ہمیں اس آیۂ مبارکہ میں نظر آرہی ہیں - وہ ہیں : انسانی ہمدردی اور خدمت خلق ، عبادات اور معاملات انسانی میں ایفائے عہد -

سورۃ العصر میں آخری چیز آئی تواصی بالصبر - اور اب یہاں دیکھئے یہ آیت بھی ختم ہورہی ہے : وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط - "اور بالخصوص صبر کرنے والے" - اور صبر کے جو مقامات یا جو مواقع ہیں ان میں سے تین کا ذکر کر دیا - جیسے عمل صالح کے تین ذیلی عنوانات آئے - تو صبر کے تین مواقع کا ذکر کر دیا گیا - پہلا "البأساء" بأساء کہتے ہیں - فقر و فاقہ اور تنگی کو - "والضراء" یہ ضرر سے بنا ہے - تکلیف ہو - جسمانی اذیت ہو - ذہنی کوفت ہو اور ظاہر بات ہے کہ صبر و صابرت اور

ثبات و استقلال کا اصل امتحان جو ہوتا ہے تو اسکا آخری میدان، میدان جنگ ہے۔ جہاں انسان جان کی بازی کھیلتا ہے۔ جہاں وہ نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر اُس کا RISK لیتے ہوئے میدان میں آتا ہے۔

سورۂ عصر کے ساتھ اس آیت کے مضامین کا بڑا گہرا ربط ہے اور اسی مناسبت سے ہم نے اس منتخب نصاب میں اس کو سبق ۲ کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ کا اصل مضمون کیا ہے؟ اس کا آغاز ہوتا ہے " لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ "، " نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق و مغرب کی طرف پھیر لو " یعنی نیکی کے ایک محدود تصور کی نفی سے بات شروع ہوئی۔ آگے فرمایا: " وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ " اور اس کے بعد نیکی کا ایک جامع اور مکمل تصور پیش کیا۔ یہ اس آیۂ مبارکہ کا گویا اصل موضوع اور مضمون ہے۔

اب سب سے پہلے تو میں یہ چاہوں گا کہ آپ اس موضوع کی اہمیت کو جانیئے۔ دیکھیئے جس طرح ہماری مادّی زندگی ہے۔ اُس کے لئے کچھ چیزیں بنیادی لوازم کی حیثیت سے ہیں۔ ان کے بغیر ہماری زندگی کا تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا۔ مثلاً ہوا ہے۔ ہوا کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ پانی ہے، پانی کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ بالکل اسی طرح انسان کی ایک معنوی زندگی ہے۔ اُسکی انا یا خودی کا زندہ رہنا۔ برقرار رہنا Integrated Form میں رہنا اس کے لئے یہ چیز لازمی ہے کہ ہر انسان نیکی کے کسی نہ کسی تصور کو اختیار کرے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرے خواہ وہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے اعتبار سے کتنا ہی بُرا انسان ہو۔ لیکن اُسکی یہ مجبوری ہے کہ وہ نیکی کا کوئی نہ کوئی کھاتہ اپنی زندگی میں کھولے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرے کہ اگرچہ میرے اندر

یہ برائی اور یہ برائی ہے - پھر یہاں وہ Rationalization کرتا ہے۔ اور self justify کرتا ہے کہ میں جس برائی میں مبتلا ہوں اس کیلئے میری یہ مجبوری ہے وہ مجبوری ہے - لیکن میں نے نیکی کا یہ کام بھی کیا ہے۔ میں نے یہ بھلائی بھی کی ہے - اس طرح وہ اپنے ضمیر کی خلش کو مٹاتا ہے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرتا ہے -

چنانچہ میں آپکو دعوت دونگا کہ ہمارے معاشرے کے سب سے زیادہ اخلاقی اعتبار سے جو گرے ہوئے طبقات شمار ہوتے ہیں انکا اگر آپ جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ نیکی کا کوئی نہ کوئی تصور ان کے ہاں بھی موجود ہے یہ تو میں نے ذرا اُن طبقات کی بات کی ہے کہ جن کے بارے میں ہماری رائے اچھی نہیں ہے - اس سے آپ آگے آئیے - تین طبقات آپکو شرفاء میں ملیں گے کہ جن کے نیکی کے تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں - مثلاً ہمارے ہاں ایک طبقہ کچھ کاروباری حضرات اور تاجر پیشہ لوگوں پر مشتمل ہے - یہ لوگ دیندار ہیں - نماز، روزہ حج - زکوٰۃ - عمرہ - مدارس دینی کی خدمت - علماء کی خدمت - اس میں یہ لوگ پیش پیش ہیں - لیکن نظر آئے گا - الاّ ماشاءاللہ - اس طبقے کی ایسی باتیں سامنے آئیں گی - جیسے ٹیکس کو بچانے کے لئے غلط حساب کتاب بھی ہو رہا ہے - بلیک مارکیٹنگ اور اسمگلنگ بھی ہو رہی ہے - ذخیرہ اندوزی بھی ہے اور ملاوٹ بھی - سودی معاملات میں بھی ملوث ہیں - اسی طریقے سے کبھی محسوس ہوگا کہ اگرچہ ویسے تو نمازی ہیں - حاجی بھی ہیں - نیک بھی ہیں - لیکن بڑے کٹھور دل ہیں - دل میں نرمی والی کیفیت موجود نہیں - اب یہ آپ کو ملغوبہ مل رہا ہے کہ ایک طرف بھلائی ہے - نیکی ہے - خیر ہے - اور اسکے ساتھ بعض چیزیں وہ ہیں جو اخلاقی اور دینی اعتبار سے مناسبت نہیں رکھتیں - ایک بالکل دوسرا طبقہ اسکے برعکس آپکو ملے گا - اپنے ہاں کے یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ - وہاں یہ بات آپ سننے میں آئے گی کہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ انسان کسی کو

ہو کا نہ ہے - اصل نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض منصبی صحیح طور پر ادا کرے -
ں نماز - روزہ ، یہ اس کا بھی اور ذاتی معاملہ ہے اگر کوئی کرتا ہے تو اپنے لئے
رتا ہے - اگر نہیں کرتا تو بہر حال یہ بھی اس کا اپنا ذاتی معاملہ ہے - معلوم ہوا
ر یہ تصورِ نیکی بالکل برعکس ہے - اُس تصورِ نیکی سے جس کا پہلے بیان ہوا - ایک
ر ہمارے ہاں بعض اوقات عدم توازن نظر آجائے گا کہ اکثر لوگوں کی دین
اہر پر تو بڑی کڑی نگاہ ہے اس کے بارے میں حساس بھی بہت ہیں - ذرا
ی کمی بیشی کو بھی گوارا کرنے کو تیار نہیں ہوتے - لیکن جو روحِ دین ہے - اصل
نوئی ہے - اصل خدا ترسی ہے اس پر اتنی توجہ نہیں ہوتی جتنی کہ دین کے
ظاہر اور ظواہر پر ہے یہ مختلف نیکی کے تصورات آپکو خود اپنے معاشرے میں
یں گے -

یہ جو میں نے آخری بات کا ذکر کیا ہے اُس کے حوالے سے یہ آیت شروع
وئی ہے - نماز کا ایک ظاہر ہے - اسمیں آپ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوتے ہیں -
یہ اُس کے ظاہر کا ایک جزو ہے - شرط ہے - اب اسکی اہمیت اپنی جگہ ہے
یکن جب کچھ لوگوں میں ظواہر ہی کی اہمیت رہ جاتی ہے اور جو اصل روحِ نماز
ہے اس پر سے توجہ کم ہو جاتی ہے تو پھر وہ ایک غیر متوازن کیفیت ظہور میں
تی ہے کہ جو اصلاً مطلوب نہیں - اس کو علامہ اقبال نے کہا کہ

شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا سجود بھی حجاب میرا قیام بھی حجاب

اور

عقل و دل نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اس تصورِ نیکی کی نفی سے بات شروع ہوئی اور اس کے پس منظر میں
نفی کے بعد اثبات آیا - اصل نیکی کیا ہے ! نیکی حقیقتاً کسے کہتے ہیں ! یہ وہ
گفتگو ہے کہ جواب انشاءاللہ آئندہ درس میں جاری رہے گی - اب جو کچھ

ہیں نے اس وقت عرض کیا ہے اُسکے بارے میں اگر کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال: اس آیت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ سمتوں کی کوئی اہمیت نہیں پھر ایک خاص سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے۔؟

جواب: بہت اچھا سوال ہے۔ اصل میں ترجمے کی طرف آپنے توجہ نہیں کی۔ میں نے یہ ترجمہ کیا تھا کہ وہ نیکی یہی نہیں ہے،، یعنی قبلہ رو ہونا بھی نیکی ہے۔ لیکن صرف یہی نیکی نہیں ہے۔ ظاہر کی بھی اہمیت ہے لیکن یہاں جس چیز پر زور دینا مقصود ہے وہ یہ کہ کُل نیکی اسی کو نہ سمجھ بیٹھنا۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ مضمون اس سے پہلے بھی آیا ہے۔ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں۔ جدھر بھی رُخ کر لو گے سب اللہ کے رُخ ہیں لیکن دوسری طرف یہ دیکھئے کہ ایک سمت کا تعین بہت ضروری ہے۔ ورنہ تو کوئی ہم آہنگی نہیں ہو گی۔ یکسانی نہیں ہو گی۔ ایک اجتماعی (COLLECTIVE) صورت میں نماز کی ادائیگی ممکن نہیں رہے گی۔ کسی کا رُخ مشرق کو ہو گا تو کسی کا مغرب کو۔ لہذا قبلے کے تعین کی اپنی مصلحت ہے۔ یہ اس کا اپنا فائدہ ہے۔ تو اس لئے اس پر بھی زور دیا جائے گا۔ لیکن اصل بات جو کہنی ہے وہ یہ ہے کہ نگاہوں کو صرف ظواہر اور مظاہر تک محدود نہ رکھو۔ بلکہ اُس روحِ برّ اور تقویٰ کو سمجھنے کی کوشش کرو جو اس آیہ مبارکہ میں بیان ہوئی ہے۔

سوال: انسان ایمان اور اعمالِ صالحہ سے خالی ہو۔ بُرے افعال اور اعمال بھی کرتا ہے اس کا کردار صحیح نہ ہو تو کیا سبیل لگا دینا، مسجد بنا دینا، کوئی اور ایسا خیر کا کام کرنا اس کو فائدہ دے گا۔؟

جواب: اس سوال کا جواب اس آیت میں صرف ترجمے سے ہی سمجھ میں آجاتا ہے کہ نیکی ایک کُل ہے۔ وہ ایک رُوحِ باطنی ہے جو انسانی شخصیت

میں سرایت کرتی ہے تو اسکی پوری شخصیت کو ایک رنگ میں رنگ دیتی ہے ہماری
مجبوری یہ ہے کہ ہم ظاہری عمل یعنی DISCRETE ACTION
پر حکم لگاتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام ہے۔ یہ بدی کا کام ہے۔ اس لئے کہ ہم اس
کے صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہیں ایک شخص نے کسی کو ایک روپیہ دیا اس نے
خیرات کی ہم یہی سمجھیں گے کہ نیکی کا کام کیا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کے
پیشِ نظر ریاکاری ہو۔ وہ لوگوں پر اپنی نیکی کی دھونس جمانا چاہتا ہو
یا وہ یہ چاہتا ہو کہ وہ شخص ذرا میرے سامنے گردن جھکا کر رہے جسکو میں نے ایک
روپیہ دیا ہے: تو قرآن مجید کی رو سے پھر وہ نیکی نہیں بلکہ نیکی تو اس پورے
مجموعے کا نام ہے۔ یہ رُوحِ بِر جب ایک انسانی شخصیت میں سرائت کرکے
ظہور کرتی ہے تو وہ جو صبغت اللہ سامنے آئے گا۔ وہ جو پوری شخصیت رنگ
میں رنگی جاتی گی، وہ رنگ ہے جو اس آیۂ مبارکہ میں پورے طور پر پیش کیا
گیا ہے۔

سوال: اس آیت کا خطاب صرف مسلمانوں کے لئے ہے یا سب
کے لئے ہے ؟

جواب:۔ یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی تھی تو مسلمانوں ہی سے خطاب کرتے
ہوتے ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی تھی۔ وہ پس منظر تحویلِ قبلہ تھا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے تو بعض روایات سے
معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ یہ اہتمام فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ کی جو جنوبی دیوار ہے
اسکی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوتے تھے۔ رکن یمانی اور حجرِ اسود کے مابین۔
تو جب آپؐ کعبے کی طرف رُخ کرتے تھے تو کعبہ بھی سامنے آگیا اور جغرافیہ کے
نقشے میں ذرا دیکھئے تو شمال کی سیدھ میں مسجد اقصےٰ بھی ہے۔ تو مسجد اقصےٰ
کی طرف بھی رُخ ہو گیا۔ اسکو کہتے ہیں استقبال قبلتین۔ دونوں قبلوں کی
طرف بیک وقت رُخ کر لیا۔ لیکن جب آپؐ ہجرت فرما کر مدینے تشریف

نے آنے تو اب مسئلہ پیچیدہ ہو گیا اس لئے کہ مدینہ منورہ درمیان میں ہے۔ مکہ مکرمہ اس سے جنوب میں ہے۔ بیت المقدس اسکے شمال میں ہے۔ اب اگر اُدھر رُخ کرتے ہیں تو اِدھر پیٹھ ہو گی۔ اور اگر اُدھر رُخ کرتے تو اِدھر پیٹھ ہو گی۔ اس مسئلے کا حل یہ ہوا کہ جب تک قرآن مجید میں نیا حکم نازل نہ ہو جائے تو سابقہ اُمت مسلمہ یعنی یہود کا جو قبلہ تھا اُسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی۔ لیکن آپکو انتظار شدت سے رہا کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو جائے چنانچہ دوسرا پارہ جہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے پہلے دو رکوع یعنی ۱۷ویں اور ۱۸ویں رکوع میں ساری بحث اسی سے متعلق ہے۔

"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا"

"اے نبی ہم آپکے چہرہ مبارک کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھتے رہے ہیں۔ تو اب ہم آپ کا رُخ اُسی طرف کر دیتے ہیں۔ اُسی کو قبلہ معین کر دیتے ہیں جو آپکو پسند ہے"۔ اور تحویل کا حکم آگیا۔

حضرات بس اب وقت ختم ہوا۔ ابھی ہمیں اس آیۂ مبارکہ کے بارے میں مزید گفتگو کرنی ہے۔ لہذا مزید سوالات جو آپ کے ذہن میں آرہے ہیں، ان کا حل ان شاء اللہ آئندہ گفتگو میں آپکو مل جائیگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

* *

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

* *

خطاب ۲

آخری قسط

ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

—— (گذشتہ سے پیوستہ) ——

بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ

کسی چیز کو وسیع ترین اور بڑے پیمانے پر کسی معاشرے کے افراد کے ذہنوں اور دلوں میں اتارنے کے لئے حکومت کی سطح پر تین بڑے اور مؤثر ذرائع ہیں۔ پہلا ذریعہ ہے پریس۔ دوسرا ذریعہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذرائع ابلاغ ہیں۔ پریس بھی ایک ذریعہ ابلاغ ہی ہے لیکن اس کو میں نے علیحدہ اس لئے رکھا ہے کہ اس کو حکومت کی گرفت سے آزاد بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ پبلک سیکٹر میں بھی ہے لوگوں کے اپنے ہاتھ میں بھی ہے۔ جو بڑی حد تک اس کو اپنی سوچ اور اپنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ریڈیو اور ٹیلیویژن کو میں نے علیحدہ اس لئے کر دیا ہے کہ یہ دونوں سراسر اور بالکلیہ حکومت کے ہاتھ میں ہیں —— یورپ اور خاص طور پر امریکہ میں یہ ادارے بظاہر آزاد ہیں۔ میں نے 'بظاہر' کیوں کہا! اس لئے کہ درحقیقت یہ وہاں بھی آزاد نہیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان پر تسلط حکومت کا نہیں ہے۔ سرمایہ دار کا ہے۔ وہاں یہ ذرائع ابلاغ سرمایہ داری کی گرفت میں ہیں۔ عام آدمی وہاں بھی اسی طریقے سے ان کی زد میں رہتا ہے جس طریقے سے حکومت کے ہاتھ میں یہ ذرائع ہونے کی صورت میں رہتا ہے۔ وہاں بھی عوام الناس کی آزادانہ سوچ اور فکر پروان نہیں چڑھ سکتی، وہاں سرمایہ دار اپنے مفادات کے مطابق ان ذرائع ابلاغ کو ایکسپلائٹ کرتا ہے —— پھر یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ اور خاص طور پر امریکہ میں Top کے سرمایہ دار یہودی ہیں جو اپنی سرمایہ داری کے بل پر ذرائع ابلاغ پر بھی مسلط ہیں اور انہوں

حکومت پر بھی اقلیت اور وہ بھی نہایت حقیر اقلیت کے باوجود یہود ہی کی پالیسیاں
ثر انداز بلکہ نافذ العمل ہوتی ہیں ـــــ علامہ اقبال نے تو آج سے تقریباً پچاس ساٹھ
سال قبل ہی اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ ع۔ فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے
آج یورپ بالخصوص امریکہ میں یہی صورت حال فی الواقع موجود ہے ـــــ اس
گرفت اور قابو کے عوامل میں ایک طرف ان یہود کی سرمایہ داری ہے اور دوسری طرف
یہ حقیقت ہے کہ اپنے سرمایہ کے بل پر ان تمام ممالک کے ذرائع ابلاغ ـــ پریس،
ریڈیو، ٹیلیویژن حتیٰ کہ فلم انڈسٹری پر ان یہود کا تسلّط ہے۔ بہرحال ہمارے ہاں
تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر کامل تسلّط حکومت کا ہے۔ اس میں کسی نجی (PRIVATE)
دارے کا عمل دخل نہیں ہے ـــــ تیسرا ذریعہ ہے نظامِ تعلیم۔

اب میں چاہوں گا کہ ان میں سے ایک ایک کے حلقۂ اثر اور نفوذ کا جائزہ
لیا جائے ـــ پریس کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ اس کا ایک حصّہ تو وہ ہے جو۔
پریس ٹرسٹ ـــ کے ذریعے سے حکومت کے زیر اثر ہے لیکن اس وقت آزاد
پریس کی بات کروں گا۔ ان میں دو بیماریاں اس طرح جڑ پکڑ چکی ہیں کہ اس نے صحتمند
صحافت کا دور ختم کر کے رکھ دیا ہے جب پریس کے ذریعہ صاحب فکر لوگ اپنا
تعمیری فکر عوام کے اذہان میں منتقل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ماضی قریب میں
ایسے بہت سے اہلِ فکر و نظر بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے اعلیٰ پیمانے پر یہ خدمت
انجام دی ہے۔ بے شمار حضرات میں سے چند بزرگوں کے نام اس وقت ذہن میں
آرہے ہیں، جیسے ضیغمِ حق، مردِ حُر مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی صحافت، بطلِ حریت
مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی صحافت، الہلال اور البلاغ کے دور کے ضیغم حق مولانا
ابوالکلام آزاد مرحوم کی صحافت جس کے ذریعے اس دور میں دعوت رجوع الی القرآن
اور پیغام جہاد کا غلغلہ بلند ہوا ـــــ خود مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور
ـــ موجودہ دور کے ایک عظیم مفکرِ اسلام ـــ جنہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم
کی دعوت کو ایک عظیم تحریک کی شکل میں برپا کیا ـــ خود بنیادی طور پر صحافی تھے ـــ
انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بطور صحافی کیا۔ بالکل نو عمری کے دور میں وہ "تاج"
آگرہ اور بعدہٗ چند سال تک جمعیت العلماء ہند کے ترجمان "الجمعیت" دہلی کے

مدیر رہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہاں سے علیحدہ ہونے کے بعد مولانا مرحوم کسی روزنامے یا ہفت روزہ سے وابستہ نہیں رہے اور بقیہ ساری عمر وہ ماہنامہ ہی نکالتے رہے ۔ مولانا مرحوم خود اپنے آپ کو بنیادی طور پر 'صحافی' ہی قرار دیتے تھے ۔ مجھے ایک معتبر صاحب نے کبھی بتایا تھا کہ پاسپورٹ کے فارم میں ذریعۂ معاش کے کالم میں مولانا نے 'صحافت' درج کیا تھا ــــ یہ صحافت تعمیری صحافت تھی، اس میں درویشی تھی، وہ بامقصد صحافت تھی، اس کا بنیادی نقطۂ نظر یہ تھا کہ معاشرے کو صالح فکری غذا پہنچائی جائے ــــ

آج کی صحافت کا معاملہ یہ ہے کہ یہ بات بطور مسلّمہ مانی جاتی ہے کہ اب یہ ایک انڈسٹری ہے ۔ یہ درحقیقت حصول منفعت اور طلب منفعت کا ایک ذریعہ ہے جیسے ایک کارخانہ ہے، اس میں سرمایہ لگانے والوں کو اپنے منافع سے اور اس میں کام کرنے والوں کو اپنے معاوضے سے غرض ہوتی ہے ۔ اسی طریقے سے صحافت فی الوقت بنیادی طور پر ایک انڈسٹری بن گئی ہے ۔ پھر یہ کہ اب کچھ زوردار باطل نظریات بھی آچکے ہیں، جن کی گرفت ہمارے اکثر و بیشتر صحافیوں کے اذہان پر بڑی مضبوط ہے ــــ مالکان کا عموماً حال یہ ہے کہ جیسے کبھی 'ادب برائے ادب' کا نقطۂ نظر تھا اب ان مالکان کا نقطۂ نظر 'صحافت برائے صحافت' ہے ــــ ان کو تو اپنی ذاتی منفعت سے غرض ہے ۔ ان کی طرف سے بھاڑ میں جائے اصلاح معاشرہ ۔ معاشرے میں جس چیز کی مانگ ہے، ان کا فلسفہ یہ ہے کہ اس مانگ کو اور بڑھاؤ، خوب غذا دو، اس میں مسابقت کرو، یہی چیز ان کے لئے سونے کی کان ثابت ہوگی ــ اب رہا صحافیوں کا معاملہ! تو اس کو سمجھنے کے لئے آپ کو نصف صدی پیچھے کی طرف لوٹنا ہوگا ۔ جب برصغیر پاک و ہند میں "ادب برائے زندگی" کا نظریہ بڑے زور و شور سے آندھی کے مانند اٹھا تھا اور "ترقی پسند ادب" کے نام سے ادب میں عریانی، فحاشی، لذت پسندی کے (SUGAR COATED) ادب کے ذریعہ مادہ پرستی، الحاد، اباحیت اور اشتراکیت ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں اتارنے کی بڑی منظم مہم شروع کی گئی تھی ــــ اس ترقی پسند ادب کے علمبرداروں کا فلسفہ یہ تھا اور اب بھی ہے کہ ادب کے ذریعہ وعظ کہنا بالکل

رہے۔ ادب تو ایک آئینہ کے مانند ہوتا ہے۔ آئینہ اصل حقیقت کی عکاسی کرتا
ے اسی طرح ادب کو بھی معاشرے کے حقیقی خدوخال کا عکاس ہونا چاہیئے۔
یا ان کے نزدیک گندے کپڑوں کی برسرعام نمائش ہی ادب کی معراج ہے۔
انچہ اس فلسفہ کے تحت ادب اور صحافت کے ذریعے عریانی وفحش افسانوں،
اموں کا جو سیلاب آیا ہے، وہ رکا نہیں ہے۔ البتہ وہ مصلحت بینی کی خاطر
لف روپ اور بھیس بدلتا رہا ہے اور کسی نہ کسی بھیس میں آج بھی ہماری
نی، اخلاقی، معاشرتی اقدار و روایات کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے اور
رطان کی طرح جسد ملی پر مسلط ہے۔ الغرض آج ہماری صحافت کا بالعموم مطمح نظر
ہے کہ معاشرے میں فی الواقع جو کچھ ہے ہمیں تو اس کی عکاسی کرنی ہے۔ اس
ے معاشرے پر مثبت اثرات مترتب ہوتے ہیں یا منفی۔ اس سے ہمیں کوئی
رض نہیں۔

اب سوچیئے کہ جب صحافت انڈسٹری بھی بن گئی اور صحافت کا نظریہ بھی یہ ہو کہ
کچھ معاشرے میں ہے ہمیں اسی کی عکاسی کرنی ہے۔ ہمیں کوئی وعظ نہیں کہنا۔ کسی
طرح کا کوئی نظریہ اپنی طرف سے لوگوں کے ذہنوں میں نہیں انڈیلنا۔ لہٰذا نتیجہ پھر یہی
ہے کہ جس چیز کی مارکیٹ میں ڈیمانڈ ہے وہ ہی آپ کو PRODUCE کرنی ہوگی۔ بلکہ
قاعدہ VICIOUS CIRCLE چلایا جائے گا۔ اس کی ڈیمانڈ پیدا کی جائے گی ــــ
یسے ہر انڈسٹری کے لئے یہ کام ناگزیر ہوتا ہے کہ اپنے آئٹم کی ڈیمانڈ کو TACKLE کیا
ئے مارکیٹ کے رجحان پر نظر رکھی جائے۔ اس تمام دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ
یمانڈ میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے اور یہ فعل مسلسل اور دو طرفہ جاری رہتا ہے ــــ
وس کی تو کوئی حد نہیں ہوتی چاہے وہ مال کی ہو۔ چاہے لذت کوشی کی ہو۔ اور اسی
رح منافع خوری کی بھوک بھی بڑھتی رہتی ہے اور لذت کوشی کی ہوس اور بھوک
ھی۔ یہ ہے صحیح صورت حال اور اصل وطیرہ جو ہماری موجودہ صحافت میں نمایاں نظر
رہا ہے۔ اس سے پورے ملک کی صحافت میں جو لوگ محفوظ ہیں ان کی حیثیت ایک بحر
یکراں کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی آب جو سے بھی فروتر ہے ــــ اس صحافت کے
ریعے ذہنوں اور دلوں میں قرآن کہاں اتر سکتا ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک مستقل

کالم قرآن مجید کے ترجمے یا کسی دینی موضوع کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ ادارتی صفحہ کی لوح پر کوئی آیت یا حدیث کا ترجمہ ضرور درج ہوتا ہے۔ ہفتے میں ایک ایڈیشن میں مذہبی امور کے لئے چند پورے کے پورے صفحات بھی مخصوص ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ موجودہ صحافت کا جو MAIN CURRENT ہے۔ اس میں کسی درجے میں بھی صحافت کے ذریعے قرآن حکیم کا نفوذ اور دینی اقدار کا فروغ اس کی تعلیم و تدریس اور تربیت، دینی لحاظ سے معاشرے کے اذہان و قلوب کی اصلاح کا نظریہ و مقصد موجودہ صحافت کے پیشِ نظر تقریباً معدوم کے درجے میں ہے۔ بلکہ اصل کام اس کے بالکل برعکس اور برخلاف بڑی اعلیٰ ٹیکنیک کے ساتھ جاری و ساری ہے اور اس میدان میں آزاد پریس اور حکومت کے 'پریس ٹرسٹ' کے اخبارات و جرائد میں مسابقت کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔

رہا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا معاملہ! ___ تو یہ دونوں ذرائع ابلاغ تو براہِ راست حکومت کے کنٹرول میں ہیں۔ ان کا معاملہ پریس سے قدرے مختلف ہے۔ اس ضمن میں حکومت کی اپنی مصلحتیں ہیں اور مجبوریاں بھی۔ مصلحتیں تو یہ ہیں کہ معاشرے میں تفریح کا جو رجحان انتہاء تک پہنچایا جا چکا ہے، اس کی رعایت ضروری ہے۔ تفریحات میں ملت و قوم کو اس طرح محو رکھو کہ سنجیدہ مسائل پر دھیان دینے اور غور و فکر کرنے کا اسے موقع ہی نہ ملے۔ اس معاملے میں پریس اور ان ذرائع ابلاغ میں کمیت کا تو فرق ہو سکتا ہے، کیفیت کا نہیں۔ پھر حکومت کو اپنے کاموں کے تعارف اور "پروپیگنڈے" کے لئے بھی ان کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ سرکاری و نیم سرکاری تقاریب، غیر ملکی اہم شخصیتوں کی پاکستان میں آمد و رفت، ان کے استقبال اور وداع نیز پاکستان میں ان کی معروفیات کو COVERAGE دینا ہوتا ہے۔ مجبوریاں یہ ہیں کہ اگر ان ذرائع سے فی الواقع کوئی فکر پھیلانے کی منصوبہ بندی کی جائے تو ملک میں جو فقہی یا نظریاتی مسالک اور فرقے ہیں، ان سب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ دینی پروگرام جب تک ان مسالک اور فرقوں میں حصہ رسدی کے اعتبار سے تقسیم نہ کئے جائیں تو حکومت کو ہدف ملامت بننا پڑتا ہے۔

اس کی ساکھ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ لہٰذا ہوتا یہ ہے کہ اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ اتنے دیوبندی علماء آئیں تو اتنے بریلوی آنے چاہئیں۔ اور اگر اتنے سُنی آئے ہیں تو اتنے شیعہ حضرات نہیں آئے تو ایک عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے ہمارے ہاں ان ذرائع ابلاغ سے جو کھچڑی پیش کی جاتی ہے اس کے باعث ہمارے ہاں جو فکری انتشار (CONFUSION OF IDEAS) پہلے سے موجود ہے وہ مزید بڑھ رہا ہے۔ اور PERPETUATE کر رہا ہے۔ اسی کو اور گاڑھا کیا جا رہا ہے ـــــ لہٰذا دینی پروگرام یا تو اس نقطۂ نظر سے رکھے جاتے ہیں یا تبرّکاً ـــــ ایسا کوئی منصوبہ نظر نہیں آتا کہ قرآن کی اصل دعوت، اس کا حقیقی پیغام (MESSAGE) لوگوں کو پہنچایا جا رہا ہو، قرآن کو دلوں میں نفوذ کرانے کا اہتمام کیا جا رہا ہو ـــــ ذہنوں کو مسخر کر رہا ہو ـــــ چوں بجاں در رفت والا معاملہ وہاں نظر نہیں آتا ـــ میں یہ بات تنقیداً عرض نہیں کر رہا۔ اس معاملہ میں حکومت کو واقعی مجبوریوں سے بھی سابقہ پیش آتا ہے۔ 'رموز مملکت خویش خسرواں دانند' والا معاملہ ہے۔ اس کی اپنی مصلحتیں ہیں اور مجبوریاں بھی! انہوں نے از خود اپنے قدموں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں ـــــ میں یہ باتیں شکایتاً عرض نہیں کر رہا بلکہ صحیح صورت حال کا تجزیہ کر کے آپ کے سامنے لا رہا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ اصل میں حقیقت ہے کیا ـــــ !!

نظام تعلیم کی طرف آئیے تو معاملہ اور بھی دگرگوں ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس پر نوکر شاہی کی آمریت مسلط ہے۔ جو نظام تعلیم میں کسی طور بھی کوئی بامقصد اور تعمیری تبدیلی کو کسی حال میں گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ـــــ بیوروکریسی میں کچھ اللہ کے بندے کوئی تبدیلی اگر چاہتے بھی ہوں تو وہ انتہائی اقلیت میں ہونے کی وجہ سے بالکل بے اثر ہیں ـــ اس کی میں تازہ ترین مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں وہ یہ کہ ملک میں مارشل لاء حکومت ہے اور کتنے عرصے قبل حکومت اس فیصلے کا اعلان کر چکی ہے کہ خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیاں بنائی جائیں گی لیکن اس کی طرف ساڑھے پانچ سال کے عرصے میں " مارشل لاء حکومت" کے باوصف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا۔ جس طرح اس حکومت سے قبل یونیورسٹیوں میں

...ط تعلیم جاری تھی، آج بھی جاری ہے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے کہ اس کی
...ب پیش قدمی تو درکنار کوئی منصوبہ بندی بھی ہوئی ہو ـــــ پھر تقریباً اس
...رصے پانچ سال کے دوران " خواتین کے لئے علیحدہ کسی نوع کے ایک کالج کا
...م بھی میرے علم کی حد تک تا حال عمل میں نہیں آیا ـــــ مارشل لاء حکومت سے
... جو Women College پہلے سے موجود تھے۔ وہی برقرار ہیں۔ میں ایک
...بار سے اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جس نظریات کی حامل نوکر شاہی کی
...یت اس ملک پر مسلط ہے اس سے بعید نہیں کہ یہ Colleges اس کی
...د میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہوں اور وہ ان کا وجود مجبوراً گوارا کر رہے
...ں۔ غور کیجئے کہ خواتین کی یونیورسٹی کے قیام ہی میں نہیں بلکہ منصوبہ بندی تک
... رکاوٹ کون بنا ہوا ہے ـــــ میں نے نہایت معتبر ذریعہ سے موجودہ
...مت کے نظامِ تعلیم میں بہت بلند اور اونچے آفیسرز میں سے ایک صاحب کا
...کو بلاشبہ اس نظام تعلیم کے ایک اہم ستون کی حیثیت حاصل ہے، یہ جملہ میرے
...گار کانوں تک پہنچا ہے کہ " اگر لڑکیوں اور لڑکوں کی یونیورسٹیاں علیحدہ علیحدہ
...ی گئیں تو لڑکوں کی یونیورسٹیاں لڑکیوں کے بغیر اس باغ کے مانند ہوں گی جس
... تتلیاں ہی نہ ہوں ـ اور وہ باغ ہی کیا جس میں تتلیاں نہ ہوں" ـــــ نوکر شاہی
... اعلیٰ عہدے پر اور محکمہ تعلیم میں فائز لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہو، جن کی فکر یہ ہو،
...کی سوچ یہ ہو، جن کی اقدار یہ ہوں تو کیا خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیوں کا خواب
...ی شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے !! حالانکہ فیصلہ ہو چکا ہے اور فیصلہ کرنے والی بھی
...شل لاء حکومت " ہے۔ لیکن یہ کہ اس کی طرف عملاً ایک قدم بھی تاحال نہیں اٹھایا
...ہے۔ یہ ہے نوکر شاہی کی آمریت کی " تابندہ " مثال ـــــ جو ملک پر فی الواقع
...ط ہے۔

ایک اور اہم تر اور قابل غور بات یہ ہے کہ نظام اور ذریعہ تعلیم تو " علم " منتقل
...نے کا نام ہے وہ تو ' علم ' لوگوں تک پہنچائے گا ـــــ سوال یہ ہے کہ وہ
...اب تعلیم بھی موجود ہے یا نہیں جسے پہنچانا درکار ہے، جو طلبہ و طالبات کو
...مومن کا ذہن و شعور دے سکے۔! مجھے افسوس اور دکھ کے ساتھ عرض کرنا

پڑتا ہے کہ ایسا نصاب تعلیم جس میں ہمارا دین رچا بسا اور سمویا ہوا ہو سرے سے موجود نہیں ہے۔ نظام تعلیم سے لے کر نصاب تعلیم تک، ہمارا سارے کا سارا معاملہ مغرب کی خدا ناآشنا درس گاہوں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ ہمارے پاس تو جڑ اور بنیاد ہی اس وقت موجود نہیں ــــ یہ بات چھوڑ دیجئے کہ دینیات یا اسلامیات کا PERIOD بھی اسکول یا کالجوں میں بطور ضمیمہ (APPENDIX) شامل ہے۔ یا اردو کی درسی کتب میں چند مضامین دینی و اخلاقی تعلیم کے بھی شامل ہیں یا یہ کہ ہمارے یہاں "اسلامیات" کی تعلیم کا بھی ایم اے تک انتظام ہے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ نصاب تعلیم کا بحیثیت مجموعی مزاج کیا ہے۔ وہ غیر محسوس طریقے سے کس نظریے، خیال اور عقیدے کو متعلمین کے ذہنوں میں اتارتا ــــ اور HAMMER کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارا سارا "علم" تو یورپ و امریکہ سے مستعار لیا ہوا ہے لہٰذا مجھے کوئی بتائے کہ کیا اس علم میں 'توحید' کا اثبات ہے! نبوت و رسالت، وحی اور انزال کتب الٰہیہ کا اثبات ہے۔ بعث بعد الموت کا اثبات ہے! حشر و نشر، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا اثبات ہے؟ وہاں تو الحاد ہے، مادہ پرستی ہے اور دہریت ہے اور اس رائج الوقت علم کا حال تو بقول علامہ اقبال یہ ہے کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا　　　کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الّا اللہ

یہی بات اکبر الٰہ آبادی نے طنزیہ و مزاحیہ انداز سے یوں بیان کی ہے کہ ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اگر ہمارے یہاں نصاب ایسا رائج ہو جس میں سائنٹیفک طریقے سے علم الحقائق یعنی قرآن حکیم سمویا ہوا ہو تو دیکھتے دیکھتے ہماری نئی نسلوں کے اذہان میں عظیم تبدیلی آسکتی ہے ــــ حتیٰ کہ خود سائنس کی کتابیں اگر قرآن حکیم کی روشنی اور تعلیم کے پیش نظر مرتب کی جائیں گی تو اس سے خود بخود ذہنی و فکری سطح پر ایک عظیم انقلاب بپا ہو جائے گا۔ الحاد و دہریت اور مادہ پرستی کے اندھیارے چھٹ جائیں گے۔ اگر یہ بات سائنٹیفک طریقے سے قرآن کے استدلال کے مطابق آئے کہ یہ کائنات ایک اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور جن طبعی

(PHYSICAL) قوانین کے تحت یہ رواں دواں ہے، وہ اسی کے بنائے ہوئے قوانین ہیں ــــ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ اور وہ برآں اس کی نگرانی اور تدبر کرتا ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ــــ سائنس کا طالب علم جب ابتداء سے اس ذہن کے ساتھ فزکس اور کیمسٹری اور بیالوجی اور جیالوجی کو پڑھے گا تو اس کا نقطۂ نظر خالص دینی ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر ابتداء ہی سے تصور یہ دیا جائے کہ کچھ پتہ نہیں کہ اس کائنات کو کوئی بنانے اور چلانے والا ہے یا نہیں! ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ کائنات بطور حادثہ (ACCIDENTALLY) وجود میں آگئی ہے اور یہ فزیکل لاز کے تحت رواں دواں ہے۔ ہمارے لئے تو قابل غور بات صرف یہ ہے کہ اس کائنات میں کن طبیعی قوانین کے تحت کیا ہو رہا ہے اور فزیکل اور کیمیکل CHANGES کے ضوابط کیا ہیں!! اگر سائنس اس ذہن سے پڑھائی جائیگی تو نتیجہ یہی نکلے گا جس کے متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے ؎ خرد کی نامسلمانی سے فریاد! ــــ وہ نامسلمانی تو آپ سے آپ آئے گی ــــ علامہ کا ایک بڑا پیارا شعر ہے ؎

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے! علم کے ہاتھ میں خالی ہے میان اے ساقی!

ہمارا 'علم' عشق خداوندی سے بالکل خالی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا نا کہ علامہ کے ہاں اردو اور فارسی شاعری میں لفظ عشق ہی آیا ہے۔ محبت کا لفظ شاذ ہی کہیں ہوگا۔ اس لفظ 'محبت' سے مجھے علامہ کا یہ شعر یاد آگیا ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اس شعر کا جو انداز ہے اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اسے علامہ نے سورۂ صف کی اس آیت سے مستعار لیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ ــــ بہرحال علامہ اس شعر میں جو لفظ 'عشق' لاتے ہیں وہ محبت و معرفتِ الٰہی کے لئے لاتے ہیں کہ ؎

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے! عشق کے ہاتھ میں خالی ہے میان اے ساقی

اس 'علم' میں سے ایمان و عرفان والی چیز تو نکلی ہوئی ہے۔ اس سے تو یہ بالکل تہی دست ہے اس کا حال اس میان کا سا ہے جس میں تلوار ہی نہ ہو ــــ ایک خول ہے جس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ بس چند FACTS AND FIGURES ہیں، کچھ اعداد و

شمار ہیں، کچھ DATA ہے۔ انسان انہی چکروں میں رہتا اور ان ہی کو بالذات ہی "حقیقی علم" سمجھتا ہے۔ اس میں خالق کائنات اور فاطر فطرت کا تصور سرے سے موجود ہے ہی نہیں بلکہ اس کی نفی ہے۔ تو اس وقت کائنات اور انسان سے متعلق یہ علم ہمارے پاس ہے ــــ سائنس کے علاوہ جو دوسرے علوم ہیں ان کا تو اس سے بھی زیادہ دگرگوں معاملہ ہے۔ معاشرتی علوم کو آپ دیکھیں گے، تاریخ اور فلسفہ تاریخ کو آپ پڑھیں گے۔ نفسیات کو پڑھیں گے۔ فلسفہ کو پڑھیں گے۔ پولیٹیکل سائنس کو پڑھیں گے؛ معاشیات و اقتصادیات کو پڑھیں گے۔ عمرانیات و اخلاقیات کو پڑھیں گے تو ان کا معاملہ سائنس سے بھی گیا گزرا ہے۔ ان تمام کی رگ و پے میں مادّہ پرستی، الحاد اور دہریت اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جیسے انسانی جسم میں خون!!

یہ ہے فی الواقع وہ صورت حال جس سے ہم دوچار ہیں۔ جب تک حقیقی علم یعنی وہ علم جس کی اساس قرآن حکیم ہو جو اپنے ظاہر اور باطن کے لحاظ سے توحید اور ایمان پر مبنی (BASE) ہو، وہ "علم" وجود میں نہ آئے محض نظام تعلیم کیا کریگا! جو علم آپ کے پاس ہے تعلیم اور نظام تعلیم تو اس کو متعلمین کے اذہان و قلوب میں منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ تو فکر و نظر اور کردار و عمل کے لئے ایک راستہ معیّن کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس موجودہ علم کا قرآن حکیم کے ساتھ کوئی ربط و تعلق کوئی رشتہ و وابستگی کوئی جوڑ اور کوئی پیوند موجود ہی نہیں ہے۔ اس میں قرآن اور حکمت و استدلالِ قرآن سے ہم آہنگی موجود ہی نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو علم دستیاب اور AVAILABLE ہے، وہ مغرب ہی سے مانگا تانگا علم ہے۔ وہیں سے آرہا ہے اور اسی کو ہم نے اختیار کیا ہوا ہے ــــ کبھی ہم نے ان کو علم دیا تھا اور مغرب نے غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں سے علم لیا تھا۔ اب ہم وہاں جاتے ہیں اور ناک رگڑتے ہیں اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے کر آتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اب ہم بھکاری ہیں اور ان سے بھیک مانگ کر ان کا ہی علم لے کر آرہے ہیں اور وہیں سے علم کے لوازمات آرہے ہیں جس سے ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن کا وہ سانچہ بن رہا ہے جس میں اللہ، خالق کائنات، وحی، نبوّت و رسالت، الہامی کتب اور بعث بعد الموت، محاسبہ اخروی کے ایمانیات

FIT ہی نہیں ہو سکتے۔ اور دین صرف ایک DOGMA بن کر رہ جاتا ہے۔ اکثر لوگ تو اس خواہ مخواہ کے DOGMA کو بھی تج دیتے ہیں۔

اب مسئلہ کیا ہے؟ معلوم یہ ہوا کہ تینوں اعتبارات سے اصلاح معاشرہ کے معاملے میں اگر حکومت واقعی مخلص ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ مخلصانہ اور مضبوط مساعی اور DETERMINED EFFORTS کرے تو بہت کچھ کر سکتی ہے۔ لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ حکومت کے کہنے سے یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ اس کی اپنی LIMITATIONS ہیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی تو اپنی مصلحتوں کا معاملہ بھی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جن کو ہوش آ گیا ہو، جن کے سامنے یہ پورا نقشہ موجود ہو، جن کے سامنے اصل مرض اور اس کی صحیح تشخیص موجود ہے، اب ان میں سے کچھ باہمت لوگ کر ہمت کسیں۔ افراد میدان میں آئیں اور سب سے اہم کام یہ کریں کہ قرآن حکیم کی اس فکری سطح پر نشر و اشاعت کا اہتمام کریں جو لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کر کے ان کے قلوب میں سرائت کر سکے۔ پھر یہ کہ پورے علم کی از سر نو تدوین اس نوع سے کریں کہ تمام علوم میں قرآن حکیم رچا بسا ہو۔ خواہ فزکس پڑھائی جا رہی ہو چاہے کیمسٹری۔ چاہے جیالوجی پڑھائی جا رہی ہو یا بیالوجی ــــ خواہ کوئی اور علم پڑھایا جا رہا ہو ان سب میں اور قرآن حکیم کی تعلیمات میں ہم آہنگی پورے طور پر موجود ہو ــــ اب سوال یہ ہے کہ یہ کام کرے کون!

اس مرحلہ پر پھر علامہ اقبال ہی کا شعر میرے ذہن میں آ رہا ہے ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

افراد آگے آئیں اور ایسے افراد ادارے بنائیں۔ اور ان کاموں کا آغاز کریں۔ جیسے جیسے معاشرے سے RESPONSE ملتا جائے، کام کو آگے بڑھایا جاتا رہے۔ اس موقع پر میں دو مثالیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں پہلی مثال تو ہے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی ــــ میں کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں اور لکھ بھی چکا ہوں ــــ حال ہی میں ماہنامہ 'حکمت قرآن' کے شمارے میں میں نے 'دعوت رجوع الی القرآن' کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں، میں نے ذکر کیا ہے کہ میں نے فہم قرآن کے لئے جن جن SOURCES سے استفادہ کیا ہے،

ان میں علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم بھی شامل ہیں۔ علوم سائنس کو مسلمان بنانے کے ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی سوچ اور ان کا فکر بہت بلند ہے۔ ان کو جس شدت کے ساتھ اس کی اہمیت کا احساس ہوا، وہ مجھے اور کہیں نظر نہیں آیا ـــــ اس موقع پر بھی اس امر واقعہ کو پھر دیکھ لیجئے کہ ہمارے ہاں نوکرشاہی اور بیوروکریسی کا عمل دخل کتنا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ صدر ایوب مرحوم کو "مس لمن الملک" بجا رہے تھے، ان کا اختیار اور دبدبہ ذرا ذہن میں لائیے۔ وہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے فلسفے اور نظریات سے متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے چاہا کہ یہ فلسفہ نظام تعلیم میں سمو دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے بھرپور کوشش کی۔ لیکن ہمارے ہاں جو بیوروکریٹک ڈکٹیٹر شپ مسلط ہے، وہ آڑے آئی اور صدر ایوب بھی، جن کے لئے اگر "حاکم مطلق" کی اصطلاح استعمال کی جائے تو غلط نہ ہوگا، کچھ نہ کرسکے اور ساری اسکیم دھری رہ گئی۔ اس کے بعد ایک اور مرحلہ آیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ خدابخش بچّہ صاحب اکثر حکومتوں کے دور میں وزیر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں میں صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ خود کو ہر نوع کے ماحول کے ساتھ سازگار (Adjust) کر لیتے ہیں۔ بچّہ صاحب کو علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے فکر سے بڑی گہری ذہنی مناسبت تھی۔ ان کے متعلق چودھری مظفر حسین صاحب نے جو اس وقت آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور سے متعلق ہیں روایت کی ہے اور یہ روایت بھی میں نے 'حکمتِ قرآن' میں لکھ دی ہے کہ بچّہ صاحب نے چودھری صاحب سے نہایت اصرار کے ساتھ فرمائش کی کہ مجھے کوئی ایسا شخص بتائیے جو نظامِ تعلیم کو اسلامی بنا سکتا ہو۔ لیکن اس پر جماعت اسلامی کی چھاپ نہ ہو۔ چونکہ جماعت سیاسی میدان میں ہے! اس کے کسی شخص کو لاتے ہیں تو دوسری پارٹیوں کے سیاست دانوں کے کان کھڑے ہوجائیں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو یہ مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے

لہ اس ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تالیف "قرآن اور علم جدید" کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ (مرتب)

وہ چاہتے تھے کہ کوئی باصلاحیت آدمی ہو لیکن اس پر جماعت اسلامی کی چھاپ نہ ہو۔۔۔ چودھری مظفر حسین نے بتایا کہ وہ مولانا مودودی مرحوم کے پاس گئے اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ مولانا مرحوم نے فوراً۔۔۔ ایک لمحہ کے توقف کے بغیر۔۔۔ کہا کہ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب اس کام کے لئے مناسب ترین شخص ہیں ان کی خدمات سے استفادہ کیا جائے۔ ان کو بلوایا گیا اور یہ کام ان کو تفویض کیا گیا۔ لیکن پھر وہی نوکر شاہی کی آمریت آڑے آئی۔ اور ان کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔۔۔ جب اس صورت حال سے ڈاکٹر صاحب مرحوم دوچار ہوئے تو انہوں نے وہاں سے استعفٰی دیا اور پھر بحیثیت فرد انہوں نے اپنے فکر کے مطابق کام کے آغاز کے لئے "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" قائم کی۔۔۔ فزکس کی ایک TEXT BOOK خود مرتب کرکے شائع کی اور اس کے دیباچے میں لکھا کہ اگر فزکس اور دوسرے علوم کو اس طور پر مرتب کیا جائے تو اس میں اسلام اور قرآن اور ایمان کو رچایا، بسایا اور سمویا جا سکتا ہے۔۔۔ لیکن ہوا یہ کہ ان کی زندگی کا چراغ اچانک ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے نتیجہ میں کراچی میں گل ہو گیا اور وہ پوری کی پوری اسکیم پھر دھری رہ گئی۔ ادارہ تو باقی رہا اور اب بھی ہے، لیکن وہ روح رواں جب نہ رہی تو جو اعوان و انصار ساتھ تھے وہ کام کو آگے نہ بڑھا سکے۔ اب چودھری مظفر حسین صاحب سوچ رہے ہیں کہ ملازمت سے فارغ ہو کر ہمہ تن اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ اللہ کرے کہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کا لگایا ہوا یہ پودا پروان چڑھے اور یہ ادارہ فی الواقع وہ کام کر سکے جس کی فی الوقت شدید ترین ضرورت ہے۔۔۔ تو پہلی مثال تو ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔۔۔!!!

دوسری مثال میں خود اپنی پیش کرتا ہوں۔ یہ مرکزی انجمن خدام القرآن اور یہ دعوت رجوع الی القرآن ایک فرد ہی سے تو شروع ہوئی۔ یہ سن ۸۲ء کا اواخر ہے۔ میں سن ۶۵ء کے اواخر میں ساہیوال سے لاہور منتقل ہوا۔ مجھے اس فیصلے کے ساتھ کام کرتے ہوئے پورے سترہ سال ہو گئے کہ مجھے اپنی زندگی دعوت رجوع الی القرآن

کے لئے لگائی ہے۔ میں نے آج جو تجزیہ اور تشخیص آپ کے سامنے رکھی ہے اس وقت بھی یہی میرے سامنے تھی۔ بلکہ حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی بات تو اس وقت تک میرے علم میں تھی بھی نہیں۔ وہ تو بہت بعد میں جب میرے سامنے آئی ہے تو مجھے اطمینان ہوا کہ ع متفق گر دید رائے بوعلی با رائے من۔ مجھے انشراح صدر ہو گیا — علامہ اقبال کے فارسی کلام سے بھی اس وقت میرا زیادہ ربط نہیں تھا۔ جب علامہ کا فارسی کلام پڑھا اور ان کے فارسی کلام کے ذریعے عظمت قرآن کے جو حقائق سامنے آئے تو یہ بھی بعد کی بات ہے۔ اس سے قبل ہی میرا ذہن غور و فکر کے بعد اس بات پر مرتکز ہو چکا تھا کہ ' جا ایں جا است '۔ کرنے کا اصل کام یہی ہے کہ اس قرآن حکیم کو اعلیٰ علمی سطح پر تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں پہنچانے کی اس طرح کوشش کی جائے کہ یہ پہلے فکر و شعور اور عقل و ادراک کو مسخر کرے اور وہاں سے پھر یہ قلوب میں سرایت و نفوذ کرے۔ یہ ہے اصل میں اس دور کی اصل ضرورت — قرآنی فکر کو By Pass کر کے کوئی دعوت اٹھائی گئی یا تحریک چلائی گئی تو معاشرہ بحیثیت مجموعی کوئی خوشگوار اور پائیدار تبدیلی کبھی قبول نہیں کرے گا۔ یہ کام ہے مشکل اور کٹھن۔ کوئی آسان بات نہیں۔ اعلیٰ فکری سطح پر قرآن مجید کی قوت سے باطل نظریات سے پنجہ آزمائی کرنا سہل کام نہیں ہے۔ وعظ و نصیحت کے ذریعے سے کچھ لوگوں کے اندر سوئی ہوئی نیکی کو جگا لینا یہ نسبتاً آسان کام ہے۔ معاشرے میں معتدبہ تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی۔ جن کے اندر نیکی خوابیدہ ہے اور اسے بیدار کرنا ہے، اس مقصد کے لئے وعظ و نصیحت کارگر ہو جائے گی۔ لیکن جب یہ معاملہ ہو کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا — کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

ذہن و شعور اور فکر و نظر پہ جب باطل نظریات نے پوری طرح قابو پا رکھا ہو تو ان سے پنجہ آزمائی آسان کام نہیں۔ یہ بڑا کٹھن، نہایت دشوار، صبر آزما اور HERCULEAN کام ہے۔ لیکن جب تک یہ کام نہیں کیا جائے گا۔ معاشرے میں کوئی پائیدار اور مستحکم بنیادی و اساسی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہ میرے اپنے غور و فکر کا حاصل اور میری اپنی تشخیص تھی جس کے مطابق میں نے اواخر

سن ۱۹۶۵ء میں دعوت رجوع الی القرآن کا ذہن میں نقشہ بنا کر خالصتاً نصرت و تائیدِ الٰہی کے بھروسے پر سن ۱۹۶۶ء کے اوائل سے کام کا آغاز کر دیا۔ سات سال تک ایک فرد کی حیثیت سے میں نے کام کیا۔ کوئی ادارہ نہیں، کوئی تنظیم نہیں، کوئی انجمن نہیں، کوئی جماعت نہیں۔ پورا کام انفرادی طور پر ہوا۔ میں نے ماہنامہ "میثاق" بھی مولانا امین احسن اصلاحی سے لے لیا تھا۔ وہ بھی نکال رہا تھا۔ بعض مخلصین میسر آئے اور ان کے تعاون سے مختلف مقامات پر مطالعہ درس قرآن کے حلقے قائم ہوئے۔ اس دوران پریکٹس بھی جاری رہی۔ اس دور میں میری کیفیت مولانا حسرت موہانی مرحوم کے اس شعر کی کامل تصویر تھی کہ ؎

اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی ہے مشق سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی

پریکٹس اور دعوتی کام دونوں ساتھ چل رہے تھے۔ مولانا اصلاحی کی تفسیر 'تدبر القرآن' کی پہلی جلد اور اپنے چند چھوٹے چھوٹے رسالے اپنے ذاتی اشاعتی ادارے سے شائع کئے تاکہ دعوت و پیغام قرآنی کے لئے راہ ہموار ہو اور کچھ SPADE WORK انجام پا جائے۔ بالآخر میری حقیر سی کوشش بارگاہ ربّ العزت میں قبول ہوئی اور چند فعّال اعوان و انصار مجھے عطا ہوئے جن کے تعاون سے یہ کام انفرادی سطح سے اجتماعی دور میں داخل ہوا۔ جن کے تعاون سے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدّام القرآن کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا دستور آج شرکاء میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن حضرات کو نہ ملا ہو، وہ نماز کے بعد باہر مکتبہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو دعوت دوں گا کہ اس کا افتتاحیہ ضرور پڑھیئے گا۔ یہ میری دس سال قبل کی تحریر ہے۔ اس سے آپ کے سامنے اس کام کا نقشہ سامنے آئے گا جو میں کر رہا ہوں۔ یہ وہی کام ہے، جس کی ضرورت کا میں نے آج کی تقریر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں جو کام کر رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے اس میں سراسر اللہ کی توفیق اور اس کا فضل و کرم میرے شامل حال رہا ہے اور قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے مجھے POSSESS کیا ہے۔ وہ میرے شعور و قلب پر اس طرح مسلط ہوا ہے کہ اس نے میرے لئے ہلنے جُلنے اور ادھر ادھر دیکھنے کی گنجائش ہی نہیں

چھوڑی ۔ پروفیشن ختم ہوا ۔ دعوت رجوع الی القرآن کی دھن اور لگن کے سوا ہر شے دل سے رخصت ہوگئی اور اب حضرت مجذوب کے شعر کے مصداق میری کیفیت یہ ہے کہ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

میں نے انجمن کے دستور میں حفیظ جالندھری صاحب کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے جب منظوم شاہنامہ اسلام شروع کیا تھا تو یہ شعر کہا تھا ؎

کیا فردوسی مرحوم نے ایران کو زندہ! خدا توفیق دے تو میں کروں اسلام کو زندہ

میں نے دوسرے مصرعہ میں اپنی کیفیت کے اظہار کے لئے ایک لفظ کا تغیر کیا ہے اس طرح وہاں لکھا ہے کہ ؎ خدا توفیق دے تو میں کروں قرآن کو زندہ ۔

الحمد للہ مجھ پر اس جذبے کی اس قدر ارزانی ہوئی کہ دل سے ہر شے نکل گئی ۔ آج گیارہ سال ہوگئے کہ میں اپنا پروفیشن تج کر ہمہ وقت، ہمہ تن اور ہمہ جہت، اللہ تعالیٰ کی نصرت کے طفیل اسی کام میں لگا ہوا ہوں ۔ میں پورے انشراح صدر کے ساتھ یہ بتا رہا ہوں کہ الحمد للہ والمنہ ان گیارہ سالوں میں میرے وقت کا کوئی بھی حصہ کسب معاش پر صرف نہیں ہوا ۔ میری توانائی، میری قوت، میری صلاحیت اور میرا وقت جو کچھ بھی ہے وہ اسی کام میں لگا ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی وقت کوئی دوسری شکل منفعت کی بھی پیدا کردی ۔ وہ یہ کہ ٹیلیویژن اور ریڈیو کے پروگرام ملے تو ان کا معاوضہ بھی مل گیا ۔ لیکن میں نے نہ ریڈیو اور نہ ٹیلیویژن کی طرف رجوع کسی وقت بھی اس نقطۂ نظر سے نہیں کیا کہ اس سے مجھے اپنے لئے معاش پیدا کرنی ہے ۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! لیکن ثانوی طور پر جو کچھ یافت ہوگئی ہے تو میں نے یہ سمجھا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾، وہی معاملہ پیدا ہے ۔ میں نے کوئی کام اپنی معاش کے حصول کے لئے نہیں کیا الحمد للہ ثم الحمد للہ

ان دس سالوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو کام لیا ہے، اس کے متعلق مجھے کہنے کی حاجت نہیں ہے ــــ یہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۔ یہ قرآن اکیڈمی

پھر پاکستان ہی نہیں دوسرے ممالک میں دعوت رجوع الی القرآن کا یہ چرچا اور لوگوں کا قرآن کی طرف یہ التفات۔ یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔ میں چاہوں گا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی قرار دادِ تاسیس کا خلاصہ آپ کو ضرور سنا دوں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ابتداء ہی سے کیا کام میرے پیشِ نظر رہا ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے قیام کا مقصد!

منبع ایمان ـــ اور ـــ سرچشمۂ یقین ـــ قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو اور اس طرح ـ اسلام کی نشأۃ ثانیہ ـــ اور ـــ غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہو سکے ـــ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ !!

میری آج کی تقریر کو پیشِ نظر رکھیے اور اس قرار داد کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ آپ کو میری یہ تقریر اسی قرار داد کی تشریح و تصریح نظر آئے گی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس قرار داد کے ایک ایک لفظ میں آپ کو میری تقریر کا خلاصہ نظر آئے گا۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ دس بارہ برس قبل کی عبارت ہے۔ ان سالوں میں جو کام ہوا ہے اس میں میرے کسی ذاتی کمال کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سارے کام میں اللہ کی توفیق، قرآن کا اعجاز اور میرے جو اعوان و انصار، رفقاء و معاونین اور احباب ہیں، ان کا تعاون شامل ہے اور ظاہر بات ہے کہ ان حضرات کا یہ تعاون بھی عطیۂ الٰہی ہے۔ کوئی ہمدرد، رفیق اور معاون ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے ہی ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ 'تمام انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں کے مابین ہیں' وہ جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اَللّٰھُمَّ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَ اِلَی الطَّاعَۃِ وَ اِلَی الْاِیْمَانِ وَ اِلَی الْقُرْاٰنِ (اے ہمارے مالک! ہمارے دلوں کو پھیر دے

اسلام کی طرف، اطاعت کی طرف، ایمان کی طرف اور قرآن کی طرف — جو منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے۔

انجمن کے پیش نظر ہے "قرآن اکیڈمی" کا صحیح طور پر اپنے مقصد کے حصول کی طرف پیش قدمی کرنا — یعنی چند جدید تعلیم یافتہ فہیم عناصر کو قرآن کے علم و حکمت سے اعلیٰ علمی سطح پر اس طرح مسلح کرنا کہ وہ جاہلیت جدیدہ کے ملحدانہ نظریات کا قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں اعلیٰ علمی و فکری سطح پر ابطال اور توحید کا احقاق کر سکیں۔ اور علم کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنا کر ایسا نصاب تعلیم مرتب کرنے کے کام کا آغاز کر سکے جو اذہان کو مسخر کر کے قلوب میں نفوذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہی وہ کام ہے جس کی ضرورت کا احساس اپنے آخر زمانے میں علامہ اقبال کو ہوا۔ جس کے نتیجے میں پٹھان کوٹ میں "دارالسلام" قائم ہوا تھا۔ — اسی ضرورت کے تحت الہلال و البلاغ والے مولانا ابوالکلام نے آج سے ساٹھ سال قبل "دارالارشاد" قائم کیا تھا۔ ان دونوں اداروں کے قیام میں یہی مقصد پیش نظر تھا کہ اعلیٰ تعلیمیافتہ فہیم عناصر کو اعلیٰ علمی و فکری سطح پر قرآن مجید پڑھایا جائے۔ میں نے ان دونوں نقشوں کا ذکر اپنے کتابچے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام" میں کر دیا ہے۔ یہ دونوں کام صرف ابتدائی نقشوں تک محدود رہے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہی خواب ہے جو تیسری مرتبہ میں نے ۱۹۶۷ء میں اپنے فکر و شعور کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس کو اپنے کتابچے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام" میں تفصیل سے بیان کر دیا تھا۔ یہ کتابچہ ہی دراصل انجمن کے قیام اور اس کی سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز بنا۔ اور اب تک جو کچھ بھی کام ہوا ہے وہ "قرآن اکیڈمی" کے صحیح نہج پر پیش رفت کے نقطۂ نظر سے ہوا ہے تاکہ اس اکیڈمی کے ذریعے اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ چند فہیم نوجوانوں کو وہاں رکھ کر انہیں اعلیٰ علمی و فکری سطح پر علوم قرآنیہ و دینیہ سے روشناس کرایا جائے تاکہ "علم" کو مسلمان بنانے کے راستے کا دروازہ کھلے اور یہ نوجوان تمام علوم جدیدہ میں قرآن حکیم کی تعلیمات کو داخل کرنے اور سمونے کی صلاحیت اور استعداد اپنے اندر پیدا کر کے اس کوشش کا آغاز کر سکیں۔ جب تک وہ "علم" جو ملحد ہے، جو کافر ہے، اس "علم" کو ...

ماب تعلیم ہے جس کے ذریعہ سے لوگوں کے اذہان وقلوب میں قرآن حکیم اتاسا سکتا ہے۔ اس کے بغیر اگر ہم نصاب کو بدلنے کا مطالبہ کریں تو ہوگا کیا۔ وہ نصاب موجود ہی نہیں ہے، جس میں قرآن اور دین رچا بسا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ان مطالبات ے وقتی طور پر کچھ سطحی نوعیت کی تبدیلیاں ہو جائیں۔ جیسی کہ لگ بھگ ہے گا ہے کچھ ہوتی ی رہی ہیں لیکن بحیثیت مجموعی "مسلمان علم" ہمارے پاس موجود ہی نہیں ہے۔ ے وجود میں لانے کی ہمیں بھرپور کوشش کرنی چاہیئے ــــ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر د سان ہے کہ چند اعلیٰ تعلیمیافتہ نوجوان مل گئے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اسی م کے لئے وقف کرنے کے عزم کے ساتھ قرآن اکیڈمی میں طالب علمانہ حیثیت سے مولیت اختیار کی ہے۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا مزید فضل وکرم یہ ہوا کہ قرآن اکیڈمی کی ں رفاقت اسکیم میں میرے دو بیٹے بھی شامل ہیں۔ جن میں سے ایک نے ایم بی بی ایس ار دوسرے نے فلسفہ میں ایم اے کیا ہے۔

ہمیں قرآن اکیڈمی کے اس منصوبے کو آگے بڑھانے کے لئے تعاون اصلاً علیم یافتہ نوجوانوں کا درکار ہے جو اپنے خوش نما کیریر کو اللہ کے دین اور اس کی کتاب مبین کی خدمت کے لئے تج کر خود کو قرآن اکیڈمی کی رفاقت اسکیم کے لئے پورے عزم صمیم کے ساتھ پیش کریں۔ وہی میرے اصل معاون اور حقیقی محسن ہوں گے ــــ پیسے کی مجھے اتنی ضرورت نہیں ہے، میرا ان سترہ سالوں کا تجربہ یہ ہے کہ آج تک کوئی کام پیسے کی کمی کی وجہ سے نہیں رکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ کبھی نہیں رکے گا۔ ہمارے معاشرے میں ایسے صاحب خیر بحمداللہ موجود ہیں جو اس کام میں مالی تعاون کے لئے پیش قدمی کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی کریں گے۔ اصل میں تو آدمی نہیں ہیں ــــ انسانم آرزوست ــــ ان نوجوانوں کی اصل ضرورت ہے، جنہوں نے اعلیٰ تعلیم یعنی فلسفہ، نفسیات، پولیٹیکل ہسٹری، پولیٹیکل سائنس، علوم معاشیات واقتصادیات اور عمرانیات واخلاقیات نیز فزکس جیسے علوم میں ایم اے یا پی ایچ ڈی کیا ہو۔ اور ان کے سامنے جو کیریر ہے اس کو ترک کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد و فرمان کے مطابق کہ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم سکھیں اور سکھائیں قرآن پڑھیں اور پڑھائیں اور اسی کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ حضور ؐ

، اس بشارت کو اپنا MOTTO بنائیں ۔ یہ متفق علیہ روایت ہے اور اس کے
دی کون ہیں ! خلیفۂ برحق ، شہید مظلوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ
الیٰ عنہ جن کو قرآن حکیم سے والہانہ لگن تھی ۔ صحابہؓ کرام میں جو چوٹی کے قرّاء
ے عثمان غنیؓ ان میں شامل تھے اور جو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے
با جن کا خون گرا ہے تو آیت قرآنی فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر گرا ہے۔

سابقہ جمعہ اور آج کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لئے
ل ضرورت حقیقی ایمان کی ہے جس کی مثبت اساسات محبت الٰہی ، محبت رسولؐ
ر اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کے جذبات ہیں اور منفی اساس خوف کا جذبہ
ہے جس میں اصل اہمیت آخرت کے خوف کو دلوں میں بٹھانا ہے ۔ ایمان کا منبع
ر سرچشمہ قرآن مجید ہے اس کو اوڑھنا اور بچھونا بنانا ہوگا اور اس کی تعلیمات کے
ئے پریس ، ریڈیو ، ٹیلی ویژن کے ذرائع ابلاغ کو ایک بامقصد منصوبہ بندی کے
نت استعمال کرنا ہوگا ۔ ان کو ان تمام لغویات سے پاک کرنا ہوگا جو لوگوں کو
ر شعوری طور پر نامسلمان اور لذت کوش و تعیش پسند بنانے کا سبب بن رہی ہیں۔
پھر علم کو خالصتاً مسلمان بنانا ہوگا ۔ تمام علوم کو از سر نو اس طرح مدوّن کرنا ہوگا کہ
ن میں قرآن حکیم کا علم الحقائق تانے بانے کی طرح گتھا ہوا ہو ۔

اس سلسلے کی تقریر کا تیسرا اور آخری حصّہ " اصلاح معاشرہ کا انقلابی
صوّر " کے عنوان سے میں ان شاء اللہ آج جناح ہال میں مرکزی انجمن کی دس
سالہ تقریبات کے افتتاحی اجلاس میں پیش کروں گا [1] نظام درست نہیں ہوگا
ر معاشرہ درست نہیں ہوگا ۔ نظام ظالمانہ ، جابرانہ اور استحصالی ہوگا تو اس کے
تیجے میں نفرت و کدورت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں گے ، مثبت احساسات
۔ جذبات پیدا نہیں ہو سکتے ۔ اگر اس نظام کو بدلنے کے لئے صحیح نہج پر اسلامی انقلاب
کی یہاں کوششیں نہ کی گئیں تو اصلاح معاشرہ کے لئے اوپر کی لیپا پوتی سے کوئی
نتیجہ برآمد نہیں ہوگا ۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۔

---

[1] ان شاء اللہ العزیز یہ تقریر بھی کیسٹ سے منتقل کر کے 'میثاق' میں آئندہ پیش کی جائیگی۔

فلسفہ و فضیلت صوم

مولانا الطاف الرحمٰن صاحب بنوی
معلم قرآن اکیڈمی

روزہ ہماری ہستی کے ہر مرحلے کا ساتھی ہے

ہم اپنی مادی زندگی میں جتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں یہ سب اپنی گوناگونی اور شدید اختلافِ کیفیات کے باوجود تین عنوانات میں منقسم ہیں، چنانچہ ایک قسم ان گناہوں کی ہے جو قول سے تعلق رکھتی ہے اور جن کا مصدر انسان کی زبان ہے، جھوٹ، غیبت، تہمت، چغلخوری اور فحش گوئی کی تمام صورتیں اسی فہرست میں داخل ہیں، دوسری قسم میں وہ تمام گناہ شمار کئے جاسکتے ہیں جن کا تعلق کھانے پینے اور خورد و نوش سے ہے اور جن کا منشا و مولد پیٹ ہے، اکلِ سحت اور حرام خوری کی تمام شکلیں اسی کلی کی جزئیات ہیں، تیسری قسم ان گناہوں کی ہے جو جنسی تقاضوں کی پیداوار ہیں اور جن کا سرچشمہ شرمگاہ ہے عریانی اور ناجائز شہوت رانی کے تمام مظاہر اسی قبیل سے ہیں۔

ان متنوع گناہوں اور ان کے مصادر کا تجزیہ کرنے سے یہ بات خودبخود سامنے آجاتی ہے کہ گناہوں کے اصل مصادر پیٹ اور شرمگاہ ہیں کہ یہیں پر اولاً گناہوں کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہیں سے ابھر ابھر کر اپنی تکمیل یا تھوڑی سی تسکین کے لئے زبان کو استعمال کرتے ہیں چنانچہ پیٹ اور شرمگاہ ہی فی الواقعہ وہ نفس "امّارۃ بالسُّوء" یا اس کے مظاہر ہیں جس کی شدید ترین عداوت کی نبی علیہ السّلام نے یوں خبر فرمادی ہے۔

ان اعدیٰ عدولک	کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا
نفسک التی بین جنبیک	وہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے -

اور اس کا مقابلہ کرنے کی یوں تلقین فرمائی -

عادِ نفسک فانہا انتصبت بمعاداتی	اپنے نفس کی دشمنی کرو کیونکہ وہ میری عداوت پر پیدا کیا گیا ہے

پیٹ اور شرمگاہ ہی کی آفات ہیں جو انسان کو رسوا اور ذلیل کرتی ہیں اور اگر ان سے بچا جائے تو انسان کا حسن و جمال رشک ملائکہ بن جائے نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے -

ما زان اللہ العباد بزینۃ افضل من زھادۃ فی الدنیا وعفاف فی بطنہٖ وفرجہٖ	اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دُنیا کی بے رغبتی اور پیٹ اور شرمگاہ کی عفت سے بڑھ کر کسی چیز سے بھی آراستہ نہیں کیا -

تاہم اکثر و بیشتر احادیث میں لسان اور شرمگاہ کے مفاسد اور اُس کے ازالے کی طرف بہت اہتمام اور رشد و مد سے متوجہ کیا گیا ہے - مثلاً آپؐ فرماتے ہیں -

اتدرون ما اکثر ما یدخل الناس النار الاجوفان الفم والفرج - (مشکوٰۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)	کیا تم جانتے ہو لوگوں کو بہت زیادہ آگ میں داخل کرنیوالی چیزیں کیا ہیں؟ دو کھلائیں، یعنی منہ اور شرمگاہ

یا ایک حدیث میں وارد ہے -

من یضمن لی ما بین لحییہ	جو کوئی ضمانت دے مجھے اپنی دو جبڑوں

وما بین رجلیہ امنت لہ الجنۃ ۔ (حوالہ سابق)	کے بیچ والی چیز (زبان) اور اپنی دو ٹانگوں کے بیچ والی چیز (شرمگاہ) پر قابو پانے کی میں اُسکو ضمانت دوں جنت کی ۔

جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ قولی گناہوں کے ارتکاب کے لئے چنداں محنت اور وقت کی ضرورت نہیں ہوتی نیز اس کے لئے ماحول کی کچھ زیادہ سازگاری کا انتظار بھی نہیں کرنا پڑتا ہے لہذا اس قسم کے گناہوں کا وقوع بہت کثرت سے ہوتا رہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے جو نبی علیہ السلام نے فرمایا ۔

وھل یکبُّ النّاس فی النار علی وجوھھم الا حصائد السنتھم (ترمذی)	یعنی زبانوں کی کٹائی ہی لوگوں کو آگ میں اوندھے منہ گرانے والی ہے ۔

اور جنسی اضطراب کا ریلا تو اس قدر زوردار ہوتا ہے کہ چشم زدن میں عقل و شعور اور حیا و اخلاق کی اچھی خاصی رکاوٹوں کو بھی تنکوں کی طرح بہالے جاتا ہے انہیں خصوصیات کی وجہ سے گناہوں کے ان دو مصادر کا بالاہتمام ذکر کیا گیا ، نہیں تو پیٹ کے گناہ بھی ان دو قسم کے گناہوں سے کسی طرح بھی کم نہیں بیہقیؒ کی ایک روایت میں ان سب کو اس طرح سے یکجا کیا گیا ہے ۔

من وقی شر لقلقہ وقبقبہ وذبذبہ فقد وجبت لہ الجنۃ	جو زبان، پیٹ اور شرمگاہ کے شرور سے بچا اس کے لئے جنت واجب ہے ۔

روزہ کا اوّلین حملہ پیٹ اور شرمگاہ پر ہوتا ہے ، یہیں سے نفس امارہ کو غذا اور قوت بہم پہنچتی ہے لہٰذا روزہ کا یہ وار نفس کے ہاتھ پیر باندھ دیتا ہے اور اس طرح سے اس کی مبارزت کا زور توڑ دیتا ہے ۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے اس کے راستوں

کو بھوک سے بند کرو، تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے
جب نفس بھوکا رہتا ہے تو عام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے
تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں -

روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی طغیانیوں کو روک کر قولی گناہوں کا راستہ بھی
بند کر دیتا ہے کہ زبان تو گناہوں کا محرک نہیں بلکہ آلۂ کار ہے تاہم لسانی معاصی
پر روزہ کی اس بالواسطہ ضرب پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حقیقی روزہ میں جس طرح
سے پیٹ اور شرمگاہ پر براہ راست پہرے بٹھائے گئے ٹھیک اسی طرح سے
زبان کو بھی مقید کیا گیا ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے -

من لم یدع قول الزور	جس نے جھوٹ بولنا اور اس
والعمل به فلیس لله حاجة	پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ
فی ان یدع طعامه و	تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا
شرابه (مشکوٰۃ باب تنزیهه	چھوڑنے سے کوئی غرض نہیں -
الصوم)	

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ حقیقی روزہ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا بہت کارگر
ذریعہ ہے اسی بات کو قرآن حکیم نے فلسفہ و حکمت روزہ کے سلسلے میں یوں
بیان فرمایا -

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ	اے لوگو جو ایمان لاتے ہو،
عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ	لکھا گیا اوپر تمہارے روزہ جیسا
عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ	لکھا گیا تھا اوپر ان لوگوں
لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ	کے جو پہلے تم سے تھے تاکہ تم
آیت ۱۸۳)	پرہیزگاری کرو -

گویا کہ قرآن حکیم کی نگاہ میں روزہ کی اصل غرض و غایت تقویٰ کا حصول
ہے جو ترک معاصی ہی کا نام ہے یہیں سے انسان کی دنیاوی منزل میں روزہ

کی رفاقت کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ اولاً تو تقویٰ اور ترکِ معاصی سے خود ایک ایسا ناقابلِ بیان رُوحانی سرور حاصل ہوتا ہے جو مادی سازوسامان سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور ثانیاً حدیثِ نبوی

للصائم فرحتان فرحة	روزہ دار کے لئے دو خوشیاں
عند فطرہٖ وفرحة	ہیں ایک افطار کے وقت
عند لقاءِ ربہٖ	اور دوسری رب تعالےٰ کی ملاقات کے وقت

کے بموجب افطار اور اس سے بدرجہا زیادہ لقائے الٰہی کے تصور سے یہ خوشی اور مسرت اضعافاً مُضاعفۃ ہوجاتی ہے۔

گویا یہ بات مادہ پرستی کے اس دور میں کتنی ہی عجیب کیوں نہ لگے کہ بھوک پیاس اور دوسرے نفسانی تقاضوں کے دبانے میں ان تقاضوں کی بھرپور تکمیل سے بڑھ کر لطف ولذت ہے تاہم یہ ایک امرِ واقعہ ہے اور مومنین صالحین کی زندگی کے شبانہ روز مشاغل اس کی پُرزور تائید کرتے ہیں حضرت علیؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ مجھے تین چیزیں پسند ہیں جن میں سے گرمی کا روزہ بھی ذکر فرمایا۔ حضرت معاذؓ کے آخری وقت کے کلمات میں یہ بھی منقول ہے کہ یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مجھے زندگی کی محبت تھی مگر نہریں کھودنے اور باغ لگانے کے واسطے نہیں تھی بلکہ گرمیوں کی شدتِ پیاس برداشت کرنے اور دین کی خاطر مشقتیں جھیلنے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس جم کر بیٹھنے کے واسطے تھی۔

روزہ "تخلقوا باخلاق اللہ" کے سلسلے میں بہت ممد ومعاون ہے کہ جس طرح باری تعالےٰ تمام ضروریات و احتیاجات سے بلند و بالا اور پاک و منزّہ ہیں مؤمن بھی ممکنہ حد تک اسی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس صوری مشابہت کے ناطے سے تقرب کے درجات طے کرتا ہے۔ روحانی ترقیات کیلئے

غیر ضروری مادی ارتباطات کا انقطاع مسلمہ ضرورت ہے روزہ اسی عمل کا نقطۂ آغاز ہے جو ہوا و ہوس کا قلع قمع کر کے مثبت اعمال کا موقعہ فراہم کرتا ہے اور پھر اسی کی وساطت سے درجہ بدرجہ توجہ، تعلق اور توسّل کے مقامات تک پہنچاتا ہے جہاں انسان بے قراری اور بے چینی کے تمام اسباب کے ہوتے ہوئے بھی انتہائی سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

ان لکل شئی بابًا و باب العبادۃ الصیام	"کہ ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے

اس پوری حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔

روزہ دنیاوی زندگی کے بعد قبر اور حشر میں بھی مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتا ایک حدیث میں وارد ہے۔

الصیام والقرآن یشفعان للعبد یقول الصیام ای رب انی منعتہ الطعام والشہوات بالنہار فشفعنی فیہ ویقول القرآن منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ فیشفعان - (مشکوٰۃ کتاب الصوم)	روزہ اور قرآن بندہ کے حق میں شفاعت کرتے ہیں روزہ کہتا ہے کہ اے رب میں نے اس کو دن میں کھانے اور دوسری خواہشات سے باز رکھا چنانچہ اس کے حق میں میری شفاعت قبول کیجئے اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات میں سونے

سے باز رکھا پس میری شفاعت اسکے حق میں قبول کیجئے۔ چنانچہ دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث میں قیامت کے دن روزہ داروں کا یہ امتیاز ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جنت کے ایک مخصوص دروازے ریّان سے داخل ہونگے۔

ان فی الجنة باباً یقال لہ	جنت میں ایک دروازہ ہے
الریان یدخل منہ	جس کا نام ریان ہے اس میں
الصائمون یوم	سے روزہ دار ہی داخل ہونگے
القیمة لا یدخل منہ	قیامت کے دن ان کے سوا
احد غیرھم	اس کے ذریعے سے کوئی دوسرا
(متفق علیہ)	داخل نہ ہوگا۔

حقیقی روزہ کے ان تمام مصالح کا تصور کر کے جب نبی علیہ السلام کے ا
ارشاد گرامی :
"الصوم جنة" - روزہ ڈھال ہے۔
پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعتاً روزہ گناہوں اور اسکے
نتیجے میں دنیوی اور اخروی مصائب و مشکلات سے بچانے کا کیا ہی کارگر
ذریعہ ہے - اللہ تعالےٰ ہم سب کو تمام حقوق و آداب کے ساتھ حقیقی روزہ
رکھنے کی توفیق سے نوازے -

آمین یارب العالمین

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ
فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
(الحدید : ۲۵)
اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔

مولانا سیّد وصی مظہر ندوی کا ایک انٹرویو

مولانا موصوف مدرسہ اسلامیہ عربیہ حیدر آباد کے مہتمم اعلیٰ نیز فی الوقت بلدیہ حیدر آباد کے میئر ہیں۔ مولانا موصوف کافی عرصہ تک (کالعدم) جماعتِ اسلامی کی صفِ اوّل کے اکابرین میں شامل رہے ہیں۔ موصوف نے روزنامہ نوائے وقت کراچی کو ایک انٹرویو دیا تھا جو پیشِ خدمت ہے۔ مولانا موصوف "تنظیم اسلامی" کے حلقہ مستشارین میں بھی شامل ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: کالعدم جماعتِ اسلامی سے آپ کے اختلافات کا پس منظر کیا ہے؟

جواب: جماعتِ اسلامی سے میرا اختلاف بالکل اسی نوعیت کا ہے جس نوعیت کا اختلاف اشتراکی نظام قائم کرنے کے علم برداروں کے درمیان طریقہ کار میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کا ایک گروہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اشتراکی نظام صرف انقلابی طریقے سے برپا ہو سکتا ہے جبکہ ایک گروہ اس رائے کا حامل ہے کہ اشتراکی نظام جمہوری طریقوں سے بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ میں اسلامی نظام کے بارے میں انقلابی طریقے پر یقین رکھتا ہوں۔ خود جماعتِ اسلامی کی ساخت اور اٹھان اسی طریقہ کار پر مبنی تھی لیکن ایک وقتی تجربے کے طور پر جو انتخابی طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا، افسوس ہے کہ وہ بعد میں جماعت کے اکثر

رہنماؤں اور کارکنوں کی بے بصیرتی کے سبب مستقل اسلوب کار بن گیا۔

سوال : جب انتخابات کی بنیاد پر آپ کے جماعت اسلامی سے اختلافات تھے تو ۱۹۷۰ء میں جماعت کے ٹکٹ پر آپ نے قومی اسمبلی کا الیکشن کیوں لڑا تھا؟۔

جواب : میرے جماعت سے اختلافات ۱۹۷۰ء سے بہت پہلے کے ہیں لیکن میں اس موقف کا قائل تھا اور ہوں کہ جب تک ایک ادارے میں رہ کر اس کی اصلاح کے مواقع ہوں یا کم از کم اختلافی آواز اٹھانے کی گنجائش موجود ہو اس وقت تک اس ادارے سے علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ بالفاظ دیگر ع پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ، لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ صوبائی امیر اور صوبائی جنرل سیکرٹری نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جماعتِ اسلامی کے اندر میرے وجود کو اپنے لیے خطرہ محسوس کیا اور مختلف سازشوں کے ذریعے سے اولاً مجھے جماعت سے مستعفی ہونے پر مجبور کیا لیکن اس میں ناکامی کے بعد میرے اخراج ہی کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس فیصلے کو میں نے بخوشی اس لیے قبول کر لیا کہ اب اس تحریک سے علیحدہ ہونے کی ذمے داری مجھ پر نہیں بلکہ ان لوگوں پر جا کر ٹھہرتی ہے جنہوں نے بتیس سالہ تعلق کو اسی طرح ختم کر دیا۔

سوال : آپ نے اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی تھی؟۔

جواب : میں نے اپیل کی تھی لیکن صدائے بر نخاست۔

سوال : کیا جماعتِ اسلامی میں بھی دوسری جماعتوں کی طرح اقتدار کی رسہ کشی جاری رہتی ہے؟۔

جواب : جب منزلِ مقصود اور راہِ عمل میں تبدیلی ہو گئی تو دنیا پرستانہ جماعتوں کی تمام "خوبیاں" جماعت میں پیدا ہونا فطری سی بات ہے۔

سوال : کیا مولانا مودودی مرحوم آپ کے نکتۂ نظر کے ہمنوا تھے؟۔

جواب : مولانا مودودی بھی بالآخر اسی نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔ دسمبر ۱۹۷۵ء کی جماعت کی شوریٰ میں شدید علالت کے باوجود بیس منٹ جو مختصر تقریر

انہوں نے کی تھی اس میں انہوں نے صاف صاف کہا تھا کہ میں نے بالغ رائے دہی کی وکالت کی ہے لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میری غلطی تھی۔ اور یہ امت کی قسمت کو جاہلوں کے حوالے کر دینا ہے۔ اس تقریر میں انہوں نے یہ بات بھی کہی تھی کہ اس ملک میں آج تک کوئی شخص بھی انتخابی طریقے سے برسر اقتدار نہیں آیا بلکہ جو شخص نمبر ۲ پر کھڑا تھا اسی نے جگہ سنبھالی۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس بات کی زیادہ وضاحت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ نمبر ۲ پر کھڑے ہونے سے میری مراد کیا ہے۔ مولانا مودودی کی یہ تقریر شوریٰ کی کارروائی میں مکمل طور پر درج ہے۔

سوال : کیا جماعتِ اسلامی کی موجودہ قیادت سے مولانا مودودی مرحوم کے اختلافات تھے؟

جواب : میرے پاس شواہد موجود ہیں کہ مولانا مرحوم اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جماعت کی موجودہ قیادت سے قطعاً مایوس ہو چکے تھے۔ ایک بار تو نوبت یہاں تک آئی کہ مولانا مودودی کو ان قائدین کے خلاف اخبارات میں بیان جاری کرنا پڑا۔ جس میں انہوں نے میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور احمد کی مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ لوگ جماعتِ اسلامی کو چلانے کے لیے اس کے لیڈر بنائے گئے ہیں جماعت ختم کرنے کے لیے نہیں۔ (جماعت کے رہنماؤں نے لاہور کے اخبارات میں اس بیان کو KILL کرانے کی بیحد کوشش کی لیکن وہ بعض اخبارات میں شائع ہو ہی گیا)

سوال : کیا جماعتِ اسلامی کی موجودہ قیادت اس انحراف کو محسوس نہیں کرتی؟"

جواب : میرا خیال یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کی موجودہ قیادت میں سے کچھ لوگ تو اپنی بزرگی کی وجہ سے محض برکت اور پردہ پوشی کے لیے آگے نظر آرہے ہیں جب کہ وہ لوگ جن کے ہاتھ میں اصل قیادت ہے یہ بات اچھی طرح جان چکے ہیں کہ جس مقصد کے لیے جماعت بنائی گئی تھی اور جس طریقہ کار پر کاربند رہنے کا عزم لے کر چلی تھی وہ دونوں چیزیں اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں اور جماعت اسلامی اپنے موجودہ حالات اور

ساخت کے لحاظ سے ان کی طرف واپس بھی نہیں جا سکتی لیکن یہ حضرات جانتے ہیں کہ مولانا مودودی کی انقلاب آفرین تحریروں کے باعث ملک کے اندر اور ملک کے باہر اس جماعت کو ایک بڑے وسیع حلقے کا اعتماد حاصل ہے۔ چونکہ یہ وسیع حلقہ ابھی تک اس تبدیلی کی حقیقت کو نہیں پا سکا ہے۔ لہٰذا جماعت کی اس قیادت کے سامنے اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں کہ دیوالیہ ہونے کے مکمل اعلان سے قبل بازار کی ساکھ سے جتنا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے اُٹھا لیا جائے۔

سوال : آپ کی میاں طفیل محمد امیرِ جماعتِ اسلامی سے ملاقاتیں ہوئی ہیں اور حیدر آباد میں انہوں نے خود دفتر جماعت میں میرے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ مولانا وصی مظہر ندوی مدتوں ہمارے ساتھ رہے ہیں وہ اب بھی ہمارے ساتھ آ سکتے ہیں۔ کیا اس امر کے امکانات ہیں کہ آپ دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائیں؟

جواب : میاں طفیل محمد کا یہ جملہ میری اس بات کی شہادت ہے کہ ماشاء اللہ یہ حضرات دنیا پرست جماعتوں کی بولی بولنے میں خاصے مشاق ہو گئے ہیں۔

سوال : ڈاکٹر اسرار احمد سے آپ کے روابط مستقبل میں سیاسی تعلقات کا رُخ اختیار کر سکتے ہیں؟ ۔

جواب : ڈاکٹر اسرار احمد مجھ سے بہت پہلے جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہوئے تھے۔ اصولاً تو ان کا موقف میرے موقف جیسا ہے۔ تفصیلات میں البتہ فرق پایا جاتا ہے۔

سوال : ایران کے انقلاب کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

جواب : ایران میں بہرحال ایک انقلاب آیا ہے۔ خواہ آپ اسے اسلامی کہیں یا نہ کہیں ظاہر ہے کہ یہ انقلاب جمہوری طریقے پر نہیں لایا جا سکتا تھا۔

سوال : کیا پاکستان میں بھی ایرانی طرز کا انقلاب اسلامی نظام کے قیام کے لیے ضروری ہے؟

جواب : ایران یا کسی اور ملک کے انقلاب کی بحث سے قطع نظر انقلاب نام ہے

منہدم کر کے اس کو نئی بنیادوں پر تعمیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی معاشرہ خود اپنی بنیادوں کے خلاف ووٹ دے۔ لہٰذا ووٹ کے ذریعہ انقلاب لانے کی خواہش مولانا مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق موٹر کار کے ذریعہ ٹمبکٹو پہنچنے کی تمنا کے سوا کچھ نہیں۔ اس قسم کی تبدیلی تو وہ باشعور اور منظم اقلیت برپا کرتی ہے جو ایک کرم خوردہ سماج کو ڈھا کر نئے اصولوں پر سماج کی تعمیرِ نو کرنے کے لیے عزم اور حوصلہ رکھتی ہو اور جو قربانی کے جذبے سے سرشار ہو کر سرگرمِ عمل ہو جاتی ہو۔ جیسا کہ قرآن شریف کا ارشاد ہے کہ "کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑے بڑے گروہوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں۔" اور اللہ تو ثابت قدم رہنے والوں ہی کے ساتھ ہے۔"

سوال : کیا اس آیت کی روشنی میں ایرانی انقلاب کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے ؟

جواب : ایرانی انقلاب کو مَیں نے قریب سے نہیں دیکھا۔ جن جن لوگوں نے اس انقلاب کو دیکھا وہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے سماج میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ مثلاً یہ کہ اس انقلاب سے قبل اس معاشرے میں سب سے کم قیمت شے عورت تھی لیکن آج وہ محترم اور عصمت و عفت کی فصیل میں محفوظ نظر آتی ہے۔ اسی طرح شراب خوری اور رشوت ستانی جیسے ناقابلِ علاج امراض کا مداوا ہو چکا ہے۔ لیکن میری ناقص رائے میں ایرانی انقلاب وہ ہمہ جہتی انقلاب نہیں ہے جو انبیاء کرام کے طریقہ پر چلنے سے برپا ہو سکتا ہے۔

سوال : شوریٰ کا اسلامی تصور آپ کے نزدیک کیا ہے ؟

جواب : شوریٰ کا اسلامی تصور سمجھنے سے قبل یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اسلام درحقیقت ایک انقلابی تحریک ہے اس لیے یہ تحریک خواہ انقلاب لانے کے مرحلے میں ہو یا اپنے نظریے کے مطابق ریاست چلانے کے مرحلے میں۔ دونوں صورتوں میں اس کی قیادت اور مشاورت ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔

جو اس انقلابی نظریے پر نہ صرف یہ کہ مکمل یقین رکھتے ہوں بلکہ اس کے لیے جان و مال کی ہر بازی کھیلنے کے لیے تیار ہوں۔ اس سلسلے میں جو شخص جتنا زیادہ ایمان و یقین اور ایثار و قربانی میں پیش پیش ہوگا وہ شخص قیادت کی اتنی ہی زیادہ اگلی صفوں میں بیٹھنے کا حق دار ہوگا۔
اس اصولی وضاحت کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ شوریٰ کا کردار اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قائد کی معاونت اور رہنمائی کرے۔ لہٰذا امیر اور شوریٰ کے درمیان تعلق نہ باہمی نزاع کا ہوتا ہے اور نہ بے اعتمادی کا بلکہ ان دونوں کے درمیان خیر سگالی اور خیر خواہی کا تعلق ہوتا ہے۔

سوال : شوریٰ کے خصائص کیا ہونے چاہئیں؟

جواب : شوریٰ کو بحیثیت مجموعی اور شوریٰ میں شامل تمام ارکان کو میرے مطالعے کے مطابق ان خصوصیات کے حامل ہونا چاہیے:

(۱) وہ اسلامی نظامِ زندگی پر مکمل ایمان و یقین رکھتے ہوں۔

(۲) اسلامی سیرت و کردار کا نمونہ ہوں۔

(۳) انہیں ملت کا مجموعی اعتماد حاصل ہو۔

(۴) علم و فہم رکھتے ہوں۔ تاہم صفات پر عمومی اعتماد کی صفت کو اولیت حاصل ہے کیونکہ ان صفات کا حامل ہونے یا نہ ہونے کا اس کے سوا کوئی معیار نہیں ہے کہ ملت کی تربیت یافتہ رائے عامہ ان کے اندر یہ صفات باقی ہے یا نہیں۔

سوال : موجودہ حکومت کی نامزد کردہ شوریٰ اسلامی تصور کے مطابق ہے؟

جواب : موجودہ مجلس شوریٰ موجودہ مارشل لا کی ایک ضرورت ہے اور انتخابات کے انعقاد تک کے لیے ایک عارضی انتظام ہے۔

سوال : کیا موجودہ مجلس شوریٰ میں اراکین کی نامزدگی کے طریقہ کار سے آپ متفق ہیں؟

جواب : اراکین شوریٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ملت کے عمومی اعتماد کے حامل ہوں۔ رہا یہ سوال کہ اس عمومی اعتماد کو معلوم کرنے کے لیے بیرومیٹر کیا ہونا چاہیئے؟ تو اس کے جواب میں کہوں گا کہ ..

صرف بیلٹ بکس ہی نہیں ہے۔ بلاشبہ دورِ جدید میں اس کے لیے بیلٹ بکس ایک اچھا طریقہ ہے لیکن واحد طریقہ نہیں لہٰذا مختلف پہلوؤں سے رپورٹیں طلب کر کے بے لاگ نامزدگی کا طریقہ کار بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

سوال : شوریٰ اور پارلیمان میں بنیادی فرق کیا ہے ؟

جواب : شوریٰ اور پارلیمان میں پہلا فرق یہ ہے کہ پارلیمان اپنے سربراہ کے ساتھ مل کر اقتدارِ اعلیٰ کی حامل ہوتی ہے اور اس کو ہر قسم کی قانون سازی کا اختیار حاصل ہوتا ہے لیکن شوریٰ کتاب و سنت کی حدود کے اندر صرف اجتہاد کر سکتی ہے۔ آزادانہ قانون سازی نہیں۔

دوسرا فرق شوریٰ اور پارلیمان میں یہ ہے کہ شوریٰ کے اندر مستقل نوعیت کا کوئی حزبِ اختلاف یا حزبِ اقتدار نہیں ہوتا۔ پوری شوریٰ امیر کی خیر خواہ ہوتی ہے اور اس کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ امیر کے غلط کاموں پر بے لاگ تنقید کرے۔

شوریٰ اور پارلیمان میں تیسرا فرق ہے کہ امیر اور شوریٰ کے درمیان کشمکش کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ تعاون و توافق کا تعلق ہوتا ہے جبکہ پارلیمانی نظام میں سربراہِ مملکت اور پارلیمان کے درمیان ہمیشہ کش مکش کا عمل جاری رہتا ہے بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ شوریٰ اور امیر کے درمیان تعلقات کی مطلوب شکل ہم آہنگی اور تعاون ہے جبکہ جدید جمہوری ریاستوں میں پارلیمان اور سربراہ حکومت کے درمیان مطلوب شکل کشمکش اور تصادم ہے۔

سوال : کیا جدید پارلیمانی نظام میں بنیادی تبدیلیاں لا کر اسے ملک کے نظامِ حکومت کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے؟

جواب : میرا مختصر جواب یہ ہے کہ نہیں۔

سوال : کیا آپ وضاحت کرنا پسند کریں گے؟

جواب : وجہ یہ ہے کہ ہر نظام کے اندر جو (اعضاء) ORGANS پائے جاتے ہیں وہ اسی نظامِ جسمانی سے مطابقت رکھتے ہیں جس

کے وہ اعضاء ہیں۔ اور ایک طویل تاریخی عمل کے ذریعے ان کے اندر وہ اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں جو اس نظام کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک نظامِ جسمانی کے اعضاء کی پیوندکاری دوسرے نظامِ جسمانی میں نہیں ہوسکتی۔

سوال : لیکن آپ کا استدلال یہ بھی ہے کہ اسلامی انقلاب کے وجود سے ہم آہنگی رکھنے والی اشیاء کو اس کا حصّہ بنایا جاسکتا ہے ؟

جواب : میری اس بات کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ گلاس یا پیالے سے دودھ پی سکتے ہیں لیکن اگر یہی دودھ آپ کے بدن میں انجکشن کے ذریعے داخل کیا جائے تو شدید بخار ہوجاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی نظام اپنے فطری عملِ انہضام سے کسی چیز کو اپنا لے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن فطری عمل ہضم کے بغیر پیوندکاری ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

سوال : آپ انتخابات میں انفرادی اور جماعتی و گروہی امیدواری کے مخالف ہیں آپ کے ذہن میں متبادل انتخابی نظام کیا ہے ؟

جواب : اصل میں سوچ کا انداز اگر روایتی ڈھانچے سے نکل کر کام کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو اس قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ دُور نہ جائیے کمیونسٹ ممالک کی مثال لیجیے۔ انہوں نے اپنے نظام کے ہم آہنگ طریقہ انتخاب نہ صرف ایجاد کیا بلکہ وہ کامیابی سے اس نظام پر عمل پیرا ہیں۔ سرمایہ دارانہ جمہوری حکومتوں میں جو انتخابی طریقہ کار مروج اور مقبول ہے اور جس سے ہٹ کر کوئی دوسرا طریقہ قابلِ عمل نظر نہیں آتا، اشتراکی ممالک میں اس کا دور دور تک وجود نہیں پایا جاتا بالکل اسی طرح اسلامی تعلیمات کے مطابق انفرادی یا اجتماعی امیدواری کو ممنوع قرار دینے کے بعد بہت سے طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں لیکن مقلدانہ نہیں مجتہدانہ ذہن کی ضرورت ہے۔

سوال : آپ سیاسی جماعتوں کے وجود ہی کے خلاف ہیں۔ اس کا جواز کیا ہے ؟

جواب : اسلامی نظام کے تعلق سے دو حالتیں فرض کی جاسکتی ہیں (۱) اسلامی نظام

قائم ہو چکا ہو۔ اس صورت میں اس نظام کے نگرانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے اندر کسی تفریقی عمل کو پنپنے نہ دیں (۲) دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد جاری ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بھی جدوجہد کرنے والی جماعت اپنے اندر کسی گروپ بندی کی اجازت نہیں دے سکتی۔

سوال : اسلامی نظام میں فوج کا دفاع کے علاوہ کوئی مخصوص کردار بھی ہے؟

جواب : دور جدید کی ریاستوں میں فوج جس شکل میں پائی جاتی ہے اسلامی نظام کے اندر خاص طور پر اور ماضی میں عام طور پر فوج اس طرح نہیں پائی جاتی تھی۔ اس زمانے میں ہر صحت مند نوجوان سپاہی ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت اسے بلایا جا سکتا تھا۔ موجودہ دور میں جب با معاوضہ فوج کا تصور عام ہو چکا ہے تو اس وقت فوج کا کردار یہی ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ وہ ملک کو بیرونی اور اندرونی خطرات سے محفوظ رکھے۔ مستقلاً حکومت کی ذمہ داری سنبھالنا قطعاً اس کے دائرہ عمل سے باہر ہے۔

سوال : کیا ملک کے نظامِ حکومت میں فوج کا آئینی کردار ہونا چاہیئے؟

جواب : اسلام کا دستور غیر مدون شکل میں قرآن وسنت میں موجود ہے۔ اگر اس کو دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق دستوری دفعات میں ڈھالا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر بگاڑ کو دور کرنے کی ذمے داری ہر اس فرد یا ادارے پر عائد ہوتی ہے جو اسے دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس لحاظ سے فوج اگر ہنگامی حالات میں بگاڑ اور انتشار کو سدھارنے کی ذمے داری سنبھال لے تو یہ بات اسلامی دستور کے بنیادی تصور کے منافی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے جو شخص برائی دیکھے وہ اپنے ہاتھ سے اسے مٹائے، ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے مٹائے ورنہ دل سے برائی سے نفرت کرے۔"

جمیل الرحمٰن

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

— گذشتہ سے پیوستہ —

۲۳ اپریل بروز اتوار نماز فجر کے بعد پروگرام کے مطابق تقریباً ایک گھنٹہ رفیق محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا درس ہوا۔

ناشتہ کے بعد ۸½ بجے صبح اجتماع کی کارروائی شروع ہوئی جس میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبۂ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے ساتھ گذشتہ دن کے تربیتی لیکچر کا آغاز کیا — امیر محترم نے فرمایا کہ مرورِ زمانہ اور قرآن و سنّت کے علوم حقیقی سے بُعد کی وجہ سے مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت کا فرائضِ دینی کا صحیح تصور معدوم کے درجے میں آگیا ہے۔ اور اس کا الا ماشاء اللہ یہ حال ہے کہ صرف نماز، زکوٰۃ، حج اور روزے ہی کو کل فرائضِ دینی اور عبادات سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے لئے کتاب و سنّت میں کہیں بھی 'عبادات' کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ حدیث میں ان کو ارکان اسلام کہا گیا ہے۔ عبادات نہیں۔ امیر محترم نے متعدد قرآنی آیات اور احادیث شریفہ سے استشہاد کرتے ہوئے بیان کیا کہ 'عبادت' تو اس ہمہ گیر اور جامع ترین تصور کا نام ہے جس میں ایک بندۂ مومن کا رویّہ یہ ہونا لازمی ہے کہ وہ شعوری طور پر اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے تابع کر دے۔ اور اس کی کامل اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لے — امیر محترم نے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۸۵ کے آخری ٹکڑے سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ جزوی اطاعت اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ منہ پر دے ماری جائے گی — امیر محترم نے فرمایا کہ انہوں نے آغاز ہی میں واضح کر دیا تھا کہ قرآن حکیم کے تین تقاضے اساسی اور بنیادی ہیں اور تین ان کے لوازم ہیں جس میں سے پہلی سطح جہاد مع النفس ہے جس کا حوالہ کل کے لیکچر میں آچکا ہے امیر محترم نے فرمایا کہ ارکانِ اسلام کی پابندی کرنے اور اللہ کی اطاعت، اس کا تقویٰ

اختیار کرنے اور حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بننے کے لئے ایک بندۂ مومن کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہو گا ۔ یعنی اسلام ۔ اطاعت ، تقویٰ اور کلی عبادت کیلئے بھی جہاد لازم و لابد ہے ۔ اور یہ مع النفس ہو گا ۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ ان لوازم میں سے دوسرے لازمے کا تعلق دعوت ، تبلیغ ، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس سے ہے ۔ آپ اسلام کا کام کریں گے تو دوسرے باطل نظریات بھی تو دنیا میں موجود ہیں ، شرک ہے ۔ الحاد و دہریت ہے ۔ اشتراکیت ہے ۔ اباحیت ہے ۔ اور یہودیت ، مسیحیت ، مجوسیت ، سبائیت ، قادیانیت اور جانے کتنے فتن اور باطل ادیان نیز مادہ پرستانہ فلسفے دنیا میں رائج ہیں ۔ ان سب سے نظریاتی سطح پر خیالات اور فلسفوں کی سطح پر کشمکش اور تصادم کرنا ہو گا ۔ یہ جہاد کی دوسری سطح ہے ۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ ان دونوں جہادوں کے لئے مسلمان کے پاس اصل تلوار قرآن حکیم ہے ۔ نفس بھی اگر اللہ کا مطیع ہو گا تو قرآن ہی کی تلوار سے ہو گا ۔ اس ضمن میں امیرِ محترم نے علامہ اقبال کے یہ اشعار پیش کئے ۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است　　زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی !　　کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی !!

امیرِ محترم نے فرمایا کہ علامہ نے ان اشعار میں خیال دو حدیثوں کے مضمون سے اخذ کر کے بیان کیا ہے ۔ ان اشعار کا ترجمہ ہے :-

" شیطان کو ہلاک کر دینا ایک مشکل کام ہے چونکہ اس کا گھر نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ہے ۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اسے مسلمان ۔ یعنی اس کو اپنا تابع اور مطیع بنا لیا جائے " امیرِ محترم نے فرمایا کہ جہاد مع النفس اور تعلق باللہ اسلامی طرز پر سیرت و کردار کی پختگی کے لئے لابدی ہے ۔ اس پہلی سطح کے بغیر اسلام کو عملاً اختیار کرنا اور ہمہ تن و ہمہ جہت اللہ کا بندہ بننا ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی دعوت و تبلیغ ، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کا فریضہ سرانجام دینا ممکن ہے ۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کی زندگی بسر کرنے کے لئے جہاد لازم ہے ۔ البتہ اس کی سطحیں مختلف ہیں ۔ جن میں سے دو کا ذکر وہ کر چکے ہیں ۔ پہلی سطح مجاہدہ مع النفس اور دوسری سطح باطل نظریات عقائد ، فلسفوں سے نظریاتی تصادم اور کشمکش ہے ۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ اس مضمون کو علامہ اقبال نے اس شعر میں بڑی خوبی سے سمویا ہے ۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تو　　پختہ ہو تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

اس نظریاتی جہاد اور کشمکش کے لئے بندۂ مومن کے ہاتھ میں تلوار' قرآن حکیم کی تلوار ہے۔ نفس بھی اسی سے زیر ہوگا اور نظریاتی تصادم یعنی احقاق حق اور ابطال باطل میں بھی قرآن کی تلوار اصل تلوار ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ تزکیہ نفس اور دعوت و تبلیغ کے لئے قرآن اور صرف قرآن کی ضرورت اپنے دروس اور خطابات میں شرح و بسط کے ساتھ واضح کرتے رہے ہیں۔ نظریاتی سطح پر کشمکش کرنے کے لئے بھی قرآن کا تلوار ہونا سورہ الفرقان کی اس آیت سے نہایت واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے: وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝ یہاں "بِهٖ" میں ضمیر مجرور قرآن کے لئے آئی ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ اسے نبی ﷺ! ہم نے تمہارے ہاتھ میں قرآن کی تلوار دی ہے۔ آپ اس کے ساتھ کفار سے جہاد کیجئے زبردست جہاد ۔۔۔ ایک جہاد کی بلند ترین سطح ہے جس میں لوہے کی تلوار کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس کا ذکر آگے آئے گا ۔۔۔ !!

امیر محترم نے فرمایا کہ وہ کل کی تقریر میں بیان کر چکے ہیں کہ دینی فرائض' اساسی دینی فرائض میں سے تیسرا بنیادی فرض دین کو بالفعل اور عملاً قائم اور نافذ کرنے سے متعلق ہے۔ اس کی جڑ تو سورۃ العصر میں " تواصی بالحق " میں پنہاں ہے۔ جو نجات اخروی کی تیسری ناگزیر شرط ہے۔ لیکن جیسے جیسے یہ مضمون واضح ہوتا جاتا ہے ۔ اس کے معنی و مفہوم میں وسعت' جامعیت اور گہرائی و گیرائی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے ۔۔۔ امیر محترم نے فرمایا کہ جن لوگوں کو میرے دروس اور تقاریر سننے کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ میں سلف کے ان علماء عظام کی رائے سے اتفاق رکھتا ہوں جن کا موقف یہ ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا آغاز ہوتا ہے اور سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات سے آنحضور منصب رسالت پر فائز فرمائے جاتے ہیں ۔۔۔ !!

بفحوائے آیات يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

امیر محترم نے فرمایا: کل میں نے آپ حضرات کو بتایا تھا کہ دین کو عملاً قائم کرنے کی چار اصطلاحات تو قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں اور ایک حدیث میں ۔۔۔ قرآن مجید کی اصطلاحات میں دو "مکی دور" کی ہیں اور دو ہی مدنی دور کی۔ "مکی دور" کی پہلی اصطلاح تکبیر رب ہے جو سورۃ المدثر میں وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ میں بیان ہوئی ہے ۔ تکبیر کے مفہوم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو مختلف

مغالطے لاحق ہوئے ہیں۔ امیر محترم نے فرمایا کہ تکبیر کے حقیقی معنی و مفہوم کسی چیز کو بڑا کرنا ہے "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ کا ترجمہ ہوگا" اور اپنے رب کو بڑا کرو۔" یعنی اس کی کبریائی، اس کی بالادستی، اس کا تفوق، اس کا مقتدر اعلیٰ ہونا اس کی SUPREMACY بالفعل تسلیم بھی کی جائے اور نافذ بھی ہو۔ یعنی وہ نظام قائم ہو جس میں حاکمیتِ الٰہی اصل الاصول کا درجہ رکھتی ہو۔ امیر محترم نے فرمایا کہ دوسری آیت یعنی قُمْ فَاَنْذِرْ بھی عمیق تدبر کی متقاضی ہے۔ لفظِ "قم" سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کارِ رسالت کا آغاز ہوتا ہے۔ آپؐ سے فرمایا جاتا ہے کہ" اے لحاف میں لپیٹ کر لیٹنے والے کھڑے ہو جاؤ۔ کمر بستہ ہو جاؤ اور اللہ کی کبریائی کا اعلان کرو اور اس کی بڑائی بالفعل قائم کرو۔ لفظ" قم" میں ایک مہم اور ایک تحریک برپا کرنے کے معانی و مفاہیم شامل ہیں۔ جس کا نقطہ آغاز انذار ہے یعنی لوگوں کو خبردار کرنا کہ زندگی محض اسی دنیا کی زندگی نہیں ہے بلکہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جس میں ہر انسان کو اس دنیا کے اعمال کی جواب دہی کے لیے عدالتِ الٰہی میں کھڑے ہونا ہوگا۔ اس کا محاسبہ ہوگا اور اس کے مطابق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے جو انجام کار کے اعتبار سے ابدی ہوں گے۔ امیر محترم نے فرمایا: مکی دور کی دوسری اصطلاح اقامتِ دین ہے۔ یہ سورۃ الشوریٰ میں بیان ہوئی ہے۔ وہاں فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط (۱۳) امیر محترم نے فرمایا قائم کرنے کے معنی ہیں کسی چیز کو کھڑا کرنا۔ کوئی چیز زمین پر پڑی ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کو کھڑا کرو۔ تو اقامتِ دین کا معنی و مفہوم ہوگا کہ دین جو درحقیقت پورے نظامِ حیات کے لیے جامع ترین اصطلاح ہے اسے بالفعل قائم اور نافذ کیا جائے۔ جو نظام نافذ نہ ہو وہ" دین" نہیں کہلائے گا بلکہ وہ " مذہب" بن جائے گا جس کا تعلق محض انسان کے عقیدے اور چند مذہبی و معاشرتی رسومات سے ہوتا ہے جبکہ "دین" کا مفہوم و مقصود پورا

نظامِ زندگی ہوتا ہے جس کی گرفت میں انسان کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ امیر محترم نے فرمایا: اقامتِ دین کے لیے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ دو مدنی اصطلاحات ہیں، یہ اصطلاحات تکبیر ربّ اور اقامتِ دین کی اصطلاحات کو مزید واضح کر دیتی ہیں۔ پہلی اصطلاح ہے " اظہار دین الحق علی الدین کلہ"۔ یہ اصطلاح بغیر کسی شوشے کے فرق کے سورہ توبہ سورہ الفتح اور سورہ الصف میں وارد ہوئی ہے۔ سورہ توبہ اور سورہ الصف میں اس کے آخر میں فرمایا: وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ: اور سورہ الفتح میں فرمایا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ شوریٰ میں بھی اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ کے بعد فرمایا کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی اللہ کے دین کا غلبہ یقیناً مشرکوں کو سخت ناگوار گزرے گا وہ اس دعوت میں مزاحمت کریں گے لیکن اس کے علی الرغم اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ فرض انجام دینا ہے۔ امیر محترم نے فرمایا: مدنی دور کی دوسری اصطلاح سورہ البقرہ کی آیت ۱۹۳ میں اور پھر سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۳۹ میں آئی ہے۔ ان آیات میں تھوڑا سا فرق ہے۔ سورۃ الانفال میں فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سورۃ بقرہ والی آیت میں لفظ كُلُّهٗ نہیں ہے۔ گویا سورہ الانفال میں واضح کر دیا گیا کہ پورے کا پورا نظامِ اطاعت یا نظامِ زندگی اللہ ہی کے لیے ہونا لازمی ہے۔ دین کو اجزا میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی بات سورہ الزمر میں ان الفاظِ مبارکہ سے آئی ہے کہ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ امیر محترم نے فرمایا کہ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! مشرکین اور کفار سے تمہاری جنگ اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک فتنہ یعنی نظامِ باطل و طاغوت بالکل فرد اور ختم نہ ہو جائے اور کُل کا کُل نظامِ زندگی اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔ امیر محترم نے فرمایا: کہ اس ضمن میں، میں نے پانچویں اصطلاح کا حدیث سے حوالہ دیا تھا کہ،

لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا - تاکہ اللہ ہی کا کلمہ یعنی اس کے فرامین اس کے اوامر و نواہی اس کے احکام ہی عالمِ تشریعی میں نافذ ہوں اور درحقیقت اللہ ہی کے فرامین کو اعلیٰ اور برتر ہونے کا مقام حاصل ہے امیرِ محترم نے فرمایا: یہی وہ بات ہے جو موجودہ محرف شدہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی اس دعا میں آج بھی موجود ہے کہ "اے اللہ جس طرح تیری بادشاہی آسمانوں میں قائم ہے، اسی طرح اس زمین پر بھی قائم ہو۔" امیرِ محترم نے فرمایا: کہ آپ جانتے ہیں کہ کلمہ شہادت، جس کے اقرار باللسان سے ایک فرد دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے، دو اجزا پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا جزو ہے، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ — اس جز کا تعلق ایک مسلمان کے ان فرائض دینی سے ہے جو میں نے اسلام، اطاعت، تقویٰ، اور عبادت کی قرآنی اصطلاحات کے حوالے سے بیان کیں۔ اس کلمہ شہادت کا دوسرا جزو ہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ - اس کا تعلق ان اصطلاحات سے ہے جو میں نے آپ کے سامنے دعوت، تبلیغ، تبشیر، انذار، وعظ، تذکیر، نصیحت، وصیت، امر بالمعروف نہی عن المنکر شہادت علی الناس اور تکبیر رب اقامت دین، اظہار دین الحق علی الدین کلہ، وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ کی قرآنی اصطلاحات اور لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا حدیث کی اصطلاح سے بیان کی ہیں - یہ وہ اصطلاحات ہیں جن کے ذریعے امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تعلق کارِ رسالت سے جڑ جاتا ہے۔ چونکہ نبی اکرمؐ پر نبوت و رسالت کا اتمام و اکمال ہوا اور اب تاقیامِ قیامت آپؐ ہی کا دورِ رسالت جاری و ساری رہے گا۔ لہٰذا تاقیامِ قیامت یہ فریضہ من حیث المجموع امت کو ادا کرنا ہے - جیسے قرآن حکیم میں فرمایا وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ط اور کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ - نیز احادیث شریف میں بیان ہوا،

بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً اور فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ـ لیکن اگر امت اس فرض سے غافل ہو جائے تو حکم الٰہی ہے کہ اس بڑی امت میں سے ایک جماعت تو ضرور ایسی قائم رہنی چاہیے جو اس کام کو انجام دینا شعوری طور پر اپنے فرائضِ دینی میں شامل سمجھے۔ بفحوائے آیت: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط ـ امیر محترم نے فرمایا! کل اور آج میں نے دینی فرائض کا جو جامع تصوّر آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس سے یہ بات آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت خالصتہً انقلابی دعوت تھی اور تحریک تھی ـ اجتماعیت کی کئی اقسام ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اصلاحی، تبلیغی، علمی اور سیاسی ـــ ان اقسام میں یہ بات مشترک ہوتی ہے کہ رائج الوقت کو صحیح اور درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ جزوی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مثلاً معاشرہ میں کچھ سماجی برائیاں رواج پا جاتی ہیں تو ان کے لیے اصلاحی عمل کفایت کرتا ہے۔ اگر معاشرہ میں عملی طور پر دین سے شغف میں کمی واقع ہو تو ایسی صورت میں تبلیغی نوعیت کے کام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے علمی و تدریسی کام بھی اسی ذیل میں آتا ہے ـ کسی ملک میں جو سیاسی نظام بالفعل قائم ہے اس سے اگر اصولاً اختلاف نہیں ہے ـ اختلاف یا تو جزئیات میں ہے یا اس امر میں ہے کہ جو گروہ فی الوقت برسرِ اقتدار ہے، وہ اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہیں دے رہا۔ لہٰذا ہاتھوں کی تبدیلی ضروری ہے ـ جس کے لیے انتخاباتِ ملکی کے ذریعے مختلف سیاسی پارٹیوں کی طرف سے تبدیل کرنے کی کوشش کا نام سیاسی کام ہے ـ امیر محترم نے فرمایا: اب انقلابی کام کو سمجھیے جو ان انواع کے کاموں سے قطعی مختلف ہوتا ہے ـ انقلابی کام یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ جو نظام بالفعل اور فی الحقیقت قائم ہے اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے۔ بنیاد سے تبدیلی لانی ہے ـ پورے نقشے کو بدلنا ہے ـ امیر محترم نے فرمایا کہ اس انقلابی کام کی نوعیت کی مولانا روم نے اس شعر میں خوب ترجمانی کی ہے ـ

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
تو نمی دانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

اسی بات کو جگر مراد آبادی کے اس شعر سے بھی بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ صحن و روش، یہ لالہ و گل ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تخریب جنوں کے پردے میں تعمیر گلستاں ہوتے ہیں

امیر محترم نے فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت پر فائز ہونے کے بعد پوری حیاتِ طیبہ ایک انقلابی جدوجہد کا مکمل نقشہ پیش کرتی ہے۔ انقلابی کام کے تینوں لوازم اس دعوت میں ہمیں نظر آتے ہیں یعنی پہلے ایک فکر و نظریہ ہو، جو واقعی انقلابی ہو ــ ہم اسے دینی اصطلاح میں کہیں گے دعوتِ توحید ــ چنانچہ آپ کو دنیا کا سب سے عظیم اور سب سے بڑا انقلابی فکر اور نظریہ رب العلمین کی طرف سے عطا کیا گیا جس سے زیادہ انقلابی نظریہ کوئی ہو نہیں سکتا اور وہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ۔ یہ فکر و نظریہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب محمد کو عطا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم ــ یہ آپ کی سوچ اور غور و فکر کا نتیجہ نہیں تھا اس لیے ہر خطا سے مبرا ہے جبکہ دنیا کے اور دوسرے انقلابی نظریات خالصتاً انسان کی اپنی سوچ اور غور و فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بلکہ نظریہ توحید دنیا کے تمام باطل نظریات اور باطل نظام ہائے حیات کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہر انقلابی فکر کا کوئی داعی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس انقلابی فکر کے داعی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود جناب محمد رسول اللہ تھے ــ بمصداقِ آیتِ قرآنی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ اسی نسبت سے آں حضورؐ کے لائے ہوئے انقلابی فکر کا دوسرا جزو محمد رسول اللہ قرار پایا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ تمام دنیوی انقلابی فکر کا دوسرا لازمہ ہوتا ہے کہ اس فکر کی نشر و اشاعت ہو۔ رائج الوقت تمام ذرائع ابلاغ استعمال ہوں منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد یہی کام جناب محمد نے کیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس پورے کام کے لیے دعوت و تبلیغ اور وہ تمام قرآنی اصطلاحات جوڑ لیجئے جو ہیں

دو مرتبہ بیان کر چکا ہوں - انسانوں کے بنائے ہوئے انقلابی نظریات کے لیے لٹریچر ہوتا ہے۔ اسلامی انقلابی دعوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر قرآن مجید نازل فرمایا- یہی اس انقلابی فکر کا اصل لٹریچر ہے اور تاقیامت یہی اصل اور اساسی لٹریچر رہے گا --- امیرِ محترم نے فرمایا- ہر انقلابی فکر کا تیسرا ناگزیر لازمہ ہوتا ہے کہ جو اس فکر اور دعوت کو قبول کر لیں ان کی تنظیم و تربیت ہو- انقلابی کام کے لیے ڈھیلے قواعد و ضوابط کے ساتھ انجمن اور ایسوسی ایشن کی نوع کی تنظیم ہرگز کفایت نہیں کرتی بلکہ ایسی تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے جو ایک قائد کے اشارے پر حرکت کرے- سمع وطاعت یعنی سنو اور اطاعت کرو اس ہیئت اجتماعیہ میں اساسی حیثیت رکھتی ہے- یہ جماعت MILITARY DISIPLINE کی متقاضی ہوتی ہے- چنانچہ ملٹری ڈسپلن کا موٹو (MOTTO) ہوتا ہے:

There is not to reason why!
There is but do and die!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایسی ہی جماعت منظم فرمائی تھی- جو آپ کے ابرو کے اشارے پر پروانہ وار نثار ہونے کا ولولہ اور حوصلہ رکھتی تھی- اور اس کو اپنے لیے سعادت خیال کرتی تھی ---
امیرِ محترم نے فرمایا کہ تنظیم کے ساتھ ہی تربیت بھی کی جانی ناگزیر ہے- لیکن یہ تربیت اپنے ہدف کی مناسبت سے ہوتی ہے- اگر انقلاب صرف دنیوی اور مادی نقطۂ نظر تک محدود ہے تو اس میں اخلاقی اور روحانی ترفع اور تربیت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس کو اس کے منافی سمجھا جاتا ہے جبکہ اسلامی انقلاب کا اصل نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے لہٰذا اس فکر اور دعوت کے لیے پورا زور اخلاقی و روحانی تربیت پر دیا جاتا ہے جیسا کہ ہمیں سیرتِ مطہرہ اور سیرتِ صحابہ رضؓ سے اور خود قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے- اس کے لیے قرآن مجید کی اصل اصطلاح تزکیہ ہے-
امیرِ محترم نے فرمایا اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ تزکیہ کا

بھی اصل ذریعہ قرآن مجید ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں تین مقامات پر تلاوتِ قرآن کے فوراً بعد تزکیہ کی اصطلاح آتی ہے۔ سورہ یونس میں بات صاف کر دی گئی ہے کہ سینوں کے امراض کے لیے بھی شفاء قرآنِ حکیم ہی ہے۔ وہاں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ۔ امیر محترم نے فرمایا: میری اس بات کو اپنے ذہنوں میں مستحضر کیجئے کہ میں نے کہا تھا کہ باطن میں نفس امارہ سے اور خارج میں باطل نظریات سے کشمکش کرنے کے لیے مومن کے پاس تلوار قرآن کی تلوار ہے۔ لہٰذا تزکیہ نفس کا بھی نسخہ یہی قرآن حکیم ہے۔ امیر محترم نے فرمایا۔ اب تک میں نے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی تین مراحل آپ حضرات کے سامنے پیش کیے ہیں۔ ان کو نمبروار اپنے ذہن نشین کر لیجئے۔ پہلا ناگزیر مرحلہ یہ ہے کہ فکر واقعی انقلابی ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اس سے بڑا کوئی انقلابی فکر انسان نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ اس فکر کے تواتر کے ساتھ امین رہے ہیں۔ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اس نظریہ کو قبول کرنے والوں یا بالفاظِ دیگر ایمان لانے والوں سے پہلا مطالبہ ہے کہ وہ خود اپنی فکری و عملی زندگی اس نظریئے کے مطابق استوار کریں جس کے لیے میں نے اسلام، اطاعت، تقویٰ اور عبادت کی قرآن کی چار اصطلاحات پیش کی تھیں۔ یعنی یہ فکر ہے: توحید جس کا کلمہ ہے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ دوسرا ناگزیر مرحلہ ہے کہ اس فکر کی نشر و اشاعت ہو۔ جس کے لیے متعدد قرآنی اصطلاحات میں آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ جن میں دعوت، تبلیغ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، شہادت علی الناس اہم ترین اصطلاحات ہیں۔ تیسرا ناگزیر مرحلہ ہے کہ اس فکر، نظریہ اور دعوت کو قبول کرنے والوں کو منظم کیا جائے اور ان کی تربیت کی جائے۔ تنظیم کے لیے اصطلاحات ہیں، جماعت اور حزب اللہ۔ پہلی اصطلاح قرآن مجید کی متعدد آیات سے مستنبط ہے۔ البتہ حدیث میں یہ

اصطلاح "جماعت" ہی کے لفظ کے ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ حضرت حارث الاشعری رض کی یہ روایت تو ہم نے بہت عام کی ہے اور مجھے توقع ہے کہ آپ سب کو یاد ہوگی: اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْ[جہاد] فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ ـ حزب اللہ خالصتہً قرآن مجید کی اصطلاح ہے۔ میں عرض کرتا رہا ہوں کہ قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور بیان ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ اصطلاح ایک مرتبہ سورۃ المائدہ آیت ۵۶ میں آئی۔ فرمایا: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ـ دوسری مرتبہ سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۲۲ کے آخر میں دو مرتبہ اس اصطلاح کو استعمال کیا گیا۔ وہاں نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رض کی شان میں فرمایا: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(جاری ہے)

امپورٹ۔ ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ
رینبو انٹرنیشنل
برآمدی اشیاء
آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ٭ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ٭ کاٹن گارمنٹس ٭ احرام تولیہ ٭ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ٭ لکڑی کا فرنیچر۔
درآمدی اشیاء
لاکھ دانہ ٭ سٹکر فلم ٭ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ٭ پولیسٹر ریان۔
مرکزی دفاتر
I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶۰ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر:۔ کراچی ۔ فیصل آباد۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا دورہ کوئٹہ

سہ روزہ دعوتی پروگرام

از قلم ابو المظفر محمد اکرم بھٹی رفیق تنظیم اسلامی کوئٹہ

تنظیم اسلامی کی کوئٹہ شاخ کو اگر نوخیز کلی سے تشبیہہ دی جائے تو یہ بات بے جا نہ ہوگی۔ اس کا وجود فروری ۱۹۸۲ء میں اس وقت عمل میں آیا جب راقم الحروف نے میاں محمد نعیم صاحب کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس میں شمولیت اختیار کی تھی۔ لیکن فرزندان توحید کوئٹہ کے کان اس کے نام سے اس وقت مانوس ہوئے جب گذشتہ سال مئی میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کوئٹہ کا دورہ کیا اور عامیانِ کوئٹہ نے امیرِ تنظیم کی پراثر آواز سے فیض حاصل کیا۔

اس سال تنظیم کے سالانہ اجتماع کے انعقاد تک مقامی تنظیم کچھوے کی چال بڑے استقلال سے چلتی رہی اور اس میں نو افراد شریک ہوئے۔ لیکن اس ننھی منّی تنظیم کو جب امارت کا درجہ دورانِ اجتماع نصیب ہوا تو دل بے اختیار چاہا کہ اتنے بڑے اعزاز کے حصول کی خوشی میں اگر امیرِ محترم فوراً کوئٹہ کا خصوصی دورہ کریں تو کتنا اچھا ہو۔ الحمدللہ یہ سوچ دورانِ اجتماع ہی حقیقت کا روپ دھار گئی جب یہ معلوم ہوا کہ امیرِ محترم ۲۱ تا ۲۴ اپریل ۱۹۸۳ء کو کوئٹہ کا دورہ کریں گے۔
اس دورے کا بڑا ہی مؤثر پروگرام تنظیم اسلامی کوئٹہ کے پہلے نامزد امیر جناب میاں محمد نعیم صاحب نے امیرِ محترم کی منظوری سے ترتیب دے ڈالا۔ طے یہ پایا کہ اس بار امیرِ محترم اہلِ کوئٹہ کو نہ صرف درسِ قرآن سے فیضیاب فرمائیں گے بلکہ خطبۂ جمعہ بھی دیں گے۔ حسبِ سابق اس بار بھی درسِ قرآن کے لئے قلبِ شہرِ گلاب یعنی جامع مسجد طوبیٰ کو منتخب کیا گیا اور خطابِ جمعہ کے لئے وسعتِ بے پایاں کی حامل کعبہ کی بیٹی جامع مسجد ملٹری ڈیری فارم چُنی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے درسِ قرآن کیلئے سورۃ الصف کا انتخاب کیا تاکہ قرآن پاک کی انقلابی دعوت کی بنیاد پہ فریضۂ اقامتِ دین کی جدوجہد

کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی جائے۔ اور اس مقصد کے لئے تین روزہ درسِ قرآن کا پروگرام ۲۱ تا ۲۳ اپریل ۱۹۸۳ء طے پایا۔ خطابِ جمعہ کے لئے ڈاکٹر صاحب نے "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ" موضوع تجویز کیا۔ اس پروگرام سے دونوں مساجد کے خطیب حضرات کو ٹیلیفون پر آگاہ کر دیا گیا۔ ان دونوں حضرات نے خطباتِ جمعہ (۸ اپریل ۸۳ء) میں مسلمانانِ کوئٹہ کو ڈاکٹر صاحب کے دورۂ کوئٹہ کا مژدہ سنایا اور ان کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ مقامی اخبارات روزنامہ مشرق اور روزنامہ جنگ نے امیر محترم کے پروگرام کو خبر کی شکل میں شائع کیا۔ راقم اور امیر تنظیم اسلامی کوئٹہ جناب محمد نعیم صاحب جب موسم کے ستائے ہوئے ۹ اپریل کی بجائے ۱۲ اپریل کو کوئٹہ پہنچے تو ڈاکٹر صاحب کے مجوزہ دورہ کی تیاریوں کا وقت بے حد قلیل تھا اور کوئٹہ کا موسم ایسا غضب ناک ہو رہا تھا کہ دل دہلا جاتا تھا کہ سارا پروگرام کہیں بارش میں تتر بتر نہ ہو جائے۔ لیکن جس کے دینِ مبین کی اقامت کی جدوجہد امیر محترم کر رہے ہیں اس ذات باری تعالیٰ نے ہم پر بیحد کرم فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کی آمد سے دو روز پہلے یہ شہرِ گلاب باراں سے دھل کر سنہری دھوپ میں چمک اٹھا۔ اس دوران مقامی رفقاء اور ان کے احباب نے اہلِ کوئٹہ کو ڈاکٹر صاحب کے دورہ کے پروگرام سے روشناس کرانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پوسٹر، بینر، ہینڈ بل، اخبارات میں خبریں اور مساجد میں اعلانات، غرضیکہ وقت حاضر کے وسائل نشر و اشاعت بروئے کار لائے گئے اور یوں کوئٹہ اور مضافات کوئٹہ کا بچہ بچہ مردِ حق گو کے پروگرام سے آگاہی حاصل کر چکا تھا۔

۲۱ اپریل کی کوئٹہ ایکسپریس ایک عجب شان سے کوئٹہ کی فضاؤں میں داخل ہوئی اور جیسے ہی یہ ریلوے سٹیشن پر رکی اس میں سے وہ مردِ مومن سرزمینِ کوئٹہ پر وارد ہوا جس نے کوئٹہ کے لاکھوں فرزندانِ توحید کو اقامتِ دین کا درس دینا تھا۔ اس مردِ مومن کو خوش آمدید کہنے والوں میں عقیدت مندوں کے علاوہ جاں نثارانِ امیر بھی شامل تھے۔

امیر محترم کا قیام اس بار بھی سدا بہار مسکراہٹ کے حامل رُخِ رَوشن کے مالک جناب چوہدری محمد یوسف اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان کی رہائش گاہ واقع السکمب روڈ پر ہی تھا۔ چوہدری صاحب بڑے خوش قسمت نکلے کہ امیر محترم

کا لمحہ لمحہ کا ساتھ انہیں نصیب ہوا اور یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ ڈاکٹر صاحب کے محافظ ہیں ـــــــ !

امیرِ محترم نے کچھ دیر آرام فرمایا اور حسب پروگرام بعد نمازِ مغرب جامع مسجد طوبیٰ میں سورۃ الصف پر مبنی درسِ اوّل دیا۔ اس درس میں حاضری اگرچہ امیرِ محترم کے سالِ گذشتہ کے درسِ اوّل کی نسبت کم تھی لیکن یہ حقیقت بڑی خوش آئند تھی کہ حاضرین کی اکثریت تعلیمیافتہ لوگوں کی تھی۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ڈاکٹر صاحب کی دعوت ملک کے نوجوان اور تعلیمیافتہ طبقہ میں اپنا خاص مقام پیدا کر چکی ہے۔ اور تنظیم اسلامی کا مشن " اقامتِ دین " اب نوجوان نسل کے لئے " نشانِ منزل " کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

امسال بھی مسجد کے دروازے کے ساتھ ہی تنظیم اسلامی کا مکتبہ لگایا گیا تھا۔ جس میں امیرِ محترم کی تصانیف رکھی گئی تھیں۔ اہلِ کوئٹہ نے اس بار بھی مکتبہ میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا۔ "نشر القرآن" "سیریز" کے کیسٹ چونکہ امسال کوئٹہ پہنچ نہ پائے اس لئے خریداروں سے بار بار معذرت کرنا پڑی۔

خواتین نے اس سال بھی ڈاکٹر صاحب کے درس میں شرکت کی اور یہ ثابت کر دیا کہ وطنِ عزیز کی مسلمان خواتین فریضۂ اقامتِ دین کی ادائیگی میں کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

۲۲ اپریل کی صبح بہت سے احباب نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔ ان میں کوئٹہ کی معروف شخصیت جامع مسجد فیض محمد روڈ کے خطیب مولانا محمد عمران صاحب بھی تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے اپنی مسجد میں درس حدیث دینے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر صاحب نے ۲۴ اپریل کی نماز فجر کے بعد درسِ حدیث دینا قبول کر لیا۔

آج ڈاکٹر صاحب کا خطابِ جمعہ کا پروگرام جامع مسجد ڈیری فارم کے لئے طے تھا۔ یہ مسجد اپنے محل وقوع اور وسعت کے اعتبار سے اجتماعِ جمعہ کے لئے کوئٹہ کی موزون ترین مسجد ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خطاب اگرچہ ایک بجے شروع ہونا تھا۔ لیکن مسجد امیرِ محترم کی آمد سے قبل ہی اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگیٔ داماں کا اظہار کر رہی تھی اور فرزندانِ توحید کا ایک اژدہام مسجد سے ملحقہ پلاٹوں میں صف آرا ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بجے

سے سوا دو بجے تک خطاب فرمایا اور اس مختصر وقت میں حاضرین کو اقامتِ دین کے فرض ہونے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کا طریقہ جامع (مگر مختصر) انداز میں سمجھا دیا۔ تفصیل جاننے کے خواہشمند حضرات سے ڈاکٹر صاحب نے مسجد طوبیٰ میں درسِ قرآن میں شرکت کے لئے کہا۔ ڈاکٹر صاحب نے حاضرین سے استدعا کی کہ اگر وہ واقعی اقامتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے مخلص ہیں تو وہ ان کے شام کے درسِ قرآن میں شریک ہوں اور ان کے پیغام کو، جس کا خلاصہ انہوں نے خطابِ جمعہ میں بیان کر دیا ہے، تفصیل سے سمجھیں، تاکہ انہیں اپنی دینی ذمہ داریوں کا احساس ہو سکے۔

تنظیمِ اسلامی کا مکتبہ یہاں بھی لگایا گیا تھا، جس کا انتظام راقم الحروف اور بھائی منظور کے ذمہ تھا۔ نمازِ جمعہ کے بعد امیر محترم کی تصانیف ہاتھوں ہاتھ بکیں۔ ایک نہایت خوش آئند بات جو مکتبہ کی فروخت پر محسوس کی گئی وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں نوجوانوں کی دلچسپی دیدنی ہے۔

مسجد کے اندرونی مین ہال کے بالکل نیچے گیلری میں خواتین کے لئے نمازِ جمعہ کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس لئے مسجد کے ہال اور گیلری میں لاؤڈ سپیکر کی آواز کو بہت مدھم رکھا گیا تھا تاکہ خواتین مردِ حق کی حق گوئی سے بطریقِ احسن فیضیاب ہو سکیں۔ لیکن یہ بات ڈاکٹر صاحب کے لئے بڑی مشکل کا باعث بن گئی۔ زیادہ زور سے بولنے سے نہ صرف امیر محترم کی آواز بیٹھ گئی بلکہ انہیں حرارت بھی ہو گئی۔ خطابِ جمعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دواؤں کا سہارا لیا اور اس طرح وہ شام کے درسِ قرآن کے لئے خود کو تیار کر پائے۔

آج خطابِ جمعہ میں ڈاکٹر صاحب نے فرزندانِ توحید کی خوابیدہ روح کو جس انداز میں بیدار کیا تھا اس کا اثر شام کے درسِ قرآن میں نمایاں طور پر نظر آیا اور کوئٹہ کی کثیر آبادی آج کے درسِ قرآن میں شامل ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے آج کے درسِ قرآن میں سورۃ الصف کے دوسرے رکوع کی روشنی میں مسلمانوں کو ان کی اقامتِ دین کے سلسلہ میں ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔

۲۲ اپریل کو نمازِ فجر کے بعد تنظیمِ اسلامی کوئٹہ کے امیر جناب محمد نعیم کی اقامت گاہ پر مقامی رفقاء کے ساتھ امیر محترم کی مختصر نشست ہوئی۔ نشست میں دو رفقاء نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے

نعیم صاحب کی اہلیہ محترمہ نے بھی بیعت کی اور یوں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ کوئٹہ کی خاتونِ اوّل بن گئیں جو صرف اور صرف اللہ کے لئے جینے اور مرنے کو ہر دم تیار ہیں۔

اس مختصر نشست کے بعد امیر محترم چمن کے معلوماتی دورے پر تشریف لے گئے راستہ خراب ہونے کے باوجود امیر محترم نے چمن کا دورہ کیا اور سالِ گذشتہ کی طرح امسال بھی امیر محترم نے اندرونِ بلوچستان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے بے انتہا مصروفیات کے باوجود وقت نکال لیا۔ واضح رہے کہ پچھلے سال امیر محترم نے قلات کا دورہ کیا تھا۔

چمن سے امیر محترم کی واپسی شام سے پہلے پہلے ہو گئی اور بعد نماز مغرب انہوں نے سورۃ الصف کے پہلے رکوع پر مبنی درس دیا۔ اس درس میں امیر محترم نے سابقہ امتوں کے اقامتِ دین کے فریضہ سے منہ موڑنے اور اس کے ضمن میں خدا کی طرف سے ان سے بے تعلقی کا ذکر کیا۔ اور ایک امت کی حیثیت سے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ دین اسلام کو تمام مذاہب پر غالب کرنے کے لئے ان ہی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ امیر محترم نے بیعت کے سلسلہ کی بھی تفصیلاً تشریح کی اور لوگوں کے سامنے تنظیم اسلامی کے مقاصد رکھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اقامتِ دین کے لئے کسی نہ کسی سے جڑ جانے کی تلقین بھی کی۔

۱۴ اپریل کو نمازِ فجر کے فوراً بعد امیر محترم نے حسب وعدہ جامع مسجد فیض محمد روڈ میں درس حدیث دیا۔ یہاں بھی حاضرین کی بھاری تعداد کے باعث مسجد نے اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگیٔ داماں کا اظہار کیا۔ امیر محترم نے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں شامل حضرت معاذؓ سے مروی حدیثِ رسولﷺ کا درس دیا جو ایک گھنٹہ جاری رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے جس دل نواز اور دل نشین انداز میں یہ درس دیا اس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ سب واقعات سامعین کی آنکھوں کے سامنے ہی وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔

درسِ حدیث کے فقط دو گھنٹے بعد ہی مجلسِ سوال و جواب کا انعقاد ہوا۔ جو کہ تین گھنٹے جاری رہی۔ اس مجلس میں حاضرین کی تعداد کم و بیش دو سو کے قریب تھی۔ امیر محترم نے نہایت فصاحت اور ذہانت کے ساتھ سائلین کے

سوالات کے جوابات دیئے اور ان کی تسلی و تشفی کی ممکنہ کوشش کی۔

اس مجلس کے فوراً بعد تنظیم اسلامی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے حضرات سے امیر محترم نے بیعت لی۔ اس سال امیر محترم کے دورہ کے اثرات جس سرعت کے ساتھ ظاہر ہوئے اس کے لئے ہم تمام رفقاء کوئٹہ سورۃ النصر کی روشنی میں خدائے بزرگ و برتر کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہوئے اس کی ذاتِ کریم کے مشکور و ممنون ہیں کہ بیک وقت ۲۴ داعیانِ حق نے مردِ حق کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی جانوں کا سودا اللہ سے جنت کے عوض کر لیا ہے۔ ۶ مزید ساتھیوں نے تنظیم میں شمولیت کا اختیار کر لی ہے مگر کسی وجہ سے امیر محترم کے دستِ شفقت پر بیعت نہ کر سکے۔ انہوں نے عہد نامے پُر کر دیئے ہیں اور موقع کے منتظر ہیں کہ امیر محترم کے ہاتھ پر جلد از جلد بیعت کریں۔

ڈاکٹر صاحب کی اس چار روزہ مساعیٔ شب و روز نے ہمیں ۳۰ مجاہد عطا کر دیئے ہیں اور حزب اللہ میں حزب الشیطان سے برسرِ پیکار ہونے کے لئے مزید سر بکفن سپاہ کا اضافہ ہوا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ!!

بیعت کی اس رُوح پرور تقریب کے بعد امیر محترم کی روانگی میں فقط ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ اور ان کا انتظار اس دعوتِ طعام میں بڑی بے چینی سے ہو رہا تھا جو ہمارے محترم رفیق منظور احمد صاحب کے چچا جناب چودھری بشیر احمد صاحب نے ترتیب دے رکھی تھی۔ اسی لئے فوراً ہی امیر محترم، چودھری محمد یوسف صاحب کے ہمراہ اس ظہرانے میں شرکت کے لئے طعام گاہ پہنچے اور پھر وہیں سے ڈاکٹر صاحب ریلوے اسٹیشن پر آ گئے۔ یہاں کوئٹہ ایکسپریس ان کی منتظر تھی۔ گاڑی ٹھیک دس منٹ کم تین بجے اس مردِ حق گو کو لے کر عازم لاہور ہوئی جس کی آوازِ حق نے کوئٹہ کے لاکھوں فرزندانِ توحید کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے اور وہ فریضۂ اقامتِ دین کی ادائیگی کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مردِ حق گو کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

ڈاکٹر صاحب کے دورۂ کوئٹہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہمارے رفیق محترم جناب بھائی منظور احمد صاحب، ان کے ضعیف مگر جذبۂ جوان کے حامل والد محترم اور ان کے بھائی خوشنود اور قاسم نے جس طرح تن من دھن قربان

کیا ہے وہ ہم سب کے لئے قابلِ تقلید ہے ۔ واقعتاً اگر ہم مقامی رفقاء کو ان حضرات کا یہ مجاہدانہ تعاون حاصل نہ ہوتا تو ہم امیر محترم کا دورۂ کوئٹہ شاید اس طرح کامیاب نہ بنا پاتے ۔ خدا اس خاندان پر اپنی نعمتوں کا نزول خاص فرمائے ۔ آمین ۔

مکتبہ کی اس سال کی سب سے بڑی کامیابی ماہ نامہ میثاق کی سالانہ خریداری میں اضافہ ہے ۔ تین روز کے مکتبہ میں ۶ افراد نقد زرِ تعاون سے خریدار بنے ۔ ۱۹ حضرات نے اپنے وی پی آرڈرز بک کرائے ۔ خدا تعالیٰ ان سب کو تنظیم کے مقاصد سے ہم آہنگی عطا فرمائے ۔ آمین !

اس ساری روئیداد کو سمیٹنے سے قبل اگر میں ان بے لوث اور مخلص معاونین کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اس دورہ کے دوران امیر محترم کی میزبانی کی تو یہ واقعی کم ظرفی ہو گی ۔ ان میں کوئٹہ کی سب سے ممتاز طبی شخصیت جناب حکیم زبیر صاحب، کوئٹہ کے ممتاز فوٹو گرافر جناب ممتاز حسین زیدی صاحب، کوئٹہ چھاؤنی کے خطیب جناب قاری یار محمد صاحب، مہمان نواز خاندان کے فرزندان چوہدری محمد بخش صاحب اور چوہدری بشیر احمد صاحب اور خطیب جامع مسجد طوبیٰ قاری سید افتخار احمد صاحب کاظمی شامل ہیں ۔

از: رحمت اللہ بٹ

رفتارِ کار

ڈیرہ غازی خان سے جامعہ اسلامیہ کی دعوت پر، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر خطاب کرنے کے لئے، امیر محترم ۱۱، اپریل کو ملتان تشریف لے گئے ۔ وہاں جناب کرنل ریٹائرڈ ڈاکٹر حافظ غلام حیدر ترین صاحب بھی امیر محترم کے ہمراہ ہو لئے۔ قبل دوپہر، بار روم میں، جہاں کافی تعداد میں وکلاء حضرات موجود تھے، پاکستان اور احیاء اسلام کے موضوع پر خطاب ہوا اور سوالات کے جوابات دیئے گئے۔

صبح سے شام تک بارش ہوتی رہی ۔ اس وجہ سے جامعہ اسلامیہ میں جلسہ نہ ہو سکا بلکہ شہر کی ایک جامع مسجد میں خطاب ہوا ۔ یہ عام تاثر دیا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب شیعہ سنی فساد کروانے آتے ہیں اور اس بارے میں سوالات بھی ہوئے ۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں وضاحت کی اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت صحابہ پر ۲½ گھنٹے خطاب کیا اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی پہلو کو واضح کیا۔

ڈیرہ غازی خان میں قیام ڈاکٹر ایم اصغر مسعود ایم بی بی ایس کے یہاں رہا، اور بہت سے شرفاء شہر سے ملاقات ہوئی ۔ مکتبہ بھی لگایا گیا لیکن کیسٹ نہ ہونے کی کمی بہت محسوس کی گئی

۱۲، اپریل کی صبح کو واپسی ہوئی ۔

تنظیم توحید والسنتہ ڈیرہ اسماعیل خان کی دعوت پر امیر محترم ۱۷، اپریل کی صبح کو ۸ بجے عازم سفر ہوتے راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ ملتان کے ہوائی اڈہ پر جناب حافظ غلام حیدر ترین صاحب منتظر تھے ۔ امیر محترم کی دعوت پر وہ بھی ڈیرہ اسماعیل خان چلنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ چنانچہ تقریباً ۱۲½ بجے جب جہاز ڈیرہ اسماعیل

خان پہنچا تو بارش ہو رہی تھی ۔ منتظمین کی طرف سے حاجی عبدالرشید صاحب ایک سوزوکی وین لائے ہوئے تھے ۔ چنانچہ فوراً ڈیرہ پہنچ گئے ۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام کیا اور بعد نماز عصر جناب مولانا عزیز محمدی کی دعوت پر امیر محترم ان کے ہاں قاضیاں والی مسجد میں تشریف لے گئے ۔ وہاں پر بہت سے معززین شہر موجود تھے جنہوں نے امیر محترم سے عظمتِ قرآن مجید کے بارے میں مختصر خطاب کے لئے فرمائش کی چنانچہ آپ نے دس منٹ خطاب کیا ۔ دعائے خیر کی گئی کہ اللہ تعالیٰ بارشوں سے نجات عطا کرے ۔

بعد از عشاء تقریباً ۱۰ بجے امیر محترم نے سورۂ آل عمران کی آیات نمبر ۱۰۴ ۱۰۲ کے حوالے سے سامعین کو فرائض دینی کو سمجھنے اور ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی اور تقریباً ۱½ گھنٹہ خطاب کیا ۔ موسم کے حالات کی مناسبت سے حاضری کافی تھی ۔ مکتبہ اور کیسٹ بھی لے جائے گئے تھے چنانچہ کافی لوگوں نے کتب اور کیسٹ خریدے ۔

۱۸ راپریل کی صبح کو بہت سے علماء اور شرفاءِ شہر نے ملاقات کی اور تنظیم اسلامی کے بارے میں سوالات کئے ۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا تھا کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہیئتِ اجتماعی کے لئے یا تو جماعت اور امۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے یا حزب اللہ کا اور یہ جمعیت کا نام صحیح نہیں ہے ، اس لئے یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ نے اپنی جماعت کا نام تنظیم اسلامی کیوں رکھا ہوا ہے ؟ ۔ امیر محترم نے جواب میں فرمایا کہ یہ معاملہ میں نے پہلے ہی شوریٰ کے اجلاس میں پیش کر دیا ہے اور انشاء اللہ ہم وہی نام اختیار کر لیں گے جو قرآن و سنت میں ہوگا ۔ ملاقات کرنے والوں میں میانوالی اور واہ کینٹ سے بہت سے علماء تشریف لائے ہوئے تھے ۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے دو معزز حضرات نے تنظیم کے طریق کار اس

میں شمولیت اور اس کے مقاصد کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی اور امید ہے کہ وہ عنقریب تنظیم میں شمولیت بھی اختیار کر لیں گے ــــ ان میں ایک جناب عبدالرحمٰن بیتاب صاحب پبلسٹی آفیسر محکمہ پریس انفارمیشن ڈیرہ اسماعیل خان ہیں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے کتابچوں کا پشتو ترجمہ کرنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ دوسرے حاجی محمد یونس صاحب ہیں جو خاکسار تنظیم سے وابستہ ہیں اور ہمارے دیرینہ ساتھی جناب محمد صادق بھٹی کے بڑے بھائی ہیں۔ وہ اپنا کلینک چلا رہے ہیں۔ انہوں نے تنظیم کے بارے میں لٹریچر بھی حاصل کیا تاکہ اچھی طرح کام کو سمجھا جا سکے۔

قیام کا انتظام جناب خالد صاحب کے یہاں تھا جو ہوائی اڈہ تک الوداع کے لئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئے۔

واپسی براستہ پشاور، اسلام آباد ہوئی اور شام ½۵ بجے واپس لاہور بخیر و عافیت پہنچ گئے۔

فیصل آباد جامع مسجد محمدی اہل حدیث رضا آباد کی دعوت پر امیر محترم ۱۹ اپریل کو فیصل آباد تشریف لے گئے۔ موسم چونکہ خوشگوار تھا۔ اس لئے لوگوں کی حاضری دیدنی تھی۔ بعد نماز عشاء خطاب شروع ہوا۔ جس میں امیر محترم نے سورۂ حج کے آخری رکوع کا درس دیا۔ ۲ گھنٹے کے خطاب کے بعد امیر محترم نے خطاب کے بارے میں سوالات کی دعوت دی چنانچہ تقریباً ۲۰ منٹ تک سوال و جواب کی نشست رہی ــ اس موقع پر لٹریچر اور کیسٹ بھی کافی تعداد میں لوگوں نے خریدے۔ بعد ازاں تقریباً ایک بجے رات کو لاہور روانگی ہوئی کیونکہ صبح کو امیر محترم نے اوکاڑہ اور بعد میں کوئٹہ روانہ ہونا تھا۔

سکندر آباد (ضلع میانوالی) جناب ڈاکٹر احمد حسن ہاشمی انچارج ڈسپنسری نہر کالونی اسکندر آباد ضلع میانوالی نے سالانہ اجتماع کے موقع پر یہ تجویز پیش کی تھی کہ منفرد رفقاء

کے ہاں بھی دعوتی پروگرام ہونے چاہئیں - چنانچہ انکی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے راقم الحروف جمعرات کو ان کے ہاں گیا جمعہ کی صبح کو مختلف حضرات سے ملاقات کی گئی اور خطبۂ جمعہ نہر کالونی کی مسجد میں ہوا - بعد میں کالونی کے کچھ حضرات سے دینی فرائض پر گفتگو ہوئی —— ڈاکٹر احمد حسن ہاشمی صاحب کو کچھ لٹریچر اور کیسٹ مہیا کئے گئے تاکہ وہ ان کے ذریعے دعوت کو پھیلائیں - بعد نماز عصر راقم الحروف لاہور کے لئے روانہ ہوا اور صبح چار بجے لاہور پہونچ گیا -

سیالکوٹ جمعیت اہلحدیث سیالکوٹ کے تین روزہ سالانہ اجتماع کے موقع پر شبان اہلحدیث کی دعوت پر امیر محترم ۳۰ر اپریل کو سیالکوٹ تشریف لے گئے - راقم الحروف بھی ساتھ تھا - خطاب سے قبل بہت سے علماء جمعیت اہلحدیث سے ملاقات ہوئی اور پھر اہالیان سیالکوٹ سے سوال و جواب کی محفل بھی جمی رہی - گیارہ بجے رات ایک پر ہجوم اجتماع سے امیر محترم نے توحید باری تعالیٰ کے علمی اور عملی پہلو پر روشنی ڈالی اور خاص کر توحید فی العبادت کی مفصل تشریح کی - ایک گھنٹے کے خطاب کے فوراً بعد لاہور واپسی ہوگئی کیونکہ یکم مئی کو لاہور کی تنظیموں کا ایک روزہ تربیتی اجتماع ہو رہا تھا اور امیر محترم کو اس میں خطاب فرمانا تھا — رفیق محترم محمد اشرف صاحب مکتبہ بھی لے گئے تھے اس طرح سے تنظیم کی دعوت بذریعہ لٹریچر بھی سیالکوٹ میں روشناس ہوئی

امیر محترم ۲۰ اپریل ۸۲ء کو بذریعہ کار اوکاڑہ تشریف لے گئے جہاں گورنمنٹ کالج میں طلبہ کو "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب فرمایا اور وہیں سے بذریعہ ٹرین کوئٹہ تشریف لے گئے - جس کی روداد علیحدہ شائع جا رہی ہے - مئی کے پہلے عشرہ کی روداد ان شاء اللہ آئندہ ماہ پیش کی جائے گی - ۹ر مئی کی شب کو کراچی سے امیر محترم شمالی امریکہ کے دورے پر تشریف لے گئے ہیں -

ادارہ

تبصرہ کتب

(۱)

نام کتاب :- ظفر علی خان اور ان کا عہد

مولف :- عنایت اللہ نسیم سوہدروی

ناشر :- اسلامی پبلشنگ ہاؤس ۲- شیش محل روڈ لاہور۔

سائز :- ۲۰×۳۰/۸ آفسٹ کاغذ۔ صفحات ۵۰۰ مجلد۔

قیمت درج نہیں۔

اسلامی تقویم کے لحاظ سے چودھویں صدی اور عیسوی تقویم کے اعتبار سے بیسویں صدی (جن میں بیس سال کا فصل ہے) اسلامیانِ عالم کے لیے تاریخ کے نہایت عجیب نقشوں اور پہلوؤں سے مملو نظر آتی ہے۔ اس عرصہ میں جہاں ایک طرف عالم اسلام اپنے زوال و انحطاط کے لحاظ سے انتہا کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔ وہاں دوسری طرف اسی دور میں مختلف ممالک میں مغربی استیلا کے خلاف حریت اور استخلاص وطن کی متعدد تحریکوں کے پہلو بہ پہلو تجدید دین اور احیاءِ اسلام کی منظم مساعی کے لیے تحریکیں بھی برپا ہوتی نظر آتی ہیں۔ ان دونوں اقسام کی قیادت میں بے شمار نابغہ روزگار شخصیتیں اپنے پورے قد اور کاٹھ کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہیں۔ اور یہ معاملہ ہر شعبۂ زندگی میں نقطۂ عروج پر نظر آتا ہے۔ انہیں نابغہ روزگار شخصیتوں میں سے ایک شخصیت مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ مولانا مرحوم نے علی گڑھ یونیورسٹی سے جدید تعلیم حاصل کی تھی لیکن انھوں نے مادہ پرستانہ نظامِ تعلیم سے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور اللہ تعالٰے کے فضل خاص سے فکر و نظر کے اعتبار سے وہ سچے مومن و مسلم تھے۔ اللہ تعالٰے نے ان پر یہ کرم بھی کیا تھا کہ وہ بیک وقت شعلہ بیان خطیب ادیب اور صنفِ سخن میں ایک نئی طرح کے موجد بھی تھے۔ ان کو سنگلاخ زمین اور حالاتِ حاضرہ پر فی البدیہہ نظمیں کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اس میدان میں ان کا کوئی مدِمقابل مشکل ہی سے نظر آئے گا۔ ساتھ ہی اللہ تعالٰے نے ان کو یہ ملکہ بھی ودیعت فرمایا تھا کہ وہ قرآن مجید کی آیات کی نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں

ترجمانی کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں اس وقت تین اشعار ذہن میں آرہے ہیں، جو پیش ہیں۔ مولانا مرحوم کا یہ بڑا مشہور شعر ہے جو روزنامہ زمیندار کی لوح پر مندرج ہوتا تھا کہ :-

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ دراصل سورہ صف کی اس آیت کی ترجمانی ہے کہ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ٥

مولانا مرحوم کا دوسرا مشہور شعر ہے :-

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی — نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ شعر سورہ الرعد کی اس آیت کی ترجمانی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

مولانا کا فارسی کا ایک شعر بھی سُن لیجیے جس میں سورہ آل عمران کی اس آیت کی ترجمانی کی گئی ہے:-

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

مولانا نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے :-

حدیثِ انتم الاعلون از یادم نخواہد رفت — محال است ایں مغلوب مستخیر الوریٰ باشد

مولانا مرحوم کا حد درجہ سادہ لیکن انتہائی جامع اور حقیقت نفس الامری کے اظہار کے ضمن میں یہ بہت مشہور شعر ہے کہ :-

ایمان وہ جنس نہیں لے آئیں جسے دوکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے یہ ملے گا عاقل کو قرآن کے سیپاروں میں

مولانا مرحوم کا نعت گوئی میں بھی منفرد مقام تھا۔ وہ چونکہ سلفی المسلک تھے لہٰذا مولانا مرحوم نے نعتوں میں نبی اکرمؐ کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے حدود سے کہیں تجاوز نہیں کیا اور رطب و یابس سے اجتناب کا پورا اہتمام کیا۔

مولانا مرحوم کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ مصلحت کوش نہیں تھے ان کے لیے اصل کسوٹی دین مبین اور ان کا ضمیر تھا جس کے پیش نظر وہ پوری جرأت کے ساتھ اپنے سابقہ موقف سے علی الاعلان رجوع کر لیا کرتے تھے اور اس ضمن میں

کسی لومت لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کے اس وصف کو اکثر لوگوں نے نہیں سمجھا لہٰذا بہت سے اپنے بھی مولانا کی صحیح قدر و قیمت اور ان کے مقام بلند کا ادراک نہ کر سکے جس کے باعث انہوں نے مولانا کو طنز اور استہزاء اور دل آزار تنقیدوں کا ہدف بنایا۔ مخالفین کا تو کہنا ہی کیا۔!

مولانا مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنے عہد کی ایک چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ جناب عنایت اللہ نسیم انتہائی مبارکباد اور تہنیت کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس بطلِ حریت اور مجاہدِ ملت کی ایک جامع سوانح حیات مرتب کی جس میں امنی قریب کے اہم واقعات آگئے ہیں اور ساتھ ہی جس میں ہمارے موجودہ دور کے سیاست دانوں، دانشوروں، صحافیوں، حتیٰ کہ رجالِ دین کے لیے بھی بہت بڑا سبق اور عملی راہنمائی موجود ہے۔ ہماری رائے میں ان تمام طبقات بالخصوص اس دور کے صحافیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مولانا مرحوم کی سوانح کا معروضی اور بالاستیعاب مطالعہ کریں تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ معیاری اور تعمیری صحافت کس چیز کو کہتے ہیں۔!

زیرِ نظر کتاب ترتیب و تسوید، کتابت و طباعت اور کاغذ کے اعتبارات سے بھی صحت مند اور معیاری و تعمیری ادب میں ایک بے بہا اضافہ ہے۔ الغرض یہ کتاب صوری و معنوی دونوں لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر صاحب ذوق اس کا مطالعہ کرے اور اس کو اپنی لائبریری کی زینت بنائے۔ ہم اس کتاب کی اشاعت پر مؤلف اور ناشر دونوں کی خدمت میں خراجِ تحسین و ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہیں۔

(۲)

نام کتاب :- مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ، کفر کے اندھیروں سے نورِ اسلام تک

مولف :- غازی احمد (سابق کرشن لعل) ایم اے (اسلامیات و عربی) ایم او- ایل- بی- ایڈ- فاضل عربی- فاضل فارسی و فاضل درسِ نظامی

ناشر :- صدیقی ٹرسٹ (رجسٹرڈ) النسیم پلازہ لسبیلہ چوک کراچی نمبر ۵۔

سائز :- ۱۸×۲۳/۸ آفسٹ کاغذ- صفحات ۱۵۲-

قیمت :- ۱۵ روپے-

علامہ اقبال مرحوم کا مشہور شعر ہے کہ ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانوں سے
کعبہ کو مل گئے پاسباں، صنم خانوں سے!

علامہ کے اس شعر کی عملی تفسیر ہر دور اور ہر زمانہ میں نظر آتی ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے ہر سلیم الفطرت انسان اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس کی دعوت پر لبیک بھی کہتا ہے۔ یہ تو درحقیقت ہماری اپنی بدنصیبی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں دعوت و تبلیغ دین کا جو فرض اس ارشاد مبارکہ کے مطابق امت مرحومہ کی طرف منتقل فرمایا تھا کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" ہم اس فرض سے غافل ہو گئے۔ اگر ہم اس فرض کو بحیثیت امت انجام دینے کے لیے اپنی توانائیاں اور قوتیں صرف کرتے تو واقعہ یہ ہے کہ کرۂ زمین پورا نہیں تو اس کا عظیم حصہ نورِ توحید سے منور اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوتا۔ الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔" ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارکہ کی عملی تفسیر دیکھنی ہو تو تاریخ کے اوراق کو پلٹیے آپ کو نظر آئے گا کہ ایک طرف قرنِ اولیٰ میں عراق و شام۔ فلسطین۔ ایران۔ اور برِاعظم افریقہ کے پورے مغربی ساحل تک اور دوسری طرف ماوراالنہر بخارا، سمرقند، تاشقند، کاشغر اور پھر برصغیر کے مکران و قلات تک اسلام جنگل کی آگ کی طرح پھیلا۔ جس نے لوگوں کے عقائد ہی نہیں ان کے پورے زاویہ نظر اور زندگی کی روش و رویّہ میں ایک صالح انقلاب برپا کر دیا۔ جب سلاطین و ملوک کا دور شروع ہوا تو صوفیاء کرام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے کفر و شرک کے اندھیاروں میں نورِ ایمان کی شمع فروزاں کی۔ صنم کدہ ہند میں صرف حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر لاکھوں افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آج بھی کتابوں میں اسلام وہی اسلام ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

عطا ہوا تھا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام ۔ فرق یہ واقعہ ہوا ہے کہ اِلّا ماشاء اللہ ہمارا اسلام کا اقرار زبانی کلامی ہے۔ ہمیں کامل اسلام نہ لوگوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے اِلّا ما شاء اللہ۔ اور نہ ہی اپنی مکمل صورت میں کسی مسلم ملک میں بحیثیتِ مجموعی ایک مکمل نظامِ حیات کی صورت میں قائم و نافذ نظر آتا ہے۔ البتہ گنتی کے دو تین ممالک ایسے ضرور موجود ہیں جہاں شریعت کی حدود و تعزیرات جاری ہیں، لیکن ان کی معیشت اور ان کی پوری معاشرت پر اسلام کی حکمرانی نظر نہیں آتی۔

اس دور میں بھی سعید روحیں حق کی تلاش میں سرگرداں ہیں، ان میں وہ خوش بخت بھی ہیں جن کی صراطِ المستقیم کی طرف رہنمائی ہوجاتی ہے اور ان کا فکر و شعور اور ان کی بصارت و بصیرت حقیقتِ کبریٰ کا ادراک کر لیتی ہے اور شرک و الحاد کے ظلمات سے نورِ توحید اور نورِ اسلام تک ان کی رسائی ہوجاتی ہے۔ انہی خوش نصیب لوگوں میں نومسلم غازی احمد (سابق کرشن لال) بھی ہیں۔ انہوں نے قبولِ اسلام کی اپنی داستان نہایت دل گداز اور مؤثر اسلوب نگارش سے قلمبند کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ راقم نے جب اس کتاب کو پڑھا تو جذبات میں عظیم ارتعاش پیدا ہوا اور کئی بار آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں ہوا۔ اس کتاب کے محاسن بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔ البتہ کتاب کا ایک طویل اقتباس نقل کیا جا رہا ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نومسلم نے اسلام کو اس حد تک سمجھا ہے کہ جس حد تک بہت سے مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو بھی شاید ہی رسائی حاصل ہوئی ہو۔ اقتباس حسبِ ذیل ہے :۔

> "اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز توحید باری تعالےٰ ہے۔ اس وقت دنیا کے دیگر تمام مذاہب تصورِ توحید سے محروم ہیں۔ کہیں تو اصنام پرستی کو دھرم کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے کہیں تثلیث کی حکمرانی ہے کہیں ثنویت کا نظریہ کارفرما ہے۔ بلکہ روئے زمین کے اکثر حصے پر شرک و کفر کا غلبہ ہے۔ تمام انبیاء کرام سلام اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی امتوں کو توحید ربانی کا درس دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ

رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝
(الانبیاء ۲۵) یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول مبعوث کیے گئے ان سب کو بذریعہ وحی یہی پیغام دیا گیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو۔ ہر نبی اور رسول نے اپنی امت کو لا الٰہ الا اللہ کا بنیادی پیغام پہنچایا۔ خدائے وحدہٗ کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی مگر پیغمبر کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی امت کے افراد تعلیم ربانی کو مسخ کر دیتے۔ ہوائے نفسانی کی اتباع میں شرک و کفر کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگے۔ چنانچہ آج کوئی مذہب بھی سوائے اسلام کے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ منزل من اللہ کتاب ہمارے پاس صحیح و محفوظ صورت میں موجود ہے۔ تورات ہو یا انجیل، زبور ہو یا دیگر صحائف۔ تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ نے تو تورات و انجیل کا حلیہ بگاڑ دیا۔ یہ شرف صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ صرف قرآن کریم ہی اصلی و صحیح صورت میں موجود ہی نہیں ہے بلکہ سیّد دو عالم کے ارشادات اعمال اور احوال کا ریکارڈ بھی حدیث نبوی کی صورت میں صحیح و سالم اور محفوظ طور پر موجود ہے ۔۔۔ غیر مسلم اسکالر بھی اس بات کے شاہد ہیں۔ پروفیسر نکلسن لٹریری ہسٹری آف عریبیا میں رقمطراز ہیں کہ یہ فخر صرف امت محمدیہ کے افراد کو حاصل ہے جو کلام الٰہی کے علاوہ اپنے پیغمبر کے ارشادات بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آنے دیا۔ ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ توحید ربانی کا علمبردار اب صرف اسلام ہی ہے۔ اس توحید کی بنیاد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر استوار ہوتی ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہیں۔ وہی ذات خالق کائنات اور رب العٰلمین ہے۔ مخلوق میں کوئی شخص نبی ہو یا رسول۔ اوتار ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا فقیر، حاکم ہو یا محکوم، جاندار ہو یا بے جان اس کی ذات و صفات میں شرکت نہیں رکھتے وہی ہمارا پیدا کرنے والا ہماری مشکلات و مصائب کا ازالہ کرنے والا، ہماری حاجت روائی کرنے والا، ہمارے کمال و زوال کا مالک اور متصرف

نی الامور ہے۔ وہی علیم وخبیر رازدانِ ظاہر و باطن دانائے غیوب اور حاضر و ناظر ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ (آل عمران ۵)

وہی کائنات کی تمام حقیقتوں کو جاننے والا ہے وہی ذات اس قابل ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے اسی کی بارگاہ میں اپنے سرِ نگوں کیا جائے اسی کے نام کی نذر و نیاز دی جائے اسی کے نام پر چڑھاوے چڑھائے جائیں اسی کی رضا کے لیے اسی کے مقدس نام پر صدقہ و خیرات دی جائے۔ دنیا کی تمام مخلوق انسان ہوں یا جن، ملائکہ ہوں یا دیگر مخلوق نبی ہوں یا رسول، صحابہ ہوں یا اولیا، شاہ ہوں یا گدا، حاکم ہوں یا رعایا، سب اسی کے محتاج اور غلام ہیں۔ سورہ اخلاص میں جسے ثلث القرآن کا نام دیا جاتا ہے توحید باری کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۃ الاخلاص)

"کہہ دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے"

صدیقی ٹرسٹ نے تبلیغی دعوتی اور اصلاحی لٹریچر کی اشاعت کے سلسلے میں بے بہا اور بیش قیمت خدمات انجام دی ہیں اور مسلسل دے رہا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب ٹرسٹ کی ان کتب میں سے ہے جن پر اس کو کتنا ہی خراجِ تحسین اور ہدیہ تہنیت پیش کیا جائے لیکن بات یہی کہنی پڑے گی کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

ہم قارئین میثاق سے بالعموم اور ایسے تمام حضرات سے جو دعوت و تبلیغ دین کے کسی نہ کسی نوع کے کام میں لگے ہوئے ہیں بالخصوص اس کتاب کے مطالعے کی پرزور اپیل کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کا مطالعہ ایمان و بصیرت میں اضافے کا باعث ہوگا ـــــ دعا ہے کہ اللہ تعالٰے غازی احمد صاحب کو استقامت عطا فرمائے ان کو آخرت میں غازی ہی کا رتبہ، مرتبہ اور مقام عنایت فرمائے اور کارکنانِ صدیقی ٹرسٹ کی ان دینی مساعی کو قبول فرما کر آخرت میں ماجور و مشکور فرمائے۔ آمین۔

THE ORIGINAL

Regd L No 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol. 32 | JUNE 1983 | No 6

ماہنامہ

میثاق

لاہور

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مقام اشاعت :- ۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رلیفریجریٹرز ، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو

SANYO

خریدیئے

نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار اسمبل کئے جاتے ہیں
۱۰ مختلف سائزیں ۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی
تالے کے ساتھ ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش ۔
بازار جانے کی کم زحمت ۔ مکمل کارکردگی ۔ آزمودہ ریفریجریٹرز
بڑے قدوقامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈرز سے لیکر
مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈرز تک دستیاب

بے آواز

رُوم ایئرکنڈیشنرز

گرمیوں میں سرد ، سردیوں میں گرم ہوا
گنجائش ۔ ٹن (۱۰ ۔ بی ٹی یو ایچ)
پاکستان میں تیار اسمبل کردہ
ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ
بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈفلیکٹر سے آراستہ
براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی جالی ۔

اِسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

نیا روٹری کمپریسر آواز ، ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے ۔
دیوار پر نصب کیا جانیوالا ڈیزائن کمرے میں قابل استعمال جگہ بڑھاتا ہے
۲۴ گھنٹے کا وقتی سوئچ ۔
آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے
۳ اسپیڈ فین آپریشن سائیڈ

دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل
ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۔۔۔۱۵ تا ۔۔۳۵۷ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں :

متذکرہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعداز فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اُٹھا سکے ۔

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر ۔ گارڈن روڈ ۔ صدر کراچی
فون : ۷۲۳۶۴ ۔ ۷۴۷۶۹ ۔ ۷۳۷۰۰
پاکستان کیبل " WORLDBEST' ٹیلکس 25109 WWTCO PK

786 WW-67 82

ماہنامہ ، لاہور

میثاق

جلد : ۳۲ | شمارہ : ۷ | رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ مطابق جولائی ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ ۔ شاہراہ لیاقت ۔
کراچی ۔ فون برائے رابطہ ۲۱۶۷۰۹

مشمولات

مرکزی مجلس مشاورت کا انتخاب

برائے سال ۸۴-۱۹۸۳ء

امیر تنظیم اسلامی کے ارشاد مندرجہ تنظیمی سرکلر نمبر ا مورخہ ۹ مئی ۱۹۸۳ء کے مطابق مرکزی مجلس مشاورت برائے سال ۸۴-۱۹۸۳ء کیلئے جو انتخاب کرایا گیا تھا، اسکے نتیجے کے طور پر مندرجہ ذیل رفقاء منتخب ہوئے ہیں۔

حلقہ نمبر ۱	جناب اقبال حسین صاحب	حلقہ نمبر ۹	جناب عبدالواحد ناظم صاحب
حلقہ نمبر ۲	ڈاکٹر وقار احمد صاحب	حلقہ نمبر ۱۰	جناب واحد علی رضوی صاحب
حلقہ نمبر ۳	جناب محمد حنیف ورک صاحب	حلقہ نمبر ۱۱	میاں محمد نعیم صاحب
حلقہ نمبر ۴	چوہدری عباس علی صاحب	حلقہ نمبر ۱۲	عبدالواحد خاں صاحب
حلقہ نمبر ۵	جناب اقتدار احمد صاحب	حلقہ نمبر ۱۳	جناب صلاح الدین صاحب
حلقہ نمبر ۶	ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب	حلقہ نمبر ۱۴	جناب سید محمد آزاد صاحب
حلقہ نمبر ۷	قاضی عبدالقادر صاحب	حلقہ نمبر ۱۵	جناب عبدالصمد شیروانی صاحب
حلقہ نمبر ۸	ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب	حلقہ نمبر ۱۶	جناب احسان الحق صاحب

حلقہ نمبر ۱۷ ڈاکٹر حافظ غلام حیدر تزین صاحب

امیر محترم نے مندرجہ ذیل رفقاء کو مرکزی مجلس مشاورت کی رکنیت کیلئے نامزد کیا ہے۔

۱	شیخ جمیل الرحمٰن صاحب	۶	چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب
۲	محمد بشیر ملک صاحب	۷	جناب عبدالرزاق صاحب
۳	پروفیسر اختر الحسن بھٹی صاحب	۸	جناب شمس الحق اعوان صاحب
۴	جناب الطاف حسین صاحب	۹	چوہدری غلام محمد صاحب
۵	ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب	۱۰	جناب قمر سعید قریشی صاحب

۱۱ جناب عبدالخالق صاحب چاندنہ

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق جولائی ۸۳ء کا شمارہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ یہ شمارہ اس حال میں مرتب کیا گیا ہے کہ ایک طرف خلافِ معمول تقریباً پورا ملک شدید ترین گرمی کی زد میں ہے اور دوسری طرف ماہِ رمضان المبارک کے روزے ہیں۔ موسم گرما کے روزے واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک کڑی آزمائش ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو جو شہر الصبر اور اس صبر کا ثواب جنّت قرار دیا ہے، ھو شھر الصّبر و الصّبرُ ثوابہ الجنّۃ۔ تو اس کی حکمت اور رمز سے وہی خوش نصیب لوگ آشنا ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ ایمان و احتساب کے ساتھ اس تمازت اور حبس کے موسم میں روزے رکھنے کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔

اس ماہ کا شمارہ بڑی افراتفری میں مرتب کیا گیا ہے۔ خوشنویس صاحبان مضمحل رہے، راقم الحروف اس دوران کراچی میں مقیم رہا اور تاحال مقیم ہے۔ میرے رفیق کار میاں حافظ عاکف سعید سلمہٗ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی کے ساتھ ۹ مئی ۸۳ء کو شمالی امریکہ کے دورے پر گئے ہوئے تھے جہاں سے ۲ جون ۸۳ء کو ان کی لاہور مراجعت ہوئی۔ چونکہ ان کو "جامع قرآن" قرآن اکیڈمی میں تراویح میں قرآن مجید سنانا تھا لہٰذا وہ اس کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ لہٰذا پرچے کی تیاری کے لیے جو توجہ اور وقت دیا جانا چاہیئے تھا، اس کا حق ادا نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع کی روداد کی تیسری قسط اس شمارے کے لیے تیار نہ ہو سکی۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب موصوف کے ولولہ اور فکر انگیز خطاب "اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی تصور" بھی پورا

کیسٹ سے منتقل نہ کیا جا سکا اور اس ماہ کے لیے اس خطاب کی تمہید کی اشاعت پر اکتفا کرنا پڑا۔ البتہ اس شمارے میں ایک قیمتی مضمون "اظہارِ حق" : قادیانیت و مرزائیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں" کی پہلی قسط ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہے۔ مضمون کے مؤلف حافظ نصیر احمد غزنوی پٹیالوی (حال مقیم کراچی) ہیں۔ موصوف نے یہ کمال کیا ہے کہ پورا مضمون آنجہانی غلام احمد قادیانی کے لٹریچر کے اقتباسات سے مرتب کیا ہے۔ اپنی جانب سے بطور تنقید یا تبصرہ انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جو بدنصیب لوگ قادیانیت کے دجل و فریب میں مبتلا ہیں، اور ان پر قرآن حکیم کے یہ الفاظ بالکل صادق آتے ہیں کہ: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۔۔ آنجہانی مرزا کے لٹریچر کے ان اقتباسات کے مطالعے سے ہر ذی العقل اور سلیم الفطرت انسان اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ نبی تو کجا ایک مردِ معقول کے بجائے ایک فاترالعقل انسان تھا ۔۔ میثاق میں اس مضمون کی اقساط تکمیل اشاعت کے بعد اس کو ان شاء اللہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ تاکہ ردِّ قادیانیت کے لیے اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

محترم ڈاکٹر صاحب شمالی امریکہ کے دعوتی دورے سے ۶ جون ۸۲ء کو اسلام آباد واپس پہنچے اور اپنے ماہانہ معمول کے مطابق اسلام آباد و راولپنڈی میں درس دیا اور وہاں سے ۷ رجون کو موصوف کی لاہور مراجعت ہوئی۔ یہاں آ کر ۱۱ رجون کے جمعہ سے مسجد دارالسلام میں خطاباتِ جمعہ کی تجدید کا آغاز کیا ۔۔۔ پھر رمضان المبارک میں قرآن اکیڈمی میں تو گویا بہار آ گئی ۔۔ ۲۱ رجون کو اس ماہ مبارک کے چاند کے بعد جامع قرآن میں تراویح کا سلسلہ شروع ہو گیا اور الحمد للہ کہ نماز تراویح کے ساتھ ساتھ بیان القرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ ہر چار رکعت سے قبل جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پڑھی جانے والی آیات کے مضامین کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں۔ اس پروگرام میں شرکت

کے لیے شہر سے بھی کافی حضرات ذوق و شوق سے تشریف لارہے ہیں حسبِ سابق اس مرتبہ بھی خیال ہے کہ آخری عشرے میں ایک قرآن مزید ختم کیا جائے۔ صورت اس کی یہ ہوگی کہ ۲۰ / رمضان تک نمازِ تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مکمل کرلیا جائے گا اور پھر آخری عشرے میں روزانہ تین یا تین سے کچھ زائد پارے پڑھ کر ۲۹ ویں شب کو دوسری مرتبہ نمازِ تراویح میں تلاوتِ قرآن پاک کی تکمیل ہوجائے گی۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اس پروگرام کو باعثِ خیر و برکت بنائے۔ آمین۔

(پانچویں نشست)

الھدیٰ

حقیقتِ برّ و تقویٰ

آیۂ برّ (سورہ البقرہ: ۱۷۷) کی روشنی میں
پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۲)

السلام علیکم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم حاضرین اور معزز ناظرین! ہم نے برّ یعنی نیکی اور تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا کی حقیقت کو سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷ کی روشنی میں سمجھنے کے لئے جس کو میں "آیتِ برّ" سے موسوم کرتا ہوں چند ابتدائی اور تمہیدی باتوں پر غور کیا تھا ۔ اس آیۂ مبارکہ پر مزید غور و تدبّر سے قبل میں چاہوں گا کہ ہم ایک بار پھر اس آیت کی تلاوت اور اس کا سلیس و رواں ترجمہ بھی کر لیں ۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ
فِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

اس کا سلیس اور رواں ترجمہ یہ ہے:

"نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر۔ اور دیا اُس نے مال اسکی محبت کے باوجود رشتے داروں کو، یتیموں کو محتاجوں کو مسافر کو، مانگنے والوں کو اور گلو خلاصی میں۔ اور قائم کی اُس نے نماز اور ادا کی اُس نے زکواۃ ۔۔۔ اور اپنے عہد کو پورا کرنیوالے جب باہم کوئی معاہدہ کرلیں ۔۔۔ اور بالخصوص صبر کرنیوالے فقر و فاقہ پر اور تکالیف اور مصائب میں اور جنگ کے میدان میں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقتاً سچے اور راست گفتار ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو واقعۃً متقی ہیں"

اس آیۂ مبارکہ میں جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے نیکی کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اُس کے سطحی اور محدود تصوّر کی نفی سے بات شروع ہوئی اور پھر نیکی کا جامع اور مکمل تصوّر بیان کردیا گیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ کسی صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بِرّ (نیکی) کا مفہوم دریافت کیا تو آں حضورؐ نے سورہ بقرہ کی اسی آیت کی تلاوت فرمادی۔ اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ اسلوب وہی ہے جو ہمارے کلمہ طیبہ میں ہے۔ نفی سے آغازِ کلام ہو کر پھر اثبات کی طرف لے جاتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ یہاں فرمایا۔ لَيْسَ الْبِرَّ نفی کے انداز میں

گفتگو شروع فرمائی - پھر اثبات و لکن البر سے شروع کر کے ھم المتقون۔ تک بیان فرما دیا۔

اب لفظِ برّ پر غور کیجئے جس کے معنی ہم نے نیکی کئے ہیں - لیکن اس لفظ کی اصل رُوح کیا ہے؟ نیکی سے اُسکی مناسبت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے - اس کے حروفِ اصلیہ ہیں - با - را - را جن کو اُردو میں عام فہم انداز میں ہم کہیں گے - ب - ر - ر - اسی سے لفظِ برّ بنا ہے اور بَرّ بھی - برّ و بحر - اُردو میں عام طور پر مستعمل ہے - برّ اور بَرّ ان دونوں میں جو قدر مشترک ہے اُس کو سمجھ لیجئے - انسان جب سمندر میں ہوتا ہے - ہچکولے لگتے ہیں - ہر انسان کو ایک تشویش لاحق رہتی ہے - اُسے وہ اطمینان اور سکون حاصل نہیں ہوتا جو کہ خشکی پر ہوتا ہے - ساحل پر انسان اترتا ہے تو جیسے ہی خشکی "بَرّ" پر اُس کے پاؤں لگتے ہیں، ایک اطمینان اور ایک سکون کی کیفیت اُسے از خود حاصل ہو جاتی ہے - یہی اطمینان اور سکون اسی لفظ کی اصل جان ہے - انسان کے وہ اعمال جو اُسے قلبی سکون عطا کرنے والے ہیں جیسے کہ میں نے پچھلی مرتبہ عرض کیا تھا جو ضمیر کی خلش کو مٹانے والے ہیں جو تسکین بخش ہیں - یہی کام ہیں کہ جن کو ہم نیکی کے کام سے منسوب کرتے ہیں - یہی بِرّ کے کام ہیں - انگریزی کی ایک نظم میں یہ CONCEPT بہت عمدگی سے آیا ہے - CHARITY کے عنوان سے ایک نظم ہے

CHARITY THAT SOOTH, AND HEAL AND BLESS

AND SCATTERED OVER THE FEET OF MAN LIKE

FLOWERS CHARITIES THAT SOOTH AND HEAL

AND BLESS

اس نیکی میں، اس خیر میں، اس بھلائی میں اس خدمتِ خلق میں

ایک عجیب تسکین بخش کیفیت ہے - بالکل ایسے جیسے کہ کسی زخم پر مرہم کا پھاہا رکھ دیا جائے - اسی طرح یہ اعمال انسان کو سکون قلب اور تسکین باطنی عطا کرتے ہیں -

دوسری بات اس آیہ مبارکہ میں تدبر سے متعلق ہے لہذا ہم آگے بڑھ رہے ہیں - تدبر کے ضمن میں پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ نیکی کی بحث میں سب سے پہلے ذکر ایمان کا ہو رہا ہے - بظاہر یہ بات ہمارے عام تصورات کے اعتبار سے کچھ ان مل بے جوڑ سی معلوم ہوتی ہے - اس لئے کہ نیکی کا تعلق تو ہم عمل سے سمجھتے ہیں - یہ ایمان کی بحث یہاں کیسے آگئی! اور پھر یہ کہ مختلف ایمانیات کا بھی ذکر موجود ہے جن کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے - ان میں سے ہر ایک کا نیکی کی بحث سے کیا تعلق معنوی ہے - ہماری آج کی گفتگو کا اصل موضوع یہی ہے - آپ کو معلوم ہے کہ فلسفہ اخلاق میں یہ ایک مستقل موضوع ہے - اس فلسفہ اخلاق میں دو سوالات بنیادی ہیں - پہلا بنیادی سوال یہ ہے کہ ETHICAL VALUES کیا ہیں؟ اخلاقی اقدار کیا ہیں؟ وہ مستقل ہیں؟ دائم ہیں؟ یا اُن میں کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے؟ حالات کے بدلنے اور زمانے کے گزرنے سے آیا یہ اخلاقی اقدار (ETHICAL VALUES) بھی تبدیل ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ دوسرا سوال جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے - وہ یہ ہے کہ وہ قوت متحرکہ (MOTIVATING FORCE) کونسی ہے - جو انسان کو نیکی پر کاربند رکھے - نیکی اور خیر کے کاموں کا اصل جذبۂ محرکہ کونسا ہے اور اس کے لئے اصل قوت محرکہ کیا ہے؟

ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر جو اچھے شاعر ہوتے ہیں وہ انسانی مشاہدات ہی کو خوبصورتی سے اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں تو مرزا غالب نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اس طبیعت کو خیر اور زہد کی طرف لانے والی شئے کونسی ہے؟ ایک شخص کو معلوم ہے کہ جھوٹ بولنا بُرا ہے لیکن وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ جھوٹ بولنے سے مجھے کچھ نفع حاصل ہو سکتا ہے اب وہ کونسی چیز ہے جو اُسے جھوٹ بولنے سے باز رکھے اور سچ بولنے پر آمادہ کرے خواہ سچ بولنے میں نقصان نظر آرہا ہو۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے قرآن حکیم کا فلسفہ یہ ہے کہ نیکی اور بدی کا بنیادی شعور فطرتِ انسانی میں موجود ہے جیسے انسان کو اللہ نے یہ ظاہری استعدادات دی ہیں جیسے سماعت ہے۔ بصارت ہے۔ قوتِ گویائی ہے۔ اور اسی نوع کی دوسری استعدادات ہیں۔ ایسے ہی فطرتِ انسانی میں کچھ باطنی استعدادات بھی مضمر ہیں جنکو دیکر انسان دُنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے! آخری پارے میں ایک جگہ اسکو بیان کیا گیا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا " اور شاہد ہے نفسِ انسانی اور جو اس کو سنوارا اور بنایا اور جو اسکی نوک پلک درست کی اور اُسمیں الہامی طور پر فجور (بدی) اور تقویٰ (خیر) کا علم ودیعت کر دیا" اسی لئے نیکی کے لئے قرآن مجید کی ایک کثیر الاستعمال اصطلاح "معروف" ہے یعنی جانی پہچانی چیز۔ اور بدی کے لئے "منکر" ہے یعنی اجنبی سی بات جسے فطرتِ انسانی قبول نہیں کرتی اور اُس سے اِباء کرتی ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک یہ ETERNAL VALUES ہیں سچ بولنا ہمیشہ سے نیکی تصوّر کیا گیا ہے اور آج بھی اُسے نیکی سمجھا جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے والا شخص بھی یہ جان رہا ہوتا ہے کہ میں ایک بُرا کام کر رہا ہوں خواہ وہ اپنے آپ کو کسی مجبوری کے حوالے سے فائق (JUSTIFY) کر لے

لیکن جانتا ہے کہ میں ایک بڑا کام کر رہا ہوں - تو یہ ETERNAL VALUES ہیں - بڑی پیاری بات علامہ اقبال نے کہی جو نیکی اور بدی کے ان بنیادی تصورات کے ضمن میں صد فیصد درست ہے کہ

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ قدیم و جدید

مادی احوال بدلتے رہتے ہیں سطحی سے تغیر و تبدل ہوتے رہتے ہیں - تہذیب و تمدن میں ارتقا ہوتا رہتا ہے لیکن فطرتِ انسانی کے محکمات اور فطرتِ انسانی کی بدیہیات غیر متبدل ہیں - وہ ETERNAL ہیں دائم و قائم ہیں مغربی فلاسفہ میں سے میں KANT کا حوالہ دونگا کہ اس نے پہلے کتاب لکھی جس کا نام تھا - "CRITIQUE OF PURE REASON" اس میں اس نے ثابت کیا کہ وجودِ باری تعالیٰ کے لئے اہل منطق نے جتنے دلائل فراہم کئے ہیں، ان کو خود منطق ہی کاٹ دیتی ہے - ان میں سے کوئی دلیل منطق کی محبت SCRUTINY کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس کے سامنے STAND نہیں کر سکتی - لیکن اس کے بعد پھر اس نے دوسری کتاب لکھی CRITIQUE OF PRACTICAL REASON اس میں اس نے یہ بات پورے شد و مد کے ساتھ پیش کی ہے کہ انسانی اخلاق کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک کہ وہ اللہ کو نہ مانے۔ اس کے بغیر اخلاقیات کے لئے کوئی اساس ممکن نہیں — لہٰذا انسان کو اگر اخلاقی رویہ اختیار کرنا ہے تو اسے اللہ کو ماننا ہوگا، آخرت کے حساب کو اسے تسلیم کرنا ہوگا - اس کے بغیر اس کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں - اس کے بغیر اسے اخلاقی تشخص حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ — یہ ہے وہ بات جو یہاں سمجھئے کہ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ

بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ - یہ دو ایمانیات ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ -
وہ ہیں جو نیکی کے لئے، خیر کے لئے، بھلائی کے لئے MOTIVATING
FORCE یعنی قوتِ محرکہ فراہم کرتی ہیں - اس لئے نیک
بنو - اس لئے اچھے کام کرو کہ اللہ کو نیک لوگ پسند ہیں - اِنَّ اللّٰہَ
یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ - جو خیر کرنے والے ہیں - بھلائی کرنے والے ہیں -
جو خادم خلق ہیں - اللہ ان سے محبت کرتا ہے تو ایمان باللہ اور استرضائے
باری تعالےٰ، اللہ کو راضی کرنے کی کوشش، یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ - وہ
لوگ جو صرف اللہ کی رضا کے جویا ہیں - انکو ایک بہت مثبت قوت
محرکہ خیر کے لئے، بھلائی کے لئے، خدمت خلق کے لئے، نیکی کے لئے
ملتی ہے کہ جس کا منبع اور سرچشمہ ہے ایمان باللہ — میں یہ عرض کرونگا
کہ یہ مثبت قوت محرکہ ہے - یہ محبت کا جذبہ ہے - لیکن آپ کو معلوم
ہے کہ سب انسان عقل وشعور (LEVEL OF CONSCIOUSNESS)
کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں - شعور اور ذہنی سطحیں مختلف ہیں - ایسے بھی
لوگ ہوتے ہیں جو محبت کے رمز آشنا نہیں ہوتے - ان کے لئے ضرورت
ہے کسی اور قوت محرکہ کی اور وہ قوت محرکہ ایمان بالآخرۃ
ہے - ACCOUNTABILITY ہے - ایک دن ہے
کہ جس دن محاسبہ ہوگا - تمہیں ایک ایک چیز کی جوابدہی کرنی پڑے گی -
اس خوفِ آخرت کو ایمان باللہ کے مقابلے میں آپ چاہیں تو کہہ
لیں نہ یہ منفی قوت محرکہ ہے - اس کی بنیاد محاسبہ اُخروی کے خوف پر
ہے -

انسان کا جو عمل ان دو محرکات پر مبنی نہ ہو وہ چاہے کتنا ہی بڑے
سے بڑا نیکی کا کام نظر آئے از روئے قرآن وحدیث وہ کام نیکی کا کام نہیں
ہے - اس میں کوئی نہ کوئی دنیوی غرض پوشیدہ ہوتی ہے - جبکہ تاکیدی ہدایت

یہ ہے کہ نیکی کو کاروبار نہ بنا لینا - نیکی سے دنیوی منفعت کو مدنظر مت رکھنا۔
نیکی کا کوئی فائدہ GAIN اس دنیا میں حاصل کرنے کی
نیت نہ رکھنا - ایسا کرو گے - تو یہ نیت و ارادہ اور اس مقصد کے لئے
نیکی کے کام سارے کے سارے کام از روئے قرآن باطل ہو جائیں گے - اسی کو ہم اصطلاح
دینی میں کہتے ہیں کہ کوئی نیکی بغیر خلوص اور اخلاص کے اللہ تعالےٰ کی
جناب میں قبول نہیں - اس پر اسلام نے اتنا زور دیا ہے کہ بعض
احادیث شریفہ تو ایسی ایسی ہیں کہ جن کو پڑھ کر انسان لرز اُٹھے سب سے
جامع حدیث تو وہ ہے جس کے راوی جناب عمر فاروقؓ ہیں اور اکثر
محدثین نے جو احادیث نبوی کے مجموعے مرتب کئے ہیں - ان کا آغاز
ہی اسی حدیث سے کیا ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما
الاعمال بالنیات و انما لکل امرئٍ ما نویٰ " اعمال کا
دارو مدار ، نیکیوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے - اور انسان کو وہی کچھ
ملے گا جسکی اُس نے نیت کی ہو " تو یہ ہے دونوں اعتبارات سے ایمان
باللہ اور ایمان بالآخرہ کا تعلق نیکی کی بحث سے - بقیہ جو تین ایمانیات
ہیں یعنی ملائکہ پر ایمان کتابوں پر ایمان اور نبیوں پر ایمان تو ان تینوں
کو بریکٹ (BRACKET) کر لیجئے - انکا حاصل ہوگا ایمان
بالرسالت - ملائکہ ذریعہ بنتے ہیں وحی لانے کا نبیوں اور رسولوں تک۔
اُس وحی کا ریکارڈ ہے کتابوں کی شکل میں ہے جن پر وہ وحی نازل ہوئی
وہ انبیاء اور رسل ہیں - لہذا تینوں کو جمع کیجئے تو یہ ایمان بالرسالت
ہے - اس کا تعلق نیکی کی اس بحث کے ساتھ کیا ہے ؟ اسکو بھی سمجھ
لیجئے -

دیکھئے جس طرح انسان میں دوسرے PASSIONS اور
جذبات ہوتے ہیں اور جذبات کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ اندھے

ہوتے ہیں اُن میں حدود سے تجاوز کا رجحان اور داعیہ پایا جاتا ہے۔ اسی
طرح نیکی بھی ایک جذبہ ہے۔ اس کا خطرہ موجود ہے کہ کسی وقت یہ نیکی کا
جذبہ مشتعل ہو کر حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے اور نتیجۃً نیکی سے بدی ظہور
میں آجائے۔ مثلاً ایک شخص پر نیکی کا اتنا غلبہ ہوا کہ اُس نے دنیا کو چھوڑ
دیا۔ پہاڑوں کی کھو میں جا کر دُھونی جمائی۔ بس ربّ سے لَو لگانی ہے —
رہبانیت کا نظام اسی نیکی کے جذبے کے حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کی وجہ
سے وجود میں آیا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔
فطرتِ انسانی میں جو داعیات ہیں ان سے دھینگا مشتی نہیں کی جا سکتی تبھی ابسا
اوقات فطرتِ انسان کو پچھاڑ دیتی ہے۔ اس کا ردِ عمل ظاہر ہوتا ہے۔
پس ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک نمونہ، ایک ماڈل، ایک
FRAME OF REFERANCE نیکی کی بحث میں ہمارے
سامنے رہے۔ جس میں تمام نیکی کے اعمال ایک توازن اور اعتدال میں
سموئے ہوئے مل جائیں۔ ہم اُسی نمونے کو سامنے رکھیں۔ اُسی کو
اپنی کسوٹی سمجھیں۔ ہر عمل کے بارے میں اُسے کریں۔
کہ یہ عمل اُس معیار میں اُس نمونے میں کتنا ہے اور دوسرے اعمال کے
ساتھ اس کا تناسب کیا ہے! یہ ہے وہ ضرورت جو ایمان بالرسالت
سے پوری ہوتی ہے — وہ اُسوۂ حسنہ اور کاملہ۔ وہ ہے جو ہمیں
انبیاء و رسل ؑ کی زندگیوں میں ملتا ہے اور اس مقدس جماعت میں کامل ترین
اور افضل ترین ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — جیسا کہ قرآن
میں فرمایا گیا " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَة۔
ایک اُسوۂ حسنہ اور ایک کامل نمونہ یعنی تمام نیکیاں، تمام بھلائیاں،
تمام خیرات، تمام حسنات ایک شخص واحد میں معتدل، متوازن اور
جامعیت کے ساتھ اگر دیکھنی ہوں تو نمونہ اور کسوٹی ہیں، جناب محمد رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم - اس طرح ایمان کے ان تینوں اجزاء کا بڑا گہرا تعلق ہے فلسفۂ اخلاق کے ساتھ - نیکی کی جڑ اور بنیاد سے متعلق جو مباحث ہیں ان کے ضمن میں یہاں ایمان کا ذکر آ رہا ہے - اسے یہاں محدود مذہبی معنی اور تصوّر کے ساتھ محض برسبیل تذکرہ یا تبرّک نہ سمجھئے -

آج ہم اپنی گفتگو کو یہیں تک محدود رکھیں گے - مظاہر اور اعمال میں اس ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرسالت کے ساتھ نیکی کا اظہار کس طرح ہوتا ہے اس پر ان شاء اللہ آئندہ نشست کے درس میں گفتگو ہوگی - اب آج کے درس سے متعلق جو سوالات ہوں وہ آپ حضرات پیش کریں -

---

سوال: ڈاکٹر صاحب کیا اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اصل اہمیت ایمان کی ہے اور اعمال کی حیثیت ثانوی ہے -

جواب: یہ ترتیب تو ہمارے سامنے آتی ہے - لیکن آپ اسکو کسی لفظ سے تعبیر کریں گے - یا کسی اولیت و ثانویت میں تقسیم کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ ہم سے غلطی ہو جائے - اصل اور ثانوی یہ ایک انداز تعبیر ہے - ایک انداز تعبیر یہ ہے کہ یہ ایمانیات نیکی کی جڑ ہیں اور اس درخت کے برگ و بار نیک اعمال ہیں جن کا ذکر اگلی نشست میں تفصیل سے آئیگا - اب ظاہر بات ہے کہ جڑ کے بغیر درخت کا تصوّر نہیں تو نسبتیں تو ہم قائم کرتے ہیں - قرآن مجید کو معروضی OBJECTIVELY طور پر سامنے رکھیئے تو معلوم ہوگا کہ نیکی کے لئے شرط اولین ایمان ہے - جیسے درخت کے لئے اہم ترین چیز اسکی جڑ ہے جس کے ذریعے وہ زمین سے غذا حاصل کرتا ہے -

سوال: ڈاکٹر صاحب آپ نے گفتگو میں فرمایا کہ جو نیکی ہے اور اعمال

جو ہیں انکا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے - یعنی اگر ایک شخص نے ایک اچھا عمل کیا لیکن اگر اسکے پیچھے کوئی بری نیت تھی تو اس کا عمل جو ہے وہ برا ہوگا اور اس کا نتیجہ بھی برا نکلے گا تو کیا یہ ممکن ہے کہ انسان ایک برا عمل کرے جس میں اسکی نیت درست ہو - نیت اچھے عمل کی ہو اور اس کو اس کا اجر ملے - ؟

جواب : اصل میں حدیث کے الفاظ جو آتے ہیں وہ "اعمال" ہیں اعمال سے مراد وہاں پر نیکی کے اعمال ہیں - افعال کا لفظ آتا تو شاید وہ دونوں کا احاطہ اپنے اندر کر لیتا لیکن ایک معاملہ کسی انسان کی نیت کا اللہ کے ساتھ ہے - ہم جو حکم لگائیں گے اُس پر برائی ہی کا حکم لگائیں گے - اس لئے کہ ہم دنیا میں صرف ظاہر پر ہی فیصلہ کر سکتے ہیں - ہمارا جو حکم لگے گا وہ ظاہر کی بنیاد پر لگے گا - ہوسکتا ہے کوئی شخص کسی ایسے مخمصے میں ہو - کسی ایسی مجبوری میں ہو کہ جس سے نکلنا اس کے لئے قطعاً ناممکن ہو اور اللہ کے علم میں وہ بات ہو تو اسکے لئے رعایت ہوسکتی ہے -

سوال : ڈاکٹر صاحب اسلام میں رہبانیت کا کیا تصور ہے - ؟

جواب : رہبانیت درحقیقت نیکی کے ایک جذبے کے حدِ اعتدال سے تجاوز کا نام ہے - چنانچہ میں ایک حدیث بھی اس ضمن میں آپ کو سُنا دیتا ہوں وہ یہ کہ صحابہ کرامؓ میں سے تین اشخاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی کے دوران ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے - انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی عبادات کے بارے میں معلوم کیا کہ آپؐ رات کو نماز کتنی پڑھتے ہیں - مہینے میں نفلی روزے کتنے رکھتے ہیں - حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی اسمیں تصنع کا کوئی شائبہ نہیں تھا -

ازواج مطہرات نے بھی کسی بات میں مبالغہ نہیں کیا۔ جو صحیح صحیح بات تھی وہ بتادی۔ اُسے انہوں نے اپنے اندازے میں کچھ کم سمجھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔ آپ سے تو کسی خطا کا صدور ممکن ہی نہیں تو آپکو تو اتنی عبادت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اتنی بھی جو آپ کر رہے ہیں، بہت ہے لیکن یہ ہمارے لئے کافی نہیں ہے۔ ایک نے کہا کہ میں پوری رات نماز پڑھونگا۔ اپنی کمر بستر سے نہیں لگاؤنگا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا کبھی ناغہ نہیں کرونگا۔ تیسرے نے کہا کہ میں شادی بیاہ کا کھکیڑ مول نہیں لونگا۔ اس سے تو پھر اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں میں تو ساری عمر تجرد کی زندگی بسر کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معمول کے خلاف ناراض ہوئے۔ اس کے بعد آپنے فرمایا کہ "مَنْ رَغِبَ عن سُنتی فلیس منی" کان کھول کر سُن لو۔ چاہے کتنے ہی نیکی کے جذبے کے تحت ہو لیکن جس نے اگر میرے طریقے اور میری سنت کو چھوڑ دیا اور اس کے برعکس روش اختیار کی تو جان لو کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"، تو اسی طرح وہ جو معیار کامل نیکی کے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسکو مدنظر رکھ کر اپنے تمام جذبات اور احساسات کو اُس کسوٹی پر پرکھتے رہنا یہ بہت ضروری ہے ورنہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ نیکی کا جذبہ ہی کبھی مشتعل ہو کر ایسے راستے کو اختیار کرلے کہ جس کا نتیجہ بدی کی صورت میں نکلنے والا ہو۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس آیہ مبارکہ کا صحیح فہم عطا فرمائے اور جو اصل روح نیکی ہے یعنی ایمان اللہ پر۔ ایمان آخرت پر۔ ایمان رسالت پر اُس میں سے ہمیں حظِ وافر عطا فرمائے۔

وآخرُ دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی تصوّر

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ۵ ، اور ۱۲ ، نومبر ۸۲ء کے دو جمعوں میں مسجد دارالسلام باغِ جناح لاہور میں "اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور" کے موضوع پر مسلسل خطابات فرمائے تھے ، جو کیسٹوں سے منتقل کر کے ماہنامہ "میثاق" کے فروری تا جون ۸۳ء کے شماروں میں بالاقساط اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ ۱۲ ، نومبر ۸۲ء جمعہ ہی کو بعد نمازِ مغرب جناح ہال لاہور میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی دس سالہ تقریب کے ضمن میں افتتاحی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ جس کے صدر جناب مولانا سید وصی مظہر ندوی مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ حیدرآباد و میئر بلدیہ حیدرآباد اور جس کے مہمانِ خصوصی جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے مندرجہ بالا موضوع پر جو خطاب فرمایا تھا ، اسے کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے (ادارہ)

ترتیب و تسوید : (شیخ) جمیل الرحمٰن

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ اوّلھم وخاتم النبیّین محمدن الامین وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ـــــ امّا بعد

فقال اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ فی سورۃ الحدید

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿﴾

وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ سُوْرَۃِ الشُّوْرٰی:

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ کَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ؕ۔

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ۔

رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقهوا قولی

محترم صدرِ مجلس، محترم مہمانِ خصوصی، علمائے کرام اور محترم حاضرین!

میری آج کی گفتگو اصل میں ایک سلسلہ تقاریر کی تیسری کڑی ہے۔ میں آج کے جمعہ میں اور اس سے قبل کے جمعہ میں "اصلاحِ معاشرہ" کے موضوع پر مسجد دارالسلام میں اپنے کچھ خیالات ظاہر کر چکا ہوں جن میں میں نے عرض کیا تھا کہ اصلاحِ معاشرہ کا جو قرآنی پروگرام میرے سامنے آتا ہے۔ اس کی تین سطحیں ہیں۔ ایک اس کی جڑ اور بنیاد ہے جسے میں نے پچھلی تقاریر میں "بیر" سے تعبیر کیا تھا۔ ایک اس کا ذروۂ سنام یعنی چوٹی ہے جسے میں نے سابقہ گفتگوؤں میں سر سے تعبیر کیا تھا۔ اور ایک اس کی درمیانی سطح ہے جس کو میں نے دھڑ قرار دیا تھا۔ اس کی جڑ اور بنیاد تعمیرِ سیرت و کردار کا پروگرام ہے۔ میں اس ضمن میں عرض کر چکا ہوں کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یہ بات لوگوں کو معلوم نہیں کہ خیر کیا ہے، شر کیا ہے!

انسان جانتا نہ ہو کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے۔ اصل مسئلہ وہی ہے، جسے
مرزا غالب نے اپنے اس شعر میں بیان کیا کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اس طبیعت کو اِدھر لانے کی اصل سبیل کیا ہے، اس کی شکل کیا ہے! لہٰذا معلوم ہوا کہ
اصل ضرورت ایک مضبوط قوتِ ارادی کی ہے۔ اصل ضرورت تربیتِ ارادہ کی ہے
اور یہی وہ بات ہے جسے علامہ اقبال نے تربیت یا تعمیرِ خودی سے تعبیر کیا ہے۔
اس کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ اس مقصد کے لیے درحقیقت انسان کے
جذبے کے درست ہونے کی ضرورت ہے اور انسان کے بنیادی جذبات دو
ہیں، ایک محبت، دوسرا خوف۔ پہلے کو مثبت جذبہ اور دوسرے کو منفی جذبہ کہا
جا سکتا ہے۔ دنیا کے دوسرے نظاموں اور معاشروں میں محبت کا جذبہ کہیں
وطن کی محبت، کہیں قوم کی محبت، کہیں نسل کی محبت، کہیں زبان کی محبت، کہیں
کسی شخصیت کی محبت پر استوار ہوتا ہے اور ان محبتوں کی بنیاد پر سیرت و
کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسلام نے جو بلند ترین محبتیں عطا کی ہیں وہ ہیں اللہ کی
محبت اور اس کے رسول کی محبت صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے گذشتہ تقاریر میں
عرض کیا تھا کہ اصل میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم انسانی فکر و نظر کی مقرر کردہ محبتوں
اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ محبتوں، دونوں سے تہی دست اور تہی دامن ہیں۔ دونوں
سے خالی ہیں۔ اگر وطن، قوم، نسل، زبان، یا کسی شخصیت کی محبت ہوتی تو کم سے کم
دنیا میں ایک باوقار زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں کوئی بنیاد مل جاتی۔ لیکن یہ محبتیں
ہمارے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتیں۔ ہمارا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے، اس میں
ان محبتوں کی کوئی بنیاد اور کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ اقبال نے صحیح کہا تھا کہ ؏

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ہم زمین کے ساتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ ہمارا ذہن اور ہمارا مزاج وطن پرستی
قوم پرستی، نسل پرستی، زبان پرستی، شخصیت پرستی سے قطعی مناسبت نہیں رکھتا
ان سے بہت بعید ہے۔ لہٰذا ہمارے پاس یہ محبتیں بھی نہیں اور جو محبتیں ہونی چاہئیں
تھیں یعنی اللہ کی محبت اور اس کے رسول کی محبت۔ بدقسمتی سے ہم ان سے بھی محر

اور بھی دامن ہیں تو ہم درحقیقت خلا میں ہیں کہ ہمارے پیچھے وہ زمین ہی موجود نہیں
ہے جس پر ایک قومی سیرت و کردار کی نیو پڑ سکے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ قوم، وطن، نسل، زبان اور شخصیت سے ایک بلند تر
محبت بھی انسانی ذہن و فکر نے اختراع کی ہے اور وہ ہے کسی نظریہ (IDEALOGY)
کی محبت، کسی نظام کی محبت ـــ جس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ محبت دراصل انسان
کی محبت پر مبنی ہوتی ہے۔ یعنی کسی نظامِ عدل کو قائم کرنے کے لیے کسی معاشرے
سے استحصال ختم کرنے کے لیے کوئی آئیڈیالوجی اور کوئی نظام کسی کے دل میں
کھُپ گیا ہے تو ایسے شخص کے دل میں اس نظام کو قائم کرنے کے لیے ایثار، قربانی،
جدوجہد اور کشمکش کا بے پایاں جذبہ ابھرتا ہے۔ لہٰذا کسی نظریے اور کسی نظام
کی محبت میں بھی سیرت و کردار کی تعمیر کی تاثیر موجود ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے
میں ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کی محبت دی گئی ہے۔ میں نے جمعوں کی تقاریر
میں سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ سنائی تھی کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ
اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔

ان تین محبتوں یعنی اللہ کی محبت، اس تعالیٰ کے رسول کی محبت اور اس تع
کی راہ میں جہاد کی محبت پر اگر علائقِ دنیوی اور سامانِ دنیا کی آٹھ محبتیں غالب آگئیں
یعنی باپ، بیٹے، بھائی، بیویوں اور برادری کی محبتیں ـــ یہ پانچ محبتیں علائقِ دنیا یعنی
رشتہ داری سے متعلق ہیں جن کو علامہ اقبال نے "رشتہ و پیوند" سے تعبیر کیا ہے۔
اور مال، تجارت اور مکانات کی یہ تین محبتیں سامان اور متاعِ دنیوی سے متعلق
تو قرآن کریم کہتا ہے "جاؤ دفع ہو جاؤ اور انتظار کرو،
یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنادے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

لہٰذا اسلام نے یہ تین مجلتیں تعمیرِ سیرت و کردار کے لیے مثبت جذبے کی اساسات کے بطور عنایت کی ہیں اور آخرت کا خوف منفی جذبے کے بطور دیا ہے۔ یعنی محاسبہ اُخروی اور اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے لیے کھڑے ہونے کا خوف: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی ۝ پس اسلام نے تعمیرِ سیرت و کردار کے لیے دو بنیادیں انسان کو دی ہیں۔ پہلی مثبت بنیاد محبت کی بنیاد ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت — جو درحقیقت میری آج کی تقریر کا اہم موضوع ہے۔ دوسری بنیاد خوف کی بنیاد ہے اور وہ ہے محاسبہ اخروی کا خوف۔ یہی اساسات انسان کے ارادے کو تقویت فراہم کرتی ہیں۔

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ میں نے گذشتہ جمعوں میں عرض کیا تھا کہ ہمارے یہاں سیرت سازی کا جو نظام ایک طویل عرصے تک قائم اور جاری رہا ہے لیکن وہ بھی اب کافی مضمحل ہو چکا ہے اور شاید اس دور میں تصوف کے لیے بھی کچھ نئی اساسات کی ضرورت ہے۔ بہرحال وہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اس وقت جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ نظام ایک طویل عرصہ تک رہا اور مؤثر و کامیاب رہا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس نظام کا نقطۂ آغاز لفظ ارادہ ہے۔ جس سے اسمِ فاعل بنتا ہے مرید — یعنی وہ شخص جو ارادہ کر لیتا ہے اور اصل میں اس ارادے کی تقویت اور پختگی کے لیے وہ کسی سلسلۂ تصوف میں داخل ہوتا ہے اور وہاں سے کسبِ فیض کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کے ارادے کی تقویت اس کی سیرت کی تعمیر میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

درمیانی سطح کے متعلق پچھلی تقاریر میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ تعزیر و سزا، اوامر و نواہی اور احتساب سے بھی دنیا کے دوسرے نظاموں اور معاشروں میں خوف کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ خوف، مواخذہ و محاسبہ اخروی سے آزاد ہو تو بہت سے چور دروازے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور تعزیرات کے اس نظام سے نہ صحیح عدل و انصاف میسر آتا ہے اور نہ ہی معاشرے کو امن و سکون حاصل ہوتا ہے CORRUPTION اس کو بڑی حد تک غیر مؤثر بنا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ چیز

بالکل اظہر من الشمس ہے اور ہم میں سے اکثر و بیشتر کو اس کا علم بھی ہے اور تجربہ بھی ہے لہٰذا مجھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اسلام نے دنیوی طور پر حدود و تعزیرات میں شدید ترین سزائیں رکھی ہیں تاکہ اگر ایک کو وہ سزا مل جائے تو ہزاروں کے چھکے چھوٹ جائیں۔ یہ بھی یقیناً اسلامی نظام کا ایک اہم جزو اور حصہ ہے۔ لیکن اسلام اپنے ماننے والوں کے قلوب و اذہان میں اصل خوف آخرت کا خوف جاگزیں کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے میں اپنی پچھلی تقاریر میں قرآن مجید کی متعدد آیات پیش کر چکا ہوں۔ دنیوی نظام حدود و تعزیرات تو معاشرے میں حقیقی امن و امان کی فضا قائم رکھنے کے لیے تجویز کیا گیا ہے درحقیقت اس طرح ایک اضافی خوف معاشرے کو دیا گیا ہے ورنہ حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے اصل خوف، خوفِ آخرت ہی ہے۔

یہ تو وہ باتیں ہیں جن پر میں دو جمعوں میں تفصیل سے گفتگو کر چکا ہوں۔ آج مجھے جس موضوع پر جو کچھ عرض کرنا ہے اس سے ربط قائم کرنے کے لیے بطور تمہید و تذکیر میں نے ان باتوں کا اعادہ کیا ہے۔ مجھے آج ذروۂ سنام یعنی چوٹی والی سطح پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔ وہ چوٹی والی بات یہ ہے کہ ایک معاشرے میں جو نظام اجتماعی قائم ہے وہ اگر انصاف و عدل اور قسط پر قائم نہیں ہے تو اس معاشرے میں اصلاح کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی شکل پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ ناانصافی ظلم اور عدوان انسان میں منفی جذبات پیدا کرتا ہے۔ اس سے دلوں میں کدورت اور نفرت وجود میں آتی ہے۔ اس سے عداوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں مثبت اور تعمیری فضا موجود نہیں ہوتی کہ جس کے ذریعے سے تعمیر سیرت و کردار کے لائحہ عمل کو غذا حاصل ہو سکے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی پودا زمین سے سر نکالے۔ جہاں بیج کا صالح ہونا اور زمین کا زرخیز ہونا ضروری ہے وہاں اس کو وہ فضا بھی لازماً درکار ہے جو اس کو غذا دے اور اس کی نشو و نما کے لیے سازگار ہو۔ اگر یہ فضا نہیں ہے تو پودا پروان چڑھنے کے بجائے مرجھا جائے گا۔ بالکل یہی مثال اس نظام کی ہے جو بالفعل قائم و نافذ ہے۔ اگر وہ نظام انصاف اور عدل و قسط پر مبنی نظام نہیں

ہے تو وہ نفرت کو جنم دے گا اس سے منفی احساسات وجود میں آئیں گے۔ اس سے عداوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اس سے صالح اور تعمیری جذبات کسی طور پر بھی نشوونما نہ پا سکیں گے اور پروان نہ چڑھ سکیں گے۔

ذرا ذہن میں سورہ المائدہ کی وہ آیت لائیے جو خمر (شراب) اور میسر (قمار۔ جوا) کے بارے میں آخری آیت ہے : اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ۔ یہ شیطان کے ہتھکنڈوں میں سے ہے کہ وہ تمہارے درمیان کدورت و نفرت اور عداوت و انتقام کے جذبات پیدا کرے۔ شیطان یہ کام شراب اور جوئے کے ذریعے بھی لیتا ہے اور غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ نظامِ حکومت جس میں غیر منصفانہ نظامِ معیشت اور بیخ بیخ اور استحصال موجود ہو۔ اس معاشرے میں ان وجوہ کی بنا پر بھی بہت بڑے پیمانے پر شیطان اکثریت کے ذہنوں میں محرومیوں کا احساس اور نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا کرتا ہے اور اس طرح ان تمام اصلاحی کوششوں پر پانی پھیر دیتا اور ان کو ملیامیٹ کرا دیتا ہے جو محض دھڑ کی اصلاح کے لیے کی جا رہی ہوں اور جن میں نہ پیر کی طرف کوئی توجہ ہو اور نہ سر کی طرف۔

موجودہ دور میں وعظ صرف اس وجہ سے غیر مؤثر نہیں ہو گئے کہ واعظوں میں اِلّا ماشاء اللہ کردار نہیں رہا۔ یہ بھی ایک سبب ہے لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اگر وعظ و نصیحت سے کہیں کوئی جذبہ ابھرتا بھی ہے تو ماحول اس کو پنپنے نہیں دیتا۔ اس لیے کہ قدم قدم پر ظلم ہے۔ قدم قدم پر تعدّی ہے قدم قدم پر استحصال ہے۔ قدم قدم پر ناانصافی ہے۔ رشوت ہے، جابرانہ رویّہ اور سلوک ہے۔ پورے ماحول پر گھٹن کی فضا طاری ہے۔ تقریباً پورا نظام عدل و قسط سے تہی دامن اور تہی دست ہے۔ ایسے حالات میں انسان میں جو ردِ عمل پیدا ہوتا ہے اور معاشرے کی جو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس کو علامہ اقبال نے ایک شعر میں یوں تعبیر کیا ہے ؎

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں ۔۔۔ اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

اس لیے کہ وہ ماحول اور نظام اسے غذا نہیں دے رہا ہوتا۔ اس ظلم و عدوان کے

نتیجے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ معاشرہ منقسم ہو جایا کرتا ہے۔ تمیز بندہ و آقا۔ ظالم و مظلوم۔

HAVES اور HAVES NOT

کے طبقات بالقوہ وجود میں آجاتے ہیں۔ ایک غیر منصفانہ نظام کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مختلف طبقات کے لیے یہ مختلف اصطلاحات ہیں لیکن ذہن میں رکھیے کہ اس مفہوم کے لیے قرآن حکیم کی اپنی اصطلاحات ہیں اور وہ ہیں مستکبرین اور مستضعفین۔ یہ دو طبقات جس معاشرے میں وجود میں آجائیں، چاہے وہ کسی زمانے سے آئے ہوں، کسی راستے سے آئے ہوں۔ کسی سبب سے آئے ہوں۔ خواہ وہ سیاسی محرومی اور دباؤ (POLITICAL REPRESSION) کی وجہ سے آئے ہوں۔ خواہ وہ حریت و آزادی کو سلب کرنے والے جبر و استبداد کے باعث آئے ہوں۔ خواہ معاشی استحصال (ECONOMIC EXPLOITATION) کے راستے سے یہ صورت پیدا ہوئی ہو۔ خواہ وہ سماجی اور معاشرتی اونچ نیچ اور ناروا امتیازات (DISCRIMINATION) کی وجہ سے وجود میں آئے ہوں اور معیارات یہ بن گئے ہوں کہ سید زادہ بہرحال اونچا ہے خواہ وہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو اور دوسرے معلی ہیں۔ کم تر ہیں خواہ وہ سیرت کے لحاظ سے کتنے بلند کیوں نہ ہوں۔ یہ برہمن اور شودر کی تقسیم ہو یا اعلیٰ و ادنیٰ نسل کی تقسیم۔ ان تمام اسباب کی بنا پر لازماً معاشرے میں طبقات وجود میں آتے ہیں اور پھر یہ طبقات، طبقات در طبقات میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے طبقاتی تقسیم کی رائج وقت بیشتر اصطلاحات آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ ان کے مقابلے میں قرآن مجید کی ان دو اصطلاحات "مستکبرین اور مستضعفین" کو پیش نظر رکھیے تو قرآن کا یہ اعجاز سامنے آئے گا کہ ان دونوں اصطلاحات کی جامعیت اور گھمبیرتا یہ ہے کہ یہ رائج الوقت تمام اصطلاحات کا احاطہ کر رہی ہیں۔ ان میں HAVES AND HAVES NOT کا تصور بھی موجود ہے۔ ان میں تمیز بندہ و آقا کا تصور بھی موجود ہے۔ ان میں ظالم اور مظلوم کا تصور بھی موجود ہے ——— چنانچہ اب ذرا سنیئے سورۃ القصص میں ارشاد ہوتا ہے :۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ۔ بلاشبہ فرعون نے زمین

میں بڑی سرکشی اختیار کی تھی۔ اس نے زمین میں بسنے والوں کو طبقات اور گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ایک گروہ ایک طبقے ایک جماعت کو ضعیف بنا دیا تھا۔ اسے دبا دیا تھا۔

ظالمانہ اور غیر منصفانہ نظام کا ایک نتیجہ تو وہ نکلتا ہے جس کی طرف بڑی شرح و بسط کے ساتھ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رہنمائی کی کہ انسانوں کی ایک عظیم اکثریت ڈھور اور ڈنگر بن جاتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی غیر مبہم اور واضح الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کی عظیم اکثریت جانوروں اور حیوانوں کی سطح تک گر جاتی ہے، فرمایا: لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ "ان کے دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، وہ بالکل چوپاؤں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ اور گئے گزرے ہیں۔" اور واقعہ ہے کہ یہ نتیجہ ہوتا ہے ظلم و عدوان اور استبدادانہ و جابرانہ نظام کا جو انسان کی خودی کے احساس اور عزتِ نفس کو کچل دینے والی شے ہے۔ غیر عادلانہ و غیر منصفانہ نظام، ظلم و تعدی والا نظام EXPLOITATION AND REPRESSION والا نظام آدمی میں "انسان" ہونے کے احساس و شعور کو مار دینے والی چیز ہے جو اس کی سیرت کی تعمیر کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر یہ "انسان" ہونے کا شعور و احساس نہیں ہے تو اسے قرآنِ حکیم نے اس دنیا کی بہت بڑی تعذیب سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ "اور ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو اپنے آپ سے غافل کر دیا" یعنی وہ اپنے "انسان" ہونے کے ادراک سے محروم ہو گئے۔ ظاہر بات ہے کہ اپنی عظمت سے غافل انسان معاشرے میں ترقی کیسے حاصل کرے گا۔! اس میں بلندی کی طرف بڑھنے کا جذبہ کیسے پیدا ہو گا۔! اسی کو شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے اپنی کتاب فلسفۂ الکتشافات میں بہت صحیح لکھا ہے کہ ظلم و تعدی پر مبنی نظام کے تحت رہنے والے

اکثر لوگ بالکل ڈھور ڈنگر کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان میں اعلیٰ احساسات، اعلیٰ جذبات کے لیے سرے سے کوئی امکان اور گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

اس سے بھی آگے جو بات آتی ہے، جس کے لیے میں آگے چل کر قرآن مجید سے استشہاد کروں گا، وہ یہ ہے کہ استحصالی طبقات، وہ لوگ جنہوں نے اپنی خدائی کا تخت جمایا ہوتا ہے، وہ لوگ جو معاشرے کو جونک کی طرح چوس رہے ہوتے ہیں اور عوام کی اکثریت کا خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو عوام الناس کو طرح طرح کے بہلاوے دے کر غافل کیے رکھتے ہیں۔ ان کے لیے طرح طرح کے مشغلے تلاش کرتے ہیں۔ وہ ذرائع ابلاغ سے لوگوں کے سفلی جذبات کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔ انہیں لہو و لعب میں مشغول رکھتے ہیں — تقریباً اس آیت کے مصداق وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو خریدتے (اور بیچتے) ہیں کھیل کی باتوں کو تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا اور بہکا دیں۔ اس کے (انجامِ بد) کو سمجھے بغیر اور اللہ کے راستے کو ہنسی مذاق ٹھہرائیں۔" أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ " یہ لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔" اس استحصالی گروہ کی سر توڑ کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگ کھیل تماشوں میں ہی گم، مگن اور مست رہیں۔ وہ سینما ہوں، ٹیلی ویژن کے ڈرامے اور رانگ ورنگ کے پروگرام ہوں، حتیٰ کہ مختلف موضوعات کے اشتہارات ہوں۔ وہ رقص و سرود کی محفلیں ہوں وہ آرٹ کونسلیں ہوں، ذرائع ابلاغ پر تفریح کے نام سے لہو الحدیث کا جو طوفان آیا ہوا ہے، یہ سب کا سب دراصل اس لیے ہے کہ عوام الناس کو ان کے حقیقی مسائل سے روگرداں رکھا جائے۔ ان میں اپنے حقوق و فرائض کا ادراک و شعور پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ دیکھ اور سمجھ نہ پائیں کہ وہ کس استحصالی نظام میں بحیثیت کولہو کے بیل کی طرح جُتے ہوئے ہیں۔ اصل حقائق ان کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ وہ ان چیزوں سے بالکل غافل رہیں کہ معاشرے میں ہو کیا رہا ہے۔ کون کس پر ظلم کر رہا ہے! کون کس کا خون چوس رہا ہے۔ کون ان کے حقوق غصب کر رہا ہے۔ یہ سارے ہتھکنڈے علامہ اقبال نے اس شعر

کے مصداق ہیں کہ ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر!
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اور ؏ کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں، کے مصداق انسان کے حیوانی جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے یہ کھلونے کہیں آرٹ کے نام پر دیئے جائیں گے، کہیں ثقافت کے نام پر دیئے جائیں گے۔ کہیں مساوات مرد وزن کے دلفریب نظریے کی آڑ لے کر عورت کو اشتہاری اور بازاری جنس اور کھلونا بنایا جائے گا۔ چادر و چہار دیواری کا نام لے لے کر اسی کے تقدّس کو پائمال کیا جائے گا۔ لہو و لعب اور لغو و عبث مشاغل کے لیے نئے نئے دل فریب و دل آویز نام اور لیبل ایجاد کیے جائیں گے۔ یہ سب اس لیے کہ عوام الناس کی عظیم ترین اکثریت کو انہی میں مست اور مگن رکھا جائے وہ کسی وقت بھی اصل حقائق کی طرف متوجہ ہونے ہی نہ پائیں۔

یہی وہ بات ہے جس کے لیے میں نے آگے چل کر قرآن مجید سے استشہاد کا ذکر کیا تھا۔ قرآن حکیم میں سورہ سبا میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے: يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ [۱] "یہ مستضعفین، یہ دبائے اور غافل رکھے ہوئے عوام قیامت کے دن مستکبرین سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو یقیناً ہم سیدھی راہ پر آجاتے — ہم بھی ایمان کی راہ، خیر کی راہ اور عملِ صالح کی راہ پر گامزن ہوتے۔ یہ تم ہو جنہوں نے ہمیں روکا ہے۔ یہ تم ہو جنہوں نے ہمیں مست اور مگن کیے رکھا ہے،" وہ مستکبرین کہیں گے۔ ذرا توجہ سے ان مستکبرین کا جواب سنیئے۔ یہ اسی نوع کا جواب ہے جو مستکبر اعلیٰ و اوّل ابلیس لعین قیامت کے دن اپنے پیروکاروں کو دے گا: وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ [۲] "تم پر میرا کوئی زور تو تھا نہیں۔ میں نے بس تم کو اپنے راستے کو خوشنما دکھا کر اس کی طرف تم کو بلایا تھا، اس دلفریب و لذت کوش راستے کو دیکھ کر دیوانے تو تم خود بنے اور اس کی طرف لپکے۔ جرم تمہارا

---

[۱] سورہ سبا آیت ۳۱۔ [۲] سورہ ابراہیم آیت ۲۲

اپنا ہے۔ خطا تمہاری اپنی ہے لہٰذا اب مجھے کیوں ملامت کرتے ہو۔ ملامت کرنی ہے تو اپنے آپ کو اور اپنے نفس امّارہ کو ملامت کرو؛ بالکل یہی بات وہ مستکبرین کہیں گے: قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۔[1]

"کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی! بلکہ تم مجرم ذہن کے لوگ تھے، یہ تمہاری اپنی شیطنت تھی۔ یہ تمہاری اپنی خباثت تھی جس کا دنیا میں ظہور ہوا ہے۔" اس وقت یہ مستضعفین، یہ غافلین جواب میں کہیں گے: وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ[2] وہ مستضعفین، وہ دبے ہوئے لوگ کہیں گے "نہیں، یہ تو شب و روز کی وہ شاطرانہ اور مکارانہ چال تھی، جس میں تم لوگوں نے ہمیں پھانس رکھا تھا۔ یہ تمہارے ہی مشورے تھے جن کے باعث ہم نے اللہ کی نازل کردہ ہدایت کی ناقدری کی اور کفرانِ نعمت کی روش اختیار کی ــــ اور ان کھیل تماشوں اور باطل نظریات میں اُلجھ کر ہم نے ان کو اللہ کی محبت کا ہمسر ٹھہرالیا اور ہم دبے ہوئے ہونے کے باعث لہو ولعب اور باطل نظریات کے طلسم میں جو تم لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے گھڑ رکھا تھا، گرفتار ہو کر ہم اپنی راہ کھو بیٹھے۔" میں نے اس آیت کے ترجمہ کی بجائے اس کی ترجمانی کی ہے تاکہ قیامت کے دن ان مستضعفین و مستکبرین کے مابین جو محاجہ اور مجادلہ ہوگا اس کا پس منظر اور پیش منظر واضح ہو سکے۔

دیکھئے ان آیات میں تین مرتبہ اِسْتَكْبَرُوْٓا اور اُسْتُضْعِفُوْٓا یعنی مستکبرین اور مستضعفین کا جو اعادہ ہو رہا ہے، وہ اس لیے کہ یہ اصطلاحات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ اصل میں یہی وہ طبقاتی تقسیم ہے جو ایک ظلم و عدوان پر مبنی اور غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ نظام میں وجود میں آتی ہے ــ اور جب تک

---

[1] سورہ سبا آیت ۳۲ [2] سورہ سبا آیت ۳۳

اس کو ختم نہیں کیا جائے گا، جب تک مبنی بر قسط و عدل نظام قائم نہیں کیا جائے گا اصلاحِ معاشرہ کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو گی یا محاورتاً یوں کہہ لیجئے کہ "بیل منڈھے نہیں چڑھے گی"۔ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی تحریکوں اور کوششوں سے تھوڑے بہت اثرات پیدا ہو جائیں۔ نیچے نیچے کچھ خیر و فلاح اور کچھ بھلائی کے سوئے ہوئے جذبات کروٹ لیں، لیکن نتیجہ وہی نکلے گا جو علامہ اقبال کے اس شعر کے ذریعے میں آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں کہ ؎

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں۔
اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

مستبدانہ و جابرانہ نظام اور استحصالی ماحول میں خیر و صلاح کی آرزو اوّل تو پیدا ہوتی ہی مشکل اور اگر پیدا ہو جائے تو ایسے معاشرے میں وہ پھل پھول اور پنپ نہیں سکتی۔ تو اس طبقاتی تقسیم کے لیے قرآن مجید کی جو اپنی اصطلاحات "مستکبرین اور مستضعفین" ہیں ان کا اعادہ کر کے اور ٹھونک ٹھونک کر انہیں ذہنوں میں بٹھانا مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تین آیات میں ان کو تکرار و اعادہ کے ساتھ لایا گیا ہے۔

اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس طبقاتی تقسیم کو ختم کرنے کے لیے نظامِ عدل و قسط کا قیام قرآن حکیم کا مرکزی حیثیت کا حامل پیغام ہے۔ نیکی کا راہبانہ تصور، نیکی کا علائقِ دنیا سے کنارہ کش ہونے اور نفس کشی کا وہ تصور جو عیسائیت، بدھ مت اور ہندو دھرم میں ہے۔ نیکی کا وہ تصور جو تصوف کے نام سے خود ہمارے ہاں رائج ہو گیا ہے جو دراصل نو افلاطونی تصوف ہے۔ ان تصورات سے ہٹ کر اسلام کا تصورِ نیکی کیا ہے! اسلام میں سب سے بڑی نیکی کیا ہے۔! اسلام کا کیا ہے! وہ عروۃ الوثقٰی کون سا ہے جو نیکی کے لیے سہارا بنتا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ وہ ہے نظامِ عدل و قسط کا قیام۔ چنانچہ سب سے پہلے تو خود اللہ تعالیٰ کی سورہ آل عمران میں یہ شان بیان ہوتی ہے کہ وہ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ہے ـــ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ (۱۸) اللہ نے خود

شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہی شہادت سب فرشتوں نے بھی دی ہے کہ وہ قسط پر قائم ہے۔ اللہ کی صفت ہے کہ وہ عادل ہے اور وہ عدل و قسط کا قائم کرنے اور نافذ کرنے والا ہے۔ اس میں بھی ایک اپیل ہے کہ اگر اللہ کی محبت فی الواقع کہیں دل میں پیدا ہو گئی ہو تو وہ جو فرمایا: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ۔ لہٰذا ہم پر واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی صفت کا ایک پرتو ہم اپنے اندر بھی پیدا کریں۔ اس سے آگے چلیے اہلِ ایمان کے لیے سورۃ المائدہ اور سورۃ النساء میں لفظی ترتیب ذرا مختلف ہے لیکن انتہائی زور کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔" اے ایمان والو! عدل و قسط کے قائم کرنے والے بنو" قوّام، فعّال کے وزن پر صیغہ ہے۔ مطلب ہوا کہ عدل و انصاف کو پورے اہتمام کے ساتھ، اپنی پوری توانائیوں اور قوتوں کے ساتھ قائم کرو۔ کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔ اس شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔ کو ایک بالکل علیحدہ بات بھی مان سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ چونکہ اللہ خود قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ہے۔ اس کے لیے شہادت یہ ہو گی کہ اس کے قسط کے نظام کو اس دنیا میں قائم کیا جائے۔ جیسے اقبال نے کہا ہے ع دے تو بھی محمد کی صداقت کی گواہی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو اللہ کے قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ہونے کی اہلِ ایمان کے لیے بایں طور اور بایں صورت گواہی دینا فرض ہے کہ وہ دنیا میں اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کریں۔ سورۃ المائدہ میں ذرا سی لفظی تبدیلی کے ساتھ فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ آپ ان دونوں کو مدِنظر رکھیں تو یہ عجیب بات معلوم ہو گی کہ اللہ اور قسط یہ گویا ہم معنی الفاظ ہیں۔ یہ گویا مترادف الفاظ ہیں۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں کہ ان کے باہم لازم و ملزوم کا تصور تو کم از کم سامنے آجاتا ہے۔ پہلے مقام پر فرمایا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔۔۔ دوسری جگہ فرمایا: کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔

اس سے آگے چلیے۔ سورہ حدید کی اس آیت پر غور کیجئے جس کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی۔ بڑی عظیم آیت ہے بڑی اہم آیت ہے۔ بعثتِ انبیاء و رسل کی بنیادی غرض و غایت کیا ہے؟ انزالِ کتب کا مقصد کیا ہے؟ اس موقع پر یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ایک غرض و غایت اس دنیا کے لیے ہے اور ایک غرض و غایت اُخروی ہے۔ میں اس وقت جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں وہ بعثتِ انبیاء و رسل اور انزالِ کتب کی اسی غرض و غایت اور مقصد سے متعلق ہے جو اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے جو سورہ الحدید کی اس آیت میں بیان ہوئی ہے جو میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی اور میں اب جس کی تشریح و توضیح بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ فرمایا: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۔ "بلا شبہ اور بالتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا بیّنات کے ساتھ، روشن دلائل کے ساتھ"۔ بیّنات کو روشن دلائل بھی کہا جا سکتا ہے اور معجزات بھی جو رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا کیے گئے۔ بیّن عربی زبان میں واضح اور روشن چیز کو کہتے ہیں۔ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ ۔ "اور ان کے ساتھ ہم نے اتاری کتاب اور میزان"۔ یہ کتاب اور میزان کس لیے اتاری! اس کی غرض و غایت اور مقصد کو آیت کے اگلے حصے میں خوب کھول کر بیان کر دیا۔ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ "تاکہ بنی نوع انسان عدل و قسط پر قائم ہوں"۔ اس آیت کے اس مختصر سے حصے میں بعثتِ انبیاء و رسل کی غرض و غایت کا لبِّ لباب آگیا ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے تو ان کے ساتھ تین چیزیں نازل کی گئیں۔ پہلی: بیّنات، واضح اور روشن نشانیاں، یعنی معجزات، واضح اور روشن دلائل اور ہدایات ۔۔ دوسری: کتاب، جس میں روشن دلائل بھی ہیں اور وہ تعلیمات بھی مذکور ہیں جو انسان کی ہدایت کے لیے درکار تھیں تاکہ لوگ اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ تیسری: المیزان، یعنی وہ شریعت، وہ نظام اور وہ معیارِ حق و باطل اتارا جو ٹھیک ٹھیک تول کر یہ بتادے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن کیا ہے! افکار و نظریات میں حق کیا ہے باطل کیا ہے! اخلاق اور دنیوی تمام معاملات میں افراط و تفریط کے مختلف نقطہ ہائے نظر

کی مختلف انتہاؤں کے درمیان عدل و انصاف اور قسط کی راہ کونسی ہے! میں عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن حکیم کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ وہ اہم مضامین کو کم سے کم دو مرتبہ ضرور بیان کرتا ہے۔ چنانچہ کتاب اور میزان کے انزال کا ایک ذکر سورۃ الحدید میں آیا اور یہی بات ان الفاظ میں سورۃ الشوریٰ کی سترہویں آیت کی ابتداء میں فرمائی گئی: اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ

اب غور کیجئے کہ اگر میزان نصب نہ ہو تو اس کا اتارنا معاذ اللہ عبث قرار پائے گا: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۔ یہ میزان اگر نصب نہ ہو تو بیکار ہے۔ اگر اس میں تول کر نہ دیا جا رہا ہو، جس کو بھی کچھ دیا جا رہا ہو تو یہ ناانصافی ہے۔ اس نے فرائض و حقوق کے جو ضوابط مقرر کیے ہیں اگر وہ بالفعل نافذ نہیں تو محض ان کی تلاوت کرنے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ثواب مل جائے گا لیکن اس کی غرض و غایت تو پوری نہیں ہوگی۔ کتاب اور میزان تو نازل ہی اس لیے کی گئی ہے کہ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔ سورہ الحدید کی یہ آیت قرآن مجید کی بڑی گھمبیر آیت ہے۔ اس آیت کی مکمل شرح ہے سورۃ الصف اس لیے کہ اس میں فرمایا گیا کہ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ "اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے" فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ ۔ "اس میں جنگ کی صلاحیت ہے" ظالموں کی سرکوبی کرنے کی صلاحیت ہے، ظالموں کے سر کچلنے کی استعداد ہے۔ اور سورۃ الصف میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۔ اور اس میں لوگوں کے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں" مثلاً اس سے توا، کڑاہی، چمٹا اور بہت سی مشینیں اور بہت سے اوزار بھی بنتے ہیں جو انسان کی تمدنی ضروریات پوری کرتے ہیں لیکن اس کی اصل قوت اسلحہ ہے۔ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ ۔ اس میں جنگ کی صلاحیت ہے اور یہ اس لیے ہے کہ: وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ۔ اللہ جان لینا چاہتا ہے، دیکھ لینا چاہتا ہے، جانچ لینا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وہ وفادار بندے جو اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اس کی مدد کرتے ہیں۔ درآں حالیکہ

وہ اس سے غیب میں ہیں، اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ان کے سامنے نہیں ہیں۔ اس کے باوجود وہ محبت الٰہی سے سرشار ہو کر اس نظام عدل و قسط کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں جن کی وساطت سے وہ نظام نوعِ انسانی کو عطا ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔ بیشک اللہ بذاتہٖ قوی اور عزیز ہے۔ یعنی اس کو تمہاری مدد کی قطعی حاجت نہیں۔ تم سے جو نصرت کا مطالبہ ہے، وہ تمہارے امتحان کے لیے ہے، جس کی بنا پر تم عدالتِ اخروی میں سرخرو ہو گے۔ یہی بات سورہ الصف میں بایں الفاظ فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ قیام نظام عدل و قسط کے ضمن میں سورہ الحدید کی یہ آیت قرآن حکیم کی اہم ترین آیات میں سے ہے۔ اسی کی تشریح و توضیح کے لیے میں نے سورہ الصف کی دو آیات بھی پیش کر دی ہیں۔

ذرا اسی آیت کو آگے لے کر چلیے۔ اس آیت میں تو ایک قاعدہ کلیہ بیان ہوا ہے کہ، لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ لیکن اس کے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی انطباق PARTICULAR APPLICATION) کے متعلق سورۃ الشوریٰ کی پندرھویں آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ جس کی ابھی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی کہ : فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ اسی (اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ) کی دعوت دیتے چلے جائیے پوری استقامت صبر و ثبات اور مصابرت کے ساتھ جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور ان (مستکبرین، معاندین، مخالفین، اور کفار و مشرکین) کی خواہشات کی پیروی اور پرواہ ہرگز نہ کیجیے۔ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ " اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برملا کہہ دیجیے کہ میرا یقین تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے " وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ۚ " اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مابین

(نظامِ) عدل قائم کروں"۔ یعنی مجھے محض ایک واعظ نہ سمجھ لینا، محض ایک مبلّغ نہ خیال کر لینا جو ایک وعظ کہہ کے اور کچھ تبلیغ کر کے تحسین کے ڈونگرے وصول کرتا ہے اور پھر اگلی بستی کی راہ لیتا ہے۔ اگر تم اس مغالطے میں مبتلا ہو تو اسے دور کرو۔ چونکہ تم نے حقیقت نفس الامری کا ادراک کیا ہی نہیں۔ میری بعثت کا تکمیلی مقصد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین (المیزان) نظام عدل وقسط بالفعل قائم و نافذ کروں۔ میں اس بات پر مامور من اللہ ہوں کہ ظالم کا ہاتھ روک لوں، مظلوم کی فریاد رسی کروں۔ نظام زندگی کو عدوان اور استحصال سے پاک صاف کروں اور وہ نظام عدل وقسط برپا کروں، جس میں جس کو جو کچھ ملے اس نظام کے تحت اور اس کے مطابق ملے۔ اور کوئی شخص اور کوئی طبقہ کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ تکمیلی مقصد قرآن حکیم میں ایک دوسرے اسلوب سے ایک شوشے کے تغیر کے بغیر قرآن حکیم کی تین سورتوں، سورہ توبہ، سورہ الفتح اور سورہ الصف میں بایں الفاظ واضح فرمایا گیا ہے: هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔

غور فرمایئے سورہ حدید کی آیت اور سورہ شوریٰ کی آیت دونوں کا جامع و مانع اسلوب کے ساتھ اس آیت مبارکہ میں ذکر آگیا۔ بعثتِ رسول کا ذکر بھی موجود ہے "کتاب" کی جگہ "هُدٰی" کا لفظ آگیا جو کتاب الٰہی ہی کا ایک توصیفی نام ہے۔ المیزان اور نظام عدل وقسط کی جگہ "دین الحق" کی اصطلاح آگئی۔ جو اس ضمن میں قرآن مجید کی جامع ترین اصطلاح ہے جس میں وہ تمام مفاہیم بھی شامل ہیں جو المیزان، اور عدل وقسط کی تشریح و توضیح میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ اور وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ۔ کے جملہ مفاہیم لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔ میں آ گئے۔

(جاری ہے)

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ج

جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے (تفسیر عثمانی)

ہائے انجام اس سفینے کا

ناخدا نے جسے ڈبویا ہے

اظہارِ حق

قادیانیت

اپنے لٹریچر کے آئینے میں

مؤلفہ :

قاری نصیر احمد غزنوی (مقیم کراچی)

انتساب

ان سلیم الفطرت لوگوں کے نام جن میں قبولِ حق کی صلاحیت موجود ہے ۔

نصیر غزنوی عفی عنہ

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

للہ الحمد کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر احمدیوں یعنی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اور آئین میں ترمیم کر دی۔

میرے نزدیک اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے احمدی حضرات جن میں قبول حق کی صلاحیت موجود ہے ان کے لیے ایسی کتابیں مرتب کی جائیں، کہ جن میں ان کے اپنے ہی پیشواؤں یعنی مرزا صاحب اور ان کے صاحبزادوں کی تصانیف سے اس فرقہ کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔

مَیں نے کوشش کی ہے[1] کہ مرزا صاحب کی تحریروں ہی کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا جائے، تاکہ قاری کو مرزا صاحب کے کلام اور خیالات کا براہِ راست علم ہو سکے، اور وہ خود کسی فیصلہ پر پہنچ سکے۔

حق ظاہر کر دینا میرا کام تھا، اصلاح مخاطب اس کی فطری استعداد اور توفیق الٰہی پر منحصر ہے۔ مَیں یہ ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ اس فرقہ کے تمام افراد کے دماغ، عقل اور دل انصاف سے خالی ہوں یا سب ضدی اور ہٹ دھرم ہی ہوں۔ مجھے یقینِ واثق ہے کہ کچھ لوگ حقیقت شناس و حقیقت پسند ضرور ہوں گے اور وہی حضرات میرے مخاطب ہیں۔

میرے خیال میں ہر شخص کسی نبی کو نبی تسلیم کرنے سے پہلے اس کی دو باتوں پر ضرور غور کرے گا۔ اوّلاً اس کے حالاتِ زندگی۔ ثانیاً اس کا پیش کردہ خدائی کلام۔ جو شخص بھی جناب کرشن جی، رامچندر، مرزا غلام احمد قادیانی، رودر گوپال صاحب کی ان دونوں باتوں پر سنجیدگی سے غور کرے گا، وہ انہیں نبی ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

---

[1] حاشیہ اگلے صفحے

یں مختص و مختصر مرزا صاحب کے حالاتِ زندگی اور قدرے قلیل ان کا خدائی کلام پیش کر رہا ہوں، آپ بھی پڑھ کر غور فرمائیں۔

بچپن میں ایک شعر پڑھا تھا۔ ؎

بات وہ کہیئے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں　　کوئی تو پہلو رہے بات بدلنے کے لیے

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اس شعر کی مکمل تصویر تھے۔ گویا شاعر نے یہ شعر مرزا صاحب ہی کے لیے کہا تھا یا پھر مرزا صاحب نے اس شعر سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ بات کچھ بھی ہو بہر حال یہ شعر ان پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ آپ ان کے کسی بیان یا کسی بھی تحریر پر غور فرمائیں، وہ اس شعر کی مکمل تفسیر و تصویر نظر آئے گی۔ میں ان حضرت پر الزام و اتہام نہیں لگا رہا، کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، اسے پڑھیں اور غور فرما کر خود فیصلہ کریں، انشاء اللہ آپ کو بھی میری رائے سے متفق ہونا پڑے گا، مگر شرط یہی ہے، کہ ہر اقتباس یا ہر موضوع یا ہر سلسلہ کو غور سے پڑھیں، اور ایمانداری و نیک نیتی سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

جناب کرشن، رامچندر، مرزا غلام احمد قادیانی، رودر گوپال صاحب کی جملہ تصانیف کا مکمل سیٹ (جو روحانی خزائن کے نام سے ۲۳ جلدوں پر مشتمل ہے اور جسے الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ نے شائع کیا ہے) نیز ان کے صاحبزادوں یا امتیوں کی جن کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان میں سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اقتباسات میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے، کہ کسی جگہ بھی مؤلف کا اصل مفہوم و مطلب نہ بدلنے پائے۔ اگر کسی صاحب کو کہیں شک ہو تو وہ اصل کتاب سے موازنہ کر کے دیے ہوئے اقتباس کا سیاق و سباق پڑھ کر اپنا اطمینان کر سکتے ہیں۔ ؏

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

؎ یعنی ایک ایسا مامور کھڑا ہو گا جسے سب نبیوں کے نام دیئے جائیں گے۔ یعنی اس کے متعلق موسیٰؑ عیسیٰؑ، کرشنؑ، رامچندرؑ اور بدھؑ سب کی پیشگوئیاں ہوں گی۔ (تفسیر صغیر پارہ ۲۹، رکوع ۲۱، از مرزا بشیر الدین محمود صاحب خلیفہ دوم) ملے مرزا صاحب کا الہام ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔ تمام دنیا ایک رودر گوپال (یعنی سؤروں کو مارنے والا اور گائیوں کی حفاظت کرنے والا) کا انتظار کر رہی ہے... وہ میں ہوں۔ "ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۱۶ مولفہ مرزا صاحب۔

قادیانیت و مرزائیت

اپنے لٹریچر کے آئینے میں

مرزا صاحب کے خودنوشت حالات

اب میرے سوانح اس طرح پر ہیں کہ

میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضےٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پر دادا صاحب کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے۔ اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ عرصہ سترہ اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالےٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادا فارسی الاصل ہیں۔ کلماتِ الٰہیہ سے ثابت ہے کہ اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اور بیگ کا لفظ بطور خطاب کے ان کو ملا تھا۔

(کتاب البریہ ص $\frac{۱۶۲}{۱۴۴}$ ص $\frac{۱۹۳}{۱۴۵}$)

اب میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ کا یا سترہویں برس میں تھا۔

(کتاب البریہ، ص $\frac{۱۷۷}{۱۵۹}$)

تعلیم

بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس برس کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے۔ جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں

سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخرالذکر مولوی صاحب سے مَیں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروّجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں مَیں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔

(کتاب البریہ ص $\frac{۱۷۹}{۱۶۱}$ $\frac{۱۸۰}{۱۶۲}$ $\frac{۱۸۱}{۱۶۳}$

میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے (دافع البلاء ص ۲۲۳

مصروفیت میرے والد صاحب اپنے بعض آبا و اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لیے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگا دیا اور ایک زمانہ دراز تک مَیں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی والد موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔

(کتاب البریہ ص $\frac{۱۸۳}{۱۶۵}$

والدِ مرحوم کے وقت میں مجھے بعض اپنے زمینداری معاملات کی حق رسی کے لیے عدالتوں میں جانا پڑتا تھا۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۳۰۴

ملازمت ایسا ہی ان کے زیرِ سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔

(کتاب البریہ ص $\frac{۱۸۴}{۱۶۶}$

سلسلۂ مکالماتِ الٰہیہ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیرِ سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف ان کا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور و شور سے سلسلہ مکالماتِ الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ مَیں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔

(کتاب البریہ ص $\frac{۱۹۵}{۱۷۷}$

مجدّد ہونے کا دعویٰ جب تیرہویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدّد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ

الہام ہوا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھلایا اور اس کے صحیح معنے تیرے پر کھول دیئے۔ (کتاب البریہ ص ۲۰۱/۱۸۳)

خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف فرما کر اس صدی چہاردہم کا مجدد قرار دیا ہے اور ہر ایک مجدد کا بلحاظ حالت موجودہ زمانہ کے ایک خاص کام ہوتا ہے جس کے لیے وہ مامور کیا جاتا ہے تو اس سنت اللہ کے موافق یہ عاجز صلیبی شوکت کے توڑنے کے لیے مامور ہوا ہے۔ (انجام آتھم ص ۴۶)

اس چودھویں صدی کے سرے پر جس میں ہزاروں حملے اسلام پر ہوئے، ایک ایسے مجدد کی ضرورت تھی کہ اسلام کی حقیقت ثابت کرے۔ ہاں اس مجدد کا نام اس لیے مسیح ابنِ مریم رکھا گیا کہ وہ کسرِ صلیب کے لیے آیا ہے۔ (انجام آتھم ص ۳۲۱/۳۲۷)

مامور من اللہ

مَیں مامور من اللہ اور اوّل المومنین ہوں۔ (کتاب البریہ ص ۲۰۲/۱۸۴)

مسیح موعود

میرا یہ دعوےٰ کہ میں مسیح موعود ہوں ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے ظہور کی طرف مسلمانوں کے تمام فرقوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ (کتاب البریہ ص ۲۰۵/۱۸۷)

اس صدی کا بھارا فتنہ جس نے اسلام کو نقصان پہنچایا تھا عیسائی پادریوں کا فتنہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے اس عاجز کا نام مسیح موعود رکھا۔ (درخواست ملحقہ کتاب البریہ ص ۳۸۵)

اللہ تعالےٰ کے رکھے ہوئے نام اور دعویٰ نبوت

اللہ تعالیٰ نے میرا نام غلام احمد قادیانی رکھ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ اس نام میں تیرہ سو کا عدد پورا کیا گیا ہے۔ غرض قرآن اور احادیث سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ آنے والا مسیح چودھویں صدی میں ظہور کرے گا۔ (کتاب البریہ ص ۲۵۸)

غلام احمد قادیانی اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں۔ اس قصبۂ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص ۱۹۰/۱۸۷)

خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں نوح ہوں۔ میں ابراہیم ہوں۔ میں اسحٰق ہوں۔ میں اسماعیل ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔ (حقیقۃ الوحی صـ ۷۳ ‎٧٦/٧٦)

خدا تعالیٰ نے آج سے چھبیس برس پہلے میرا نام براہین احمدیہ میں محمد اور احمد رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز مجھے قرار دیا ہے (حقیقۃ الوحی صـ ۶۸-۵۰۲)

اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر نیک اور راستباز نبی گذر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کیے جائیں سو وہ میں ہوں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ ۹۱ ‎۱۱۸)

اور میری نسبت جری اللہ فی حلل الانبیاء فرمایا یعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرایہ میں سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جاوے اور ہر ایک نبی کی صفات کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو۔ مگر خدا نے یہی پسند کیا کہ سب سے پہلے ابن مریم کی صفات مجھ میں ظاہر کرے۔ (حقیقۃ الوحی صـ ۵۲۱ ‎۸۵)

دعوت کی مشکلات

میری دعوت کی مشکلات میں ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔۔۔ بلکہ ایک سخت ناکامی کا سامنا تھا کیونکہ کوئی بھی پہلو درست نہ تھا۔ اول مال کی ضرورت ہوتی ہے سو اس وحی الٰہی کے وقت تمام ملکیت ہماری تباہ ہو چکی تھی۔ اور ایک بھی ایسا آدمی نہ تھا جو مالی مدد کر سکتا۔ دوسرے میں کسی ایسے ممتاز خاندان میں سے نہیں تھا جو کسی پر میرا اثر پڑ سکتا۔ ہر طرف سے بال و پر ٹوٹے ہوئے تھے۔

(نصرۃ الحق صـ ۶۸ ‎۶۹)

اطفال اللہ

بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ ۵۸۱ ‎۱۴۳)

یادداشت شیخ محمد حسین بٹالوی یہ شخص میری ابتدائی عمر میں میرا ہم مکتب بھی رہا ہے اور وہ اس کا بھائی حیدر بخش دونوں میرے مکان پر آئے تھے ایک دفعہ ایک کتاب بھی مستعار طور پر لے گئے تھے جس کو اب تک واپس نہیں کیا۔ (تریاق القلوب ص ۱۸۳/۱۵۵)

عمر اور بیماریاں اس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے اور ضعیف اور دائم المرض اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہے۔ (برکات الدعا مرا۔ اپریل ۱۸۹۳ء)

اس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے اور ضعیف اور دائم المرض اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہے۔ (سراج منیر ص ۱۵/ ۱۵ مئی ۱۸۹۷ء)

چنانچہ اس وقت تک جو میری عمر قریباً پینسٹھ سال ہے کوئی شخص دور یا نزدیک رہنے والا ہماری گذشتہ سوانح پر کسی قسم کا داغ ثابت نہیں کر سکتا۔
(ص ۵۹۰/۲۱۴ ۲۱۲ ۔ نزول المسیح ۔ جولائی و اگست ۱۹۰۲ء)

مجھے اپنے مرض ذیابطیس کی وجہ سے آنکھوں کا بہت اندیشہ تھا... قریباً اٹھارہ برس سے یہ مرض مجھے لاحق ہے۔

(نزول المسیح ص ۵۹۲/۲۱۶ ۲۰۴ جولائی و اگست ۱۹۰۲ء)

مرض ذیابطیس جو قریباً ۲۰ سال سے مجھے دامنگیر ہے... مجھے دماغی کمزوری اور دوران سر کی وجہ سے بہت ہی ناطاقتی ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اب میری حالت بالکل تالیف و تصنیف کے لائق نہیں رہی اور ایسی کمزوری تھی کہ گویا بدن میں روح نہیں تھی۔ حقیقۃ الوحی ص ۲۰۶/ ۳۱۹ ۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

مجھے دو بیماریاں مدت دراز سے تھیں۔ ایک شدید درد سر جس سے میں نہایت بیتاب ہو جاتا تھا اور ہولناک عوارض پیدا ہو جاتے تھے اور یہ مرض قریباً پچیس برس تک دامنگیر رہی اور اس کے ساتھ دوران سر بھی لاحق ہو گیا۔ دوسری مرض ذیابطیس ہے۔ تخمیناً بیس برس سے ہے جو مجھے لاحق ہے جیسا کہ اس نشان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور ابھی تک بیس دفعہ کے قریب ہر روز پیشاب آتا ہے۔
(حقیقۃ الوحی ص ۲۷۷/۳۷۷ ۳۶۴

بیماری ذیابیطس ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ
رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف
وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔

(اربعین نمبر۴ ص ۵۷۱/۱۲۹ — ۵)

احادیث میں ہے مسیح موعود دو زرد رنگ کی چادروں میں اترے گا۔۔۔
تعبیر کے علم میں زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے اور وہ دونوں بیماریاں مجھ میں
ہیں۔ ایک سر کی بیماری اور دوسری کثرتِ پیشاب اور دستوں کی بیماری ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین ص ۴۴ — ۴۶/۴۶)

میں تو اکثر عوارضِ لاحقہ سے بیمار رہتا ہوں اور دردِ سر کی بیماری مجھے مدت
تیس سال سے ہے۔ (انجام آتھم۔ ص ۷)

ضعف

بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لیے زینہ چڑھ کر
اوپر جاتا ہوں تو مجھے اپنے ظاہر حالت پر امید نہیں ہوتی کہ زینہ
کی ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھنے تک میں زندہ رہوں گا۔

(اربعین نمبر۴ ص ۵۷۱/۱۲۹ — ۵)

حافظہ

مدت ہوئی کہ میں نے سنیارتھ پرکاش میں پڑھا تو تھا مگر حافظہ اچھا
نہیں یاد نہیں رہا۔ آریہ صاحبان خود مطلع فرمادیں۔

(نسیم دعوت ص ۴۳۹/۷۹ — ۷۴ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

حالت مردمی نمبر ۱

جب شادی کے متعلق مجھ پر مقدس وحی نازل ہوئی تھی
تو اس وقت میرا دل، دماغ اور جسم نہایت کمزور تھا اور
علاوہ ذیابیطس اور دورانِ سر اور تشنج قلب کے دق کی بیماری کا اثر ابھی دُور نہ
ہوا تھا۔ اس نہایت درجہ کے ضعف میں جب نکاح ہوا تو بعض لوگوں نے افسوس
کیا کیونکہ میری حالت مردمی کالعدم تھی۔ اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی
تھی۔ چنانچہ محمد حسین بٹالوی نے مجھے خط لکھا تھا جو اب تک موجود ہے کہ آپ کو
شادی نہیں کرنی چاہیئے تھی ایسا نہ ہو کہ کوئی ابتلا پیش آوے۔ مگر باوجود ان کمزوریوں
کے خدا نے مجھے پوری قوت و صحت اور طاقت بخشی اور چار لڑکے عطا کیے۔

(نزول المسیح ص ۲۰۷ — ۲۰۹)

حالت مردمی نمبر ۲

شادی کا الہام: یہ خواب ان ایام میں آئی تھی کہ جب میں بعض عوارض و امراض کی وجہ سے بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا بلکہ قریب ہی وہ زمانہ گذر چکا تھا جبکہ مجھے دق کی بیماری ہو چکی تھی۔ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطیس اور دردِ سر مع دورانِ سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی اس لیے میری اس شادی پر میرے بعض دوستوں نے افسوس کیا۔۔۔ غرض اس ابتلا کے وقت میں نے جناب الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے رفع مرض کے لیے اپنے الہام کے ذریعہ دوائیں بتلائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے چنانچہ وہ دوائیں نے تیار کی۔ اور مجھے چار لڑکے عطا کیے گئے۔[1]

(تریاق القلوب۔ ص ۲۰۲/۷۴ - ۲۰۳/۷۵ - ۲۰۴/۷۶)

(جاری ہے۔)

---

[1] وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء (از مؤلف۔)

اسلام اور پردہ

"برصغیر پر برطانوی حکومت کے سیاسی تسلط کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ یہاں کے مسلمان سیاسی غلامی میں گرفتار ہوئے اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاسی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی غلامی کا دور بھی شروع ہوا جس میں زیادہ تر امراء اور تعلیم یافتہ طبقات مبتلا ہوئے۔ چنانچہ اسی کی زد میں ستر و حجاب کے احکام بھی پائمال ہونے شروع ہوئے مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے ۱۹۱۲ء میں اس مسئلہ پر جو مبسوط مقالہ لکھا تھا وہ استفادہ عام کے لیے پیش ہے" "ادارہ"

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک میں جو نئے مباحث پیدا کر دیئے ہیں، ان میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کی جاتی تو ہم کو دخل در معقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرون اولیٰ میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا۔ نئے تعلیمیافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف[1] (مولوی امیر علی) نے ۱۸۹۹ء میں رسالہ "نائنٹینتھ سینچری" میں مسلمان عورتوں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ لمبا برقع، نقاب اور خمار سلجوقیوں کے آخری زمانہ میں شائع ہوا۔ اور جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانان ہند میں رائج ہے، خلفاء کے زمانہ میں اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں جب خلفاء ضعیف ہوئے اور تاتاریوں نے اسلامی حکومت کو درہم برہم کیا تو اس وقت علماء میں اس پر نزاع ہوئی کہ عورتیں اپنے ہاتھ، منہ اور پاؤں اجنبیوں کے سامنے کھول سکتی ہیں یا نہیں؟

---

[1] بے علم جسٹس امیر علی کو معلوم نہیں تھا کہ فقہ اور حدیث اس زمانے سے پہلے مکمل ہو چکے تھے اور یہ سب مسائل احادیث میں موجود ہیں۔ جہالت کی حد ہو گئی ہے۔

اس موقع پر بحث کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہو سکتے تھے۔ علماء قدیم اور جدید تعلیمیافتہ علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا' جدید تعلیمیافتہ لوگوں کے مبلغ علم کا اس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے جو ابھی اوپر گزر چکی ہے لیکن بدقسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے اور چونکہ غیر قوموں کے کانوں میں صرف اسی گروہ کی آواز پہونچتی ہے' اس لئے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آئندہ زمانے میں اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائے گی۔ ہم اس مضمون میں صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی۔ پھر تمام اسلامی دنیا میں پردہ کے متعلق کیا طریق عمل رہا؟

مدت ہوئی' ہم نے اس مضمون کے پہلے حصے پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا پہلے اس کو بعینہٖ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہے۔ لیکن تمدن نے ان قدرتی خصوصیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیازات قائم کر دیئے ہیں۔ جو ہر قوم' ہر فرقہ' ہر ملک میں جدا جدا صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ میں غالباً مردوں اور عورتوں کے لباس' وضع' طور طریقے بالکل یکساں رہے ہونگے اور بجز قدرتی خصوصیتوں کے کوئی چیز ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتی ہوگی۔ لیکن تمدن کو جس قدر وسعت ہوتی گئی' اسی قدر یہ باہمی امتیازات بڑھتے گئے۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ آج دونوں کے طریق تمدن اور معاشرت میں بہت کم چیزیں باقی رہ گئیں جو مشترک کہی جا سکتی ہیں۔

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت میں ہے' قدیم سے قدیم زمانہ جس کے تاریخی حالات معلوم ہو سکتے ہیں' دو تین ہزار برس سے زیادہ نہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب موجودہ تفرقوں کی بنیاد پڑ چکی تھی اور دونوں فریق کے اصول زندگی میں بہت سی ممتاز خصوصیتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لئے آج یہ پتہ لگانا قریباً ناممکن ہے کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قائم ہوئے اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتداء قرار دیتے ہیں۔ اس وقت تک کیونکر ان تفرقوں نے وسعت حاصل کر لی تھی۔

اگر ہم یہ بتانا چاہیں کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکر ہوا اور مردوں اور عورتوں میں اس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دیئے گئے تو ہم کوئی کافی وجہ نہیں بتا سکیں گے۔ اسی طرح اور خصوصیتوں کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے نہایت قدیم تفرقوں کی تاریخ قائم کرنی اور ان کے وجوہ و اسباب پر غور کرنا تو بے فائدہ ہے۔ البتہ جو امور زمانۂ مابعد میں پیدا ہوئے، ان کے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہیں ہے۔

پردہ کی دو قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں:

(۱) چہرہ اور تمام اعضاء کا ڈھکنا

(۲) مردوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک ہونا

پہلی قسم کا پردہ عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا اور زیادہ تر قدرتی ضرورتیں اس کے ایجاد کا باعث تھیں۔ اول اول جب اس رسم کی ابتداء ہوئی تو عورتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ کیونکہ زیادہ تر اس کو قدرتی ضرورتوں نے پیدا کیا تھا اور وہ مرد اور عورت سے یکساں متعلق تھیں۔ غالباً سب سے پہلے قبیلۂ حمیر میں جو یمن کے رہنے والے اور وہاں کے حاکم تھے۔ یہ طریقہ جاری ہوا۔ اسپین میں حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہوگئی تھی جو ملثمین کہلاتے تھے۔ اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کیں لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے اور اس وجہ سے ملثمین کہلاتے تھے۔ اس میں یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت و جبروت کا بادشاہ ہوا۔ علامہ ابن خلکان نے اسی کے ترجمہ میں اس رسم کے قائم ہونے کی وجہ لکھی ہے۔

وسبب ذالك على ما قيل ان حمير كانت تتلثم لشدة الحر والبرد. تفعله الخواص منهم فكثر ذالك حتى تفعله عامتهم	"یعنی اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ قبیلہ حمیر کے لوگ گرمی اور سردی کی وجہ سے چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے پہلے خواص ایسا کرتے تھے پھر اس کو اس قدر ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ میں اس کا رواج ہوگیا۔

علامہ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ قبیلہ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے تو یہ لوگ ان کے گھروں پر حملہ کرتے تھے اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے۔ مجبور ہو کر اہل حمیر نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دفعہ عورتیں مردانہ لباس پہن کر باہر چلی گئیں اور مرد چہروں پر نقاب ڈال کر گھروں میں رہے۔ دشمنوں نے معمول کے موافق حملہ کیا۔ یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے اور نہایت دلیری سے لڑ کر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ میں نصیب ہوئی اس لئے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کر لی گئی۔ یہاں تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورتیں یکساں نقاب پوش رہتے تھے۔ ایک شاعر نے لکھا ہے:

لما حووا احراز کل فضیلۃ　　　غلب الحیاء علیھم فتلثموا

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مثلاً جو لوگ حسین اور خوشرو ہوتے تھے، اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہیں، چہرہ پر نقاب ڈال کر باہر نکلا کرتے تھے۔ اس کی مثالیں زمانہ اسلام میں بھی ملتی ہیں۔

مقنع کندی جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے، اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈال کر باہر نکلتا تھا[1]۔ رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہو گیا اور بڑے مجمعوں میں اکثر لوگ برقع پہن کر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ بازار عکاظ میں جو عرب کی حوصلہ افزائیوں کا مشہور دنگل تھا اہل عرب عموماً چہروں پر نقاب ڈال کر آتے تھے۔ علامہ احمد ابن ابی یعقوب، جو نہایت قدیم زمانے کا مؤرخ ہے، اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

وکانت العرب تحضر سوق عکاظ	"یعنی اہل عرب عکاظ کے بازار میں آتے
وعلی وجوھھا البراقع فیقال	تھے اور ان کے چہروں پر برقع پڑے
ان اول عربی کشف قناعہ ظریف	ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اول جس
بن غنم العنبری ففعلت العرب	عربی نے برقع اتارا وہ ظریف بن غنم
مثل فعلہ	تھا اس کے بعد اوروں نے بھی اس
	کی تقلید کی۔"

---

[1] کتاب الاغانی، ترجمہ مقنع کندی

گو بعض وقتوں میں خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے،
لیکن اصل میں جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قائم کی تھی، وہ دو امر تھے:۔

(۱) جسمانی حفاظت جس کا ذکر حمیر کے ذکر میں آچکا ہے۔ حمیر میں تو عام و خاص سب اس طریقہ کو برتنے لگے تھے۔ لیکن اور قبائل میں یہ طریقہ امراء اور اعیان کے ساتھ مخصوص تھا۔ کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیروں کو ہی ہو سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اٹھ گئی اور صرف اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امراء کا امتیازی لباس ہے، بے وجہ اور بے ضرورت بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔

(۲) امتیاز اور خصوصیت کا خیال۔ یہ خیال عجیب تدریج کے ساتھ قائم ہوا۔ اہل عرب محض ابتدائی زمانہ میں تو امیر و غریب سب ایک ہی حالت میں رہتے تھے لیکن جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی اسی نسبت سے امتیازات قائم ہوتے گئے۔ ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ امراء اور سرداران قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانے میں دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے۔ اور سلاطین اور سرداران قبائل کے دروازوں پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ خیال یہاں تک بڑھا کہ بادشاہ دربار میں بھی بیٹھے تو اس کے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے۔ چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے۔

عباسیوں کی خلافت میں ایک زمانہ تک یہ طریقہ تھا کہ خلیفۂ وقت ایک پردہ کی اوٹ میں بیٹھتا تھا اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے۔ اس میں اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے۔

جس زمانہ میں اس طریقہ کی ابتداء ہوئی، اس وقت تو عورتیں اس رسم کے ساتھ مخصوص نہ تھیں لیکن مردوں سے یہ التزام مالایلزم نبھ نہ سکا۔ چنانچہ جب عکاظ میں ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اس کے مقلد بن کر اس قید سے آزاد ہو گئے کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا۔ البتہ عورتوں میں یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی جس کو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کر دیا۔ جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہیں، وہ تو اس سے

انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن عام خیال چونکہ یہ ہے کہ پردہ کا رواج اسلام کے زمانہ سے ہوا اس لئے ہم متعدد قطعی شہادتیں پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوگا کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

عرب جاہلیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعراء جاہلیت کے اشعار ہیں۔ اس لئے اس دعوے کے ثبوت میں ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں:

ربیع بن زیاد عبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہے، مالک بن زبیر کے مرثیہ میں کہتا ہے:

من کان مسرورا بمقتل مالک فلیأت نسوتنا بوجه نهار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہے، وہ ہماری عورتوں کو دن میں آ کر دیکھے

یجد النساء حواسرا یندبنه یلطمن اوجههن بالاسحار

وہ دیکھے گا عورتیں، برہنہ سر نوحہ کر رہی ہیں اور اپنے چہروں کو صبح دو پہر طمانچے مار رہی ہیں۔

قد کن یخبان الوجوه تسترا فالیوم حین برزن للنظار

وہ شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھیں لیکن آج غیر معمولی طور پر دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ آئی ہیں۔

علامہ تبریزی نے تَسَتُّرًا کی شرح میں لکھا ہے عفةً وحیاءً یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپایا کرتی تھیں۔

عمرو بن معدیکرب ایک سخت واقعہ جنگ کے ذکر میں لکھتا ہے

وبدت لمیس کانها !! بدر السماء اذا تبدی

اور لمیس کا چہرہ کھل گیا گویا چاند نکل آیا۔

عمرو بن معدیکرب، اگرچہ مخضرمی شاعر ہے یعنی اس نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا لیکن یہ اشعار اسلام کے قبل کے ہیں۔

ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سبرۃ بن عمر فقعسی ہے، اپنے دشمنوں پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے:

ونسوتکم فی الروع باد وجوهها یخلن اماء والاماء حرائر

یعنی لڑائی میں تمہاری عورتوں کے چہرے کھل گئے تھے اور اس وجہ سے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ آزاد تھیں۔

نابغہ ذبیانی جو زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر ہے، نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا، ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا۔ اتفاق سے وہاں نعمان کی بیوی جس کا نام متجردہ تھا بیٹھی تھی۔ نابغہ دفعتہً جا کھڑا ہوا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اضطراب میں دوپٹہ گر گیا۔ متجردہ نے فوراً ہاتھوں سے چہرہ کو چھپا لیا۔ نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی۔ اس پر اس نے ایک قصیدہ لکھا جس میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطه   فتناولته واتقتنا بالید

دوپٹہ گر گیا اور اس نے قصداً نہیں گرایا۔ اس نے دوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتھوں سے پردہ کیا۔

ایک اور شاعر عوف نامی یہ ذکر کرکے کہ بھوک کی شدت سے عورتیں نکل آئیں اور باہر جہاں کھانا پک رہا تھا، چولہے کے پاس بیٹھ گئیں، لکھتا ہے:

وکانوا قعودا حولها یرقبونها   وکانت فتاة الحی ممن ینیرها

مبرزة لا یجعل الستر دونها   اذا خمد النیران لاح بشیرها

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانہ جاہلیت میں لباس کے متعلق بہت ترقی کر لی تھی۔ اگرچہ یہ ترقیاں صرف امراء اور سرداران قبائل تک محدود تھیں۔ لیکن جن لوگوں میں تھیں، پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ تھیں۔ عورتوں کے لئے لباس کے جو اقسام اس وقت تک ایجاد ہو چکے تھے وہ جسم کے ہر حصے کے لئے بخوبی پردہ پوش تھے لباسوں کا یہ تنوع زیادہ تر فخر و امتیاز کی بنا پر تھا اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اس سے محروم تھا۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے، عورتوں کے لباس کے متعلق دولت بنوامیہ اور عباسیہ کے عہد میں کوئی معتدبہ اضافہ نہیں ہوا۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں جس قدر لباس ایجاد ہو چکے تھے، اس سے زیادہ اقسام پیدا نہیں ہو سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال جاہلیت ہی میں خوب زور پکڑ چکا تھا۔ عورتیں مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھیں جن کی قسمیں سات آٹھ سے کم نہ تھیں اور اسی اعتبار سے ان کے مختلف نام تھے۔ مثلاً درع، اتب، قرقل، صدار، مجول، شوذر، خمیل۔ ان

میں باہم بہت خفیف فرق ہوتا تھا۔ ان کی وضع محرم، کمری، فتوحی اور قمیص سے ملتی جلتی تھی۔
اشعار جاہلیت میں قریباً یہ سب نام ملتے ہیں۔ لیکن بلحاظ تطویل ہم ان اشعار کو قلم انداز کرتے
ہیں۔ قصابہ، مقنع وغیرہ بھی استعمال کئے جاتے تھے۔

ان کپڑوں کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا جس
سے سر کے دونوں اگلے اور پچھلے حصے چھپ جاتے تھے لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا۔ اس
کو عنق کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک اور رومال باندھتے جس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ بالوں
میں تیل لگا ہو تو اس میں جذب ہو کر رہ جائے اور دوپٹہ میں نہ لگنے پائے۔ اس کا نام
غفارہ تھا۔ غفارہ کے اوپر مختلف طول و عرض کے دوپٹے استعمال کئے جاتے تھے جن
کے نام یہ ہیں، صدار، خمار، نصیف، مقنعہ، مفجر، رداء۔ خمار نہایت چھوٹا ہوتا
تھا۔ اس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ و ہکذا۔ خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز
سے اوڑھتی تھیں کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا۔ اسی بناء پر شاعر کا قول ہے۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطه — فتناولته واتقتنا بالید!

فخر علی الالاءة لم یوسد! — وقد کان الدماء لها خمار

لیکن خاص چہرہ کی حفاظت کے لئے برقع ہوتا تھا جس کی مختلف قسمیں تھیں۔
جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا اس کو "وصواص" کہتے تھے۔ اس سے نیچا نقاب کہلاتا
تھا۔ نقاب سے نیچا لفام اور اس سے نیچا لثام کے نام سے موسوم تھا۔ لفام کی حد ہونٹوں
سے متجاوز نہ تھی۔ سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا، اس کو جشنہ
کہتے تھے۔ نقاب کے یہ تمام اقسام زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے اور استعمال کئے
جاتے تھے۔ اشعار ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ارین محاسنا وکنن اخری — وتقبن الوصاوص للعیون!

یغشی لنا کالبدر تحت غمامة — وقد ذل عن غر الثنایا لفامها

غرض لباس کا پردہ تمام عرب میں جاری تھا اور بجز عوام اور کنیزوں کے تمام
عورتیں اس کی پابند تھیں۔

بعض مثالیں اس رسم کے خلاف ملتی ہیں۔ مگر وہ نہایت شاذ ہیں لیکن دوسری
قسم کا پردہ یعنی عورتوں کا مردوں کی سوسائٹیوں میں شریک نہ ہو سکنا زمانۂ جاہلیت

میں بالکل نہ تھا۔ عورتیں عموماً مجلسوں، بازاروں، لڑائیوں میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ بازار عکاظ میں جہاں شعراء طبع آزمائیاں کرتے تھے، شاعرہ عورتیں جاتی تھیں اور ان کے مستقل دربار قائم ہوتے تھے۔ وہ عام مجمع میں قصیدے پڑھتی تھیں اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کرتی تھیں۔

ایک بار خنساء جو مرثیہ کہنے میں تمام عرب میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی، عکاظ میں گئی۔ اور نابغہ ذبیانی کے سامنے، جو اس وقت استاذ الشعراء تھا، اپنا قصیدہ پڑھا۔ نابغہ نے کہا افسوس، ابھی ایک شخص کو میں اشعر العرب کا خطاب دے چکا ہوں، ورنہ تجھ کو یہ خطاب دیتا۔ تاہم کہتا ہوں کہ تو عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے۔ خنساء نے کہا نہیں بلکہ میں اشعر الرجال والنساء ہوں۔

عام قاعدہ تھا کہ کسی گاؤں میں کسی شاعر کا گذر ہوتا تو وہاں کی تمام عورتیں اس کے پاس آتی تھیں اور شعر پڑھنے کی فرمائش کرتی تھیں اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھیں۔ شعراء بھی بڑے ذوق سے ان کو اپنے اشعار سناتے تھے۔ غرض مشاعرہ، منافرہ، میلے، بازار، دنگل، میدان جنگ، کوئی ایسا مجمع و مجلس نہ تھی جس میں عورتیں بلا تکلف شریک نہ ہوتی ہوں۔

یہ زمانۂ جاہلیت کا حال تھا۔ اسلام کے زمانے سے نیا دور شروع ہوا۔ اس عہد میں جو تغیرات اور اصلاحات ہوئیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اسلام نے سب سے پہلے اصلاح یہ کی کہ جاہلیت کے کرتوں کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے جس سے سینے نظر آتے تھے۔ اس پر ذوقعدہ ۵ھ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ	"اور چاہیئے کہ وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں"

عینی نے بخاری کی شرح میں اس موقع پر لکھا ہے۔

وذالك لان جيوبهن كانت واسعة تبدوا منها نحورهن وصدورهن وما حواليها وكن يسدلين الخمر من ورائهن فتبقى مكشوفة فامرن بان يسدلنها من قدامهن حتى يغطينها:

ترجمہ: یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ ان کے گریبان چوڑے ہوتے تھے جن سے ان کے سینے اور اس کے اطراف نظر آتے تھے اور وہ دوپٹوں کو پشت کی طرف ڈالتی تھیں اس لئے سینے کھلے رہ جاتے تھے اس لئے ان کو حکم ہوا کہ سامنے ڈالیں تاکہ سینہ چھپ جائے۔"

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ پہلے سے جاری تھا لیکن مدینہ منورہ میں یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہو چلا تھا۔ اکثر عورتیں کھلے منہ نکلتی تھیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ۔	"اے پیغمبرؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر ڈال لیا کریں (یعنی چادروں سے منہ چھپا لیا کریں)۔"

اس آیت سے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے۔

آیت کا شان نزول کیا ہے؟

آیت کے معنی کیا ہیں؟

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کا طریقہ عمل کیا رہا۔

شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں جو محدثانہ تفسیر ہے، یہ تصریح ہے

كان ناس من فساق اهل المدينة يخرجون بالليل حين يختلط الظلام الى طريق المدينة فيعرضون للنساء وكانت مساكن اهل المدينة ضيقة، فان كان الليل خرج النساء الى الطرق، يقضين حاجتهن	"مدینہ میں بدمعاشوں کا ایک گروہ تھا جو رات کی تاریکی میں نکلتا تھا اور عورتوں کو چھیڑتا تھا۔ مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے۔ رات کو جب عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے نکلتی تھیں تو یہ بدمعاش ان سے برا ارادہ کرتے تھے جس عورت کو دیکھتے تھے کہ

لکان اولئک الفساق یبتغون	چادر میں چھپی ہوئی ہے اس کو
ذالک منھن فاذ راٴوا المرأۃ علیھا	شریف زادی سمجھ کر چھوڑ دیتے
جلباب قالوا ھذہ حرۃ فکفوا	تھے۔ ورنہ کہتے تھے یہ لونڈی
عنھا واذا راوٴا المرأۃ لیس	ہے اور اس پر حملہ کرتے
علیھا جلباب قالوا ھذہ امۃ	تھے۔"
فوثبوا علیھا	

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے اس میں بھی یہی شان نزول لکھا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

کان رجل من المنافقین	(ترجمہ) "ایک منافق تھا جو مسلمان
یتعرض لنساء المؤمنین	عورتوں کو چھیڑا کرتا تھا تو جب اس
یوذیھن فاذا قیل لہ قال	سے کہا جاتا تھا تو کہتا تھا میں نے
کنت احسبھا امۃ فامرھن	اس کو لونڈی سمجھا تھا۔ اس بنا پر خدا
اللہ ان یخالفن زی الاماء	نے حکم دیا کہ لونڈیوں کی وضع نہ بنائیں
ویدنین علیھن من	اور اپنے اوپر چادریں ڈال لیں۔ اس
جلابیبھن تخمر وجھھا	طرح کہ بجز ایک آنکھ کے باقی سب
الا احدی عینیھا	چہرہ چھپ جائے۔"

تفسیر کشاف میں ہے:

فامرن ان یخالفن بزیھن	"اس لئے ان کو حکم ہوا کہ
عن زی الاماء بلبس الاردیۃ	لونڈیوں کی وضع سے الگ وضع اختیار
والملاحف وستر الرؤس	کریں۔ یعنی چادریں اور برقع استعمال
والوجوہ	کریں اور سر اور چہرہ چھپائیں۔

ان تصریحات میں ایک خاص امر یاد رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ بیبیوں اور لونڈیوں کے لباس اور وضع میں فرق تھا اور وہ یہ تھا کہ بیبیاں چادروں سے چہرہ چھپاتی تھیں اور لونڈیاں کھلے منہ نکلتی تھیں۔ اشعار جاہلیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

ونسوتکم فی الروع باد وجوھھا ۔۔۔ یخلن اماء والاماء حرائر

"تمہاری عورتوں کے چہرے لڑائی میں کھل گئے تھے اس سلئے لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ لونڈیاں نہ تھیں۔

ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانے میں یہ فرق قائم تھا اور اسی وجہ سے جب کوئی بی بی کھلے منہ نکلتی تھی تو بدمعاشوں کو ان کے چھیڑنے کے لئے یہ عذر ہاتھ آتا تھا کہ ہم نے ان کو لونڈی سمجھا تھا۔

آیت کے معنی کے متعلق دو لفظ بحث طلب ہیں، جلباب اور ادنار۔ جلباب کے معنی میں اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں لیکن محقق یہ ہے کہ جلباب ایک قسم کا برقع اور چادر تھی جو تمام کپڑوں سے زیادہ وسیع ہوتی تھی اور اس لئے سب کے اوپر استعمال کی جاتی تھی جس طرح آج کل ترکی خواتین فراجہ استعمال کرتی ہیں۔ تفسیر عماد ابن کثیر میں ہے :-

والجلباب هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعود وعبيدة والحسن البصري وسعيد بن جبير و ابراهيم النخعي و عطاء الخراساني وغير واحد.	"جلباب چادر کو کہتے ہیں جو خمار کے اوپر استعمال کی جاتی ہے۔ عبداللہ ابن مسعود، عبیدہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاء خراسانی وغیرہ نے جلباب کے یہی معنی بیان کئے ہیں"!

دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے، وہ ادناء ہے۔ ادناء جلباب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہیں، منہ چھپانے کے لکھے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تمام صحابہ میں فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ ان کا قول تفسیر ابن کثیر میں علی بن طلحہؓ سے نقل کیا ہے کہ:-

امر الله نساء المؤمنين اذا خرجن من بيوتهن في حاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلباب ويبدين عينا واحدة.	"خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ جب گھر سے کسی کام کو نکلیں تو سر سے چادر اوڑھ کر چہروں کو چھپالیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قال ابن عباس وابوعبیدۃ	"ابن عباس اور عبیدہ کا قول ہے
امر نساء المؤمنین ان	کہ خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا
یغطین رؤسھن ووجوھھن	کہ چادر سے اپنا سر اور چہرہ چھپالیں
بالجلابیب الاعینا واحدۃ	بجز ایک آنکھ کے"

طبقات ابن سعد میں ہے[1]

عن محمد بن عمر عن ابی بسرۃ	محمد ابن عمر نے ابوبسرہ سے، انہوں
عن ابی صخر عن ابن کعب القرظی	نے ابوصخر سے انہوں نے ابن کعب قرظی
قال کان رجل من المنافقین	سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک
یتعرض لنساء المؤمنین	منافق تھا جو مسلمان خواتین کو چھیڑا کرتا
یوذیھن. فاذا قیل لہ قال	تھا اور جب اس کو ٹوکا جاتا تھا تو کہتا
کنت احسبھا امۃ. فامرھن	تھا کہ میں نے لونڈی سمجھا تھا تو خدا نے
اللہ ان یخالفن زی الاماء	حکم دیا کہ لونڈیوں کی وضع ترک
ویدنین علیھن من	کریں اور اپنے اوپر اس طرح سے
جلابیبھن تخمر وجھھا	چادر ڈال لیں کہ چہرہ چھپ جائے
الا احدی عینیھا	بجز ایک آنکھ کے۔"

تفسیر کشاف میں ادناء جلباب کی یہ تفسیر کی گئی ہے :

یرخینھا علیھن ویغطین	"چادر کو اپنے اوپر ڈال لیں اور
بھا وجوھھن	چہرہ کو چھپالیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس، ابوعبیدہ، ابن کعب قرظی، بغوی، ابن کثیر اور زمخشری اس درجہ کے لوگ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں اگر کسی مخالف کا قول ہوتا بھی تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی تھی لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے شاذ و نادر کے سوا تمام اہل لغت اور مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

اس صورت میں صرف شاہ ولی اللہ صاحب کے مبہم ترجمہ سے ایسے معرکۃ الآراء مسئلہ میں استدلال کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے۔

---

[1] جلد ہشتم صفحہ ۱۲۷، مطبوعہ یورپ

پردہ کے متعلق تمام دنیا میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہیں نکلتی تھیں اور بجز کسی حالت کے نامحرموں سے ہمیشہ منہ چھپاتی تھیں۔ یہانتک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے مقدم مسئلہ بن گیا تھا۔ تصدیق اس کی واقعات ذیل سے ہوگی۔

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں فلاں عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے جاکر اسے دیکھ آؤ۔ انہوں نے جاکر اس عورت کے والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا۔ صحابہ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، محتاج بیان نہیں، تاہم والدین کو ناگوار ہوا کہ ان کی لڑکی ان کے سامنے آئے اور یہ اس پہ نظر ڈال سکیں۔ لڑکی پردہ میں سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ بولی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے تو تم مجھ کو آکر دیکھ لو۔ ورنہ میں تم کو خدا کی قسم دلاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح میں مذکور ہے۔

محمد بن سلمہ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اس لئے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لیں۔ لیکن موقع نہیں ملتا تھا یہاں تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ میں گئی۔ انہوں نے موقع پاکر اسے دیکھ لیا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے انہوں نے ان سے کہا آپ صحابی ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ پہلے اس کو دیکھ لیا جائے۔

(سنن ابن ماجہ، باب النکاح)

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اخطل سعید بن ایاس کا مہمان ہوا۔ سعید نے بڑے تپاک سے مہمانداری کی۔ یہاں تک کہ اس کی دونوں لڑکیاں، جن کا نام زعوم وامامہ تھا، اخطل کی خدمت گزاری میں مصروف رہیں۔ دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا تو لڑکیاں جوان ہو چکی تھیں۔ اس لئے اخطل کے سامنے نہ آئیں۔ اغانی کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

ثم نزل علیہ ثانیۃ	" اخطل دوبارہ سعید کا مہمان
وقد کبرتا فحجبتا	ہوا تو لڑکیاں بڑی ہو چکی تھیں

فسال عنهما وقال ابنتای فاخبر بکبرهما۔	اس لئے انہوں نے پردہ کیا۔ اغفل نے پوچھا کہ تیری لڑکیاں

کہاں ہیں؟ سعید نے کہا اب وہ بالغ ہو گئی ہیں۔
پردہ کا اس قدر رواج ہو گیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہے تو مؤرخین اور واقعہ نگاروں نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اس کا ذکر کیا ہے۔
ابن بطوطہ نے سفرنامہ میں جہاں ترکوں کا ذکر کیا ہے، ایک عورت کا ذکر کر کے لکھتا ہے

وهی بادیة الوجه لان نساء الا تراک لا یحتجبن	"اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ کیونکہ ترکی عورتیں پردہ نہیں کرتیں"

صاحب اغانی نے اغفل کے تذکرے میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے :-

وکان اهل البدو اذ ذاک یحدث رجالهم الی النساء لا یرون بذالک بأسا۔	"اس زمانہ میں صحرانشین عربوں میں مرد عورتوں کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے اور ان سے

بات چیت کرتے تھے اور اس کو معیوب خیال نہیں کرتے تھے۔
اسی کتاب میں جمیل کے تذکرہ میں، جو ایک بدوی شاعر تھا، لکھا ہے :

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید والنساء اذ ذاک یتزین ویبدو بعضهن لبعض ویبدون للرجال فی کل عید	"جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا۔ اس زمانہ میں عید کے دن عورتیں آراستہ ہو کر ایک دوسرے سے ملتی تھیں اور مردوں کے سامنے آتی تھیں"

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا مسلمانوں کی عام معاشرت تھی۔ اس کے خلاف کوئی واقعہ ہے تو وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور کتابوں میں بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے
اس موقعہ پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنف (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ
"خلفاء کے زمانہ تک اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں؟" ذالک مبلغهم من العلم ——— !

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

محمد یونس جنجوعہ

وبالوالدین احسانا

اسلامی تعلیمات میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی خصوصی تاکید ملتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق یعنی توحید کے متصلاً بعد والدین کے حقوق بیان کیے ہیں اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین کی ہے۔ والدین کا ادب و احترام، ان کے ساتھ حسن وخوبی کا برتاؤ اخلاقیات کا اہم تقاضا ہے چونکہ اسلام میں اخلاقیات کی اہمیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے اس لیے اولاد کے لیے اپنے والدین کی خدمت، فرمانبرداری اور نیک سلوک اسلامی اخلاق میں اہم ضابطے کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں فطری تقاضوں کی تسکین کے لیے احسن طرزِ عمل اور عمدہ طریقِ کار اختیار کیا گیا ہے۔ والدین کے دل میں اولاد کی محبت کا جذبہ فطری طور پر نہایت شدت کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی جذبے کا کرشمہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے اور ان کی تعلیم و تربیت کا بہتر سے بہتر انتظام کرتے اور ان کی تکالیف رفع کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں بلکہ اگر اولاد کو مصیبت میں دیکھیں تو اس قدر بیتاب ہو جاتے ہیں کہ خود اپنی تکلیف بھی بھول جاتے ہیں۔ سردیوں کے موسم میں ماں کے پہلو میں لیٹا ہوا بچہ رات کو پیشاب کرکے بچھونے کو گیلا کر دے تو ماں کے لیے یہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے کہ وہ خود تو خشک بچھونے پر سوئے اور اس کا بچّہ گیلے حصّے پر پڑا رہے چنانچہ وہ خود گیلے حصّے پر ہو جاتی ہے اور بچّے کو خشک بچھونے پر لٹا دیتی ہے۔ اسی طرح والد اپنے خون پسینے کی کمائی اولاد پر خرچ کرتا ہے۔ بعض اوقات خود مصیبت اٹھا کر اولاد کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ والدین اولاد کی کوتاہیوں کو برداشت کرتے اور کمال فراخ دلی سے انہیں

معاف کر دیتے ہیں۔

مروت کا تقاضا ہے کہ محسن کو یاد رکھا جائے۔ اس کے حسن وسلوک اور مصیبت میں کام آنے کو فراموش نہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ ادا نہ کیا۔ اولاد کے لیے والدین سے بڑھ کر کون محسن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اولاد پر یہ فرض خود بخود عائد ہو جاتا ہے کہ وہ بڑا ہو کر والدین کی خدمت اور اطاعت کرے اور اس بات کو کبھی فراموش نہ کرے کہ انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر، دکھ سہہ کر اور مال خرچ کر کے ان کی پرورش کی ہے۔

" اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر اُن میں سے ایک یا وہ دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا۔ اور نہ ان کو جھڑکنا۔ بلکہ ان کے ساتھ بات کرنا احترام کے ساتھ۔ اور ان کے لیے عاجزی کا بازو جھکا دو مہربانی کے ساتھ۔ اور (خدا سے دعا کرتے رہو) اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم کر جیسا انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا۔ "

والدین کے اپنی اولاد پر اس قدر احسان ہوتے ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ عام ضابطہ اخلاق کے تحت اولاد کے لیے لازم ہے کہ وہ ہوش مندی کی عمر کو پہنچ کر اپنے والدین کے احسانات کا بدلہ چکائے خصوصاً جبکہ والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر جسمانی کمزوری کی وجہ سے اولاد کی خدمت کی حاجت بھی رکھتے ہوں چونکہ والدین نے اولاد کی پرورش کے دوران دکھ اور تکلیف برداشت کیے ہوتے ہیں۔ اس لیے فطرتاً وہ امید رکھتے ہیں کہ جن کے لیے انہوں نے دُکھ اور تکلیفیں اٹھائیں بلکہ جان تک نچھاور کرتے رہے اب احتیاج کے وقت وہ ان کی نگہداشت کریں اور سہولت پہنچانے کی کوشش کریں۔ لیکن جب ناخلف اولاد جوان ہو کر اپنے من پسند مشاغل میں منہمک ہو جائے اور بوڑھے والدین کو بے سہارا چھوڑ دے تو ماں باپ کا ان پر ناراض ہونا بجا ہے۔ چونکہ والدین کی ناراضی

بجا ہوتی ہے۔ اِسی لیے ان کی ناراضی خدا کی ناراضی کا موجب بنتی ہے۔ اسی طرح جب سعادت مند اولاد جوان ہو کر اپنے ضعیف والدین کی خدمت کرتی ہے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتی ہے تو والدین کا دل خوش ہوتا ہے اور ان کی یہ خوش دلی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند آتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے۔ ایک اور حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب کوئی اپنے ماں باپ کے لیے دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ والدین کے حق میں دعا مانگنا بھی ادائے حقوق کے لیے لازم ہے اور نیز والدین کے حق میں دعا کے الفاظ بھی خود قرآن پاک میں بتائے گئے ہیں یعنی رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ہ (اے میرے پروردگار ان دونوں (میرے ماں باپ) پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے کودکی سے پرورش کیا) گویا دعا مانگنے والا کَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا کہہ کر خدا تعالیٰ سے اپنے والدین کے لیے غیر مشروط اور مطلق مہربانی کی تمنا کر رہا ہے کیونکہ انہوں نے مطلق مہربانی کے جذبے کے تحت ہی اپنی اولاد کی تربیت کی ہے۔ اولاد سے ناپختگی کی عمر میں اکثر اوقات نامناسب رویے کا ظہور بھی ہو جاتا ہے لیکن والدین اپنے تیور نہیں بدلتے بلکہ معاف کیے دیتے ہیں اور درگزر سے کام لیتے ہیں تو اب جوان صاحبزادے کی خدا کے حضور دعا کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح میرے والدین نے میری لغزشوں، کوتاہیوں، غلطیوں اور نالائقیوں کے باوجود مطلق مہربانی کے جذبے سے میری پرورش کی اسی طرح تو بھی ان کی خطاؤں اور گناہوں کو نظر انداز کر کے ان پر مطلق مہربانی فرما۔ کتنی معنی خیز دعا ہے۔ جو ہمیں ہمارے خالق نے اپنے والدین کے حق میں مانگنے کے لیے سکھائی ہے۔

بعض اوقات والدین خود اخلاقی یا عملی اعتبار سے قصوروار ہوتے ہیں تو سوال پیدا ہوگا کہ والدین کے حق میں دعا مانگنا اس وقت کیسا رہے گا تو اس صورتِ حال کے لیے قرآن پاک میں کوئی استثنا مذکور نہیں ہے بلکہ اولاد کو والدین کے حق میں غفور رحیم ربّ تعالیٰ سے مطلق مہربانی کی دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ البتہ اولاد کے لیے لازم ہے کہ فاسق فاجر اور بدکردار والدین کی صورت میں وہ صرف معروف باتوں

میں ان کا حکم مانیں اور اطاعت کریں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ۔ (خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں) اور خود قرآن پاک میں ارشاد ہے "تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ... الخ

حاصل تحریر یہ ہے کہ جن لوگوں کے والدین موجود ہیں وہ ان کی موجودگی کو بیش بہا نعمت سمجھ کر ان کی خدمت میں سرگرم عمل رہیں ان کی دعائیں لیں اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں کیونکہ ان کے بابرکت وجود کی اہمیت سے غفلت نتیجتاً نہایت خطرناک ثابت ہوگی۔ بوڑھے والدین کی سخت سست باتوں کو صبر سے سُننا اور جواباً ان کو اُف تک نہ کہنا بلکہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھنا بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ جن لوگوں کے والدین اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں انھیں اپنے والدین کی مغفرت، بخشش اور بلندیٔ درجات کے لیے اللہ رب العزت کے حضور دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز پنجگانہ پابندی سے ادا کرتے ہیں اور اس طرح نماز کے ہر قعدے میں جہاں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہیں وہاں وہ والدین کے حق میں دعائے خیر بھی کرتے ہیں۔

خبر غلط تھی

مشہور امریکی خلاباز نیل آرم اسٹرانگ کے بارے میں گذشتہ دنوں یہ خبر گرم تھی کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے یہ خبر بیک وقت مختلف ذرائع سے سامنے آئی اور بعض اخبارات میں تو اسکی بنیاد پر اداریے تک لکھے گئے

ادارہ میثاق سے یہ تقصیر ہوئی کہ میثاق کی اپریل کی اشاعت میں کسی تحقیق و تبیین کے بغیر " افکار و آراء " کے ضمن میں روزنامہ جسارت (اشاعت ۱۲ فروری ۸۳ء) کے حوالے سے اس اخباری تبصرہ کو شائع کر دیا گیا - بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر درست نہ تھی - اس پر مولانا وحید الدین خان نے جو تحقیق کی ہے وہ ماہنامہ " الرسالہ " دہلی ، کے حوالے سے قارئین میثاق کے لئے پیش ہے -

نیل آرم اسٹرانگ مشہور امریکی خلاباز ہیں - وہ تاریخ کے پہلے انسان ہیں جنہوں نے ۲۱ جون ۱۹۶۹ کو چاند پر قدم رکھا - وہ اس سے پہلے امریکہ کے خلائی ادارہ ناسا (NASA) سے متعلق تھے - اب اس سے الگ ہو کر وہ ایک یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

پچھلے دنوں ملیشیا کے اخبار اسٹار (۱۰ جنوری ۱۹۸۳) اور سری لنکا کے ڈیلی نیوز پیپر (۲۵ جنوری ۱۹۸۳) میں ایک خبر چھپی جو بہت جلد دوسرے مسلم اخبارات میں نقل ہو کر دنیا بھر میں پھیل گئی - یہاں ہم اسٹار کی خبر اور اس کا ترجمہ نقل کرتے ہیں :

The world-famous astronaut Neil Armstrong was the first man to set foot on the moon. He has since become a Muslim and the reason given was that when he first stepped on the moon he heard a sound which was very clear to him and his companions. At that time, he thought his ears were playing tricks on him as he was rather excited and over-awed by his first experience on the moon. When he was sent on a lecture tour to the various contries, one of the places he visited was Cairo, Egypt, and he heard the same sound again. So he asked the Egyptian companion nearest to him what the sound was. He was told that it was Azan, the call to prayer and the glorification of God. He was astounded for that was the same sound and the same words to the best of his memory that he heard on the moon. It was then, that he decided to learn something about the religion and finally embraced Islam. As a result of that, he lost his coveted job. But, according to him, he had found God, and nothing else mattered.

دنیا کے مشہور خلاباز آرم اسٹرانگ پہلے شخص ہیں جنہوں نے چاند پر قدم رکھا - وہ اس

کے بعد سے مسلمان ہو گئے ہیں اور وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جب پہلی بار انہوں نے چاند پر قدم رکھا تو انہوں نے وہاں ایک آواز سنی جوان کے لئے اور ان کے ساتھیوں کے لئے بہت صاف تھی. اس وقت ان کو خیال آیا کہ ان کے کانوں کو دھوکا ہو رہا ہے۔ کیوں کہ اس وقت وہ چاند کو پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ اور ان پر ایک استعجاب کی کیفیت طاری تھی۔ بعد میں وہ مختلف ملکوں میں لیکچر دینے کے لئے گئے۔ اس دوران وہ قاہرہ (مصر) بھی گئے۔ وہاں انہوں نے وہی آواز دوبارہ سنی جو انہوں نے چاند پر سنی تھی۔ انہوں نے اپنے قریب کے مصری ساتھی سے پوچھا کہ یہ آواز کیا ہے۔ ان کو بتایا گیا کہ یہ اذان ہے جو عبادت کی پکار ہے اور اس میں خدا کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ آرم اسٹرانگ کو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ یہ ان کے حافظہ کے مطابق وہی آواز اور وہی الفاظ تھے جو انہوں نے چاند پر سنے تھے۔ اس وقت انہوں نے اسلام کے متعلق جاننے کا فیصلہ کیا اور بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی قابل رشک ملازمت کھو دی۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ میں نے خدا کو پا لیا ہے۔ اور اب کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں"

یہ خبر دوسرے اخبارات میں نقل ہوئی تو اس میں مزید اضافے بھی کر دئے گئے۔ مثلاً یہ کہ آرم اسٹرانگ نے چاند کی آواز کو ٹیپ ریکارڈ کر لیا تھا اور زمین پر آکر اذان کی آواز کو اس سے ملایا۔ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ایک خط مسٹر آرم اسٹرانگ کو لکھا تھا۔ انہوں نے اس خبر کی تردید کی ہے اور اس کو بے بنیاد بتایا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے ذاتی دستخط سے جو جواب موصول ہوا ہے اس کا عکس علیحدہ صفحہ پر دیا جا رہا ہے۔ آرم اسٹرانگ اپنے جواب میں لکھتے ہیں:

آپ کے خط کا شکریہ۔ میرے اسلام قبول کرنے کی خبریں، اذان کی آواز کو چاند پر اور اس کے بعد قاہرہ میں سننا، سب خلاف واقعہ ہیں۔ میں کبھی مصر نہیں گیا۔ ملیشیا، انڈونیشیا اور دوسرے مقامات کے کچھ رسالوں اور اخبارات نے یہ خبریں بغیر تصدیق کئے ہوئے چھاپی ہیں۔ اس نا اہل صحافت نے آپ کو جو بھی زحمت دی ہو اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں ——

خلوص کے ساتھ، آرم اسٹرانگ

خبر کے مطابق اس واقعہ میں حکومت امریکہ بھی ملوث تھی۔ کیونکہ خبر میں بتایا گیا تھا کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مسٹر آرم اسٹرانگ کی سرکاری ملازمت ختم کر دی گئی ہے۔ اس بنا پر خود حکومت امریکہ نے بھی اس کی تردید کا اہتمام کیا۔ ۱۲ مئی ۱۹۸۳ کو نئی دہلی کے امریکن سینٹر میں ایک خصوصی ٹیلی پریس کانفرنس ہوئی۔ اس میں اخبارات کے نمائندوں کو موقع دیا گیا کہ وہ ٹیلی فون کے ذریعہ

براہ راست آرم اسٹرانگ سے بات کریں۔ اس ٹیلی پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے امریکی خلا باز نے اپنے قبول اسلام کی تردید کی (ہندستان ٹائمس ۱۳ مئی ۱۹۸۳) مزید انہوں نے کہا کہ اسلام کی تعلیمات کبھی ان کے سامنے نہیں آئیں اور نہ انہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے :

He had never been exposed to Islamic teachings nor had he read the Quran.

کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں نے آرم اسٹرانگ اور ان جیسے دوسرے بندگان خدا کے سلسلہ میں اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کو تو پورا نہیں کیا۔ البتہ فرضی کہانیاں بنا کر خوش ہو رہے ہیں کہ چاند سے لیکر امریکی خلا باز تک سب کو ان کے دین اعظم نے فتح کر رکھا ہے ۔

NEIL A. ARMSTRONG
31 N. BROADWAY
LEBANON, OHIO 45036
TELEPHONE 513-932-6833

May 5, 1983

Mr. Wahuddudin Khan
President, Islamic Centre, Delhi
Office Al-Risala Monthly
Jamiat Building
Qasim Jan Street
Delhi - 110006
India

Dear Mr. Khan:

Thank you for the courtesy of your letter.

The reports of my conversion to Islam, of hearing the voice of Adzan on the moon, and later in Cairo (I hav never been in Egypt) are all untrue.

Several magazines and newspapers in Malaysia, Indones and elsewhere have published these reports without ver fication. I apologize for any inconvenience that this incompetent jouralism may have caused you.

Sincerely,

Neil A. Armstrong

NAA:vw

رفتارِ کار

اسلام آباد

امیر محترم تقریباً پچھلے ڈیڑھ سال سے ہر ماہ کی پہلی سوموار سے کمیونٹی سنٹر نزد آب پارہ اسلام آباد درسِ قرآن مجید کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ۲ مئی ۱۹۸۳ء کو بھی بعد نمازِ مغرب سورہ منافقون کا درس دیا۔ اس سورۃ کے حوالے سے امیر محترم نے نفاق، اس کی علامات۔ مدارج اور پھر اس سے پرہیز اور بچاؤ کی مختلف صورتوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا۔ اس مرتبہ ماہ اپریل میں سالانہ اجتماع کے باعث ناغہ کی وجہ سے حاضری میں قدرے کمی محسوس کی گئی۔ کمیونٹی سنٹر میں ان ماہانہ اجتماعات کا انتظام انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد اس سنٹر کی انتظامیہ کے تعاون سے کر رہی ہے۔ اسی اجتماع میں اعلان کر دیا گیا کہ بروز منگل ۳ مئی ۱۹۸۳ء بعد نمازِ عصر رحمانی کارپوریشن ٹی اینڈ ٹی سنٹر ۹/۴/G اسلام آباد میں بھی ڈاکٹر صاحب کا خطاب ہوگا جس میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور اس کے لوازمات پر گفتگو ہوگی۔ اس جگہ آجکل تنظیم اسلامی اسلام آباد اور انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد کا ہفتہ وار اجتماع ہر سوموار کو بعد نمازِ عصر منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹ بھی سنوائے جاتے ہیں۔ اور کتابچے بھی پڑھنے کے لیے دیئے جاتے ہیں۔

۳ مئی کو حسبِ اعلان بعد نماز عصر امیر محترم نے بڑے ہی سادہ اور مؤثر پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ اسلامی انقلاب کے مراحل اور اس کے لوازمات پر دو نشستوں میں روشنی ڈالی۔ بعد میں سوالات کی بھی دعوت دی گئی جس میں شرکاء نے تنظیم اسلامی، اس کے طریقِ کار اور نظامِ بیعت پر مختلف وضاحتیں چاہیں بہت سے حضرات نے تنظیم کے کام کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کی قرار دادِ تاسیس اور شرائطِ شمولیت پر مشتمل کتابچے بھی حاصل کیے اور تین افراد نے فوری طور پر تنظیم کی رفاقت اختیار کر لی۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جناب ابوہریرہ طاہر صاحب

اسلام آباد۔ جناب شفاء اللہ صاحب تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ اور جناب محمد حنیف صاحب الریاض سعودی عرب۔

اجلاس کے اختتام پر شرکاء کو چائے پیش کی گئی۔ نماز عشاء وہیں تاخیر سے ادا کی گئی۔

۴ مئی کو محترم ڈاکٹر صاحب اور راقم الحروف میر پور کے لیے جناب سید محمد آزاد صاحب کی معیت میں روانہ ہوئے جس کی رپورٹ انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے :۔

میر پور (آزاد کشمیر) تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ یکم تا ۷ اپریل ۸۲ء کے دوران ناچیز کی درخواست پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۴ مئی، ۵ مئی ۸۲ء دو یوم میر پور اور بھمبر کے لیے مخصوص فرمائے تھے۔ چنانچہ اسی طے شدہ پروگرام کے مطابق ۴ مئی بروز بدھ قبل دوپہر امیر محترم میر پور تشریف لائے اور آتے ہی ضلع کچہری میں وکلاء کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا جلسہ کی صدارت محمد عبداللہ صاحب قاضی ضلع میر پور نے فرمائی۔ یہ عظیم الشان اجتماع مولانا عبدالغفور صاحب صدیقی کی تحریک پر جناب محمد یونس صاحب سورکھوی صدر بار ایسوسی ایشن میر پور اور چوہدری محمد حسین صاحب ایڈوکیٹ نے اپنے دیگر وکلاء ساتھیوں کے تعاون سے کیا تھا۔ جلسہ میں ضلعی افسران، وکلاء حضرات اور کثیر التعداد شہریوں نے شرکت کی اور امیر محترم کے خیالات کو نہایت توجہ سے سنا۔ امیر محترم نے "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر ایک گھنٹہ سے زیادہ خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا "کہ پاکستان کے قیام کی واحد بنیاد اسلام تھا ہم نے یہاں اسلام نافذ نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان دولخت ہو گیا اور مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھ دیا گیا۔ آپ نے زور دے کر فرمایا کہ اب بھی اگر ہم نے باقی ماندہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ نہ کیا تو یہ ملک باقی نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ اس کی بقاء کی کوئی اور بنیاد موجود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ انتخابات کے ذریعے اسلام لانے کے خواب دیکھ رہے ہیں وہ جنت الحمقاء میں رہتے ہیں۔ یہاں الیکشن کے ذریعے کبھی اسلام نہیں آسکتا

اسلام اگر آسکتا ہے تو صرف انقلابی طریقہ کار سے آسکتا ہے۔" تقریر کے اختتام پر ضلعی افسران اور وکلاء نے بعض مسائل پر امیر محترم سے تبادلۂ خیالات کیا۔

بعد نمازِ عصر ڈاکٹر اختر الزماں صاحب غوری مالک "الحیات دواخانہ" نے اپنی رہائش گاہ پر شہر کی ممتاز شخصیتوں کو مدعو کر کے ایک اجتماع کا خصوصی انتظام کر رکھا تھا۔ یہاں حاضرین کی تعداد لگ بھگ دو صد ہو گی۔ اس اجتماع کی صدارت ایک نہایت ہی بزرگ اور عمر رسیدہ عالمِ دین حکیم حیات علی صاحب فاضلِ دیوبند نے فرمائی۔ امیر محترم نے قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر نہایت عالمانہ انداز میں ڈیڑھ گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔ جسے حاضرین نے بہت پسند کیا۔ صدرِ جلسہ نے اپنی صدارتی تقریر میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ "تکبیرِ رب" اور "دین و مذہب کا فرق" جس طرح ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمایا ہے وہ انہی کا حصّہ ہے اور یہ ہم نے اپنی زندگی میں پہلی بار سمجھا ہے۔ انہوں نے امیرِ محترم کے لئے خصوصی دعا بھی فرمائی۔ تقریر کے بعد پُر تکلف عصرانہ دیا گیا اور اس طرح مغرب کی اذان پر یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔

بعد نمازِ عشاء دار العلوم صدیقیہ تعلیم القرآن اہلِ سنت والجماعت جامع مسجد بی۔ ۵ میرپور میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ یہ جلسہ دراصل دو روزہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس کی آخری نشست تھی۔ اس جلسہ کے لیے پاکستان اور آزاد کشمیر کے دور دراز علاقوں سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ جلسہ کی صدارت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاضل دیوبند خطیب جامع ہذا نے فرمائی۔ اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مولانا عبد الغفور صاحب صدیقی مہتمم دار العلوم صدیقیہ نے انجام دیئے۔ انہوں نے اپنے استقبالیہ خطاب میں امیرِ محترم کو ان کی دینی خدمات اور قرآنی بصیرت پر شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور میرپور میں امیرِ محترم کی تشریف آوری پر اظہارِ تشکر کیا۔ پروگرام شروع ہونے سے قبل دار العلوم کے فارغ شدہ طلباء کی دستار بندی امیرِ محترم کے مبارک ہاتھوں انجام پائی۔ ازاں بعد قاری خان محمد صاحب مدرسہ پوٹھہ بینسی کی ایمان افروز اور وجد آفریں تلاوت سے

جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی - ایک طالب علم نے نہایت فکر انگیز نظم پیش کی۔ ازاں بعد امیر تنظیم اسلامی نے" اقامتِ دین اسوۂ حسنہ کی روشنی میں" کے عنوان پر قریباً دو گھنٹے تک نہایت مدلل خطاب فرمایا۔ اور اس طرح بارہ بجے شب پروگرام اختتام کو پہنچا۔ یہاں بھی شہر کی اہم علمی شخصیتوں نے شرکت کی۔ ۵ رمئی بروز جمعرات بعد نمازِ فجر سوال وجواب کی نشست منعقد ہوئی۔ جس میں متعدد حضرات نے سوالات کیے۔ اور امیر محترم نے جوابات دیئے۔ ساڑھے آٹھ بجے ملک عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ پولیس انسپکٹر نے پُر تکلف ناشتے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جہاں اور بھی بہت سے احباب و معززین مدعو تھے۔ وہاں بھی اچھی خاصی محفل رہی۔ ڈاکٹر صاحب محترم نے ملک صاحب کے ناشتہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایسا شاندار ناشتہ ہے کہ ہمیں پھر یہاں آنا ہوگا اور حاجی صاحب کا مہمان بننا ہوگا۔ میرپور کے قیام کے دوران پٹرول پمپ والے چوہدری محمد صادق صاحب اور بابو رحیم داد صاحب ناظم دفتر D.C. نے خصوصی تعاون کیا۔ اور مہمانوں کے آرام کا ہر وقت خیال رکھا۔ مولانا عبدالغفور صاحب صدیقی کی ان تھک محنت اور کوشش سے میرپور کے پروگرام بہت ہی کامیاب رہے۔

بھمبر امیر محترم ۵ رمئی بارہ بجے دن بھمبر تشریف لائے۔ قیام خواجہ محمد اقبال بٹ صاحب رفیق تنظیم اسلامی کے ہاں تھا۔ بعد نمازِ عصر جو حضرات ملاقات کے لیے آئے ان میں مولانا محمد عبداللہ فاضل دیوبند خطیب جامع حنفیہ۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر صاحب۔ چوہدری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ، کیپٹن نعیم مرزا صاحب، قاری نصیر الدین صاحب، مرزا محمد امین صاحب انسپکٹر پولیس، خواجہ محمد صادق بٹ صاحب ہیڈ ماسٹر۔ حاجی شاہ سوار صاحب۔ حاجی قاسم دین صاحب گرہون والے اور مولانا عبدالغفور صدیقی صاحب شامل تھے۔ جبکہ قاری سیف الرحمٰن صاحب نہایت جانفشانی اور تندہی سے مہمانوں کی خدمت اور جلسہ کا انتظام کرنے میں مصروف تھے۔ بعد نمازِ مغرب وسطِ شہر کی جامع مسجد حنفیہ میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں شمولیت کے لیے کوٹلہ۔ برنالہ۔ جا ملاں۔ وپلی سماہنی اور دور دراز سے حضرات تشریف لائے تھے۔ جلسہ کی صدارت حضرت مولانا

محمد عبداللہ صاحب فاضل دیوبند نے فرمائی۔ امیرِ محترم نے "ہمارے تین دینی فرائض" کے موضوع پر مفصل تقریر فرمائی۔ مجمع غیر معمولی تھا اور لوگ بڑے انہماک سے تقریر سُن رہے تھے۔ دو گھنٹہ کی مفصل تقریر کے اختتام پر نمازِ عشاء تاخیر سے ادا کی گئی۔ اس جلسہ میں آزاد کشمیر کی تنظیم اسلامی کے تقریباً تمام رفقاء نے شرکت کی تھی۔ ازاں بعد خواجہ محمد اقبال بٹ صاحب کے ہاں کھانا ہوا جس میں ان کا خلوص بھی شامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امیرِ محترم نے بار بار کھانے کی تعریف فرمائی۔ امیرِ محترم کے اس تبلیغی دورہ میں نائب امیر تنظیم اسلامی برائے پنجاب جناب رحمت اللہ صاحب بُٹر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ساتھ رہے۔ وقاص صاحب اور محمد اقبال صاحب لاہور سے مکتبہ اور کیسٹ سیریز لے کر آئے تھے۔ انہوں نے مکتبہ لگایا جہاں سے کافی کتب فروخت ہوئیں۔ آخر گیارہ بجے شب امیرِ محترم اپنے تینوں ساتھیوں سمیت بذریعہ کار لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور اس طرح یہ نہایت ہی کامیاب دورہ اختتام پذیر ہوا۔

دعوتی و تنظیمی سرگرمیاں

اپریل ۸۳ء کے سالانہ اجتماع تنظیم اسلامی کے موقع پر فیصلہ کیا گیا کہ مختلف شہروں کی تنظیموں اور منفرد رفقاء سے ذاتی رابطہ کے لیے لاہور سے ان حضرات کو بھیجا جایا کرے جنہوں نے ہر ماہ تین دن اللہ کی راہ میں لگانے کا وعدہ دیا ہوا ہے۔ چنانچہ میرپور اور بھمبر کے لیے ۴ مئی اور ۵ مئی کو امیرِ محترم کے ساتھ ساتھ جناب غازی محمد وقاص اور جناب محمد اقبال صاحب جن کا تعلق تنظیم اسلامی لاہور جنوبی سے ہے بھی تشریف لے گئے۔ انہوں نے دعوت کو پھیلانے کے لیے قرآن مجید کے دروس پر مشتمل کیسٹ اور امیرِ محترم کی مطبوعات کے سٹال بھی لگائے اور رفقاء سے ملاقاتیں بھی کیں۔

اسی پروگرام کے تحت تنظیم اسلامی شمالی لاہور کے جناب شمس الحق صاحب گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور وہاں پر موجود رفقاء سے متعارف ہوئے اور ان کو باہم ایک دوسرے سے متعارف کروانے کا ذریعہ بنے۔ انہوں نے گوجرانوالہ کے رفقاء کا اسرہ قائم کیا اور انہیں اجتماعات باقاعدگی سے منعقد کرنے کی تلقین کی۔

جناب ڈاکٹر وقار احمد صاحب اور جناب محمد حنیف صاحب اسی سلسلے میں

ملتان تشریف لے گئے۔ انہوں نے جناب ڈاکٹر طاہر احمد خاکوانی رفیق تنظیم ملتان کی معیت میں باقی تمام رفقاء سے انفرادی ملاقات بھی کی۔ اور بعد نمازِ مغرب ہفتہ وار اجتماع میں بھی شرکت کی۔ اجتماع میں امیر محترم کے درسِ قرآن بذریعہ کیسٹ کے علاوہ ان ساتھیوں نے تنظیم کی دعوت کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی اور مختلف سوالات کے سلسلے میں وضاحتیں کیں۔

راقم الحروف بھی ذاتی رابطہ کے لیے ۱۹ مئی کو گجر خان گیا اور وہاں کے رفقاء اور امیر تنظیم سے ملاقات کی۔ ان کو ہفتہ وار اجتماعات کے لیے کہا اور دعوت کے کام کو منظم طریق سے آگے بڑھانے کے سلسلے میں تجاویز پر گفتگو کی۔ ان کی آبادی ڈھوک جبیب کے کچھ احباب سے بھی ملاقات کی۔ اور ان سے تعارف حاصل کیا ۔

۲۰ مئی بروز جمعہ علی الصبح واہ کینٹ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں جناب قاضی ظفر الحق صاحب اور حافظ محمد عبداللہ صاحب سے ملاقات کی۔ اوّل الذکر تو تنظیم اسلامی کے رفیق ہیں لیکن مؤخر الذکر وہاں بلاک ایف ۳ کی جامع مسجد کے خطیب ہیں اور دین کی اقامت اور توحید و سنّت کی ترویج کے پُرجوش مبلغ ہیں۔ نماز جمعہ ان کی مسجد ہی میں ادا کی اور پھر عازم راولپنڈی ہوا۔

راولپنڈی کی تنظیم کے ہفتہ وار اجتماع عمومی و خصوصی کے سلسلے میں رفقاء فیری لینڈ ہائی سکول میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ بندہ بھی اجتماع سے پہلے ہی پہنچ گیا۔ بعد نمازِ عصر مختلف تنظیمی معاملات پر گفتگو ہوتی رہی اور امیر محترم اور قیم تنظیم کی طرف سے جاری کردہ مراسلوں کو اجتماعی طور پر پڑھا گیا۔ نمازِ مغرب کے بعد سلسلہ وار درسِ قرآن مجید کی نشست ہوئی جس میں راقم نے سورہ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع کی کچھ تشریح بیان کی۔

یہ اجتماع نمازِ عشاء سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گیا اور پھر جناب مقصود الٰہی بھٹی صاحب کی فرمائش پر ان کے محلّہ کی مسجد میں بعد نماز عشاء راقم نے اسی رکوع کا دوبارہ درس دیا۔ کافی تعداد میں نمازیوں نے شرکت کی۔ بعدہٗ راقم رات ہی کو لاہور کے لیے روانہ ہو گیا اور اللہ کی توفیق سے یوں یہ سفر بخیر و عافیت مکمل ہوا۔

(مرتبہ: رحمت اللہ بٹر صاحب، نائب امیر تنظیم اسلامی برائے پنجاب)

مئی ۸۳ء میں امیرِ محترم کا کراچی میں ورودِ مسعود

تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع (منعقدہ یکم اپریل تا ۱۱ اپریل ۸۳ء) کے موقع پر یہ بات علم میں آئی تھی کہ امیرِ محترم ۹ مئی ۸۳ء کو کراچی کے راستے سے شمالی امریکہ کے دعوتی و تبلیغی دورے پر تشریف لے جائیں گے۔ چنانچہ اسی موقع پر امیرِ محترم سے ۸ مئی ۸۳ء کو کراچی میں درسِ قرآن کے پروگرام کی منظوری حاصل کرلی گئی تھی۔ کراچی میں ملیر ہالٹ کے نزد رفاہ عام سوسائٹی مڈل کلاس کے تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے۔ پانچ چھ سال قبل اس سوسائٹی کی جامع مسجد میں، جو اس وقت زیرِ تعمیر تھی، ایک روزہ درس قرآن کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ اب ماشاء اللہ یہ مسجد ایک وسیع وعریض 'جامع' کی حیثیت سے تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ صرف صحن اور برآمدوں نیز صدر دروازہ کی تعمیر زیرِ تکمیل ہے۔ اس جامع مسجد کے کارکنان کا عرصہ سے اصرار تھا کہ امیرِ محترم کا کم ازکم دو روزہ درس کا پروگرام رکھا جائے۔ لہٰذا ۷ اور ۸ مئی ۸۳ء کو بعد نمازِ مغرب اس مسجد میں سورۃ الصف کے درس کا پروگرام طے کیا گیا۔ اس پروگرام کی خود رفاہ عام سوسائٹی کی جامع مسجد کی جانب سے علاقے میں بہت بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ نیز مقامی تنظیم نے خود اپنی جانب سے اور چند اہلِ خیر کے تعاون سے اخبارات میں اشتہارات، ہینڈ بل اور پوسٹر کے ذریعے نشر و اشاعت کی۔ نتیجتاً الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ درس قرآن کا یہ پروگرام کراچی کے کامیاب ترین پروگراموں میں ایک مقام کا حامل بن گیا۔ حالانکہ مئی میں کراچی میں شدید حبس ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ اس درس میں حاضری کا عالم دیدنی تھا۔ مسجد کا وسیع وعریض ہال اور برآمدے حاضرین سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ مقامی لوگوں کے علاوہ دُور دُور سے لوگ بسوں، گاڑیوں، موٹر سائیکلوں اور ریل کے ذریعے جوق در جوق اس مسجد میں پہنچے تھے۔ خواتین کی نشست کا بھی علیحدہ انتظام تھا۔ حاضری کا محتاط اندازہ تین چار ہزار کے درمیان تھا۔

سورۃ الصف ہمارے قرآنی منتخب نصاب میں ذروۂ سنام کا مقام رکھتی ہے اس سورۃ مبارکہ میں ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی امتیازی

اور تکمیلی شان هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ بیان ہوئی ہے، دوسری طرف اہل ایمان پر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت کا نہایت جامع اسلوب کے ساتھ بیان ہوا ہے اور اہل ایمان کو جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی انجام دہی کیلئے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ فرما کر آمادہ کیا گیا ہے۔ کلام اللہ کا اپنا اعجاز اور اپنی تاثیر ہے، جس کی دنیا میں کوئی دوسری مثال ملنی ناممکن و محال ہے۔ پھر قرآن حکیم کے حکم و رموز اور عرفان کو بیان کرنے والا کون؟ وہ جس نے اپنی عمر عزیز قرآن فہمی اور اس کی دعوت کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اس اجتماع کا عالم یہ تھا کہ اتنا کثیر مجمع ہونے کے باوصف دو روز تک خاموشی طاری رہی اور ع ' دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے — کا عملی مظاہرہ دیکھنے میں آیا —

۹ رمئی ۸۳ء بروز پیر صبح ساڑھے نو بجے مقامی تنظیم اسلامی کے دفتر میں سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں رفقاء کے علاوہ تقریباً ۵۰ حضرات نے شرکت فرمائی مختلف انواع کے سوالات کئے گئے جن کے امیر محترم نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس نشست کے خاتمہ پر چھ نئے حضرات نے عہد نامہ رفاقت پڑھ کر امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی — ۹ رمئی کو امیر محترم نے بعد نماز مغرب مقامی تنظیم اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع میں شرکت کی اور ۱۰ بجے تک شمالی امریکہ کے دورے پر تشریف لے جانے کے لئے ائیرپورٹ روانہ ہوئے اس ضمن میں قابل ذکر خاص بات یہ ہے کہ امیر محترم ۵ رمئی کی شام اسلام آباد، راولپنڈی اور آزاد کشمیر کے دورے سے لاہور واپس آئے تھے ۶ مئی کو مسجد دارالسلام میں خطاب جمعہ اور اس دورے کی وجہ سے موصوف پر انتہائی تکان طاری تھی لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے امیر محترم کو ہمت عطا ہوئی اور کراچی کا یہ سہ روزہ دعوتی و تدریسی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(مرتبہ: عبدالواحد عاصم۔ قیم تنظیم اسلامی کراچی)

۸۰

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

Regd. L No 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32 | JULY 1983 | No 7

مرکزی مکتبہ

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد: ۳۲ | شمارہ: ۸ | شوال المکرم ۔ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ مطابق اگست ۱۹۸۳ء

مشمولات

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید پریس شاہراہ فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ ۔ شاہراہ لیاقت
کراچی ۔ فون برائے رابطہ ۲۱۶۷۰۹

جمیل الرحمٰن　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اسلامی تقویم کے لحاظ سے ذی القعدہ ۱۴۰۳ھ اور عیسوی تقویم کے لحاظ سے اگست ۱۹۸۳ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ ان تقویموں میں سال بھر میں تقریباً دس دن کا فرق پڑجاتا ہے لہذا اس خلا کو اس طرح پورا کیا گیا ہے کہ اسلامی تقویم کے لحاظ سے شوال المکرم اور ذی القعدہ کا شمارہ ایک قرار دیا گیا ہے۔

رمضان المبارک کے بعد قرآن اکیڈمی میں نئی منتخب و مقرر کردہ مجلس مشاورت کا از ۱۶ تا ۱۸ (سہ روزہ) پہلا سہ ماہی اجلاس منعقد ہوا جس میں ۲۷ رفقاء میں سے ۲۱ نے شرکت کی۔ ان تین دنوں تک اکیڈمی میں کافی رونق رہی۔ تنظیمی لحاظ سے اس مشاورت میں چند اہم فیصلے ہوئے جن کو رفقاء تک ان شاء اللہ　　نقیم تنظیم اسلامی پہنچا دیں گے۔

بفضلہ تعالیٰ تنظیم کی دعوت بیرون پاکستان بھی اپنی جگہ بنا رہی ہے۔ جس میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں دوسرے چند ممالک　میں　بھی تنظیم کے منفرد رفقاء قیام پذیر ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ بیرون ملک دعوت کو منظم و مستحکم کرنے اور توسیع کے ذرائع اختیار کرنے کے لئے یک سوئی کے ساتھ توجہ دی جائے لہذا امیرِ محترم نے مجلس مشاورت کے مشورے سے محترم قاضی عبدالقادر صاحب کو برائے بیرون ملک اپنا نائب امیر مقرر کیا ہے۔ تاکہ قاضی صاحب موصوف بیرون ملک قائم ہونے والی تنظیموں اور بیرون ملک مقیم منفرد رفقاء سے باضابطہ اور مسلسل رابطہ قائم رکھ سکیں۔ نیز تنظیم اور مرکزی انجمن کی مطبوعات کو

بیرون پاکستان پھیلانے کی مؤثر و عملی منصوبہ بندی کر سکیں - یکسوئی سے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے مقصد کے لئے مرکز کے تحت کراچی میں ایک ذیلی دفتر قائم کر دیا گیا ہے جس کا پوسٹل ایڈریس ۵۰۷ - A بلاک جے شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳ اور فون ۶۱۳۳۷۷/۶۲۹۸۶۸ ہے - ان شاء اللہ یکم اگست ۸۳ء سے تا اطلاع ثانی صاحب موصوف کا مستقل قیام کراچی ہی میں رہے گا۔

تنظیم کے کام کی موجودہ توسیع نیز مستقبل کی توسیع کے پیش نظر تنظیم کے آٹھویں سالانہ اجتماع منعقدہ اپریل ۸۳ء میں پاکستان کو تین علاقوں میں تقسیم کر کے حسب ذیل تین نائب امراء بھی مقرر کئے گئے تھے -

۱- برائے کراچی و سندھ - ڈاکٹر محمد تقی الدین صاحب

۲- برائے لاہور قمر سعید قریشی صاحب

۳- برائے پنجاب و سرحد - رحمت اللہ بٹر صاحب

امیر محترم نے قمر سعید قریشی کو دوسری اہم ذمہ داری یہ سپرد کی ہے کہ وہ تنظیم اسلامی (پاکستان) کے قیّم بھی مقرر کئے گئے ہیں - مزید براں عبدالرزاق صاحب ناظم مرکزی بیت المال اور قاضی عبدالقادر صاحب کو مرکزی نیز تمام مقامی تنظیموں کے محاسب (AUDITOR) کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی ہے - اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل خاص سے ان تمام حضرات کی نصرت و تائید فرمائے تاکہ یہ حضرات اسلامی انقلاب اور اقامت دین کی اس جماعت کی اپنے اپنے مناصب کی ذمہ داریوں کے اعتبارات سے زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے سکیں -

اللّٰھُمَّ انصر من نصر دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واجعلنا منھم

میرے برادر بزرگ حافظ حفیظ الرحمٰن مرحوم کی رحلت پر جن حضرات نے بذریعہ مکتوب اور زبانی تعزیت فرمائی ہے - راقم ان کا ذاتی طور پر شکر گزار ہے۔ مرحومین کے لئے ہماری یہ دعا ہی مفید ہو سکتی ہے کہ

اللّٰھم اغفر لھم وارحمھم واعف عنھم وقھم من عذاب القبر و عذاب النار وادخلھم فی جنۃ الفردوس - آمین یارب العٰلمین

الھُدیٰ
(چھٹی نشست)

حقیقتِ بِرّ و تقویٰ

آیۂ بِر (سورۃ البقرۃ: ۱۷۷) کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۳)

السلام علیکم - نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - محترم حاضرین و معزز ناظرین!

پچھلی نشست میں ہم نے آیہ بر کے پہلے حصے کے حوالے سے حقیقت بر و تقوے سے متعلق بعض فلسفیانہ مسائل کا جو جواب اسلام دیتا ہے اُس پر گفتگو مکمل کر لی تھی - آج ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نیکی کی روحِ باطنی یعنی ایمان کا ظہور انسان کے عملی رویے اور اُس کی سیرت و کردار میں جس صورت میں ہوتا ہے اُس کو قرآن حکیم کس پیرائے میں اور کس ترتیب سے بیان کر رہا ہے لیکن اُس کے لئے پھر مناسب ہو گا کہ ہم اُس آیۂ مبارکہ کی تلاوت بھی ایک مرتبہ اور کر لیں نیز اس کے ترجمے کو بھی دوبارہ ذہن نشین کر لیں۔

اعوذ باللہِ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ
وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

اس کا سلیس اور رواں ترجمہ یہ ہے ۔

"نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر، اور دیا اس نے مال اس کی محبت کے باوجود رشتے داروں کو، یتیموں کو، محتاجوں کو، مسافر کو، مانگنے والوں کو ۔ اور گلو خلاصی میں اور قائم کی اس نے نماز اور ادا کی اس نے زکوٰۃ ـــ اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب باہم کوئی معاہدہ کرلیں ـــ اور بالخصوص صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور تکالیف اور مصائب میں اور جنگ کے میدان میں یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقتاً سچے اور راست گفتار رہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو واقعتہً متقی ہیں ۔"

اس آیتِ مبارکہ میں ایمان یا جن ایمانیاتِ خمسہ کا بیان ہوا ہے، ان کا نیکی کی بحث کے ساتھ جو تعلق ہے اس پر قدرے غور ہم نے پچھلی مرتبہ مکمل کرلیا تھا ۔ اب آئیے ہم دیکھیں کہ نیکی کی یہ روحِ باطنی جب انسان میں سرایت کر جائے یا ایمانِ کامل جب انسان کے قالب میں جاگزیں ہو جائے تو اُس کے نتیجے میں اس انسان کی شخصیت، اس کی سیرت و کردار، اُس کے معاملات اور اُس کے رویے میں کس کیفیت یا کن کیفیات کا ظہور ہوتا ہے ۔ ان کو آپ نیکی کے عملی مظاہر کہہ سکتے ہیں ۔

اب یہاں سب سے پہلے یہ نوٹ کیجیے کہ اس آیۂ مبارکہ میں نیکی کا جو مظہرِ اوّل بیان ہو رہا ہے وہ "خدمتِ خلق" اور "انسانی ہمدردی" ہے ۔ ویسے

آپ نے سُنا ہوگا۔ اور بات صحیح ہے کہ ارکان دین میں کلمۂ شہادت کے بعد جو رکن اوّل ہے، اور جو رکن رکین ہے، جس کو عماد الدین کہا گیا ہے، وہ نماز ہے لیکن اس آیۂ مبارکہ میں نماز کا ذکر مؤخر ہو گیا ہے۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ۔ اور مقدم آگیا معاملہ اپنے مال کو صرف کر سکنے کا۔ ابنائے نوع کی تکلیفوں کو رفع کرنے میں۔ احتیاجات کو دور کرنے میں، اُنکی مصیبتوں سے انہیں نجات دلانے میں، جسے ایمانیات کے ذکر کے فوراً بعد فرمایا گیا: وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی تا وَفِی الرِّقَابِ یہ معاملہ بہت اہم ہے اس لئے کہ واقعہ یہی ہے کہ جہاں بحث نیکی کی ہوگی تو ترتیب بدل جائے گی — لیکن جہاں ارکان اسلام کی گفتگو ہوگی تو ترتیب وہی رہے گی جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے: بنی الاسلام علی خمس - - - الی الآخر مگر چونکہ یہاں بحث ہے نیکی کی حقیقت سے لہٰذا یہاں اُس کی مناسبت سے ترتیب قائم کی گئی کہ انسان کے عملی رویے میں نیکی کا ظہورِ اوّل "انسانی ہمدردی" کی صورت میں ہوگا — قرآن مجید اس پر جس قدر زور دیتا ہے اس کا اندازہ آپ چوتھے پارے کی پہلی آیت سے بخوبی لگا سکتے ہیں - جس کے متعلق میرا حسن ظن ہے کہ آپ میں سے اکثر حضرات کو یاد ہوگی اس میں یہ معاملہ بہت نمایاں ہو کر آتا ہے؛ فرمایا۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ "نیکی کو تو تم ہرگز پہنچ ہی نہیں سکتے جب کہ تم خرچ نہ کرو وہ چیز جو تمہیں محبوب ہے" وہ نہیں جو دل سے اُتر گئی ہو - وہ چیز بھی نہیں از کار رفتہ ہو گئی ہو بلکہ وہ چیز جو محبوب ہے اگر اُسے تم خرچ نہیں کر سکتے اللہ کی راہ میں اپنے ابنائے نوع کی تکلیف کو رفع کرنے میں تو یہ جان لو کہ نیکی میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا -

یہ بات جان لیجئے کہ ہر لفظ کا ایک مفہوم ہوتا ہے - ہر اصطلاح کی ایک

Connotation ہے مثلاً کوئی شخص عالم ہے تو علم کا ایک اپنا مفہوم ہے - کوئی شخص زاہد ہے - تو زہد کا اپنا ایک مفہوم ہے - کوئی عابد ہے تو عابد کا اپنا ایک مفہوم ہے - لیکن ازروئے قرآن وہ شخص نیک نہیں ہو گا جس کے اندر انسانی ہمدردی کا وصف موجود نہ ہو - وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ - یہ بات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی بڑے مختلف پیراؤں میں آئی ہے- اس لئے کہ قرآن کا معاملہ تو یہ ہے کہ "اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں" سورۃ الیل میں فرمایا کہ "لوگو! تمہاری سعی و جہد اور بھاگ دوڑ کے نتائج بڑے مختلف بلکہ متضاد ہیں: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ایک راستہ وہ ہے کہ جس کا پہلا قدم ہے "اعطاء" اور جود و سخا - وہ آسانی کی طرف لیجانیوالا ہے - اس کے برعکس راستہ وہ ہے جس کا پہلا قدم ہے بخل ـــ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی - اسی طرح سورہ البلد میں فرمایا: "ہم نے انسان پر کیسے کیسے احسانات کئے - اُسے کیا کیا نعمتیں دیں: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ "کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دئیے اور اس کو دونوں راہیں نہیں سمجھا دیں - لیکن یہ انسان بڑا تھڑ دلا ثابت ہوا کم ہمت نکلا - یہ گھاٹی عبور نہ کر سکا - فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ "اور کیا سمجھے تو وہ گھاٹی کونسی ہے وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ - وہ وادی یہ ہے کہ فَکُّ رَقَبَۃٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ کسی گردن کو چھڑا دینا - کسی کی گلو خلاصی کرا دینا - کسی کو کھانا کھلانا قحط

کے ایام میں جب اپنے لالے پڑے ہوئے ہوں۔ کسی یتیم کو جو قرابت دار بھی ہے، کسی مسکین کو کہ جو خاک میں رُل رہا ہے ۔ یہ ہے اصل گھاٹی۔ اگر انسان اس کو عبور کر لے اور پھر ایمان لائے تو وہ ایمان ہوگا نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۔ تقریباً سورۃ العصر کا مضمون اس آیت میں پھر آ گیا ہے اس لئے کہ یہ بات بہت اہم ہے۔

اس موقع پر میں چاہوں گا کہ چند احادیث نبوی بھی آپ کو سُنا دوں۔ جن میں اسی مفہوم کو نہایت جامع طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو حکمت کے بڑے بڑے خزانے ہیں جیسے "کوزے میں دریا کا بند کرنا" کہتے ہیں ۔ اسی انداز میں چھوٹی چھوٹی احادیث میں حضورؐ نے حکمت کے خزانے بند فرما دیے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ ۔" جو شخص دل کی نرمی سے محروم رہا وہ کل کے کل خیر سے محروم ہو گیا" ۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ۔ "اللہ اس شخص پر رحم نہیں فرماتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا"۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا: الخلقُ عیال اللّٰہ "مخلوق کل کی کل اللہ کے کنبے کے مانند ہے"۔ تو اگر اللہ سے محبت ہے تو کیا اسکے کنبے سے محبت نہ ہوگی۔ ایک حدیث قدسی میں الفاظ آتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ شکوہ کرے گا اے میرے بندے میں بھوکا تھا۔ میں نے تجھ سے کھانے کو مانگا تو نے مجھے کھلایا نہیں ۔ اے میرے بندے میں ننگا تھا میں نے تجھ سے کپڑا چاہا کہ مجھے پہنا دے ۔ تو نے مجھے نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار تو پاک ہے اس سے کہ تجھے بھوک طاری ہو اور تجھے عریانی لاحق ہو ۔ اللہ فرمائے گا کہ میرا وہ فلاں بندہ جو اُس وقت حاضر ہوا تھا جو بھوکا تھا اس کا جو ہاتھ تیرے سامنے

دست سوال بن کر آیا تھا۔ وہ میرا ہی ہاتھ تھا" یہ ہے اہمیت ہمارے دین میں اس آیت کے حوالے سے اُس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔
اس میں پھر ایک ترتیب بھی ہے اور وہ ترتیب بڑی فطری ہے۔ سب سے پہلے قرابت دار، آپ کے اپنے قریبی عزیزوں میں سے جو مشکل میں ہوں، تکلیف میں ہوں۔ سب سے پہلے آپ کے سلوک کے مستحق وہ ہیں۔ پھر وہ یتیم جو معاشرے میں بے سہارا ہے۔ پھر مسکین۔ مسکنت کہتے ہیں کم ہمتی کو۔ جن کی ہمت جواب دے گئی ہو۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو پا رہا ہو۔ خود کفیل نہیں ہو رہا ہو۔ پھر وہ شخص کہ جو حالت سفر میں ہے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے سفر میں محتاج ہو جائے۔ پھر وہ شخص کہ جو دست سوال دراز کر رہا ہے۔ آپکو نہیں معلوم کہ کیا احتیاج اُسے لاحق ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی خودی اور عزتِ نفس کو ہتھیلی پہ رکھ کر آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ پھر یہ کہ جسکی گردن کہیں کسی مخمصے میں پھنس گئی ہو۔ پچھلے زمانے میں یہ غلامی کا معاملہ تھا اور آج اس کا مصداق ہونگے وہ لوگ جو قرض کے پھندے میں اس طرح پھنس جائیں کہ کتنے ہی ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں، اُس سے نکل نہ رہے ہوں ـــ تو یہ ترتیب بھی بڑی حکمت پر مبنی ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔
اب آگے چلئے فرمایا: وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔
ـــ صلوٰۃ کیا ہے؟ زکوٰۃ کیا ہے؟ ان کے لغوی معنی کیا ہیں؟ اس پر گفتگو اس وقت نہیں ہوگی۔ ہمارے منتخب نصاب میں یہ مضامین اپنے وقت پر آئیں گے۔ یہاں صرف یہ نوٹ کیجئے کہ درحقیقت انکا ایک گہرا ربط ہے اس نیکی کی بحث میں ـــ اب تک دو باتیں آئی تھیں ایک نیکی کی رُوحِ باطنی، ایمان ـــ ایک اُسی رُوحِ باطنی کا مظہرِ اوّل "خدمتِ خلق" اپنا مال صرف کرنا ابنائے نوع کی تکلیف کو دُور کرنے میں ـــ اب آپ دیکھیں کہ صلوٰۃ

اور زکوٰۃ کا تعلق لازم و ملزوم کا ہے - اُس ایمان کو ترو تازہ رکھنے والی چیز
ایمان کی آبیاری کرنے والی چیز نماز ہے - ایمان ترو تازہ ہے - مستحضر ہے
اللہ سے تعلق قائم ہے - آخرت کی یاد دل میں موجود ہے - اِن امور کیلئے
اوّل ترین مقدم ترین شے نماز ہے - گویا ایک ستون ہے جو گاڑ دیا گیا ہے -
اُس ایمان کو ترو تازہ رکھنے کے لئے زکوٰۃ جو ہے وہ اُس انفاقِ مال
کے لئے ہے جو الفاظ میں اب استعمال کر رہا ہوں ان پر توجہ کیجئے - دورِ
جدید میں ایک Concept ہے STARTER کا کسی بھی کام کی ابتداء
کرنا - گویا انفاقِ مال کی جتنی مدات بیان ہوئیں، اُن کے آغاز کا کے طور
پر ایک چیز وہ ہے جو فرض کر دی گئی ہے - اور وہ زکوٰۃ ہے - یہ تو خیال
میں دو - لامحالہ دو - لازماً دو - نہ دینا چاہو گے تو زبردستی لے لی جائے
گی - اس میں اصل میں وہ Concept آپ کے سامنے آتے ہیں جو
Static-Friction کا فزکس (Physics) میں
آپ پڑھتے ہیں - کوئی چیز کھڑی ہو تو اس کو حرکت میں لانے کے لئے
بہت زیادہ قوت استعمال کرنی پڑتی ہے - چل پڑے تو اب ذرا سی قوت
بھی اُسکی حرکت کو برقرار رکھ سکے گی - تو انفاق کی راہ پر چلانے کے لئے
زکوٰۃ ہے - دل پر جو بندش ہے مال کی محبت کی وہ کسی طرح ٹوٹے - مٹھی
کے اوپر جو مہر لگی ہوئی ہے اُس مہر کو توڑ دینے والی چیز زکوٰۃ ہے -
اب جب ایک چیز کا آغاز ہو گیا تو پھر صدقاتِ نافلہ، مزید خرچ کرنا -
جس کی کوئی حد نہیں ہے - جس کے بارے میں قرآن میں وہ آیت بھی آتی
ہے کہ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ - یہ لوگ
پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، اللہ کی راہ میں - اس پر جو اتنا زور دیا جا رہا
ہے تو اس کی آخری حد کیا ہے! اے نبیؐ! ان کو بتا دیجئے جو بھی تمہاری
ضرورت سے زائد اور فاضل ہے اس کو دے ڈالو - اور ایک حدیث میں

حضورؐ نے اسی آیت کے حوالے سے فرمایا کہ لوگو ایہ مغالطہ تمہیں نہ ہو جائے کہ مال میں جو حق ہے وہ صرف زکوٰۃ ہے اسے ادا کر دیا تو بس سارا حق ادا ہو گیا۔ اِنَّ فِی المَالِ لحق سوی الزکوٰۃ — اچھی طرح جان لو کہ تمہارے اموال میں زکوٰۃ کے سوا بھی۔ اس سے زائد بھی حق ہے۔ اور پھر آپؐ نے سورہ بقرہ کی یہ آیت پڑھی کہ دیکھو اس میں زکوٰۃ کا ذکر علیحدہ ہے اور وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ کا ذکر جُدا ہے۔

آگے چلیئے جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ معاملاتِ انسانی کے ضمن میں ایفائے عہد کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمارے سارے معاملات معاہدوں (contract) پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایک مزدور کو آپ نے آٹھ گھنٹے کام کرنے کے لئے رکھا اور اس کی ایک اُجرت آپ نے مقرر کی۔ یہ ایک معاہدہ (Contract) ہے۔ اسی طرح کسی کو اگر ماہانہ اُجرت پر ملازم رکھا گیا ہے تو وہ بھی ایک معاہدہ ہے۔ یہ فرائض ہیں جو ادا کرنے ہیں اور یہ وہ اُجرت (Remuneration) ہے جو تمہیں اس کے عوض ملے گی۔ کاروبار تو آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت سارا ہی (Contract) کی بنیاد (Basis) پر ہے۔ سپلائی ہو یا تعمیرات کا کام ہو سب معاہدے کے تحت ہو رہے ہیں بلکہ جو ہمارے سوشل معاملات ہیں وہ بھی اکثر و بیشتر معاہدہ کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔ چاہے وہ تحریری معاہدے (Written Contracts) نہ ہوں۔ چنانچہ آپ کے علم میں ہے کہ شادی کو ایک سماجی و عمرانی (Social Contract) قرار دیا گیا ہے یہ ایک عمرانی معاہدہ ہے۔

آخری بات اب آئی وَالصّٰبِرِیْنَ۔ یہاں صابرون نہیں کہا صابرین کہا۔ تفصیل کا وقت نہیں ہے۔ اسی کی وجہ سے میں نے ترجمے میں ایک

لفظ کا اضافہ کیا تھا وہ تھا "خصوصاً" گویا مطلب ہوا۔ واخص الصابرین بذکرھم خاص طور پر ذکر ہے صبر کرنیوالوں کا۔ اور صبر کس چیز میں! فقر و فاقہ، تنگی اور جسمانی یا ذہنی کوفت اور اذیت کے مواقع پر۔ پھر نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں آجانے کے مرحلے پر۔ اس بات سے ایک چیز تو آپ کے سامنے واضح ہوجانی چاہیئے وہ یہ کہ بڑا بنیادی فرق ہے ایک راہبانہ تصور نیکی میں اور قرآن کے اس تصور نیکی میں جو اس آیت کریمہ میں بیان ہو رہا ہے۔ راہبانہ تصور نیکی میں نیک لوگ میدان چھوڑ کر معاشرے سے فراریت اختیار کرکے غاروں میں پہاڑوں میں کہیں جنگلوں میں جاکر تپسیائیں کرتے ہیں۔ اسلام کا معاملہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو عین معاشرے اور تمدن کے منجدھار میں رکھ کر نیکی کی تلقین کرتا ہے۔ پھر یہ کہ یہاں پسپائی نہیں ہے بلکہ بدی کے ساتھ کشمکش، پنجہ آزمائی، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کے ساتھ مقابلہ کرنے کا سبق اور تلقین ہے۔ نیکی کا دُنیا میں بول بالا کرنے کے لئے مصائب جھیلنا، فقر و فاقہ برداشت کرنا، یہاں تک کہ جان کی بازی کھیل جانا، نیکی کی معراج ہے۔ دنیا میں جو نظام ہائے اخلاق رائج ہیں، ان میں ایک تصور ہوتا ہے کہ خیرِ اعلےٰ کیا ہے! سب سے اونچی نیکی کونسی ہے! تو اسلام کی سب سے اونچی نیکی اور نیکی کا جو بلند ترین مقام ہے، وہ یہ ہے کہ نیکی کی ترویج کے لئے، خیر کی تلقین کے لئے، حق کے بول بالے کیلئے، صداقت کے قیام کے لئے اور نظام عدل و قسط کے قیام کے لئے اپنی گردن کٹوا دو۔ چنانچہ اسی سورۃ بقرہ میں چند رکوع پہلے وہ آیات آئی ہیں کہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں، ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم محسوس

نہیں کرنے اور یہ مضمون ختم ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر: وَ بَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ۔ علامہ اقبال نے جو کہا ہے کہ ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

تو یہ انداز علامہ اقبال نے قرآن حکیم کی اس آیت سے اخذ کیا ہے جو سورہ صف میں آئی۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ "اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں اللہ کی محبت ان سے ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، صفیں باندھ کر۔ گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔" یہاں ضمناً وہ بات بھی سامنے آ گئی جو میں نے اس آیۂ بر پر جو سب سے پہلی نشست ہوئی تھی اس میں عرض کی تھی کہ اس آیت مبارکہ میں اگرچہ تواصی بالحق کا لفظاً ذکر نہیں ہے لیکن طبعاً ذکر موجود ہے اور یہ بات از خود سامنے آ رہی ہے کہ وہ لوگ جن کے ذہن و قلب میں ایمان کی روشنی ہے، جو خادم خلق ہیں، جن کی کیفیت یہ ہے کہ ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جو نماز اور زکوٰۃ پر کاربند ہیں، جو ایفائے عہد پر کاربند ہیں ان کی جنگ کس مقصد کے لئے ہو سکتی ہے۔ ان کی جنگ نفسانیت کے تحت نہیں ہو سکتی۔ ان کی یہ جنگ ہوس ملک گیری کے لئے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ فی سبیل اللہ (IN THE CAUSE OF ALLAH) ہی ہو سکتی ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

تو معلوم ہوا کہ سورۃ العصر کے وہ چاروں مضامین یہاں موجود ہیں جسطرح اُس سورۂ مبارکہ میں کامیابی کے چار لوازم کا بیان ہوا یہاں اُسی کو ایک نئے پیرائے میں نئے انداز میں ، ایک نئے اسلوب اور نئے سلسلہ کلام (Context) میں ، ایک نئی بحث کے ضمن میں واضح فرمایا گیا۔ حقیقت واحدہ وہی ہے جو سورۃ العصر میں آئی - اُسی کو ہم نے ایک مرتبہ پھر ایک نئی رعنائی کے ساتھ اپنے سامنے دیکھ لیا - اللہ تعالے ہمیں نیکی کا جو صحیح مفہوم ہے اسکو سمجھنے کی اور اس کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے کی توفیق دے ۔ اب آج کی گفتگو سے متعلق جو سوال ہوں ان کے لئے میں حاضر ہوں -

سوال : ڈاکٹر صاحب! آیۂ برّ میں تین ارکان اسلام کا ذکر کیا گیا ہے لیکن روزہ اور حج کا ذکر نہیں کیا گیا - کیا یہ نیکی میں شامل نہیں ؟

جواب : میرا خیال ہے کہ وہ بات کسی درجے میں آچکی تھی - قرآن مجید کسی جگہ پر کسی معاملے کے کسی پہلو کو زیر بحث لاتا ہے کہیں پر اس کے تمام پہلوؤں کو جمع کرتا ہے - کہیں کسی اور پہلو کو فوکس میں لے آتا ہے - اور یہ اجزاء کا مختلف جگہ پر آنا یہ اُس (Context) کے اندر ہوتا ہے کہ جس میں وہ مضمون آرہا ہے - تو یہاں ایمان کے ضمن میں نماز اور مال خرچ کرنے کے ضمن میں زکوٰۃ کا گہرا تعلق ہے لہذا اس مناسبت کے اعتبار سے انہی کو بیان کر دیا گیا - ویسے تو جو حکم بھی اللہ نے دیا ہے وہ بجالانا فرض ہے - لازم ہے - اس کو بجالانا نیکی شمار ہوگا -

سوال : ڈاکٹر صاحب اس آیت میں مشرق اور مغرب کا ذکر آیا ہے - تو مشرق اور مغرب سے صرف مختلف سمتیں مراد لی جائیں گی یا کچھ اور بھی مراد لیا جا سکتا ہے ؟

جواب : اس کو ایک محاورے یا استعارے کے انداز میں سمجھئے کہ تمام سمتوں

کا جب انسان احاطہ کرتا ہے اپنی گفتگو میں تو مشرق و مغرب یا شرق و غرب ہی استعمال کرتا ہے ۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا کہ ؏

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی

تو ایسے مقامات پر درحقیقت وہ سمتیں معین طور پہ مراد نہیں ہوتیں بلکہ ایک محاورے کے طور پر تمام سمتوں کا ذکر اسمیں آجاتا ہے ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب ! یہاں مال خرچ کرنے کے مختلف مصارف کا ذکر کیا گیا ہے ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ ۔ کیا سب پر خرچ کرنے سے اس آیت کا مقصد پورا ہوگا یا ایک پر بھی خرچ کر دینے سے مطلوب حاصل ہو جائے گا ؟

جواب : اصل میں مقصود تو انسانی ہمدردی اور ابنائے نوع کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا ہے ۔ اب ان کا انحصار حالات اور معاملات پہ ہوگا ۔ ایک ، تو مقدار (QUANTITY) ہوئی دوسرے مواقع ۔ پھر ان میں اوّلیت اور پھر ثانویت ۔ جسکے پاس جتنی مقدرت ہے وہ اتنا ہی خرچ کر سکتا ہے ۔ اُس میں اوّلیت رشتے داروں کو دی جائیگی ۔ اگر کوئی صرف اتنا ہی خرچ کر سکتا ہو جس سے اپنے کسی غریب رشتے دار کی ضرورت پوری کر سکے تو اوّلین مستحق وہی ہوگا ۔ اور اگر مزید خرچ کر سکتا ہے تو جتنا بھی اِس دائرے کے اندر آگے بڑھے وہ اتنا ہی اپنے لئے نیکی کا ذخیرہ مزید جمع کر رہا ہے ۔

حضرات ! ہماری گفتگو تین نشستوں میں قرآن حکیم کی اس عظیم آیت کے بارے میں کسی درجے میں مکمل ہوئی ہے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ صرف علم کا حصول یا معلومات کا خزانہ ذہن میں جمع کر لینا مفید نہیں ہوگا جب تک کہ وہ علم جو ہمیں قرآن اور حدیث رسولؐ سے حاصل ہو ، وہ ہماری شخصیتوں میں جذب نہ ہو ۔ ہماری سیرت و کردار کا جزو نہ بنے ۔ لہٰذا ہماری ساری کوشش

اس بات کے لئے ہونی چاہیئے کہ قرآن کا جو پیغام ان نشستوں میں ہمارے سامنے آرہا ہے، دین کی جو تعلیمات، اس کے جو تقاضے ہم پر واضح ہوئے ہیں، ہم اُن پر امکانی حد تک عملاً کاربند ہونے کا عزم وارادہ اور ہمت کریں۔ اور اس کیلئے اللہ تعالےٰ سے ہر وقت توفیق طلب کرتے رہیں کہ اللّٰھم ثبت قلوبنا واقدامنا علی دینکَ۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للہِ رَبّ العٰلمین

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ

اِصلاحِ معاشرہ کا اِنقلابی پہلو

ڈاکٹر اسرار احمد کا

ایک فکر انگیز خطاب

گذشتہ سے پیوستہ

ترتیب و تسوید: جمیل الرحمٰن

ایک بات کی یہاں وضاحت کر کے آگے چلوں گا، وہ یہ کہ اظہار دینِ الحق علی الدّین کلّہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تکمیلی مرحلہ ہے۔ یہ وہ منصب ہے کہ جو آں حضورؐ کے سوا کسی نبی یا رسول کو فرض منصبی کے طور پر عطا نہیں ہوا۔ یعنی اس مقدس جماعت کی ذمہ داری یہ تو تھی کہ وہ نظام عدل و قسط کے قیام کی سعی اور جدّ و جہد کرے۔ لیکن بذاتِ خود اس کام کو تکمیلی شان تک پہنچانا نبی اکرمؐ کا منصب قرار دیا اور آں حضورؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر اظہار دین الحق علی الدین کلّہ کی تکمیل فرما دی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ویسے تمام انبیاء و رسل کی طرح نبی اکرمؐ شاہد بھی تھے اور شہید بھی۔ مبشر بھی تھے اور نذیر بھی، داعی الی الخیر بھی تھے اور مبلّغ بھی۔ مذکّر بھی تھے اور واعظ بھی۔ مربّی بھی تھے اور مزکّی بھی۔ معلّم بھی تھے مدرس بھی۔ رحمت بھی تھے اور رافت بھی۔ الغرض یہ جملہ شانیں بھی بکمال و تمام آپؐ میں موجود تھیں۔ لیکن آں حضورؐ کی امتیازی شان اظہار دین الحق علی الدین کلّہ ہے اور آپؐ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) تئیس ۲۳ سالہ جاں گسل محنت و مشقت جھیل کر اس

دینِ حق اور نظامِ عدل و قسط کو جزیرہ نمائے عرب میں بالفعل قائم فرما دیا اور اس طرح امرِ الٰہی "اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ" کی مکمل و اتم طور پر تعمیل فرما دی — اس موقع پر یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ آں حضورؐ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے یہ نظام "حدید" کی قوت سے قائم کیا — اسی لئے مدینۃ النبیؐ میں تمکّن کے بعد آپؐ اور صحابہ کرام کی زندگیوں میں سیرت کی کتابوں میں "غزوات" کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ محض دعوت و تبلیغ سے نظامِ عدل و قسط کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہو سکتا ہوتا تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قائم کر کے دکھاتے۔ لیکن تاریخِ انسانی میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے کہ دعوت و تبلیغ سے کوئی نظام اپنی بنیاد سے لیکر اپنی چوٹی تک تبدیل ہو جائے۔ انقلابات محض وعظ و نصیحت سے نہیں آیا کرتے۔ اس کے لئے انقلابی جدوجہد ناگزیر ہے، جس میں صبر و مصابرت (Passive Resistance) سے لیکر اقدام (Active Resistance) اور مسلح تصادم (Armed Conflict) کے تمام مراحل سے گزرنا لابدًا لازم ہے۔ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے چند لوگوں کی سیرت و اخلاق درست ہو سکتے ہیں اور ان کی انفرادی زندگیوں میں تھوڑا سا نکھار آ سکتا ہے۔ لیکن نظامِ عدل و قسط قائم نہیں ہو سکتا۔ اس راستے میں ان طبقات کی طرف سے شدید ترین مزاحمت ہوتی ہے جو Haves ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کا خون چوسا ہوتا ہے اور چوس رہے ہوتے ہیں جو مراعات یافتہ طبقات (Privileged Classes) ہیں۔ جن کے مفادات (Vested Interests) رائج ظالمانہ اور غیر عادلانہ نظام سے وابستہ ہوتے ہیں کبھی یہ لوگ اس کو گوارا نہیں کر سکتے کہ نظامِ عدل و قسط قائم ہو۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ٥ اور اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ۔ مشرکین کی ناگواری، ان کی مزاحمت و مخالفت کے علی الرغم اور باوصف نظامِ عدل و

قسط اور دین حق کے قیام کے لئے کام کرنا ہے لہذا مدینہ کی قوت دی گئی:
کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا
شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ اور شاید تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے
لئے بہتر ہو پھر اس قتال فی سبیل اللہ اور قتال فی اقامۃ نظام العدل
والقسط کی اہمیت کے لئے فرما دیا گیا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ o اور
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o محمد نے وہ نظام قائم کیا، صلی اللہ علیہ وسلم،
جس کی برکات سیرتِ مطہرہ اور تاریخ کے مطالعہ سے روزِ روشن کی طرح
ہمارے سامنے آتی ہیں۔ کس طرح سماجی اونچ نیچ ختم ہوئی ہے۔ کس طرح
انسان ایک سطح پر آیا ہے اور اس آیت کا نقشہ چشم فلک نے دیکھا ہے۔
یاایھا الناس کونوا عباد اللہ اخوانا — اور حضورؐ کے اس ارشاد کی عملی
تصویر نوع انسانی نے دنیا میں اجتماعی طور پر پہلی بار دیکھی کہ: لَیْسَ
لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ فَضْلٌ وَّلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ فَضْلٌ وَّلَا لِاَسْوَدَ
عَلٰی اَبْیَضَ فَضْلٌ وَّلَا لِاَبْیَضَ عَلٰی اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰی
کُلُّکُمْ بَنِیْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ — اور بقول علامہ اقبال مرحوم

ع۔ یہ تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے — اور ۔

کل مومن اخوۃ اندر دلش | حریت سرمایۂ آب و گلش
تا شکیب امتیازات آمدہ | در نہاد او مساوات آمدہ

یہ مساوات سماجی مساوات ہے، اس کو جناب محمد صلی اللہ علیہ
وسلم نے قائم کیا ہے اور اس شان سے قائم کیا ہے کہ جب بنی مخزوم
کی ایک سارقہ کی جس پر قطع ید کی سزا کے نفاذ کا حضورؐ فیصلہ فرما
چکے تھے، آپؐ کے پاس سفارشات پہنچیں تو آں حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ
بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا اللہ کی قسم جس کے
ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس

کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا" (اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اُس معاشی عدل کا نظام برپا کیا ہے جس کے بارے میں بیعتِ خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پہلے خطبے کے اس ارشاد کو ذہنوں میں تازہ کیجئے کہ "لوگو! تم میں سے ہر قوی میرے نزدیک ضعیف ہوگا جب تک اس سے حق وصول نہ کر لوں اور تم میں سے ہر ضعیف میرے نزدیک قوی ہوگا جب تک اُسے اس کا حق پہنچا نہ دوں"۔

یہ ارشاد درحقیقت (POLICY STATEMENT) ہے - جو خلافت علی منہاج النبوہ کی غرض وغایت کو واضح کر رہا ہے - پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وہ تاریخی جملہ یاد کیجئے کہ عمر کو خوف ہے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھوک سے مر گیا تو آخرت میں مجھ سے مؤاخذہ نہ ہو جائے" اُمت کے دو گلہائے سرسبد کے احساسات وتاثرات میں یہ شدت کیوں تھی! یہ اس لئے تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظام عدل وقسط قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا: وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اور آپ کی بعثت کا امتیازی وتکمیلی مقصد یہ تھا کہ: هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ - اور خلافتِ راشدہ درحقیقت نبوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تسلسل، تتمہ وتکملہ تھی - اسی لئے اُسے خلافت علی منہاج النبوۃ کہا جاتا ہے -

خلافت فاروقی کے دور کے ایک عجیب واقعہ کا ذکر کتب تواریخ میں ملتا ہے - حضرت سعد ابن ابی وقاص فاتح ایران رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک ایرانی سپہ سالار نے دریافت کرایا تھا کہ آخر ہوا کیا ہے - ! تم ہم پر کیوں چڑھ دوڑے ہو - ! کوئی سرحدی تنازعہ بھی نہیں ہے' - پہلے بھی تم لوگ آیا کرتے تھے قبائلی تاخت (Tribe Raids) ہوتی ہی رہتی تھی اور یہ قبائلی لوٹ مار کے بعد واپس چلے جایا کرتے تھے - لیکن اب تم ٹلنے کا نام نہیں لے رہے - یہ انقلاب کیسا ہے - ؟ اس کا جو جواب حضرتِ

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دیا ہے، میں چاہوں گا کہ آپ حضرات اس کو اپنے ذہنوں میں کندہ کرلیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا:

إِنَّا قَدْ أُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ إِلَىٰ نُوْرِ الْإِيْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ إِلَىٰ عَدْلِ الْإِسْلَامِ۔

"پہلے ہم خود آیا کرتے تھے اور طلب منفعت اور دولت کی حرص ہمیں لایا کرتی تھی اور ہم آیا کرتے تھے اور اس غرض کو پورا کرکے واپس چلے جاتے تھے۔ لیکن اب ہم خود نہیں آئے — میں آیا نہیں لایا گیا ہوں — ہم بھیجے گئے ہیں۔ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف مبعوث فرمایا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بنی نوع انسان کی طرف بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کی جہالت کے اندھیروں سے نورِ اسلام کی طرف رہنمائی کریں اور لوگوں کو بادشاہوں کے جور وستم اور تعدی و عدوان سے نکال کر اور نجات دلا کے اسلام کے نظام عدل سے روشناس کرائیں"

اب تو یہ حضرات مشنری ہیں ((They are on a Mission))

اب بات دوسری ہے۔ وہ نہیں ہے جو پہلے ہوا کرتی تھی — یہ ہے وہ بات جو میں آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید کے نزدیک نظامِ عدل و قسط کے قیام کی اہمیت کیا ہے! — اس کا میرے آج کے موضوع سے جو تعلق ہے! اُسے پھر ذہن میں تازہ کرلیجئے کہ اصلاحِ معاشرہ کی کوئی کوشش اس معاشرے میں بارآور نہیں ہوسکتی جس میں ظلم ہوگا۔ ناانصافی ہوگی۔ عدوان ہوگا۔ چونکہ ظلم و تعدی بے چینی کو جنم دینے والے عوامل (FACTORS) ہیں۔ ان سے بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے ان سے لوگوں کی ایک عظیم اکثریت ڈھور ڈنگروں کی سطح تک گرا دی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں حساس لوگوں میں انتقام کی آگ بھڑکتی ہے

ان کے جذبات اوران کے دل انتقام کی آگ کی بھٹیاں بن جاتے ہیں۔ یا تو بے حسی اتنی غالب ہوگی کہ لوگ ڈھور ڈنگر بن جائیں گے یا اس کا ردعمل یہ ہوگا کہ حساس لوگ باغی اور منتقم بن کر اقتدار وقت اور استحصالی طبقات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور آگ و خون کے دریا بہیں گے ۔۔۔ ظالمانہ اور استحصالی نظام میں وہ فضا کسی صورت میں پیدا ہی نہیں ہوسکتی جو خیر اور بھلائی اور مثبت کردار اور تعمیر سیرت و اخلاق کے لئے ساز گار ہو ۔۔۔ اس ضمن میں اس موقع پر علامہ اقبال کے وہ اشعار آپ کو سنا دینا ضروری سمجھتا ہوں جن کے بارے میں آج میرے دل میں یہ احساس جاگا ۔۔ یہ میں اپنے دل کی بڑی خفیہ بات آپ کو بتا رہا ہوں۔ وہ یہ کہ جیسے امام شافعی رحمہ اللہ نے سورۃ العصر کے بارے میں فرمایا تھا کہ: لَوْ لَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْاٰنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسَ ”اگر قرآن میں اس سورہ مبارکہ کے سوائے اور کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو صرف یہ سورت ہی لوگوں (کی ہدایت) کے لئے کافی ہوتی“ میں بلا تشبیہ عرض کر رہا ہوں کہ اگر علامہ اقبال کا کوئی کلام نہ ہوتا ماسوائے ان اشعار کے تو یہ اشعار ان کی عظمت کا لوہا تسلیم کرانے کے لئے کافی ہوتے ۔ ان اشعار میں آپ کو علامہ کے فکر کی بلندی انتہا تک پہنچی ہوئی نظر آئے گی اور آپ کے سامنے یہ حقیقت آئے گی کہ پیر رومی کا یہ مرید ہندی کس شان کے ساتھ آیات قرآنیہ اور ان کے مطالب و مفاہیم کو کس آب و تاب اور شان سے لا رہا ہے ۔۔۔ علامہ فرماتے ہیں ۔

چیست قرآں خواجہ را پیغام مرگ   دستگیر بندۂ بے ساز و برگ

ہیچ خیر از مرد کِ زر کش مجو   لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا

دیکھئے اس شعر کا دوسرا مصرع قرآن کی آیت پر مشتمل ہے ۔ زر اندوزی کرنے والا اور اس سے محبت کرنے والا اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۔ اس سے کسی خیر کی توقع نہ کرو ۔ چاہے اس کے پاس حجوں اور عمروں کے انبار موجود ہوں ۔ چاہے تہجدیں ہوں ۔ چاہے کتنی ہی معروضہ اور نفلی

عبادات ہوں۔ قرآن کا فتویٰ یہ ہے کہ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا - اس آیت میں جو زور ہے اسی کا ایک عکس علامہ کے پہلے مصرع میں ہے کہ ہیچ خیزاز مردک زرکش مجو!

اب آگے دیکھئے علامہ ہمارے رائج الوقت نظام حیات کے معاشی پہلو پر کس طرح تنقید کرتے ہیں - ہمارے نظام معیشت کے دو ستون ہیں ایک کاروبار یا صنعت وحرفت، دوسرا مزارعت - ان دونوں کی بنیاد میں ربا (سود) رچا بسا ہوا ہے - مزارعت کی رائج الوقت صورت کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا قرار دیا ہے - قَدْ اَرْبَيْتُمَا فَرُدَّا الْاَرْضَ اِلٰى اَهْلِهَا وَخُذْ نَفَقَتَكَ "تم لوگوں نے ربا کا معاملہ کیا ہے تم زمین اس کے مالکوں کو دیدو اور اپنا خرچہ لے لو - مزارعت کی اس صورت کے متعلق کہ بٹائی پہ زمین زراعت کے لئے دی جائے اگر فصل کسی وجہ سے برباد ہو جائے تو مالکِ زمین کا حبہ برابر نقصان نہ ہو اور مزارع خالی ہاتھ رہ جائے اس کی ساری محنت اکارت جائے اور وہ مزید زیربار ہو جائے اس کی بابت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قطعیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ حرام مطلق ہے امام مالک رحمہ اللہ بھی اسے قطعیت کے ساتھ حرام مطلق قرار دیتے ہیں۔ ہمارے پنجاب کے چیف جسٹس جاوید اقبال صاحب نے جو علامہ کے فرزندِ ارجمند ہیں، حال ہی میں ایک تقریر میں جو بات کہی ہے، بڑی صحیح کہی ہے - ہمارے ہاں بھی Law of Necessity (نظریہ قانونِ ضرورت واحتیاج) چلا ہے اور اس Law of Necessity نے جہاں ملوکیت کو سندِ جواز عطا کی ہے وہاں اس زمینداری اور جاگیرداری کو بھی سندِ جواز عطا کی - اس لئے کہ جب وہ نظام عملاً برپا ہو گیا تو اب کیا کریں! جب فوج اقتدار پر قابض ہو گئی تو کونسی سپریم کورٹ ہو گی جو اس سے اقتدار چھین سکتی ہو! ایسے حالات میں تو Law of Necessity کے تحت سندِ جواز دینی ہی پڑے گی - چاہے اُسے مشروط ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ چونکہ اس مشروطی کی پرواہ آخر کون کرے گا - اور اگر کوئی نہ کرے تو کون

مائی کالال ہوگا جو ان شرائط پر عمل درآمد کرنے پر کسی فوجی آمر کو مجبور کر سکے -! اسی طریقے سے جب جاگیرداری اور زمینداری عملاً معاشرے میں رواج پاگئی تو قاضی ابو یوسفؒ اور قاضی ابو محمدؒ کیا کریں! امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کیا کریں -! یہ متاخرین ہیں — وہ جو چوٹی کے لوگ ہیں جن کو اساتذہ کرام کا مقام حاصل ہے جو امام الائمہ کا رتبہ رکھتے ہیں ، ہمارے یہاں فقہ کا وہ مکتب جو عموماً قیاس و رائے پر مبنی سمجھا جاتا ہے اس کے جو رجل اعظم ہیں وہ یقیناً امام ابو حنیفہ ہیں رحمۃ اللہ علیہ - باقی آنے والے انہی کے خوشہ چین ہیں — اور حدیث رسول علی صاحبہ الصلوۃ والسلام پر مبنی فقہ اس میں اوّلیت و اقدمیت کس کے لئے ہے - ع الفضل للمتقدمین کے اعتبار سے وہ امام مالک بن انس ہیں رحمۃ اللہ علیہ — یہ دونوں امام مزارعت کی حرمت پر متفق ہیں - امام مالکؒ کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ امام دار الھجرۃ ہیں۔ وہ امام مدینۃ الرسول ہیں - اہل مدینہ کا تعامل بھی ہمارے فقہاء کے نزدیک ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے - تو صرف لین دین اور کاروباری سود ہی کو آپ ربا نہ سمجھئے جس کا اس شعر میں ذکر ہے جو میں آپ کو اب سنانے والا ہوں — اس میں ربا کا جو ذکر ہے اس میں رائج وقت مزارعت کو بھی شامل سمجھئے - میں نے شعر سنانے سے قبل اس کی قدرے تفصیل سے شرح کر دی ہے - علامہ فرماتے ہیں :-

از ربا آخر چہ می زاید فتن	کس نہ داند لذتِ قرضِ حسن
از ربا جان تیرہ دل چوں خشت و سنگ	آدمی درندہ بے دندان و چنگ

یہاں اس شہر لاہور میں وہ مردِ درویش رہا ہے - میری مراد مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے - جس کا اپنا کشف یہ تھا اور یہ کشف ایک دوسرے درویش کے ذریعہ سے ان کو حاصل ہوا تھا - سامعین میں سے بہت سے حضرات نے اس واقعہ کو پہلے بھی سنا ہوگا — یہ مولانا کا وہ زمانہ ہے جب ان کو انگریزی سامراج نے لاہور میں نظر بند کر رکھا تھا - اس دور کے مولاناؒ اپنا تجربہ نقل کرتے ہیں کہ میں ایک روز کشمیری

بازار میں گھوم رہا تھا کہ ایک خستہ حال درویش مجھے ملا اور اس نے مجھے کہا کہ "مجھے کسی انسان کا پتہ دو، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں" مولانا نے اپنی نوجوانی کی لاابالی کیفیت میں جواب دیا کہ "تم کو اس بھرے بازار میں انسان نظر نہیں آتے؟ کندھے سے کندھا چھل رہا ہے کھوے سے کھوا ٹکرا رہا ہے اور تم انسان تلاش کر رہے ہو۔؟" اس درویش نے کہا۔ "کہاں ہیں انسان۔ یہ انسان آرزدست! مجھے تو کہیں انسان نظر نہیں آرہے۔!" ۔ مولانا احمد علیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر بھی اس وقت یہ کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ کسی دوکان پر خنزیر بیٹھا ہوا ہے۔ کہیں کوئی بھیڑیا ہے اور کہیں کوئی ریچھ ہے۔ سب کے سب درندے تھے۔ جو درحقیقت انسان کے لبادے میں براجمان تھے"۔ یہی بات ہے جو علامہ کہہ رہے ہیں: آدمی درندہ بے دندان وچنگ ––– آگے علامہ کہتے ہیں ؎

رزقِ خود را از زمین بُردن رواست ۔۔۔ ایں متاعِ بندہ و ملکِ خداست

بندۂ مومن امین، حق مالک است ۔۔۔ غیرِ حق ہر شئی کہ بینی ہالک است

رایتِ حق از ملوک آمد نگوں ۔۔۔ قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں

آب و نانِ ماست از یک مائدہ

دودۂ آدم کنفسٍ واحدۃ[۱]

---

[۱] زمین سے اپنے لئے رزق کا حصول جائز ہے (لیکن) یہ انسان کے لئے صرف استعمال کی چیز ہے۔ ملکیت صرف خدا کی ہے۔

۲ - بندۂ مومن (اپنے مال و متاع کا صرف) امین ہے۔ مالک خدا ہے۔ خدا کے سوا جو کچھ دیکھتے ہو، سب فانی اور ہلاک ہو جانے والا ہے۔

۳ - حق کا پرچم بادشاہوں کے باعث نیچا ہو جاتا ہے اور ان کی وجہ سے بستیاں کی بستیاں خوار و بدحال ہو جاتی ہیں۔

۴ - ہمارا آب و دانہ ایک ہی دسترخوان سے ہے۔ اس لئے کہ آدم کا پورا خاندان ایک جان کی مانند ہے۔

میں ان اشعار کے ترجمے اور تشریح اس وقت نہیں کرونگا۔ البتہ یہ مزید عرض کرونگا کہ بہرحال معاش کا مسئلہ یقیناً بہت اہم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اگر کسی معاشرے اور نظام میں معاشی عدل قائم نہ ہو تو انسان سب سے زیادہ اس ناانصافی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال نے یہاں تک کہہ دیا ہے ؎

کس نباشد در جہاں محتاج کس نکتۂ شرع مبیں این است و بس

حریت چلی جارہی ہو تو وہ بھی بڑی ناانصافی ہے۔ چنانچہ دورِ فاروقی میں ایک گورنر نے — اور یہ گورنر بھی کون — ! فاتح ایران، یکے از عشرہ مبشرہ، حضرت سعد ابن ابی وقاص رضؓ — اپنے مکان کے باہر ایک ڈیوڑھی بنالی تھی اور ایک پہریدار بٹھا دیا تھا کہ جس پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے وہ ڈانٹ بھیجی تھی کہ "اے سعد! لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا تھا۔ تم نے ان کو اپنا غلام کیسے سمجھ لیا!" پس حریت کی راہ میں رکاوٹ اور اس کا کچلنا بھی کسی درجہ میں پسند نہیں — لیکن یہ غیر منصفانہ معاشی تقسیم اور اس ضمن میں یہ ظالمانہ اور استحصالی نظام اور اس کے نتیجے میں Haves Have Nots کی طبقاتی تقسیم مستکبرین اور مستضعفین کے طبقات کا عملی ظہور تو انسان کا شعور اور احساس اس کو بمشکل برداشت کرتا ہے اسی لئے قرآن مجید میں واضح فرما دیا گیا: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً ۢ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ "کہیں دولت تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے"۔ یہ قرآن حکیم کی اہم اصولی ہدایات میں سے ایک ہدایت ہے جس میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا بنیادی ضابطہ اور قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت معاشرے کے صرف مالداروں میں گھومتی نہ رہے بلکہ ایسا معاشی نظام رائج و نافذ ہو کہ جس کے نتیجے میں دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہو — اب خود فیصلہ کیجئے کہ قرآن کی اس ہدایت اور مقصد کے بالکل خلاف ایک معاشی نظام جارہا ہو اور Haves یعنی اغنیاء اور Have Nots یعنی فقراء کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جارہی ہو — فرق و تفاوت

اتنا بڑھ رہا ہو کہ تناسب ایک جگہ قائم رہنے کے بجائے روز تبدیل ہو
رہا ہو۔ اس معاشرے میں آخر وہ جذبات و خیالات اور احساسات کیسے
پنپیں گے جو خیر پر مبنی ہوں ۔ ماحول اس کو غذا دینے کے لیے تیار نہیں۔
بلکہ وہ ہر اس جذبے کو کچلنے کے درپے ہو جس میں خیر کی کوئی رمق موجود ہو ۔

اب سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کریں؟ ۔ ان کے بدلنے
کی بھی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟ یہ ہے میری آج کی گفتگو کا دوسرا حصہ ۔
میں کئی بار یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ اس کے لئے محض دعوت و تبلیغ
اور وعظ و تلقین کی ضرورت نہیں ہے بلکہ انقلاب کی ضرورت ہے ۔ انقلاب
اے انقلاب! لیکن یہ انقلاب کون سا ۔؟ اسلامی انقلاب ۔ محض ہاتھوں
کو بدل دینے والا انقلاب نہیں ۔ محض کسی شخص کو نفرت کا نشانہ بنا کر اس
کی ٹانگیں کھینچنے والا انقلاب نہیں ۔ محض ایک معاشی نعرہ لگا کر لانے والا
انقلاب نہیں ۔ اسلامی انقلاب جو اپنی بنیادوں پر استوار ہوگا ۔ جو اپنی جڑ
سے غذا حاصل کرے گا ۔ اور وہ بنیاد اساس اور جڑ ایمان ہو گی ۔ وہ
ایمان و ایقان سے اصل قوت حاصل کرے گا ۔ اس میں وہ سارے مراحل
آئیں گے جو مراحل انقلاب محمدی میں تھے ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ دو انتہاؤں
سے بڑی احتیاط کے ساتھ بچنے کی ضرورت ہے ۔ دین کا وہ تصور نیکی جس
میں انقلاب کا تصور ہی شامل نہ ہو، وہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا پھندا
ہے ۔ اور انقلاب کا ایسا شیدائی ہو جانا کہ جیسا بھی انقلاب آئے، آئے ضرور یہ
یہ بھی دراصل شیطان کا دوسرا اتنا ہی بڑا پھندا ہے ۔ انقلاب کا تصور ہو
لیکن وہ سرتاسر انقلابِ محمدی کا تصور ہو ۔ وہ انقلاب کامل اسلامی انقلاب
ہو ۔ اس کے اپنے مقدمات پر اس کا آغاز ہو ۔ اُسے اپنی جڑوں سے قوت
حاصل ہو رہی ہو ۔ وہ انقلاب کیا ہے اور خاص طور پر اس کا قرآن حکیم سے
کیا تعلق ہے؟ آج کے موضوع کی مناسبت سے میں اب اس کو واضح کرنا
چاہتا ہوں ۔ میں نے یہ باتیں کئی بار عرض کی ہیں ۔ آپ میں سے اکثر کے
سامنے ہوں گی ۔ جن کے سامنے نہ ہوں اُن کے لئے اختصار سے عرض کیے

دیتا ہوں -

میرے نزدیک کسی بھی انقلاب کے چھ مراحل ہیں - تین ابتدائی اور تین تکمیلی --- ابتدائی تین مراحل کیا ہیں - ۱ نمبرایک : کوئی انقلابی نظریہ ہو اور اس کی نشر و اشاعت ہو - ہوا نقلابی نظریہ - وعظ کے ذریعہ انقلاب نہیں آئے گا - نیکی کے اُن تصورات کے ذریعے جو عام طور پر دینی حلقوں میں رائج ہیں، انقلاب نہیں آئے گا - انقلاب تو وہیں آئے گا جہاں نظریہ معاشرے کی جڑوں پر تیشہ چلا رہا ہو -- Must be Cutting at the very Roots of that System اگر ایسا ہے تو انقلاب کا عمل روشناس (INITIATE) ہوگا - لیکن ایسا نہیں ہے تو وہ انقلابی عمل نہیں ہوگا بس ایک اصلاحی (Reformatory) عمل ہوگا - کوئی سماجی برائیوں کی اصلاح کا کام ہوگا - کوئی علمی تحقیق کا کام ہو جائے گا - کچھ ذہنوں کی جلا کا کام ہو جائے گا - لیکن یہ سب کام ہرگز انقلابی کام شمار نہیں ہوں گے - اُس کے لئے تو ایک انقلابی نظریہ لابدولازم ہے - یہ ہے پہلا مرحلہ -- نمبر ۲ یہ کہ جو لوگ اس نظریے کو قبول کریں، انکی تربیت ہو - ظاہر بات ہے کہ یہ تربیت نظریہ کے ساتھ ہم آہنگ ہونی ضروری ہے - نظریہ اگر کسی خالص مادّی انقلاب کو جنم دینے والا ہے تو اس کے لئے تربیت بھی صرف مادّی درکار ہوگی - اس کے لئے کسی رُوحانی اور اخلاقی تربیت کی کوئی ضرورت نہیں -- ایسی کوئی قدغن مادّی انقلاب قبول ہی نہیں کرتا بلکہ اسے احمقانہ قرار دیتا ہے - یہی وجہ ہے کہ بالشویزم کے حقیقی انقلابی نظریے میں Sex Discipline کی کوئی ضرورت نہیں ہے - جس طرح ایک پیاسا انسان آزاد ہے کہ وہ اس جذبے کی جس طرح چاہے تسکین کر لے اسی طرح کا مرد مرد اور عورتیں آزاد ہیں کہ باہمی رضامندی سے جب چاہیں، جیسے چاہیں اپنے جنسی جذبے کی تسکین کا سامان کر لیں - اس طور پر جو اولاد ہو گی وہ اسٹیٹ کی ملکیت ہوگی - ان کی پرورش ریاست کے ذمہ ہوگی - لیکن اگر اسلامی نظام لانا ہے تو اس کی مناسبت سے اگر تربیت کا نظام نہیں ہے تو یہ بیل منڈھے

نہیں چڑھے گی - قدم آگے نہیں بڑھیں گے - ہوسکتا ہے کہ آپ کسی اور کا کام انجام دیدیں - حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ ؎

کارِ خود کن کار بیگانہ مکن　　　برزمینِ دیگرے خانہ مکن

کہیں ایسا نہ ہو کر ہم 'انقلاب' کے شوق میں کسی اور کا کام کر رہے ہوں - اس لئے کہ اگر تربیت کے اس دوسرے مرحلے میں کتاب و سنت کا عطا کردہ تربیتی نصاب پیشِ نظر نہیں ہے تو پھر سارا انقلابی کام 'اسلامی انقلاب کا نہیں' کسی اور انقلاب کا کام ہے - ذرا نگاہ بازگشت ڈالیئے تو نظر آئے گا کہ یہی کچھ ہوتا رہا ہے - متعدد محاذ بنے، بڑی قربانیاں دی گئیں، لیکن کام کس کا ہوا - نتائج کیا نکلے - تحریک کے ثمرات کس کی جھولی میں آتے !

ابتدائی مراحل میں نمبر تین یا تیسرا مرحلہ ہے تنظیم - اسلام کے انقلابی نظریے کو قبول کرنے والوں کو ایک بنیانِ مرصوص بنانے والی چیز - منظم قوت، یعنی Discipline Force محض ہجوم نہیں - یہ تین مراحل ہیں ابتدائی مراحل یعنی Primarily or Primary Pre-requisite

اس کے بعد تین تکمیلی مراحل ہیں - جن کے لئے اصل میں ایک جامع عنوان بھی کافی ہے اور وہ ہے تصادم اور کشمکش - اس کے بھی تین مرحلے ہیں - پہلا مرحلہ وہ ہے جو انقلابی نظریے کی دعوت کے بعد خود بخود شروع ہو جائے گا - یہ کشمکش اور تصادم کا وہ دور ہے جس میں انقلابی کارکنوں کے لئے صبر و تحمل اور استقامت کی ضرورت ہے - ماریں کھاؤ - ہاتھ نہ اٹھاؤ - اگر اس ابتدائی دور میں کوئی انقلابی جماعت　　　ہو جائے محرور المزاج ہو جائے، متہور ہو جائے - جلد باز اور ناعاقبت اندیش ہو جائے تو کچل دی جائے گی اور ختم کر دی جائے گی - لہذا اس دور کے لئے حکم ہوتا ہے کہ ماریں کھاؤ، ظلم و تعدی برداشت کرو - تم کو کسی جوابی اقدام اور کارروائی کی اجازت نہیں - اصل میں یہ دور تھا جس سے حضرتِ مسیح علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا - جو لوگ اس مرحلے کے تقاضوں کو سمجھتے نہیں وہ حضرت

مسیحؑ پر زبانِ طعن دراز کردیتے ہیں ۔ آپؑ کی دعوت کا یہ دور تھا ۔ اس سے اگلا مرحلہ آیا ہی نہیں ۔ اس دور کے لئے حضرت مسیح کی تعلیم و تلقین یہ تھی کہ "اگر کوئی تمہارے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی سامنے کر دو ۔ اگر کوئی نالش کر کے تمہارا جبہ لینا چاہے تو اپنا کرتہ بھی اس کے حوالے کر دو ۔ اگر کوئی تمہیں بیگار میں ایک کوس لے جانا چاہے تو دو کوس جاؤ ۔" یہ صبر و مصابرت کا دور ہے ۔ دوسرا دور وہ آتا ہے جب قابل لحاظ جمعیت اور قوت ۔ فراہم ہو جاتی ہے اور وہ ماریں کھا کھا کر اور ظلم و جور کی بھٹی سے گزر کر کندن بن جاتی ہے تو اقدام کا مرحلہ آتا ہے ۔ پہلے دور کے لئے میں انگریزی کی اصطلاح Passive Resistance اور دوسرے دور کے لئے Active Resistance استعمال کیا کرتا ہوں اب اقدام ہو اور اس نظام کو کہیں سے چھیڑا جائے ، کہیں سے اس کی کوئی دکھتی رگ دبائی جائے ۔ وہ نظام Retaliate کریگا ۔ ترکی بہ ترکی جواب دے گا اور اس ابھرتی ہوئی انقلابی دعوت کو کچلنے کے درپے ہو جائے گا ۔ یہیں سے مسلح تصادم Armed Conflict کا آغاز ہو جائے گا اور میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے بغیر کوئی انقلاب کبھی نہیں آیا ۔ اگر آسکتا ہوتا تو وہ انقلاب محمدی ہوتا ۔ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ۔

اب چھ مراحل کو سامنے رکھیئے اور اب دیکھیئے کہ ان مراحل کا اسلامی انقلاب کے مراحل پر انطباق (Application) کس طور پر ہوتا ہے ۔ میں اس موقع پر ابتدائی تین مراحل پر تو قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرونگا لیکن تکمیلی تین مراحل کا اجمالی ذکر کروں گا چونکہ ایک وقت محدود ہے اور تکمیلی آخری مرحلہ یعنی ' مسلح تصادم ' کافی وضاحت کا متقاضی ہے ۔ یہ معاملہ ہمارے اکثر جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے بڑا بھیانک اور ڈراؤنا ہے ۔ پھر دو سو سال کی غلامی کے باعث اور مغربی مستشرقین نے اس بات کا اتنا پروپیگنڈہ کیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے ، جس سے مرعوب ہو کر ہم نے معذرت خواہانہ (Apologetic) رویہ اختیار کر لیا

ہے اور مسلح تصادم کے نام سے ہمارے اعصاب پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ میں کئی بار عرض کر چکا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی انقلاب تلوار اٹھائے بغیر نہیں آسکتا۔ انقلاب محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اس سے مستثنیٰ نہیں۔ پھر قرآن حکیم میں قتال فی سبیل اللہ کی اہمیت سورۃ الصف کی اس آیت سے واضح ہو جاتی ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ بہرحال

ذکر ابتدائی مراحل کا تھا تو اسلام کا نظریہ انقلاب ہے۔

"قرآن حکیم" ۔ اب آگے اصطلاحات بدل جائیں گی۔ نشر و اشاعت کی جگہ اسلامی اصطلاحات آئیں گی۔ دعوت و تبلیغ ۔ مفہوم وہی ہے گا جو نشر و اشاعت سے اذہان میں آتا ہے ۔ یہاں نظریہ انقلاب کے لفظ سے مجھے علامہ کے چند اشعار بے ساختہ یاد آگئے ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امین
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

پھر یہ کہ یہ تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے۔ علامہ نے یہ تمام نظریات قرآن مجید سے اخذ کئے ہیں۔ درحقیقت روئے زمین پر قرآن حکیم سے بڑھ کر تو کجا اس سے کمتر بھی ایک صالح انقلاب کے نظریے کی حامل کوئی دوسری کتاب موجود ہی نہیں ہے۔ یہ کتاب مبین اعتقادات سے لے کر زندگی کے ہر معاملے، ہر پہلو اور ہر گوشے میں انقلاب کی داعی کتاب ہے۔ یہ کتاب ہر باطل نظریے اور ہر باطل فکر و عمل کے لئے تیغ عریاں ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے منکشف ہونے والے یہ حقائق اس کے معروضی (Objectively) ہیں۔ محض پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے Thesis کی تیاری یا محض کوئی تحقیقی مقالہ لکھنے کی غرض سے اس کا جزوی مطالعہ یا صرف وعظ کہنے کے لئے اس کی چند آیات کو یاد کر لینے سے قرآن حکیم کے انقلابی نظریے، اس کے انقلابی

پیغام، اس کی انقلابی دعوت اور اس کے انقلابی لائحہ عمل تک رسائی ہونی دشوار ہے۔ جب قرآن کی حقیقی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کوئی ارادہ ساتھ ہوگا۔ وہی ارادہ جہاں سے میں نے آج کی گفتگو شروع کی تھی۔ جہاں سے تعمیر سیرت و کردار کا پروگرام شروع ہوتا تھا۔ اگر وہ ارادہ نی الواقع ہو اور کہیں "مزید" وجود میں آ جائے جو چاہتا ہو کہ ہم قرآن مجید کو سمجھیں بھی اور اس پر عمل بھی کریں تو وہ جان لے کہ قرآن حکیم سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی کتاب نہیں۔ یہ بات وہ ہے جو غیروں نے کہی ہے۔ دشمنوں نے کہی ہے۔ ہم نے تو اس کے پر ہر طرف سے کاٹ دیئے ہیں۔ اس کے ساتھ جو تصورات وابستہ کئے ہیں وہ بس ایک مقدس کتاب کے ہیں۔ اس کا نظریہ اور اس کی انقلابیت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔ لیکن دوسروں نے اس کو پا لیا ہے۔ اسی شہر لاہور میں مشہور سوشلسٹ لیڈر ایم۔ این رائے نے کہا تھا کہ "قرآن سے بڑھ کر کوئی انقلابی کتاب نہیں اور محمدؐ سے بڑا تاریخ انسانی میں کوئی انقلابی لیڈر نہیں" صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور شاید گلیڈسن یا لائیڈ جارج نے کہا تھا کہ "جب تک دنیا میں قرآن موجود ہے گا دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا" آریہ سماجی مشہور لیڈر سوامی شردھانند نے بھی قرآن کے بارے میں اسی نوع کا اظہار خیال کیا تھا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے خوب اچھی طرح جان لیا تھا کہ قرآن محض ایک کتاب مقدس ہی نہیں ہے۔ بلکہ سراسر ایک انقلابی نظریے کی حامل کتاب ہے اور انقلاب کے مراحل میں مسلح تصادم ایک کلیہ (Established Fact) کی حیثیت سے دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان تینوں نے تو یہ بات تعصب اور مخالفت کے جذبے سے کہی تھی اور اس کا انداز Negative ہے لیکن یہ قرآن کو بہت بڑا Tribute اور خراج تحسین ہے۔ یہ قرآن تو انسان کے اندر آگ بھر دیتا ہے۔ بشرطیکہ قرآن مجید کا رہنمائی حاصل کرنے کے لئے معروضی مطالعہ کیا جائے۔ کتنی پیاری بات کہی ہے علامہ اقبال نے:

پیش ما یک عالم فرسودہ است — ملت اندر خواب او آسودہ است
رفت سوز سینۂ تاتار و کرد — با مسلماں مرد ما فت آرمردا

یہ ہوا کیا ہے! مسلمان مرگیا ہے یا قرآن (نعوذ باللہ) مرگیا ہے - قرآن نے تو سینوں میں آگ لگادی تھی - قرآن نے تو اس سینۂ گیتی پر تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا تھا - قرآن نے تو نوع انسانی کو وہ صالح نظام دیا تھا جس کی یاد بھی انسان کے حافظے میں ایک سہانے خواب کے مانند ابھی تک موجود ہے -

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو | زانکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست | یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

وہی تو ہے جو انسان کر رہا ہے - اس کا ذہن شعوری و غیر شعوری طور پر اس صالح نظام کی تلاش میں سرگرداں ہے - اسکی روح اس صالح نظام کی برکات سے اپنی تشنگی کو آسودگی سے بدلنے کے لئے بلک رہی ہے - انسانیت کے اجتماعی تحت الشعور میں یہ بات موجود ہے کہ ایک صالح نظام اس دنیا میں فی الواقع قائم ہو چکا ہے - یہ کہانی اور Fairy Tale نہیں ہے - واقع اور حقیقت ہے - یہ کوئی Pre-Historic Era یعنی ماقبل تاریخی دور کی بات نہیں ہے، یہ تو خاص تاریخ کے نصف النہار میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے - پس قرآن حکیم کا انقلابی نظریہ ہمارے پاس ہے - اسی لئے علامہ نے کہا - یہ اشعار مجھے بلا ارادہ فی البدیہہ طور پر یاد آرہے ہیں -

اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم | تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم
در جہاں اسرار دین را فاش کن | نکتۂ شرع مبین را فاش کن

کب تک حجروں میں مقیم رہو گے اور قرآن پر ناز کرتے رہو گے - میدان میں نکلو اور اس قرآن کے اسرار اس کے عبر و حکم اس کی رہنمائی اور ہدایت اور اس کے انقلابی تصورات اور انقلابی دعوت و پیغام آخر کب تک چھپے رہیں گے! انہیں منصۂ شہود پر آنا چاہیئے - ان کو نوع انسانی کے سامنے لانا چاہیئے - تو پہلی بات ہے اس قرآن حکیم کی دعوت و تبلیغ - دعوت و تبلیغ کے لئے قرآن مجید کی جتنی اصطلاحات ہیں ان سب کا مرکز و محور مبنیٰ و مدار

قرآن اور صرف قرآن ہے۔ سب سے زیادہ کثیر الاستعمال اور عام فہم اصطلاح تبلیغ۔ لیکن تبلیغ کس چیز کی۔ اختلافی مسائل کی تبلیغ۔ ا[illegible] عظیم الشان تبلیغی کانفرنسیں منعقد ہو رہی ہیں لیکن موضوع تبلیغ کیا ہے؟ رفع یدین اور آمین بالجہر۔ مسائل کون سے ہوں گے؟ نور و بشر کے بول گے۔ وہ تبلیغ نہیں۔ تبلیغ کس چیز کی؟ قرآن کی: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ — یہ تھی وہ بات جس پر گواہی لی تھی حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اللہ کے یہاں جا کر انہیں بھی جواب دینا تھا۔ وہ بھی مسئول ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۶ ذہن میں لائیے کہ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ہم تو پوچھیں گے ان سے بھی جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور ان سے بھی جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ یہ تھا وہ احساس جس کے لئے میدان عرفات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً سوا لاکھ صحابہؓ کے مجمع سے گواہی لی ہے کہ: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ اور اس مجمع سے یک آواز گواہی ملی ہے کہ: إِنَّا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ۔ صحابہ کرامؓ کی طرف سے چار الفاظ میں جواب! حالانکہ انؓ کا یہ معمول تھا ہی نہیں۔ سوال ایک جواب چار۔ حالانکہ ہوتا یہ رہتا تھا کہ حضورؐ کے سوال کے جواب میں صحابہؓ عموماً عرض کیا کرتے تھے اللّٰہُ ورسولہ اعلم اور اگر کہیں دوبارہ پوچھا گیا ہے تو بہت مختصر جواب۔ لیکن یہاں چار الفاظ: قَدْ بَلَّغْتَ الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وکشفت الغمۃ۔ یہ سوال و جواب کس لئے؟ آخرت میں جواب دہی ہو گی۔ پھر یہی فریضہ تبلیغ ہے جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حوالے کر گئے اور فرمایا: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ میں سبکدوش ہوا۔ میری ذمہ داری ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے "إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا" فرما کر جو بھاری ذمہ داری میرے کاندھے پر ڈالی تھی۔ آج وہ قول ثقیل میرے کاندھے سے تمہارے کاندھوں پر منتقل ہو گیا ہے۔ "اب پہنچائیں وہ جو یہاں ہیں ان کو جو

نہیں ہیں -" اس سے زیادہ بلیغ الفاظ ممکن نہیں ہیں - اس لئے کہ
اظ زمان و مکان دونوں کا احاطہ کرتے ہیں - اُس وقت رہتے زمین
ہر ایک انسان اس میں شامل ہے اور تا قیام قیامت آنے والی نسلیں بھی اس
شامل ہیں -

ایک دوسری اہم اصطلاح ہے: تذکیر - قرآن اپنے آپ کو تذکرہ کہتا
: ذکریٰ بھی کہتا ہے[1]: اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ اور اس تذکیر
لئے آلہ تذکیر کیا ہے -؛ قرآن! فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ
اے نبی! تذکیر کیجئے قرآن کے ذریعے سے اس کو جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو"
بشیر - بشریٰ یہ بھی قرآن کی اہم اصطلاحات میں سے ہیں - سورہ بقرہ
سورہ نحل میں قرآن مجید کے لئے بشریٰ کا لفظ آیا ہے - سورہ بقرہ اور
سورہ نمل میں فرمایا: بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ اور سورہ نحل میں دو مرتبہ فرمایا:
بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ - قرآن بشارت ہے اور اسی کے لئے انذار کی
اصطلاح ہے، یہ دعوت و تبلیغ کا دوسرا پہلو ہے - انذار کس کے ذریعے سے؟
قرآن کے ذریعے سے: وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ
بَلَغَ -" اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں بھی اس کے
ذریعے خبردار کر دوں اور ان کو بھی جن کو یہ (قرآن) پہنچے" - شوریٰ کی وہ
آیت ذہن میں لائیے - وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا
لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَھَا وَتُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَارَیْبَ
فِیْہِ -" اور اسی لئے اے محمد ہم نے آپ طرف قرآن عربی وحی کیا تاکہ
آپ مکہ اور گرد و پیش کے لوگوں کو اس کے ذریعے سے خبردار کریں اور جمع
ہونے والے دن (آخرت) محاسبہ سے متنبہ کریں جس کے واقع ہونے میں

---

[1] وَلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ (انعام) فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ
مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ (اعراف)، وَجَآءَکَ فِیْ ھٰذِہِ
الْحَقُّ وَمَوْعِظَۃٌ وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ (ھود)

کوئی شبہ نہیں کہ تبشیر اور انذار کا ذریعہ قرآن ہے ۔ یہ دونوں چیزیں بڑی خوبصورتی سے سورہ مریم کے اختتام پر جمع ہو گئی ہیں: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ہ پس ہم نے (اے نبی) اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر اس لئے سہل اور آسان بنا دیا کہ آپ اس کے ذریعے اللہ سے ڈرنے والوں کو بشارت پہنچا دیں اور جھگڑالو قوم کو اس کے برے انجام سے خبردار اور آگاہ کر دیں ۔" آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس آیت کی تلاوت میں میں نے بہٖ پر زور دیا ہے ۔ چونکہ یہاں بہٖ فرما کر اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے کہ تبشیر و انذار کا حقیقی اور اصل ذریعہ قرآن مجید ہی ہے ۔ آگے چلئے ۔ سورۂ کہف کے آغاز ہی میں بڑے مہتم بالشان اسلوب سے اس کا ذکر فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ہ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ہ "شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اس نے کوئی کجی نہیں رکھی ۔ بالکل سیدھی اور ہموار و استوار، تاکہ وہ اپنی جانب سے جھٹلانے والوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ کر دے اور ایمان لانے والوں کو، جو نیک عمل کر رہے ہیں، اس بات کی خوش خبری سنا دے کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے ۔" اور آگے چلئے تبلیغ و دعوت کی راہ میں سب سے زیادہ رکاوٹ ڈالنے والے باطل نظریات، مشرکانہ اوہام اور مبتدعانہ افعال ہوتے ہیں ۔

ہم نے قرآن کی تبلیغ کو تو پس پشت ڈال رکھا ہے اور تبلیغ کے نام سے کہیں فرقہ واریت اور فقہی مسلک پر دھواں دھار تقریریں ہیں کہیں محض فضائل کے بیان کو تبلیغ کا نام دے دیا گیا ہے اور اس کے لئے بھی ذریعہ قرآن نہیں ضعیف و شاذ اور مرسل احادیث کا سہارا ہے یا بزرگانِ دین کی کرامات کا بیان اس کی بنیاد ہے ۔ اسی کا تو علامہ اقبال نے مرثیہ کہا ہے اور کیسے کیسے انداز سے کہا ہے ۔ وعظ ہے تو قرآن سے تزکیہ ہے تو قرآن سے نہیں،

تدبر ہے تو قرآن سے نہیں، تبلیغ ہے تو قرآن کی نہیں۔ عوام ہوں کہ خواص
کسی کو قرآن سے نہ اعتنا ہے نہ دلچسپی الّا ماشاء اللہ۔ اُمتِ مسلمہ کے مختلف
طبقات کا علامہ نے کس قدر صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ ؎

صوفی پشمینہ پوش حال مست — از شراب نغمۂ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش — در نمی سازد بقرآں محفلش
واعظ دستاں زن افسانہ بند — معنی او پست حرفِ اُو بلند
از خطیب و دیلمی گفتار او — با ضعیف و شاذ و مرسل کار اُو[1]

اب تو یہ نقشہ بھی خال خال نظر آتا ہے — پھر علامہ نے اور فقیہانِ
حرم کی اکثریت کی نقشہ کشی یوں کی ہے

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں — ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

لہٰذا عوام کا تو کہنا ہی کیا وہ تو ہیں ہی "کشتۂ ملائی و سلطانی و پیری"۔ ان
فقیہان کی عظیم اکثریت قرآن کے معاملہ میں بے ذوق بھی ہے اور بے طلب
بھی۔ بقول علامہ مرحوم ؎

صاحبِ قرآں بے ذوقِ طلب! — العجب ثم العجب ثم العجب!

بہر حال میں نے اب تک جو کچھ عرض کیا ہے، اس سے یہ بات آپ

---

[1] اونی لباس میں ملبوس اور اپنے حال میں مست صوفی قوال کے نغمے کی شراب ہی
سے مدہوش ہے!

اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل
میں قرآن کا کہیں گزر نہیں۔

(دوسری طرف) واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ بھی خوب چلاتا ہے اور سماں
بھی خوب باندھ دیتا ہے اور اس کے الفاظ بھی پر شکوہ اور بلند و بالا ہیں
لیکن معنی کے اعتبار سے نہایت پست اور ہلکے!

اس کی ساری گفتگو (بجائے قرآن کے) یا تو خطیب بغدادی سے ماخوذ
ہوتی ہے یا دیلمی سے اور اس کا سارا سروکار بس ضعیف، شاذ اور
مرسل حدیثوں سے رہ گیا ہے۔

پر واضح ہو گئی ہو گی کہ از روئے قرآن تبشیر قرآن سے، انذار قرآن سے نصیحت و موعظت قرآن سے تزکیہ قرآن سے اور تبلیغ قرآن کی۔ یہ ہیں وہ بنیادی اصطلاحات اور انہی کو چار مرتبہ قرآن مجید میں لایا گیا کہ محمدی انقلاب کا اساسی اور بنیادی لائحہ عمل کیا ہے: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ ۔ دو مرتبہ سورہ بقرہ میں پہلی مرتبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں بھی یہی الفاظ آتے: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ ۔ پھر نبی اکرمؐ کی بعثت کی طرف اشارے میں بھی یہی الفاظ آئے: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا ۔ سورہ آل عمران میں پھر اعادہ ہو رہا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ ۔ آخری بار سورہ جمعہ میں فرمایا جا رہا ہے: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ ۔ یہ تلاوتِ آیات ہے بغرض دعوت، بغرض تبلیغ، بغرض تبشیر، بغرض انذار اور بغرض تذکیر اور یہ ہے درحقیقت انقلاب محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا قدم۔ یہ نہیں ہے اور اس طور سے نہیں ہے اور اس ذریعہ سے نہیں ہے تو جان لیجئے کہ وہ انقلاب محمدی یا انقلاب اسلامی کی طرف پیش قدمی نہیں ہو گی۔ مستعار نظریات ہوں یا انسان کے اپنے بنائے ہوئے خیالات ہوں یا کسی شخصیت کا علمی رعب اور دبدبہ لوگوں کو کھینچ کر جمع کر رہا ہو تو اسے قرآن کی انقلابی دعوت و تحریک ہرگز نہیں کہا جائے گا۔ بالفاظ دیگر کسی تحریک اور دعوت کے عمل کا جب تک مرکز و محور اور مبنیٰ و مدار قرآن کو نہیں بنایا جائے گا، انقلاب محمدی کی طرف پیش قدمی نہیں ہو گی۔

پہلے ذہن نہیں گیا تھا۔ میں چند روز قبل سورہ فرقان کا مطالعہ کر رہا تھا۔ چونک گیا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ قرآن حکیم کی اکثر آیات ہیں کہ جہاں ہمارے اکثر مفسرین بہ کا حق کما حقہ ادا نہیں کر سکے۔ سورہ فرقان میں فرمایا: فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا "اے نبی! آپ ان کافروں کی خواہشات کا بالکل لحاظ نہ کیجئے بلکہ اس قرآن کے ذریعے سے جہاد

تسلیم کیجئے " یہ آپ کا پہلا آلہ انقلاب ہے " یہ وہ پہلی شمشیر ہے جو
ذہنوں کو ؛ بجبر ارے گی - نظریات کو افکار کو عقائد کو، خیالات کو اور تصورات
کو اسلام کے رُخ پر لانے والی چیز یہی قرآن مجید ہے - بقول مولانا حالی
مرحوم ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا … اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

علامہ اقبال مرحوم نے اسی بات کو یوں بیان کیا ؎

مصطفیٰؐ اندر حرا خلوت گزیں … قوم و آئین و حکومت آفریں

قرآن سے ساری دعوت و تبلیغ، اسی کے تبشیر و انذار اور اسی سے
موعظت و نصیحت، یہ سارا عمل کیا ہوگا ؟ جَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔
تصادم تو سب سے پہلے نظریات کی سطح پر ہوتا ہے ۔ کشمکش جب بھی ہوگی اس
کا پہلا ہدف نظریات، افکار اور عقائد ہوں گے - اس موضوع کے ضمن میں،
میں ڈاکٹر اقبال کے چند اشعار پیش کر کے آگے چلوں گا - میں نے جو بات
قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے علامہ مرحوم نے اس کو
ان اشعار میں نہایت بلاغت و فصاحت اور جامعیت سے ادا کیا ہے

(جاری ہے)

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

(صحیح بخاری)

قرآن کیا چاہتا ہے؟

یہ کہ

- اس پر ایمان لایا جائے
- اسے پڑھا جائے
- اسے سمجھا جائے
- اس پر عمل کیا جائے
- اور اسے دوسروں تک پہنچایا جائے

قاری نصیر احمد غزنوی

اظہارِ حق

مرزائیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں

(دوسری قسط)

مرزا صاحب کا دعوائے فصاحت و بلاغت اور اس کا نمونہ

کلما قلت من کمال بلاغتی فی البیان فھو بعد کتاب اللہ القرآن

یعنی جو کچھ میں نے اپنی کمال بلاغت بیانی سے کہا ہے تو وہ کتاب قرآن مجید سے دوسرے درجہ پر ہے۔ (لجۃ النور صہ ۱۲۲ - حاشیہ)

(۲)

میں قرآن مجید کے ظل کے طور پر فصاحت و بلاغت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔ (ضرورت الامام صہ ۲۲)

(۳)

ایسا ہی خدا نے اپنے نبی کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ دیا سو اس جلد بھی فصاحت و بلاغت کو اعجاز کے طور پر دکھلایا۔ غرض فصاحت و بلاغت کا ایک الٰہی نشان ہے۔ (حجۃ اللہ صہ ۱۴ صہ ۲۲/۲۲)

وانی اذا حاولت کلما نصیحۃ فنولنی ربی لسان منقفی

اور جب میں نے خدا سے کلمات فصاحت طلب کیے۔ پس میں اپنے رب سے گوناگوں فصاحت کلام دیا گیا۔ (حجۃ اللہ صہ ۹ صہ ۱۰۸/۲۴۳)

وقد صقلت کلمی کمثل سجنجل فانزنوا لیھا مقلۃ المتانق

اور میرے کلمے آئینے کی طرح صاف کیے گئے ہیں پس تعجب کرنے والے کی نظر اس کو ٹکٹکی لگا کر

دیکھتی ہے۔

وکانت مضامینی کغید بلطفہا فاصبت بحسن ثم لحن کیلمق

اور میرے مضامین نازک اندام عورتوں کی طرح تھے۔ پس حسن کے ساتھ پھر اس آواز کے ساتھ جو بطور تحیا کے تھی دل اس کی طرف جھک گئے۔

(حجۃ اللہ ص ۲۲۷ ص ۸۹)

اری غید اسرار تضضن لمقنا ومن غیرنا باعدن کالمتأبق

میں دیکھتا ہوں کہ نرم اندام عورتیں اسرار کی ہمارے لیے ننگی ہو گئیں۔ اور غیروں سے وہ چھپنے والیوں کی طرح دور ہو گئیں۔

اذا ماخرجن من الخبیط بزینۃ فاصبی رشاقتہن قلب مرمّق

اور جب وہ ہودے سے زینت کے ساتھ نکلیں۔ بس ان کا حسنِ اندام دیکھنے والوں کا دل لے گیا۔ (حجۃ اللہ ص ۲۲۷ ص ۱۰۹)

اذا ماتجلی حسنہن بنورہ فرحلت کجالیۃ ظلام یغسق

جب ان کا حسن اپنے نور کے ساتھ چمکا پس اندھیرا یوں چلا گیا جیسا وہ لوگ جو اپنے گھروں سے آوارہ پھرتے ہیں۔

وقلّ من الاخدان من کان حسنہ کحسن عذارانا وخدٍ ابرقِ

اور معشوقوں میں سے بہت کم ہوگا جس کا حسن ہمارے ان باکرہ مضامین کی طرح ہوگا اور رخسار روشن ہوں گے۔

نبی اور صحابہ کی گفتگو

"جب میری مجلس میں یہ مقام ستیارتھ پرکاش کا پڑھا گیا تو بعض دوست بے اختیار بول اٹھے دیکھو یہ صاف زنا ہے۔۔۔ بعض نے یہ کہا کہ اس طریق نیوگ میں اس ہدایت کی رو سے بیوہ بھی یہ اختیار رکھتی ہے کہ اگر بیوہ صبح کو کسی غیر مرد سے ہمبستر ہوکر اس کی منی پتلی اور ناقابلِ اولاد پاوے تو دوپہر کو کسی اور بیرج داتا کے ساتھ سووے اور اگر دوپہر والا بھی اس نقص سے خالی نہ ہو اور ایسی تسلی نہ کر سکا ہو جس سے اولاد کی امید ہو سکتی ہے تو شام کو کسی اور سے ہمبستر ہو جاوے اور اگر شام والا بھی ناتمام نکلے تو رات کو اسی آزمائش کے لیے کسی اور جوان کے آگے پڑے۔

پس جو عورت ایک ہی دن میں چار غیر آدمی سے سوائے طریق جائز نکاح ہمبستر ہو اگر وہ زانیہ نہیں تو پھر دنیا میں زنا کوئی چیز نہیں۔" (آریہ دھرم صہ ۵)

چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ یہ اشعار حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے ہیں:

نام اولاد کے حصول کا ہے ! ساری شہوت کی بیقراری ہے
بیٹا بیٹا پکارتی ہے غلط یار کی اس کو آہ و زاری ہے
دس سے کروا چکی زنا لیکن پاک دامن ابھی بچاری ہے
ہے قوی مرد کی تلاش انہیں خوب جورو کی حق گذاری ہے
تاکہ کروائیں پھر اسے گندی پاک ہونے کی انتظاری ہے

(آریہ دھرم صہ ۶ و صہ ۷)

مرزا صاحب کے علمی شہ پارے

(۱) باوجودیکہ صحابی دس ہزار سے بھی کچھ زیادہ تھے۔

(ازالہ اوہام حصہ اول ۔ صہ ۱۴۳)

(۲) اور بنی اسرائیل کے گذشتہ نبی جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے سچ مچ واقعہ صلیب کے وقت زندہ ہو گئے تھے اور زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے۔

(مسیح ہندوستان میں صہ ۴۲)

(۳) ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ لڑکے فوت ہوئے تھے۔

(تجلیات الٰہیہ صہ ۲۱۴)

(۴) براہین احمدیہ کے پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم دیباچہ صہ ۹)

(۵) **مرزا صاحب کی رؤیت روحانی:** ایک رؤیت آنکھ میں ہے کہ ہر شے کو دیکھتی ہے،.. خواہ تین چار دیواریں حائل ہوں... اس مقام پر حضرت اقدس نے ایک واقعہ سنایا... ایک دفعہ ایک خاکروبہ نے ایک جگہ سے میلا اٹھایا اور اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا۔ میں جو مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا مجھے نظر آیا کہ اس نے ایک حصہ چھوڑ دیا ہے تو میں نے

اس خاکروبہ سے کہا وہ سُن کر حیران ہوئی کہ اس نے اندر بیٹھے ہوئے یہ کیسے دیکھ لیا۔ میں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ باوجود میلے کے سر پر موجود ہونے کے نہیں دیکھ سکتی۔ حالانکہ اس نے مجھے اس قدر دُور دراز فاصلہ سے دکھلا دیا۔ (روحانی خزائن نمبر ۲ ملفوظات جلد چہارم ص۳۲ و ص۳۳)

اخلاق کی تعریف اور نمونہ اخلاق

یہ نہایت قابل شرم بات ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو اور درشت بات کا ذرّہ بھی متحمل نہ ہو سکے۔ اور جو امام زماں کہلا کر ایسی کچی طبیعت کا آدمی ہو کہ ادنیٰ ادنیٰ بات میں منہ میں جھاگ آتا ہے آنکھیں نیلی پیلی ہوتی ہیں وہ کسی طرح امام زماں نہیں ہو سکتا لہٰذا اس پر آیت اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا پورے طور پر صادق آ جانا ضروری ہے۔
(ضرورۃ الامام ص۸ ص۴۷۸)

جاہلوں سے میرا پالا پڑ گیا ان کی جلنے والی پر افسوس یہ تو کتوں اور بھیڑیوں سے بھی بڑھ کر موذی ہیں۔ ترجمہ (الحق بحث دہلی ص ۹/۱۳۹)

اے بدذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویو تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا۔ وہ عوام کالانعام کو بھی پلایا۔ (انجام آتھم ص۲۱)

دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں اور انہوں نے گالیاں دیں اور میں نہیں جانتا کیوں دیں۔
ترجمہ (نجم الہدیٰ ص۵۳ ص۵۴)

تو نے بدکار عورتوں کی طرح زبان درازی کی اور تو خنزیر کی طرح حمد کرتا ہے اور گدھوں کی طرح آواز کرتا ہے۔ (حجۃ اللہ۔ ص ۲۳۱/۹۷ ۔ ترجمہ)

ان کا کتے کی طرح حملہ ہے اور سانپ کی طرح پیچ و تاب ہے اور بھیڑیے کی طرح عادتیں ہیں۔ اور خر گوش کا دل ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۲۳۲/۹۴ ترجمہ)

اور جب تمام رذیلوں نے مجھے چھوڑ دیا بس میں نے یقین کیا کہ جو میری قوم کا شریف ہے وہ ضرور مجھ سے ملے گا۔ حجۃ اللہ ص ۲۴۶/۱۰۸ ترجمہ۔

کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں ہے کہ میرے دعوے کو اس طرح مان لے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانا ہے
(تذکرۃ الشہادتین ص ۴۰/۴۰)

سو میں کہتا ہوں کہ اے نابکار قوم کب تک تو اندھی اور گونگی اور بہری رہے گی اور کب تک تیری آنکھیں اس نور کو نہیں دیکھیں گی جو اتارا گیا۔
(حجۃ اللہ ص ۱۶۹/۲۱ ۔ ترجمہ)

اے مردار کے کتے کیا تو ہمیں بھیڑیے کی طرح ڈراتا ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۲۳۸/۱۰۰ ترجمہ)

میں گونگوں کی طرح تمہیں دیکھتا ہوں یا جنگل کے گدھوں کی طرح۔
(حجۃ اللہ ص ۲۴۳/۱۰۴ ترجمہ)

جو جاہل اور بخیل ہو وہ میری شان سے انکار کرتا ہے (حجۃ اللہ ص ۲۳۹/۱۰۱ ترجمہ)

حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔
(انوار الاسلام فتح اسلام ص ۳۲)

ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جاوے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں ہے۔ (فتح اسلام ص ۳۱)

پس کچھ تھوڑی دیر فکر کر اے گدھے کی جائے ننگ اور توفیق یافتہ لوگوں کی راہ ڈھونڈ۔ (منن الرحمٰن ص ۴۱ ۲)

اور لئیموں میں سے ایک فاسق آدمی کو دیکھتا ہوں کہ ایک شیطان ملعون ہے سفیہوں کا نطفہ۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۵ ۴ ص ۱۴)

کیا نہیں دیکھتے بعض لوگ کتوں کی طرح ہو گئے بعض بھیڑیوں کی طرح بعض سوروں کی طرح اور بعض گدھوں کی طرح اور بعض سانپوں کی طرح ڈنک مارتے ہیں اور ایسا کوئی جانور نہیں کہ لوگوں میں سے ایک گروہ اس جیسا نہ ہو گیا ہو اور افعال میں اس کے مشابہ نہ ہو۔ ترجمہ (خطبہ الہامیہ ص ۲۳۸)

حدیث سے متعلق مرزا صاحب کا فیصلہ

مرزا صاحب دعویٰ مسیح موعود کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعوے کی بنیاد حدیث نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردّی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اگر حدیثوں کا دنیا میں وجود بھی نہ ہوتا تب بھی میرے اس دعوے کو کچھ حرج نہ پہنچتا تھا ہاں خدا نے میری وحی میں قرآن کو پیش کیا ہے۔"

(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ملا ۳ منہ $\frac{۱۴۰}{۳۴}$)

مرزا صاحب اپنے متعلق فرماتے ہیں:

"اگر خدا کی پاک[1] وحی سے حدیثوں کا کوئی مضمون مخالف پاوے اور اپنی وحی کو قرآن کے مطابق پاوے اور بعض حدیثوں کو بھی ان کی موئید دیکھے تو ایسی حدیثوں کو چھوڑ دے اور ان حدیثوں کو قبول کرے جو قرآن کے مطابق ہیں اور اس کی وحی کے مخالف ہیں۔" (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص $\frac{۱۳۹}{۳۵}$ ص ۳۰)

جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر ردّ کرے۔ (اربعین نمبر ۳ ص $\frac{۱۴}{۵۹}$)

توریت و انجیل سے متعلق مرزا صاحب کی تحقیق

اور میں اس جگہ توریت و انجیل کا نام نہیں لیتا کیوں کہ توریت و انجیل تحریف کرنے والوں کے ہاتھوں سے اس قدر محرف اور مبدل ہو گئی ہیں کہ اب ان کتابوں کو خدا کا کلام نہیں کہہ سکتے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۳ ص ۳)

رہی توریت کی تعلیم سو وہ بھی محرف اور ناقص ہونے کی وجہ سے ایک موم کا ناک ہو رہی ہے جس کو عیسائی اپنے طور پر اور یہودی اپنے طور پر بتا رہے ہیں۔
(براہین احمدیہ پہلی فصل جلد سوم ص $\frac{۲۹۳}{۳۰۲}$ ص ۲۷۳)

---

[1] پاک وحی سے مراد مرزا صاحب کی اپنی وحی ہے۔

اور کوئی عبرانی انجیل عیسائیوں کے پاس موجود نہیں ہے۔ غرض یہ چاروں انجیلیں جو یونان سے ترجمہ ہو کر اس ملک میں پھیلائی جاتی ہیں ایک ذرہ قابل اعتبار نہیں ۔ (تریاق القلوب ۔ ص ۱۴۱/۱۳ ص ۱۴۲/۱۴)

یہ سب انجیلیں حواریوں کے زمانہ کے بعد بعض یونان کے لوگوں نے بے سروپا روایات کی بنا پر لکھی ہیں ۔ (تریاق القلوب ۔ ص ۲۴۰)

غرض اس بات پر عیسائیوں کے محققین کا کامل اتفاق ہو چکا ہے کہ انجیل خالص خدا کا کلام نہیں ۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۳۷۳/۲۹۵ ص ۴۳۲)

مرزا صاحب کے دعاوی و اقوال

(۱) مَیں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں یہ رسائل (یعنی یہ کتابیں) جو لکھے گئے ہیں تائید الٰہی سے لکھے گئے ہیں مَیں ان کا نام وحی اور الہام تو نہیں رکھتا مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی خاص اور خارق عادت تائید نے یہ رسالے میرے ہاتھ سے نکلوائے ہیں ۔ (اسرالخلافہ اشتہار ص ۸۳ ص ۴۱۶/۱۰۲)

(۲) یہ بات بھی اس جگہ بیان کر دینے کے لائق ہے کہ مَیں خاص طور خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت میں بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیوں کہ جب مَیں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو مَیں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے اور ہمیشہ میری تحریر گو عربی ہو یا فارسی دو حصہ پر منقسم ہوتی ہے ۔ ایک تو یہ بڑی سہولت سے سلسلہ الفاظ معانی کا میرے سامنے آجاتا ہے اور مَیں اس کو لکھتا جاتا ہوں ۔ دوسرا حصہ میری تحریر کا محض خارق عادت کے طور پر ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مَیں مثلاً ایک عربی عبارت لکھتا ہوں اور سلسلہ عبارت میں بعض ایسے الفاظ کی حاجت پڑتی ہے کہ وہ مجھے معلوم نہیں ہیں تب ان کی نسبت خدا تعالیٰ کی وحی رہنمائی کرتی ہے اور لفظ وحی متلو کی طرح روح القدس میرے دل میں ڈالتا ہے اور زبان پر جاری کرتا ہے اور اس وقت مَیں اپنی حس سے غائب ہوتا ہوں ۔۔۔ اور یا یہ کہ کوئی فرشتہ ایک کاغذ پر لکھے ہوئے

وہ فقرات دکھا دیتا ہے۔ (نزول المسیح ص۵۶ ص۴۳۴ ص۴۳۵ مر۵۷)

(۳) میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل حال ہے۔

(الحق بحث لدھیانہ ص ۱۹/۲۱)

(۴) میں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۴۷ ص۹/۹)

(۵) واللہ یعلم انی قلت الا ما قال اللہ تعالیٰ ولم اقل کلمۃ قط یخالفہ وما مستھا قلمی فی عمری۔

(ترجمہ) اللہ جانتا ہے یقیناً میں نے نہیں کہا مگر جو کچھ اللہ نے فرمایا اور میں نے نہیں کہی کوئی بات جو اس کے مخالف ہو اور میری قلم نے نہیں چھوا اس کو میری عمر میں

(حمامۃ البشریٰ ص۱ ص۱۸۶/۲)

(۶) جو لوگ خدائے تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۱۹۷)

(۷) ہم اس بات کے گواہ ہیں... جو شخص اس خدا کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے... کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا کیوں کہ خدا اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور خدا اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے طرح طرح کے تصرفات زمین پر ظاہر کر سکتا ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے یا خدا کا بیٹا ہے وہ ظلی طور پر خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔

(چشمہ معرفت دوسرا حصہ ص۲۷۴)

(۸) اور بباعث نہایت درجہ فنا فی اللہ ہونے کے اس کی زبان ہر وقت خدا کی زبان ہوتی ہے۔ اور اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور اگرچہ اس کو خاص طور پر الہام بھی نہ ہو تب بھی جو کچھ اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے وہ اس کی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۶۱ ص۱۸/۱۸)

(۹) ایسا آدمی جو ہر روز خدا پر جھوٹ بولتا ہے اور آپ ہی ایک بات تراشتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ خدا کی وحی ہے جو مجھ کو ہوئی ہے ایسا بدذات انسان

کو کتوں اور سوروں اور بندروں سے بدتر ہوتا ہے۔
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۲۹۲)

(۱۰) جھوٹ بولنا اور نجاست کھانا ایک برابر ہے۔ (آسمانی فیصلہ ص ۳۱/۱۴۸)

(۱۱) جھوٹ بولنا اور گوہ کھانا ایک برابر ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۰۶، ص ۲۱۴/۲۱۴ و ص ۲۱۵/۲۱۵)

تناقض

مرزا صاحب اپنے اقوال کی روشنی میں

(۱)

ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نہیں نکل سکتیں کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق پس بڑی بے ادبی ہوگی کہ متناقض باتوں کا مجموعہ باوا صاحب (باوا گرونانک صاحب) کی طرف منسوب کیا جائے۔ (ست بچن ص ۴۳/۳۱ دسمبر ۱۸۹۵)

ہر ایک کو سوچنا چاہیئے کہ اس شخص کی حالت ایک مخبط الحواس انسان کی حالت ہے ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے ایک طرف تو مجھے سچا مسیح قرار دیتا ہے بلکہ میری تصدیق میں ایک سچی خواب پیش کرتا ہے جو پوری ہوگئی اور دوسری طرف مجھے سب کافروں سے بدتر سمجھتا ہے کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور تناقض ہوگا۔

(حقیقۃ الوحی ص ۱۹۱/۱۹۱)

اس جگہ ان لوگوں کو متنبہ رہنا چاہیئے کہ جو ایسے لوگوں کو مولوی اور دیانت دار سمجھ کر ان کے قول پر عمل کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہ حال ہے ان لوگوں کی دیانت کا اور جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے اس لیے مولوی صاحب موصوف کا بیان بھی تناقض سے بھرا ہوا ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۱۱ ص ۵)

(نوٹ) مرزا صاحب کے الفاظ میں ان اقتباسوں کا خلاصہ یہ ہے:

جس انسان کے کلام میں تناقض ہوتا ہے وہ پاگل، منافق، مخبط الحواس اور جھوٹا ہوتا ہے۔ ان ہی کے قائم کردہ معیار کے مطابق ان کا کلام ملاحظہ فرمائیں۔
(نصیر احمد)

تناقض

پہلا رُخ

وَمَنْ فَرَّقَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ الْمُصْطَفٰى فَمَا عَرَفَنِيْ وَمَا رَاٰى ط

اور جو شخص مجھ میں اور مصطفٰے میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا۔ (خطبہ الہامیہ ص۲۵۹۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

حتّٰی صار وجودی وجودہ ط فمن دخل فی جماعتی دخل فی صحابۃ سیّدی خیر المرسلین ط

یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا پس وہ میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔

(خطبہ الہامیہ ص۲۵۸ و ص۲۵۹۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وجود قرار دیا۔۔۔ اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا پس نبوت و رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی محمد کی چیز محمد کے پاس رہی۔

دُوسرا رُخ

اور یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے کس قدر جہالت ہے کس قدر حماقت ہے اور کس قدر حق سے خروج ہے اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

پہلا رُخ

واضح ہو کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے، ایسا ہی ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں۔ (لیکچر سیالکوٹ ص۳۴ ص ۲۲۸/۲۹)

دُوسرا رُخ

مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کے لیے ایک خدمت سپرد کی گئی ہے اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کے لیے آیا تھا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۵/۱۵۵ ص۱۵۱)

پاکستان اور اسلام

نیز

سنتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

کا جامع اور ہمہ گیر تصوّر

> مندرجہ بالا موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب متعدد بار خطاب کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں موصوف نے تنظیم اسلامی کے چھٹے سالانہ اجتماع منعقدہ مئی ۱۹۸۱ء میں ایک تفصیلی خطاب فرمایا تھا جو "روداد تنظیم اسلامی ـــ حصہ دوم" میں شامل ہے۔ چونکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ لہٰذا اس مناسبت سے اس طویل اور مفصل خطاب کا ایک طویل اقتباس قارئینِ میثاق کے استفادے کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

میرے نزدیک اس معاملے میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ پاکستان کے نام کا جواز بھی کوئی نہیں ہے دین کے سوا اور پاکستان کے استحکام کا معاملہ تو بہت آگے ہے۔ زمانہ تک کا کوئی امکان نہیں ہے دین کے سوا ـــ اب اس دعوے کے دلائل و شواہد اور تفصیلات پر طویل مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ ناقابل تردید واقعہ ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس کو ایک طرف رکھئے کہ یہ واقعہ ایک تہائی مدت پہلے ظہور پذیر ہوا تھا۔ اب غور کیجئے تو کوئی بنیاد، کوئی اساس، کوئی مرکز اور کوئی اور اس ملکِ پاکستان کے بقاء اور استحکام کے لئے نہیں ہے سوائے دین کے۔

...نی قومیت کی نفی

اچھی طرح جان لیجئے کہ ایک مسلم قومی ریاست (Muslim National State) کی حیثیت سے پاکستان کے مستحکم ہونے اور اس کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک "مسلم قومی ریاست" کے لئے اسلام کے علاوہ کسی "قومیت" Nationalism کی بنیاد ضروری ہے۔ ورنہ آپ "اسلامی ریاست" (Islamic State) کیوں نہ کہتے! جب آپ نے

تین الفاظ استعمال کئے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ آپ کو کوئی اور نیشنلزم (قومیت) درکار ہے۔ لیکن میں بلا خوف لومۃ لائم آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس قومیت (NATIONALISM) کے لئے سرے سے کوئی عامل موجود ہی نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ قومیت (NATIONALISM) کیلئے جو عوامل ضروری ہوتے ہیں، ان میں سے کون سا عامل ہمارے پاس ہے! نہ تاریخی تسلسل، نہ نسلی تعلق، نہ لسانی اساس اور نہ ہی تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی رشتہ —— اب رہ گئی وطنی قومیت (Territorial Nationalism) تو اس کے خلاف جہاد کر کے تو آپ نے یہ ملک بنوایا ہے۔ وطنیت کی بنیاد پر قومیت کی تعمیر کے تصور کی کامل نفی کی بنیاد پر تو پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے۔ آخر علامہ اقبال مرحوم کی جن کو حکیم الامت جیسے معزز خطاب سے یاد کیا جاتا ہے، یہ تعلیمات ذہن سے کیسے محو ہو سکتی ہیں کہ ؎

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے — غارت گر کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

پھر علامہ اقبال مرحوم نے ہی وقت کے ایک جید عالم دین اور مرد حریت پسند کے اس قول پر کہ "فی زمانہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں" یہ بات کہی تھی کہ

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

وطنی اور علاقائی قومیت کی مضرت

پھر وطنی و علاقائی قومیت کی خطرناکی ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ اسی وطنی قومیت کے نعرے پر جس کی پشت پر لسانی، تہذیبی اور جغرافیائی عوامل کی مدد بھی موجود تھی، ہمارا ملک دولخت ہو چکا ہے۔ موجودہ پاکستان میں بھی یہ فتنے سندھی قومیت، بلوچ قومیت، پختون قومیت کی صورت میں سر اٹھا چکے ہیں۔ یہ فتنے ختم نہیں ہوئے۔ بلکہ مارشل لاء کے خوف سے فی الحال دبکے ہوئے ہیں۔ اگر یہ دوبارہ ابھرے تو خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی تباہی سے ملک کو

سابقہ پیش آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ حضرات میں سے کسی کو بھی اس میں اشتباہ ہوگا کہ وطنی قومیت (TERRITORIAL NATIONALISM) ہمارے درد، دکھ اور مصیبت کا مداوا اور درمان نہیں بلکہ ہماری وحدت اور اتحاد کے لئے سم قاتل ہے۔ یہ ملک نہیں رہ سکتا، اگر اسلام نہ ہو۔ ہمارے لئے دین کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کوئی امریکہ اس کو بچا نہیں سکتا۔ کوئی "پٹرو ڈالر" ملک کے لیے محافظ نہیں بن سکتا۔ سہارا اگر ہے تو وہ ایک ہی ہے — (The only Way) اور وہ ہے ہمارا دین اسلام۔

اسی بات کو علامہ اقبال مرحوم نے یوں کہا تھا ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

یہ معاملہ باقی مسلم ممالک کے لئے اتنا گمبھیر نہیں ہے جتنا ہمارے لئے ہے۔ ترکوں کے لئے ترک نیشنلزم ہے۔ عربوں کے لئے عرب نیشنلزم ہے۔ کہیں نسلی وحدت ہے جو نقطۂ ماسکہ بنی ہوئی ہے۔ جوڑنے والی چیز بنی ہوئی ہے اور یہاں کچھ نہیں ہے سوائے دین کے اور اسلام کے۔

نعروں کا اسلام نہیں چلے گا

پھر یہ کہ اسلام اور دین نعرے کا نہیں چلے گا۔ بہت چل چکا۔ اس میں جب تک روح اور جوہر (Essence) نہیں ہوگا۔ حقیقت نہیں ہوگی۔ واقعہ نہیں ہوگا تو محض نعروں سے یہ قائم نہ ہوگا اور نہ چل سکے گا اور اب تو شاید نعرے بھی بے اثر ہوں۔ اس وقت اس ملک کی جو صورت حال فی الواقع ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی سالمیت (Integrity) کو فوج نے سہارا دیا ہوا ہے۔ اگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک کے لئے مارشل لاء ناگزیر اور لابدی ہے تو گویا یہ اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ اس ملک کے رہنے والوں کی رائے پر ہمیں اعتماد نہیں ہے کہ ایسی صورت میں یہ ملک قائم رہ سکتا ہے ورنہ مارشل لاء کوئی مثالی و معیاری حالت تو نہیں ہے۔ جو شخص بھی سیاسیات کی ابجد سے کوئی معمولی بھی شدبد رکھتا ہو وہ یہ بات کہہ ہی نہیں سکتا کہ مارشل لاء ایک نارمل صورت حال ہے۔ پس غور کیجئے کہ آخر فوج کب تک سہارا دے گی۔ اس کا جو حقیقی و واقعی اور صحیح سہارا ہے اگر وہ قائم نہیں ہوتا اور اس کو تو وعدۂ فردا پر ٹالا جاتا ہے اور وعدے وعید ہی ہوتے رہیں۔ وہی باتیں کہی جاتی رہیں جو قوم ایک تہائی صدی سے سنتی چلی آرہی ہے کہ "ہوگا" ۔ "کریں گے" ۔ "بڑے گمبھیر مسائل ہیں" ۔ "بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں ہیں" ۔ "ان پر قابو پانے کی تدابیر ہورہی ہیں" وغیرہ وغیرہ تو جان لیجئے کہ زبانی کلامی اسلام نہیں چلے گا اور نہ طفلانہ تسلیاں

زیادہ دن چل سکیں گی۔

معلوم یہ ہوا کہ اگر کسی شخص کو اس ملک کی بقاء اور استحکام سے کوئی ذہنی و قلبی لگاؤ ہے تو میں اس تعلق خاطر اور فکر کو دین کے منافی نہیں سمجھتا۔ انسان جہاں رہتا ہو اس کے بھی چند حقوق ہیں جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔ ہمارا دین تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جس راستے پر تم چلتے ہو اس کے بھی حقوق تم پر قائم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ تمہارے گھر پر اگر کوئی حملہ آور ہو اور تم اپنی آبرو اور اپنے مال کی حفاظت میں اپنی جان دے دو تو تم شہید کا رتبہ پاؤ گے۔ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ ۔
انسانی زندگی کے امن و سکون سے متعلق تمام معاملات کے لئے ہمارے دین کے فلسفہ و حکمت میں ایک مقام معیّن ہے۔

اصل اسلام کا احیاء درکار ہے

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ جس کسی کو بھی اس ملک کے ساتھ کوئی ذہنی و قلبی لگاؤ ہے اس کو جان لینا چاہئے کہ اس ملک کی بقاء اور اس کے استحکام کے لئے جو کام اسے کرنا ہے تو وہ ہے اصل اور حقیقی دین کا احیاء۔ زبانی کلامی نہیں حقیقی اور واقعی احیاء فکری سطح پر بھی ——— یہی واحد راستہ (The only Way) ہے اس ملک کی بقا اور استحکام کا ——— باقی وقتی مسائل درپیش آتے رہتے ہیں۔ جیسے ہماری خارجہ پالیسی کیا ہو—! داخلی معاملات کی اصلاح اور بہتری کی صورت کیا ہو! اصلاح کے عمل میں تدریج کیا ہو! ترجیحات کن معاملات کو دی جانی چاہئیں۔ ہر باشعور شہری کی ذمّہ داری ہے کہ وہ ان مسائل کے بارے میں سوچے، غور کرے۔ اگر اللہ نے صلاحیت دی ہے تو ملک کے جرائد میں اظہار رائے کرے۔ اپنے دماغ کو تالا لگائے رکھنا درست نہیں ہے۔

ہماری خوش بختی

میں نے یہ بات پہلے مختلف مواقع پر مختلف اسالیب سے عرض کی ہے، آج اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ ہماری ایک بڑی خوش قسمتی تھی، جس کو ہم نے اپنے غلط طرز عمل سے بہت بڑی بدبختی میں تبدیل (Convert) کر لیا ہے۔ ہمارے لئے خصوصی خوش قسمتی یہ تھی کہ ہمارا ملک بھی اسلام ——— جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب ان کی ولدیت کے متعلق دریافت کیا جاتا تھا تو وہؓ جواب میں فرماتے۔ سلمان ابن اسلام۔ یہی بات یہاں منطبق کی جا سکتی ہے۔ ہمارا ملک اسلام کے نام پر اسلامی نظام کے لئے قائم ہوا تھا۔ لہٰذا پاکستان ابن اسلام کہنا درست ہوگا۔ ہماری قومیّت بھی اسلام۔

یہ اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے، یہ کسی اور کے لئے پورے طور پر صحیح بیان نہ ہو، ہمارے لئے ہے۔ پس ہماری وطنیت اسلام۔ ہماری قومیت اسلام۔ ہمارا دین اسلام۔ یہ یکجہتی جس کو میسر آگئی ہو، آپ سوچئے! اس سے بڑا خوش قسمت انسان کوئی اور ہوگا! اب کوئی مسلمان امریکہ میں جاکر آباد ہوگیا ہے۔ وہاں کی اس نے شہریت لے لی ہے۔ اب امریکی شہری ہونے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریاں کچھ اور ہیں ان کا اسلام سے کوئی سروکار نہیں۔ ایک شخص ہے جو ہندوستان میں رہتا ہے۔ اس کے اہل بچے وہاں ہیں۔ وہاں اس نے سر چھپانے کو کوئی گھروندا بنایا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں اسے سرکاری ملازمت مل ہوئی ہے۔ اگر کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہے تو اس نے ہاتھ اٹھا کر اس کے دستور، آئین اور ملک سے وفاداری کا حلف بھی اٹھایا ہوا ہے۔ لیکن جب کبھی پاکستان اور ہندوستان میں کشیدگی نازک صورت حال اختیار کرلیتی ہے تو وہاں کا مسلمان کس قدر متضاد دباؤ (Pressure) کے تحت آتا ہوگا کیسا مخالف Conflict ہوتا ہوگا کہ اس کا دل اسلامی اخوت کے رشتے کی وجہ سے پاکستان کے ساتھ ہوتا ہوگا لیکن وہ اپنے اس حلف کی وجہ سے پابند ہے کہ وہ اپنے ملک کی منفعت کو سامنے رکھے۔ اس کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مگر ہمارے لئے کتنی خوش بختی تھی کہ پاکستان کی خدمت، دین کی خدمت بن سکتی تھی لیکن فزیالوجی کا جو قانون (All or none Law) ہے، اس کو ہم نے اپنے خلاف استعمال کرلیا۔ دین کو مستحکم نہیں کیا۔ تو ہمارے پاس کوئی اور بنیاد سرے سے ہی نہیں۔ اگر معاملہ یہ ہو کہ مذہب کی بنیاد پہلی ہے، قومیت کی بنیاد دوسری ہے، وطنیت کی بنیاد تیسری ہے تو اگر مذہب کمزور ہے تو دوسری دو بنیادیں قومیت و وطنیت تو مضبوط ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کے سہارے پر کھڑے ہو جائیں گے۔ لیکن حال یہ ہے کہ یہ بنیادیں بھی دین پر قائم ہیں۔ لہٰذا ان میں سے بھی کوئی بنیاد مضبوط ہو ہی نہیں سکتی۔

دین سے صحیح تعلق کی اہمیت

حاصل یہ نکلا کہ اگر دین سے ہمارا تعلق درست نہیں ہوتا تو ہمارا کوئی سہارا نہیں۔ یہ ہے صورت حال جس سے فی الواقع ہم دوچار ہیں اور یہ باتیں دو اور دو چار کی طرح کی حقیقتیں ہیں۔ لہٰذا آگے میں جو گفتگو کرنے والا ہوں جس کا سارا تعلق (Reference) دین سے ہے کہ ہمارے دینی فرائض کیا ہیں اور صحیح دینی تصورات اصلاً کیا ہیں! ان کے متعلق یہ جان لیجئے کہ میرے مطالعے اور میری رائے کے اعتبار سے یہ صرف کوئی مذہبی بات نہیں ہے بلکہ اس ملک کے بقاء،

استحکام سے متعلق جو ذمہ داری ادا کر سکتا ہو، وہ بھی اس میں شامل ہے۔

اصل الاصول تقویٰ

اب میری کوشش ہوگی کہ میں ایک خاص ترتیب سے اپنا بیان کروں اور اس میں بھی سب سے پہلے میں اس پر روشنی ڈالوں گا کہ سنت کیا ہے! اتباعِ سنت کا مقام کیا ہے! اور احیائے سنت کا مرتبہ کیا ہے! اس کو ہم حضرت عرباض ابن ساریہؓ کی حدیث سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمیں وعظ و نصیحت فرمائی اور نصیحت ایسی تھی کہ اس سے قلوب پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ وہ لرز کر رہ گئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہمیں ایسے لگ رہا ہے جیسے آپؐ نے الوداعی نصیحت فرمائی (کہیں آپؐ ہم سے رخصت تو نہیں ہو رہے! اور اگر یہ اس نوعیت کی کچھ بات ہے) تو ہمیں مزید وصیت فرمائیے (کہ ہم آپؐ کے بعد کیا کریں! اگر آپؐ کے رخصت ہونے کا وقت ہے تو آپؐ کے بعد ہمارا سہارا کون ہوگا! اس پر آپؐ نے فرمایا: "اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ" میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں"

سمع و طاعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی وصیت اللہ کے تقویٰ کی فرمائی۔ بعدہٗ فرمایا "اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں سمع و طاعت کی" یعنی سننے اور ماننے کی۔ نظم کی پابندی ہو۔ افتراق اور تفرقہ نہ ہو" سورۂ آل عمران کی دوسری آیت میں تفرقے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے وہاں فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا قرآن و حدیث میں کوئی فرق اور بُعد نہیں ہے۔ وہی بات ہے کہ ع گوہر دریائے قرآں شفتہ ام ـــــ حدیث دراصل قرآن ہی کی تبیین و تفہیم ہے۔ الفاظ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں مفہوم کل کا کل قرآن حکیم کا ہے۔ ترتیب وہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ تَاَمَّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ: "میں تمہیں اللہ کے تقوے اور سمع اور طاعت کی وصیت کرتا ہوں خواہ تمہارا امیر ایک غلام ہی کیوں نہ ہو" یعنی کسی غلام کا امیر و حاکم بننا تمہارے نفس پر بڑا شاق گزر سکتا ہے۔ اور تمہارے لئے کٹھن امتحان بن سکتا ہے کہ ہم آزاد اور یہ غلام اور غلام زادہ! یہ ہم پر امیر ہو گیا! کیسے ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں ایک جیش کا امیر اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کو بنایا اور حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں روم کی سرحدوں کی جانب بھیجے جانے والے جیش کا امیر حضرت اسامہؓ ابن زیدؓ

کو بنایا جن کی سربراہی میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر اصحاب بھی تھے اسی سے قیاس کر لیجئے۔ عرب کا ذہن یہ تھا کہ اگر غلام آزاد بھی ہو جائے تو اس کو وہ اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے، وہ موالی شمار ہوتا تھا۔ غلامی اور آزادی کے درمیان (IN BETWEEN) کا کوئی مقام ان کے ذہن میں ہوتا تھا۔

مشعل راہ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاِنَّہٗ مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا: تم میں سے جو کوئی بھی میرے بعد زندہ رہا وہ جلد ہی کثیر اختلافات دیکھے گا۔ ان اختلافات کے زمانے میں تمہارے لئے مشعل راہ (TORCH LIGHT) کون سی ہے: تمہارے لئے روشنی کا مینار کون سا ہے؟ فرمایا: فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ، یہاں کلمہ "فا" بہت معنی خیز ہے۔ یہ ان اختلافات سے جائے پناہ کی طرف راہنمائی کر رہا ہے کہ جائے پناہ صرف یہ ہے کہ "پس تم پر واجب ہے لازم ہے میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامنا" کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ جب امت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی (ہمارے ہاں جو فقہی مذاہب پائے جاتے ہیں جیسے مذہب مالکی، مذہب حنفی، مذہب شافعی، مذہب حنبلی، مذہب سلفی اور مذہب ظاہری (اہل حدیث) تو یہ اصلاً فرقے نہیں ہیں بلکہ مکاتیب فکر اور فقہی مسالک و مذاہب ہیں۔ ورنہ حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک ہی فرقے اہل سنت والجماعت کے فروعات ہیں۔ یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ اتنا غلو اور تشدّد اختیار کر لیا گیا ہے اور افراط و تفریط کا یہ عالم ہے کہ اب فی الوقت یہ فرقے بن گئے ہیں۔

تو ان میں ناجیہ فرقے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرما دیا کہ ناجیہ فرقہ کا طرز عمل ہوگا کہ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ "وہ لوگ جو التزام کریں گے کہ معلوم کریں کہ میرا طریق کیا تھا اور میرے صحابہؓ کا طریق کیا تھا!" لیکن جس حدیث کے معانی و مفاہیم کی میں اسوقت تشریح کر رہا ہوں اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ اپنے خلفاء راشدین المہدیین کی سنت کو بھی ملحق فرمایا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کا معاملہ تو انفرادی اور خاص (Individual) ہوگا۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ اور ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ صحابہؓ میں ایک میں زہد کا رنگ غالب ہے، ایک میں مجاہدے کا رنگ غالب ہے کسی کو انفاق سے زیادہ انس ہے۔ کوئی نمازیں زیادہ پڑھنے سے مناسبت رکھتا ہے۔ تو ان کے رنگ مختلف ہیں لیکن جماعتی حیثیت سے سنت

رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام متشکل ہو کر سامنے آتی ہے۔ خلفائے راشدین میں۔ اس لئے کہ یہ وہ دور تھا کہ پوری امت محمدیہ ایک وحدت تھی کوئی افتراق نہیں تھا۔ یہ وحدت بھی موجود تھی کہ دینی اور مذہبی قیادت بھی خلفائے راشدین مہدیین کے ہاتھ میں اور سیاسی قیادت و حکمرانی بھی ان کے ہاتھ میں تھی۔ پوری اسلامی مملکت اسلامیہ میں جاری و نافذ ہے۔

لہٰذا اس وقت جو فیصلے ہوئے یعنی خلفائے راشدین المہدیین کے اجتہادات اگر ان کو امت نے تسلیم کر لیا جن میں اکثریت صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی تھی تو ان کے اجماع ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا ان فیصلوں کی حیثیت مجمع علیہ سنّت کی ہوگی۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ میرے نزدیک فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ کی یہ احسن اور صحیح تعبیر ہے۔

مزید برآں خلافت راشدہ نبوت کا تتمہ و تکملہ ہے۔ اسی لئے تم اس کو خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کہا جاتا ہے۔ آگے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امر کے صیغے میں حکم دے رہے ہیں کہ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ "اسے اپنے دانتوں کی کچلیوں سے مضبوطی سے پکڑ رکھو" معلوم ہوا کہ آسان نہیں ہے۔ بڑے دباؤ آئیں گے۔ حالات کا رخ کچھ اور ہوگا۔ ان میں سنّت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور سنت خلفائے راشدین المہدیین کو بڑی مضبوطی سے تھامنا ہوگا۔ آگے فرمایا: وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ " اور دیکھنا نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنے سے بچنا۔ کیونکہ دین میں جو نئی چیز ایجاد کی جائے گی وہ بدعت ہوگی اور ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے"۔

سُنّت کا ہمہ گیر تصوّر

اس حدیث کو ذہن میں رکھئے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ایک حدیث مزید سناؤں۔ ابھی ہم نے جس حدیث کے مفاہیم و معانی اور مطالب کو سمجھا ہے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے بطور وصیت چند ہدایات ارشاد فرمائیں۔ دوسری بات ایک اصول کے اعتبار سے دور کے زمانے سے متعلق ہے یعنی جب وہ دور آئے کہ امت میں فساد رونما ہو چکا ہو۔ بدعات کے ہجوم میں سنّت گم ہو گئی ہو۔ اس وقت مسلمان کیا رویہ اختیار کریں؟ صحابہ کرامؓ کا زمانہ تو وہ تھا کہ جس میں سنّت ایک خورشید کے مانند نصف النہار پر چمک رہی تھی۔ لیکن ایک دور ایسا بھی آسکتا ہے کہ سنّت بدعات میں گم ہو جائے۔ بدعات کا اتنا انبار ہو کہ اس میں تلاش کرنا مشکل ہو جائے کہ سنّت کیا ہے! اس دور کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ اَحْیٰی سُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِائَۃِ شَہِیْدٍ " جب میری اُمت میں فسادِ عمومی ظاہر ہو چکا ہو، اس وقت جو شخص میری سُنّت کو زندہ کرے تو اس کے لئے سو شہیدوں کا اجر ہے"۔ اب ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھئے اور بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ سنّت کا لفظ ہمارے یہاں ایک فقہی اصطلاح کے طور پہ آتا ہے۔ فقہی تقسیم اس طرح ہے کہ تعبدی امور میں فلاں کام فرائض ہیں، فلاں کام سنن ہیں فلاں کام نوافل اور فلاں کام مستحبات ہیں۔ پھر سنن کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ یہ سنّتِ مؤکدہ ہے اور یہ غیر مؤکدہ۔ اسی طرح چند معاشرتی و تمدنی آداب کو سنّت قرار دیا جاتا ہے اور جب بھی لفظ سنّت بولا جاتا ہے تو یہی تصوّرات سامنے آجاتے ہیں۔ میں نے جتنا غور کیا میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہی تمام غلط تصوّرات کی اصل ہے۔ قانون اور فقہ میں ایک نئی چیز فرض، اس سے کم درجے میں سُنّت، اس سے کم درجے میں نفل، یہ بالکل دوسری تقسیم ہے۔ اس قسم کی جب جزوی سُنّتوں کا ذکر ہوتا ہے تو احادیث کا اندازِ بیان عموماً یہ ہوتا ہے کہ اسے "مِنْ سُنَّتِیْ" کہا جاتا ہے۔ جیسے "اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ (نکاح میری سنّت میں سے ہے)" اور اَلسِّوَاکُ وَالتَّعَطُّرُ مِنْ سُنَنِ الْاَنْبِیَاءِ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) "مسواک کرنا اور عطر لگانا تمام انبیاء (علیہم السّلام) کی سُنّتوں میں سے ہے"۔

جب "سنّت" ایک اصطلاحِ دینی اور وحدت اور مجموعی اعتبار سے بولا جائے گا تو اس کا مفہوم ہوگا "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ" آپؐ کا طرزِ عمل بحیثیت و تناسب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے معمولاتِ زندگی کے اجزاء کے مابین برقرار رکھا۔

نبی اکرمؐ کی سُنّتِ جلیلہ | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آغازِ وحی سے الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت تک کی حیاتِ طیبہ کُل کی کُل کو بحیثیتِ مجموعی (AS A WHOLE) لیجئے تو یہ ہے سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام۔ اجزا کا معاملہ ان کی اہمیت، ان پر اجر و ثواب اپنی جگہ ہے۔ کون مسلمان ہوگا جو اس سے انکار کی جرأت کر سکے۔ جس چیز کے متعلق بھی معلوم ہو جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ یہ تھا، اس کو اختیار کرنا یقیناً بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔ لیکن یہ سو شہیدوں کے مساوی ثواب کی جو بشارت دی گئی ہے، اس کو ذہن میں رکھئے کہ ان جزوی باتوں کے لئے نہیں ہے۔ یہ بشارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پورے طریقے کو زندہ کرنے سے متعلق ہے۔ اس اعتبار سے فرض بھی سنّت کا جزو بن جائے گا۔ فرض ویسے سنّت سے بالاتر ہے۔ لیکن جب آپ اس پہلو سے دیکھیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ بحیثیتِ مجموعی کیا ہے تو اس میں فرائض بھی شامل ہیں۔ اس میں نوافل بھی شامل ہیں۔

اس میں آپؐ کے معمولات بھی ہیں۔ شب و روز کے انداز بھی ہیں۔ جلوت بھی ہے خلوت بھی ہے۔ آپؐ کے شمائل بھی ہیں۔ یہ سب مل کر جب ایک وحدت بنیں گے تو اس کا نام ہوگا سُنّتِ رسولؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ اس میں فرائض بھی آ گئے، اور نوافل بھی آ گئے۔ سب کچھ آ گیا۔ یہ ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اسی کا دوسرا نام ہے "اُسوہ" یعنی نمونہ۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (اے مسلمانو!) رسولؐ کی پوری زندگی تمہارے لئے بہترین نمونۂ زندگی ہے"

اس ضمن میں یہ بات میں نے متعدد بار عرض کی ہے کہ اس سنّت کو آپ ہمیشہ دو حصّوں میں منقسم سمجھئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا طریقہ کیا ہے۔ یہاں مجھے لفظ طریقہ پر بے اختیار علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آ رہا ہے ؎

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے!! خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اس پہلے طریقے کا سب سے پہلا اور اہم جزو ہے "عبدیت"۔ یہ عبدیت آپؐ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ زندگی کے ہر مسئلے پر سب سے غالب عنصر عبدیت کا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں کھانا غلاموں کی طرح بیٹھ کر کھاتا ہوں۔ آپؐ کی پوری حیاتِ طیبہ پر اوّلین اور نمایاں ترین چھاپ اسی عبدیت کی چھاپ ہے۔ آپؐ عبدیتِ کاملہ کے مظہر اتم ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس عبدیت کے بارے میں، کسی تقریر میں میں نے یہ بات عرض کی تھی کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عبدیت اس برف کے تودے کے مانند ہے کہ جس کا بڑا حصّہ پانی میں چھپا ہوتا ہے۔ تھوڑا حصّہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ رات کی تاریکیوں اور تنہائیوں میں عبد اللہ اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہوتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ بات ہی کچھ اور تھی۔ اس کی وہ کیفیات بھی ہیں کہ: أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ "میں اپنے رب کے پاس رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے" یہ کہاں ہمارے فہم میں اور ہماری سمجھ میں آئے گا۔ ایک عظیم ماثور دعا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے اپنی عبدیت کا اظہار فرماتے ہیں۔ پھر قرآن مجید کا "شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ" کا جو پہلو اور وصف ہے اس کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ بڑی عظیم اور مہتم بالشان دعا ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ فِي قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ: أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ

خَلْقِكَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَذِهَابَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ: اٰمِين يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

"اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے ناچیز غلام اور ادنی کنیز کا بیٹا ہوں۔ مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے اور میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم اور عدل ہے میرے معاملے میں تیرا ہر فیصلہ۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں تیرے ہر اس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات مقدسہ کو موسوم فرمایا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا یا اسے اپنے مخصوص خزانے یا غیب ہی میں محفوظ رکھا کہ تو بنا دے قرآن مجید کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے رنج و حزن کی جلاء اور میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب! ایسا ہی ہو اے تمام جہانوں کے پروردگار!"

اس طریق سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو دوسرا جزو اعظم ہے وہ کُل کا کُل ظاہر ہے۔ نمایاں ہے اور آنکھوں کے سامنے بالکل عیاں ہے وہ یہ ہے:۔

سُنّتِ دعوت، سُنّتِ تبلیغ، سُنّتِ انذار، سُنّتِ تبشیر، سُنّتِ شہادۃ علی الناس، سُنّتِ اظہار دین الحق علی الدین کلّہ، سُنّتِ تکبیر رب، سُنّتِ اعلائے کلمۃ اللہ، سُنّتِ ہجرت اور سُنّتِ جہاد و قتال۔

عظیم ترین اور متواتر سُنّت اجرائے وحی اور یوم بعثت سے لے کر اس حیات دنیوی کے آخری سانس تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی سُنّت اور اسی طریق کے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ اس سے بڑی کسی سُنّت کا تصوّر ممکن نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت کا نمایاں ترین پہلو جس زاویۂ نگاہ سے دیکھ لیجئے آپ کو یہی نظر آئے گا کہ دعوت ہے، تبلیغ ہے۔ حق کی طرف بلانا ہے۔ امر بالمعروف ہے۔ نہی عن المنکر ہے۔ دین حق کو سربلند کرنے کی سعی و جہد ہے۔ اس کے لئے استہزاء انگیز کیا جا رہا ہے۔ پتھروں کی بارش جھیلی جا رہی ہے۔ معاشی و معاشرتی مقاطعہ برداشت کیا جا رہا ہے۔ اسی کے لئے مجاہدہ ہے، کشمکش ہے، تصادم ہے اور اسی کے لئے گھر بار کو چھوڑا جا رہا ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے ایک جماعت کو منظم کیا جا رہا ہے اور جماعت سے وابستگان کا تزکیۂ نفس ہو رہا ہے۔ اسی کے لئے جہاد بالسیف اور قتال ہے۔ اسی کے لئے نظروں کے سامنے عزیز ترین جان نثاروں کے

تڑپتے ہوئے لاشے اور مثلہ شدہ نعشیں ہیں۔ یہ تمام دوسری سُنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے اجزاء ہیں۔ اب دونوں یعنی سُنّتِ عبدیّت اور سُنّتِ دعوت کو جمع کریں تو سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام ایک وحدت کی حیثیت سے سامنے آئے گی۔

ان سُنّتوں میں سے اب اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز والی سنّت تو لے لیکن دعوت و تبلیغ والی سنّت کو ساقط کر دے تو معلوم ہوا کہ اس کا تصوّرِ سنّت بہت ناقص ہے اور وہ معاملہ ہو جائے جو آج ہو رہا ہے کہ نمازوں میں بھی چھوٹی چھوٹی سنتوں پر ہی ساری گفتگو ہے۔ رفع یدین پر ہے اور آمین بالجہر پر ہے تو معلوم ہوا کہ اب تو بات بہت دور چلی گئی۔ اگر یہ ہو کہ اس پورے نقشے کے اندر سنّتِ عبدیّت اور سنّتِ دعوت کو پوری طرح قائم کر کے ان تفصیلات میں بھی آئیے۔ کیا کہنے! نورٌ علیٰ نور والی کیفیت ہوگی۔ لیکن اس کے بغیر یہ بے بنیاد، بے وزن اور بے اصل ہیں۔ اس سنّت کا احیاء مطلوب ہے جو عبادت ہے آپؐ کی پوری زندگی سے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کے ساتھ شغف ہے ۔۔۔ تہنیت کے قابل ہیں وہ لوگ۔ لیکن سنّت کا یہ تصوّر اور تصوّرِ سنّت کا احیاء بایں معنی کہ سنّت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پورے طریق کا نام ہے جس میں عبدیت بھی ہے دعوت بھی۔ یہ ہو تو یقیناً لَہٗ اَجْرُ مِائَۃِ شَہِیْدٍ اس کے لئے سو شہیدوں کا اجر و ثواب ہے: اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے یہ کام آسان نہیں ہے ۔۔۔ دانتوں پسینہ آتا ہے۔ لیکن مسواک کر کے یہ سمجھ لیا گیا کہ سو شہیدوں کا ثواب حاصل ہو گیا، کیا کہنے ہیں۔ اس سے زیادہ سہل الحصول (Make-Easy) معاملہ تو ہے ہی نہیں کوئی۔ وہ شہادت، یعنی راہِ حق میں نقدِ جان کا نذرانہ پیش کرنا، بیچاری تو بالکل ہی بے وقعت اور بے معنی ہو کر رہ گئی۔ ہمارے تصوّرات دین اور تصوّراتِ سنّت میں جو عدم مناسبت اور عدم توازن نظر آرہا ہے، اس کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم نے جزو کو کُل بنا دیا اور کُل کو جزو بنا رکھا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سارا معاملہ تلپٹ ہو گیا اور اقدار کی عمارت (Value Structure) بالکل مسمار ہو کر رہ گئی۔ لہٰذا اس کو ذہن میں رکھئے کہ صحیح اور حقیقی تصوّرِ سنّت محیط ہے سنّتِ عبدیت اور سنّتِ دعوت پر۔ ٹھیک کہا علّامہ اقبال نے کہ ع بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست" ہمارے دین کی صحیح تعبیر یہی ہے کہ دین نام ہے اتباعِ رسول کا (صلّی اللہ علیہ وسلّم)۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ۔۔۔

پہنچاؤ، اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر اور اس کا راستہ ہے، واحد راستہ، آپؐ کی سنت کی پیروی۔ آپؐ کے طریق پر عمل، آپؐ کا کامل اتباع۔ اگر یہ نہیں ہے تو بقول علامہ اقبال علیہ الرحمہ اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است ۔۔۔ اگر سنتِ رسولؐ تک رسائی نہیں ہوئی، اگر وہاں تک نہیں پہنچے تو یہ بات صدفی صد درست ہے کہ پھر تمام بولہبی ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح ہے تصورِ سنت۔ یہ ہے مقامِ سنت اور موجودہ دور میں اتباعِ رسولؐ اور احیائے سنت کا تقاضا۔ سنتِ عبدیت اور سنتِ دعوت کا۔ اس کے کے تمام مراحل کے ساتھ اتباع۔

ہمارے ملک کی بقاء اور استحکام کا مسئلہ

اب آئیے دوسرے موضوع کی طرف۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ترکی ان چاروں ممالک کے مسلمانوں کے مذہبی تصورات میں قدیم ہی سے تصوف اس طرح رچا بسا اور گھلا ہوا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے علیحدہ ہو کر بات کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اور اگر آپ بات کریں بھی تو لوگوں کے ذہن اسے قبول ہی نہیں کریں گے۔ وہ سانچے ہی موجود نہیں ہیں جو بات کو قبول کر سکیں تو وہ Square Peg in Round Hole والا معاملہ ہوگا۔ یہ بات ذہن میں اترے گی ہی نہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق اس اصل بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر اس ملک میں حقیقی نظام کے قیام و نفاذ کے لئے انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح پر کوششوں سے گریز کیا گیا اور اقتدار وقت زبانی کلامی اسلام کی قصیدہ خوانی کرتا رہا تو اسلام کی منزل قریب آنے کے بجائے دور ہوتی چلی جائے گی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ !!!

بقیہ (افکار و آراء)

اس لیے کہ اس کام کو چھوڑ دیا گیا۔ اسرائیل کے مقابلہ میں عرب کیوں ذلیل ہیں؟ اسی کام کے چھوڑنے کی وجہ سے۔ مسلمانو! تمہاری چالیس حکومتیں اور کسی کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ افغانیوں اور فلسطینیوں کو دیکھو! روس و امریکہ کے فرعونوں سے کیسے صف آرا ہیں۔ کیونکہ ان میں جذبہ جہاد تازہ ہو گیا ہے۔ (مرسلہ مولانا افتخار احمد فریدی۔ مراد آباد بھارت)

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱ ، لنڈا بازار ، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۶

افکار و آراء

(۱)

ابھی چند ہفتے پیشتر وفاقی حکومت پاکستان کے خواتین ورکنگ گروپ نے
نیا نکتہ دریافت کیا کہ پاکستانی خواتین کی ترقی کی راہ میں "پردہ رکاوٹ بن گیا
" اس لیے ملک کے آئندہ پانچ سالہ ترقیاتی پروگرام میں اس "رکاوٹ" کو دور
نے کی سفارش کی گئی ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ ملک جو نظریۂ اسلام کے
حاصل کیا گیا ہو اور جہاں کی حکومت اسلامی نظام کے نفاذ کی داعی ہو اور چادر
چار دیواری کے تحفظ اور احترام کی پرچارک ہو، وہاں اس کی نگرانی میں اس کا
کردہ کوئی خواتین کا گروپ اس نوعیت کی قرآن و سنت سے باغیانہ سفارشیں
نے کی جسارت کیسے کر گیا — یہ بیمار اور باغیانہ ذہنیت کوئی یکایک نہیں پیدا ہو گئی
کہ اس کے پیچھے جہاں مغرب سے مرعوب ذہنی غلامی کارفرما ہے وہیں ماضی کے
بعض رہنماؤں کی نقالی بھی روا رکھی گئی ہے۔ مثلاً ترکی میں مصطفےٰ کمال پاشا نے،
یران میں رضا شاہ نے اور افغانستان میں امان اللہ خان اور ظاہر شاہ نے بھی
ہی کھیل کھیلنا چاہا۔ اسی نوعیت کے "بھجن" قوم کو سنائے لیکن وہاں کی عورتوں
نے اور وہاں کے مردوں نے اس کھوٹی سوچ کو مسترد کر دیا۔ کیا پاکستان کی ان
قلیتی بیگمات کو اپنے ہمسائے مسلم ممالک کی اس تاریخ سے کوئی سبق حاصل نہیں ہوا۔
اور حکومت کو بہر حال یہ جان لینا چاہیئے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اور جو کچھ کر رہی ہے
ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے، اور حکومت کے ایسے ہی کارنامے ہیں جن کی بنا
پر علماء اور عوام کا ایک گروہ حکمران حضرات پر دورنگی اور نفاق کا الزام عائد
کرتا ہے۔

(۲)

اسلام نے خواتین پر روزگار اور قومی زندگی میں حصّہ لینے کے دروازے
بند نہیں کیے۔ وہ مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کو روکتا ہے، اور اس امر سے کوئی

باہوش شخص انکار نہیں کرسکتا کہ اس اختلاط سے معاشرے میں فساد پھیلتا ہے۔
عورتوں کی معاشرتی و تمدنی ترقی و ارتقاء کے لیے درج ذیل تجاویز اختیار کی جاسکتی ہیں:۔

- عورتوں اور مردوں کو ایک ہی مجلس میں رُو در رُو جمع کرنے کے بجائے ان کی ایک الگ اسمبلی بنا دی جائے تاکہ وہ تمام معاملات پر آزادی سے بحث کرکے اپنے فیصلوں اور تجاویز و سفارشات سے حکومت کو آگاہ کرسکیں۔
ہر سطح پر ان کی کونسلیں اور مجالس مردوں سے الگ ہونی چاہئیں اور انتخابات میں بھی عورتیں عورتوں کے انتخاب میں اور مرد مردوں کی مجالس اور کونسلوں کے انتخاب میں ووٹ ڈالیں۔
- عورتوں کے تمام ادارے الگ قائم کیے جائیں اور ان کا پورا نظم ونسق عورتوں کے سپرد کیا جائے۔
- مخلوط معاشرے، مخلوط تعلیمی اداروں، مخلوط دفاتر اور اوپر سے نیچے تک مخلوط کونسلوں کا قیام بہت سی خرابیوں کا باعث بن رہا ہے۔ اس لیے عورت اور مرد کا دائرۂ کار ایک دوسرے سے لازماً الگ ہونا چاہیئے۔
- ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے لیے ایک ضابطۂ اخلاق بنا دیا جائے جس کے تحت عورتوں کو ذریعہ اشتہار نہ بنایا جا سکے۔
- پردے کے بارے میں قرآنی احکامات کی روشنی میں ایسا قانون بنایا جائے کہ بے پردگی کی لعنت کا خاتمہ ہوسکے اور اس قانون پر عملدرآمد کے لیے اگر سختی کی ضرورت پیش آئے تو اسے اختیار کیا جانا چاہیئے۔
- سکولوں اور کالجوں اور اعلیٰ درس گاہوں میں پردے کو لازمی قرار دیا جائے۔
- طالبات کی فوجی تربیت کے لیے خواتین مقرر کی جائیں اور ان کو کھلے عام پریڈوں اور مردوں کی سلامی دینے کے لیے نہ لایا جائے۔
- دفاتر میں نظامِ صلوٰۃ کو بالفعل اور سختی کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

اگر ان تجاویز پر عمل کیا جائے تو ہمارے معاشرے میں جو اخلاقی اور سماجی برائیاں پھیلی ہوئی ہیں اور جو رونما ہو رہی ہیں ان پر کنٹرول ہو سکے گا اور ہمارا معاشرہ اسلامی تہذیب و تمدن کی راہ پر بڑھنا شروع ہو جائے گا۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت مجدہم
السلام علیکم! مزاج گرامی! ماہ مئی کا حکمتِ قرآن موصول ہوا۔ ماشاءاللہ خوب ہے۔ اس کے دو مضامین بہت ہی مفید و موثر ہیں۔ ماہنامہ "میثاق" میں قرآن کانفرنس کی کارگزاری اور سفرنامے بہت خوب ہوتے ہیں۔ براہِ کرم اس سلسلہ کو بند نہ کریں۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کو آئندہ سال کی کانفرنس کے لیے ابھی سے مدعو فرمائیں بلکہ تاریخ ان ہی سے لے لی جائے۔ ان کے تشریف لانے سے آپ کے ملک کے بہت سے حضرات کو استفادہ کا موقع ملے گا۔ اور اس کارِ خیر کا ثواب آپ کے حساب میں ہوگا۔

عبدالکریم پاریکھ صاحب جن کو حق تعالیٰ نے قرآن کی خدمت کا شرف عطا فرمایا ہے ان کو بھی کانفرنس میں مدعو فرمایا کریں۔ میثاق اور حکمت قرآن کے ساتھ ساتھ اپنا دوسرا لٹریچر ان کے نام پر ارسال فرمائیں۔

مجاہدین احرار کے بارے میں آپ کو کچھ غلط فہمی ہے۔ ان حضرات نے انگریز کے دور میں بڑی جاں نثاری اور قربانی دی ہے۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی نعمت سے بھرپور نوازا تھا۔ خدا کرے نیاز کیش کی آپ سے ملاقات ہو تو ان کی کہانی عرض کروں گا۔ بہرحال پہلی مرتبہ حکمت قرآن میں حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ کچھ آیا ہے۔ جزاکم اللہ اگر آپ اس خط کا جواب عنایت نہیں فرماتے تو پھر میرا خط میثاق میں شائع کرا دیجیے۔

ذیل میں مولانا محمد عبدالملک مدنی کا ایک دعوتی خط نقل کر رہا ہوں۔ براہِ کرم اس کو میثاق میں ضرور شائع کرا دیں۔

والسلام
افتخار فریدی۔ مراد آباد (انڈیا)

مولانا محمد عبدالملک مدنی مدظلہ العالی کا خط اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد عبدالملک جامعی مدنی کے درد و تڑپ کی مدینہ منوّرہ سے پکار

"مسلمانو! توبہ کرو توبہ"

سچ کہتا ہوں توبہ کرو، توبہ۔ دیکھتے نہیں یہ کیا حال ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی توہین کی ہے۔ جو سب سے ضروری کام تھا اور زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا اس کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ یہ ساری بربادیاں اسی لیے ہیں یہ قتل و غارت گری اسی لیے ہے یہ ساری ذلت و رسوائی اس لیے ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانا چھوڑ دیا ہے۔ لوگوں کو جنّت کی طرف بلانا چھوڑ دیا ہے۔ جان لو یہ جو کچھ ہو رہا ہے سزا ہے عذاب ہے اس بات کا کہ ہم اسلام کی تبلیغ سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ یاد رکھو! اس غفلت کا انجام اچھا نہیں ہے۔ جاگ جاؤ اور اسلام کی دعوت دینا شروع کر دو۔ سب سے بڑا کام جو اس ملّت کے حوالہ کیا گیا اور جس کے لیے یہ ملّت پیدا کی گئی وہ دعوت والا کام ہے اور اسی کام پر اس کی بقا کا دارومدار ہے۔ اس لیے جس جس زمانے میں بلکہ جن جن ایام میں اس کام کو چھوڑا گیا مصیبت آگئی، آفت آگئی، عذاب آگیا، قہر نازل ہو گیا۔ آپ کا اسپین (اُندلس) کیوں ختم ہوا؟ اس کام کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ صقلیہ (سسلی) کیوں برباد ہوا؟ اس کام کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ ترکستان کی اینٹ سے اینٹ کیوں بج گئی؟ اس کام کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ ہندوستان کیوں غلام ہوا؟ اس کام کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ بخارا کیوں تباہ ہوا؟ اس کام کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ چین سے اسلام کیوں مٹ گیا؟ اس کام کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ پاکستان کو گھر کے چراغ سے آگ کیوں لگی ہوئی ہے اس کام سے بے نیازی کی وجہ سے عراق کیوں جل رہا ہے؟ اس لیے کہ اس کام سے بے پرواہ ہے۔ ایران میں کیوں آگ لگی ہے؟ اس کام کو پسِ پشت ڈالنے کی وجہ سے۔ بیت المقدس ہاتھ سے کیوں نکل گیا؟

نِتارِ کار

شیخوپورہ میں ایک دن

مرتب : عاکف سعید

شیخوپورہ کے ہمارے ایک رفیق جناب محمد یونس منجوہ صاحب کا عرصے سے یہ تقاضا تھا کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب شیخوپورہ کے لئے کچھ وقت نکالیں۔ رمضان المبارک کے دوران منجوہ صاحب اور ان کے ایک ساتھی جناب نیاز محمد خاں صاحب لودھی ایڈوکیٹ بالآخر ڈاکٹر صاحب سے وعدہ لے ہی گئے کہ وہ عید کے بعد کوئی ایک دن شیخوپورہ کے لئے مختص کرلیں گے۔ بعد ازاں ۱۲ جولائی کا دن طے پا گیا۔ ان دونوں حضرات نے شیخوپورہ میں ڈاکٹر صاحب کے پروگرام کے لئے بھرپور تیاری کی۔ لودھی صاحب نے شیخوپورہ بار کونسل میں وکلاء سے خطاب کا پروگرام ترتیب دیا۔ مزید براں ان کی خواہش تھی کہ شام کے اوقات میں شہر کی کسی مرکزی جامع مسجد میں امیر تنظیم کا خطاب ہو تا کہ شہر کے ہر طبقے کے لوگ اس میں شرکت کر سکیں۔ لیکن شہر کی مرکزی جامع مسجد محکمہ اوقاف کے تحت ہے اسلئے بعض معززینِ شہر کے تعاون سے شہر کے مرکز سے کچھ فاصلے پر ایک آبادی گنگ روڈ کی ایک نو تعمیر شدہ مسجد میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب کا انتظام کیا گیا۔ اس ضمن میں جن حضرات نے تعاون کیا ان میں جماعتِ اسلامی شیخوپورہ کے بعض نمایاں ارکان پیش پیش تھے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

۱۲ جولائی کو صبح ہی سے موسم بہت سخت تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی اور حبس انتہا درجے کا تھا۔ ۱۱ بجے بار کونسل میں تقریر تھی۔ چنانچہ ہم ۹½ بجے لاہور سے بذریعہ کار روانہ ہوئے ــــــ قیم تنظیم اسلامی، قمر سعید قریشی صاحب اور جناب ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب ہمارے ہمراہ تھے۔ مقررہ وقت سے دس منٹ قبل ہی ہم بار کونسل پہنچ گئے ــــــ ۱۱ بجے تک موسم کی شدت میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ بار روم کی نشستیں بھر چکی تھیں۔ بار روم کے پنکھوں میں سے بعض جو صحیح حالت میں تھے وہ موسم کی شدت کے مقابلے میں مکمل طور پر ناکام نظر آ رہے تھے۔ حاضری جوں جوں بڑھ رہی تھی اسی تناسب سے کمرے کے اندر گرمی اور حبس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تاہم یہ بات قابلِ تحسین ہے کہ سامعین نے انتہائی ضبط اور تحمل کا مظاہرہ کیا اور پروگرام کے اختتام تک پوری توجہ اور دلجمعی سے ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو سنا۔ خطاب کا موضوع تھا "اسلام اور پاکستان"۔ ڈاکٹر صاحب نے تجزیہ کر کے بتایا کہ قیام پاکستان کی

صرف اسلام پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس بات کو نہایت ہی مدلل انداز میں پیش کیا اور تجزیاتی انداز میں اپنے دعوے کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا۔ تقریر کے اختتام سے قبل امیر تنظیم نے اپنی تنظیم اور اس کے کام کا تعارف کرایا اور پیش نظر طریق کار سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس موقع پر حاضرین (جن کی اکثریت وکلاء پر مشتمل تھی) کی جانب سے کسی قدر بدنظمی کا مظاہرہ بھی ہوا۔ وکلاء نے اپنے فن کو بھرپور طور پر استعمال کرتے ہوئے ہر قسم کے سوالات کئے۔ ڈاکٹر صاحب نے پورے تحمل کے ساتھ سوالات کی مناسبت سے ان کے 'تسلی بخش' جوابات دیئے۔ اور اس طرح یہ نشست بحسن وخوبی اپنے اختتام کو پہنچی۔ دوپہر کو کھانے پر ہم جناب نذیر احمد ورک صاحب کے ہاں مدعو تھے۔ ورک صاحب جماعتِ اسلامی شیخوپورہ کے اہم رکن ہیں۔

شام ساڑھے پانچ بجے مقامی پریس کلب سے خطاب کرنا تھا۔ یہ پریس کلب حال ہی میں تشکیل دیا گیا ہے۔ ان کے صدر کو ڈاکٹر صاحب کی شیخوپورہ آمد کا علم ہوا تو انہوں نے جناب یونس شیخوپورہ صاحب سے مل کر شام کا وقت پریس کلب کے لئے مخصوص کرالیا۔ گویا عہ "رستہ از یک بند تا افتاد در بندِ دگر" کے مصداق وکلاء سے رستگاری ملی تو اخبار نویسوں سے سابقہ پیش آگیا۔ وہاں بھی سوال وجواب کی بھرپور نشست ہوئی۔ زیادہ تر سوالات ملک کی سیاسی صورت حال سے متعلق تھے۔ مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل ڈاکٹر صاحب نے ان سے اجازت چاہی۔ کیونکہ مغرب کے فوراً بعد گننگ روڈ کی مسجد میں خطاب کا پروگرام تھا۔

مسجد کے ہال میں ڈیڑھ صد سے زیادہ افراد کی گنجائش نہ تھی۔ اسی قدر افراد مسجد کے صحن میں سما سکتے تھے۔ چنانچہ مسجد کے منتظمین نے سامعین کی متوقع تعداد کے پیش نظر مسجد کے باہر سڑک پر شامیانے لگا کر دریاں بچھا دی تھیں۔ مغرب کی نماز کے وقت تک مسجد کا ہال اور صحن مکمل طور پر بھر چکے تھے۔ نماز کے بعد بھی شائقین کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طرح باہر شامیانوں کے نیچے دریاں بھی حاضرین کی کثرت کے باعث ناکافی معلوم ہونے لگیں۔ یہاں خطاب کا موضوع تھا "فرائض دینی کا صحیح تصور"۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے یعنی ایک مکمل ضابطۂ حیات اور نظام زندگی ہے۔ ہر نظام اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اگر کوئی نظام نافذ یا غالب نہیں ہے تو وہ نظام نہیں ہے۔ UTOPIA ہے۔ اسی طرح دین جب غالب نہ ہو بلکہ مغلوب ہو تو وہ دین

ں رہتا بلکہ محدود ہو کر محض مذہب بن کر رہ جاتا ہے۔ کوئی سے دو نظام (SYSTEMS)
ی ایک ملک میں شانہ بشانہ نہیں چل سکتے جبکہ ایک نظام کے تحت بہت سے مذاہب کا
ع ہونا ممکن ہے۔ انگریز کے دور میں نظام انگریز کا تھا۔ قانون اس کا نافذ تھا لیکن
ں نظام کے تحت بے شمار مذاہب بیک وقت موجود تھے۔ انفرادی معاملات میں مکمل
ہبی آزادی تھی۔ اسی محدود مذہبی آزادی سے دھوکہ کھا کر بعض مسلمان علماء نے انگریز
ں حکومت کو رحمت قرار دیا تھا جس پر مفکر ملت علامہ اقبال نے چبھتی چست کی تھی کہ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت — ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ دین کو نافذ و غالب کرنا ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے۔
اور جو شخص کسی باطل نظام کے ساتھ مصالحت کی روش اختیار کرتا ہے اور نظام حق کو غالب کرنے
کی کوشش نہیں کرتا وہ فی الواقع دین سے غداری کا مرتکب ہے ـــــــ امیر تنظیم کا یہ
خطاب ڈیڑھ گھنٹے پر محیط تھا جس کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔ رات کے کھانے کا اہتمام
لودھی صاحب نے اپنے ہاں کیا تھا۔ وہاں سے رات ۱۱ بجے فارغ ہو کر ہم نے واپسی
کا قصد کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے ایک بھرپور دن گزار کے قریباً رات کے ۲ بجے
لاہور واپس پہنچ گئے۔ اٰیِبُوْنَ تَائِبُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

دیگر تنظیمی سرگرمیاں

سالِ رواں کے دوران امیر تنظیم اسلامی کے بیرون لاہور
دوروں کے ذریعے دعوتی سرگرمیوں اور دعوتی کام میں خاطر خواہ اضافہ
نتیجتہً پاکستان کے بہت سے شہروں میں مقامی
تنظیمیں قائم ہو گئیں۔ لیکن چونکہ ان نئی قائم شدہ تنظیموں کے رفقاء تنظیم کے تقاضوں
اور کام کے نہج سے صحیح طور پر آگاہ نہیں تھے اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ مرکز
سے ان کو رہنمائی دی جائے۔ اس ضمن میں مرکز کی جانب سے یہ اہتمام کیا گیا کہ وقتوں
وقفوں سے لاہور یا کراچی کے کچھ رفقاء جو رضاکارانہ طور پر اپنے اوقات دینے کو
تیار ہوں اُن کو گروپ کی صورت میں اُن شہروں میں بھیجا جائے جن کا ذکر سطور
بالا میں کیا جا چکا ہے۔ گذشتہ ماہ کے "میثاق" میں ان میں سے بعض جماعتوں (GROUPS)
کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی جا چکی ہے۔ لیکن دو رپورٹیں اس میثاق میں شامل

ہونے سے رہ گئیں تھیں۔ چنانچہ انہیں اس شمارے میں شامل کیا جارہا ہے۔

راولپنڈی / پشاور

جون کے پہلے عشرے میں رفیقِ تنظیم غازی محمد وقاص صاحب کی امارت میں ایک تین رکنی مختصر جماعت نے راولپنڈی اور پشاور کا دورہ کیا۔ وقاص صاحب کے علاوہ اس میں سہیل عزیز صاحب اور محمد اقبال صاحب شامل تھے۔ اس دورے کی مختصر رپورٹ سہیل عزیز صاحب نے مرتب کی ہے جو حسب ذیل ہے:-

ابتداءً ہمارا پروگرام راولپنڈی / اسلام آباد میں امیرِ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ماہانہ درس قرآن میں شرکت کا تھا۔ بعدازاں یہ طے پایا کہ راولپنڈی میں مزید ایک دن قیام کرکے مقامی رفقاء سے خصوصی ملاقات کی جائے اور پھر پشاور میں بھی رفقاء کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ چھ جون کو ریل کار کے ذریعے ہم تینوں رفقاء راولپنڈی پہنچے۔ اور پنڈی میں مقیم ایک رفیق جناب اکرم واسطی صاحب کے ہاں قیام کیا۔ حسبِ پروگرام بعد نماز مغرب اسلام آباد کمیونٹی سنٹر میں ڈاکٹر صاحب کا درس قرآن ہوا۔ "استقبالِ رمضان" کے موضوع پر سورہ بقرۃ کے تیئسویں رکوع کی روشنی میں مفصل درس ہوا۔ الحمدللہ سامعین کا ذوق وشوق دیدنی تھا اور درس کے اختتام تک کمیونٹی سنٹر کے ہال کی تنگ دامانی عیاں ہوچکی تھی۔

اگلے روز پنڈی اور اسلام آباد کے رفقاء سے ملاقات کا پروگرام تھا جس کے لیے واسطی صاحب کے اسکول "فری لینڈ" میں سب کو جمع ہونا تھا۔ اکثر رفقاء وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے۔ ہر رفیق سے سیر حاصل تبادلہ خیالات ہوا۔ دورانِ گفتگو یہ بات سامنے آئی کہ وہاں کے رفقاء پر عمومی اور خصوصی اجتماع کا فرق پورے طور پر واضح نہیں ہے چنانچہ ہمارے امیرِ جماعت غازی محمد وقاص صاحب نے مرکز کی ہدایات کے مطابق ان پر دو تنظیموں کو خصوصی اور عمومی اجتماعات کے طریق کار، افادیت اور جذبۂ محرکہ سے تفصیلاً آگاہ کیا۔

آٹھ جون کو صبح ساڑھے دس بجے کے قریب ہم پشاور پہنچے۔ مقامی امیرِ تنظیم جناب صلاح الدین صاحب سے چونکہ پہلے رابطہ نہیں ہو سکا تھا اس لیے خاصی دقت پیش آئی۔ بہرحال ان سے تقریباً ڈیڑھ بجے بعد دوپہر ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے تجویز کیا کہ چونکہ محترم خورشید انجم صاحب کا گھر قلبِ شہر میں واقع ہے اس لیے ان کے

ہاں جمع ہوا جاتے۔ باوجود موسم کی شدت اور وقت کی قلت کے انہوں نے پشاور
، فعال رفقاء کو ہماری آمد سے مطلع کیا ۔ ہم سب نمازِ مغرب سے کچھ پہلے خورشید انجم
صاحب کے گھر پر جمع ہو گئے۔

یہ اجتماع جتنا ہنگامی طور پر ترتیب دیا گیا اتنا ہی مفید رہا۔ تنظیمی امور تفصیل
کے ساتھ زیر بحث آئے۔ ان کے ہاں خصوصی اجتماع تو نہایت مؤثر طور سے ہو رہے
ہیں۔ ہر رفیق کے ذمے کوئی نہ کوئی تنظیمی یا تدریسی کام سونپ دیا گیا ہوا ہے۔ البتہ
عمومی اجتماع میں انہیں وقتی طور پر دقت ہو رہی ہے۔ محترم وقار صاحب یہ
سارا پروگرام عربی درس کی صورت میں پیش کرتے تھے جو کہ درسِ قرآن مجید سے
مزین ہوتا تھا وقار صاحب چونکہ بسلسلہ ملازمت عارضی طور پر ہری پور تشریف
لے گئے ہوئے ہیں۔ اس لیے عمومی اجتماع کا انعقاد عمل میں نہیں آرہا۔

مجموعی طور پر راولپنڈی۔ اسلام آباد اور پشاور کی مقامی تنظیموں کی کارکردگی
تسلی بخش ہے۔ رفقاء کا انفرادی جوش و جذبہ اور امراء کی تگ و دو کا جائزہ لیتے
ہوئے امید کی جاسکتی ہے کہ انقلابی عمل تنظیمی و تربیتی مراحل سے آگے بڑھے گا۔
(انشاء اللہ)۔

امیر تنظیم اسلامی صوبہ سندھ کا دورہ حیدر آباد

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۹۸۳ء کے موقع پر امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے
ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب کو جو پہلے صرف کراچی کے امیر تھے، صوبہ سندھ کا نائب امیر مقرر
کیا۔ اس سے قبل حیدر آباد کے رفقاء کا تعلق براہِ راست مرکز سے تھا۔ مذکورہ فیصلے
کے بعد ان کا رابطہ صوبہ سندھ کے دار الخلافہ کراچی سے کر دیا گیا۔ اسی رابطے اور تعلق کو مزید
تقویت دینے کے لیے نائب امیر صوبہ سندھ جناب ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب نے ۹، ۱۰ جون
کو حیدر آباد کا پروگرام بنایا اور پیش نظر یہ بھی تھا کہ رفقاء سے ملاقات کر کے
صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے اور خصوصاً رفقاء کو فعال اور منظم کیا جائے تاکہ ان
کی ذاتی اصلاح کے ساتھ ساتھ توسیع دعوت کا کام بھی ہو۔

اس مقصد کے ساتھ ساتھ ایک عمومی درس قرآن کا پروگرام بھی بنا لیا گیا۔ اس
کے لیے پہلے ہی فوٹو اسٹیٹ ہینڈ بل تیار کر لیے گئے۔ درس کے لیے سورۃ حج کا آخری
رکوع منتخب کیا گیا جو کہ قرآن حکیم کا جامع مقام ہے۔ قرآن حکیم کے مخاطب دو ہی

طبقات ہیں۔ ایک وہ جو اس پر ایمان لے آئیں اور دوسرے وہ جنہوں نے دعوتِ قرآن کو ابھی تک قبول نہیں کیا یا ان تک یہ دعوت ابھی تک نہیں پہنچی پہلی چار آیات میں عوام الناس یا نوعِ انسانی سے خطاب ہے اور دعوتِ ایمان ہے۔ اس ضمن میں تینوں بنیادی ایمانیات کو سمو لیا گیا ہے یعنی ایمان باللہ، ایمان بالمعاد، اور ایمان بالرسالت۔ اور آخری دو آیات میں دعوتِ عمل ہے اُن کے لیے جو ان ایمانیات کی دعوت کو قبول کر چکے ہیں۔

درسِ قرآن کے لیے سورۃ حج کا متذکرہ مقام تنظیم کے ایک رفیق جن کا نام بھی حسنِ اتفاق سے محمد رفیق ہے جو لطیف آباد نمبر ۱۲ کے رہنے والے ہیں نے منتخب کیا تھا۔ ویسے تو محمد رفیق صاحب حیدر آباد کے رہنے والے ہیں لیکن ملازمت کے سلسلے میں آج کل کراچی رہتے ہیں۔ انہی کے خالہ زاد بھائی محمد طاہر خان صاحب بھی لطیف آباد نمبر ۱۲ کے رہنے والے ہیں اور وہ بھی ملازمت کے سلسلے میں کراچی رہتے ہیں اور تنظیم کے رفیق بھی ہیں۔ اس کے علاوہ میڈیکل کے طالب علم ظفر عزیز صاحب بھی حیدر آباد سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی تعلیم کے سلسلہ میں کراچی رہتے ہیں اور تنظیم کے رفیق بھی ہیں۔ یہ تین حضرات درسِ قرآن کے دن سے پہلے ہی کراچی سے حیدر آباد چلے گئے تھے اور انہوں نے گھر گھر جا کر درسِ قرآن کے پمفلٹ پہنچائے اور ذاتی طور پر ملاقات کر کے اہلِ محلہ اور قرب و جوار کے احباب کو دعوت دی۔ اس کے علاوہ حیدر آباد میں تنظیم کے جو رفقاء مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں ان کو بھی اس پروگرام میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی۔

درسِ قرآن کا وقت بعد نمازِ عصر مقرر کیا گیا تھا۔ امیر تنظیم صوبہ سندھ ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب بعد نماز ظہر چار رفقاء کے ہمراہ اپنی کار میں کراچی سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ دو اور رفقاء بھی بذریعہ بس حیدر آباد پہنچے۔ حیدر آباد میں ملاقات کا مقام مولانا سید وصی مظہر ندوی صاحب مہتمم حیدر آباد کا مدرسہ جامعہ اسلامیہ مقرر کیا گیا تھا۔ وہاں پر ہمارے دو رفقاء محمد رفیق اور محمد طاہر خان صاحب ہمارے منتظر تھے، مولانا موصوف بھی اپنی فائلوں میں محو ہمارے منتظر تھے انہیں بھی اس پروگرام سے آگاہ کیا گیا تھا۔ یہاں پر مولانا موصوف کا ذکر آ گیا ہے تو تنظیم کے حوالے سے بھی ان کا ذکر کرتا چلوں۔ آپ تنظیم اسلامی کے حلقہ مستشارین میں بھی شامل ہیں۔

مدرسہ سے ہم رفقاء لطیف آباد پہنچے عصر کی نماز قریبی مسجد محمدی میں ادا کی۔ نماز کے بعد درس قرآن کا اعلان ہوا اور احباب محمد رفیق صاحب کے مکان پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ عبدالواحد عاصم صاحب قیم تنظیم اسلامی صوبہ سندھ نے حاضرین سے امیر صوبہ سندھ کا تعارف کروایا۔ اس کے بعد امیر محترم نے درس قرآن کا آغاز فرمایا۔ حاضرین کی تعداد سے کمرہ بھر گیا چنانچہ برآمدے میں بھی شرکاء کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا۔ درس قرآن ابھی جاری تھا کہ مغرب کا وقت ہو گیا۔ مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی گئی۔ مسجد کی انتظامیہ نے درس قرآن مسجد میں جاری رکھنے کی پیش کش کی کیونکہ گھر پہ شرکاء کے لیے جگہ کم پڑ گئی تھی۔ مسجد میں شرکاء کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا۔ اس طرح درس قرآن عشاء تک جاری رہا۔ اس موقع پر مسجد کے باہر مکتبہ بھی لگایا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد شرکاء درس قرآن کو درس سے متعلق یا تنظیم سے متعلق سوالات کی دعوت دی گئی۔ سوالات و جوابات کی نشست محمد رفیق صاحب کے گھر پر رکھی گئی۔ اس طرح سات افراد جمع ہوتے۔ ان میں سے عطاء الرحمٰن صاحب نے امیر صوبہ سندھ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے علاوہ تنظیم کے ایک رفیق جناب اعجاز احمد صاحب جو عہد نامہ رفاقت پڑھ چکے تھے جن کی بیعت باقی تھی انہوں نے امیر صوبہ سندھ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس کے بعد رفقاء کا اجتماع ہوا اب چونکہ رات کافی ہو گئی تھی اس لیے اس کو مختصر کر کے دوسرے دن صبح ساڑھے سات بجے رکھا گیا۔ آج چونکہ جمعہ تھا تقریباً سارے رفقاء جمع ہو گئے سوائے عطاء الرحمٰن صاحب کے جو کسی مجبوری کی بنا پر شرکت نہ کر سکے۔

اس موقع پر حیدرآباد کی تنظیم کو کتابوں کا ایک سیٹ دیا گیا۔ اس کے علاوہ کیسٹ بھی دیے گئے۔ اعجاز احمد صاحب کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اجتماعات کو منظم کریں۔ ان میں درس قرآن اور وقتاً فوقتاً تنظیم کی دعوت پیش کریں ان اجتماعات میں عام لوگوں کو بھی دعوت دی جائے۔ خصوصی اجتماع میں صرف رفقاء ہی شرکت کریں۔ اس میں حفظِ قرآن، مسنون دعاؤں اور اجتماعی مطالعہ کا اہتمام کیا جائے۔ اور رفتار کار کا جائزہ بھی لیا جائے اور اس کی ماہانہ رپورٹ کراچی بھیجی جائے۔ اجتماع کے اختتام کے بعد ہم رفقاء بخیر و عافیت جمعہ سے پہلے کراچی پہنچ گئے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد: ۳۲	شمارہ: ۹	ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید پریس، شاہراہ فاطمہ جناح، لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: [illegible]
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت۔
کراچی۔ فون [illegible]

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عاکف سعید

عرضِ احوال

الحمد للہ کہ ستمبر کا شمارہ کتابت و طباعت کے جملہ مراحل طے کرنے کے بعد اب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس شمارے کی اشاعت میں جو تاخیر ہوئی ہے اُس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ اگرچہ معاملہ وہی ہے کہ ع "ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا!" پرچہ اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں تھا کہ والدِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے جمعہ ۲۶ ؍اگست کو مسجد دارالسلام لاہور میں "پاکستان کی موجودہ ابتر صورتِ حال اور اصلاحِ احوال کی تجویز" کے عنوان سے خطاب فرمایا۔ چونکہ موضوع کا حالاتِ حاضرہ سے گہرا تعلق تھا اس لیے ہمارے ایک رفیقِ کار شیخ رحیم الدین صاحب کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس تقریر کو اسی ماہ کے شمارے میں شامل کیا جائے تاکہ قارئینِ میثاق تک بات بروقت پہنچ جائے۔ یہی امر "باعثِ تاخیر" بنا۔

مذکورہ بالا تقریر میں "اصلاحِ احوال کی تجویز" کے ضمن میں والدِ محترم نے اپنے اُس خط کو بنیاد بنایا ہے جو انہوں نے آٹھ ماہ قبل صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق کے نام تحریر کیا تھا۔ قبل ازیں اس خط کا متن فروری ۸۳ء کے میثاق میں شائع ہُوا تھا۔ لیکن اس کے بعض حصے سنسر کی زد میں آجانے کے باعث قارئین کے سامنے بات صحیح طور سے نہ آسکی تھی۔ زیرِ نظر شمارے میں بطورِ ضمیمہ اُس خط کا مکمل متن شائع کیا جا رہا ہے۔

مزید برآں اس شمارے میں "تصریحات و توضیحات" کے عنوان کے تحت والدِ محترم کے دو وضاحتی بیان شائع کیے جا رہے ہیں ان میں سے پہلا وہ ہے جو انہوں نے دورۂ ملتان سے واپسی پر اخبارات کو جاری کیا تھا۔ اس بیان کا

تعلق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے اس انٹرویو سے ہے جو اولاً "عرب نیوز" میں شائع ہوا اور پھر روزنامہ جنگ نے اس کا پورا متن بھی شائع کیا۔ اور اس کے متعلقہ حصے پر مبنی ایک خبر بھی صفحہ اوّل پر شائع کی۔

اس انٹرویو میں والدِ محترم کے بارے میں جنرل صاحب نے کچھ اظہار رائے کیا تھا۔ اور ایک معیّن واقعے کا حوالہ بھی دیا تھا۔ لیکن چونکہ اس واقعے کی رپورٹنگ میں کچھ "خلافِ واقعہ" باتیں جنرل صاحب کی طرف منسوب تھیں۔ اس لیے مناسب خیال کیا گیا کہ امرِ واقعہ کی وضاحت ہو جائے۔ جنرل صاحب کے انٹرویو میں مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور کے تقریباً پونے تین سال قبل کے جس واقعے کا ذکر ہے، اس موقع پر جنرل صاحب سے خطاب کر کے جو باتیں والدِ محترم نے فرمائی تھیں خوش قسمتی سے وہ "میثاق" کے شمارہ بابت دسمبر ۱۹۸۰ء میں "خطاب بہ صدر مملکت" کے عنوان سے شائع ہو گئی تھیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اسے بھی ضمیمہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔

متذکرہ بالا چیزوں کے شامل اشاعت ہو جانے کے باعث بعض مستقل مضامین اس ماہ شائع نہیں کیے جا رہے۔

■ ■

تذکرہ و تبصرہ

پاکستان کی نئی سیاسی صورت حال
اور
اِصلاحِ احوال کی تجویز

پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب جمعہ (۲۶ اگست ۸۳ء) کی تلخیص

خطبۂ مسنونہ — اور سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ اور سورہ انفال کی آیات ۲۴ تا ۲۶ کی تلاوت اور دعا کے بعد فرمایا:

معذرت

حضرات! گذشتہ جمعہ میں یہاں موجود نہیں تھا۔ بلکہ یہاں سے بہت دُور بلتستان کے ایک اہم شہر سکردو میں تھا۔ اس سلسلے میں مجھے آپ سے معذرت بھی کرنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۲ اگست کے جمعہ میں مَیں نے یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ آئندہ جمعہ میں مَیں حاضر نہ ہو سکوں گا۔ لیکن یہ اعلان نہ کرنا کسی نسیان یا بھول کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ مجھے بلتستان جانا تھا۔ بلتستان کے مرکزی شہر اسکردو کے لیے پی آئی اے کی جو پرواز جاتی ہے وہ بالکل غیر یقینی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ دو دو ہفتہ فضائی سروس کا سلسلہ معطل رہتا ہے۔ اس لیے کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مَیں جا بھی سکوں گا یا نہیں۔ عین ممکن تھا کہ دو چار دن راولپنڈی میں انتظار کرتا اور اگر کوئی فلائٹ نہ ملتی تو پھر واپس آکر جمعہ یہیں

ادا کرتا۔ اس لیے میں نے اس کا پیشگی اعلان نہیں کیا تھا۔

بلتستان کے حالات

چونکہ ذکر آگیا ہے بلتستان کا تو چند جملوں میں بعض باتیں وہاں کی گوش گزار کردوں۔ آپ میں سے اکثر نے شاید بلتستان کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔ اور اگر اس کے شہروں میں سے کسی کا نام سنا بھی ہے تو صرف سکردو کا۔ یہ اصل میں بہت دور دراز ایک وادی ہے جو کہ کشمیر کے شمال مشرق تک چلی گئی ہے اور لداخ کے ساتھ تک ملی ہوئی ہے۔ اس کے بہت ہی مخصوص حالات ہیں۔ خاص طور پر سُنی شیعہ اختلاف والا معاملہ بہت ہی شدت پر ہے۔ یہ ایک ایسا علاقہ ہے کہ یہاں پر شیعہ حضرات غالب اکثریت میں ہیں۔ اہلِ سنّت بہت کم ہیں۔ شاید آبادی کا دس بارہ فیصد ہوں۔ البتہ وہاں ایک درمیانی فرقہ ہے جو ایک صوفی بزرگ حضرت نور بخش رحؒ کی جانب منسوب ہونے کی بنا پر نور بخشی کہلاتا ہے۔ یہ سُنّی اور شیعہ حضرات کے بین بین ہے۔ بہرحال وہاں کے کچھ مخصوص حالات ہیں جن کا ذکر علی الاعلان مناسب نہیں۔

میں جب پچھلے سال وہاں جارہا تھا۔ تو بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں ایک عجیب کشمکش تھی۔ شیعہ حضرات کی جانب سے یہ اعلان کردیا گیا تھا کہ مجھے وہاں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ایئرپورٹ پر ہی سے واپس جانے پر مجبور کردیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے حالات پیدا فرمائے کہ میرا وہاں کا دورہ بہت کامیاب رہا۔ اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شیعہ سنّی اختلاف میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ اور وہاں کے ایک بہت بڑے شیعہ عالم نے میری تقریر کی بہت تعریف کی تھی۔ یہ معاملہ خپلو میں ہوا تھا۔ خپلو بلتستان کا قدیمی اور مرکزی شہر ہے۔ اس کے ساتھ تہذیب و ثقافت کا بھی مرکز ہے۔ اگرچہ انتظامی اعتبار سے اب اسکردو کی اہمیت زیادہ ہے۔

اس دفعہ اللہ کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ میں نے اسکردو میں آٹھ دس تقریریں کیں، ان میں درسِ قرآن، خطباتِ عام اور خطباتِ جمعہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک استقبالیہ بھی ہوا۔ اس کے بہت اچھے نتائج

ادہوئے اور شیعہ حضرات نے کہا کہ اگر ایسا ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا
، تو ہمیں کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اب وہاں کی فضا الحمدللہ بہت اچھی ہوگئی
ے۔ میری وہاں پر جو آخری رات تھی، اس میں وہاں ایک ہوٹل میں استقبالیہ
ما، جس میں شہر کی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران اور معروف شخصیتوں کے علاوہ
، تشیع کے چوٹی کے رہنما بھی موجود تھے۔ اجتماع بڑے خوشگوار ماحول میں
را۔ مجھے اب شدت سے احساس ہے کہ اگر ان مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ
ور کیا جائے اور سیاسی اغراض و مقاصد سے بالاتر ہو کر بات کی جائے تو
، ساری فرقہ واریت، جس کا افسانہ کچھ زیادہ ہی گھڑ لیا گیا ہے، اس میں خاصی
ی واقع ہو سکتی ہے۔ ان معاملات میں جلتی پر تیل کا کام سیاسی اغراض و
قاصد کرتے ہیں۔ جب کچھ سیاستدان اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے
لیے مذہب کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو وہ مذہبی اور فروعی اختلافات کو
ہوا دیتے ہیں۔ اصل میں یہ سب مذاہب ہیں دین تو ایک ہے۔ حضرت آدمؑ
سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہمیشہ دین ایک ہی رہا ہے۔
ہاں البتہ شریعت بدلتی رہی ہے۔ لیکن دین موسوی، دین عیسوی، دین نوح
اور دین محمدیؐ میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں جتنے بھی اختلافات
ہیں وہ فقہی اور جزوی نوعیت کے ہیں۔ اگر وحدت دینی کا تصور ہو، تو
ان اختلافات کی اہمیت خود بخود کم ہو جائے گی اور یہ پس منظر میں چلے
جائیں گے۔ مگر جب پیش نظر اپنی بھیڑوں کو جمع کرنا ہو، اپنی تعداد بڑھانی
ہو اور آئندہ الیکشن کے لیے ووٹوں کا اہتمام کرنا مقصود ہو تو پھر ہوگا یہ کہ
ان اختلافات اور تضادات کو نمایاں کیا جائے گا۔ اور اختلافات کو خوب
اچھالا جائے گا۔

الحمدللہ! میرے ان دو دوروں سے وہاں کے حالات میں بہتری کی
صورت پیدا ہوئی ہے اور ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ دعا فرمائیں
کہ اللہ تعالیٰ اس کیفیت کو برقرار رکھے۔ اور مزید بہتری کے آثار پیدا فرمائے۔

ملکی حالات

میرا یہاں پچھلا جمعہ ۱۲ اگست کا تھا اس کے بعد اب تک جو دو ہفتے گذرے ہیں ان کے دوران میں دو نہایت اہم واقعات تو ملکی سطح پر رونما ہوئے ہیں اور ایک چھوٹا سا معاملہ اور بھی ہے جو اس مسجد اور میری ذات سے متعلق ہونے کی بنا پر قابل ذکر بن گیا ہے اگرچہ اپنی جگہ اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

ہمارے صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ۱۲ اگست ہی کو جمعہ کی نماز کے بعد وفاقی کونسل عرف مجلس شوریٰ میں ایک مفصل تقریر کی اور اس میں ایک سیاسی ڈھانچہ یا مستقبل کا دستوری خاکہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ اس کے ساتھ ہی ہم ایا ۱۵ اگست سے ایم۔آر۔ڈی کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ وہ اگرچہ ملک گیر سطح پر ہوئی لیکن اس کا معاملہ تین صوبوں میں ایک پُرامن تحریک کا رہا صرف گرفتاریاں پیش کی گئیں۔ لیکن خاص طور پر اس تحریک نے صوبہ سندھ میں جو صورتِ حال اختیار کی وہ نہایت تشویشناک ہے۔ یہ صورت حال ہم سب کے لیے ایک بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔ ہم میں سے جو بھی دین و مذہب اور ملک و وطن سے محبت رکھتے ہیں ان سب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس مسئلے کے حل کی طرف متوجہ ہوں۔

گزشتہ دس بارہ دنوں کے دوران میں جو صورت حال سندھ میں رونما ہوئی تھی اب اس میں کچھ کمی واقع ہو چکی ہے۔ ویسے تو خبریں ادلتی بدلتی رہتی ہیں اور حالات اونچ نیچ کی طرف رُخ کرتے رہتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی سندھ میں جو کچھ ہوا وہ اچھے اچھے صحافیوں، نامہ نگاروں اور تجزیہ نگاروں کی توقعات کے بالکل برعکس ہوا ہے۔ چنانچہ اخبارات کے تجزیے آپ نے بھی پڑھے ہوں گے۔ اسلام آباد سے ایک انگریزی اخبار مسلم کے نام سے شائع ہوتا ہے، اس نے جو تجزیہ کیا ہے، میرے نزدیک وہ سب سے بہتر ہے۔

سندھ کے حالات حکومت اور تجزیہ نگاروں کے لیے تو خلافِ توقع ہو سکتے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ بالکل خلافِ توقع نہیں ہیں۔ میں نے

اس سے پہلے کئی دفعہ ان کی نشاندہی کی ہے۔ اور آج سے پورے آٹھ ماہ قبل میں نے جو خط صدر ضیاء الحق صاحب کو لکھا تھا، اس میں میں نے خاص طور پر ان کی توجہ سندھ کے ان حالات کی طرف مبذول کروائی تھی، بہرحال میں اس کا ذکر اس لیے نہیں کر رہا ہوں کہ اس میں میرے لیے خوشی کا کوئی پہلو ہے کہ میری پیشنگوئی درست اور تجزیہ صحیح ثابت ہوا۔ میرے لیے یہ صورت حال حد درجہ تشویشناک اور المناک ہے کہ میں اس کی بنا پر شدید صدمے کی سی کیفیت سے دوچار ہوں۔ البتہ ایک خیال ضرور آتا ہے اور وہ وہی جس کا قرآن مجید میں بعض رسولوں کے قول میں ذکر ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ اپنی قوموں کو جس عذاب کی خبر دیتے تھے جب وہ عذاب واقع ہوا تو انہوں نے حسرت کے ساتھ کہا، ہم تمہاری خیرخواہی کا حق ادا کرتے رہے مگر تم اپنے خیرخواہوں اور یہی خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (الاعراف۔۷۹)" یعنی تمہیں ناصحین سے محبت نہیں۔ تم جانتے ہی نہیں کہ کون تمہارا خیرخواہ ہے اور کون بدخواہ؟ بہرحال یہ تجزیئے اور پیشین گوئیاں ایک طرف، اس وقت اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہر پاکستانی اس کے حل کی طرف متوجہ ہو جائے۔ دوسری حقیقت جو بالکل عیاں ہے یہ ہے کہ سندھ میں جو کچھ ہوا وہ ایم آر ڈی کی عمومی تحریک کا مظہر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر ایم۔آر۔ڈی کی تحریک کو سامنے رکھا جائے تو بقیہ تین صوبوں میں جو صورت حال سامنے آئی ہے، اسی کے لگ بھگ معاملہ سندھ کا بھی ہونا چاہیئے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں ایم۔آر۔ڈی کے علاوہ اس تحریک کے پیچھے تین طبقات اور ہیں جنہوں نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور ایم۔آر۔ڈی کی بحالیٔ جمہوریت کی تحریک کو تخریب کاری کا رنگ دے دیا ہے۔ ان میں اوّلاً کمیونسٹ عناصر ہیں جو عرصے سے منتظر تھے کہ انہیں کوئی موقع ملے کہ وہ اس ملک کے اساسی نظریات پر ضرب کاری لگا سکیں۔ چونکہ ان لوگوں کے بین الاقوامی تعلقات ہیں اور ان لوگوں کو اس بات کی

پوری ٹریننگ دی جاتی ہے کہ کس ملک میں کس منہج اور کس جہت سے کام کرنا چاہیئے۔ لہٰذا ان کو جونہی موقع ملا انہوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

دوسرا عنصر سندھی قومیت پرستی کا ہے۔ اس پر تفصیل سے گفتگو کرنے کا موقع تو نہیں ہے کہ اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں۔ لیکن یہ بات جان لیجئے کہ سندھی نیشنلزم یا سندھو دیش کی تحریک اب بہت گہری ہو چکی ہے۔ سندھ کے قدیمی باشندے اور خصوصاً نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ اس سے بُری طرح متاثر ہو چکا ہے۔ اس کو سطحی بات سمجھنا بہت بڑا مغالطہ اور خود فریبی کا معاملہ ہوگا۔

تیسرا عامل ہمارا پڑوسی ملک بھارت ہے جس نے ہمارے وجود کو ذہناً وقلباً قطعاً قبول نہیں کیا۔ وہ ہمارے اساسی نظریہ کا دشمن ہے۔ ہم نے ان کے نظریہ کی تردید کر کے اس ملک کی بنیاد رکھی تھی۔ بھارت ماتا جو اُن کے لیے بڑی مقدس ہستی ہے، ہم نے اپنے نظریے کی بنا پر اس کے حصے بخرے کیے جس کی وجہ سے وہ ہمارے سخت دشمن ہیں۔ ان کے ایجنٹ ہمارے درمیان یقیناً موجود ہیں اور یہ نہ سمجھیئے کہ وہ صرف ہندوؤں میں ہیں ان کے ایجنٹ نام نہاد مسلمانوں میں بھی موجود ہیں۔ یوں تو ہر صوبہ میں کچھ نہ کچھ تعداد میں ہندو موجود ہیں مگر دو صوبوں بلوچستان اور سندھ میں دوسرے دو صوبوں کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ اور خاص طور پر صوبہ سندھ میں سرحد کے ساتھ ساتھ ان کے مضبوط مراکز یا گڑھ ہیں۔ سرحد کے قریب اس طرح کے گڑھ یا گڑھیاں ہونا ہمارے قومی وجود اور ملکی استحکام کے لیے شدید خطرہ کا باعث ہو سکتی ہیں۔

پاکستان میں رہنے والے ہندوؤں کے متعلق کونسا مسلمان نہیں جانتا کہ ان کی دلی کیفیات کیا ہوں گی۔ پاکستان کے نظریہ کو قبول کرنا ان کے لیے ناممکن ہے۔ نظریہ پاکستان ان کے مذہب، ان کے عقیدے، اور ان کی فکر سے بعید ہی نہیں بلکہ متضاد ہے۔

اس پہلو سے یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ ان تینوں عناصر نے مل کر یہ گٹھ جوڑ پھیلائی ہے اور آج کے اخبارات میں آپ حضرات نے دیکھ لیا ہے کہ

ہندوستان کی پارلیمنٹ میں اس کا تذکرہ ہی نہیں ہوا مفصل بحث ہو چکی ہے۔ دوران کے وزیر خارجہ کی طرف سے ان واقعات پر بڑے محتاط انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ لیکن ان کا یہ تبصرہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ ان کی سوچ کس رُخ پر آگے بڑھ رہی ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے بھی اگر کوئی یہ کہے کہ حالات تشویشناک نہیں بلکہ افسوسناک ہیں تو وہ یا تو خود شدید مغالطے میں مبتلا ہے یا عوام کو جان بوجھ کر دھوکہ میں رکھنا چاہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت حال ہمارے ملک اور دین دونوں کے لیے حد درجہ خطرناک اور تشویشناک ہے۔

اس صورت حال پر اگرچہ قابو پایا جا سکتا ہے اور فی الوقت یہ ہرگز مشکل نہیں ہے کہ موجودہ ایجی ٹیشن اور تخریب کاری کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ بہر حال یہ ایک ملک کے اپنے صوبے کا معاملہ ہے۔ پھر یہ کہ جب فوج آتی ہے اور کسی کے امن و امان کی ذمہ داری سنبھالتی ہے تو کسی کے بس میں نہیں ہوتا کہ زیادہ دیر تک اس کا مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو وقتی طور پر دبایا جا سکتا ہے اور آج کے ایک اخبار میں اس پر اداریہ بھی لکھا گیا ہے جس کا عنوان ہے "پہلے راؤنڈ کی فتح کے بعد"، یعنی اس اخبار کے مدیر کے نزدیک اس پہلے راؤنڈ میں حکومت کو فتح حاصل ہو چکی ہے۔

یاد ہوگا کہ مشرقی پاکستان میں بھی فوج نے پہلے راؤنڈ میں ملکی حالات پر مکمل طور پر قابو پالیا تھا اور سندھ کا معاملہ تو نسبتاً وہاں کے مقابلے میں بہت آسان ہے اس لیے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے زمینی طور پر ملحق نہ تھا۔ جبکہ سندھ کا قطعہ ہم سے ملا ہوا ہے اس لیے یہاں کسی بھی صورتِ حال سے نہایت آسانی سے نبٹا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک دوسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ اس طرح کے حالات تو ہر ملک میں ہوا ہی کرتے ہیں۔ آخر وہ کونسا بڑا ملک ہے جس میں اس قسم کے واقعات نہیں ہوتے۔ ہر ملک میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کے بعض علاقے ترقی یافتہ ہوتے ہیں بعض اس کے برعکس پسماندہ ہوتے ہیں اور پسماندہ علاقوں

کو ترقی یافتہ علاقوں سے شکایت رہتی ہے۔ یہ ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ خود ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں آئے دن یہ ہوتا رہتا ہے۔ کبھی جنوبی ہند میں بڑا طوفان اٹھتا ہے اور کبھی دوسرے علاقے میں۔ کبھی شمال مشرقی کونے میں فسادات ہوتے ہیں، کبھی کسی اور گوشے میں اور ابھی حال ہی میں ہم سے ملحق بھارتی صوبہ پنجاب میں ایک طوفان اٹھا ہے لہٰذا ان واقعات کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

ان دونوں باتوں کے علی الرغم میں اس بات کو دہرا رہا ہوں کہ ہمارے مخصوص حالات کے پیشِ نظر یہ واقعات بہت خطرناک ہیں اور کسی درجے میں ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا یا اس صورتِ حال سے صحیح معنیٰ میں عہدہ برآ ہونے کی کوشش نہ کرنا ملکی اتحاد اور سالمیت کو شدید نقصان پہنچا سکتی ہے۔

اس ضمن میں میں آپ کی توجہ دو اہم اور اساسی امور کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ ہمارا ملک ایک نظریاتی ملک ہے اس کی نظریاتی جڑوں پر اگر کوئی وار ہوا اور وہ کاری بھی ہو تو یہ اس کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوگا۔ جب کہ ہندوستان ایک نظریاتی ملک نہیں ہے۔ وہ خالص جغرافیائی ملک ہے۔ وہاں نظریہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہمارا معاملہ ہندوستان سے بہت مختلف ہے۔ اس لیے اگر کوئی معاملہ خواہ وہ حجم کے اعتبار سے بالکل چھوٹا ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ ہمارے نظریئے پر ضرب لگاتا ہو تو ہمارے لیے نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک اور تشویشناک ہوگا۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ برِصغیر پاک و ہند میں جس صوبے کو مولد و مسکن ہونے کی حیثیت حاصل تھی یعنی مسلم بنگال جہاں مسلم لیگ قائم ہوئی اور پلی بڑھی، جہاں طویل ترین عرصے تک اس کی وزارت قائم رہی اور جو گویا نظریہ پاکستان کا سب سے بڑا علمبردار تھا، سب سے پہلے اسی صوبے نے اس نظریہ سے دستبرداری اختیار کی وہ ہم سے علیحدہ ہوا۔ اس معاملے میں اس سے قطع نظر کہ اس میں کس کی غلطی کتنی تھی اس لیے کہ یہ معاملہ تفصیلی بحث چاہتا ہے مگر نتیجہ جو نکلا وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہی مسلم بنگال تھا جس نے نظریہ پاکستان سے دستبرداری اختیار کی۔ یہ میں اس بنا پر کہہ رہا ہوں

کہ اگر وہ ہم سے صرف الگ ہوتا اور مشرقی پاکستان کے نام کو برقرار رکھتا تو بات مختلف ہوتی۔ ہمارے خلاف ان کو اگر کچھ شکایات تھیں اور وہ ہم سے شاکی تھے کہ ہم نے ان کے حقوق غصب کر لیے ہیں تو یہ ایسا انوکھا معاملہ نہیں تھا۔ یہ تو بعض دفعہ دو حقیقی بھائیوں کے درمیان بھی ہو جاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے ان کے تعلقات ختم نہیں ہو جاتے۔ ہاں علیحدگی ہو جاتی ہے الگ گھر بنا لیتے ہیں لیکن وہ اپنے بھائی ہونے کی نسبت کو ختم نہیں کرتے۔ وہ نسبت برقرار رہتی ہے۔ مشرقی پاکستان والوں نے اگر صرف علیحدگی اختیار کی ہوتی تو میں ہرگز یہ نہ کہتا کہ انہوں نے نظریہ پاکستان سے علیحدگی اختیار کی۔ لیکن انہوں نے پاکستان کا نام تج دیا اور اپنا نیا نام لسانی یا وطنی قومیت کی بنیاد پہ رکھا یعنی "بنگلہ دیش"۔ واضح رہے کہ "اسم علم" بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ بحمد اللہ ہمارا ملک وہ ہے جس کے نام میں جزو لاینفک کے طور پر اسلام موجود ہے۔ یہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے۔ اسی طرح موریطانیہ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے نام کے اندر اسلام کو داخل کیا ہے۔ ان دو کے علاوہ پوری دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں کہ اس نے اپنے نام میں اسلام کو شامل کیا ہوا ہے۔ اس نام کی اہمیت کا اندازہ اس مثال سے لگا لیجئے کہ اگر دو افراد مل کر ایک نام سے کوئی کاروبار شروع کرتے ہیں تو جب ان کے علیحدہ ہونے کی نوبت آتی ہے تو جھگڑتے ہیں کہ اس نام کو کون استعمال کرے گا اور اس قضیہ کو پھر اس طرح چکایا جاتا ہے کہ اس نام کی قیمت مقرر کی جاتی ہے۔ اگر مشرقی پاکستان کے بھائی ہم سے اس بات پر جھگڑتے کہ اس نام پر ہمارا زیادہ حق ہے تو ہمیں خوشی ہوتی کہ انہوں نے اس نظریہ کے ساتھ قلبی اور ذہنی لگاؤ کا ثبوت دیا۔ مگر یہاں اس کے بالکل برعکس ہوا کہ انہوں نے اس کو دمڑی کے برابر بھی نہیں سمجھا اور نہایت نفرت کے ساتھ اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اب حالات کی مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اس بچے کھچے پاکستان جس کو حقیقت میں "مغربی پاکستان" کہنا چاہیے ، میں صوبہ سندھ، وہ واحد صوبہ ہے جس میں مسلم لیگی وزارت قائم ہوئی۔ یہ صوبہ موجودہ پاکستان میں مسلم لیگ کا گڑھ

تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو یہ امتیازی فخر حاصل ہے کہ یہ بانیٔ پاکستان
قائد اعظم محمد علی جناح کی جائے پیدائش ہے۔ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسی
صوبہ میں اس مملکت کی نظریات کی جڑوں پر کاری ضرب لگائی جا رہی ہے
تو یہ میرے نزدیک انتہائی خوفناک معاملہ ہے۔ اس پر یہ کہہ کر مطمئن ہو جانا کہ
یہ مٹھی بھر لوگوں کی کارگذاری ہے شتر مرغ کے روائتی انداز سے کسی طرح مختلف
نہیں ہے۔ پچاس پچاس ہزار افراد باہر نکل آئے یہ مٹھی بھر لوگ نہیں ہو سکتے۔
یہ بات اب پوری طرح سامنے آچکی ہے کہ سندھی زمیندار اور وڈیرے خود
اس تحریک کی سرپرستی ہی نہیں باضابطہ سربراہی کر رہے ہیں۔ ممتاز بھٹو صاحب
کا یہ کہنا کہ ہر سندھی نوجوان کے دل پر "سندھو دیش" کے الفاظ لکھے ہوئے
ہیں یکسر غلط نہیں ہے

دوسرے یہ کہ ہندوستان کے مقابلے میں ہمارے جغرافیائی حالات
بہت مختلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے چاروں کے چاروں صوبے
سرحدی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ پاکستان چار صوبوں اور چند "متنازعہ"
علاقوں پر مشتمل ہے۔

متنازعہ علاقے ہمارے ملک کا حصہ ہیں۔ چنانچہ پورا کشمیر بھی ہمارا ہے
اور بلتستان اور گلگت وغیرہ بھی ہمارے ہیں۔ تاہم بین الاقوامی سطح پر ہم
نے ان کو متنازعہ تسلیم کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ وفاقی کونسل میں بھی
ان علاقوں سے صرف "مبصرین" نامزد کیے گئے ہیں۔

اب ذرا آپ ان چاروں صوبوں کا جائزہ لیں گے تو دیکھیں گے کہ دو
صوبے مشرقی سرحد سے ملے ہوئے ہیں اور دو مغربی سرحد سے ملحق ہیں۔ کوئی
صوبہ بھی ایسا نہیں کہ جس کو آپ سرحدی صوبہ نہ کہہ سکیں۔ یہ دوسری بات ہے
کہ آپ قدیم ناموں کو برقرار رکھنے کی بنا پر ان میں سے صرف ایک صوبے کو سرحدی
صوبہ کہتے ہیں۔ یعنی شمال مغربی سرحدی صوبہ۔ حالانکہ یہاں تو ہر صوبہ سرحدی صوبہ
ہے۔ ہندوستان کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں اگر بیک وقت دو چار صوبوں میں
[illegible]

تو وہ بہت بڑا ملک ہے اور اس کے صوبوں (ریاستوں) کی تعداد بیس سے بھی متجاوز ہے۔ دوسرے اس کے اکثر صوبوں کی سرحدیں دشمن ملک سے نہیں ملتیں جبکہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ دو صوبوں کے ساتھ افغانستان ہے جہاں پر اصلاً روس کی حکومت ہے اور دو صوبوں کی سرحدیں ہندوستان سے ملحق ہیں جو ہمارا پیدائشی دشمن ہے۔ اس اعتبار سے ہمارے یہاں کا ایک معمولی واقعہ بھی نہایت اہمیت اور دُور رس نتائج کا حامل بن جاتا ہے۔

الغرض یہ دو اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم اپنے ملک کے حالات و واقعات کی تشویشناکی کے حجم اور طول و عرض کو عام پیمانوں سے نہیں ناپ سکتے۔ گویا جو کچھ ان دنوں ہمارے صوبہ سندھ میں ہوا ہے اُس سے کئی گنا زیادہ سنگین واقعات اگر بھارت کے کسی صوبے میں رونما ہوتے تو بھی وہ اتنے تشویشناک نہ ہوتے جتنے کہ سندھ کے حالیہ واقعات ہمارے لیے ہیں۔

جب صورتِ حال کی سنگینی واضح ہو گئی تو اب آئیے مسئلہ کے حل کی طرف! اس سلسلے میں ظاہر ہے کہ دو اعتبارات سے غور کرنا ہو گا۔ ایک یہ کہ اس صورتِ حال کا اصل اور اساسی سبب کیا ہے اور اس کا مستقل اور دیرپا حل کیا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ وہ ہنگامی اسباب کیا ہیں جنہوں نے صورتِ حال کو فوری طور پر اس درجہ تشویشناک بنا دیا ہے اور ان کے تدارک کے لیے فوری اقدامات کونسے ضروری ہیں؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہر بیماری کے کچھ اسباب بنیادی ہوتے ہیں اور کچھ فوری۔ اسی طرح علاج کے ضمن میں ایک تو اصل مرض کے ازالے کے لیے دیرپا تدابیر ہوتی ہیں اور دوسرے فوری آرام اور تسکین کے لیے زود اثر ادویات کا استعمال۔

جس صورتِ حال سے ہم اس وقت دوچار ہیں اس کے ضمن میں بھی ایک بحث تو یہ ہے کہ اس کا اصل سبب کیا ہے اور مستقل حل کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ جو ہنگامہ خیز صورت وجود میں آ چکی ہے، اس کے فوری انسداد کے لیے کیا اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ جہاں تک ہماری مشکلات کے اصل سبب اور ان کے مستقل حل کا تعلق ہے، اس موضوع پر میں نے اس سے قبل

متعدد بار اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہاں آپ کے سامنے ان اجتماعات میں بھی اور پاکستان کے طول و عرض میں تمام قابل ذکر شہروں میں بھی۔ اس وقت میں اس کا لب لباب عرض کروں تو وہ بھی دو سطحوں میں ہوگا۔ ایک یہ کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا لیکن اس کے قیام کے بعد نہ صرف یہ کہ اُس نظریہ کی طرف عملی پیش قدمی نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس مخالف نظریات کو فروغ حاصل ہوا اور نجی اور سرکاری دونوں سطحوں پر ان کی پشت پناہی ہوئی۔ اس کا جو منطقی نتیجہ برآمد ہونا چاہیئے تھا وہ ہوکر رہا یعنی یہ کہ پہلے یہ دولخت ہوا اور چونکہ اس کے بعد بھی صورتِ حال میں کوئی حقیقی اور واقعی تبدیلی نہیں آئی۔ لہٰذا وہی عمل ہے جو مزید گمبھیر شکل اختیار کر رہا ہے، اور بچے کھچے پاکستان میں بھی شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی ملک وطنی قومیت پر قائم ہو تو وطن پرستی کا جذبہ ہی اس کو سہارا دے گا اور اگر کوئی ملک لسانی قومیت کی بنیاد پر وجود میں آیا ہو تو وہ لسانی قومیت ہی اس کو سہارا دے گی۔ لیکن پاکستان کے لیے کوئی ایسا سہارا موجود نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ایک نظریہ پر ہے اور چونکہ اس کی طرف پیش رفت نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کے منطقی نتائج پیدا ہو کر رہے۔ آج سے بارہ سال پہلے اس کے اساسی نظریے کی تردید سابقہ مشرقی پاکستان میں ہو چکی ہے۔ اس وقت بھارتی لیڈروں نے علی الاعلان کہا کہ نظریۂ پاکستان ختم ہو چکا ہے اور ہم نے ایک ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا لیا ہے۔ اس وقت جو صورتِ حال سندھ میں پیش آئی ہے وہ بھی اسی عمل کا ارتقاء ہے یا اُسی حادثۂ مشرقی پاکستان کی صدائے بازگشت!

لیکن اگر آپ ذرا گہرائی میں اُتر کر دیکھیں گے تو ایک اور بات جو آپ کے سامنے آئے گی وہ یہ ہے کہ ہمارا معاملہ براہِ راست اللہ کے ساتھ ہے۔ ہم نے اس ملک کا مطالبہ اس نعرے کے ساتھ کیا تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ"۔ گویا کہ ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ اگر تو ہم کو یہ ملک عطا فرما دے تو ہم اس میں تیرا قانون نافذ کریں گے۔ اور تیرے دینِ حق کا بول بالا

کریں گے۔ اب یہ جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے کہ جب کوئی قوم
ایسا وعدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور موقع عنایت فرماتے ہیں اور پھر دیکھتے
ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ بفحوائے الفاظ قرآنی "نَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ"
اس طرح ان پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پھر اگر وہ وعدہ خلافی کرتے
ہیں تو اس کی نقد سزا اسی دنیا میں دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ توبہ میں
ذکر ہے کہ کچھ لوگوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو دولت عطا فرما۔ اگر
تو نے ہمیں دولت دی تو ہم تیری راہ میں خوب خرچ کریں گے۔ اور صدقہ وخیرات
اور انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے
ان کو دولت عطا فرمادی اور اپنے فضل سے نواز دیا تو انہوں نے اللہ سے وعدہ
خلافی کی اور بخل کرنے لگے۔ اس پر سورہ توبہ کی آیت نمبر ۷۷ میں فرمایا:

"فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ
بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق ڈال
دیا جو اس دن تک ان کے دلوں میں برقرار رہے گا جب وہ اللہ سے
ملاقات کریں گے۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اس وعدہ کی
خلاف ورزی کی جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا!"۔

ہم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بالکل یہی
معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے کہ ۳۶ سال گزر گئے اور ہم وہیں کھڑے ہیں
جہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا بلکہ اب تو حال یہ ہے کہ منزل کا نشان بھی
نظروں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ اسلام سے مایوسی بڑھتی جا رہی ہے۔ کچھ
عرصہ قبل ہمارے یہاں ایک ایسی حکومت آئی تھی جس نے سوشلزم کو بدنام
کیا اور اس کے بعد کے عرصے میں ہم نے اسلام کے نام کو بدنام کر کے رکھ دیا ہے
اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب کا ایک شدید کوڑا ہماری پیٹھ پر ا ے ا ء میں
برس چکا ہے۔ اب بھی ہمارا طرزِ عمل یہی رہا تو اس کے ویسے ہی نتائج سامنے
آئیں گے۔ اس لیے کہ جیسے کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں ہمارا معاملہ

براہِ راست اللہ کے ساتھ ہے۔ ہم نے اس سے کچھ وعدے کیے تھے۔ پھر ہم نے ان کی خلاف ورزی کی اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ کسی فردِ واحد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ پوری قوم اپنے تمام طبقات سمیت اس جرم میں شریک ہے۔ مختلف افراد اور گروہوں اور اداروں نے اس میں سے اپنے اپنے حصے کا گناہ کمایا ہے۔ اس جرم کی سزا کے طور پر ہم پر جو پہلا کوڑا آج سے بارہ برس قبل پڑا تھا، وہ اتنا شدید تھا کہ ہمارے ایک لاکھ کڑیل جوان قیدی بنے۔ اتنی بڑی شکست اور وہ بھی ہندوؤں کے ہاتھوں جن پر ہم نے ایک ہزار سال حکومت کی ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی گردن کٹی، مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا سینہ چھلنی ہوا، مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی عزت و ناموس کی دھجیاں اڑیں۔ میرے نزدیک اس عذابِ خداوندی کا یہ سب سے زیادہ تلخ پہلو ہے! قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ عذابِ خداوندی کبھی اوپر سے آتا ہے اور کبھی قدموں تلے سے اور ایک تیسری صورت یہ بھی ہے کہ "وہ تم کو گروہوں میں تقسیم کر دے اور آپس میں لڑا دے اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھائے۔ (اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ) اور یہ تیسری صورت پہلے دونوں عذابوں کے مقابلے میں شدید تر ہے۔ یہ شکل بنگلہ دیش میں پیش آ چکی ہے۔ میں یہاں ذکر کر دوں کہ اللہ کا شکر ہے کہ تاحال سندھ میں نئے اور پرانے سندھیوں کے درمیان فساد کی صورت پیدا نہیں ہوئی اور ابھی تک معاملہ قدیم سندھیوں اور حکومت وقت کے مابین ہی ہے۔ لیکن نہ معلوم یہ صورت حال کب ختم ہو جائے۔ اس کے لیے بہت احتیاط اور ہوشمندی کی ضرورت ہے کہ کہیں غلطی سے کوئی ایسا اقدام نہ ہو جائے جس سے قدیم اور جدید سندھیوں یعنی سندھیوں اور مہاجروں یا سندھیوں اور پنجابی آبادکاروں کے مابین تصادم کی صورت پیدا ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو پھر اس کے بہت تلخ نتائج برآمد ہوں گے۔

بہرحال اگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کیا تو یاد رکھیے قرآن حکیم کا ارشاد ہے: عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ

عُدْتُّمْ عُدْنَا" یعنی "تمہارا رب اب بھی تم پر رحم کرنے کے لیے آمادہ ہے۔
وہ تم کو اپنے دامانِ رحمت میں لے لینا چاہتا ہے۔ لیکن اگر تم نے پھر وہی کیا جو
اس سے پہلے کر چکے ہو تو پھر ہم بھی وہی کریں گے جو پہلے کر چکے ہیں"۔ یعنی۔
ہم پہلے بھی سزا دے چکے ہیں اور دوبارہ پھر دیں گے۔ کیونکہ" لَنْ تَجِدَ
لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا"۔ اور" لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا"۔ اللہ کا
قانون نہیں بدلے گا۔ ہاں بچاؤ کی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ تم اپنی روش
بدل لو" اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ"

؎ خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!"

اگر تم اپنی حالت بدل لو گے تو پھر ہم بھی اپنے معاملے کو بدل لیں گے — اور
ہماری رحمت تمہیں اپنے سائے میں لے لے گی!۔

اس موقع پر بے اختیار میرا ذہن منتقل ہو گیا ہے اس واقعے کی جانب کہ
سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جب بھٹو صاحب ماسکو گئے تھے تو وہاں وزیر اعظم کوسیجن نے
استقبالیے میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے کہ جو کچھ ہم نے مشرقی پاکستان
میں کیا، اس پر ہمیں کوئی ندامت نہیں ہے اور اگر دوبارہ وہی حالات پیدا ہو گئے
تو ہم پھر وہی کریں گے جو مشرقی پاکستان میں کر چکے ہیں"۔ گویا کہ ہمارے لیے
معاملہ بیک وقت آسمانی بھی ہے اور زمینی بھی، اللہ کا بھی ہے اور انسانوں کا بھی۔
چنانچہ ایک جانب ہم عذابِ خداوندی کے ازلی و ابدی قانون کی زد میں ہیں۔
دوسری جانب ایک سپر پاور کی واضح اور صریح دھمکیوں کی زد میں ہیں جس کی
سرحدیں اب ہم سے براہِ راست ملحق ہو چکی ہیں۔

ہمارے اس اساسی مسئلے کا اصل اور پائیدار حل یا بالفاظِ دیگر عذابِ خداوندی
کو ٹالنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اپنی سابقہ روش پر حقیقی پشیمانی کے
ساتھ اللہ کی جناب میں رجوع اور صدقِ دل سے توبہ، تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ عہد
یہ کام افراد اپنی اپنی جگہ کریں اور پوری قوم من حیث القوم کرے۔ تب ہی امید
کی جا سکتی ہے کہ رحمتِ خداوندی ہماری جانب متوجہ ہو اور ہمیں از سرِ نو قومی

یک جہتی اور ملکی استحکام کی نعمتیں میسر آجائیں ـــ اور جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں یہ تشخیص و تجویز میں نے پاکستان کے طول وعرض میں اپنے دوروں کے دوران تقریروں اور خطابات عام میں بارہا پیش کی ہے۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کے لیے میں نے پہلے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی اور بعد ازاں تنظیم اسلامی قائم کی۔ اگر آپ نے تنظیم اسلامی کی دعوت پر کبھی غور کیا ہو اور اس کے اساسی لٹریچر کو کبھی دیکھا اور پڑھا ہو تو آپ کے علم میں لازماً ہوگا کہ اس کی اساسی دعوت "تجدید ایمان - توبہ اور تجدید عہد" کی دعوت ہے ۔ ہمارا اصل اور بنیادی پیغام یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی از سرِ نو تجدید کرو اور اپنی سابقہ کوتاہیوں پر صدق دل سے معافی مانگو تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے اور ہمارے شخصی، قومی اور ملکی حالات صحیح نہج اختیار کر لیں۔ بقول جگر مراد آبادی ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

فوری اقدام

اس مستقل اور بنیادی تشخیص و تجویز کے ساتھ ساتھ اس وقت ہم جس فوری اور ہنگامی صورتِ حال سے دوچار ہو گئے ہیں اس کی سنگینی کو ختم کرنے کے لیے فوری اقدامات کے ضمن میں بھی ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں ـــ اور اسی غرض سے آج کے اس اجتماع میں میرے اس خط کی مفصل مطبوعہ نقول تقسیم کی گئی ہیں جو میں نے آج سے پورے آٹھ ماہ قبل (۷، ۸ دسمبر ۱۹۸۲ء کو) صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو ارسال کیا تھا۔ اس سے خدارا یہ تأثر ہرگز نہ لیا جائے کہ میں کسی سیاسی مہم کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں یہ تجویز اس لیے ہرگز پیش نہیں کر رہا ہوں کہ مجھے کوئی سیاسی قدم اٹھانا ہے۔ یہ بات نہ پہلے کبھی میرے حاشیۂ خیال میں آئی اور نہ آج اس کا کوئی امکان ہے۔ اس اجتماع میں اس خط کو پیش کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ اجتماعِ جمعہ ہی میرے رابطۂ عوام کا واحد ذریعہ ہے جہاں بحمد اللہ ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، سیاسی ذہن رکھنے والے لوگ بھی آتے ہیں،

اور خالص مذہبی مزاج کے حامل لوگ بھی آتے ہیں۔ اسی طرح حکومت کے حامی اور مؤید بھی آتے ہیں اور مخالفانہ ذہن رکھنے والے بھی آتے ہیں۔ پھر کچھ ایسے حضرات بھی آتے ہیں جن کی رسائی ایوانِ حکومت تک ہے۔ اسی لیے میں اس مجمع میں یہ تجاویز پیش کر رہا ہوں تاکہ اگر آپ اس کو صحیح سمجھیں اور اس سے اتفاق کریں تو پھر امکانی حد تک اس کو پھیلائیں۔ اور عام کریں اور نہ صرف حکومت کے ذمہ دار لوگوں تک پہنچائیں بلکہ اربابِ سیاست اور مختلف سیاسی جماعتوں کے اہم لوگوں تک بھی پہنچائیں۔ یہ خط آپ کے سامنے موجود ہے۔ اس کے چار حصے ہیں پہلے حصے میں میں نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ میں عام مروجہ معنی میں ہرگز سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرے نزدیک کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہو سکتا۔ بظاہر اس میں ایک تضاد محسوس ہوتا ہے لیکن اس کا سیدھا اور صاف حل یہ ہے کہ ایک ہے انتخابی سیاست جس کا مقصد حصولِ اقتدار ہوتا ہے تو چونکہ میں اس حتمی اور قطعی نتیجے تک پہنچ چکا ہوں کہ موجودہ حالات میں اس کے ذریعے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا اس کو تو میں نے اپنے لیے ممنوعِ محض (OUT OF BOUNDS) قرار دے لیا ہے۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی سے میری علیحدگی بھی اسی بنیاد پر ہوئی تھی۔ اور میں نے جو جماعت قائم کی ہے، اس نے بھی یہ طے کر لیا ہے کہ وہ اس انتخابی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لے گی۔ لیکن ملک و ملت کے مسائل پر غور کرنا، ملکی حالات کا مطالعہ کرنا مشاہدہ کھلے ذہن اور کھلی آنکھوں سے کرنا اور ان پر اپنی رائے دینا ہر ایک شہری کا فرض ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنی ذمہ داری کی ادائیگی سے کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں نے وفاقی کونسل عرف مجلس شوریٰ سے استعفیٰ دیا تو صدر صاحب سے یہی کہا تھا کہ جب میں مروجہ معنی میں سیاسی آدمی نہیں ہوں اور مجلس شوریٰ کو آپ نے سیاسی عمل کا نقطہ آغاز قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا اب میں اس کا رکن نہیں رہ سکتا — البتہ عوام اور حکام دونوں کے غلط کاموں پر تنقید اور دونوں کی اپنی صوابدید کے مطابق رہنمائی اور مخلصانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ از روئے فرمانِ نبویؐ الدّین

النصیحۃ" یعنی دین تو نام ہی نصح و اخلاص اور خیر خواہی و وفاداری کا۔ اور جب پوچھا گیا "لمن یارسول اللہ ؟" یعنی حضور! کس کے ساتھ؟ تو ارشاد ہوا" للہ ولکتبہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتہم یعنی اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص و وفاداری اور مسلمانوں کے اولوالامر اور عوام دونوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی!"

یہی وجہ ہے کہ جب بھی ضرورت ہوئی، میں نے پورے اخلاص و خلوص کے ساتھ رائے دی ہے اور ہر ممکن ذریعے سے اپنا مشورہ بلند ترین سطح تک پہنچا نے کی کوشش کی ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آرہا ہے کہ حقیقی خیر خواہوں اور بہی خواہوں کی بات پر توجہ نہیں دی جاتی۔ بفحوائے الفاظ قرآنی: "وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ" خاص طور پر وہ لوگ جو اقتدار کی کرسی پر متمکن ہو گئے ہوں۔ انہیں عموماً "ناصحین" اچھے نہیں لگتے بلکہ چاپلوسی کرنے والے پسند آتے ہیں اور اکثر و بیشتر ایسے ہی لوگ صاحب اقتدار لوگوں کا قرب حاصل کرتے ہیں جن کو خوشامد اور چاپلوسی کے فن میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں آج کل کچھ ایسی ہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔

اس خط کے دوسرے حصے میں میں نے لکھا ہے کہ جہاں تک اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا معاملہ ہے، اس کے ضمن میں میں آپ سے قطعاً مایوس ہو چکا ہوں۔ آپ نے اس سلسلے میں جتنے اقدامات کیے ہیں، وہ سب نیم دلانہ اقدامات ہیں اور وہ بھی چونکہ اصل وقت گزرنے کے بعد کیے گئے ہیں، لہذا مخالفانہ ردّ عمل ان کی راہ کی رکاوٹ بن گیا۔

تحریک نظامِ مصطفیٰ نے لوگوں میں جو جوش و خروش پیدا کر دیا تھا اگر اس کے فوراً بعد بڑے سے بڑا قدم بھی اٹھایا جاتا تو کسی کو اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی ہرگز جرأت نہ ہوتی۔ میں نے اگست ۸۰ء میں منعقدہ علماء کنونشن میں اپنی تقریر میں بھی یہ بات کہی تھی کہ صاحب صدر! آپ نے بھی وہی غلطی کی ہے جو پاکستان میں برسرِ اقتدار آنے والی پہلی ٹیم نے کی تھی۔ جب پاکستان نیا نیا بنا تھا اس وقت بھی عوام میں ایسا جذبہ موجود تھا کہ بڑے سے بڑا قدم اٹھایا جا سکتا

تھا اور کسی کو چوں کرنے کی جرأت نہیں تھی مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا جذبہ سرد ہوتا چلا گیا اور فتنے کھڑے ہوتے چلے گئے۔ اور بالخصوص فروعی و فقہی اختلافات نفاذِ اسلام کی راہ کا سب سے بڑا پتھر بن گئے کہ کس کا اسلام نافذ کیا جائے شیعہ کا یا سُنّی کا ہے۔ حنفی کا یا وہابی کا؟ ۰۰۰!! اب آپ نے جو چند اقدامات کیے ہیں اوّلاً تو ان میں ترجیحات درست نہیں ہیں۔ دوسرے توازن موجود نہیں ہے۔ یہ معاملہ کسی طرح درست نہیں ہے کہ ایک طرف آپ زنا کی حد جاری کریں اور دوسری طرف ستر و حجاب کے احکام نافذ نہ کریں تو میرے نزدیک یہ دین پر بھی ظلم ہے اور لوگوں پر بھی۔ میں یہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ دین ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کے مابین نہ تجزیہ درست ہے نہ تفریق۔ فرمانِ خداوندی " اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً " کے مطابق آپ کو کُل کا کُل دین قبول کرنا ہوگا۔ اگر آپ اس کے حصّے کریں گے تو یہ بات " اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ " کے مصداق بالکل غلط اور عنداللہ اور عندالناس قطعاً ناقابلِ قبول ہوگی۔

اسی طرح آپ نے شرعی عدالت تو قائم کی لیکن اس کے ہاتھ باندھ دیئے کہ وہ عائلی قوانین کے متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتی۔ گویا کہ وہ کوئی نہایت مقدس دستاویز (SACRED DOCUMENT) ہے۔ آپ اپنے ہی منتخب شدہ علماء اور جج حضرات کو یہ حق نہیں دے رہے ہیں کہ وہ یہ غور کریں کہ ان قوانین کی کوئی شق خلافِ شریعت تو نہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک مزید تضاد سامنے آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرے میں خواتین کے مقام اور مرتبے کے تعین کے بارے میں حکومت کی رہنمائی کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا ہے جس میں تیرہ تو بیگمات ہیں جن کے نظریات و رجحانات سے ہم سب بخوبی واقف ہیں اور مردوں میں سے صرف تین شامل کیے گئے ہیں جن میں سے ایک خالد اسحٰق ہیں دوسرے پروفیسر کرار حسین اور تیسرے جناب زیڈ اے ہاشمی۔ گویا کہ یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ خواتین کے معاملے میں علماء سرے سے کوئی رہنمائی دے ہی نہیں سکتے یا یہ کہ ان کی رہنمائی سرے سے ناقابلِ قبول ہے۔ اس ضمن

ہیں میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ آپ میری بات مانیں اور میرے نظریات پر عمل پیرا ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو مولانا محمد مالک کاندھلوی، مفتی محمد حسین نعیمی، پیر سید کرم شاہ، مولانا تقی عثمانی وغیرہم پر بھی کوئی اعتماد نہیں کہ وہ ازروئے اسلام معاشرے میں خواتین کے کردار کے ضمن میں کوئی رہنمائی فراہم کر سکیں۔ الغرض ــــ یہ ہیں وہ تضادات جن کے باعث موجودہ حکومت کا نفاذِ اسلام کا پورا عمل غیر مؤثر ہی نہیں ہوا بلکہ اُلٹے نتائج برپا کر رہا ہے۔ یعنی یہ کہ عوامی سطح پر اسلام بدنام ہو رہا ہے۔

اب اس خط کے تیسرے حصے پہ نظر ڈالیں اور ان الفاظ کو غور سے پڑھیں۔

"تاہم پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے ضمن میں ایک مشورہ میں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور اصلاً اسی کے لیے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں چونکہ مجھے اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات

اور حالات کے تجزیے اور جائزے سے شدید اندیشہ لاحق ہے کہ مستقبل کا مؤرخ کہیں یہ نہ کہے کہ "۱۹۴۷ء میں پاکستان کے نام سے مسلمانوں کی جو عظیم ترین مملکت وجود میں آئی تھی اُسے اوّلاً تو ۱۹۷۱ء میں دولخت کیا ایک شرابی اور زانی ٹولے نے اور پھر اس کے مزید ٹکڑے ہونے (BALKANISATION) کا حادثہ رونما ہوا ایک پابندِ صوم و صلوٰۃ اور دین دار اور پرہیزگار شخص کے ہاتھوں!!" معاذ اللہ!! ثم معاذ اللہ!!!۔"

میں نے ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو علیحدگی میں بھی صدر صاحب سے یہی بات کہی

تھی کہ آپ نے ملک میں سیاسی عمل کو جس طرح بالکل معطل کر کے رکھ دیا ہے، یہ خوفناک نتائج پیدا کرے گا۔ آپ کے ذہن میں مستقبل کے لیے جو بھی نقشہ اور خاکہ ہے، اس کو عوام کے سامنے لائیں اور اس پر ریفرنڈم کرالیں یا ۱۹۷۳ء ہی کے دستور کے تحت غیر جماعتی بنیاد پر الیکشن کرا کے سول حکومت کو بحال کر دیں۔ بہرصورت تعطل محض ایک تخریبی ذہن پیدا کرنے والی چیز ہے — بالکل ایسے جیسے پانی کا بہاؤ اگر روک دیا جائے تو وہ کسی نہ کسی طرف ضرور رخ کرے گا۔ پھر یہی بات میں نے وفاقی کونسل عرف مجلس شوریٰ میں کہی تھی کہ سیاسی عمل کے زیادہ دیر تک رُکے رہنے سے لوگوں کا ذہن تخریبی رُخ پر کام کرنے لگے گا۔

اب آپ ذرا میرے خط کے صفحہ ۷ و ۸ کو غور سے پڑھیے:۔

"اس ضمن میں اغلباً آپ کے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہ تاحال چل سکی ہے نہ ہی اس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے — اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اس صورت حال سے دھوکہ نہ کھائیے اس لیے کہ اس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبِ وطن بالخصوص دینی و مذہبی مزاج کے لوگ کوئی RISK لینے کو تیار نہیں ہیں۔"

لیکن ایک تو کون نہیں جانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رُونما ہو سکتی ہے اور دوسرے کسی ملک کے بقا و استحکام کے لیے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت اس ملک کے اپنے عوام کا اطمینان ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں بالخصوص اندرون صوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہو گا۔ لیکن میں اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا کہ بعض اوقات صاحبِ اقتدار لوگوں کے اردگرد جن لوگوں کا حصار قائم ہو جاتا ہے وہ اسے صحیح صورتِ حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔

واللہ اعلم!

میرے اندازے میں سندھ میں "سندھودیش" کے لیے میدان پوری طرح اسی طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں "بنگلہ دیش" کے لیے ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دُور اور کٹا ہوا تھا۔ اس لیے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی۔ اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے، لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو بآسانی کچلا جا سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس عامل (FACTOR) پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہمارے سیاسی مبصروں اور تجزیہ نگاروں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ اس سبب کو بیان کیا تھا کہ پاکستان میں (ایوب خان مرحوم کے) مارشل لاء کے نفاذ نے وہاں کے لوگوں میں سیاسی محرومی کا احساس پیدا کر دیا تھا اور علیحدگی پسندوں کے ہاتھ میں سب سے بڑی دلیل یہ آ گئی تھی کہ فوج چونکہ ساری مغربی پاکستان کی ہے لہٰذا فوج کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان پر حکومت کر رہا ہے — آج بعینہٖ یہی دلیل سندھ کے علیحدگی پسند لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ فوج کا اکثر و بیشتر حصہ پنجاب سے ہے۔ اور کچھ تھوڑا سا سرحد سے۔ لہٰذا مارشل لاء کے پردے میں اصلاً "پنجاب" ہم پر حکومت کر رہا ہے۔ اور ہر گزرنے والا دن اس دلیل کو قوی سے قوی تر کر رہا ہے — !

بنا بریں میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا اس تعطل کو جلد از جلد رفع کرنے کی جانب واضح پیش قدمی فرمائیے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آتش فشاں پھٹ پڑے اور پھر ملک و ملت کے کسی بھی بہی خواہ کے کیے کچھ نہ ہو سکے۔!!

اس تمہید کے بعد خط کے صفحات ۹، ۱۰ میں وہ تجویز درج ہے جو میں نے سیاسی تعطل کو ختم کرنے کے لیے پیش کی تھی۔

اس تجویز کے بارے میں اوّلین بات یہ نوٹ کرلی جائے کہ یہ آج سے آٹھ
ماہ قبل پیش کی گئی تھی۔ اگر اس پر اُسی وقت عمل شروع ہوجاتا تو آج یقیناً
صورتِ حال مختلف ہوتی اور عوامی سیاست کی گاڑی صحت مند خطوط پر
آگے بڑھ رہی ہوتی۔ لیکن افسوس کہ اس پر نہ تو اربابِ حکومت نے غور کیا نہ
اہالیانِ سیاست نے ہی اسے درخورِ اعتنا جانا۔ نتیجتہً ملکی سیاست میں
محاذ آرائی کا رنگ شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا جس نے میرے تجزیے کے عین
مطابق سندھ میں دھماکہ خیز صورت اختیار کرلی۔

گذشتہ ماہ تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت میں ہم نے ملکی صورتحال
پر از سرِ نو غور کرکے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اب اس تجویز پر عمل کا وقت گذر گیا ہے۔
چنانچہ اب ہم اسے پیش نہیں کریں گے۔ بلکہ ہمارا موقف بھی وہی ہوگا جو ملک
کے کم و بیش تمام سیاسی گروہوں کا ہے۔ یعنی یہ کہ ۷۳ء کا دستور فوراً بحال
کیا جائے اور انتقالِ اقتدار کے لیے انتخابات کرادیئے جائیں۔ اگرچہ ہم اپنی
ترجیحات کے پیشِ نظر اس سلسلے میں کسی تحریک میں عملی حصہ نہیں لیں گے۔

لیکن اب جو سندھ کی موجودہ صورتِ حال سامنے آئی جس کی تیزی و
تندی خود میرے اندازوں سے بہت زیادہ ہے تو ہم نے از سرِ نو غور کیا اور
لاہور میں موجود ارکانِ مجلسِ مشاورت سے مشورے کے بعد میں نے طے کیا کہ
اس تجویز کو دوبارہ زیادہ وسیع پیمانے پر سامنے لایا جائے۔ اس لیے کہ موجودہ
حالات میں یہی واحد ممکن "درمیانی راہ" ہے ـــ حکومت خواہ کوئی بھی ہو اقتدار
سے بآسانی دستبردار نہیں ہوا کرتی اور کسی فوجی حکومت سے اقتدار واپس حاصل
کرنا تو بالعموم شیر کے منہ میں سے نوالہ نکالنے کی کوشش کے مترادف ہوتا ہے
اور کسی عوامی ایجی ٹیشن کے آغاز کے بعد تو یہ دستبرداری مزید مشکل ہوجاتی
ہے۔ اس لیے کہ اسے اعترافِ شکست پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

**لہٰذا اگر ہمارے موجودہ فوجی حکمران ۷۳ء کے آئین کو
من و عن بحال کرکے فوری انتقالِ اقتدار کے لیے الیکشن
کرانے کے مطالبے کو مان لیں تو یہ ان کا ایک حد درجہ**

غیر معمولی ایثار اور ہر اعتبار سے تاریخی اور مثالی کارنامہ ہوگا۔
لیکن اگر بوجوہ وہ ایسا نہ کر سکیں تو کیا کیا جائے؟ کیا محاذ آرائی کی موجودہ صورت کو منطقی نتائج تک پہنچنے دیا جائے۔ یا کوئی اور صورت موجود ہے؟ مجھے اس وقت وہ عبرت آموز قصہ یاد آ رہا ہے کہ دو عورتیں ایک بچے کی دعویدار تھیں۔ ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ بچہ اس کا ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی اپنے دعویٰ سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھی۔ ساتھ ہی کوئی دوسرے شواہد بھی موجود نہ تھے۔ تو قاضی صاحب نے فیصلہ دے دیا کہ بچے کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا دونوں کو دے دیا جائے۔ اس پر اصل ماں دستبردار ہو گئی اور اس نے کہہ دیا کہ بچہ دوسری عورت کو دے دیا جائے۔ اس طرح اصل ماں کی پہچان ہو گئی۔ آج ہمارا ملک کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ تو کاش کہ کوئی ایک فریق اس ملک کی "اصل ماں" کا کردار ادا کر سکے۔ لیکن شدید اندیشہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو جیسے ۱۷ء میں ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ اب پھر فوراً نہیں تو کچھ عرصے بعد ملک کے مزید ٹکڑے ہو کر رہیں گے۔ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!! — لہٰذا شدید ضرورت ہے کہ کچھ لوگ درمیان میں آئیں اور فریقین کو کسی درمیانی راہ پر متفق کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں میں نے جتنا غور کیا ہے اپنی اس آٹھ ماہ قبل کی پیش کردہ تجویز کے سوا کوئی اور درمیانی راہ سامنے نہیں آئی، لہٰذا اسی کو دوبارہ پیش کر رہا ہوں۔

اس تجویز کا اصل الاصول اور مبنیٰ و مدار یہ ہے کہ یہ بات سب کو مان لینی چاہیے کہ اس ملک کے آئندہ نظام کے فیصلے کا حق یہاں کے عوام کو حاصل ہے کسی فردِ واحد کو نہیں۔ کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ دعوےٰ کرے کہ میں اس قوم یا ملک کے آئندہ نظام کا فیصلہ کر سکتا ہوں۔ یہ حق اس ملک کے رہنے والوں کو مجموعی طور پر حاصل ہے کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ نظامِ حکومت کیا ہو — ختمِ نبوت کے عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص ذاتی حیثیت میں مامور من اللہ نہیں ہے کہ اس کا حکم واجب الاطاعت بن جائے۔ رسالت کا باب ختم ہو چکا اب تو "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"

کا وعدہ ہے اور اس کا تقاضا اس طرح ہرگز پورا نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنی پسند کے کچھ لوگ اپنے گرد جمع کر لیں اور ان سے ڈیسک بجوا کر اپنے کسی منصوبے یا خاکے یا ڈھانچے کی تائید و تحسین حاصل کر لیں اور مطمئن ہو جائیں کہ پوری قوم کی طرف سے تائید ہو گئی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صدر صاحب کے پیش کردہ خاکے یا ڈھانچے سے ہمارے ملک میں جملہ دستوری مسائل از سرِ نو اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ گویا کہ صدر صاحب نے دستور کا صندوقچہ (Pandoras Box) خود کھول دیا ہے اور اس طرح دستور کے جملہ اہم مسائل کے ضمن میں از سرِ نو بحث چھیڑ دی ہے۔ حتیٰ کہ پارلیمانی اور صدارتی نظام کا معاملہ بھی زیرِ بحث آگیا ہے۔ میں یہاں یہ عرض کر دوں کہ میں خود صدارتی نظام کے حق میں ہوں اور میری ذاتی رائے یہ ہے کہ صدارتی نظام، اسلامی نظامِ حکومت سے زیادہ قریب ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں فیصلے کا اختیار کس کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ عوام کی کثرتِ رائے سے ہوگا نہ کہ کسی کی شخصی رائے سے۔ آپ اگر پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ اس ملک کے لیے کسی ایک نظام کو بہتر اور صحیح تر سمجھتے ہیں تو آپ کے لیے واحد ممکن اور صحیح راستہ یہ ہے کہ اس ملک کے عوام کو اس کا قائل کیجیے۔ آخری فیصلے کا اختیار بہرحال ان ہی کو حاصل ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک الیکشن بغیر کسی تاخیر کے تین ماہ کے اندر اندر ایک منتخب مجلس شوریٰ یا مجلس ملی کے لیے ہو جو ان دستوری مسائل کے ضمن میں فیصلہ کرے۔ یہ الیکشن بالکل انہی خطوط پر ہوں جن پر کہ ۷۷ء کا الیکشن ہوا تھا۔ جس میں تمام سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا تھا سوائے اس ایک فرق کے کہ یہ انتخاب غیر جماعتی بنیاد پر ہوں اور اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ تشکیلِ حکومت کے لیے ہوگا ہی نہیں بلکہ صرف ان دستوری مسائل کو حل کرنے کے لیے ہوگا جو حکومت اور سیاسی جماعتوں کے مابین بنائے نزاع بنے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ ہماری فوج اور جنرل صاحبان اور خود صدر صاحب بھی ہماری اپنی قوم کے اجزاء ہیں۔ قوم

کے دوسرے طبقات و افراد کی طرح انہیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ فلاں چیز میں قوم کی بھلائی ہے اور قوم کے لیے فلاں چیز مفید ہو سکتی ہے لیکن ان کی یہ رائے بھی صرف مشورے کی حد تک ہو سکتی ہے۔ اپنا مشورہ وہ قوم کے سر زبردستی تھوپ نہیں سکتے۔ فیصلے کا حق صرف عوام کو حاصل ہے۔

جب میں میڈیکل کالج میں زیرِ تعلیم تھا تو اس زمانے میں جمعیت طلبہ کے کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے طلبہ کے جریدے پندرہ روزہ "عزم" کی ادارت کے فرائض میرے ذمے تھے۔ اس میں دستور سے متعلق مختلف آراء شائع کی جاتی تھیں جن کا مستقل عنوان میں نے اس شعر کو بنا رکھا تھا ؎

اس سوچ میں کلیاں زرد ہوئیں اس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئین گلستاں کیا ہو گا دستور بہاراں کیا ہو گا"

یہ ۵۳-۱۹۵۲ء کی بات ہے اور اب ۸۳ء ہے۔ گویا پورے تیس اکتیس سال کا عرصہ بیت گیا لیکن ہم ہیں کہ "زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مصداق وہیں کے وہیں کھڑے ہیں۔ لیکن اب ہمیں یہ چاہیئے کہ لوگوں کو کھلا اختیار دے دیں کہ وہ طے کر سکیں کہ انہیں کونسا نظام چاہیئے۔ شاید آپ یہ گمان کریں کہ اس میں بہت بڑا خطرہ مضمر ہے کہ کہیں لادینیت کے علمبردار یا علاقائیت پرست افراد کی اکثریت منتخب نہ ہو جائے۔ اگر بالفرض والمحال ایسا ہے تو آپ کو کیا حق ہے کہ ان پر ان کی مرضی کے خلاف کوئی نظام مسلط کریں۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی "اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ "، لیکن میرے نزدیک ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس ملک میں محبتِ دین اور محبتِ وطن افراد کی یقیناً اکثریت ہے اور اگر انہیں آزادانہ ماحول اور مناسب فضا میں موقع دیا جائے تو وہ لازماً پاکستان اور اسلام کے حق میں رائے دیں گے لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب مسئلہ سیاسی یا معاشی حقوق کا چھڑ جاتا ہے اور لادینیت کی علمبردار اور علاقائیت پرست اور علیحدگی پسند قوتیں سیاسی یا معاشی حقوق کی دہائی دیتی ہوئی سامنے آتی ہیں تو محبتِ دین اور محبتِ وطن عناصر اس دلیل کے آگے بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اور انہیں اس شور و غوغا میں کہ یہ ہمارے

حقوق کا مسئلہ ہے اور ہمارے حقوق پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے، خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یہی وہ دلیل ہے کہ جس نے مشرقی پاکستان میں بھی متحدہ پاکستان کے حامی عناصر کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا اور آج یہی حقوق کا نعرہ سندھ میں لگ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی اسلام اور پاکستان کے چاہنے والے اکثریت میں ہیں لیکن وہ لوگ اسی دلیل کی وجہ سے غیر مؤثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اصولاً ان کی دلیل بڑی قوی ہے۔ آپ جب تک ان کو اس کا تسلی بخش جواب نہیں دیں گے، اُس وقت تک حالات صحیح نہیں ہو سکتے۔ آج کل تو بعض حضرات CONFEDERATION کی بات کر رہے ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ بات آگے بڑھی تو شاید وہ اس کی بات بھی نہ کریں۔

آج ہم غور کریں تو قلب کی گہرائیوں سے کیسی شدید حسرت آمیز تمنا برآمد ہوگی کہ کاش کہ ۱۹۷۰ء میں مغربی اور مشرقی پاکستان کا (CONFEDERATION) بن گیا ہوتا تو وہ صورت موجودہ صورت حال سے کتنی بہتر ہوتی۔ اب ہم سندھ میں پھر اسی قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ اگر ہم نے ماضی کے تجربے سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہ سخت ناعاقبت اندیشی ہوگی۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اس ملک کے عوام کو ایک بھرپور موقع دیں کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ طے کر سکیں کہ اس ملک کی منزل اسلام ہے، کعبہ ہے یا کچھ اور۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ سوال واضح اور دو ٹوک طور پر لوگوں کے سامنے آئے تو مختلف طبقوں اور گروہوں کی صف آرائی (POLARISATION) موجودہ تقسیم سے بالکل مختلف ہوگی۔ یعنی ایک طرف وہ لوگ ہوں گے جو اس ملک کی منزل اسلام ہی کو قرار دیتے ہیں اور اسی نصب العین کے پیشِ نظر پاکستان کی سالمیت اور اتحاد کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے جو کسی دوسرے نظام یا "ازم" کے علمبردار ہیں اور اسی کی جانب پیش قدمی کے لیے علاقائیت پرستی اور علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ہوا دے رہے ہیں۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے تو جو لوگ اسلام اور پاکستان دونوں پر پختہ یقین رکھنے والے ہیں ان پر لازم ہوگا کہ وہ دوبارہ

تحریکِ پاکستان کے سے جوش وخروش کے ساتھ میدان میں آئیں اور اس ملک کے قبلے کو از سرِ نو درست کریں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ صرف طالع آزما لیڈروں کا کھیل بن کے نہ رہ جائے بلکہ اس میں اسلام اور پاکستان سے محبت کرنے والا ہر شخص بھرپور حصّہ لے۔ لیکن اگر اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کیا گیا اور قوت کے ساتھ لوگوں کو کچلا گیا اور طاقت کی دلیل کے بل پر بات منوائی گئی تو یہ زخم بہت گہرے ہوں گے اور اس کے لازمی نتائج کے طور پر اسلام اور پاکستان کے حامی عناصر مفلوج اور بے بس ہوتے چلے جائیں گے۔ مَیں حیران ہوں کہ سندھ میں ایم۔آر۔ڈی کا ایک اہم اور فعّال عنصر جمعیت علمائے اسلام سے وابستہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس کے رہنماؤں میں ایک اہم شخصیت مولانا عبدالکریم بیر شریف والے ہیں جن کے تقویٰ اور تدیّن کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ لیکن وہ ایم۔آر۔ڈی کی تحریک کے سندھ کے علاقے میں اہم ترین رہنما ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگ اس تحریک میں کیوں شامل ہیں؟ صرف اسی دلیل کی وجہ سے کہ ہمارے حقوق دبائے جارہے ہیں اور ان حقوق کے حصول کے لیے ہمیں لڑنا پڑے گا۔ وہ چاہیں تو دلیل میں یہ حدیث نبوی پیش کرسکتے ہیں کہ "من قتل دون مالہٗ فھو شھید" یعنی جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہُوا مارا جائے وہ شہید ہے تو وہ اس دلیل کو اس میں کیوں پیش نہیں کرسکتے کہ جو لوگ اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد میں مارے جائیں وہ بھی شہید ہیں۔ عوام میں ان لوگوں کا جو اثر و رسوخ ہے، اس کا کون مقابلہ کرسکتا ہے۔

مَیں نے اپنے خط میں یہ بات واضح طور پر لکھ دی ہے کہ اس ملک کے آئندہ نظام کا فیصلہ کرنا صاحبِ صدر یا ان کے رفقائے کار کا کام نہیں ہے۔ آخر یہ اختیار آپ کو کس نے دیا ہے؟ اگر جواب میں وہ یہ کہیں کہ مجھے اس کی اجازت سپریم کورٹ نے دی ہے تو مَیں عرض کرتا ہوں کہ اوّل تو سپریم کورٹ نے آپ کو یہ اجازت بہت سی شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ دی تھی۔ پھر آپ نے تو سپریم کورٹ پر عبوری دستوری حکم نامہ (P.C.O.) نافذ کردیا جس کی وجہ سے ہماری عدلیہ ہمارے قابل ترین اور تجربہ کار ترین جج صاحبان کی خدمات

سے محروم ہو گئی۔ اسی لیے بہتر یہی ہے کہ آپ لوگوں کے حقوق اور اختیارات ان کو لوٹا دیجیے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بات آدمی کے لیے بڑے اطمینان کا باعث بنتی ہے کہ میرے حقوق میرے ہاتھ میں ہیں اور میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اس سے بہت سے منفی جذبات اور زخمی احساسات میں ٹھنڈک سی پڑ جاتی ہے اور انسان زیادہ نارمل انداز میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے قاتل کی جان مقتول کے ورثا کے ہاتھ میں دے دی ہے کہ تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو جان کے بدلے جان لے لو۔ چاہو تو اُسے ویسے ہی معاف کر دو۔ اور چاہو تو خون بہا لے کر اس کی جان بخشی کر دو۔ اس سے جو احساس پیدا ہوتا ہے کہ قاتل کی جان ہمارے ہاتھ اور اختیار میں ہے تو اس سے ان کے دلوں میں سلگنے والی انتقام کی آگ کسی حد تک ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اس طرح بہت سی تلخی از خود رفع ہو جاتی ہے۔

میرے نزدیک قیام پاکستان عالمی سطح پر اسلام کے احیاء اور غلبہ کی خدائی تدابیر کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے اور اس احیاءِ اسلام کے رول کا حق ادا کرنا تمام مسلمانانِ پاکستان کی مشترک ذمہ داری ہے۔ یہ ملک پوری امتِ مسلمہ میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے۔ ہم ان ساری چیزوں کو بھول گئے ہیں۔ اس لیے میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ میرے اس خط کو پڑھیے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھیے اور اگر سمجھ میں آجائے تو پھر اس کو عام کیجیے۔ میں خاص طور پر مسلم لیگی ذہن رکھنے والے حضرات کو دعوت دوں گا کہ وہ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور تحریکِ پاکستان کے جذبے اور جوش و خروش کے احیاء کے لیے ایک بار پھر کمر بستہ ہو جائیں۔ شاید کہ اس طریقے سے نہ صرف یہ کہ ملک کے تحفظ کی صورت بن جائے اور جو فوری خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے وہ رفع ہو جائے بلکہ مثبت طور پر قوم کو اپنی منزل کا دوبارہ سراغ مل جائے ـــ اور ملک و ملت کا قافلہ ــــ "یہ تا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!" کے انداز میں منزل کی جانب رواں ہو جائے۔

یہاں میں اپنے ایک وجدانی احساس کا ذکر بھی کر ہی دوں۔ جس کا تذکرہ میں نے صدر صاحب کے نام اپنے خط کے اختتام پر کیا تھا۔ یعنی :۔

"قرآن حکیم میں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مصر کے طویل دورِ غلامی کے نتیجے میں ان میں سیرت و کردار کا جو زوال و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا، وہ چالیس برس کی صحرا نوردی کے بعد رفع ہو سکا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی آزادی کے بعد بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرائے تیہہ، میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس کے لگ بھگ ہونے کو آئے ہیں تو کیا عجب کہ اب اس بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا سُراغ مل ہی جائے۔!! اور مملکتِ خداداد پاکستان عالمی سطح پر احیاءِ اسلام اور غلبۂ دین کے انقلاب آفریں عمل کے ضمن میں اپنے مثبت کردار کو ادا کرنے کے لیے کمر بستہ اور سرگرم عمل ہو ہی جائے۔!!! وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ہ"

پاکستان میں ابھی کافی لوگ ایسے موجود ہیں جنہوں نے پاکستان کی تحریک میں اپنا پسینہ بہایا تھا بلکہ ابھی ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کے لیے زخم کھائے اور اپنے خون کا ہدیہ پیش کیا۔ ایسے بھی ہیں جن کے پورے پورے خاندان شہید ہو گئے تھے۔ میں ان سب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آگے آئیں اور دوبارہ قوم کی رہنمائی کریں اور تحریکِ پاکستان کے اصل جذبے کو از سرِ نو تازہ کرنے کے لیے اپنی قوتیں اور صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی اور مختلف مکاتیب فکر کے علماء کی تنظیمیں ہیں، یہ سب مل کر پاکستان و اسلام کی حفاظت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں اور خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی پارٹی کی دشمنی کو اپنا اصل ہدف نہ بنالیں۔ منفی سیاست کا معاملہ بہت خطرناک ہوگا۔ مثبت بات پیش کیجئے اور خاص طور پر اسلام اور نظریہ پاکستان کی بات کو آگے لائیے اور تشکیل حکومت کے مسئلے کو فی الحال پس منظر میں لے جائیے۔ اس وقت اصل چیز اس ملک کی منزل کا تعین ہے۔

مجھے امید واثق ہے کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے جو میں نے پیش کی ہے،

تو ان شاء اللہ پھر "بھٹکے ہوئے راہی" کو اپنی اصل کا نشان مل جائے گا اور گویا کہ "تحریک پاکستان" کا از سرِ نو احیاء ہو جائے گا۔ لیکن بصورت دیگر جبر اور تصادم کی سیاست اور یہ خیال کہ ہمارے پاس طاقت ہے ہم ہر مخالفت کو کچل سکتے ہیں، اس طرح کی باتیں کی گئیں تو جانے والے تو چلے جائیں گے اصل نقصان اس ارضِ پاکستان کو پہنچے گا اور اس مقصد کو پہنچے گا کہ جس کے لیے اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا۔

مَیں نے یہ ساری گذارشات آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ کہ نہ معلوم پھر موقع ملتا ہے کہ نہیں ملتا۔ ہمیں نہ تو کوئی نعرہ لگانا ہے، نہ جلوس نکالنا ہے نہ کہیں جا کر ہنگامہ برپا کرنا ہے۔ یہ خط آپ کے ہاتھ میں ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور جس کا جہاں جہاں اثر و رسوخ ہو اس کو وہاں وہاں پہنچائیے۔ اس میں پیش کیے جانے والے حل پر گفتگو بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے محاسن کیا ہیں۔ اس کے نتائج کیا ہیں۔ مَیں نے ایک مخلص اور محبِ وطن پاکستانی اور دین کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے اس مسئلے پر غور و خوض کرنے کے بعد صورتِ حال کا حل آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ بات پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ یہ خط، اگست ۱۹۸۲ء کا لکھا ہوا ہے اور اس وقت بھی یہ اچانک اور فوری طور پر تحریر میں نہیں آ گیا تھا بلکہ میرے تقریباً سال بھر کے غور و خوض کا حاصل تھا۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
(الحدید: ۲۵)
اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔

تصریحات و توضیحات

—— اسرار احمد

(۱)

جریدہ "عرب نیوز" میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا ایک مفصل انٹرویو شائع ہوا تھا جو "عرب نیوز" کے چیف ایڈیٹر جناب خالد المعینا نے لیا تھا۔ معاصر "جنگ لاہور" نے اپنی اشاعت بابت ۱۹ر اگست ۸۳ء میں اس کے انگریزی متن کا عکس شائع کیا۔ اس انٹرویو میں دو سوالات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں بھی تھے۔ ان کے جو جوابات مبینہ طور پر صدر پاکستان نے دیئے ان کا نہ صرف یہ کہ مجموعی انداز کردار کشی کا رنگ لیے ہوئے ہے بلکہ اس میں مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں پیش آمدہ ایک واقعے کا ذکر بالکل خلافِ واقعہ انداز میں ہوا ہے۔ اس پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک وضاحتی بیان پریس کو جاری کیا — ذیل میں ہم جریدہ "عرب نیوز" میں شائع شدہ متعلقہ سوالات اور ان کے جوابات کا عکس اور ڈاکٹر صاحب کا بیان شائع کر رہے ہیں —— ادارہ

Q: There are statements by some people, which are attributed to the government. For example, the statements of Dr. Israr Ahmad.

A: Now you see, Dr. Israr is a controversial figure. I happened to know Dr. Israr 15 years ago and I know him as an Islamic scholar, as a Qur'anic scholar — not Islamic, Qur'anic scholar. He used to describe the 'Tafseer' of the Qur'an on Friday mornings. I also went sometimes, in Lahore, Karachi sometimes. That is how I knew Dr. Israr. When we started this Islamization process, we were looking for individuals who are — so, we picked Dr. Israr. Dr. Israr came on television. He never spoke anything other than the 'Tafseer' of the Qur'an and in very clear

terms. Unobjectionable, non-controversial issues. The same Dr. Israr, when he comes out of television and stands up in Lahore and asks me to stop cricket, the same Dr. Israr goes up in a meeting in Karachi and says "ban the women's organizations." So, he is a controversial figure and one you should not take seriously. I only respect Dr. Israr for his knowledge of the Qur'an, and that is all. But even there we came to know a little later his controversial sayings and that is why he is a man who is controversial and we can't bring him.

Q: I think his demand for stopping cricket must have created more alarm than many of his other demands.

A: And you know, it happened face to face. It is not that he sent me a message. I was in Lahore on a Friday, I went to a mosque close by where Dr. Israr was present. So, we said Juma'a prayers together, and when after the prayers, when we were having *dua*, Dr. Israr stood up, there were 400 or 500 people, and he said: "Mr. President, can I have your permission to say something.?" I thought, he is probably going to talk what is Islam and I said, "Yes, Dr. Israr." So, he stood up and said "My dear countrymen, my dear brothers in Islam, in your presence, I am going to request the president of Pakistan for one favor, for one thing good that we can do in this country." I was very excited. I said, "What?" And he said, "Mr. President, may I request you to please stop cricket in Pakistan, because for five days during the match, people forget everything, including Namaz? Ban cricket." I listened to him and I walked out.

وضاحتی بیان

میں بلتستان کے دعوتی دورے سے واپس لاہور آیا تو میرے علم میں وہ باتیں آئیں جو جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے جریدہ "عرب نیوز" کو انٹرویو دیتے ہوئے میرے بارے میں ارشاد فرمائیں۔ ان میں سے بعض باتیں ذاتی نوعیت کی ہیں جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے لیکن ایک معاملہ خالص واقعاتی نوعیت کا ہے جس کی تصحیح ضروری ہے۔

جہاں تک صدر صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ میں عالم دین نہیں ہوں تو وہ بالکل درست ہے، بلکہ انہوں نے جو مجھے "قرآنی سکالر" قرار دیا ہے تو فی الواقع میں اس خطاب کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ میں تو زیادہ سے زیادہ قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم اور دین کا حقیر خادم ہوں۔ بہرحال مطالب قرآنی کی تفہیم و اشاعت کے ضمن میں صدر صاحب نے جو تحسین آمیز کلمات میرے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں میں ان پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

لیکن کرکٹ کے بارے میں میری ایک بالمشافہ درخواست کا ذکر اس انٹرویو میں جس انداز میں آیا ہے وہ یکسر خلافِ واقعہ اور صد درجہ مغالطہ آمیز ہے ___ واضح رہے کہ یہ واقعہ مسجد دارالسلام باغِ جناح میں پیش آیا تھا۔ جہاں میں عرصۂ دراز سے خطابت و امامتِ جمعہ کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔ چنانچہ نہ وہاں میری موجودگی اتفاقی تھی نہ صدر صاحب کی آمد اچانک ہوئی تھی۔ بلکہ صدر صاحب وہاں پورے سرکاری اہتمام اور سیکیورٹی وغیرہ کے انتظامات کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ پھر جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ بھی نماز کے خاتمے اور دعا کے بعد اچانک کھڑے ہو کر اور ان سے اجازت طلب کر کے نہیں کیا تھا بلکہ "الدین النصیحۃ"[ؒ] کے فرمانِ نبوی کا پر عمل کرتے ہوئے میں نے نمازِ جمعہ سے قبل مستقل خطاب میں خالصتہً خیرخواہی کے جذبہ کے تحت ان کی خدمت میں چند گذارشات پیش کی تھیں۔ ان میں سے ایک بات کرکٹ کے کھیل کے بارے میں تھی کہ اس کے باعث قوم کا بہت سا وقت اور پیسہ ضائع ہوتا ہے اور ہم اس عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا اسے ملک بدر کر دیا جائے دوسری بات خواتین کی ہاکی ٹیم کے بارے میں تھی۔ مزید برآں کچھ باتیں عائلی قوانین اور ستر و حجاب کے احکام کی تنفیذ کے بارے میں تھیں۔

الحمد للہ کہ صدر صاحب نے میری پوری تقریر نہایت صبر و سکون کے ساتھ سنی تھی اور ایسا ہرگز نہیں ہوا تھا کہ وہ میری بات سن کر مسجد سے باہر نکل گئے ہوں بلکہ میری تقریر کے بعد انہوں نے میری امامت میں نمازِ جمعہ ادا کی، اس کے بعد مجھ سے معانقہ کیا۔ خیریت دریافت کی، میری باتوں پر غور کرنے کا وعدہ فرمایا، اور پھر پورے وقار کے ساتھ اور نہایت خوشگوار ماحول میں مسجد سے رخصت ہوئے۔

پھر یہ تاثر بھی قطعاً خلافِ واقعہ ہے کہ کرکٹ کے بارے میں اس اظہارِ خیال یا مطالبے سے میں یکدم متنازعہ شخصیت بن گیا تھا اور اسی وجہ سے صدر صاحب نے مجھ سے دوری اختیار کر لی تھی۔ اصل واقعات یہ ہیں کہ مسجد دارالسلام کا یہ واقعہ ۲۸ نومبر کو پیش آیا تھا اور اس کے بعد ہی صدر صاحب کی خصوصی ہدایات پر پاکستان ٹیلیویژن

ؒ حدیثِ نبویؐ، ترجمہ "دین تو خیرخواہی کا نام ہے"

ٹیلیویژن نے " الہدیٰ" کا پروگرام طے کیا جو اپریل ۱۹۸۱ء سے جون ۱۹۸۲ء تک پورے پندرہ ماہ جاری رہا، خود صدر صاحب نے بنفسِ نفیس مجھے "ستارۂ امتیاز" عنایت فرمایا، ایک ذریعے سے مجھے مرکزی وزارت میں شمولیت کی دعوت دی اور اس سے میرے انکار پر بالآخر مجھے وفاقی کونسل عرف مجلسِ شوریٰ کے لئے نامزد کیا۔

"رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند" کے مصداق اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر کسی شخص کو کسی خدمت کا موقع دینے یا نہ دینے کا اختیار حکمرانوں کو حاصل ہوتا ہے جس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے ـــــ لیکن اس ضمن میں خلافِ واقعہ باتوں کا صدرِ مملکت ایسی اہم شخصیت کی جانب منسوب ہونا یقیناً بہت معیوب ہے اسی لئے میں نے یہ پوری وضاحت قوم کے سامنے پیش کر دی ہے۔

رہا کسی کا متنازعہ شخصیت بن جانا، تو میں حیران ہوں کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو بالکل غیر متنازعہ ہو۔ سوائے اس کے جس کا سرے سے کوئی اصول ہی نہ ہو، یا اس منافق کے کہ جس کے نفاق کا پردہ ابھی چاک نہ ہوا ہو۔ ـــــ اس سلسلہ میں صدر صاحب اگر ذرا خود اپنے بارے میں غور فرمالیں کہ وہ کتنی متنازعہ یا غیر متنازعہ شخصیت ہیں تو میرے خیال میں کم از کم اس ضمن میں کوئی ابہام باقی نہ رہے گا۔

خاکسار

اسرار احمد

۸۳ ـ ۸ ـ ۲۵

ـــــ (۲) ـــــ

فقہی سوالات کے جواب سے معذرت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باعث تحریر آنکہ:

بعض اسباب، بالخصوص ٹیلیویژن پروگرام "الہدیٰ" کے باعث میرے

ایک وسیع حلقے میں تعارف کی بنا پر بہت سے حضرات کی جانب سے میرے نام فقہی مسائل کے ضمن میں سوالات پر مشتمل خطوط کثرت سے آنے لگے ہیں - اس ضمن میں حسبِ ذیل تصریحات ضروری ہیں :

میں معروف معنی میں 'عالمِ دین' ہونے کا بھی ہرگز مدعی نہیں ہوں کجا یہ کہ فقیہ یا مفتی ہونے کا دعویدار ہوں - میری اصل حیثیت کتابِ الٰہی کے ایک حقیر طالب علم اور دینِ حق کے ایک ادنیٰ خادم کی ہے - اور میرا تمام تر علم و فہم اسلاً دین کے مباحث ہی سے متعلق ہے - البتہ ان کے ضمن جو شعور اللہ کے فضل و کرم سے مجھے حاصل ہوا ہے اس پر میں بحمداللہ خود بھی امکانی حد تک عمل پیرا ہونے کی کوشش کر رہا ہوں اور اُسی کو حتی المقدور عام کرنے کی سعی بھی کر رہا ہوں — گویا میری سعی و جہد کا اصل میدان تحقیق و تدقیق یا افتاء و اجتہاد نہیں بلکہ دعوت و اقامتِ دین اور جہاد و انفاق فی سبیل اللہ کا ہے -

یہی وجہ ہے کہ اپنے پیشِ نظر مقاصد کی تکمیل کے لئے جو جماعت میں نے 'تنظیم اسلامی' کے نام سے قائم کی ہے اس میں شامل ہونے والے حضرات مجھ سے سمع و طاعت فی المعروف اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت تو کرتے ہیں لیکن فقہی معاملات میں میری پیروی کے ہرگز پابند نہیں ہیں - بلکہ 'تنظیم اسلامی' میں ہر شخص کو کھلی آزادی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ جس فقہی مسلک کی چاہے پیروی کرے بلکہ سلوکِ باطنی کے ضمن میں بھی جس سلسلے میں اور جس صاحبِ ارشاد بزرگ سے چاہے منسلک ہو جائے -

لہٰذا میں ان تمام احباب سے جن کا مجھ سے دینی اعتبار سے کسی بھی درجے میں حسنِ ظن یا دلی محبت کا تعلق قائم ہو بصد ادب درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے فقہی مسائل و معاملات میں بالکل نہ گھسیٹیں اور ایسے تمام سوالات کے جواب سے معذور سمجھیں بلکہ ان معاملات میں اپنے اپنے مسلک اور مکتبِ فکر کے علماء اور مفتی حضرات سے رجوع فرمائیں — اور میرے ساتھ اپنے کل تعلقِ خاطر کے رُخ کو دین کے بنیادی فرائض کے فہم و شعور اور اُن کی ادائیگی کے لئے جان و مال کے صَرف و انفاق کی جانب موڑ دیں -

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ،

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

(ساتویں نشست)

الہدیٰ

مقام عزیمت اور حکمتِ قرآنی کی اساسات

سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ

منتخب نصاب کا درس ثالث

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۱)

اَلسَّلامُ علیکم: نَحمدہٗ وَنَستعینہٗ وَنَستغفرہٗ ونؤمن بہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ

معزز حاضرین اور محترم ناظرین! مطالعہ قرآنِ حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں سلسلے وار ہو رہا ہے اُس میں پہلا درس مشتمل تھا سورۃ العصر پر اور دوسرا درس مشتمل تھا آیۂ بر پر۔ یہ دو درس ہم نے چھ نشستوں میں مکمل کئے ہیں۔ آج ہم اس سلسلے کے تیسرے درس کا آغاز کر رہے ہیں جو سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر مشتمل ہے۔ آپ آیئے۔ ہم سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی تلاوت کر لیں اور اس کا ایک رواں ترجمہ سمجھ لیں۔ تاکہ اس کے مضامین بیک نگاہ ہمارے سامنے آجائیں۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ؗ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۝ ع

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا یہ سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع ہے اور یہ سورۃ مصحف میں اکیسویں پارے میں واقع ہوئی ہے اور یہ رکوع آٹھ آیات پر مشتمل ہے ۔ ان آیات مبارکہ کا ایک رواں ترجمہ یہ ہوگا ۔

"اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ شکر کر اللہ کا اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کو ۔۔ اور جو کوئی کفران نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی ہے ، بے نیاز ہے ۔ اور وہ آپ ہی اپنی ذات میں محمود ہے ستودہ صفات ہے ۔۔ اور یاد کرو

جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے اور وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجئے - یقیناً شرک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے - اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے اس کے والدین کے بارے میں اٹھائے رکھا اُسے اس کی والدہ نے کمزوری پر کمزوری جھیل کر اور دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں، یہ کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا - میری ہی طرف لوٹنا ہے - اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں اس پہ کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو انکا کہنا مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ رہ معروف طور پہ - اور پیروی کر اس کے راستے کی جس نے اپنا رُخ میری طرف کر لیا ہو - پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے اور میں جتلا دوں گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے - اے میرے بچے! خواہ وہ یعنی نیکی یا بدی رائی کے دانے کے ہم وزن ہو - خواہ وہ چٹان میں ہو - خواہ آسمانوں میں ہو - خواہ زمین میں ہو - اللہ اُسے لے آئے گا - اللہ بہت باریک بین ہے - بہت باخبر ہے اے میرے بچے! نماز قائم رکھ - نیکی اور بھلائی کا حکم دے - بدی اور برائی سے روک اور پھر صبر کر اس پہ کہ جو تجھ پر بیتے - یقیناً یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے - اور اپنی گردن کو ٹیڑھا نہ کر - کج رخی اختیار نہ کر لوگوں کے لئے اور زمین میں اکڑ کر مت چل - اللہ کو مغرور لوگ اور شیخی خورے بالکل پسند نہیں - اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اپنی آواز کو پست رکھ اس لئے کہ تمام آوازوں میں سب سے بڑھ کر ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے"۔

یہ جو ترجمہ آپ کے سامنے آیا اِس سے بطریقِ تذکر بہ ادنیٰ تامل جو باتیں سامنے آتی ہیں خاص طور پر اس منتخب نصاب میں اسباق کی جو ترتیب ہے اس کے حوالے سے میں چاہوں گا کہ پہلے ان بنیادی امور کو

سمجھنے کی کوشش کریں جو اس رکوع میں بیان کئے گئے ہیں یعنی ہم، ان آیات میں جو اصل سبق ہے اس کا جو لبُّ لباب ہے۔ ان کا جائزہ لے لیں ـــ آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ ان آیات میں بھی وہی چار چیزیں پھر بیان ہو رہی ہیں جو اس سے پہلے سورۃ العصر اور آیۂ بر میں آ چکی ہیں اس لئے کہ اصل ہدایت تو ایک ہی ہے۔ صراطِ مستقیم تو ایک ہی ہے۔ اس کے سنگہائے میل تو وہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بقول شاعر

ع: اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

مختلف اسالیب سے مختلف طریقوں سے اس راہِ ہدایت کو واضح کرنا یہ قرآن مجید کا مقصد ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر جگہ وہ بنیادی مضامین ایک نئے رنگ کے ساتھ آئے ہیں موضوع اور (Context) بدلا ہوا ہے۔ وہ بحث نئی ہے کہ جس کے ضمن میں وہی مضامین ایک نئے رنگ کے ساتھ آ رہے ہیں ذرا جائزہ لیجئے، ایمانیاتِ ثلاثہ کے ضمن میں ایمان باللہ کا ذکر یہاں بڑی وضاحت کے ساتھ آیا ہے مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے آیا ہے۔ ایمان باللہ کا مثبت پہلو ہے اللہ کا شکر کرو اور ایمان باللہ کا منفی پہلو کیا ہے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرو۔ تو اللہ کا شکر التزامِ شکرِ الٰہی اور اجتناب عن الشرک، یہ دونوں چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو گویا کہ ایمان باللہ اور اس کی جو مطلوبہ کیفیات ہیں وہ انسان کو بتمام و کمال میسر آ جائیں گی۔

اس کے بعد ایمان بالرسالت کا جائزہ لیجئے تو اس کا ذکر اس پورے رکوع میں آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ اس رکوع میں کسی نبی کا کسی رسول کا، وحی، ملائکہ اور الہامی کتابوں کا ذکر نہیں۔ اُس کی وجہ کیا ہے۔ یہ کہ یہاں درحقیقت حکمت کی جو بنیادی باتیں ہیں، حکمتِ قرآنی کے جو اصول ہیں وہ بیان ہوئے ہیں۔ اور وہ ایک ایسی شخصیت کے حوالے سے ہو رہے ہیں یعنی حضرت لقمان ـــ جو نہ نبی تھے نہ رسول تھے نہ کسی نبی یا رسول کے پیرو تھے۔ بلکہ ایک

صحیح الفطرت انسان، ایک سلیم العقل انسان تھے ان کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اگر انسان فطرت سلیمہ اور عقل صحیح کی رہنمائی میں ذہنی سفر طے کرے گا تو وہ کن امور تک پہنچ جائے گا۔ اصل میں اس رکوع میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔ لہذا یہاں رسالت یا نبوت کا سرے سے ذکر نہیں۔

ایمان بالآخرت کا جائزہ لیجئے۔ جس کا اصل جوہر (ESSENSE) جزائے اعمال ہے۔ نیکی اور بدی کا بھرپور صلہ یہاں اس کا ذکر ایک نہایت بلیغ پیرائے میں موجود ہے کہ "اے میرے بچے نیکی یا بدی خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو اور پھر خواہ کسی چٹان میں چھپ کر وہ عمل کیا گیا ہو یا کہیں فضا کی پہنائیوں میں وہ عمل کیا گیا ہو یا کہیں زمین کے پیٹ میں گھس کر اس عمل کا ارتکاب کیا گیا ہو، وہ عمل ضائع نہیں ہوگا اللہ اس کو لے آئیگا ــ" یہ اصل میں ایمان بالآخرت کا لب لباب ہے کہ:
از مکافاتِ عمل غافل مشو"۔ اعمال کا نتیجہ نکل کر رہے گا لیکن جان لیجئے کہ یوم آخر۔ یوم الفیامہ۔ جزا و سزا کا صراحت کے ساتھ ذکر یا جنت و دوزخ کا ذکر یہاں نہیں ہوا۔ اصل میں یہ چیزیں وہ ہیں جو صرف نبوت اور رسالت کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہیں۔ تو یہاں پر ایمان بالآخرت کا وہی پہلو مذکور ہے جو حکمت میں شامل ہے یعنی بغیر وحی کے بغیر نبوت و رسالت کے بھی وہاں تک فطرت صحیحہ اور عقل سلیم انسان کو پہنچا سکتی ہے۔

حکمت کی معراج یہ ہے کہ انسان کے قلب میں اپنے خالق اور اپنے رب کی جو معرفت ودیعت شدہ لیکن خوابیدہ ہے اس جوت کو انسان اپنے قلب و ذہن میں جگائے یعنی فطرت کی صحت اور سلامتی کا لازمی نتیجہ معرفت الٰہی ہے اور اس معرفت کا لازمی نتیجہ شکر ہے۔ حکمت ہی کا لازمی تقاضا ہے یہ 'جذبۂ شکر' اپنے مالک، آقا پالن ہار اور پروردگار کی ذات پر مرتکز ہو جائے پھر یہی شکر الٰہی اس امر کو مستلزم ہے کہ ایسا

انسان شرک سے بالکلیہ اجتناب اور توحید کا التزام کرے - لہٰذا حکیم لقمان نے جن کو اللہ تعالیٰ نے دانائی اور حکمت عطا کی تھی، اپنی فطرت کی صحت اور عقل سلیم کی روشنی میں "توحید" کی معرفت اور جذبہ شکر سے سرشار ہونے کی سعادت حاصل کی - اسی لئے وہ اپنے بیٹے کو نہایت ہی دل نشین اور پیار کے لہجے میں نصیحت و وعظ کہتے ہیں کہ :

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ -

"اے میرے پیارے بچے! دیکھنا اللہ (ذات وصفات) کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا - بے شک شرک بہت بڑا ظلم، بہت بڑی ناانصافی ہے"۔

آپ نے دیکھا تھا کہ سورۃ العصر اور آیۂ برّ میں ایمان کے بعد اعمال صالحہ کا ذکر ہے - یہاں بھی جائزہ لیجئے - سب سے پہلی چیز جو سامنے آئی وہ ادائے حقوق ہے —— قرآن حکیم میں آپ کو کئی مقامات پر یہ اسلوب ملے گا کہ ادائے حقوق میں جہاں اللہ تعالیٰ کے اس حق کا تذکرہ ہو گا کہ صرف اس کی عبادت کی جائے شرک سے اجتناب اور توحید کے التزام کے ساتھ - تو اللہ کے حق کے بعد والدین کے حقوق کا بیان ہو گا جیسے یہاں ہم نے دیکھا کہ حضرت لقمان اجتناب شرک اور التزام توحید کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جا رہا ہے :

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ - اسی طرح سورہ البقرہ میں فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا —— اور یاد کرو کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا"— اور دوسری جگہ سورۃ انعام میں فرمایا : قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا - "اے نبی (اِن یہود) سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے

ربّ نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں؟ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو" ۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ "اور تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو" ۔۔۔ اس رکوع میں جس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں، والدین کے حقوق کا ذکر کر کے والدہ کے حق کو نمایاں کیا گیا اور اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کی تاکید فرمائی گئی: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ

والدین کے ساتھ حسن سلوک، یہ اصل میں عنوان ہے اس بات کا کہ اس دُنیا میں جو انسان رہتا ہے، زندگی بسر کرتا ہے تو اس پر بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں جنہیں اُسے ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ یہ جو حقوق العباد ہیں ۔۔۔ ، ان حقوق العباد میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں۔ اس میں قطعی کسی شک کی گنجائش نہیں ۔ بات معقول ہے اور منطقی بھی ہے۔ انسان پر سب سے بڑا احسان تو بلاشک وشبہ اللہ تعالےٰ کا ہے جو اس کا خالق ہے مالک ہے پروردگارِ حقیقی ہے۔ لیکن اللہ کے بعد انسان سب سے زیادہ زیر بار احسان ہے اپنے والدین کا جنہوں نے اُسے پالا پوسا۔ اپنا پیٹ کاٹ کر اُسے کھلایا۔ اپنا آرام تج کر اُسکے آرام کی فکر کی۔ اُس کی تکلیف پر بے چین ہو جاتے رہے۔ اُسے اگر کوئی تکلیف ہوتی تھی تو راتوں کی نیندیں ان کی حرام ہوتی تھیں۔ پھر ان میں بالخصوص والدہ، اُس کا حق بہت فائق ہے۔ لہٰذا والدین کے ذکر کے بعد جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، یہاں آپ نے دیکھا کہ والدہ کا خاص طور پر ذکر آیا ہے ۔ اٹھاتے رکھا اُسے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے۔ پھر وہ جونک کی طرح اس کی چھاتی سے چمٹ

کہ اس کے جسم وجان کی توانائیاں چوستا رہا دودھ کی شکل میں دو برس تک اس نے اپنی بہترین توانائیاں غذا بنا کر اُسکے جسم میں اتاریں لہٰذا یہ والدین بالخصوص والدہ کے یہ احسانات عظیمہ ہیں - تو انسانوں کے حقوق میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں -

یہاں ایک بات ذہن میں رکھیئے - حضرت لقمان نے وصیت کرتے ہوئے بیٹے کو اللہ کا حق تو بتا دیا - کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا - اس کا شکر کرنا - لیکن خود اپنے حقوق کو بیان کرنا انہیں زیب نہ دیتا تھا - لہٰذا اُس مضمون کی تکمیل اللہ نے اپنی طرف سے کر دی حضرتِ لقمان کی نصیحتوں کے سلسلے میں اللہ تعالےٰ نے ایک بات اپنی طرف سے داخل فرما دی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں — البتہ اسی گفتگو میں ایک بہت اہم بات آگئی یعنی یہ اگر دو حقوق آمنے سامنے آئیں - اللہ کا حق - اور مخلوقات میں سے سب سے فائق والدین کا حق — تو ایک امکانی سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اگر یہ دونوں حقوق ٹکرا جائیں یعنی یہ کہ والدین اپنی اولاد کو شرک پر مجبور کریں - تو اب اولاد کیا کرے؟ یہ بالکل ایک عملی اور Practical مسئلہ ہے - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر جو لوگ ایمان لاتے ان میں سے بالخصوص جو نوجوان تھے - اُن میں Teen Agers بھی تھے - حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما، یہ نوجوان تھے اور انکے لئے سب سے بڑا عملی مسئلہ یہ کھڑا ہو گیا کہ ان کی والدہ یا والدین جو مشرک تھے وہ انہیں مجبور کر رہے تھے اور اپنے حقوق کا واسطہ دے رہے تھے کہ اپنے آبائی دین کو ترک نہ کرو - اب ان سعادتمند سلیم الفطرت اور صحیح العقل نوجوانوں کے سامنے یہ عملی سوال آیا کہ اب کیا کریں — ظاہر بات ہے کہ اُن کے سامنے والدین کے حقوق کا جو تصور ہے - اسکے اعتبار سے ان کے لئے ایک عملی پیچیدگی پیدا ہو گئی — قرآن مجید نے آگے اس کا حل پیش

کر دیا کہ اگر والدین شرک پر مجبور کریں تو وہ اپنے حقوق سے تجاوز کر رہے ہیں لہذا فَلَا تُطِعْهُمَا - انکا کہنا مت مانو - البتہ یہ بھی نہیں کہ اس طرح ان کے سارے حقوق ساقط ہو گئے - نہیں، شرک پر مجبور کرنے میں تو انکی حکم عدولی کی جائے گی - لیکن باقی ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم برقرار رہے گا - وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔ لیکن دیکھنا اتباع کرنا اُس شخص کا جس نے اپنا رُخ میری طرف کر لیا ہو وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ اس معاملہ میں والدین کا اتباع ضروری نہیں - والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک ضروری ہے - لیکن اگر والدین مشرک ہوں تو ان کا اتباع ہرگز لازم نہیں - نہ عقلاً نہ نقلاً۔

اس رکوع کی آیت نمبر ۱۳ میں تو حضرت لقمان کی نصائح کے ذکر کا آغاز ہوا اور پہلی نصیحت اجتناب عن الشرک کی تاکید تھی - درمیان کی دو آیات یعنی ۱۴ اور ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے اس وصیت کا اپنی جانب سے ذکر فرمایا جو جبلّی طور پر بھی انسان کو کی گئی ہے اور الہامی طور پر بھی - پھر اگر حقوق اللہ اور حقوق الوالدین میں ٹکراؤ ہو تو ایک موحد کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے - اس کا ذکر فرمایا - اس کے بعد آیت نمبر ۱۲ سے پھر حضرت لقمان کی نصائح کا ذکر شروع ہوا - جس میں دوسری نصیحت مکافات عمل یعنی یوم الآخرہ، یوم الحساب سے متعلق ہے - وقت بہت کم رہ گیا ہے لہذا اس موضوع پر بحث ان شاء اللہ اسی درس ثالث کی آئندہ نشست میں ہوگی چونکہ اس کا تعلق ایمانیات سے ہے - البتہ میں چاہوں گا کہ آپ اس بات کو خاص طور پر نوٹ کریں کہ عملِ صالح میں دوسری چیز آئی "نماز قائم کرو" - اور آیۂ بِرّ کی طرح یہاں بھی دیکھئے - وہاں انسانی ہمدردی کا ذکر مقدم تھا اقامتِ صلوٰۃ پر - یہاں ادائے حقوق کا ذکر مقدم ہے ادائے صلوٰۃ پر - والدین کے حقوق کا ذکر پہلے اور صلوٰۃ کا ذکر بعد میں آ رہا ہے - اس کے بعد اعمال میں آپ اور شمار کریں

گے تو تواضع اور انکساری اور فروتنی کا معاملہ آنے لگا جن کا ذکر آیات ۱۸ اور ۱۹ میں آیا ہے صعر کہتے ہیں ایک بیماری کو جو اونٹ کی گردن میں ہو جاتی ہے جس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ تو انسانوں میں بھی جب تمکنت پیدا ہوتی ہے اور غرور کی وجہ سے کج روی اختیار کرتے ہیں تو اس سے روکا گیا پھر دوسرا حکم دیا گیا کہ اپنی چال میں انکساری میانہ روی اور اعتدال اختیار کرو۔ گفتگو میں بھی کرختگی سے اجتناب کرو۔ تو یہ ہوئے اعمال۔ انسانی زندگی کے عملی پہلو ہیں جو اس رکوع میں آئے ہیں۔

سورۃ العصر میں تیسری چیز تھی تواصی بالحق یہاں اس کے لئے ایک معین اصطلاح آگئی وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ "نیکی کا حکم دو۔ بدی سے روکو"۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہمارے دین کی بڑی اہم اصطلاح ہے۔ ذہن میں رکھیئے کہ اُمت مسلمہ کا تو مقصد وجود اللہ تعالٰی نے سورہ آل عمران میں اسی اصطلاح کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔

"اے مسلمانو! تم وہ بہترین امت ہو جنہیں دنیا والوں کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دو۔ بدی سے روکو اور اللہ پر ایمان پختہ رکھو"۔

آخری چیز سورہ والعصر میں تھی وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ یہاں بھی فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ۔ اور صبر کرو ان مصائب پر جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے پر تم پر آئیں۔ اس لئے کہ نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا یہ عام طور پر ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں ہوتا۔ اس پر تکالیف آئیں گی۔ مصیبتیں آئیں گی، امتحانات ہوں گے آزمائشیں ہوں گی۔ اب جھیلو۔ اور برداشت کرو اور صبر کرو۔

اس لئے کہ یہ بہت ہمت کے کام ہیں ۔

یہ ہے اس رکوع کے مضامین کا خلاصہ جو بہ ادنیٰ تأمل ہمارے سامنے آگیا ۔ اب اس سلسلے میں مزید کوئی وضاحت مطلوب ہو تو اس کے لئے میں حاضر ہوں ۔

سوال : قرآن میں حجت کے طور پر یہ بات پیش کی گئی ہے کہ دانا شخص یہ کہا کرتے تھے لیکن کفار مکہ تو اس بات پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے ۔ پھر ان پر یہ حجت کس طرح قائم ہوئی تھی

جواب : اصل میں حجت تو اس پہلو سے ہے کہ جن باتوں کی دعوت قرآن دے رہا ہے یہی باتیں تمہارے ایک مسلّم حکیم اور دانا انسان نے کہی تھیں ۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ جیسے ہم تقریر کرتے ہیں تو علامہ اقبال کے اشعار Quote کرتے ہیں ۔ اس لئے کہ ان کو حکیم الامت تسلیم کیا جاتا ہے ۔ انکا یہ مقام و مرتبہ مسلّم ہے ۔ تو حضرت لقمان کی شخصیت عرب میں ایسی تھی کہ ان کو مانا جاتا تھا کہ یہ ہمارے ایک بڑے حکیم ، دانا اور فلسفی انسان گزرے ہیں ۔ چنانچہ تقاریر میں اور اشعار میں عرب شعراء اور خطباء انہیں Quote کیا کرتے تھے ۔ تو اس طریقے سے گویا قرآن مجید ان کے سامنے یہ بات لا رہا ہے کہ جن امور کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں یہ عین عقل و فطرت کے مطابق ہیں اور تمہارے اپنے ایک حکیم اور دانا کی تعلیمات کا لب لباب بھی یہی ہے ۔

سوال : اس رکوع میں دھیمے بولنے کی تلقین کی گئی ہے تو ہمارے معاشرے میں دھیمے یا آہستہ بولنے والے کو پسند نہیں کیا جاتا بلکہ تیز طرار اور شوخ لوگوں کو زیادہ smart اور ذہین سمجھا جاتا ہے آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے ۔

جواب : میرا خیال ہے کہ بعض چیزیں سطحی ہوتی ہیں یا فوری طور پر مؤثر ہوتی ہیں اور کچھ وہ ہوتی ہیں جو مستقل اقدار تسلیم کی جاتی ہیں ۔ اگر

آپ جائزہ لیں گے تو ہمارے اس معاشرے میں بھی جو ٹھنڈے مزاج کے لوگ ہیں وہ بات کریں گے تو عقلی استدلال کے سہارے سے بات کریں گے ۔ نہ کہ اپنی آواز کی Volume کو بڑھا کر ۔ یہ اصل میں وہ شخص کیا کرتا ہے جسے یہ محسوس ہو کہ میری بات ہلکی ہے لہٰذا وہ اپنی آواز کا volume بڑھا کر اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ یہاں اس چیز سے روکا گیا ہے وہ بات کرو جو معقول ہو اُسکے لیے خواہ مخواہ بلند آواز کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ویسے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی بھی موقعہ پر آواز بلند نہ کی جائے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں احادیث سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو روایات میں الفاظ آتے ہیں کہ آپؐ کی آواز بہت بلند ہو جاتی تھی آپؐ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں ۔ آپؐ اس طریقے سے خطبہ دیتے تھے کہ جیسے کوئی کمانڈر اپنی فوج کو لڑنے پر آمادہ کر رہا ہے ۔ لہذا اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے محل اور مقام پر ہر چیز اچھی لگتی ہے ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب ! جیسے کہ بعض نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دیا جائے لیکن جہاں تک چھوٹوں کا اور اپنی بیوی کا تعلق ہے ان کو تو ہم حکم دے سکتے ہیں لیکن بڑوں کو اور والدین کو حکم کیسے دیا جا سکتا ہے ۔

سوال : یہ بہت صحیح سوال ہے ۔ اصل میں جب ہم ایک لفظ کا ترجمہ ایک لفظ سے کرتے ہیں تو امر کا ترجمہ بالعموم ہم 'حکم' کرتے ہیں لیکن عربی زبان میں امر کے معنی مشورے کے بھی ہیں تلقین کے بھی ہیں نصیحت کے بھی ہیں ۔ لہذا والدین سے بھی کہا جا سکتا ہے ۔ ابا جان ایسا نہ کیجیے ۔ یہ بات غلط ہے ۔ امی ایسا نہ کیجیے ۔ یہ معاملہ درست نہیں ہے ۔ جیسے قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی دعوت نقل ہوئی انہوں نے اپنے والد سے خطاب کر کے کہا یَا اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ ۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ کَانَ

لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۔ " ابا جان شیطان کی پیروی نہ کیجیے۔ بلاشبہ شیطان تو رحمان کا باغی ہے۔" پس اس طرح خطاب کیا جا سکتا ہے تو امر و حکم، کے معنی میں وہاں ہوگا جہاں اختیار ہے اور مشورہ اور تلقین کے معنی میں وہاں استعمال ہوگا جہاں اس کا محل و مقام ہے۔

حضرات! مطالعہ قرآن مجید کے جس منتخب نصاب کا سلسلہ ان نشستوں میں جاری ہے، اس کے درس ثالث سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کا جو اصل حاصل ہے اس کا جو اصل سبق ہے، اس کو ہم نے اس مختصر وقت میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حکمت و دانائی سے حصہ وافر عطا فرمائے اور یہ حکمت و دانائی محض ذہن اور فکر کی حد تک محدود نہ ہو بلکہ ہماری سیرت و کردار اور اخلاق و معاملات میں رچ بس جائے اور اس کا ایک حقیقی جزو بن جائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی پہلو

ڈاکٹر اسرار احمد

کا

ایک فکر انگیز خطاب

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترتیب و تسوید: شیخ جمیل الرحمٰن

علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں :-

گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ اولایزال است و قدیم

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست او — زندہ و پائندہ و گویاست او

صد جہاں تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

اور کس خوبصورتی سے مسلمانوں کو قرآن کے ذریعے ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنے کی دعوت دیتے ہیں -

بندۂ مومن ز آیاتِ خداست — ایں جہاں اندر برِ اُو چوں قباست

چوں کہن گردد جہانے در برش — می دہد قرآں جہانے دیگرش

یک جہانے عصرِ حاضر را بس است! — گیر اگر در سینہ دل معنی رس است!

آگے چلئے - میں نے عرض کیا تھا کہ اس انقلاب کے عمل میں دوسری چیز 'تربیت' ہے - اور وہ ہر انقلابی فکر کی مناسبت سے ہو گی - اس کیلئے قرآن کی اصطلاح ہے 'تزکیہ' — پھر اسی تزکیہ کے ساتھ وہ ملحق کرتا ہے

تعلیم کو۔ میں نے تلاوتِ آیات کے لئے چار آیات کے ابتدائی حصوں کا حوالہ پیش کیا تھا۔ اب ان چاروں آیات کو سامنے رکھئے تاکہ آگے کی بات کی تفہیم میں آسانی ہو۔ سورہ بقرہ میں (آیت نمبر ۱۲۹) میں دعائے ابراہیمی و اسمٰعیلی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط

اے ہمارے رب! تو مبعوث فرمائیو ان ہی میں سے ایک رسول جو ان کو سنائے تیری آیات اور انہیں تعلیم دے کتاب اور حکمت کی اور تزکیہ کرے ان کے قلوب و اذہان کا۔

خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کی دعا میں 'تزکیہ' کا ذکر بعد میں تھا لیکن اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵۱ میں جب اس دعا کی قبولیت کا اللہ نے ذکر فرمایا تو اپنے علم کامل کی بنیاد پر ترتیب کو بدل دیا، فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

چنانچہ بھیج دیا ہم نے ایک رسول تم ہی میں سے جو سناتا ہے تمہیں ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمہارا اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی اور تعلیم دیتا ہے ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

سورہ آل عمران میں یہ مضمون بڑی آن بان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے طور پر بیان فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ

بے شک اللہ نے احسان فرمایا ہے اہل ایمان پر کہ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول، ان ہی میں کا۔ جو سناتا ہے انہیں اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ	ان کا اور تعلیم دیتا ہے انہیں
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝	کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ

وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں — !

آخری بار یہ مضمون سورۂ جمعہ میں اس طور پر آیا ہے کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب کے چہار گانہ اساسی و بنیادی منہاج کی طرف رہنمائی بڑے واضح انداز میں کر دی گئی۔ فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي	وہی ہے (اللہ) جس نے اٹھایا
الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	اُمیوں میں ایک رسول ان ہی
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ	میں سے جو سناتا ہے انہیں
يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ	ان کا اور تعلیم دیتا ہے ان کو
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ	کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ (رکوع ۱)	وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں۔

— اور یہاں اس کی اہمیت اس اعتبار سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ سورۂ جمعہ سے متصلاً قبل سورۂ صف ہے جس کی مرکزی آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کے انقلابی پہلو کو واضح کیا گیا ہے یعنی

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

میں عرض کر رہا تھا کہ انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا مرحلہ 'تربیت' ہے جس کے لئے قرآن مجید کی اپنی اصطلاح ہے تزکیہ اور اس کے ساتھ ملحق ہے تعلیم — لہٰذا جان لیجئے کہ اس تزکیہ اور تعلیم کا مرکز، محور اور مدار و مبنیٰ بھی یہی قرآن مجید ہے اور میں نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں قرآن کی ناقدری کا معاملہ ہم نے تقریباً آخری حدود تک پہنچا دیا ہے۔ ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اس اعتبار سے نعوذ باللہ قرآن مجید درخورِ اعتنا ہے ہی نہیں۔ تزکیہ نفس کے لئے تو ہمیں کہیں نہ کہیں سے بھیک مانگنی

پڑے گی - اس کے لئے طریقے ہمیں دوسروں سے مستعار لینے پڑیں گے چاہے وہ نو افلاطونی نظریات ہوں، چاہے وہ ہندو جوگیوں کی تپسیائیں ہوں اور ان کی ریاضتیں ہوں - چاہے وہ عیسائی راہبوں کی طرح خانقاہوں میں ریاضتیں اور عبادتیں ہوں - حالانکہ قرآن مجید دو مقامات پر یہ کہتا ہے کہ باطنی امراض، جن میں تکبر سب سے بڑا روگ ہے حب مال اور حُبّ جاہ سب سے بڑے روگ ہیں اور ان سب روگوں کو جمع کریں تو وہ اصطلاح بنے گی 'حُبّ دنیا' جیسے فرمایا: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی - اور كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ - جب تک ان سے سینہ پاک نہیں ہوگا اُس وقت تک وہ تربیت حاصل نہیں ہوگی جو انقلاب محمدی کیلئے ضروری ہے - اس کے لئے ذریعہ کیا ہے - جو اس کی طرف رہنمائی کی جارہی ہے سورۂ یونس کی آیت ۵۷ میں، فرمایا:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ	"لوگو! تمہارے پاس آگئی ہے
مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ	تمہارے رب کی جانب سے موعظت
شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ	ونصیحت بھی اور جملہ امراض قلبی
	کی شفا بھی -

دوسری جگہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۲ میں فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ	اور ہم قرآن سے جو اتارتے
مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ	ہیں وہ شفاء اور رحمت ہے
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ہ	ایمان والوں کے لئے -

یہ دونوں آیات میرے نزدیک اس امر پر برہان قاطع ہیں کہ تزکیہ نفوس، تصفیہ قلوب اور تجلیہ باطن درحقیقت ثمرہ ہوتا ہے تلاوت اور تدبر قرآن حکیم کا - قرآن مجید کی اس ناقدری کے اقبال نے جو مرثیے کہے ہیں، ان میں کچھ میں آپ کو آگے سناؤں گا - پہلے اس بات کو ذہن میں لائیے کہ جہاد کی پہلی سطح ہے 'جہاد مع النفس' لہٰذا غور طلب بات یہ ہے کہ اس کی عملی تدبیر کیا ہے - اس مقصد کیلئے آپ قرآن سے رہنمائی چاہیں گے تو

وہ یہ ملے گی کہ وہ ہے قیام اللیل اور تہجد — غور کیجئے کہ ان دونوں کا تعلق کس چیز سے ہے۔ اس کی رہنمائی کے لئے سورۂ مزمل کی ان آیات پر غور فرمایئے جن میں قیام اللیل کا اور ساتھ ہی وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا کا تاکیدی حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝

اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کر مگر تھوڑا حصہ، آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دے یا اس پر کچھ زیادہ کر لے اور قرآن کی تلاوت کو ٹھہر ٹھہر کر۔

اب لے جیئے اور سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۷۸ اور ۷۹ ذہن میں رکھیئے فرمایا:

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝	نماز کا اہتمام رکھو زوال آفتاب کے اوقات سے لے کر شب کے تاریک ہونے تک اور خاص کر فجر کی قرأت کا، بے شک فجر کی قرأت بڑی ہی حضوری کی چیز ہے اور شب میں بھی تہجد پڑھو۔ یہ تمہارے لئے مزید براں ہے۔

اس آیت کے الفاظ فَتَهَجَّدْ بِهِ انتہائی قابل غور ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کے تذکرے کے ضمن میں آگے جہاں بھی بِهِ آیا ہے ہمارے متقدمین و متاخرین مفسرین نے اس مقام پر بِهِ کا کما حقہٗ حق ادا نہیں کیا ہے۔ یہاں یہ بِهِ اصل کانٹے کی بات ہے۔ تہجد، کا اصل مقصد کیا بیان ہو رہا ہے۔ قیام میں قرآن کی طویل قرأت۔ فَتَهَجَّدْ بِهِ — لیکن ہمارا حال الا ماشاء اللہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ تہجد پڑھ لی گئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور آٹھ رکعتیں

پوری کریں — قرآن کی طویل قرأت سے کوئی سروکار ہی نہیں - پھر بیٹھ گئے اور ضربیں لگائیں کچھ ذکر کیا - وظائف کا ورد ہوا اور اس میں سب سے زیادہ وقت لگایا - یہ ہے وہ طریقہ جو اکثر تہجد گزاروں میں آیا ہے - ظاہر بات ہے کہ جب اپنے مقام سے اصل شئے ہٹے گی تو اس کی جگہ پُر کرنے کے لئے کوئی نئی چیز آئے گی — لیکن اس طریقے سے نقصان یہ ہوا کہ نہ قیام اللیل کا اصل مقصد سامنے رہا اور نہ تہجد کا اصل نصاب پیش نظر رہا — اس پر واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال نے انتہائی مؤثر اور تعمیری مرثیے کہے ہیں - میں ان کا ایسے ہی معترف نہیں ہوں اللہ ہم سب کو شخصیت پرستی سے محفوظ رکھے - عمل و کردار کے لحاظ سے علامہ کس مقام پر کھڑے تھے اس کو ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے کبھی اس بات کے اظہار میں باک نہیں رکھا ہے کہ:
میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس دور کے ترجمان القرآن علامہ اقبال ہیں — وہ بات جو کبھی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کے لئے کہی گئی اور وہ بات جو کبھی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کہی گئی کہ ع

ہست قرآن در زبانِ پہلوی

— اس دور میں وہ مقام علامہ اقبال کا ہے کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو۔ چنانچہ ذرا دیکھئے کہ کس کس انداز سے علامہ نے مسلمانوں کی قرآن سے بے اعتنائی اور بے نیازی کا مرثیہ کہا ہے - ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

با آیاتش ترا کارے جز ایں نیست | کہ از یاسینِ اُو آساں بمیری

پھر ہمارے اہل علم و تصوف کی الا ماشاء اللہ قرآن کی جانب عدم توجہ کی روش سے علامہ کو کس قدر دکھ تھا اس کا ذکر ان کے کلام میں جا بجا موجود ہے جس میں ان کا دلِ حساس خون کے آنسو روتا نظر آتا ہے — اور کتنی تلخی ہے علامہ کے ان اشعار میں جو میں آپ کو پہلے بھی سنا چکا ہوں انہی کا اعادہ کر رہا ہوں ؎

صوفیٔ پشمینہ پوش حال مست | از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش | در نمی سازد بقرآن محفلش

واعظ دستان زن افسانہ بند	معنی اُو پست و حرف اُو بلند
از خطیب و دیلمی گفتار اُو	باضعیف و شاذ و مرسل کار اُو

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں ہمارے اہل تصوف کی الا ماشاء اللہ یہی کیفیت ہے کہ قوالیوں سے حال آئے گا۔ عراقی اور جامی کے اشعار سنیں گے تو تڑپ اٹھیں گے۔ لیکن قرآن مجید کا ان کے محفلوں میں گزر نہیں ہوگا اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوگا قرآن کی تلاوت یا قرأت سے ان کے دل میں گداز پیدا نہیں ہوگا۔ حالانکہ دلوں کے امراض اور شیطان کے وسوسوں اور ترغیبات کے ختم کرنے کے لئے اصل شمشیر دراصل قرآن ہی ہے۔ کیا پیاری بات کہی ہے علامہ نے ؎

کشتن ابلیس کارے مشکل است	زانکہ اُو گم اندر اعماق دل است

اس شعر میں علامہ نے اس حدیث کی ترجمانی کی ہے کہ: اِنَّ الشیطٰن یجری من الانسان مجری الدم شیطان کو کہاں مار دیگے، کیسے اُسے قتل کر دیگے! شیطان تو انسان کے وجود میں ایسے سرایت کرتا ہے جیسے خون — اگلے شعر میں علامہ شیطان کو قتل کرنے کی وہ تدبیر بتاتے ہیں جو انہوں نے اختیار کی:-

خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی	کشتۂ شمشیر قرآنش کُنی

تزکیہ کا اصل ذریعہ اور امراض قلبیہ وصدریہ کے لئے اصل تلوار یہ قرآن مجید ہے۔ جملہ امراض ذہنی کے لئے بھی اصل تلوار قرآن کی آیات بینات ہیں لہذا نفس کے تمام روگوں کے لئے بھی اصل مداوا، اصل شفا اور اصل علاج قرآن مجید ہی ہے — امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قلوب پر جو زنگ آجاتے ہیں اس کے دو علاج ہیں۔ ایک موت کی بکثرت یاد اور دوسرے قرآن مجید کی تلاوت، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان ھذہ القلوب تصدأ	بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح
کما یصد الحدید اذا	زنگ آلود ہوجاتے ہیں جیسے

اصابہ الماء - قیل یارسول اللہ ما جلاءھا - قال کثرۃ ذکر الموتِ و تلاوۃ القرآن -

لوہا پانی پڑنے سے، دریافت کیا گیا، حضور! اس زنگ کو دور کس طرح کیا جائے فرمایا، موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت -

انسان کے قلب کے زنگ آلود ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کبر و عجب ڈیرہ ڈال لے - اس میں حبِ دنیا براجمان ہو جائے اس میں حسد اپنے پنجے گاڑ لے تیز قلب اسی نوع کے مفاسد کی آماجگاہ بن جائے تو ان تمام روگوں سے دل کو صیقل کرنے کے دو ذرائع ہیں - ایک موت کی بکثرت یاد دوسرے تلاوتِ قرآن — گویا یہ حدیث سے بھی واضح طور پر مترشح ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس کا منصوص و ماثور طریقہ تلاوت قرآن مجید ہی ہے -

یعنی ایک انقلابی نظریہ اور فکر — پھر اس کے مطابق تربیت و تزکیہ بس جان لیجئے کہ یہ دونوں مرحلے جو ہر انقلاب کے لئے Pre - requisites ہیں جن کے بغیر کوئی انقلابی جدوجہد ناقابلِ تصور ہے — تو اسلامی انقلاب جس کا مقصود ہے - لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ جس کو اقبال نے کہا ؎

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس — نکتہ شرعِ مبیں این است و بس

در اصل اسلام ہی وہ دین (نظام زندگی) ہے جس میں تمیز بندہ و آقا موجود ہی نہیں ہے - اس کے لئے جو انقلابی جدوجہد درکار ہے اس کے پہلے جو دو قدم یعنی انقلابی فکر (نظریہ) اور تربیت و تزکیہ، تو ان کے لئے مبنیٰ و مدار و مرکز اور محور (Axis) اس کا ذریعہ اور اس کا وسیلہ صرف اور صرف قرآن مجید ہے - اگر اس بات کو حرزِ جاں نہ بنایا گیا تو پھر ہوگا یہ کہ اسلام کی راہ ہموار ہونے کے بجائے کسی اور کا کام ہو جائے گا کوئی وقتی سا نعرہ ہو اور اس مصرعے کے مصداق کہ ع سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو - کہیں سے کوئی ہو پھر آئے اور لوگ پھر اٹھ کھڑے ہوں لیکن اس سے وہ کام نہیں بنے گا جو مطلوب اور پیش نظر ہے — یعنی اسلامی انقلاب کے

تبلیغ و دعوت اور اسی فکر کے تقاضوں کے اعتبار سے تزکیہ و تربیت ہیں۔
بقول علامہ اقبالؒ

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہی طریقہ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے ۔ "چوں بجاں در رفت" کے مصداق قرآنِ حکیم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باطن میں سرایت کر گیا اور اُن کے اذہان و قلوب اس کے نور سے منوّر ہو گئے تو انؓ کی زندگیوں میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ ان کی سوچ بدل گئی، ان کا فکر بدل گیا ان کے عقائد بدل گئے، ان کی اقدار بدل گئیں، ان کے عزائم بدل گئے ان کے مقاصد بدل گئے ان کی آرزوئیں بدل گئیں، ان کی تمنائیں بدل گئیں، ان کے دن بدل گئے، ان کی راتیں بدل گئیں، ان کی صبحیں بدل گئیں، ان کی شامیں بدل گئیں ان کی زمین بدل گئی ان کا آسمان بدل گیا۔ یہاں تک کہ اگر پہلے زندگی عزیز بھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی اور کیفیت یہ ہو گئی کہ : ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اور اس قوم کا جس کے بعض قبیلوں کا پیشہ ؛ لوٹ مار تھا اور جو ان پڑھ اور امی تھے اس قوم کا حال یہ ہو گیا کہ ؎

رہزناں از حفظِ اُو رہبر شدند از کتابے صاحبِ دفتر شدند

(جاری ہے)

بقیہ : رفتارِ کار

کے دو بھانجے بھی تشریف فرما تھے۔ انہیں خصوصی طور پر تعاون کے لئے کہا گیا۔ کچھ سوال و جواب کی مجلس بھی رہی جس میں مَیں حتی الوسع جواب عرض کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ عصر کے قریب ہم اس مبارک مجلس سے اجازت طلب کر کے واپس عازم ملتان ہوئے کیونکہ اور کوئی راستہ لاہور آنے کے لئے اس سے بہتر نہیں ہے۔ ½ ۵ بجے شام ملتان پہنچے اور رات آٹھ بجے لاہور کے لئے روانہ ہو کر صبح ۴ بجے کے قریب گھر پہنچ گئے۔

THE ORIGINAL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفتارِ کار

راولپنڈی/اسلام آباد یکم اگست ۱۹۸۲ء امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رفیق محترم ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب اور راقم الحروف صبح نو بجے راولپنڈی کے لیے بذریعہ کار روانہ ہوئے دوران سفر گیارہ بجے گجرات کے قریب چائے وغیرہ پی اور گوجر خاں دو پہر کا کھانا کھایا اور تقریباً تین بجے بعد دوپہر سوان کیمپ پہنچے۔ مغرب سے ایک گھنٹہ قبل کمیونٹی سنٹر اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ چونکہ وہاں انجمن اور تنظیم کے تمام ساتھیوں سے ملاقات طے تھی۔ زیرو پوائنٹ پر پہنچے تو گہری گھٹائیں آسمان پر چھا گئیں اور کمیونٹی سنٹر پہنچے تو تیز بارش نے شاندار استقبال کیا۔ بہرحال تنظیم اور انجمن کے تمام ساتھی موجود تھے۔

شدید بارش کے باوجود درس کے وقت تقریباً دو سو تک حاضری ہو گئی۔ آج ڈاکٹر صاحب کی تقریر پر انذار کا رنگ بہت غالب رہا۔ پاکستان کے جواز اور اس کے استحکام پر مفصل گفتگو سے آغاز فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ کی صدا بلند کی اور محاسبہ خداوندی سے پہلے پہلے فرمان نبوی حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُحَاسَبُوْا کے مصداق اہل وطن کو اپنی کرتوتوں کا خود محاسبہ کرنے اور اللہ کی جناب میں تائب ہونے کی دعوت دی۔

شام کا کھانا رفیقِ محترم جناب اکرم واسطی صاحب کے ہاں کھایا اور سوان کیمپ آکر قیام کیا۔

اگلے روز بعد نماز مغرب فری لینڈ ہائی سکول میں اجتماع رفقائے تنظیم اسلامی ہوا۔ تمام رفقاء نے نماز مغرب امیر محترم کی اقتدا میں ادا کی۔ حاضری کے جائزے کے بعد رفقاء سے تفصیلی تعارف حاصل کیا گیا اور غیر حاضر رفقاء کے

بارے میں امیر محترم نے ہدایت کی کہ جو لوگ سرے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ان کے نام مرکز کو بھیجے جائیں۔ تاکہ ان کا اخراج عمل میں لایا جائے۔ ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب نے نظم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور پابندئ نظم کی ترغیب و تشویق دلائی۔ اس موقع پر گورنمنٹ یونیورسٹی لاء کالج کے ایک لیکچرار فرمان علی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور لاہور آکر بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

از: قمر سعید قریشی
قیم تنظیم اسلامی

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ صوبہ سندھ

تنظیم اسلامی کے رفقاء اپنے اللہ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کے لیے مقامی طور پر حسبِ استطاعت دعوتِ دین کے پروگرام کرتے رہتے ہیں اور اس عہد کی یاد دہانی کے لیے وقتاً فوقتاً امیر تنظیم اسلامی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جن کے ید اقدس پر انہوں نے سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت مسنونہ کی ہوئی ہے، کو بھی اپنے ہاں مدعو کرتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلے کی کڑی امیر محترم کا حال کا صوبہ سندھ کا دورہ تھا جو پانچ ایام پر مشتمل تھا ان ایام میں حیدرآباد اور کراچی میں امیر محترم کی مصروفیات کی رپورٹ حسب ذیل ہے:-

حیدرآباد

۷ اگست کو امیر محترم بذریعہ تیز رو ۲ بج کر ۵۴ منٹ کی بجائے شام کو ۶ بج کر ۵۴ منٹ پر حیدرآباد پہنچے۔ اس تاخیر کا سبب کسی بیان کا محتاج نہیں۔ ہمارے ملک کا ہر ہر فرد آئے دن کی ایسی ہی بے قاعدگیوں کے اسباب سے بخوبی واقف ہے۔ بس اللہ ہی ہمیں محفوظ رکھے ورنہ اپنی رسوائی اور ذلت کے وہ سارے اسباب و علل ہم نے پیدا کر دیئے ہیں جن کے بعد کسی قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔" اللھم لا تھلکنا بسوء

ما لنا" حیدرآباد میں قیام کا انتظام رئیس بلدیہ حیدرآباد جناب مولا"
سید وصی مظہر ندوی مدظلہ العالی نے فرمایا تھا۔ طبع شدہ پروگرام کے مطابق
مسجد دارالعلوم لطیف آباد نمبر ۱ میں بعد نماز عشاء سورہ الصف کا درس ہوا۔ اس
موقع پر مسجد دارالعلوم کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جس نے پروگرام
کے انعقاد میں ہر ممکنہ معاونت کی۔ اس پروگرام کی اشاعت کے لیے تنظیم اسلامی
کراچی نے بھی حسبِ استطاعت حصہ لیا۔ ظفر عزیز صاحب جن کا تعلق حیدرآباد
سے ہے اور آج کل حصولِ علم کے سلسلے میں ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی میں زیرِ تعلیم
ہیں۔ دو سرے دو رفقاء محمد رفیق صاحب اور محمد طاہر صاحب (یاد رہے ان
دونوں حضرات کا تعلق بھی حیدرآباد سے ہے) کی معیت میں کثیر تعداد میں کراچی
سے پوسٹرز اور بینرز لے کر پہلے ہی حیدرآباد چلے گئے تھے۔ انہوں نے شہر کے اہم
مقامات میں پوسٹرز چسپاں کر دیئے تھے اور نمایاں مقامات پر کپڑے کے بڑے
بینرز بھی آویزاں کیے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن حکیم کی تعلیمات سے مستفید
ہونے کے لیے پروگراموں میں شرکت کر سکیں۔ اس کے علاوہ چند رفقاء مکتبہ
لے کر بھی پہنچ گئے تھے اور مسجد دارالعلوم کے باہر مکتبہ بھی لگایا گیا۔ حاضری کافی
حوصلہ افزا تھی۔ مسجد کا ہال بھر جانے کے بعد صحن میں بھی سامعین کافی تعداد میں
موجود تھے۔

۸ راگست کو دوپہر بارہ بجے بلدیہ ہال میں سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲،
۱۰۳ اور ۱۰۴ پر مشتمل درس قرآن ہوا۔ جس میں امیر محترم نے آیات مذکورہ کے
حوالے سے پہلے بندگی رب پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا" اللہ کا بندہ
بننے کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی پوری زندگی میں اللہ کی مکمل اطاعت
کرے۔ تعبدی امور کے ساتھ اپنے تمام معاملات بھی اسی کے احکام کے تابع رکھے۔
حلال و حرام کی جو حدود و قیود اس تعالیٰ نے قائم کر دی ہیں، ان سے سرمو تجاوز
نہ کرے۔ مسلمانوں کی وحدت ملی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ملتِ اسلامیہ
کی شیرازہ بندی کے لیے قرآن حکیم ہی واحد اساس ہے۔ یہی وہ حبل اللہ المتین
ہے جس سے تمسک کے بعد ہی مسلمان اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل

کر سکتے ہیں۔ اور اس سے روگردانی کی صورت میں عذاب میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس کی سزا دنیا میں ہمیں نقداس طرح بھی مل رہی ہے کہ ہر طرف سے امتِ مسلمہ ذلت اور پھٹکار کا نشان بن گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے فرضِ منصبی یاد دلاتے ہوئے امیر محترم نے آیت ۱۰۴ کی روشنی میں فرمایا " تم کو خیر امت نوعِ انسانی کے لیے قرار دیا گیا ہے۔ تمہاری غایت تاسیس پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ ان کی فلاح و بہبود کی خاطر تمہیں برپا کیا گیا ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو اور نظام عدل قائم کرو۔

بلدیہ ہال میں حاضری کا یہ عالم تھا کہ ہال اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ دکھائی دے رہا تھا۔ جب سارا ہال کھچا کھچ بھر گیا تو حاضرین کی اچھی خاصی تعداد باہر کھڑی پورے انہماک کے ساتھ مردِ قلندر کا جھنجوڑنے والا بیان سن رہی تھی

دوپہر کے طعام کا انتظام رفیق محترم جناب غیاث الدین صاحب نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے امیر محترم کے خطاب کے لیے بھی اپنے طور پر پروگرام طے کر لیا۔ چنانچہ ان کے زیرِ اہتمام بعد نمازِ عصر قرآن حکیم کی انقلابی دعوت اور ہمارے دینی فرائض" کے عنوان سے ایک جامع خطاب فرمایا۔ معینہ پروگرام کے علاوہ انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جناب واحد بخش صاحب سابق ڈائریکٹر سندھ ایجوکیشن نے امیر محترم کو اپنی انگریزی کتاب کی فوٹو کاپی پیش کی۔ موصوف اس کتاب کو مزید چھپوانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح مولانا فضل احمد غزنوی مدظلہ العالی نے بھی اپنی تفسیر کی ایک جلد امیر محترم کو پیش کی۔ واضح رہے کہ مولانا فضل احمد غزنوی صاحب نے قرآن کی چار جلدوں پر مشتمل تفسیر لکھی ہے جس کا ترجمہ بقول اُن کے چار زبانوں میں ہو چکا ہے۔

ملک کے نامور اخبار روزنامہ" جسارت" اور" نوائے وقت" کے نمائندے بھی بغرض انٹرویو امیر محترم سے ملے۔ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود امیر محترم نے مذکورہ نمائندوں کو یکے بعد دیگرے انٹرویو دیئے۔

پروگرام کے مطابق آج بھی نمازِ عشاء کے بعد مسجد دارالعلوم میں سورۃ

الصف کا درس ہوا جس میں امیر محترم نے اس سورۃ مبارکہ کی روشنی میں جس کو جہاد کے موضوع پر ذروۃ السنام کی حیثیت حاصل ہے مسلمانوں کی اجتماعی جدوجہد پر شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا۔ حاضری پہلے سے زیادہ تھی۔

۹ راگست کو جناب ظفر عزیز صاحب رفیق تنظیم اسلامی کے مکان ۹۔ ڈی لطیف آباد پر سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ تقریباً ۴۰ افراد نے شرکت کی۔ الحمد للہ سوال و جواب کے بعد ۱۷ افراد نے امیر محترم کے ہاتھ پر جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت کی۔ ان ۱۷ خوش نصیب افراد میں ایک خاتون بھی شامل ہیں۔ اسی نشست کے ساتھ حیدر آباد کا پروگرام اختتام پذیر ہوا اور تقریباً ۱۲½ بجے دوپہر امیر محترم عبد الواحد عاصم صاحب قیم تنظیم صوبہ سندھ کی معیت میں بذریعہ کار کراچی کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ڈاکٹر فرحت برنی صاحب بھی امیر محترم کے ہمراہ تھے۔ کراچی میں حسب سابق امیر محترم کا قیام عبد الواحد صاحب کے گھر پر تھا۔

کراچی

۹ راگست کو بعد نماز مغرب مسجد جامع الصفا واقع لیاقت آباد عقب الاعظم سکوائر میں دو روزہ درس قرآن کے پروگرام کا آغاز ہوا جس میں سورۃ احزاب کا تیسرا رکوع درس کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ پہلے دن بجلی کی رسد مغرب کی نماز سے پہلے منقطع ہو گئی اور سوا گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ امیر محترم کے پروگرام میں عام طور پر معمول یہ ہوتا ہے کہ جس سورۃ یا آیت کا درس دینا ہو تو اس کا عربی متن فوٹو اسٹیٹ کروا کر حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ دوران درس متن پر نگاہ رہے۔ لیکن بجلی نہ ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ نہ ہو سکا۔ ادھر مسجد حاضرین سے بھر چکی تھی اور لوگ اس گرمی اور حبس کے عالم میں امیر محترم کو سننے کے لیے بے تاب تھے۔ چنانچہ امیر محترم نے اللہ کا نام لے کر بغیر لاؤڈ اسپیکر کے خطاب کا آغاز کیا۔ آپ نے ابتدا میں فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب لاؤڈ اسپیکر سرے سے نہیں تھا۔ پھر بھی دین کا کام ہوتا تھا۔ ہمیں بھی ان مادی چیزوں پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ مسلسل خطابات کی وجہ سے آپ کے گلے کی حالت انتہائی خراب تھی لیکن اللہ تعالیٰ

جب اپنا کام کروانا چاہیں تو وہ بحسن و خوبی ہو جاتا ہے۔ باوجود گلے کی خرابی کے اللہ تعالیٰ نے آواز میں ایسا اثر پیدا فرمایا کہ مسجد کے وسیع و عریض ہال میں ہر جگہ تک امیر محترم کی آواز سنائی دے رہی تھی بلکہ صحن میں بیٹھے ہوئے حضرات کا کہنا تھا کہ آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی اور اسپیکر کی کمی کا ذرا احساس تک نہیں ہوا۔

سورۃ احزاب کی آیت "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" الآیہ۔ کی روشنی میں مطالبات دین پر خطاب فرمایا۔ کوئی آدھ گھنٹہ تک تو بغیر اسپیکر کے ہی امیر محترم بولتے رہے۔ اس کے بعد سامعین میں سے کسی مردِ مجاہد نے جنریٹر کا انتظام کر لیا اور پھر اسپیکر پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں مذکورہ آیت کی روشنی میں خطاب مکمل فرمایا۔ اس موقع پر ہم جنریٹر کا انتظام کرنے والے صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

دوسرے دن یعنی ۱۰ر اگست کو بھی امیر محترم نے سورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کی روشنی میں مفصل خطاب فرمایا۔ مطالباتِ دین، یعنی بندگی رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی تکمیل کے لیے جو لوازمات ہیں، اُن پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یوں دو دن میں ہماری دینی ذمہ داریاں اور اُن کو پورا کرنے کے لیے بنیادی شرائط کھول کر بیان کیے گئے۔

۱۱ر اگست کو بعد نماز فجر محمدی مسجد میں سورۃ حجرات کی آیات نمبر ۱۴ اور ۱۵ کا درس ہوا۔ امیر محترم نے اپنے اس مختصر مگر جامع درس میں اسلام اور ایمان، ایمان قانونی اور ایمان حقیقی کو واضح انداز میں پیش فرمایا۔ تقریباً ساڑھے نو بجے دفتر تنظیم اسلامی میں سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ اس کے بعد چار افراد نے امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سہ پہر چار بجے رفقاء تنظیم کی امیر محترم کے ساتھ ملاقات تھی۔ باہم تبادلۂ خیالات کا یہ سلسلہ کوئی ایک گھنٹہ جاری رہا۔ اس نشست میں بھی دو افراد نے بیعت کی۔ نماز عصر کے بعد امیر محترم عبدالواحد عاصم صاحب کی معیت میں ایئرپورٹ روانہ ہوئے۔

اس طرح امیرِ محترم کی مصروفیات اختتام پذیر ہوئیں۔

(ضمیر اختر)

برائے عبدالواحد عاصم قیم تنظیمِ اسلامی صوبہ سندھ۔

دیگر تنظیمی سرگرمیاں

ضمیر اختر خان صاحب کراچی کی تنظیم سے منسلک ہیں۔ آبائی طور پر ان کا تعلق آزاد کشمیر سے ہے۔ عید الفطر کے موقع پر وہاں جانا ہوا تو وہاں انہوں نے بھرپور دعوتی کام کیا۔ جب انسان میں حقیقی جذبہ ہو تو کام کے مواقع خود فراہم ہو جاتے ہیں۔ ان کی رپورٹ ہمارے نوجوان رفقاء کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اسی خیال سے اسے شاملِ میثاق کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

رودادِ آزاد کشمیر

عید الفطر والدین کے ساتھ منانے کے لیے ۲۵ رمضان المبارک کو راقم کراچی سے آزاد کشمیر کے لیے عازمِ سفر ہوا۔ دورانِ سفر ایک حادثہ پیش آیا جس کے نتیجے میں راقم کے دونوں پاؤں شدید زخمی ہو گئے۔ لہٰذا اپنے آبائی گاؤں پہنچنے تک کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم ایک اطمینان تھا کہ یہ سب کچھ خالق و مالک کے اذن سے ہی ہوا ہے۔ بقولِ آیتِ قرآنی "مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ" الآیۃ

گھر پہنچ کر کچھ دن زیرِ علاج رہا۔ اسی دوران عید الفطر کا دن آ گیا۔ عید کے دن بھی طبیعت تو آمادہ نہیں تھی کہ عید گاہ تک جاؤں لیکن اپنے آپ پر جبر کر کے نمازِ عید ادا کرنے کے لیے عید گاہ پہنچا۔ عید کی نماز سے قبل امام صاحب نے اپنے مختصر خطاب کے بعد مجھے اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ ناسازیٔ طبیعت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سورۃ العصر کی تلاوت کی اور اس کی روشنی میں گفتگو کا آغاز کیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ تقریباً ۴۵ منٹ میں ایمان، اعمالِ صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر حاضرین کے فہم و سمجھ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی معروضات مکمل کیں۔ ممکنہ کوشش یہ رہی کہ حاضرین کو ایسی مثالیں دے کر سمجھایا جائے جن سے وہ

مانوس ہوں۔ چنانچہ ان چار بنیادی لوازمات کو جن پر ایک انسان کی کامیابی کا
دارو مدار ہے آج کل کے مروجہ نظامِ امتحان سے جو تعلیمی اداروں میں اپنایا جاتا ہے
مثال دے کر سمجھایا کہ جس طرح ایک سو نمبر کا پرچہ ہے تو اس میں پاس ہونے کے
لیے ۳۳ نمبر حاصل کرنے ضروری ہوتے ہیں۔ اس سے کم پر کوئی طالب علم پاس
نہیں ہوتا۔ بعینہٖ آخرت میں کامیابی کے لیے کم سے کم نمبر (MINIMUM MARKS)
ایمان کے بعد تین چیزوں یعنی اعمال صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر عمل پیرا
ہونے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کے عام فہم اور سہل انداز میں ایک احساس
اُجاگر کرنے کی کوشش کی تاکہ ان میں کوئی تحریک پیدا ہو۔ چنانچہ حاضرین کے
چہروں کے تاثرات سے ایسا محسوس ہوا کہ سامعین مزید کچھ سننا چاہتے ہیں۔
وقت محدود تھا اس لیے کہ نماز عید بھی ادا کرنی تھی۔ یہ سلسلہ تقریباً پونے دس
بجے تک جاری رہا۔ اب مناسب تھا کہ ان کے سامنے کچھ عملی باتیں بھی کی جائیں۔
پانچ منٹ کی اجازت چاہی تاکہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ بیان کیا جائے۔
چند نوجوانوں نے پُرجوش انداز میں کہا کہ آپ جتنے وقت میں اپنی گفتگو ختم کر سکتے
ہیں اتنا وقت لیں۔ مگر امام صاحب نے ازراہِ کرم فرمایا "چلو دس منٹ مزید
لے سکتے ہیں"۔ گنجائش ہی اتنی تھی۔ دس منٹ میں راقم نے منضبط طریقے سے
مذکورہ فرائض کو پورا کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد کا مختصر سا خاکہ حاضرین
(مصلین عید) کے سامنے پیش کیا۔ اس کا اثر اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے
یہ ہوا کہ نماز عید کے بعد چند نوجوان راقم سے علیحدہ ملے اور اسی نہج پر منظم کام
کے آغاز کا عزم ظاہر کیا۔ ان کے جذبات کو سراہتے ہوئے ان سے عرض کی کہ
فی الحال کچھ تنظیم کی کتب کا مطالعہ کریں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے اور پھر اس
کام کا آغاز کیا جائے۔ اس موقعہ پر انہیں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"
کتابچہ بھی دیا جو راقم خاصی تعداد میں اپنے ساتھ کراچی سے لے گیا تھا۔ اس کے علاوہ
امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دوسری کتب کے سیٹ بھی ساتھ
لے گیا تھا۔

مندرجہ بالا سطور میں جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کو تنظیم اسلامی کی ضلع

پونچھ کی تحصیل دہیرکوٹ میں دعوتی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد عید کے ایام میں گھر پر آنے والے حضرات سے دعوتی گفتگو ہوتی رہی۔ گفتگو کے بعد تعلیم یافتہ نوجوانوں کو کتب بھی پڑھنے کے لیے دیتا رہا۔ اب صحت بحال ہو رہی تھی اور چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو مختلف مقامات پر عام اجتماعات (PUBLIC GATHERINGS) میں بھی شرکت کی۔ ان مقامات پر بھی دعوتی نوعیت کی گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ایک تقریر اپنے سابقہ اسکول میں بھی کرنے کی سعادت حاصل کی۔ جہاں سے راقم نے میٹرک پاس کیا تھا۔ اس اجتماع کے بعد عام لوگوں میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" نامی کتابچہ تقسیم کیا اور اپنے اساتذہ کو "حکمتِ قرآن" کا خصوصی شمارہ بھی پیش کیا۔ میرے اساتذہ میں سے دو امیرِ محترم سے ٹی۔ وی کے پروگرام "الہدیٰ" کے توسط سے متعارف ہیں۔ انہوں نے امیرِ محترم کے لیے تعریفی کلمات کہے۔ ان کے اسمائے گرامی جناب زاہد تھی صاحب اور سید ناظم حسین شاہ صاحب ہیں۔

اب روزانہ کا ایک معمول سا بن گیا کہ کہیں نہ کہیں کسی ایسے مقام پر حاضر ہوتا جہاں لوگوں سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں ملاقات ہو سکے۔ اسی سلسلے میں جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ بیس بگلا نامی ایک گاؤں میں جو اب تقریباً شہر میں تبدیل ہو چکا ہے اور ہمارے گاؤں سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، قومی سطح پر ٹورنامنٹ ہو رہے ہیں تو وہاں بھی جانے کا ارادہ کیا۔ حسنِ اتفاق سے وہاں جب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ٹورنامنٹ میرے ایک استاد اور گورنمنٹ ہائی سکول ملوٹ جو متذکرہ گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر ہے کے ہیڈ ماسٹر جناب الطاف سالک صاحب کی سرپرستی میں ہو رہے ہیں۔ امید کی ایک کرن نظر آئی کہ جس مقصد کے لیے یہاں حاضر ہوا ہوں انشاء اللہ کسی حد تک پورا ہو جائے گا۔ لیکن وہاں کا نقشہ قدرے مختلف سامنے آیا۔ وہ اس طرح کہ کھیل میں شرکت کرنے والی ٹیمیں زیادہ تھیں اور پورا دن کھیل جاری رہا۔ اس صورت حال میں ایسے لمحے کا انتظار تھا کہ اساتذہ سے ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ جب نمازِ ظہر کے لیے وقفہ ہوا تو اساتذہ سے مسجد میں ملاقات ہوئی۔ نماز

کے بعد ان کی معیت میں قریب ہی بیس لگلا کی دینی درسگاہ میں چلے گئے، جہاں چائے کا بھی انتظام کیا گیا۔ اسی اثناء میں مجھے اپنے اساتذہ سے گفتگو کا موقع ملا۔ تنظیم اسلامی کا نقطۂ نظر اُن کے سامنے پیش کیا۔ الحمدللہ مجموعی طور پر اساتذہ خوش ہوئے اور ہیڈ ماسٹر صاحب موصوف جن کی SUPERVISION میں کھیل ہو رہے تھے انہوں نے تنظیم اسلامی کی دعوت کو سراہا۔ اُن کے انگریزی کے چند جملے جو انہوں نے راقم کے لیے کہے اُن کا مفہوم نقل کرنے سے قبل اپنے فریبِ نفس اور شیطان لعین کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اللّٰھم انی اعوذ بک من شرور نفسی و اعوذ بک من الشیطان اللعین الرجیم۔

آپ کے جملوں کا مفہوم یہ تھا:-

We are very happy to hear your dynamic thoughts. We hope you will succeed in your mission. more-over, we assure you of our co-operation by all means. May Allah grant you success in your mission and guide you to the straight path.

Ameen.

اس مختصر سی تقریب جس میں راقم نے اساتذہ کو ایک نوعیت کا پیغام دیا، کے بعد انگریزی کے کتابچے جو کراچی سے ساتھ لے گیا تھا ہیڈ ماسٹر صاحب کو پیش کیے اور ان سے درخواست کی کہ وہ دوسرے اساتذہ تک بھی پہنچائیں۔

ایک سنہری موقعہ اور ملا جس میں اپنے نقطۂ نظر کو بیان کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک جلسہ عام تھا جو ردِّ قادیانیت اور ردِّ شیعیت کے سلسلے میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں راقم کو تقریر کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہاں علماء کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جو متذکرہ موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے بلکہ دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے۔ البتہ وقت کی قید تھی کہ ہر مقرر کو سوائے ایک مقرر کے جن کو آخر میں خطاب کرنا تھا، صرف آدھے گھنٹے میں تقریر ختم کرنا ہوگی۔

یہاں مناسب ہے کہ آخری مقرر کا تھوڑا سا تعارف ہو جائے۔ آپ کا اسم گرامی جناب خورشید انور صاحب ہے۔ آپ ایک عالم دین ہیں اور آج کل زنگلا کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے لاہور میں دارالعلوم نعیمیہ سے علم دین میں سند حاصل کی ہے۔ آپ طالب علمی کے دور سے ہی امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے متعارف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "لاہور میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب موصوف کا جہاں کہیں درس قرآن ہوتا تھا میں اس میں ضرور شرکت کرتا تھا اور اسی وقت سے ڈاکٹر صاحب کے نقطہ نظر سے متاثر ہوں۔" چنانچہ آج کل مولانا موصوف جس انداز سے توحید و سیرت نبوی ؐ کو بیان کرتے ہیں اس طرح اگر مذکورہ دارالعلوم سے فراغت پانے والا ہر عالم بیان کرے تو موجودہ فروعی اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

وقت کی تنگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے راقم نے اس آدھے گھنٹے کا استعمال س طرح کیا کہ تقریباً ۲۵ منٹ میں تنظیم اسلامی کی اساسی دعوت پر متعلقہ آیات قرآنی کی روشنی میں اپنی گفتگو کسی حد تک مکمل کر لی۔ آخر میں قادیانیت اور شیعیت کے بارے میں اپنی رائے پیش کی۔ اس میں راقم کا نقطہ یہ تھا کہ اگر دین غالب، قائم اور نافذ ہو تو چاہے قادیانی فتنہ ہو یا شیعیت، سارے فرو ہو سکتے ہیں۔ چونکہ س وقت دین بالفعل قائم نہیں ہے اس لیے ان فتنوں کو پنپنے کا موقع مل رہا ہے۔ اگر دین کو قائم کرنے کی ہم نے جدّ و جہد نہ کی تو یہی نہیں بلکہ اور کئی طرح کے فتنے بپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس گفتگو کے بعد بھی چند احباب نے ملاقات کی درمزید معلومات حاصل کیں۔ جن حضرات نے اس طرح کی دلچسپی لی انہیں اپنی اجتماعی جدوجہد سے آگاہ کیا جس کے لیے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ مزید برآں جلسے کے اختتام پر علماء حضرات میں سے بعض کو "دعوت رجوع الی القرآن" "حکمت قرآن" کا شمارہ پیش کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی آراء سے ہمیں نوازیں۔

ادھر ۲ر جولائی کو کراچی سے ایک ٹیلی گرام موصول ہوا جس میں ۳ر اگست سے پہلے میری واپسی کا تقاضا تھا۔ اس طرح یکم اگست کو واپسی کا پروگرام طے پایا۔ واپسی سے دو دن قبل اُن نوجوانوں کو اپنے محلّے کی مسجد میں مدعو کیا جو عید الفطر

کے دن کافی جوش وخروش دکھا رہے تھے۔ ان کے سامنے بحیثیت "مسلمان" ہماری دینی ذمہ داریاں" واضح کرنے کی کوشش کی اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اجتماعی جدوجہد کے حوالے سے تنظیم کی اہمیت بھی واضح کی۔ ان حضرات میں سے چھ نوجوان آگے بڑھے اور اپنے آپ کو جماعتی تنظیم میں منسلک کرنے کے لیے پیش کیا اور عہد نامہ رفاقت پڑھا۔ ان چھ افراد میں ایک ہائی سکول زنگلا کے مدرس ہیں اور دو طالب علم۔ بقیہ نوجوانوں میں ایک راقم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان افراد کی تربیت اور انہیں تنظیم کا پابند بنانے کے لیے مدرس موصوف کو راقم نے اپنی صوابدید پر ناظم مقرر کیا۔ کیونکہ یہی پابند سنت شخص تھے۔ میری حقیر رائے یہ ہے کہ امیر محترم کسی ایسے رفیق کو ان نوجوانوں کی تربیت کے لیے مامور فرمائیں جو مہینے میں کم از کم دو مرتبہ ان کی خبر گیری کے لیے آزاد کشمیر جائے۔

اس مقام کا محلِ وقوع یہ ہے : ضلع پونچھ کا یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو زنگلا سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس گاؤں کو طارق آباد کہتے ہیں اور یہ تحصیل دہیرکوٹ میں واقع ہے۔

جن چھ افراد نے عہد نامہ رفاقت پڑھا اُن کے پتے اور اسماء حسب ذیل ہیں۔ (۱) زاہد حسین صاحب (ناظم) ڈاک خانہ زنگلا۔ گاؤں طارق آباد۔ تحصیل دہیرکوٹ ضلع پونچھ آزاد کشمیر

(۲) محمد ممتاز خان	(رفیق)	ایضاً
(۳) فیاض احمد خان	"	"
(۴) عبدالغفور خان	"	"
(۵) محمد زبیر خان	(طالب علم)	"
(۶) محمد آصف	"	"

ملتان/وہاڑی : (۲۸ -- ۲۹ جولائی ۱۹۸۳ء)

جیسا کہ گذشتہ ماہ عرض کیا گیا تھا تنظیمی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے مرکز کی جانب سے رفقاء کے گروپ ایسے علاقوں میں بھیجے جاتے ہیں جہاں تنظیم کی شاخ حال ہی میں قائم ہوئی

ہو۔ اس ضمن میں لاہور کے دو رفقاء کے ایک چھوٹے سے گروپ نے ملتان اور دناڑی کا دورہ کیا۔ اس کے امیر ڈاکٹر وقار تھے۔ دورے کی اجمالی رپورٹ انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے :۔

الحمد للہ یہ مختصر دورہ تنظیم کے کام اور خود اپنی ہدایت کے اعتبار سے بہت موزوں رہا۔ میرے رفیقِ سفر حسب سابق جناب شیخ حفیظ صاحب تھے۔ پروگرام مرکز کی طرف سے ہدایت کے مطابق ملتان اور دناڑی کا تھا۔ ملتان پہنچ کر معلوم ہوا کہ نہ تو امیر ملتان موجود ہیں اور نہ ہی ہمارے پہلے میزبان ڈاکٹر طغا کوانی صاحب۔ ہماری ملتان آمد کی اطلاع اگرچہ جناب ماجد خاں صاحب کو مل چکی تھی مگر ہمیں ان کے گھر کے راستے کا علم نہیں تھا۔ بہرحال ہم سیدھے گلگشت کالونی کی مرکزی مسجد میں گئے۔ حسن اتفاق سے وہاں ماجد صاحب کے والد نماز کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان سے تعارف کروایا اور اپنی صورت حال عرض کی۔ وہ ازراہِ لطف و کرم ہمیں اپنے ہاں لے گئے۔ گھر جا کر انہیں علم ہوا کہ ہماری آمد ان کے دولت خانے پر ہی ہونی چاہئے تھی۔ ماجد صاحب جو اپنی ڈیوٹی پر تھے کچھ دیر کے بعد گھر تشریف لے آئے۔ شام کے اجتماع میں سب رفقاء کو اکٹھا کر لیا گیا۔ ان کے سامنے دعوت کی بات تفصیلی طور پر رکھی گئی۔ کام کی رفتار ملتان میں کچھ رمضان اور کچھ رفقاء کی غیر موجودگی کے باعث پچھلے دو ماہ سے تقریباً رُکی ہوئی تھی جس کو نئے سرے سے منظم کرنے اور چلانے کی درخواست کی گئی۔ رفقاء بہت پرخلوص ہیں۔ امید ہے یہ علاقہ تنظیم کے لئے بہت مؤثر ثابت ہوگا۔

اگلے دن صبح صبح دناڑی کے لئے روانہ ہوئے اور ۹ بجے کے قریب ۱۰۰ کلومیٹر پر واقع اس بستی میں پہنچے۔ ڈاکٹر منظور صاحب کے کلینک کا خاکہ جو انہوں نے سالانہ اجتماع کے موقع پر بتایا تھا اسی کو ڈھونڈتے ہوئے بہرحال پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب خاصی تندہی سے وہاں کام کر رہے ہیں۔ ہمارے پہنچنے کے تقریباً ۲ گھنٹے کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ اس لئے کہ وہ ایک رفیق (جو کہ ان کے بھتیجے ہوتے ہیں) کے مکان کی تعمیر کے سلسلے میں قریبی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ جمعہ کے وقت سب رفیق جمع ہو گئے تھے۔ ملتان کی طرح یہاں بھی ایک صاحب غیر حاضر تھے۔ بہرحال رفقاء کے سامنے یاد دہانی کے طور پر میں نے دعوت و اقامت دین کی اہمیت واضح کی۔ ڈاکٹر منظور صاحب

(باقی صفحہ ۶۵ پر)

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ
رین بو انٹرنیشنل
برآمدی اشیاء
آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ⁘ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ⁘ کاٹن گارمنٹس ⁘ احرام تولیہ ⁘ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ⁘ لکڑی کا فرنیچر۔
درآمدی اشیاء
لاکھ دانہ ⁘ سٹکر فلم ⁘ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ⁘ پولیسٹر ریان۔
مرکزی دفتر
I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر:- کراچی - فیصل آباد۔

ضمیمہ میثاق ستمبر ۸۳ء

(۱)

ڈاکٹر اسرار احمد

کا خط بنام — صدر پاکستان

جنرل محمد ضیاء الحق بالقابہ

(تحریر : ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۲ء)

(۲)

خطاب بہ صدر مملکت

مسجد دار السلام، باغِ جناح، لاہور، ۲۸ر نومبر ۸۰ء

(شائع شدہ میثاق، دسمبر ۸۰ء)

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی و محترمی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و صدرِ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی - مندرجہ ذیل گذارشات پیشِ خدمت ہیں:-

مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ میں معروف اور مروّجہ معنی میں ہرگز سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میرے بیشتر اوقات اور تمام تر مساعی مستقبل کے اسلامی انقلاب کے لئے میدان ہموار کرنے کی غرض سے دعوتی و تبلیغی اور تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کے لئے وقف ہیں۔ (چنانچہ یہی میرے وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ سے استعفے کا اہم ترین سبب تھا۔!)

ساتھ ہی مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ یہ حقیقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکتی کہ کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہو سکتا۔ بایں معنی کہ وہ ملک و ملت کے حالات سے قطعاً بے خبر یا لاتعلق رہے اور قوم و وطن کی صلاح و فلاح یا اُن کو درپیش خطرات و خدشات کے بارے میں سوچ بچار اور غور و فکر سے بھی کام نہ لے۔

چنانچہ میں بھی اس ضمن میں اپنی امکانی حد تک حالات کا مشاہدہ بھی کھلی آنکھوں سے کرتا ہوں اور دوسروں سے تبادلۂ خیال بھی کھلے قلب و ذہن کے ساتھ کرتا ہوں۔ علاوہ اس سلسلے میں مجھے اپنے اُن دَوروں اور سفروں سے بھی مدد ملتی ہے جو مجھے اپنی دعوتی و تبلیغی مساعی کے ضمن میں اندرونِ ملک یا بیرونِ وطن کرنے پڑتے ہیں، — اور پھر خود غور و فکر بھی کرتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو رائے بھی میری بنے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے مطابق مشورہ پورے نصح و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ عوام کو بھی دوں اور ان کو بھی جن کے ہاتھوں میں ملک و قوم کی زمام کار ہے۔ از روئے فرمانِ نبویؐ: "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی "دین تو تمام ہی نصح و اخلاص اور خیر خواہی و وفاداری کا ہے" اور جب پوچھا گیا "لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟" یعنی "حضورؐ! کس کے ساتھ؟" تو ارشاد ہوا: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ

وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ "۔ یعنی " اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اخلاص و وفاداری اور مسلمانوں کے اُولوالامر اور عوام دونوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی!"

یہی وجہ ہے کہ آج سے سوا دو سال قبل غالباً ۱۸ / اگست ۸۰ء کو اسلام آباد میں علماء کنونشن، سے قبل منعقدہ مشاورتی اجلاس کے موقع پر جب میں نے آپ سے چند منٹ علٰحدگی میں گفتگو کی تھی، تب بھی بعض مشورے آپ کے گوش گذار کئے تھے جن کا تعلق اکثر و بیشتر ملک کی سیاسی صورتِ حال سے تھا اور پھر جب اوائل مئی ۸۲ء میں لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں، میں 'شوریٰ' سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے حاضر ہوا تھا، تب بھی میں نے بعض مشورے دیئے تھے جن کا تعلق اِس ملک میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ سے تھا ــ اور اللہ گواہ ہے ــ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل بھی گواہی دے گا کہ ان دونوں مواقع پر میرا محرک مندرجہ بالا حدیث نبویؐ کے مطابق نُصح و خیر خواہی کے جذبے کے سوا اور قطعاً کچھ نہ تھا! ــ اور خالصتاً اسی جذبے کے تحت آج پھر میں اس عریضے کے ذریعے حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں، اس دُعا کے ساتھ کہ اللہ تعالٰی مجھے حق کہنے اور آپ کو حق سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے ۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ ، آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

جہاں تک اس ملک میں 'اسلامی شعائر کی ترویج اور شریعتِ اسلامی کے نفاذ ـ یا بالفاظ دیگر 'اسلامی نظام' کے قیام کا تعلق ہے اس کے بارے میں مجھے اس وقت کچھ عرض نہیں کرنا ـ جس کا اصل سبب، میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں، یہ ہے کہ اس معاملے میں مَیں آپ سے قطعاً مایوس ہو چکا ہوں ــ اور عرض و معروض یا گلہ شکوہ وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی توقع موجود ہو!

مجھے خوب معلوم ہے کہ اِس ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی ہر اعتبار سے نہایت بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلام کا قیام و نفاذ کوئی آسان کام نہیں اور اس کیلئے

یقین محکم پر مبنی جرأتِ مومنانہ اور علم راسخ پر مبنی حکمتِ عمل کی ضرورت ہے۔ لیکن آپ کو تقدیرِ الٰہی نے جو ایک موقع عطا فرمایا تھا کہ آپ ع "بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا" کے مصداق اگر دینِ حق کے قیام و نفاذ کے لئے بھرپور کوشش اور پورے جرأت مندانہ اقدام کے باوجود خدانخواستہ ناکام رہتے تو کم از کم ایک ایسی مثال تو تاریخ میں چھوڑ جاتے کہ اگر ایک غیر مسلم (پرنس آف ویلز بعدہٗ ڈیوک آف ونڈسر) ایک عورت کی خاطر وقت کی عظیم ترین سلطنت کے تخت سے دست بردار ہو سکتا ہے تو ایک مسلمان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی اسلام کی خاطر حکومت و اقتدار کو قربان کر سکتا ہے ــــ مجھے شدید افسوس ہے کہ آپ اس موقع کا حق ادا نہ کر سکے۔

اس ضمن میں جیسا کہ میں نے ۲۰ اگست ۸۰ء کو علماء کنونشن میں اپنی تقریر میں عرض کیا تھا، ابتدائی تین سال، جو اس اعتبار سے نہایت قیمتی تھے کہ "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" کا جوش و خروش برقرار تھا اور ملکی فضا میں وہ کیفیت قائم تھی کہ نظامِ اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں بڑے سے بڑا اقدام بھی بلا روک ٹوک کیا جا سکتا تھا، تعطّل اور تربص کے نذر کر دیئے گئے (اس طرح اُسی غلطی کا اعادہ ہو گیا جس کا ارتکاب پاکستان میں برسرِ اقتدار آنے والی اوّلین قیادت نے کیا تھا)۔

پھر جب حدود اور زکوٰۃ آرڈیننس کا اجرا ہوا اور اس پر اہلِ تشیع کی جانب سے جارحانہ ردِّ عمل ظاہر ہوا تو نہ صرف یہ کہ گھٹنے ٹیک دیئے گئے بلکہ ـــــ زیادہ قابلِ افسوس اور اہم تر بات یہ کہ نظامِ زکوٰۃ کے ضمن میں شیعہ اور سُنّی کے مابین تفریق کر کے ضعیف الایمان یا ناواقف سُنیوں کے شیعہ بن جانے کا دروازہ کھول دیا گیا ـــــ اس کے باوجود کہ میں نے ۱۸ اگست ۸۰ء کے مشاورتی اجلاس میں خدا کا واسطہ دے کر عرض کیا تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ زکوٰۃ آرڈیننس پورے کا پورا واپس لے لیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو حسبِ سابق عوام کا نجی معاملہ قرار دے دیں ــــ لیکن خدارا اس میں شیعہ اور سُنّی میں فرق و امتیاز نہ قائم فرمائیے گا۔

اجتماعیاتِ انسانیہ کے ذیل میں اوّلین معاملہ عائلی اور سماجی نظام کا ہے اور اس ضمن میں ایک طرف عائلی قوانین کو شریعت کورٹ کے دائرہ کار اور حدودِ اختیار میں لانے کی جرأت آپ اس لئے نہیں کر پا رہے ہیں کہ بعض اعلیٰ طبقات کی بیگمات اور کچھ مغرب

زدہ خواتین کی جانب سے ناموافق ردِّ عمل کا اندیشہ ہے ـــــ اور دوسری طرف معاشرے میں خواتین کے مقام و کردار اور ستر و حجاب یا خود آپکے الفاظ میں "چادر اور چار دیواری" کے ضمن میں اسلام کے نقطۂ نظر کے بارے میں جو اختلافات گذشتہ دنوں ہمارے ملک میں زور شور سے ظاہر ہوئے، اس کے بارے میں اگرچہ زبانی تو آپنے کچھ باتیں ایسی بھی کہیں جو دینی طبقات کے لئے اطمینان بخش تھیں، لیکن عملاً اپنا پورا وزن مغرب زدہ اور اباحیت پسند حلقے میں ڈال رکھا ہے (بالخصوص آپکے حالیہ غیر ملکی دوروں کے دوران آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ کا یہ طرزِ عمل کہ سر سے چادر بھی اتر گئی ـــــ اور نامحرموں سے مصافحہ بھی ہوگیا ـــــ از خود بھی فیصلہ کن تھا، لیکن اس پر مزید مہر تصدیق آپ کے اُن فرمودات سے ثبت ہوگئی جو آپنے غالباً ہوسٹن میں ارشاد فرمائے تھے۔)

بنابریں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے عظیم معرکے کے آپکے ہاتھوں سر ہونے کی اب کم از کم مجھے کوئی امید باقی نہیں رہی ـــــ اور مجھے اس رائے تک پہنچنے میں کہ یہاں اسلام صرف انقلابی طریق کار ہی سے آسکتا ہے، آپ کے اس جملے نے بھی مدد دی ہے جو رحیم یار خان میں بلدیاتی نمائندوں کے ایک اجلاس میں ایک برقع پوش خاتون کونسلر کے تابڑ توڑ سوالات کے جواب میں کہ آپ نفاذِ اسلام کے لئے یہ کیوں نہیں کرتے؟ اور وہ کیوں نہیں کرتے؟ آپنے ارشاد فرمایا تھا کہ "بیٹی! اس ملک میں اسلام کسی انقلابی عمل کے نتیجے میں نہیں آ رہا کہ ہم اتنے بڑے بڑے قدم اُٹھا سکیں!!" (یہ روایت ہے رحیم یار خاں کے معروف دینی اور سماجی کارکن ڈاکٹر محمد نذیر مسلم صاحب کی، جو اس خاتون کونسلر کے ملو لیاہیں،

تاہم پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے ضمن میں ایک مشورہ میں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور اصلاً اسی کے لئے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں چونکہ مجھے اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات اور حالات کے تجزئے اور جائزے سے شدید اندیشہ لاحق ہے کہ مستقبل کا مؤرخ کہیں یہ نہ کہے کہ "۱۹۴۷ء میں 'پاکستان' کے نام سے مسلمانوں کی جو عظیم ترین مملکت وجود میں آئی تھی اُسے اوّلاً تو ۱۹۷۱ء میں دو لخت کیا ایک شرابی اور زانی ٹولے نے اور پھر اس کے مزید ٹکڑے ہوئے

) BALKANISATION) کا ماہ نہ رونا ہوا ایک پابند صوم و صلوٰۃ اور دین و ملک و پرہیزگار شخص کے ہاتھوں !!" معاذ اللہ ! ثم معاذ اللہ !!!

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸ اگست ۸۰ء کو بالکل علیحدگی میں گفتگو کے دوران میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ " ملک میں جو سیاسی خلا مارشل لاء کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے، اُس کو دور کرنے کے لئے آپ کے ذہن میں نقشہ کیا ہے ؟ میری رائے میں تو یہ سیاسی خلا (Political Vacuum) خودکشی (Suicide) کے مترادف ہے !! " ــــ اس پر آپ نے گہرے تاثر کے انداز میں فرمایا تھا کہ "ڈاکٹر صاحب ! میں نے اپنا تو جائزہ لے لیا ہے کہ میرے اندر ہمت نہیں ہے (جس کے معنی میں نے یہ لئے تھے کہ آپ صدر ایوب مرحوم کے طرزِ عمل کی جانب اشارہ کر رہے ہیں) لیکن موجودہ سیاسی جماعتوں کو حکومت دے دینے کو بھی میں اتنا ہی Suicidal سمجھتا ہوں اور تیسری کوئی شکل موجود نہیں ہے !" ــــ جس پر میں نے عرض کیا تھا کہ " نہیں جناب ! تیسری صورت موجود ہے اور وہ یہ کہ آپ No Party Basis اور Shortest Possible Notice پر الیکشن کرا دیں !! " ــــ تو آپ نے فرمایا تھا کہ " ہاں اس پر ہم غور کر رہے ہیں کہ short notice اور No Party Basis نیز ایک L.F.O. کے ساتھ الیکشن کرا دیں !" ــــ آخر میں میں نے عرض کیا تھا کہ " یہ بالکل درست خیال ہے لیکن آپ آخر کب تک سوچتے رہیں گے ؟ جلدی کیجئے ! " Time is running out for You " ــــ آج اس گفتگو کو سوا دو سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا لیکن افسوس ہے کہ وہ سیاسی خلا جوں کا توں موجود ہے اور آپ کی جانب سے اس کے دُور کرنے کے لئے تا حال کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ۔

اس ضمن میں غالباً آپ کے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہ تا حال چل سکی ہے ، نہ ہی اس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے ــــ اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اس صورت حال سے دھوکہ نہ کھائیے ۔ اس لئے کہ اس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبِ وطن بالخصوص دینی و مذہبی مزاج کے لوگ کوئی

Risk لینے کو تیار نہیں ہیں ۔ لیکن اگر ایسا ہے تو کون نہیں جانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رُونما ہو سکتی ہے اور دوسرے کسی ملک کے بقا و استحکام کے لئے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت اس ملک کے اپنے عوام کا اطمینان ہوتا ہے ۔

اس سلسلے میں بالخصوص اندرونِ صُوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہوگا ۔ لیکن میں اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کرسکتا کہ بعض اوقات صاحبِ اقتدار لوگوں کے اردگرد جن لوگوں کا حصار قائم ہو جاتا ہے وہ اُسے صحیح صورتِ حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے ۔ واللہ اعلم !

میرے اندازے میں سندھ میں " سندھو دیش " کے لئے میدان پوری طرح اُسی طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں " بنگلہ دیش " کے لئے ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دُور اور کٹا ہوا تھا اس لئے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنڑول نہ کرسکی اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے ۔ لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو بآسانی کچلا جاسکتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس عامل Factor پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے ۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہمارے سیاسی مبصروں اور تجزیہ نگاروں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ اس سبب کو بیان کیا تھا کہ پاکستان میں (ایوب خان مرحوم کے) مارشل لاء کے نفاذ نے وہاں کے لوگوں میں سیاسی محرومی کا احساس پیدا کر دیا تھا اور علیحدگی پسندوں کے ہاتھ میں سب سے بڑی دلیل یہ آگئی تھی کہ فوج چونکہ ساری مغربی پاکستان کی ہے لہٰذا فوج کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان پر حکومت کر رہا ہے ۔۔۔ آج بعینہٖ یہی دلیل سندھ کے علیحدگی پسند لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ فوج کا اکثر و بیشتر حصّہ پنجاب سے ہے اور کچھ تھوڑا سا سرحد سے ۔ لہٰذا مارشل لاء کے پردے میں اصلاً " پنجاب " ہم پر حکومت کر رہا ہے ۔۔۔ اور ہر گزرنے والا دن اس دلیل کو قوی سے قوی تر کر رہا ہے ۔۔۔ !

بنا بریں میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا اس تعطل کو جلد از جلد رفع کرنے کی جانب فوری پیش قدمی فرمائیے ایسا نہ ہو کہ یہ آتش فشاں پھٹ پڑے اور پھر ملک و ملّت کے کسی بھی بہی خواہ کے کئے کچھ نہ ہوسکے ۔۔۔ !!

مجھے خوب اندازہ ہے کہ ایک جانب ہم اس وقت جس صورتِ حال سے دوچار
ہیں، اس میں اکثر سیاسی جماعتوں کے مبینہ، موقف کے مطابق ۱۹۷۳ء کے دستور
کے تحت انتقالِ اقتدار کے لئے فوری انتخاب میں بہت سی پیچیدگیاں مضمر ہیں ـــ
دوسری جانب ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں آپکے ذہن میں جو مختلف تجویزیں ہیں،
وہ بھی ملک وملت کی خیرخواہی کے جذبے پر مبنی ہیں ـــ اور تیسری جانب مختلف
سیاسی حلقوں کی طرف سے بھی جو اختلافِ رائے اِن موضوعات پر سامنے آرہا ہے کہ
انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط؟ ـــ اور حسبِ سابق ہوں یا متناسب نمائندگی کے
اصول پر ـ ؟ وغیرہ وغیرہ ـــ وہ بھی یقیناً خلوص واخلاص ہی پر مبنی ہیں ـــ لیکن
میرے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ ان معاملات میں آخری فیصلہ کرنے کا مجاز کون ہے؟
کیا صرف آپ اور آپکے "رفقاءِ کار" یعنی مارشل لاء انتظامیہ ؟ یا زیادہ سے زیادہ
وہ سیاسی جماعتیں جو کسی درجے میں آپ کی منظورِ نظر ہیں یا کم از کم آپ کے لئے قابلِ
قبول ہیں ـــ ؟؟ یا کوئی اور ـــ ؟؟؟

میں اس مسئلہ پر کم وبیش چھ ماہ سے مسلسل غور کرتا آرہا ہوں ـــ اور ایک
رائے جس پر میرا دل ٹھک گیا ہے، تجویز کی صورت میں خالصۃً ملک وملت اور خود
آپکی خیرخواہی کے جذبے کے تحت آپکے سامنے رکھ رہا ہوں وہ تجویز یہ ہے کہ :-

(۱) ملک میں ایک انتخاب فوراً ہو ـــ یعنی فروری یا مارچ ۱۹۸۳ء میں ـــ
لیکن یہ انتخاب انتقالِ اقتدار یا تشکیلِ حکومت کے لئے نہ ہو بلکہ ایک منتخب
مجلسِ شوریٰ، یا 'مجلسِ ملی' کے لئے ہو ـــ اس میں حق رائے دہی کی اساس
اور حلقہ جات کی تشکیل تو بالکل وہی ہو جس پر فروری ۷۷ء میں انتخابات
ہوئے تھے ـ لیکن ہو یہ خالص غیر جماعتی بنیاد (No Party Basis) پر ـ!

(۲) اس طرح جو مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملی وجود میں آئے، اس کے سامنے ملک
کے آئندہ نظام کے بارے میں جو تجاویز آپکے سامنے ہیں، وہ آپ رکھیں اور
طرزِ انتخاب وغیرہ کے ضمن میں جو باتیں دوسرے لوگوں کے سامنے ہیں، انہیں
وہ رکھیں ـــ اور ان تمام امور پر یہ مجلس ایک سال کے عرصے کے اندر اندر
فیصلہ دے، جو نہ صرف یہ کہ دوتہائی اکثریت پر مبنی ہو بلکہ ہر صوبے سے منتخب

شدہ لوگوں کی بھی کم از کم نصف تعداد لازماً اس میں شامل ہو — !

(۳) اگر یہ مجلس اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سر کر لے اور مطلوبہ اکثریت کے ساتھ نظام تجویز کر دے تو مارشل لاء انتظامیہ تین سے چھ ماہ کے عرصے کے اندر اندر اس کے مطابق انتقالِ اقتدار اور تشکیلِ حکومت کے لئے الیکشن کرا دینے کی پابند ہو — اور اگر وہ مجلس ایک سال کے اندر اندر تفویض کردہ ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو وہ از خود تحلیل (Dissolve) ہو جائے اور پھر تین سے چھ ماہ کے عرصے میں اسی 'مجلسِ شوریٰ' یا 'مجلسِ ملی' کا انتخاب دوبارہ ہو اور جب تک مطلوبہ اتفاقِ رائے (Consensus) حاصل نہ ہو، یہ سلسلہ جاری رہے — اور اس دوران میں فوج کے لئے نہ صرف اخلاقاً جائز بلکہ ملک و قوم کی حفاظت و سالمیت کے اعتبار سے لازم سمجھا جائے کہ وہ Care Taker کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلاتی رہے — !

اس تجویز کے محاسن یا روشن پہلوؤں پر گفتگو کو میں اس لئے تحصیلِ حاصل سمجھتا ہوں کہ وہ اظہر من الشمس ہیں — البتہ اس کے خلاف اس واحد دلیل کا جائزہ لینا لازمی ہے جو بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتی ہے یعنی کہ کہیں مجوزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملی ایک بھرپور "دستور یہ" (Full Fledged Constituent Assembly) کا کردار اختیار نہ کر لے اور دستورِ ملکی کے خطرناک صندوقچے (Pandoras Box) کو کھول کر اُن نازک اور پیچیدہ مسائل کو از سرِ نو نزاعی نہ بنا دے جو ۱۹۷۳ء کے دستور میں طے شدہ ہیں۔

میرے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور اور بودی ہے، اس لئے کہ مسائل کا حل ان سے اعراض اور صرفِ نظر سے نہیں بلکہ مقابلے اور مواجہے (یعنی Face کرنے) ہی سے ممکن ہوتا ہے — پاکستان کا قیام محض ایک وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ ہندوؤں ایسی منظم اور بیدار قوم اور وقت کی حکمران طاقت (لیبر گورنمنٹ) کی متفقہ خواہشات

کے علی الرغم پاکستان صرف اس لئے قائم ہوا کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کے انتقامی طرزِ عمل کے اندیشے کا منفی محرک موجود تھا تو دوسری طرف احیائے اسلام کا مثبت جذبہ بھی موجود تھا جسے قائدِ اعظم مرحوم کے مسلسل اعلانات نے ایک نہایت قوی امید کی صورت دے دی تھی ــــ اور تیسری طرف ارادہ الٰہی اور مشیتِ ایزدی بھی شاملِ حال تھی جو اصل فیصلہ کن عامل (Factor) ہے ــــ اور یہ تینوں عوامل اب بھی پوری قوت و شدّت کے ساتھ موجود ہیں ــــ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے (یعنی Mobilise کیا جائے!) اور یہ کام ان شاءاللہ اس مجوزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی اور اس کیلئے منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعہ ہو جائیگا ـ اسلئے کہ چونکہ یہ انتخابات نہ تشکیل حکومت کے لئے ہوں گے اور نہ ہی جماعتی بنیاد (Party Bases) پر ہوں گے لہٰذا اس میں سیاسی حلقوں اور جماعتوں کی صف بندی (Polarisation) خالصتہً اس اساس پر ہوگی کہ کون محبّ دین اور محبِّ وطن ہے ــــ اور کون لا دینیّت، الحاد، مادّہ پرستی، اباحیت اور علاقائی و لسانی قومیتوں کا عاشق اور پرستار ــــ!! ــــ اور مجھے یقین ہے کہ اگر تقسیم اس واضح اساس پر ہو تو ان شاء اللہ فیصلہ کن فتح محبّ اسلام اور محبّ پاکستان قوتوں کو حاصل ہوگی ـ جیسے کہ اکثر مبصرین اور تجزیہ نگار حضرات نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کہا تھا کہ وہاں اگر لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ یہ رکھا جاتا کہ 'پاکستان' کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا اس سے علیحدہ ہونا؟ ــــ تو وہاں کے عوام کی غالب اکثریت لامحالہ 'متحدہ پاکستان' کے حق میں رائے دیتی!) مجھے اس تجزیہ سے کامل اتفاق ہے ــــ اور مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری تجویز پر عمل درآمد کے نتیجے میں ان شاءاللہ العزیز 'تحریک پاکستان' کے از سرِ نَو احیاء کا وہ مقصد باحسنِ وجوہ حاصل ہو جائے گا جس کے لئے آپ ہر سال 'یوم پاکستان' ـ 'یوم اقبال' ــــ اور 'عید میلاد النبیؐ' منانے کے ضمن میں کروڑوں روپے صرف کر رہے ہیں ـ (جو معاف فرمائیے، اکثر و بیشتر ضیاعِ محض ہے ــــ!)

میں اپنی اس تجویز اور اس کی افادیت پر بحمداللہ عقلی اور نظری اعتبار سے پوری طرح مطمئن ہوں ـ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا ایک وجدانی احساس

یہی ہے، جسے میں آپ پر ظاہر کر دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا — اور وہ یہ کہ قرآن حکیم میں سورۃ مائدہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مصر کے طویل دورِ غلامی کے نتیجے میں ان میں سیرت و کردار کا جو زوال و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا، وہ چالیس برس کی صحرا نوردی کے بعد رفع ہو سکا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی آزادی کے بعد بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرائے تیہ، میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس کے لگ بھگ ہونے کو آئے ہیں تو کیا عجب کہ اب اس بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا سراغ مل ہی جائے — !! اور مملکتِ خداداد پاکستان عالمی سطح پر احیاءِ اسلام اور غلبۂ دین کے انقلاب آفریں عمل کے ضمن میں اپنے مثبت کردار کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ اور سرگرم عمل ہو ہی جائے — !!! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

بصورتِ دیگر مجھے شدید اندیشہ ہے کہ ہمارا ملک تدریجاً جس محاذ آرائی کی جانب بڑھ رہا ہے اس کے دھماکہ خیز صورت اختیار کرنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی اور آپکے تاحال امریکہ اور روس کے مابین جو نازک توازن برقرار رکھا تھا، اس میں آپکے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد جو تبدیلی آئی ہے اُسکی بنا پر روس اور بھارت دونوں ایسی کسی بھی صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے — اور اس کا نتیجہ ملک و ملت کے حق میں کسی طرح بھی خوش آئند نہ ہوگا۔

فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

۲۷ دسمبر ۸۲ء

مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

خطاب بہ صدرِ مملکت

اسرار احمد

دورانِ خطبہ جمعہ، مسجد دارالسلام،
باغِ جناح، لاہور —— ۲۸ نومبر ۱۹۸۰ء

"آپ حضرات کے علم میں ہے کہ آج صدرِ مملکت جناب محمد ضیاء الحق صاحب نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے اس مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ یہ ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔ اگرچہ ایک پہلو سے ذرا تکلیف بھی ہوئی ہے۔ چونکہ باغ میں ہم نے سکیورٹی کا کچھ زیادہ ہی اہتمام دیکھا (یہ اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ انڈونیشیا کے صدر جناب سوہارتو صاحب نمازِ جمعہ کے بعد عصرانہ میں شرکت کے لیے باغِ جناح میں تشریف لانے والے تھے۔) شاید ہمارے چند مستقل نمازی ان غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی وجہ سے مسجد تک نہ پہنچ سکے ہوں اور لوٹ گئے ہوں۔ بایں ہمہ صدرِ مملکت کی موجودگی ہمارے لیے بڑی مسرت کی بات ہے۔ میں اس موقع پر چند باتوں کی طرف صدر صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ کام میں اس امید پر کر رہا ہوں کہ صدر صاحب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ میں ایک خالص غیر سیاسی آدمی ہوں۔ میں اُس وقت بھی عملی طور پر غیر سیاسی آدمی تھا، جب یہاں سیاست کی بڑی کھچڑیاں پک رہی تھیں اور بہت سے لوگوں نے بہتی گنگا سے خوب ہاتھ دھوئے تھے۔ میں اُس وقت بھی تمام ہنگاموں سے بالکل الگ تھلگ رہا اور اُسی کام میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف رہا جس کو میں نے پورے شعور اور محاسبہ اُخروی کے احساسِ مسئولیت کے ساتھ اختیار کیا تھا اور اپنا نصب العین بنایا تھا یعنی قرآن حکیم کی روشنی میں اعلائے کلمۃ اللہ اور تجدیدِ ایمان کے لیے سعی و جہد اور دعوت و تبلیغ۔ الحمد للہ میں اس کام میں پوری یکسوئی کے ساتھ لگا رہا اور لگا ہوا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر کہ اس نے ہر قسم کی سیاسی اور ہنگامی ترغیبات کی طرف مجھے آنکھ اٹھانے سے محفوظ رکھا ہے۔ میں فی الوقت صاحبِ صدر کی خدمت میں جو معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اس امید پر کہ موصوف ان

کو تحمل کے ساتھ سُنیں گے۔ مجھے ذاتی طور پر تجربہ ہے کہ صدر صاحب نے بہت سے لوگوں کی باتیں کمال تحمل اور صبر کے ساتھ سُنی ہیں۔ علماء کنونشن میں واقعہ یہ ہے کہ صدر صاحب نے لوگوں کی لمبی لمبی تقریریں جس تحمل و صبر کے ساتھ سُنی ہیں میں ان کے حوصلہ اور ہمت کی داد دیتا ہوں۔ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، کہ لوگوں کی فکری و ذہنی سطح میں عظیم تفاوت ہوتا ہے۔ مختلف ذہنی و فکری سطح کے لوگ جب کسی پلیٹ فارم پر تقریروں کے لیے آتے ہیں تو ان میں تقریریں کام کی بھی ہوتی ہیں اور بھرتی کی بھی ہوتی ہیں۔ ایسے مقررین بھی ہوتے ہیں جو زورِ بیان و تقریر کے اظہار کے لیے اپنی تقریر طویل تر کر دیتے ہیں اور متعلق و غیر متعلق موضوعات پر کافی وقت لے لیتے ہیں۔ لیکن میں نے علماء کنونشن میں دیکھا ہے کہ صدر صاحب نے بڑے سکون اور توجہ کے ساتھ سب کی باتیں سُنیں۔ ان کے اس حوصلے اور ہمت کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ لہٰذا میں نے ان کے اس وصف کا تذکرہ اپنے امریکہ کے حالیہ دورے میں بھی متعدد مقامات پر کیا اور یہاں بھی اپنی تقریروں میں اور اپنے احباب و رفقاء کی مجالس میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

میں اس موقع پر چند چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف صدرِ مملکت کی توجہ منعطف کرانا چاہوں گا۔ میں بڑی بڑی باتوں کا ذکر دانستہ نظر انداز کر رہا ہوں۔ چونکہ بات موقع و محل کی مناسبت سے کہنی مفید ہوتی ہے۔ باتیں گو چھوٹی ہیں لیکن وہ صرف بظاہر ہی چھوٹی ہیں ورنہ ان کا گہرا تعلق ہمارے مجموعی فکر کے ساتھ ہے۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ کہا تھا اور بالکل درست کہا تھا کہ "ہم مسلمانوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ ہم بڑی بڑی باتوں کے متعلق تو بہت سوچتے ہیں۔ لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ چھوٹی باتیں بسا اوقات بڑی باتوں کے حل میں مانع ہوتی ہیں"۔

اس موقع پر میں صدر صاحب کی خدمت میں پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لیے جائزہ لیجئے کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے کھیل کو حکومت کی جو غیر معمولی سرپرستی حاصل ہے تو کیا یہ گیم قرآن مجید کی طرف سے ہم پر عائد کیا گیا ہے یا سنتِ رسولؐ سے ماخوذ ہے۔ یا ہماری روایات اور تہذیب کا کوئی لازمی حصّہ ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے پانچ پانچ اور چھ چھ دن ہماری پوری قوم معطل ہو کر رہ

جاتی ہے۔ کھیل کی وجہ سے دفتروں میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ لوگ یا تو ٹی۔ وی کھولے کھیل دیکھتے ہیں یا ٹرانسسٹر ریڈیو کے ذریعہ کامنٹری سنتے ہیں۔ غور کیجئے کہ کتنا قیمتی وقت قومی سطح پر ضائع ہوتا ہے۔ ہمارے گیمز اور بھی ہیں، جو ڈیڑھ دو گھنٹے میں کھیلے جاتے ہیں۔ ان میں ایکشن ہے۔ حرکت ہے۔ جوانمردی ہے۔ ایسے گیمز کی سرپرستی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ کرکٹ کا گیم واقعہ یہ ہے میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ آخر کیوں ہم نے اس کو سر فہرست رکھ چھوڑا ہے۔ جبکہ اس گیم کا ہماری روایات سے اور ہماری تہذیب سے کوئی تعلق نہیں! کیا محض اس لیے کہ یہ گیم ہمارے سابق بدیشی حکمرانوں کا خاص اور پسندیدہ کھیل ہے اس کو جاری رکھا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کھیل کی سرپرستی کا کوئی جواز یا فائدہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وقت کا قومی سطح پر زیاں۔ پھر اس کھیل پر لاکھوں کا خرچ! جو فضول خرچی اور اسراف کے ذیل میں آتا ہے۔ اس لیے میں عرض کروں گا۔ کہ ہمدردی سے جائزہ لیجئے کہ اس گیم کی سرپرستی سے قومی سطح پر نقصان اور فائدے کا تناسب کیا ہے پھر کوئی مثبت قدم اٹھایئے۔

دوسری بات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ :۔

" میں اپنی اُمت کے بارے میں جس بات کا سب سے زیادہ اندیشہ رکھتا ہوں وہ عورتوں کا فتنہ ہے" (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے لئے سوچئے ہمارے دین کی کچھ روایات ہیں۔ کچھ شعائر ہیں۔ ہماری شریعت میں جہاں زنا اور قذف کیلئے حدود و تعزیرات مقرر کی گئی ہیں، وہاں ستر و حجاب کے لئے بھی کچھ احکامات دیئے گئے اور کچھ قیود عائد کی گئی ہیں میں یہ بات مختلف مواقع پر اپنی تقاریر و تحریرات میں عرض کر چکا ہوں اور ٹیلی ویژن پر بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ شریعت کے تمام احکام کو نافذ نہیں کریں گے تو یہ شریعت پر ظلم ہو گا اور لوگوں پر بھی ظلم ہو گا۔ ہمیں اپنی روایات کی طرف دیکھنا چاہیئے اور ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم ان سے روگردانی تو نہیں کر رہے ہیں؟

میں بڑی دلسوزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ پتہ نہیں، میری زندگی کتنی ہے اور کتنی زندگی صدر صاحب! آپ کی ہے لہذا قول حق کہنے میں نہ مجھے مداہنت

اختیار کرنی چاہیئے اور نہ ہی آپ کو اس پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے میں تامل کرنا چاہیئے۔ آپ سوچئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپکے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی کی ٹیم دیا ہر جانے کے لئے تیار ہو رہی ہے۔ اور ایسے معاملات میں قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ سیلاب کا رُخ موڑیں اور معاشرے کے وہ طور طریقے ختم کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے دین کی رُو سے برائیاں ہیں اور ہماری اخلاقی اقدار کے قطعی منافی ہیں۔ خدا نے آپ کو اس کا موقع دیا ہے۔ سیاسی باتیں میں اس موقع پر نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اپنی جگہ اہم ہیں۔ لیکن ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہے۔ ویسے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں اور میں اپنی زندگی دین مبین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کی خدمت کے لئے وقف کر چکا ہوں۔ میری یہ حقیر اور ناچیز کوششیں میرے لئے کسی درجہ میں بھی توشۂ آخرت ہو جائیں تو یہی میرے لئے سب سے بڑی سعادت ہے لیکن میں اپنا دینی فرض سمجھتا ہوں کہ مجھے کتاب و سنت سے جو کچھ معلوم ہوا ہے، وہ نبی اکرمؐ کے قول مبارک کہ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" کی تعمیل میں آپ کی دینی و دنیوی خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں۔ حجاب کے احکام ہماری شریعت کے جزو لاینفک ہیں امہات المؤمنین کے لئے سورۃ احزاب میں جو احکام آئے ہیں، وہ محض تلاوت کے لئے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے ہیں جیسے ہمارے مردوں کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسوۂ حسنہ ہیں۔ ہماری خواتین کیلئے بھی تو اُسوہ چاہیئے تھا۔ سورۃ احزاب ہی میں یہ آیت آئی ہے "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" (سورۃ احزاب آیت ۲۱) بلاشبہ اے مسلمانو! تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ایک بہترین و کامل نمونہ ہے۔ اب خواتین کیلئے بھی تو ایک اُسوہ حسنہ چاہیئے تھا۔ خواتین کی زندگی کے کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جن کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اُسوہ نہیں بن سکتی۔ اس ضرورت کیلئے ہماری خواتین کے لئے اُسوہ ہے ازواج مطہرات کا۔ اسی لئے ازواج مطہرات سے قرآن مجید میں اسی سورۃ احزاب میں فرمایا گیا ہے کہ "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" (آیت ۳۲) "اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو" یعنی تمہیں تو اُمت کی خواتین کے لئے نمونہ بننا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ "اگر تم میں

سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے دہری سزا دی جائیگی" (آیت ۳۰) اور تم میں سے
جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی اور نیک عمل کریگی، اس کو ہم دوہرا اجر
دیں گے" (آیت ۳۱) ازواج مطہرات کو جو تنبیہ کی گئی اور جو بشارت دی گئی ہے تو یہ
معاملہ ہمارے غور و فکر کا ہے۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ ان آیات پر تدبر کریں اور ان سے جو
ہدایات اخذ ہوں، ان پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں سے عمل کرانیکی حتی الامکان
اور حتی الوسع کوشش کریں۔ مجھے اندازہ ہے کہ انگریز کی غلامی اور دوسرے اسباب
سے ہمارے معاشرے کی ذہنی و اخلاقی اقدار و روایات میں زبردست انحطاط آیا ہے۔
میں جانتا ہوں کہ ہماری معیشت کا ایسا ڈھانچہ بن گیا ہے جس میں عورتیں معاشی
میدان میں کام کر رہی ہیں۔ ان کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے۔ لیکن میں عرض کرونگا کہ

'Where there is a Will there is a way'

یعنی عزم مصمم ہو اور یہ ارادہ کر لیا جائے کہ یہ کام کرنا ہے، اپنی روایات اور اپنے
دین کی تعلیمات کو اختیار کرنا ہے تو ان شاء اللہ راہ آسان ہو جائیگی۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ صدر ایوب مرحوم کے دور میں جو عائلی
قوانین نافذ کئے گئے تھے، ان کو پاکستان کے ہر مکتب فکر کے علماء کرام نے غلط
قرار دیا تھا لیکن آج بھی ان کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کے لئے سوچیئے کہ جو قوانین بالاتفاق
شریعت سے متصادم ہیں، وہ کیوں نافذ رہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا
کام لے اور آپ اس ملک کی تاریخ میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں۔ ہمارے
ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مواقع دیئے
بدقسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے
لوگوں میں شامل ہو۔ لہٰذا میری مخلصانہ اپیل ہے کہ جو مواقع آپکو حاصل ہیں، انکو غنیمت
سمجھا جائے۔ تبدیلی اور اصلاح کے کام کا آغاز چھوٹی چھوٹی سی باتوں ہی سے کیجیئے" قطرہ قطرہ
بہم شود دریا" — میں نے کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں آپکے سامنے رکھی ہیں۔ میری دعا
ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ جو قول حق ہے، اس کو سنیں
اور قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ کا کامل مصداق بنیں "اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ
فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ" یعنی جو صحیح بات بھی آپ کے گوش گزار ہو، اس کو عزم
مصمم اور بہترین طریق سے روبعمل لانے کی توفیق پائیں۔ آمین یا رب العٰلمین۔

Regd L. No 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

No. 9

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مقام اشاعت:- ۳۶-کے-ماڈل ٹاؤن-لاہور

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۳۲ | شمارہ ۱۰ | محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۳ء

مشمولات

خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر
ضرور تحریر فرمائیں

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد منزل۔
نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت
کراچی۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

إنْ شاءَ اللہ العزیز
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام - اس سال دوسری بار
محاضراتِ قرآنی
۲۸ اکتوبر تا یکم نومبر ۸۳ء - جناح ہال لاہور
میں جاری رہیں گے جن میں مقامی اصحابِ علم و دانش کے علاوہ
ہندوستان سے متعدد علماء کرام شرکت فرمائیں گے، مثلاً:
۱ - مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ (مدیر "برہان"، دہلی)
۲ - مولانا محمد تقی امینی مدظلہ (ناظم سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
۳ - پروفیسر محمد اقبال انصاری (ڈائرکٹر، شعبہ علوم اسلامی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
۴ - مولانا وحید الدین خاں (مدیر "الرسالہ"، دہلی)
۵ - مولانا اخلاق حسین قاسمی (مہتمم مدرسہ رحیمیہ، دہلی)
اور بعض دیگر اصحاب
"صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے!"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

محرم الحرام ۱۴۰۴ھ کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ آج سے دو سال قبل ۱۴۰۲ھ کے ماہِ محرم میں والد محترم، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے موقع کی مناسبت سے 'سانحۂ کربلا' کے موضوع پر مفصل تقریر کی تھی۔ جس میں اس حادثۂ فاجعہ کے پس منظر، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف اور انکی شہادت کے واقعے پر شرح وبسط سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ تقریر دسمبر ۸۱ء کے میثاق میں شائع ہوئی تھی۔ اس شمارے کی مانگ اتنی بڑھی کہ اُسے دوبارہ شائع کرنا پڑا۔ لیکن اُس کی تمام کاپیاں بھی ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں اور ضرورت محسوس ہوئی کہ تیسرا ایڈیشن بھی شائع کیا جائے۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر ایسا ممکن نہ ہوا۔ اب اس تقریر کو باقاعدہ کتابچے کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ توقع ہے کہ اس میثاق کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچنے تک مذکورہ بالا کتابچہ بھی چھپ کر مارکیٹ میں آجائے گا۔

زیرِ نظر شمارے میں مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب کا ایک وقیع اور گرانقدر مضمون بعنوان 'نظمِ جماعت اور امارتِ شرعیہ' شامل ہے۔ یہ مقالہ مولانا موصوف نے 'دوسرے سالانہ محاضراتِ قرآنی' منعقدہ مارچ ۸۳ء کے آخری اجلاس کے لئے ارسال کیا تھا۔ اس صد درجہ جامع مقالے میں مولانا نے برعظیر پاک وہند میں 'نظمِ جماعت' کی پوری تاریخ اور اس کے مختلف ادوار کو بہت مربوط انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اس صدی کے اوائل میں غلبۂ دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے تشکیل جماعت کے لئے جو کوششیں ہوئیں، خواہ وہ

ماضی قریب کی تاریخ سے متعلق ہیں لیکن پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت اُن سے قطعی ناواقف ہے۔ وہ تمام لوگ جو اقامتِ دین اور جہاد فی سبیل اللہ اور ان کے ضمن میں تشکیلِ جماعت کے موضوعات سے دلچسپی رکھتے ہوں یا ان امور کے لئے سرگرمِ عمل ہوں، ان کے لئے یہ مقالہ خصوصی دلچسپی اور فکری و عملی رہنمائی کا حامل ہے۔ اس مقالے سے جہاں نظمِ جماعت کی ضرورت و اہمیت واضح ہوتی ہے وہیں 'طریقِ تنظیم' کے معاملے پر بھی وضاحت سے روشنی پڑتی ہے۔

ہمارے بزرگ رفیقِ کار اور رکن ادارہ تحریر شیخ جمیل الرحمٰن صاحب تین چار ماہ سے اپنی بعض مصروفیات کے باعث کراچی میں مقیم ہیں۔ گو میثاق کی ادارت کے ضمن میں اُن کا تعاون ہمیں اس دوران بھی حاصل رہا۔ لیکن اپنی مصروفیات کی بنا پر وہ میثاق کو اُتنا وقت نہ دے پائے جتنا وہ اس سے قبل دے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عرضِ احوال کا کالم گزشتہ دو ماہ سے ان کی تحریر سے محروم ہے۔ توقع ہے کہ شیخ صاحب اس ماہ کے وسط تک کراچی میں اپنی مصروفیات سے فارغ ہو جائیں گے اور پھر سے میثاق کو بھرپور وقت دے سکیں گے۔ اور معاملہ وہی ہوگا۔

ع لو آ گئی چمن میں پھر سے بہار آج!

عاکف سعید
۲۴/۱۲/۱۴۰۳ھ

آٹھویں نشست

۵ اِدی

مقامِ عزیمت اور حکمتِ قرآنی کی اساسات

سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ منتخب نصاب کا درسِ ثالث

از : ڈاکٹر اسرار احمد

(۲)

محترم حاضرین اور معزز ناظرین!

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ان مجالس کے بالکل آغاز میں یہ عرض کیا تھا کہ فہمِ قرآن کے دو درجے ہیں - ایک جسے قرآن مجید تذکّر بالقرآن قرار دیتا ہے یعنی آیات یا سورتوں سے ان کا اصل لب لباب اصل سبق حاصل کر لیا جائے - اور دوسرا ہے تدبرِ قرآن یعنی اس کی گہرائی میں غوطہ زنی کی جائے - ایک ایک لفظ پر ڈیرہ لگا کر تدبّر اور تفکّر کا حق ادا کیا جائے - ہم نے پچھلی نشست میں سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کا جو حاصل تھا، اس میں ہمارے لئے جو رہنمائی تھی اس کو تو جس حد تک بھی ممکن ہو سکا، اخذ کر لیا تھا - آج ذرا بطریقِ تدبر اس پر غور کیجئے تو یہ بات سامنے آئیگی کہ یہ رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں

حکمتِ قرآنی کی اساسات معین ہوتی ہیں - یہ حکمت کا لفظ آپ نے عام طور پر سُنا ہوگا اور بالعموم ہم اسے فلسفے کے ساتھ جوڑ کر بولتے ہیں یعنی - فلسفہ و حکمت - لیکن جان لیجئے کہ فلسفہ اور حکمت میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے - فلسفے کا دارو مدار عقل کے مسلّمات پر ہے - فلسفہ آگے بڑھتا ہے منطق کے اصولوں پر جبکہ حکمت میں جو اصل اساس ہے وہ بدیہیاتِ فطرت پر ہے - ہماری فطرت میں کچھ چیزیں مُضمر ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں چاہے ان کے لئے کوئی دلیل نہ دیں لیکن وہ جو ہماری فطرت میں مضمر حقائق ہیں ان کو بنیاد (BASE) بنا کر پھر تعقل کا عمل اور تفکر (PROCESS) آگے بڑھے تو جو حاصل ہوگا ، وہ حکمت ہے - لفظِ حکمت کو بھی ذرا اچھی طرح سمجھ لیجئے - ح - ک اور م سے جو الفاظ عربی زبان میں بنتے ہیں ان سب میں آپ کو ایک مضمون مشترک ملے گا اور وہ ہے کسی شئے کی پختگی اور مضبوطی - چنانچہ اسی سے لفظ استحکام بنا ہے - جیسے عام طور پر بولا جاتا ہے کہ فلاں چیز مستحکم ہے - حکمت اصل میں انسان کی عقل و شعور کی وہ پختگی ہے کہ جس سے اُس میں اصابت رائے پیدا ہو جاتے - اُسے صحیح حقائق تک رسائی حاصل ہو جائے - صحیح نتائج تک انسان پہنچ رہا ہو - یہ ہے حکمت - قرآن حکیم میں سورہ بقرہ میں اسکو اللہ تعالےٰ نے اپنا ایک بہت بڑا انعام ، اپنا ایک بہت بڑا احسان قرار دیا ہے - فرمایا : یُؤتِی الحِکمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ - " اللہ تعالےٰ حکمت عطا فرماتا ہے - جس کو چاہتا ہے " وَمَنْ یُّؤتَ الحِکمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا " اور جسے حکمت عطا ہو گئی اُسے تو خیرِ کثیر عطا ہو گیا - تو یہ ہمارے ہاں کی VALUES ہیں یہ عقل کی پختگی ، دانائی ، حقائق رسی کی کیفیت ، اصابت رائے ، یہ اللہ تعالےٰ جسکو عطا فرمائے یہ اُس پر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا انعام اور احسان ہے - ایک حدیث نبوی بھی حکمت کے ضمن میں میں چاہتا ہوں کہ ضرور آپ کو سُنا دوں - حضورؐ فرماتے ہیں -

الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بہا۔ حکمت اور
دانائی مومن کی گمشدہ متاع کے مانند ہے ۔ وہ اس کا سب سے بڑھ کر حقدار
ہے جہاں کہیں بھی پاتے ۔ یعنی جیسے آپ کی کوئی چیز کہیں کھو گئی ہو اور
پھر آپ کو وہ کہیں نظر آئے تو آپ لپکتے ہیں اس کی طرف کہ یہ میری
چیز ہے ۔ اس فعل میں آپ کو کوئی رکاوٹ اور کوئی جھجک نہیں ہوتی ۔
بالکل اسی طرح مومن کا معاملہ ہے کہ WISDOM ، حکمت یا دانائی
اُسے جہاں بھی نظر آئے گی وہ اُسے لپک کر قبول کر لے گا بالکل اُسی طرح جس
طرح کوئی شخص اپنی کسی گمشدہ چیز کو حاصل کرنے کے لیئے لپکتا ہے ۔ بلکہ
حضورؐ نے فرمایا ھو احق بہا ۔ مومن سب سے زیادہ مستحق ہے حکمت کا۔
حیث وجدھا جہاں کہیں بھی وہ اُسے مل جائے ۔

اب آپ اس رکوع میں دیکھیئے کہ حضرت لقمان کی شخصیت کے حوالے
سے گفتگو شروع ہوئی لیکن حکمتِ قرآنی کی دو اساسات کو معین کر دیا گیا۔
پہلی اساس کیا ہے؟ شکرِ خداوندی ۔ لفظ شکر کو بھی میں چاہوں گا کہ آپ
اچھی طرح سمجھیں ۔ اگرچہ یہ لفظ اُردو میں مستعمل ہے لیکن اگر کسی سے آپ
پوچھیں شکر کسے کہتے ہیں تو کہے گا ۔ شکر، شکر ہوتا ہے، اُس کے لیے شاید
وہ کوئی اور لفظ استعمال نہ کر سکے ۔ شکر کیا ہے ؟ امام راغب اصفہانیؒ
نے بڑی عمدہ تعریف کی ہے ۔ الشکر تصور النعمۃ و اظہارھا
شکر کا مفہوم ہے کسی نعمت ، کسی احسان کا اعتراف اور تصوّر کرنا اور
اس کا اظہار کرنا" اور اسکے برعکس جو کیفیت ہے وہ کفر ہے اس آیت
میں بھی آپ نے دیکھا وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ
حَمِیْدٌ ۔ عام طور پر کفر کے معنی صرف انکار کے سمجھے جاتے ہیں جیسے کوئی دین کی
کسی بات کا انکار کرے ۔ رسالت کا منکر ہو ۔ آخرت کا منکر ہو ۔ توحید کا منکر ہو تو
وہ کافر ہے ۔ لیکن اصل میں کفر لغوی اعتبار سے شکر کی ضد ہے ۔ یہ دونوں
الفاظ ANTONYMS ہیں شکر اور کفر ۔ شکر کیا ہے کہ نعمت کا انسان

کو احساس ہو اور اس کا وہ اظہار کرے اور کفر کے معنی چھپا دینا - لہٰذا کفر کے بارے میں امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں نعمت کو بھلا دینا اور اس کو چھپا دینا - یہ کفر ہے -

آپ غور کریں گے - شکر فطرت کا جزو لاینفک ہے - اگر فطرت صحیح ہو مسخ نہ ہوئی ہو - تو یہ بات اس حد تک درست ہے کہ یہ معاملہ صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوانات تک میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اگر کوئی بھوکا پیاسا جانور ہو - آپ نے اس کے سامنے چارہ یا پانی رکھا اور اس نے اپنی بھوک یا پیاس مٹالی تو اب وہ جو گردن اٹھا کر آپ کو دیکھے گا تو اس حیوان کی آنکھوں میں جذبۂ تشکر چھلکتا ہوا آپ کو نظر آئیگا۔ یہ فطرت ہے - اور اچھی طرح جان لیجئے کہ فطرت کی صحت کی علامت یہ ہے کہ انسان میں شکر کا جذبہ موجود ہو - اگر یہ کیفیت ختم ہو جائے تو ایسا شخص ایک ناشکرا انسان ہو گا - اسکے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور اُسے احساس بھی نہ ہو کہ کسی نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے - کسی نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے - اُسے شعور تک نہ ہو کہ کسی نے اس کے ساتھ احسن سلوک کیا ہے - تو معلوم ہوا کہ اسکی فطرت مسخ ہو چکی ہے - یوں کہیئے کہ اس کی فطرت کے سوتے خشک ہو گئے ہیں - عرب چشمہ کو عین شکوٰی کہتے ہیں یعنی وہ چشمہ جو ابل رہا ہے - دابۃ شکور - اس جانور اور اُس حیوان کو کہتے ہیں کہ اگر جسکی ٹہل کی جائے - سیوا کی جائے - اچھا کھانے پینے کو دیا جائے تو وہ فربہ ہوتا ہے - اس کا ظہور ہوتا ہے اسکے وجود میں تو وہ دابۃ شکور ہے - تو یہ شکر جو ہے یہ فطرت کا تقاضا ہے۔

اب ان بدیہیات فطرت پر اضافہ ہو گا عقل کا - عقل کا وظیفہ کیا ہے! عقل کا FUNCTION کیا ہے! عقل کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اصل منعم کو پہچانے!

اب آپ غور کریں گے کہ جب انسان عہدِ طفولیت میں ہوتا ہے

تو اس کے ذہن کی دنیا ابھی اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین ہی کے بارے میں جانتا ہے کہ یہی میرے رازق ہیں۔ یہی میرے محافظ ہیں۔ یہی میرے دکھ درد کو محسوس کرنے والے ہیں۔ کوئی تکلیف ہو تو یہی رفع کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کا جذبۂ تشکر اپنے والدین کی ذات کے ساتھ محدود رہتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے فکرِ انسانی کا ارتقاء ہوتا ہے۔ ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ میں تو بہت سوں کا زیرِ بارِ احسان ہوں۔ میرا وطن ہے۔ میری قوم ہے۔ میرے اعزا و اقرباء ہیں۔ یہ سب کے سب مجھ پر احسان کرتے ہیں۔ میری بھلائی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ میں ان سب کے لئے زیرِ بارِ احسان ہوں۔ تو اب گویا کہ وہ شکر پھیل رہا ہے۔ پھر انسان یہاں تک سوچتا ہے یہ زمین جس سے میری غذا حاصل ہو رہی ہے۔ یہ سورج جس سے یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ فصلیں پکتی ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں میں ان میں سے ہر چیز کے زیرِ بارِ احسان ہوں۔ میری ضروریات جو پوری ہو رہی ہیں۔ تو اس پوری کائنات کی ایک ایک شئے، میری ربوبیت میں، میری ضروریات کی بہم رسانی میں لگی ہوئی ہے۔ یہ شکر پھیل کر کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمو لے گا۔

اس کے بعد انسان اگر ایک چھلانگ اور لگالے، فکرِ انسانی اگر ایک قدم اور اٹھالے تو وہ اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ یہ تمام مظاہرِ فطرت اور ان میں جو تعدّد نظر آرہا ہے ان سب کا منبع اور سرچشمہ ایک ذات ہے۔ سورج میں اگر تمازت ہے تو اس کی اپنی نہیں۔ کوئی اور ہے جس نے اس میں یہ تمازت رکھی ہے۔ کسی شئے میں اگر کوئی وصف ہے تو وہ اس کا ذاتی نہیں۔ ایک خالق ہے۔ ایک ربّ ہے۔ ایک منعم ہے جس کے انعامات اور احسانات کا یہ پورا سلسلہ اس کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ عقل جب اس حد کو پہنچ جاتی گی تو وہ شکر جو شروع ہوا

تھا دالدین کی ذات سے اور وہ پھیلتا ہوا کائنات کی وسعتوں کو محیط ہو گیا تھا پھر ایک ذات پر جا کر مرتکز ہو جائے گا۔ اور وہ سمجھ لے گا کہ شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے۔ یہاں فطرت اور عقل دونوں کے امتزاج سے جو حاصل ہوا وہ کیا ہے؟ اسی بات کو یوں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ۔ "ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی۔ حکمت عطا کی کہ کر شکر اللہ کا۔" معلوم ہوا کہ یہاں ان یعنی 'کہ' جو ہے وہ منطقی نتیجہ ہے حکمت و دانائی کا۔ وہ حکمت حکمت نہیں جس سے کہ شکر خداوندی کی کیفیت قلب میں پیدا نہ ہو۔

اب یہ بات بھی جان لیجئے۔ اس شکر کے تین درجے ہیں۔ امام راغب نے بہت خوبصورتی سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نعمت کا احساس اور ادراک ہو ظاہر بات ہے کہ اگر کسی بچے کے ہاتھ پر کوہ نور ہیرا رکھ دیا جائے تو اُسے معلوم ہی نہیں ہوگا کہ اُسے کیا چیز دی گئی ہے! وہ اُسے کانچ کا ٹکڑا سمجھے گا۔ تو جس قدر شکر اُسمیں ہونا چاہیئے اتنا پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے اُسے شعور ہی نہیں ہے کہ مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے۔ تو پہلی چیز ہو گی نعمت کا ادراک۔ شعور۔ کما حقہٗ۔ دوسرا درجہ ہو گا۔ شکر باللسان۔ زبان سے بھی حمد و ثنا ہو منعم ہستی کی جیسے آپ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جیسے THANKS مشکوراً۔ یہ اُس معاشرے میں جو ایک متمدن اور مہذب معاشرہ ہو گا۔ اس میں یہ الفاظ سب سے زیادہ کہے اور سُنے جانے والے الفاظ ہیں۔ پھر ایک تیسرا درجہ ہے۔ شکر بالجوارح۔ اُس نعمت کا حق ادا کرو۔ اگر اس نعمت کا حق ادا نہیں کیا تو یہ بھی ناشکرا پن ہے۔ اگر کسی بچے کو اسکے والد نے بہت ہی عمدہ کتاب لا کر دی۔ بچہ مہذب تھا۔ اُس نے اپنے والد کا شکریہ فوراً ادا کیا لیکن پھر اس نے اُس کتاب کو بند کر کے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا اور اُس سے کوئی استفادہ

نہ کیا تو یہ بھی ناشکرا پن ہے تو نعمت کا حق ادا کرنا یہ بھی شکر کا تقاضا ہے۔ یہ ہے وہ چیز کہ جس سے قرآن حکیم معرفتِ الٰہی تک انسان کو پہنچاتا ہے۔

حکمت کے نتیجے میں شکرِ خداوندی پیدا ہو اور انسان اللہ کا حق ادا کرے۔ اسی کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ دیکھو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ اس کی نعمتوں کا حق جو تم سے مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ شرک سے اجتناب کیا جائے چونکہ شرک بہت بڑی ناانصافی ہے۔ اس موضوع پر انشاء اللہ آئندہ درس میں گفتگو ہوگی۔

اب اس رکوع میں حکمتِ قرآنی کی جو دوسری بات زیرِ بحث آئی ہے اس کو نوٹ کیجیے اور وہ تصور ہے معروف اور منکر کا نیکی اور بدی کا تصور۔ قرآن یہ بتاتا ہے کہ فطرتِ انسانی میں نیکی اور بدی کی پہچان موجود ہے اس کا امتیاز اور فرق یہ انسان طبعاً کرتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان کو بتایا جائے کہ سچ بولنا اچھا ہے۔ جھوٹ بولنا برا ہے۔ انسان اپنی فطرت سے اس بات سے واقف ہے کہ سچائی اچھائی ہے۔ اور جھوٹ برائی ہے۔ وعدہ پورا کرنا نیکی ہے۔ وعدے کی خلاف ورزی کرنا برائی ہے۔ ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک یہ خیر ہے۔ ہمسائے کو پریشان کرنا، یہ شر ہے اسی لئے قرآن نے الفاظ استعمال کئے ہیں معروف، معروف کے معنی ہیں جانی پہچانی چیز، ــ منکر وہ چیز کہ جو پہچان میں نہ آئے۔ میں حیران ہوا کرتا ہوں ان دو الفاظ کے حوالے سے قرآن حکیم نے حکمت کے کیسے اہم مسائل سے پردہ ہٹایا ہے۔ نہ صرف یہ کہ انسان اپنی فطرت سے جانتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے بلکہ فطرتِ انسانی کا میلان نیکی کی طرف ہے۔ بدی کی طرف نہیں۔ بدی سے طبیعت اباء کرتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بالکل غیر معمولی حالات میں (Abnormal circumstances) میں یا غلط قسم کے ماحول سے اثر پذیر ہو کر

انسان بدی کا رُخ کر لیتا ہے - لیکن فطرتِ انسانی جو ہے وہ اس غلط رُخ اختیار کرنے والے شخص کو متنبّہ کرتی رہے گی - اُس کا ضمیر اس کو بتاتا رہے گا کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو - تو یہ ہے دوسری اساس اور اس کا تعلق ایمان بالآخرہ سے ہے - یہ بات آگے چل کر اور کھلے گی - اگر نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے تو پھر نیکی کا صلہ ملنا چاہیئے - بدی کی سزا ملنی چاہیئے - گندم از گندم بروید جو زجو - گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے - جو بوؤ گے تو وہی کاٹو گے - تو کیسے ممکن ہے - یا تو یہ کہیے کہ نیکی اور بدی برابر ہے ان میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں - لیکن اگر فطرت اس کو قبول نہیں کرتی - عقلِ سلیم اسکو قبول نہیں کرتی - فطرت اور عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ نیکی نیکی ہے - بدی بدی ہے تو نیکی کا نتیجہ اچھا، بدی کا نتیجہ بُرا نکلنا چاہیئے - یہی وہ بات ہے جو حضرت لقمان نے کہی - اے میرے بچے نیکی یا بدی خواہ رائی کے دانے کے برابر ہو - پھر خواہ وہ کسی چٹان میں ہو - کہیں فضا کی پہنائیوں میں ہو - کہیں وہ زمین کے پیٹ میں گھس کر کی گئی ہو اللہ اسکو لے آئے گا - یہ اعمالِ انسانی ضائع جانے والے نہیں - یہ ہیں وہ امور کہ جن پر قرآن مجید کا اگر آپ لفظ فلسفہ استعمال کرنا چاہیں تو قرآن کے فلسفے کی عمارت ان اساسات پر تعمیر ہوتی ہے -

اب اس سلسلے میں جو سوالات آپ حضرات کرنا چاہیں میں اسکے لئے حاضر ہوں -

سوال : ڈاکٹر صاحب! قرآن میں ذکر آیا ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْد - جبکہ آپ نے فرمایا ہے کہ فطرت انسانی میں شکر اس کا جزو لاینفک ہے تو اس بات کی ذرا وضاحت فرما دیجئے کہ قرآن تو کہتا ہے کہ انسان تو ناشکرا ہے -

جواب : اصل میں اَلْاِنْسَان جب آتا ہے تو الف لام کسی چیز کو معیّن بھی کر دیا کرتا ہے - کسی شخص معین کے بارے میں بات ہو رہی ہو تو بہرحال

اس سے تو انکار نہیں کہ انسانی معاشرے میں ہر دور میں جہاں NORMAL اشخاص ہوں گے وہاں وہ لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جن کی شخصیت PERVERT ہو چکی ہو۔ مسخ ہو چکی ہو۔ تو اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے۔

سوال : کوئی شخص اگر شکر ادا کرتا ہے تو کیا وہ اس شخص کے لئے فائدہ مند ہے؟

جواب : جی ہاں۔ یہ آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ اس لئے کہ اس آیۂ مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ مَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کے شکر کی روش اختیار کرے گا بلکہ FOR THE MATTER شکر صرف اللہ کا نہیں۔ بندوں کا بھی ہے حضورؐ نے فرمایا لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کریگا جس کنوئیں میں سے پانی خشک ہو چکا ہو اُس میں کوئی بھی ڈول ڈالیگا۔ پانی نہیں نکلے گا جسکی فطرت کے سوتے خشک ہو چکے ہیں اُس میں سے شکر کا جذبہ نہ انسانوں کے لئے برآمد ہوگا نہ اللہ کے لئے۔ اگر یہ شکر ہے تو انسان کی اپنی شخصیت کا ارتقاء صحیح رُخ پر ہوگا اللہ کو شکر کی احتیاج نہیں ہے۔ اللہ تو غنی اور حمید ہے۔ اُسے کوئی احتیاج نہیں۔ کوئی اسکی حمد و ثنا کرے نہ کرے۔ وہ اپنی ذات میں خود ہی محمود ہے۔ ستودہ صفات ہے۔ تو شکر کی ضرورت اللہ کو نہیں۔ شکر کی ضرورت انسان کو ہے کہ اسکی اپنی شخصیت کا ارتقاء۔ اس کی اپنی خودی کی تعمیر بقول علامہ اقبال صحیح رُخ پر صحیح خطوط پر ہوگی۔

سوال : ڈاکٹر صاحب اس سورت کا نام سورۃ لقمان ہے لقمان کا لفظی مطلب کیا ہے؟

جواب : لقمان تو ایک شخصیت کا نام ہے۔ ایک انسان کا نام ہے یہ اسم علَم ہے۔ قرآن مجید میں سورتوں کے نام صرف بطورِ علامت رکھے گئے

ہیں - یعنی وہ سورت جس میں حضرت لقمان کا ذکر ہے -

سوال ؛ ڈاکٹر صاحب موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی کو نصیحت کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ نہ ہی نصیحت سُننا پسند کرتے ہیں ، نہ ہی اُسے قبول کرنا پسند کرتے ہیں - تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اپنی ذاتی اصلاح پر توجہ دیں بجائے اسکے کہ ہم دوسروں کو نصیحت کریں -

جواب : میرا خیال ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کو علیحدہ (EXCLUDE) نہیں کرتیں - دونوں ہوں تب بات پوری ہوتی ہے - نصیحت کرنیوالے اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں - اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ - کیا تم لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو - تو یہ دونوں باتیں جمع کیجیے - اپنی اصلاح کی طرف انسان کوشاں رہے اور دوسروں کو بھی اصلاح کی تلقین کرتا رہے - یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے ممد ہوں گی -

سوال : ڈاکٹر صاحب انسان شکر کیسے ادا کر سکتا ہے -

جواب : میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا ادراک - پھر اللہ کی حمد و ثنا پھر عمل کو اللہ کی ہدایت کے تابع رکھنا - اگلی سورت جو ہم پڑھیں گے وہ سورہ فاتحہ ہوگی - اسس کا آغاز ہی اس مضمون سے ہوتا ہے - الحمد للہ رب العلمین - یہ زبان سے ہے - پھر عمل میں اللہ کی نعمتوں کا حق ادا کرنا یہ تین تقاضے پورے کریں گے تو شکر خداوندی کا کسی درجے میں حق ادا ہوگا

سوال : ڈاکٹر صاحب اس رکوع میں انسانی فطرت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ اُسے برائی اور اچھائی کے بارے میں واضح ہدایات دیتی ہے جبکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ بُرائی کو ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اور پھر چپ چاپ چلے جاتے ہیں - ایسے لوگوں کی کس حد تک گرفت

ہوسکتی ہے۔؟

جواب : یہ آپ نے بہت صحیح سوال کیا۔ اصل میں یہ ہماری شخصیتوں کی کمزوری اور ناپختگی کی علامت ہے کہ ہم نے اگر کسی برائی کو دیکھا تو اب تین درجے ہوسکتے ہیں ہمارے ردعمل کے جس کو حضورؐ نے ایک حدیث میں بیان کیا۔ من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہٖ پہلا درجہ تو عزیمت کا ہے کہ طاقت سے اُس بُرائی کو روک دیا جائے۔ فان لم یستطع۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو۔ فبلسانہٖ تو زبان سے تلقین کی جائے۔ نصیحت کی جائے کہ کیا کر رہے ہو۔ فان لم یستطع۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ حالات اتنے بگڑ جائیں کہ اسکی بھی اجازت نہ ہو تب یہ ہے کہ ایک احساس ضرور رہے فان لم یستطع فبقلبہٖ۔ صدمہ ضرور ہو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ آخری درجہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: ذالك اضعف الایمان۔ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ جب یہ بات بھی نہیں ہوگی اور ایک شخص گذر جائے گا اُسے احساس بھی نہیں ہوگا کہ کیا ہو رہا ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی رمق بھی اسکے اندر باقی نہیں رہی۔ یہ وہ درجہ ہے کہ جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا کہ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اب انشاءاللہ آئندہ نشست میں اس رکوع پر بطریق تذکر و تدبر دونوں اعتبارات سے مزید گفتگو ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۝

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ

عید الاضحٰے
اور
فلسفۂ قربانی

ڈاکٹر اسرار احمد
کی
ایک تقریر اور ایک تحریر

صفحات — ۴۸
قیمت: ۳ روپے صرف

ملنے کا پتہ
۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون:- ۸۵۲۶۱۱

جان نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نبی اکرم کی امتیازی شانوں میں سے ایک شان

ڈاکٹر اسرار احمد۔ امیر تنظیم اسلامی
کے ایک خطاب کا طویل اقتباس

پوری نسل انسانی کی تاریخ میں بے شمار اعتبارات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ منفرد ہے۔ کسی اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں کا جائزہ لیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی شان تک بھی جماعت انبیاء و رسل میں سے کوئی نہیں پہنچتا۔ اللہ کی تخلیق کا نقطۂ کمال ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کوئی شک نہیں تمام کائنات کی تخلیق کا نقطۂ عروج انسان اور تمام انسانوں کے سردار ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو نہ معلوم کس کس پہلو سے معاملہ امتیازی ہے۔ ہم ان امتیازی شانوں کو گن بھی نہیں سکتے۔ جب ہم کسی خاص مسئلہ پر غور کر رہے ہوتے ہیں تو کبھی کسی وقت کسی ایک بات کا شعور ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کسی دوسری بات کا —
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو ساتھی دیئے، واقعہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں آپؐ کا معاملہ بالکل مختلف ہے، امتیازی ساتھیوں کے معاملہ

ہیں آپؐ سے زیادہ کسی خوش قسمت انسان کا ہم تصور نہیں کر سکتے نہ ایسی کوئی شخصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزری ہے۔ نہ آپؐ کے بعد اس کا کوئی امکان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جو ساتھی دیئے۔ اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ اس بات میں ہمیں دیگر انبیاء و رسل کا معاملہ بھی مختلف نظر آتا ہے۔

اصحاب موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کو دیکھئے آپ کو نظر آئے گا کہ بنی اسرائیل آنجنابؑ کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہے جب تک کہ آنجنابؑ ان کو فرعون کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرا کے بخیر و عافیت مصر سے نکال نہیں لائے۔ پھر جو نافرمانیوں کا معاملہ شروع ہوا ہے تو وہ لامتناہی تھا۔ آتے ہی تو انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کی۔ پھر ان کا پیہم اتنا دل آزار طرز رہا کہ حضرت موسیٰ پکار اٹھے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ط" اور یاد کرو موسیٰ علیہ السلام کی وہ بات جو انہوں نے اپنی قوم سے کہی تھی کہ اے میری قوم کے لوگو! تم کیوں مجھے اذیت دیتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں" یہ بات کسی ایک واقعہ سے متعلق نہیں ہے فعل مضارع ہے جس میں دوام ہوتا ہے یعنی اے میری قوم کے لوگو! تمہارا میرے ساتھ ایذا رسانی کا طرز عمل مسلسل جاری ہے۔ آنجنابؑ پر تنقیدیں ہوتی تھیں۔ آپؑ کا استہزاء ہوتا تھا۔ فقرے چست کئے جاتے تھے۔ الزام لگائے جاتے تھے کہ تم نے ہمیں مروا دیا۔ گویا وہ مسند میں چین کی بنسری بجاتے تھے۔ یہ ساری اذیتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھیلنی پڑیں۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب جہاد و قتال سے پوری قوم نے کورا جواب دے دیا اور صاف انکار کر دیا۔ اور کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ ۲۴) یہ آخری چرکا تھا جو اپنے ساتھیوں کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لگا۔ جس پر آنجنابؑ کی قوت برداشت جواب دے گئی اور آپؑ

کی زبان سے بے اختیار نکلا، رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ہ (المائدہ ۲۵) "موسیٰ علیہ السلام نے کہا "اے میرے رب! میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر یا میری اپنی ذات یا میرا بھائی۔ پس تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان تفریق کر دے۔"

اصحاب عیسٰی السلام انجیل پڑھیے تو اس سے بھی آگے آپ کو معاملہ نظر آئے گا۔ یہودیوں نے بحیثیت امت کیا کچھ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہیں کیا ـ گمراہ کہا، کافر کہا، مرتد کہا، جادوگر کہا، واجب القتل ٹھہرایا اور اپنی دانست میں صلیب پر چڑھوا کر دم لیا۔ چلیے، ان کا معاملہ چھوڑیے۔ انہوں نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو رسول ہی نہیں مانا۔ آنجناب کے حواریین کا معاملہ دیکھیے! آپ کو کل بہتر[۷۲] افراد دیئے گئے۔ آنجناب کی اپنی حواریین کو دعوت یہ تھی کہ میرے ساتھ رہو۔ ان بہتر[۷۲] میں سے اس دعوت پر لبیک کہنے والے نکلے صرف ۱۲ حواریین۔ ان بارہ میں سے ایک وہ ہے جس نے غداری کی دوسرا وہ ہے جس نے تین مرتبہ آنجناب کا انکار کیا۔ انحراف شدہ انجیل میں یہ بات اب بھی موجود ہے کہ گرفتاری کی رات کو آخری کھانے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا "پیٹر! اس سے پہلے پہلے کہ مرغ سحر اذان دے تو مجھ سے تین بار اعلان براءت کرے گا" لہٰذا اب رہ گئے دس! تو انجیل کی گواہی یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جان نثاری نہ دکھا سکا اور اس کڑے وقت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ساتھ نہ دے سکا۔ پھر مسلسل ساتھ رہنے والوں کو حضرت مسیح علیہ السلام جس طرح نصیحتیں کرتے رہے وہ بھی انجیل میں مذکور ہیں جن کے بین السطور ان حواریین کی قلبی کیفیات کی ایک جھلک نظر آسکتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام ان سے بار بار کہتے نظر آتے ہیں "تم یقین کیوں نہیں رکھتے! تم مانتے کیوں نہیں ہو! تم کو اللہ پر توکل کیوں نہیں ہے!"

اصحابؓ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس لحاظ سے بھی دیکھا جائے

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بے حد و نہایت امتیازی ہے بلکہ اتنا امتیازی، جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ نبی کریم صلعم کو ایسے جان نثار اصحاب ملے کہ تاریخ انسانی اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ حالات و واقعات کی تہہ میں اصل حکمت و مشیت تو اللہ تعالے کی کارفرما ہوتی ہے لیکن اسی کی یہ سنت ہے کہ وہ ظاہر میں بھی حالات و واقعات کے لئے اسباب و علل فراہم کرتا ہے لہذا اس بات کو ذہن میں رکھیئے کہ کسی قوم کا جو بنیادی اخلاقی سرمایہ ہوتا ہے، اسکی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ جس قوم میں سے بنیادی انسانی اخلاق کا دیوالہ نکل چکا ہو، اس قوم کو آپ بلوئیں گے تو جو مکھن نکلے گا وہ اس قوم کی اجتماعی کیفیات کے مطابق نکلے گا۔ اسی طرح بنیادی انسانی اخلاقیات کی اگر کچھ پونجی کسی قوم میں محفوظ ہو تو اس قوم کا مکھن ایسے لوگوں پر مشتمل ہوگا جن میں انسانی اخلاق کی اقدار بدرجہ اتم موجود ہونگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی اکھڑ قوم تھی۔ بڑی جھگڑالو قوم تھی، خود قرآن مجید میں، اس کو قَوْمًا لُدًّا کہا گیا ہے۔ وہ اعتقادی اور عملی طور پر بھی بہت سے مفاسد میں گرفتار تھی اسب کچھ تھا لیکن بنیادی انسانی کردار ان میں محفوظ [illegible] تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تو دیدیا۔ اب ہرچہ بادا باد۔ مان لیا تو مان لیا مہمان ہے تو اس کے لئے خود فاقہ کریں گے لیکن اس کو کھلائیں گے۔ باپ کا قاتل بھی اگر امان لے چکا ہے، جس کو وہ وادیوں میں تلاش کر رہا ہے۔ جس پر قابو پانے کیلئے وہ صحراؤں میں سرگرداں ہے۔ اس تلاش و تعاقب میں سالہا سال بیت گئے ہیں کہ یہ قاتل ہاتھ لگے تو اس کے خون سے انتقام کی آگ بجھائی جائے۔ اور وہی شخص آتا ہے اور رات کے اندھیرے میں امان لے لیتا ہے۔ پہچانا نہیں جاتا کہ کون ہے؟ صبح کے اجالے میں شناخت ہوتی ہے کہ یہ تو باپ کا قاتل ہے تو جذبۂ انتقام پر امان دینے کی قدر غالب آجاتی ہے۔ تو

اس سے یہ کہا جاتا ہے ۔ کہ جلد سے جلد میری دسترس سے دُور چلے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکوں ۔ تو یہ اس قوم کا جو کردار تھا، یہی اس کا بنیادی سرمایہ تھا ۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الناس کالمعادن" انسانوں کی مثال معادن کی سی ہے ۔ اگر لوہے کی کچ دھات (Ore) ہوگی تو اس سے لوہا نکلے گا ۔ سونے کی کچ دھات ہے تو سونا باہر نکلے گا ۔ ہو سکتا ہے کہ سونے کی کچ دھات (Ore) جب کان سے نکلے تو اس کے ساتھ کچھ دوسری دھاتیں اس طرح ملی جلی ہوں کہ وہ بظاہر لوہے سے بُری نظر آئے ۔ لیکن جب صاف کریں گے تو خالص سونا نکل آئے گا ۔ اسی طرح چاہے لوہے کی کچ دھات کان سے نکلتے وقت سونے کی کچ دھات سے بہتر نظر آ رہی ہو لیکن صاف کرنے میں کتنی ہی جان لڑاؤ گے تو نتیجتاً نکلے گا لوہا ۔ اسی اصول کو ایک دوسرے اصول سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام"، تم میں سے جو جاہلیت میں بہترین تھے، وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں" یعنی حالت کفر میں جو لوگ بہترین انسانی اخلاق و کردار اور اعلیٰ صفات و اوصاف کے حامل تھے، اسلام میں ان کی یہ خوبیاں مزید نکھر گئیں اور وہ نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن گئے تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد و بے حساب امتیازات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے اصحابؓ ملے جو اس سے قبل کسی نبیؑ یا رسولؑ کو نہیں ملے تھے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے ان جلیل القدر رسولوںؑ کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، میں اس کا اجمالاً ذکر کر چکا ہوں ۔ بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس "یروشلم" لکھ دی تھی اور ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے جہاد و قتال کا حکم دیا تھا نیز ان کو دو مومنین صالحین کی زبانی سے بشارت مل گئی تھی "فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۔" پس جب تم (ان جباروں کے مقابلے میں) گردوازہ

کے اندر) داخل ہو گئے تو تم ہی غالب رہو گے، اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو"۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے جو جواب دیا وہ میں آپ کو سُنا چکا ہوں۔

اب تقابل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب

جان نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(رضی اللہ عنہم اجمعین) کا طرزِ عمل دیکھیے۔

غزوۂ بدر سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مشورے کے لئے جمع کیا اور بتایا کہ قریش ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ سے کوچ کر چکے ہیں۔ مہاجرین میں سے اکثر اصحابؓ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے رہے کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے، جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ (سردار خزرج) نے اُٹھ کر کہا "کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ یا رسول اللہ ہم آپؐ پر ایمان لا چکے۔ ہم آپؐ کی تصدیق کر چکے۔ ہم آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے اب خدا کی قسم! آپؐ فرمائیں تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے مزید عرض کیا" اور آپؐ حکم دیں تو ہم برک غماۃ تک (عرب کا ایک دور دراز علاقہ جس کی راہ میں لق و دق صحرا پڑتا ہے) اپنی سواریاں لے جائیں۔ کیا عجب کہ اللہ تعالےٰ ہمارے ذریعے آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطاء فرمائے" حضرت مقداد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ "یا رسول اللہ! ہم حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۝ (المائدہ ۲۴) ہم لوگ آپؐ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے" چند دوسرے انصار نے بھی سرفروشانہ اور جاں نثارانہ انداز میں عرض کیا! یا رسُول اللہؐ! آپؐ کو جو بات محبوب ہو بسم اللہ فرمائیے۔ جہاں آپؐ کا پسینہ گرے گا وہاں ہم اپنا خون بہانے کو اپنے لئے سعادت سمجھیں گے احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ

جاں نثاروں کی ان تقریروں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخِ انور دمک اٹھا۔ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کی ایک غلطی کی وجہ سے فتح شکست سے بدل گئی اور کفار کے ایک دستے نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نرغے میں لے کر شہید کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کیا تو آپؐ نے فرمایا کون ہے جو مجھ پر جان دیتا ہے ؟

احادیث میں آتا ہے کہ زیاد بن سکنؓ نامی ایک انصاری صحابی سات انصاریوں کو لے کر اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے اور ایک ایک نے جان کی بازی سے لڑا کر جانیں فدا کر دیں۔ حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب پھر نصرت الٰہی سے شکست فتح میں تبدیل ہوئی اور کفار میدان چھوڑ کر پلٹ گئے تو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ زیاد بن سکنؓ کا نیم جان لاشہ قریب لاؤ، لوگ اٹھا کر لائے۔ کچھ جان باقی تھی، قدموں میں سر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دے دی۔ ؎

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

اسی غزوۂ احد میں ایک مرحلہ یہ بھی آیا کہ ایک کافر صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلعم کے قریب پہنچ گیا اور اس شقی نے رحمۃ للعالمین کے چہرہ مبارک پر تلوار ماردی جس کی وجہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں، پھر چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ صلعم کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ ابودجانہ رضؓ جھک کر سپر بن گئے اور جو تیر آتے تھے، ان کی پیٹھ پر آتے تھے۔ حضرت طلحہ رضؓ نے تلواروں کے واروں کو ہاتھ پر روکا اور ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ حضرت انس رضؓ کے علاتی باپ ابوطلحہ رضؓ مشہور تیرانداز تھے۔ انہوں نے اتنے تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے سرورِ دوعالم صلعم کا چہرۂ انور اپنی سپر کی اوٹ میں کر دیا تھا۔ جب کبھی آنحضرت صلعم گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو وہ عرض کرتے کہ

"یا نبی اللہ! گردن نہ اٹھایئں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے! یہ میرا سینہ سامنے ہے" انہی حضرت انس بن مالکؓ کے چچا ابن نضرؓ نے جب یہ خبر سنی کہ رسول اللہ صلعم نے شہادت پائی ہے تو یہ کہہ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے کہ "آپؐ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے" اور لڑ کر شہادت پائی،
لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو ۸۰ سے زیادہ زخم تھے۔ حضرت صلعم پر دشمنوں نے یورش کی تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جو مشہور تیرانداز تھے، آپؐ کے ساتھ مسلسل لگے رہے اور آنحضرت صلعم نے اپنا ترکش ان کے حوالے کر دیا اور فرمایا "تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تیر برسائے جاؤ" پوری حیات طیبہ میں یہ کلمہ صرف حضرت سعدؓ کے نصیب میں آیا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کے جسم پر اس غزوے میں لاتعداد گہرے زخم آئے۔ مندمل ہونے کے بعد بھی وہ اتنے گہرے تھے کہ ان کے بیٹے ان میں انگلیاں ڈالتے تھے۔ ایک نوجوان مسلمان اس معرکۂ کارزار میں بے پرواہی کیساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ "یا رسولؐ اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو کہاں ہونگا؟" حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جنت میں" اس نے اس بشارت سے بے خود ہو کر کھجوریں پھینک دیں اور کفار پر اس طرح ٹوٹ پڑا کہ شہید ہو گیا — یہ چند واقعات جستہ جستہ میں نے اس لئے بیان کئے ہیں کہ آپ پر واضح ہو جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جاں نثار ساتھی ملے تھے۔

صحابیات رسولؐ:

"اب کچھ واقعات صنف نازک کے بھی سن لیجئے تاکہ یہ بات بھی مستحضر رہے کہ اللہ تعالےٰ نے خواتین میں سے کیسی کیسی جاں نثار صحابیاتؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھیں۔ اکثر خواتین اسلام بشمول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ خالی ہونے کے بعد پھر جاتیں اور بھر کر لاتی تھیں۔ عین اسوقت جب کافروں کے ایک دستے نے ہجوم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

شہید کرنے کی کوشش کی اور آپ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے۔ تو
حضرت عمارہ رضؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں
جب کفار آپ کی طرف بڑھتے تھے تو یہ تلوار سے روکتی تھیں۔ حضرت صفیہ رضؓ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضؓ کی بہن شکست کی خبر
سن کر" میدان احد میں پہنچیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے
حضرت زبیر رضؓ کو تاکید کر دی کہ حضرت حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں کیونکہ سید
الشہداء رضؓ کا مشرکین کی خواتین نے بے دردی سے مثلہ کیا تھا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر بولیں کہ "میں اپنے بھائی کا ماجرا سنتی
ہوں لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں،" آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے اجازت دے دی۔ لاش پر گئیں، ان کا جوش تھا۔ اور عزیز
بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون
کہہ کر چپ ہوگئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ انصار میں سے ایک عفیفہ رضؓ کے
باپ، بھائی، اور شوہر سب معرکے میں شہید ہوئے تھے۔ باری باری
ان سب حادثوں کی خبر سنتیں لیکن ہر بار یہ پوچھتیں "رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کیسے ہیں؟" لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اور بے اختیار پکار اٹھیں
كل مصيبة بعدك جلل۔ تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ
ہیں۔"

نوعمروں کا جوہر جاں نثاری

"یہ تو عاقل و بالغ حضرات و خواتین کی جاں نثاریوں اور سرفروشیوں کی ایک جھلک تھی۔ جو میں نے آپ حضرات کے سامنے رکھی، اب
ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے کہ جو لوگ کمسن تھے، اور جن کی ابھی مسیں
بھی بھیگی نہیں تھیں، ان کی فدائیت اور ذوق جہاد و قتال کا کیا حال
تھا؟ کیسے کیسے جاں نثار اور فدائی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی
میں ڈالے گئے تھے۔ غزوۂ احد کے لئے حضرت زید بن ثابت رضؓ، حضرت
براء بن عازب رضؓ، حضرت ابو سعید خدری رضؓ، حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ اور حضرت

عرابہ اوسؓ بھی فوج کے ساتھ آئے تھے لیکن مدینہ سے نکل کر جب فوج کا جائزہ لیا گیا تو ان کو کمسنی کی وجہ سے واپس کر دیا گیا۔ حضرت رافع بن خدیجؓ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ یہ ترکیب چل گئی اور وہؓ لے لیئے گئے۔ حضرت سمرہؓ جو ایک بالکل نوخیز اور نوجوان تھے جو حضرت رافعؓ کے ہم سن تھے، یہ دلیل پیش کی کہ میں رافعؓ کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اسں لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیئے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا۔ حضرت سمرہؓ نے حضرت رافعؓ کو پچھاڑ دیا۔ لہذا ان کو بھی اجازت مل گئی۔

فدائیت کی ایک اور درخشاں نظیر

"واقعہ رجیع، جس میں عضل، اور قارہ نامی"

دو قبیلوں کے ایک وفد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دھوکہ دیا کہ ان کے قبیلے والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور دس صحابہ کے ایک وفد کو یہ مقصد بتا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے کہ یہ حضرات ان کو اسلام کے عقائد و احکام کی تعلیم دیں گے لیکن مقام رجیع پر ان غداروں نے بنو لحیان کو پہلے کی قرار داد کے مطابق اشارہ کر دیا کہ ان مسلمانوں کا کام تمام کر دیں۔ دو سو آدمیوں نے دس لوگوں کو گھیر لیا۔ سات صحابہؓ لڑکر شہید ہو گئے۔ تین اشخاص نے کافروں کے اس وعدے پر اعتماد کیا کہ ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا اور خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ تو ان ظالموں نے بدعہدی کی اور انؓ کو مکہ میں لے جاکر فروخت کر دیا۔ ان میں حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو واصل جہنم کیا تھا۔ اس لئے حارث کے بیٹوں نے ان کو خرید کر قتل کر دیا۔ دوسرے صحابی زید بن دثنہؓ تھے۔ ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادے سے خریدا تھا۔ ان کے قتل کا تماشا دیکھنے قریش کے معزز سردار جمع ہوئے۔ جب جلاد نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابو سفیان بن حرب (جو فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لے آئے تھے) نے کہا "سچ کہنا، اس وقت تمہارے بدلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل

کئے جائیں تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے ؟ حضرت زیدؓ نے جو جواب دیا وہ فدائیت کی تاریخ میں آب زر سے لکھا جاتے تو بھی اس کی قدر افزائی کا حق ادا نہیں ہوگا ۔ بولے " خدا کی قسم میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں کانٹا چبھ جاتے ۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سرفروشیوں اور اطاعت گزاریوں کے ایمان افروز حالات کی کچھ جھلکیاں میں نے آپ کو دکھائی ہیں ۔ تاکہ آپ کو یاددہانی ہو سکے اور آپ کے سامنے یہ بات رہے کہ اس اعتبار سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان ہے میں چاہتا ہوں کہ اطاعت شعاری اور فدائیت کی کچھ اور جھلکیاں آپ کو دکھا دوں آپ کو علم ہے کہ ذی القعدہ ۶ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی بنیاد پر عمرے کا قصد فرمایا ، احرام باندھا ، قربانی کے اونٹ ساتھ لئے اور فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے صرف تلوار (جو سفر کا ایک ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی) ساتھ ہو اور وہ بھی نیام میں بند ہو۔ یہ احتیاط اس لئے ملحوظ رکھی گئی کہ قریش اس بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں کہ مسلمان جنگ کے ارادے سے آرہے ہیں چودہ سو صحابہؓ اس سفر میں آنجنابؐ کے ہمرکاب ہوئے ۔ جب قافلہ عسفان پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش نے قرب وجوار کے تمام قبائل کو جمع کر کے جنگ کی پوری تیاریاں کر رکھی ہیں اور عزم کر رکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی حال میں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا چاہے ان کا بچہ بچہ کٹ مرے ۔ قبیلہ خزاعہ نے گو ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ اسلام کے حلیف اور رازدار تھے ۔ اس قبیلہ کے رئیس بدیل بن ورقاءؓ (جو فتح مکہ میں ایمان لائے تھے) کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو وہ چند ساتھیوں کے ساتھ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آرہا ہے اور انہوں نے عزم کر رکھا ہے کہ وہ آپؐ کو

مکہ میں داخل نہیں ہونے دینگے - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا کہ قریش کو پیغام دیں کہ ہم عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، جنگ مقصد نہیں - بدیل بن ورقاء آپؐ کا پیغام لے کر قریش کے پاس پہنچے لیکن چند شریروں نے پہلے تو ان کو بات ہی کرنے نہیں دی - پھر پیغام سن کر اسے رد کر دیا۔ عروہ بن مسعود ثقفی (طائف کے مشہور سردار) نے پیش کش کی کہ مجھے اجازت دو کہ میں خود جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاملہ طے کر لوں قریش نے ان کی پیش کش منظور کر لی - وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے - گفت وشنید ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور وہ واپس آگئے۔ عروہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے ان پر عجیب اثر کیا - (فتح مکہ کے بعد یہ بھی ایمان لے آئے تھے)، انہوں نے اپنا تاثر جن الفاظ میں قریش کے سامنے بیان کیا، اس کے سنانے کے لئے میں نے یہ تفصیل بیان کی ہے - عروہ نے اس سفارت پر جانے سے قبل قریش سے جو گفتگو کی تھی وہ پہلے سن لیجئے - جب بدیل بن ورقاء کی بات قریش نے رد کر دی تو عروہ نے اٹھ کر کہا "کیوں قریش! کیا میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ اور تم میرے لئے بمنزلہ اولاد نہیں؟" قریش نے جواب دیا "ہاں، ایسا ہی ہے،" عروہ نے پھر کہا "میرے متعلق تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟" "سب نے بیک زبان کہا نہیں" — اب یہ کافر ومشرک گفت وشنید کے بعد آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "یا معشر قریش! میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب کو ان کے ساتھ جو عقیدت، محبت، اور وارفتگی ہے، وہ میں نے کہیں نہیں دیکھی - ایسے جاں نثار مجھے کہیں نظر نہیں آئے - محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے - پورا مجمع گوش بر آواز ہو جاتا ہے کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتا - وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے -

لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں ۔ ایسے عقیدت مندوں اور جاں نثاروں سے لڑنا پہاڑوں سے ٹکرانا ہے۔"

بیعتِ رضوان

چونکہ گفت و شنید نا تمام رہ گئی تھی، لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراشؓ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن قریش نے ان پر حملہ کر دیا اور وہ کسی طرح اپنی جان بچا کر لوٹ آئے ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بھیجا ۔ قریش نے ان کو نظر بند کر لیا ۔ لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے چودہ سو صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی ۔ تمام صحابہؓ نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے، ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری اور سرفروشی کا عہد کیا ۔ اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دور مرد و زن پر مشتمل چودہ سو کی نفری، جو عمرے کے لئے احرام باندھ کر نکلی تھی، جن کے مردوں کے پاس صرف ایک تلوار تھی ، نہ تیر و تفنگ، نہ نیزے نہ دوسرا سامان حرب ۔ زادِ راہ بھی اتنا جو عمرے کے سفر کے لئے کفایت کر سکے لیکن یہ جاں نثار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر رہے ہیں ۔ قریش اور اس کے حلیف قبائل سے جنگ کرنے کے لئے ۔ یہ بیعت گویا شہادت کی موت کے لئے بیعت تھی ۔ مادی اسباب و وسائل کے اعتبار سے اس قافلے کا قریش کی منظم و مسلح فوجوں کے مقابلے میں کوئی تناسب ہی نہیں تھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جاں نثاری اور سرفروشی کی اس ادا پر اللہ تعالٰے نے یہ سند خوشخبری عطا فرمائی : لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ (سورۃ فتح)

"اے نبی! تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا۔ پس اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو (انعام میں) قریبی فتح دی"

پھر اسی سورۃ فتح میں اپنے عبد کامل کی رسالت کے اعلان کے ساتھ ان کے اصحاب رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی ان الفاظ مبارکہ سے مدح فرمائی:-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ـ

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب ان کو دیکھو گے تو انہیں رکوع و سجود میں پاؤ گے اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کے جویا اور طالب پاؤ گے" —— تو اس معیار، ان اوصاف اور اس پائے کے ساتھی تھے اصحاب رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وارضاھم اجمعین۔

("ماخوذ از" روداد تنظیم اسلامی حصہ دوم")

عن عبد اللہ بن عمرؓ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

نظمِ جماعت اور امارت شرعیہ

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

برعظیم پاک و ہند کے پچھلے المناک دور میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے ضمن میں جو کوششیں ہوئیں ان میں سے بعض کا تعلق ۱۸۵۷ء سے پہلے ہے اور بعض کا تعلق ۱۸۵۷ء کے بعد سے، ۱۸۵۷ء ہماری بدقسمتی کا اہم موڑ تھا جب برائے نام سی مسلم مغل حکومت بھی دم توڑ کر رہ گئی۔

غازی اورنگ زیب عالمگیر مرحوم سے لے کر ۱۸۵۷ء کے دور میں مختلف رہنماؤں نے مسلمانوں کی حکومت کے تحفظ کے لئے اپنے طور پر کوشش کی جبکہ اس دوران ایک تحریک ایسی بھی نظر آتی ہے جس کا مقصد محض مسلمان قوم کا غلبہ نہ تھا بلکہ ان کے پیش نظر فی الحقیقت ایک عادلانہ اسلامی حکومت کا قیام تھا جس کا سربراہ نہ قیصر ہو نہ آمر، نہ جمہوریت کی آڑ میں اوامر دین کو غارت کرنے والا ہو بلکہ وہ حقیقی معنوں میں اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ الایہ کا مصداق ہو — یہ تحریک جس کا میں نے اشارہ کیا اس سے میری مراد وہ تحریک جہاد ہے جس کے فکری قائد و رہنما حضرت الامام الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ تھے تو جہاد کے قائد حضرت الامیر السید احمد بریلوی قدس سرہٗ، اور ان کے پرتو میں جو مردانِ خدامست نظر آتے ہیں انہیں خانوادہ ولی اللہی کے فرزند عزیز مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کے ساتھ ساتھ علمائے صادق پور کی پوری کھیپ موجود ہے۔

اس تحریک نے گو کہ بالاکوٹ میں وقتی طور پر دم توڑ دیا لیکن یہ کہنا کہ یہ
تحریک سرے سے ختم ہو گئی، صحیح نہ ہو گا بلکہ وقت پر یہ ثابت کیا جا سکتا ہے
کہ آئندہ چل کر جتنی تحریکیں اٹھیں ان کے پس منظر میں اسی عہد رفتہ کی چنگاریاں
تھیں خود ۱۸۵۷ء کے جرنیل معظم بخت خان مرحوم اسی سلسلہ کے فرد تھے
جیسا کہ "۱۸۵۷ء کے ہیرو" نامی کتاب کی فاضل مصنفہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی
کی تحقیق ہے -

۱۸۵۷ء کے بعد بالکل ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور یہ بات یقین
کے درجہ میں کہی جا سکتی ہے کہ غاصب انگریزی قوت اس سال کو اپنی مکمل
فتح کا سال سمجھتی تھی اور اس کا خیال یہ تھا کہ اب یہاں میرے اقتدار کو چیلنج
کرنے والا کوئی نہیں ہو گا لیکن میدان جہاد میں وقتی طور پر شکست کھانے
والے لوگ تعلیم کے میدان میں جت گئے اور اس طرح انہوں نے اپنی منتشر قوتوں
کو منظم کرنا شروع کر دیا -

ایک شکست خوردہ قوم جو اپنا سب کچھ کھو چکی تھی اسے مقصدِ رفیع وبلند
کے لئے متحد کرنا اور اس کے قومی پیکر پر مردگی و اضمحلال کے موجود اثرات کو
دور کرنا جتنا مشکل کام تھا اس کا عام آدمی اندازہ نہیں کر سکتا - اس لئے
اس میدان میں اس دور کی قیادت کو جتنی صبر آزما محنت کرنا پڑی،
آج کی عافیت کوش دنیا کے پاس اس کو تولنے کا کوئی پیمانہ نہیں — انیسویں
صدی کے مابقی سال ایسے تھے کہ ان میں عیسائی مشنریوں کی یلغار کو روک
کر امت کے عقائد کا تحفظ اور تعلیمی اعتبار سے اپنے بے داغ ماضی سے رشتہ
جوڑنا ہی سب سے اہم کام تھا اور بیسویں صدی شروع ہوتے ہی حرکت و عمل
کے لئے نئی منصوبہ بندی شروع ہو گئی جس میں ایک واضح عنوان " جمعیتہ
الانصار" کا قیام ہے جس کی فکری قیادت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سر تھی،
چند سالوں میں اس جمعیتہ کے زیر اہتمام مراد آباد وغیرہ میں جو جلسے منعقد ہوئے

اور جس طرح ہندوستان کی منتشر مسلم آبادی آپس میں جڑنا شروع ہوئی اس کا ردعمل وائسریگل لاج کے اندر محسوس ہوا اور نئے سرے سے فتنہ سامانی شروع ہو گئی اسی دوران مسجد کانپور کا حادثہ پیش آیا، طرابلس و بلقان کے خونچکاں واقعات نے پوری ملت کو خستہ جاں کر دیا اور پھر تحریک ریشمی رومال کے حوالہ سے پورے ہندوستان کے قائدین اور کارکنوں کی گرفتاری نے اس خطۂ ارضی کو سراپا احتجاج بنا دیا — تاآں کہ جنگ عظیم اوّل نے ساری بساط الٹ دی اور خلافت ترکیہ کے پلیٹ فارم کی زبون حالی کا سنگین صدمہ ارباب نظر کو برداشت کرنا پڑا۔ ان حوادث سے ارباب دانش کو جب ذرا سی فرصت ملی تو انہوں نے ترجیح کے طور پر سب سے پہلے مسلمان قوم کی وحدت و اجتماعیت اور شعائر دین کے معاملہ میں اس کے احساسات کو بیدار کرنے کی راہیں تلاش کرنا شروع کیں۔ خدا لگتی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو ہاتھ سب سے زیادہ متحرک نظر آتا ہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا ہے جن کی مکمل و بھرپور سرپرستی شیخ الہند مولانا محمود حسن فرما رہے تھے اور شیخ الہند کے حوالہ سے جمعیۃ علماء ہند کا سواد اعظم ان کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

یہ حضرات قرآن و سنت کے نمائندہ و ترجمان ہونے کی حیثیت سے اس بات سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ مسلم قوم کی بدنظمی، انتشار اور عدم وحدت کن مصائب کا باعث بنتی ہے اور پھر اپنے فرائض کے حوالہ سے اس انتشار کو ختم کر کے رشتۂ انسلاک کا اہتمام بھی انہی کی ذمہ داری تھی۔ افسوس کہ اس نازک اسٹیج پہ امت مسلمہ اور بالخصوص علماء کو ایک شدید دھچکا لگا — اور وہ تھا مولانا محمود حسن کا حادثۂ وفات۔

مولانا ابوالکلام آزاد جمعیۃ علماء ہند کے تیسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۷-۱۸-۱۹، ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ (۱۸-۱۹-۲۰، نومبر ۱۹۲۱ء) بمقام لاہور کے خطبہ صدارت (تحریری) میں فرماتے ہیں۔

حضرات، اس تمہید کے بعد میں بالکل آمادہ تھا کہ مقاصد و مطالب کا سفر
روع کردوں لیکن اچانک غمگین حادثہ کی یاد نے میرے قدم روک دیئے آپ
اس جمعیۃ کا گذشتہ اجلاس مجمع علماء ہند کے جس بزرگ و محترم وجود کی رہنمائی
صدارت میں منعقد ہوا تھا آج وہ ہم میں نظر نہیں آتا اور ہم اسکی موجودگی کی
ں محروم ہو گئے ہیں، میرا اشارہ حضرت مولانا محمود حسن کی ذات گرامی
جانب ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ آج آپ میں سے ہر فرد کو انکی
دعوتِ غم دے رہی ہوگی ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے اور سب
ن کی یاد کی عزت میں چند لمحوں کے لئے رک جانا چاہیئے۔ حضرت مولانا مرحوم
وستان کے گذشتہ دور کے علماء کی آخری یادگار تھے اُن کی زندگی اس عہد
ان و فقدان میں علماء حق کے اوصاف و خصائل کا بہترین نمونہ تھی اُن کا
ی زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علماء ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں
، ستر برس کی عمر میں جبکہ اُن کا قد اُن کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا
ا، عین جوار حرم میں گرفتار کئے گئے اور کامل تین سال تک جزیرہ مالٹا میں
ربند رہے یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنا پڑی کہ اسلام و
ت اسلام کی تباہی و بربادی پہ ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا اور انہوں
اعدائے حق کی مرضیات و اہوا کی تسلیم و اطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا
الحقیقت انہوں نے علماء حق و سلف کی سنت زندہ کر دی اور علماء ہند
، لئے اپنی سنت حسنہ یادگار چھوڑ گئے وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں
ن اُن کی روحِ عمل موجود ہے اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔
طبہ صدارت صہ ۸۸ مطبوعہ اسلام آباد)

——— مولانا آزاد شیخ الہند سے کس درجہ
متاثر تھے اس کے لئے یہ سطور جو ابھی آپ نے سماعت فرمائیں کافی ہیں لیکن
ں ذراسی دیر کے لئے آپ کو ماہنامہ میثاق کے شمارہ مارچ ۸۳ء کے حوالہ
سے وہ نوٹ بھی سنانا چاہتا ہوں جو مولانا کی تفسیر ترجمان القرآن میں سورۂ توبہ

کی آیت ۴۹ کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔

احادیث مبارکہ کے مطابق نبی مکرم علیہ السلام کے سفر تبوک کے موقعہ پر جد بن قیس نامی منافق سردار نے بلطائف الحیل اجازت لے کر مدینہ میں رہنا چاہا اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے کہ "اِئْذَنْ لِیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ" مجھے اجازت دیدیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں ــــ مولانا کا بے باک لیکن محتاط قلم حرکت میں آتا ہے اور لکھتا ہے۔

"غور کرو گے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت میں بولتی نظر آئے گی جھوٹی دینداری اور وضعی پرہیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں اور وہ ساعی ہیں کہ امت پر بھی بند کر دیں ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو عزائم و مقاصد کی توجہ دلاؤں ۔ ممکن ہے چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں ۔ چنانچہ میں نے اسکی کوشش کی لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے اِئْذَنْ لِیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی جواب رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے

بہر طور علماء ربانیین بالخصوص مولانا آزاد نے اس طرح جو توجہ کی اس کا سبب بڑا واضح تھا انہوں نے اسی خطبہ صدارت میں جس کا ذکر اوپر ہوا، مسلمانوں کی اس خطہ میں دس کروڑ سے زائد آبادی کو ایک ایسی بھیڑ کا نام دیا جو ہندوستان کی آبادیوں میں بکھری ہوئی ہے، ایک ایسا گلہ جس کا کوئی چرواہا نہیں اور پھر زور دیکر کہا۔

"یقیناً ایک حیات غیر شرعی و جاہلی ہے جس میں پوری اقلیم مبتلا ہو گئی۔ انہوں نے ایک اعلان کے ذریعہ جو تحریری طور پر ساری ہندوستان میں پھیلا گیا مسلمان قوم کی مصیبت و نامرادی کا بنیادی سبب نظم جماعت کے فقدان کو بتلایا اور واضح کیا کہ کسی "امیر و نافذ شرع" اور کسی صاحب امر

سُلطان دفاع " کے بغیر یہ سیاہ رات ختم نہ ہوگی "

وہ خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں کہ " حیات انفرادی کے بجائے حیات اجتماعی کو جب تک اپنا یا نہ جائے گا - اس وقت تک بات نہ بنے گی " - ان کے نزدیک یہی ' اصل و اساس کار تھی اور تمام مقاصد اصلاح اور مصالح انقلاب کا نفاذ و ظہور اسی کے قیام و وجود پر موقوف تھا "

ان احساسات و جذبات کی بنیاد قرآن و سنت کا وہ نکھرا ہوا ذوق تھا جو اللہ تعالےٰ نے ان رجال کار کو ودیعت فرمایا تھا - ان کا کہنا یہ تھا اور بالکل بجا کہ

و اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لئے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ وہ متفرق، فرادی اور الگ الگ نہ ہوں بلکہ مجتمع، متحد اور کنفس واحدہ ہوں -

و قرآن و سنت میں وحدت و اجتماع پر بے حد زور دیا گیا ہے اور کفر و شرک کے بعد تفرقہ و تشتت سے سب سے زیادہ روکا گیا ہے -

و عقیدۂ توحید سے لے کر تمام عبادات و اعمال تک یہی حقیقتِ مرکزیہ جلوہ طرازی کر رہی ہے -

و اور علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ، نیز علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد، اور آمرکم بخمس بالجماعۃ، والسمع والطاعۃ، والھجرۃ و الجہاد فی سبیل اللہ وغیرہ ارشادات نبوی اتنے واضح تھے کہ ان سے صرف نظر کرنا ناممکن تھا -

اور جو حضرات یہ کہتے تھے کہ آج ہماری حکومت نہیں ہے ہم پنجۂ استبداد کا شکار ہیں - نظم جماعت اور امارت شرعیہ کی بات عجیب سی لگتی ہے، انہیں مولانا ماضی کی طرف لیجاتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ جو فتنہ آج یورپ سے اٹھا ہے چھٹی صدی ہجری میں بعینہٖ یہی فتنہ بلاد تاتار و چین سے اٹھا تھا تمام بلادِ

شرعیہ اسلامیہ کا اس وقت بھی یہی حال تھا جو آج ہے لیکن
اس عہد کے علماء نے پہلا کام یہ کیا کہ جن بلاد پر تاتاریوں کا قبضہ و استیلاء
ہو گیا تھا وہاں تنظیم جماعت اور قیام شرع کے لئے ولاۃ مسلمین کے نصب
تقرر کا حکم دیا ...... شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے انہی بلاد محکومہ
تاتار کے لئے فتوی دیا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ابدا اس کفر پر قانع نہیں ہونا
چاہیئے اور ایک لمحہ بھی بغیر کسی امام کے بسر نہیں کرنا چاہیئے یا تو وہاں سے ہجرت
کر جائیں اور یا ایک امیر نصب کر کے اپنے فرائض شرعیہ انجام دیں۔ (خطبہ ص ۱۱۲)
چنانچہ ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء کو اس سلسلے میں سب کمیٹی کا جلسہ بدایون میں منعقد ہوا جس میں
مولانا مفتی محمد کفایت اللہ مولانا محمد فاخر، الہ آبادی، مولانا عبدالماجد بدایونی
مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا سبحان اللہ اور مولانا مرتضیٰ
حسن چاندپوری کے ساتھ ساتھ علامہ سید سلیمان ندوی، حکیم اجمل خان
وغیرہ بھی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے اس کمیٹی نے امیر الشریعۃ فی الھند
کے فرائض واختیارات سے متعلق ایک رپورٹ مرتب کر دی جبکہ مولانا ابو
المحاسن سجاد رحمہ اللہ تعالےٰ نے نظام نامہ مرتب کر کے پیش کر دیا۔ یہ
تمام تفصیلات "قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد" کی مرتبہ
کتاب "جمعیۃ علماء ہند کی جلد اول میں "ضمیمہ ب" کے طور پر موجود ہیں۔
جہاں تک منصب امامت کے خصائص کا تعلق تھا مولانا آزاد مرحوم مسئلہ
خلافت وغیرہ میں بڑی وضاحت سے اسکو ذکر کر رہے تھے ۔۔ ایک اقتباس
ملاحظہ فرمائیں۔

"ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جس کا قلب کتاب و
سنت کے غوامض سے معمور ہو وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت
پر ...... ایک ایک لمحے کے اندر متغیر ہو جانے والے حوادث جنگ و صلح
پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرنے اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیہ وملیہ کے

تحفظ و توازن کے بعد فتویٰ شرع صادر کرتا ہے — اور —

آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے جو وقت کے سرو سامان کو نہ دیکھے بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اسکی راہ تک رہا ہو! مشکلیں اس کی راہ میں غبار و خاکستر بن کر اڑ جائیں اور دشواریاں اس کے جولانِ قدم کے نیچے خس و خاشاک بن کر پس جائیں وہ وقت کا مخلوق نہ ہو کر وقت کے حکموں کی چاکری کرے وہ وقت کا خالق و مالک ہو اور زمانہ اسکی جنبشِ لب پر حرکت کرے اگر انسان اس کی طرف سے گردن موڑ لیں تو وہ خدا کے فرشتوں کو بلالے اگر دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو وہ آسمان کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اتار لے، اس کا علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہو اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت رسالت کے تمام اسرار و غوامض اور معالجہ اقوام اور طبابت عہد و ایام کے تمام سرائر و خفایا اس طرح کھول دے کہ "وہ صرف ایک صحیفہ کتاب و سنت اپنے ہاتھ میں لے کر دُنیا کی ساری مشکلوں کے مقابلے اور ارواح و قلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے — وما ذالك على الله بعزيز

مولانا آزاد اور دوسرے حضرات کی نظر اس "عازم و فاتح وقت" کے سلسلے میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن پر پڑتی شیخ الہند برعظیم کی سب سے بڑی علمی تحریک دیوبند کے پہلے باقاعدہ شاگرد اور اس تحریک کے بانی و موسس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ وقت کے دیگر رجال کار مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے براہ راست فیض یافتہ تھے۔ انگریز کا عروج انہوں نے خود دیکھا تھا۔ اس نے علماء اور رؤسا کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے تھے ان کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا اور ماسبق حالات اپنے اساتذہ سے سنے تھے اپنے استاذ اکبر مولانا نانوتوی کی یادگار مدرسہ دیوبند کے وہ صدر مدرس تھے حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد اتنی بڑی عظیم شخصیت بطور شاگرد انہی کی نظر آتی ہے، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی

علامہ محمد انور شاہ، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا منصور انصاری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد صادق کراچوی، مولانا عزیر گل اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری وغیرہم پھر اس دور کی فعال اور مخلص مسلم قیادت یعنی مولانا ابوالکلام، مولانا حسرت موہانی۔ مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، نواب مشتاق حسین وقار الملک وغیرہ سے ان کے نہ صرف تعلقات تھے بلکہ یہ سب حضرات ان کو اپنا مربی تسلیم کرتے۔ باقی الہ آباد، فرنگی محل، بدایوں اور امرتسر کے مختلف الفکر علماء کرام ان کی قیادت پر پوری طرح مجتمع تھے۔ ۱۹۱۴ء میں مولانا آزاد نے مولانا سندھی کے توسط سے اور بعض حضرات سے خود ملکر معاملات طے کرنا چاہے لیکن شیخ الہند کے سفر حجاز اور جنگ عظیم اوّل کے سبب یہ کام کھٹائی میں پڑ گیا۔ اسارت مالٹا کے بعد شیخ الہند جلد وفات پا گئے تو اب پھر ایک عازم و فارغ وقت کی جستجو شروع ہوئی۔ شیخ الہند اپنی زندگی کے آخری ایام میں جبکہ وہ بالکل سفر وغیرہ سے معذور ہو کر بھی پالکی میں حیات اجتماعی کی غرض سے لکھنؤ، دہلی، علی گڑھ وغیرہ مارے مارے پھر رہے تھے، انہوں نے مولانا آزاد کی امارت کو علی وجہ البصیرت وقت کی ضرورت قرار دیا، فرنگی محل کے صاحب سجادہ مولانا عبدالباری بھی بالآخر راضی ہو گئے لیکن یہ المیہ ہے کہ مولانا معین الدین اجمیری نے مخالفانہ آواز اٹھائی پھر بدایوں وغیرہ سے شیخ الاسلام کی آوازیں اُٹھنے لگیں، ایسا شیخ الاسلام جو انگریز نامزد کرے اور وہ مسلمانوں کے معاملات معاشرتی کا فیصلہ کرے ــــ گویا اسی عطاد کے لونڈے سے دوا لینے کی تدبیر ہونے لگی جو ملت کی بیماری کا باعث بنا تھا۔ بدایونی آواز کو تقویت علامہ سید سلیمان ندوی سے بھی ملی جو مولانا آزاد کے رفیق قدیم اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کلکتہ ۱۹۲۶ء کے صدر بھی ہو چکے تھے لیکن اب وہ سنہری چھتری تلے شیخ الاسلام کی بات کر رہے تھے۔ شیخ الہند کا جو باقاعدہ حلقہ تھا وہ

ہر طرح مولانا آزاد کو اہل پاتا تھا چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے ایک مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا سید محمد انور شاہ، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند سب مولانا کی امارت سے متفق تھے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا معین الدین اجمیری نے بہت ہنگامہ کیا حتیٰ کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی پہ اثر انداز ہو کر ان کی رائے تک تبدیل کر ڈالی اور ان کے زیر اثر ان کے مرید باصفا مولانا محمد علی جوہر بھی ابوالکلام سے ایسے الرجک ہوئے کہ الامان -

مَیں بڑے دکھی دل کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس ضمن میں جتنے لٹریچر کا میں نے مطالعہ کیا ہے، اس کے نتیجہ میں سوائے اس کے کہ ارباب علم کے معاصرانہ جذبات اور حسد باہمی کو اس عظیم تجویز کی بربادی کا باعث قرار دوں اور کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی -

شیخ الہند نے شدید علالت کے دوران جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے جلسہ ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی کی صدارت بھی فرمائی تھی اور خطبہ صدارت بھی ارشاد فرمایا تھا - بقول مولانا محمد میاں،

"بیماری و نقاہت کے سبب تھوڑی دیر سٹیج پر بیٹھنا دشوار تھا"

لیکن اس اجلاس کے اہم ترین ایجنڈا یعنی امیر الہند کے انتخاب کے سلسلے میں ان کے احساسات یہ تھے

"میری چارپائی اٹھا کر جلسہ گاہ میں لیجائی جائے اور یہ کام کر لیا جائے پہلا شخص جو بیعت کرے گا مَیں ہوں گا" (تاریخ امارت ص۳۵)

لیکن اطبا اور معالجین نے اس مسئلہ کو ملتوی کرایا تاکہ صحت بحال ہو جائے لیکن پھر قوم کی اجتماعی صحت بگڑتی ہی چلی گئی شیخ الہند اللہ کو پیارے ہو گئے اور بات الحمد کہہ کر رہ گئی - شیخ الہند وہ بزرگ تھے جن کے متعلق امیر امان اللہ خان والی افغانستان نے پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ

"محمود الحسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں"

اور ترکی وزیر جمال پاشا نے جب مدینہ منورہ میں آپ سے ملاقات کی تو اس نے کہا:

"ان مختصر سی ہڈیوں میں کس قدر دین وسیاست بھری ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں"

جبکہ برطانوی حکومت کے نہایت ذمہ دار رکن سر جیمس گورنر یوپی نے کہا۔

"اگر محمود حسن کو جلا کر راکھ بھی کر دیا جائے تو اس کی راکھ بھی انگریزوں سے کترا کر گذرے گی"

اس وجود مبارک کا دنیا سے اٹھ جانا معمولی حادثہ نہ تھا۔ مشیت الٰہی کے سامنے ہر مسلمان کا سر تسلیم خم ہے اور اس پر نہ گلہ ہے نہ شکوہ بلکہ حدیث نبویؐ کے مطابق اس صدمۂ عظیم پر آج بھی انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھنا ضروری ہے لیکن جو بات سب سے زیادہ رنج والم کا باعث ہے وہ ہے اس منصوبہ کا زیروزبر ہونا جو اگر اصلی شکل میں سامنے آجاتا تو برعظیم کا رنگ کچھ اور ہوتا اور آج ہندوستان کی سرزمین پر مسلمان کا وجود اور ادھر دانشوران بے ننگ ونام کے ہاتھوں اُن کا عقیدۂ دینی معرض خطر میں نہ ہوتا۔

مرکزی سطح پر جب نقشہ نہ ابھر سکا تو مخلص حضرات نے اپنے اپنے مقام پر اس سلسلے میں جہد وسعی شروع کر دی کیا عجب کہ یہی سلسلہ آگے چل کر نظم باہمی کا سبب بن جاتے اس سلسلے میں جہاں تک میری نظر پڑتی ہے دو صوبے ایسے ہیں جہاں کام کی ابتدا ہوئی یعنی بہار و اڑیسہ اور پنجاب۔ ان میں اوّلیت کا سہرا بہار و اڑیسہ کے سر ہے اور اس میں در اصل روح عمل کارفرما تھی مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کی۔ جو ایک وقت میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی رہے، ایسی خوبیوں اور کمالات کے لوگ کم ہی پیدا ہوتے ہیں بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی

معہ مولانا سجاد کی ذات وقت کی بہت مغتنم ہستیوں میں تھی علماً بھی، عملاً بھی، فکر و نظر کی رسائیوں کے لحاظ سے بھی، اخلاص و ایثار کی گہرائیوں کے لحاظ سے بھی۔"

یہی مولانا سجاد بہار میں اس کا باعث بنے اور انہوں نے سوچا کہ ہم جتنا کچھ کر سکتے ہیں کر گذریں، ندوۃ العلماء کے بانی مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ تعالےٰ کے خلف الرشید مولانا منت اللہ رحمانی آج بھی وہاں نائب امیر شریعت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں رحمانی سلسلہ کے ایک بزرگ مولانا عبدالصمد نے تاریخ امارت میں پھلواری شریف (بہار) کے اجلاس مارچ ۱۹۲۱ء کا ذکر کیا ہے جسمیں ابتدائی تجویز پاس ہوئی پھر جون ۱۹۲۱ء میں علماء کرام کا اجلاس مولانا آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا شاہ بدرالدین امیر شریعت اور مولانا سجاد نائب قرار پائے۔ ان تمام حضرات بالخصوص مولانا سجاد کو مولانا آزاد نے زبردست خراج تحسین پیش کیا اور سچ پوچھیں تو اس محنت کا سہرا مولانا سجاد کے سر ہے یا پھر مولانا آزاد کے سر جنہوں نے رانچی (بہار) کی نظر بندی کے دوران ان حضرات سے رابطہ قائم کر کے اس کام کی بنیاد فراہم کی۔

میری معلومات کی حد تک تقسیم ملک تک بہار و اڑیسہ کے سوا کسی دوسری جگہ یہ نظم صوبائی سطح پر قائم نہ ہو سکا بعض انفرادی واقعات اپنی جگہ ہیں تاہم تازہ معلومات کے بعد اب بعض دوسرے صوبوں میں ایسی کوششیں بارآور ہونے لگی ہیں اور بہار میں تو الحمد للہ مسلمانوں کی اس معاملہ میں بے پناہ خدمت ہو رہی ہے۔

ادھر لاہور میں ۱۹۲۶ء میں مولانا احمد علی قدس سرہٗ کی انجمن خدام الدین کا سالانہ جلسہ ہوا تو اس میں پانچ سو سے زائد علماء کرام شریک تھے انمیں علامہ انور شاہ، مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین علی واں بھچراں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خاں اور السید عطاء اللہ شاہ بخاری

ے حضرات موجود تھے اسی جلسہ کے موقعہ پر علامہ اقبال مرحوم نے غایت
یہ عقیدت مندی کے ساتھ علامہ انور شاہ کو اپنے گھر دعوت دی جسے شاہ
صب نے قبول فرمایا اور پھر علامہ سے انکے مسلسل تعلقات رہے بلکہ بعض وجوہ
، محدّث کاشمیری علامہ کے محسن قرار پائے - اسی جلسہ کے موقعہ پر سر شفیع
، علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریر سن کر کہا "کاش میری ماں نے مجھے اُس درسگاہ
، بغرضِ تعلیم بھیجا ہوتا جسمیں مولانا عثمانی نے تعلیم حاصل کی ہے" - بہرحال
، جلسہ کے موقعہ پر اہی تلی مقاصد کے لئے السید عطاء اللہ شاہ بخاری کو
رت مولانا انور شاہ کی تحریک پر امیر شریعت قرار دیا گیا اور پہلی بیعت شاہ
بنے خود کی - اس حلقہ کو قادیانی فرقہ سے نبرد آزما ہونا پڑا اور پورا پنجاب
میر جو بوجوہ قادیانیت کی زد میں تھا امیر شریعت اور ان کے رفقا کے سبب
ل اللہ والمنۃ اس فتنہ ضالہ سے بچا جبکہ اصلاحِ عقائد و رسوم معاشرت
املات کا بھی وسیع پیمانے پہ کام ہوا جسکی تاریخ مرتب ہونا ضروری ہے
حضرات گرامی ! اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوتے آخر میں اتنی
عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ مسلم معاشرہ کی شیرازہ
ی، اجتماعیت اور نظمِ جماعت کتنا ضروری ہے ؟ یہ نماز و روزہ کی طرح کا فرض
اس سے کہیں زیادہ اہم ذمہ داری ہے - لیکن یہ معاملہ جتنا اہم ہے اتنے
ہم اس سے غافل ہیں - ایک مسلم ملک میں مخصوص مقاصد کے لئے درجنوں
یوں کا ہونا - پھر ہر پارٹی کے اندر دو دو تین تین شاخیں یہ اس امت
لئے اتنا بڑا عذاب و ابتلا ہے جس کا وہ لوگ تو اندازہ کر سکیں گے جنکی
ن و سنت پر کسی قدر نظر ہے - باقی جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ کما حقہ
سکی اہمیت سے واقف اور نہ اس کے فقدان سے پیدا ہونے والے بُرے
ت سے آگاہ --- اور جیسا کہ میں نے کہا مخصوص مقاصد کے تحت پارٹی
ی اور وہ مقاصد بھی انتہائی گھٹیا --- یہ بات کسی مسلم معاشرہ کو زیب

نہیں دیتی - ایک مسلم معاشرہ میں حزب اللہ اور حزب الشیطان کے بعد کوئی تقسیم نہیں - مدارس و مسالک کی بنیاد ہو یا کوئی دوسری بنیاد، اس پر امت کی تقسیم و تشتت اللہ تعالے کے غضب کا موجب ہے جو آج مسلسل بے چینی و اضطراب کی شکل میں ہم پر مسلط ہے - اس لئے ضرورت ہے کہ ارباب دانش و بینش، اصحاب حوصلہ و ہمت اور قرآن و سنت کے غوامض و اسرار سے واقف حضرات ملت کی کشتی کو کنارے لگانے اور اس کو بھنور سے نکالنے کی تدبیر کریں، سر جوڑیں ایک "عازم و فاتح وقت" کی قیادت کو اپنا کر طاغوت کی ہر پسندیدہ شکل سے لڑ جائیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک یکون الدین کلہ للہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے مسلمان قوم تمام تر جدید مادی وسائل سے لیس ہو لیکن اسے نفس مطمئنہ نصیب ہو وہ قلب غافل کے بجائے انابت و رجوع الی اللہ کی نعمت سے مالا مال ہو وہ باللیل رہبان اور بالنہار فرسان کی سرمدی حقیقت کو پا کر اس پر عامل ہو جائے تو اس کا سربلند ہو سکتا ہے، اس دنیا میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی - لیکن اس کے لئے بنیادی شرط وحدت و نظم جماعت ہے کج کلاہی گوشوں میں اسلام اور اسلامی افکار کی ترویج کی بات اپنے اندر جتنی حقیقت لئے ہوئے ہے اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں کہ اس سے ہر شخص واقف و آگاہ ہے میرا پیغام صرف اتنا ہے کہ اعتصام بحبل اللہ کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہو کر حزب اللہ کی سنہری زنجیر میں پرو دیا جانا ہماری ضرورت ہے - اور دیکھنا یہ ہے کہ اس آوازۂ حق پر کون کان دھرتا ہے؟

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ

ن نصیر احمد غزنوی

اظہارِ حق

قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں

تیسری قسط

معیارِ نبوّت

خدا تعالیٰ کا قدیم قانون اور سنّتِ الٰہی یہی ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو منصب دعوت یعنی نبوت وغیرہ پر مامور کرتا ہے جو اعلیٰ خاندان میں سے ہوں... یہی وجہ ہے جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان سے آتے رہے ہیں۔ (ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۲ ص ۲۸۰/۱۵۲ و ص ۲۸۱/۱۵۳)

پہلا رُخ

خدا تعالیٰ نے بذریعہ اپنے الہام کے مجھے یہ حجت بھی سکھلائی ہے کہ ان کو کہہ دے کہ رسول اور نبی اور سب جو خدا کی طرف سے آتے ہیں اور دینِ حق کی دعوت کرتے ہیں وہ قوم کے شریف اور اعلیٰ قوم میں سے ہوتے ہیں... سو میرا خاندان ایسا ہی ہے۔ (تریاق القلوب - ص ۲۸۵/۱۵۷)

مرزا صاحب کے دعاوی و اقوال ذہن میں رکھیں۔

میں اپنے خاندان کی نسبت کئی دفعہ لکھ چکا ہوں کہ وہ ایک شاہی خاندان بنی فارس ہے اور بنی فاطمہؓ کے خون سے ایک معجون مرکب ہے یا شہرت عام کے لحاظ سے یوں کہو کہ وہ خاندان مغلیہ اور خاندان سیادت سے ایک ترکیب یافتہ خاندان ہے۔ (تریاق القلوب ص ۲۸۶/۱۵۸ و ص ۲۸۷/۱۵۹)

(۱)

دوسرا رُخ

میرے جیسے بیکس تنہا کے لیے ان تمام امور کا جمع ہونا بظاہر ناکامی کی ایک علامت تھی بلکہ ایک سخت ناکامی کا سامنا تھا کیونکہ کوئی پہلو بھی درست نہ تھا۔ اوّل مال کی ضرورت ہوتی ہے سو اس وحی الٰہی کے وقت تمام ملکیت ہماری تباہ ہو چکی تھی

اور ایک بھی ایسا آدمی ساتھ نہ تھا جو مالی مدد کر سکتا۔ دوسرے میں کسی ایسے ممت
خاندان میں سے نہیں تھا جو کسی پر میرا اثر پڑ سکتا۔
میری دعوت کی مشکلات میں ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے
کا دعویٰ تھا۔ (النصرۃ الحق یعنی براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۶۸ ص۶۹)

(۲)

اس زمانہ میں کہ میں ایک گمنام اور اکیلا اور نہایت کم درجہ کی حیثیت کا انسان
تھا اور اس قدر کم حیثیت تھا کہ قابلِ ذکر نہ تھا اور کسی ایسے ممتاز خاندان سے نہ تھا جس
کی نسبت توقع ہو سکتی تھی کہ بآسانی لوگ اس پر جمع ہو جائیں گے۔
(نصرۃ الحق یعنی براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۵ ص۔۔۔)

(۳)

ایسے گمنامی کے زمانے میں جس کو پچیس برس گذر گئے اور میں کچھ بھی چیز نہ تھا
اور کسی قسم کی شہرت نہ رکھتا تھا اور کسی بزرگ خاندان پیرزادگی سے نہ تھا تا رجوع خلائق
سہل ہوتا۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵، ص۵۹)

پہلا رُخ

رہا یہ سوال کہ محمد حسین کو کچھ زمین مل گئی ہے یعنی بجائے ذلت کے عزت مل گئی
ہے یہ نہایت بیہودہ خیال ہے ... کنز العمال کی کتاب المزارعۃ میں یعنی صفحہ ۲ ، میں
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث موجود ہے لا تدخل سکۃ الحرث
علیٰ قوم الا اذلھم اللہ (طب عن ابن یمامہ) یعنی کھیتی کا لوہا اور آلہ کسی قوم میں
نہیں آتا جو اس قوم کو ذلیل نہیں کرتا۔ پھر اسی صفحہ میں ایک دوسری حدیث ہے۔
انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی شیئاً من آلۃ الحرث فقال لا
یدخل ھذا بیت قوم الا دخلہ الذل (خ ۔ عن ابن یمامہ) یعنی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آلہ زراعت کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ آلہ کسی قوم کے گھر میں داخل
نہیں ہوتا مگر اس قوم کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اب دیکھو ان احادیث سے صریح طور پر یہ
ثابت ہے کہ جہاں کاشتکاری کا آلہ ہوگا وہیں ذلت ہوگی ... جو شخص آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر ایمان رکھتا ہے اس کو ماننا پڑے گا کہ کسی کے گلے میں

کاشتکاری کا سامان پڑنا یہ بھی ایک قسم کی ذلت ہے۔
(ضمیمہ تریاق القلوب ع۲ ص۱۴۹/۳۲۱ و ص۱۴۰)

دوسرا رُخ

مَیں اس بات کو چھپا نہیں سکتا کہ کئی پشت سے میرے خاندان میں زمینداری چلی آتی ہے اور اب بھی ہے۔ ... حدیثوں کو پڑھو کہ وہ آخری زمانہ میں آنے والا اور اس زمانہ میں آنے والا کہ جب قریش سے بادشاہی جاتی رہے گی اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک تفرقہ میں پڑی ہوگی زمیندار ہی ہوگا اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ مَیں ہوں۔ احادیث نبویہ میں صاف لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مؤید دین و ملت پیدا ہوگا اور اس کی یہ علامت ہوگی کہ وہ حارث ہوگا یعنی زمیندار ہوگا... اب سوچو زمیندار ہونا تو میرے صدق کی ایک علامت ہے۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام حصہ اول ص۳۰۴)

(۲)

عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ ایک دیانت دار زمیندار اپنے کاشتکاروں سے ایسا برتاؤ رکھ سکتا ہے جو بحیثیت پورے متقی اور کامل پرہیزگار کے ہو اور زمینداری اور نکوکاری میں کوئی حقیقی مخالفت اور ضد نہیں۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام حصہ اول ص۳۰۴)

پہلا رُخ

یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیوں کہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے... لیکن اگر کوئی زبان ایسی ہو کہ ملہم کو خوب یاد ہو اور گویا اس کی زبان کے حکم میں ہو تو بسا اوقات ملہم کو اس زبان میں الہام ہو جاتا ہے۔
(چشمۂ معرفت۔ دوسرا حصہ ص۲۱۸)

دوسرا رُخ

ایک دفعہ جس کو عرصہ قریبًا بائیس برس کا گذرا ہے۔ ایک انگریزی خوان میرے ملنے کے لیے آیا تو اس کے روبرو ہی یہ الہام ہوا دِس از مائی اَینِمی یعنی یہ میرا دشمن ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ الہام اسی کی نسبت ہے۔ پھر اس سے اس الہام کے معنے دریافت کیے گئے اور آخر وہ ایسا ہی نکلا۔ (تریاق القلوب ص۲۶۵/۱۳۷ ص۴۶)

(۲)

زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔
(نزول المسیح ص۵۹ ج۱۸ ص۴۳۵)

اللہ تعالیٰ و انبیاء علیہم السلام و آسمانی کتابوں، شریعت و مذہب اسلام و اہلِ اسلام سے متعلق مرزا صاحب کے ارشادات

خدا تعالیٰ کی توہین

پھر وہ خدا جو مُردہ کی مانند ہے پڑا — پس کیا امید ایسے سے اور خوف اس سے کیا
ایسے خدا کے خوف سے دل کیسے پاک ہو — سینہ میں اسکے عشق سے کیوں کر تپاک ہو

(نصرۃ الحق ص۱۷ ص۲۸)

وہ مذہب کس کام کا مذہب ہے جو زندہ خدا کا پرستار نہیں بلکہ ایسا خدا ایک مُردے کا جنازہ ہے جو صرف دوسروں کے سہارے سے چل رہا ہے۔ سہارا الگ ہوا اور وہ زمین پر گرا۔
(نصرۃ الحق ص۱۹ ص۲۸)

زندہ ایمان لانا ہرگز ممکن نہیں جب تک انسان زندہ خدا کی تجلیات اور آیاتِ عظیمہ سے فیض یاب نہ ہو۔
(نصرۃ الحق ص۲۱ ص۳۰)

اور ایسے فرضی خدا کی پیروی ایسی ہے جیسے ایک مُردہ سے توقع رکھنا کہ وہ زندوں جیسے کام کرے گا۔ ایسے خدا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جو ہمیشہ تازہ طور پر اپنے وجود کو ثابت نہیں کرتا وہ ایک بُت ہے جو نہ بولتا ہے اور نہ سُنتا ہے نہ سوال کا جواب دیتا ہے۔ (نصرۃ الحق ص۲۲ ص۳۱)

حقیقی خدا دانی تمام اس پر منحصر ہے کہ اس زندہ خدا تک رسائی ہوجائے جو اپنے مقرب انسانوں سے نہایت صفائی سے ہمکلام ہوتا ہے۔ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے بولتا ہے ایسا ہی یقینی طور پر بکلی شک و شبہ سے پاک ہے

ان کی باتیں سنتا ہے ان سے باتیں کرتا ہے اور ان کا جواب دیتا ہے۔

(نصرۃ الحق ص۲۲ ص۳۱)

جب تم خود مانتے ہو کہ خدا دعاؤں کو سنتا ہے پس سست ایمانوں اور دلوں کے اندھو جب کہ وہ سُن سکتا ہے تو کیا وہ بول نہیں سکتا؟ اور جبکہ سُننے میں اس کی کوئی ہتک عزت نہیں تو پھر اپنے بندوں کے ساتھ بولنے سے کیوں اس کی ہتک عزت ہو گئی؟ ورنہ یہ اعتقاد رکھو کہ جیسا کہ کچھ مدت سے الہام پر مہر لگ گئی ہے ویسا ہی اسی مدت سے خدا کی شنوائی پر بھی مہر لگ گئی ہے اور اب خدا نعوذ باللہ صُمٌّ بکمٌ میں داخل ہے۔ کیا کوئی عقل مند اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں خدا سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ پھر بعد اس کے یہ سوال ہو گا کہ کیوں نہیں بولتا۔ کیا زبان پر کوئی مرض لاحق ہو گئی ہے مگر کان مرض سے محفوظ ہیں... تو پھر کیا وجہ ہے کہ سننے کی صفت تو اب تک ہے مگر بولنے کی صفت معطل ہو گئی ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۴۵ ص۳۱۲)

خدا شناسی کسی طرح ممکن نہیں جب تک خدا کو اس کی تازہ قدرتوں اور تازہ نشانوں کے ساتھ شناخت نہ کیا جائے ورنہ بغیر اس کے خدا پرستی بھی بُت پرستی ہے۔ کیونکہ جب خدا محض ایک بُت کی طرح ہے جو سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ کوئی قدرت دکھلا سکتا ہے تو اس میں اور بُت میں فرق کیا ہے۔ زندہ خدا کی علامات چاہئیں اور اگر وہ ہمارے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ کوئی قدرت دکھلا سکتا ہے تو کیونکر معلوم ہو کہ وہ موجود ہے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۱۵ ص۶۱۶)

نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا جب تک موسیٰ اور مسیح اور ابراہیم اور یعقوب اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں۔ نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو یقین نیا ہو نشان نئے ہوں اور دوسرے لوگ قصے کہانیوں میں گرفتار ہیں... سچا مذہب وہی ہے جس کے ساتھ نمونہ ہے۔

(تریاق القلوب ص۴۹ ص۴۹)

مذہب کی توہین

یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہٰی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہِ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا جو کچھ بھی ہیں قصے ہیں۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانے میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں۔ نہ کہ رحمانی۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا ہے اور اندھا ہی مارتا ہے اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ ۱۸۴ صہ ۳۵۴)

ہر ایک طالب حق کے لیے ضروری ہوا کہ اس جہان میں آنکھوں کا نور تلاش کرے اور اس زندہ مذہب کا طالب ہو جس میں زندہ خدا کے انوار نمایاں ہوں۔ وہ مذہب مردار ہے جس میں ہمیشہ کے لیے یقینی وحی کا سلسلہ جاری نہیں۔ کیوں کہ وہ انسانوں پر یقین کی راہ بند کرتا ہے۔ اور ان کو قصوں کہانیوں پر چھوڑتا ہے اور ان کو خدا سے نومید کرتا ہے اور تاریکی میں ڈالتا ہے۔ (نزول المسیح صہ ۴۶۹/۹۳ صہ ۹۱)

دین کی توہین

وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے جو یہ سکھلاتا ہے کہ صرف منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الہٰی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور خدائے حی و قیوم کی آواز سننے اور اس کے مکالمات سے قطعی نومیدی ہے۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے دین وہ دین ہے جو تاریکی سے نکالتا ہے اور نور میں داخل کرتا ہے۔ سو ایک امتی کو اس طرح کا نبی بنانا

سچے دین کی لازمی نشانی ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۹ ص۳۰۶)

جس دین میں یہ قوت نہیں کہ اس کمال تک پہنچا دے اور اپنے سچے پیروؤں کو خدا کا ہمکلام بنا دے وہ دین منجانب اللہ نہیں۔ (لیکچر لاہور ص۱۶ ص۱۶۲/۱۶)

تمام اُمت محمدیہ کی توہین

بعض خشک ملاؤں کو یہاں تک انکار میں غلو ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مکالماتِ الٰہیہ کا دروازہ ہی بند ہے۔ اور اس بدقسمت امت کے نصیب میں نہیں کہ یہ نعمت حاصل کر کے اپنے ایمان کو کامل کرے اور پھر کشش ایمانی سے اعمالِ صالحہ کو بجالاوے۔ ایسے خیالات کا یہ جواب ہے کہ اگر یہ امت درحقیقت ایسی ہی بدبخت اور راندھی اور شر الامم ہے تو خدا نے کیوں اس کا نام خیر الامم رکھا بلکہ سچ بات یہ ہے کہ وہی لوگ احمق اور نادان ہیں جو ایسے خیالات رکھتے ہیں . . . کیا خدا تعالیٰ نے وہ دعا سکھلا کر صرف دھوکہ ہی دیا ہے اور ایسی ناکارہ اور ذلیل امت میں کیا خیر ہو سکتی ہے جو بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی گئی گزری ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۴۳ ص۳۱۱ ص۳۱۱ ص۱۴۴)

اسلام، اہلِ اسلام اور نبی اکرمؐ کے معجزات کی توہین

اگرچہ قصہ اور نقل کے طور پر تمام اہلِ اسلام اس بات کو مانتے ہیں کہ خدا موجود ہے اور اس کا رسول برحق مگر یہ ایمان کوئی یقینی بنیاد نہیں رکھتا اس لیے ایسے ضعیف ایمان کے ذریعہ سے یقینی رنگ کے آثار ظاہر ہونا، گناہ سے سچی نفرت کرنا غیر ممکن ہے اور بوجہ اس کے کہ اسلام پر تیرہ سو برس گزر گئے تمام معجزات گذشتہ برنگ نقول اور قصص ہو گئے۔ (نزول المسیح ص۱۰۸ ص۴۸۴/۱۱۰)

تمام آسمانی کتابوں کی توہین

جس شریعت کو خدا تعالیٰ منسوخ کر دیتا ہے اس شریعت کی پیروی کرنے والوں کے دل مسوخ ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی باقی نہیں رہ جاتا جس پر تازہ

کلام وارد ہو تب وہ کتاب ایک متعفن پانی کی طرح ہو جاتی ہے جس کے ساتھ بہت کیچڑ اور گند مل گیا ہے۔ اور ایسی شریعت سے انسانوں کو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں صرف قصے رہ جاتے ہیں اور آسمان کا تازہ پانی یعنی تازہ کلامِ الٰہی ان کے پاس نہیں آتا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے ان کو چھوڑ دیا ہے خلاصہ کلام یہ کہ مردود مذہب کی نشانی ہے کہ تازہ کلام کا نور اس میں پایا نہیں جاتا اور وہ لوگ ہمیشہ اس کلام پر بھروسہ رکھتے ہیں جس کو تازہ کلامِ الٰہی تصدیق نہیں کرتا۔ اور نہ تازہ نشان تصدیق کرتے ہیں ... اس تمام بیان کا خلاصہ در خلاصہ یہ ہے کہ تازہ کلامِ الٰہی شریعت کا پشتیبان ہے۔ اس لیے بار بار کہا جاتا ہے کہ کلامِ الٰہی سے مراد وہی کلام ہے جو زمانہ کے لیے تازہ طور پر اترتا ہے۔

(نزول المسیح ص ۱۱۴ ص $\frac{۴۹۲}{۱۱۹}$)

جب نبوت کا زمانہ گذر جاتا ہے اور خدا کا کلام قصوں کے رنگ میں پڑھا جاتا ہے تب ایمان مفقود ہو جاتی ہے اور دلوں میں اس کلام پر یقین نہیں رہتا۔

(نزول المسیح ص $\frac{۴۹۱}{۱۱۵}$ ص ۱۱۲)

تمام فرقوں کی توہین

مسیح موعود کا زمانہ[1] ... پھر لوگوں کو صحابہ کے رنگ میں لائے گا اور آسمان سے کچھ ایسی ہوا چلے گی کہ بہتر فرقے مسلمانوں کے جن میں سے بجز ایک[2] کے سب عار اسلام اور بدنام کنندہ اس پاک چشمہ کے خود بخود کم ہوتے جائیں گے۔ اور تمام ناپاک فرقے جو اسلام میں مگر اسلام کی حقیقت کے منافی ہیں۔ صفحۂ زمین سے نابود ہو کر ایک ہی فرقہ رہ جائے گا (یعنی فرقہ احمدیہ) (تحفہ گولڑویہ)

ہم اس بات سے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لاویں سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شان بزرگ کے خلاف

---

[1] مسیح موعود سے مراد مرزا صاحب ہیں۔ [2] یعنی فرقہ احمدیہ۔

...اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔ اشتہار عام
...لاع کے لیے۔
المشتہر
مرزا غلام احمد از قادیان
(ایام الصلح ص ۲۲۸)

...مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا
...مسیح تو مسیح میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں کیونکہ پانچوں
...ب ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ نہ صرف اس قدر بلکہ میں حضرت مسیح کی دونوں حقیقی
...شیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے
...ں اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا
...پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا گو لوگ اعتراض کرتے
...ں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیوں کر نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے
...عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنی باوجود یوسف
...نجار کی پہلی بیوی ہونے کے پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں
...وے مگر میں کہتا ہوں کہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں اس صورت میں وہ لوگ
...بل رحم تھے نہ کہ قابل اعتراض۔ (کشتی نوح ص ۳۶، ۳۷۔ چھوٹی تقطیع)

آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ
...ں زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا مگر
...شاید یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہو گی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت
...ھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار
...نسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک
...تھ لگا دے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس
...کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۹۱)

عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ
...سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے آپ نے معمولی تدبیر سے کسی شب کور وغیرہ کو

اچھا کیا ہو یا کسی اور ایسی بیماری کا علاج کیا ہو مگر آپ کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اس تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے اور اس تالاب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر ہوا ہو تو وہ معجزہ آپ کا نہیں بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے اور آپ کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۲۹۱)

حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۲۵۴ ص۳۰۳)

(یعنی اسلام) نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھلاتا ہے کہ خدا نے ایک انسان کی طرح ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا اور نہ صرف نو مہینہ تک خون حیض کھا کر ایک گنہگار جسم سے جو بنت سبع اور تمر اور راحاب جیسی حرام کار عورتوں کے خمیر سے اپنی فطرت میں ابنیت کا حصہ رکھتا تھا خون اور ہڈی اور گوشت حاصل کیا بلکہ بچپن کے زمانہ میں جو جو صعوبتیں ہیں جیسے خسرہ چیچک دانتوں کی تکلیف وغیرہ وہ سب اٹھائیں اور بہت سا حصہ عمر کا معمولی انسانوں کی طرح کھو کر آخر موت کے قریب پہنچ کر خدائی یاد آ گئی۔ (معیار المذاہب۔ ص $\frac{۴۸۸}{۳۰}$)

یہ بات اس کی صفت حی و قیوم ہونے کے مخالف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ہی اپنے فعل اور قول میں ظاہر کر چکا ہے کہ وہ ازلی ابدی اور غیر فانی ہے اور موت اس پر جائز نہیں۔ ایسا ہی یہ بھی نہیں کہہ سکتے وہ کسی عورت کے رحم میں داخل ہوتا اور خون حیض کھاتا اور قریباً نو ماہ پورے کر کے سیر ڈیڑھ سیر کے وزن پر عورتوں کی پیشاب گاہ سے روتا چلاتا پیدا ہو جاتا ہے اور روٹی کھاتا اور پاخانہ جاتا اور پیشاب کرتا اور تمام دکھ اس فانی زندگی کے اٹھاتا ہے اور آخر چند ساعت جان کندنی کا عذاب اٹھا کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جاتا ہے۔

(معیار مذہب۔ ص $\frac{۴۸۹}{۳۱}$)

یہ بات غیر معقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے کہ جب لوگ نماز کے لیے مساجد کی طرف دوڑیں گے وہ کلیسا کی طرف بھاگے

گا اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوگا اور شراب پیئے گا اور سؤر کا گوشت کھائے گا اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں رکھے گا۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۹ ص ۳۱/۲۱)

ایسا ہی عیسیٰ بن مریم مریم کے خون سے اور مریم کی منی سے پیدا ہوا اور پھر خدا نے کہا ہو جا سو ہو گیا۔ پس اتنی سی بات میں کونسی خدائی اور کونسی خصوصیت اس میں پیدا ہو گئی موسم برسات میں ہزارہا کیڑے مکوڑے بغیر ماں اور باپ کے زمین سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں کوئی ان کو خدا نہیں ٹھیرآتا۔

(نصرۃ الحق سنہ ص۵ ص۵۱)

مگر خدا نے ان کو (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) پیدائش میں بھی اکیلا نہیں رکھا بلکہ کئی حقیقی بھائی اور کئی حقیقی بہنیں ان کی ایک ہی ماں سے تھیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیلے تھے نہ کوئی دوسرا بھائی تھا نہ بہن۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۰ ص۲۶۲)

مَیں کہتا ہوں (حضرت عیسیٰ کو) اُترنا تو کیا آسمان پر جانا ہی نصیب نہیں ہوا یہی رائے یورپ کے محقق علماء کی بھی ہے بلکہ وہ صلیب پر سے نیم مُردہ ہو کر بچ گئے اور پھر پوشیدہ طور پر بھاگ کر ہندوستان کی راہ سے کشمیر میں پہنچے اور وہیں فوت ہوئے۔ (چشمۂ مسیحی۔ ص۱۰ ص ۳۴۴/۱۲)

وہ صرف ایک عاجز انسان تھا اور تمام انسانی ضعفوں سے پورا حصہ رکھتا تھا اور وہ اپنے چار حقیقی بھائی اور رکھتا تھا جو بعض اس کے مخالف تھے اور اس کی حقیقی ہمشیرہ دو تھیں۔ کمزور سا آدمی تھا جس کو صلیب پر محض دو میخوں کے ٹھونکنے سے غش آ گیا۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۲۵/۲۵ ص۴۳)

تمام انبیاء علیہم السلام کی توہین

جیسا کہ وحی تمام انبیاء علیہم السلام کی حضرت آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک از قبیل اضغاث احلام و حدیث النفس نہیں ہے۔ ایسا ہی یہ وحی بھی ان

شبہات سے پاک و منزہ ہے اور اگر کہو کہ اس وحی کے ساتھ جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو ہوئی تھی معجزات اور پیشگوئیاں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ اکثر گذشتہ نبیوں کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیشگوئیاں موجود ہیں بلکہ بعض گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور پیشگوئیوں کو ان معجزات اور پیشگوئیوں سے کچھ نسبت ہی نہیں اور نیز ان کی پیشگوئیاں اور معجزات اس وقت محض بطور قصوں اور کہانیوں کے ہیں مگر یہ معجزات اور پیشگوئیاں ہزار ہا لوگوں کے لیے واقعات چشم دید ہیں اور اس مرتبہ اور شان کے ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں یعنی دنیا میں ہزار ہا انسان ان کے گواہ ہیں مگر گذشتہ نبیوں کے معجزات اور پیشگوئیوں کا ایک بھی زندہ گواہ پیدا نہیں ہو سکتا باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے معجزات اور پیشگوئیوں کا میں زندہ گواہ موجود ہوں اور قرآن شریف زندہ گواہ موجود ہے اور میں وہ ہوں جس کے بعض معجزات اور پیشگوئیوں کے کروڑ ہا انسان گواہ ہیں۔

(نزول المسیح ص ۸۲ ص ۴۶۱/۸۴ و ص ۴۶۱/۸۵ ص ۸۳)

درحقیقت اکثر گذشتہ نبیوں کے معجزات کی نسبت یہ معجزات اور پیشگوئیاں ہر ایک پہلو سے بہت قوی اور بہت زیادہ ہیں۔ اگر کوئی اندھا انکار کرے تو ہم موجود ہیں اور ہمارے گواہ موجود ہیں ولیس الخبر کالمعائنۃ پھر جس حالت میں صدہا نبیوں کی نسبت ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سبقت لے گئی ہیں تو اب خود سوچ لو اس وحی الٰہی کو اضغاث احلام اور حدیث النفس کہنا درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے انکار کرنا ہے۔ (نزول المسیح ص ۸۴ ص ۴۶۲/۸۶)

یوسف علیہ السلام کی توہین

اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچایا گیا مگر یوسف بن یعقوب کو قید میں ڈالا گیا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۹۹)

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ زندہ چراغ نہیں ہیں بلکہ مردہ

چراغ ہیں جن کے ذریعہ سے دوسرا چراغ روشن نہیں ہوسکتا۔ نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو ظلی طور پر نبوت کے کمالات سے متمتع کردے اور روحانی امور میں اس کی پوری پرورش کرکے دکھلادے اسی پرورش کی غرض سے نبی آتے ہیں اور ماں کی طرح حق کے طالبوں کو گود میں لے کر خداشناسی کا دودھ پلاتے ہیں پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ دودھ نہیں تھا تو نعوذ باللہ آپ کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی۔

(چشمۂ مسیحی ص۴۲، ص ۳۸۸/۵۶)

کیا ہم ختم نبوت کے یہ معنی کرسکتے ہیں کہ وہ تمام برکات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ملنی چاہئیں تھیں وہ سب بند ہوگئے اور اب خدا تعالیٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ کی خواہش کرنا لاحاصل ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ کیا یہ لوگ بتلاسکتے ہیں کہ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا کیا فائدہ ہوگا۔

(چشمۂ مسیحی ص ۳۸۳/۵۱ ص ۶۸)

ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کے دعوے کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں، اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات و مخاطبات سے ان کی آنکھیں نہ کھولے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم ص۱۵۳ ص۱۴۴)

ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رد شدہ انسان کی طرح مکہ کی گلیوں میں پھرتے رہے۔

(نجم الہدیٰ ص۲۸)

ایسا ہی لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کیا جائے گا لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھودیں گے۔ اور یہ کس قدر لغو حرکت ہے کہ رسول مقبول کی قبر کھودی جائے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جاویں۔

(ازالہ اوہام حصہ دوم ص۴۷۰ ص۱۷۰)

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمسری کا دعویٰ

اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ذو نسب ہوں اور اس کی پاک مٹی کا مجھ

میں مضمر ہے۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص ۱۸۳/۷۹)

پس میں احمد ہوں اور میں محمد ہوں جیسا کہ روایات میں آیا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ناموں کی حقیقت عطا فرمائی گئی ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۶۵/۲۷ ص ۱۶۱)

اور اس کے معجزات میں سے معجزانہ کلام بھی تھا۔ اسی طرح مجھے وہ کلام دیا گیا جو سب پر غالب ہے۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص ۱۸۳/۷۹)

خدا نے اپنے نبی کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ دیا سو اس جگہ بھی فصاحت و بلاغت کو اعجاز کے طور پر دکھلا دیا۔ غرض فصاحت و بلاغت کا ایک الٰہی نشان ہے۔
(حجۃ اللہ۔ ص ۱۴ ص ۱۶۲/۲۴)

کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں۔ کہ میرے دعوے کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین۔ ص ۴۴)

اور جس نے صادق (یعنی مرزا صاحب) کے پاس آکر اس کی تصدیق کی اس نے نئے سرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ (نجم الہدیٰ ص ۹۳)

اور یہ شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہے بلکہ اس کی شفاعت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شفاعت ہے۔
(دافع البلاء ص ۱۴/۲۳۳ ر ص ۱۴)

ایسے زمانہ اور ایسی نومیدی کے وقت میں میری تائید و نصرت کے لیے پیشگوئیاں فرمائیں کہ وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانہ سے مشابہ تھا جب کہ آپ مکہ معظمہ کی گلیوں میں اکیلے پھرتے تھے اور کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا۔
(نصرۃ الحق ص ۵۵ تمت)

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ

له خسف القمر المنير وان لي
غسا القمران المشرقان أتنكر

اس کے لیے چاند کا خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج

دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص۲۹ ص۱۸۳)

ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزات ہوئے۔
(چشمہ مسیحی ص۱۸ ص۳۵۰)

جو آنجناب کے ہاتھ سے یا آپ کے قول سے یا آپ کے فعل سے یا آپ کی دعا سے ظہور میں آئے ایسے معجزات شمار کی رو سے قریب تین ہزار کے ہیں۔
(کتاب البریہ۔ ص ۱۵۴/۱۳۶)

(نوٹ) مرزا صاحب نے اپنے معجزوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ لکھی ہے گویا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۳۳ گنا زیادہ افضل ہیں۔ (ن ا)

رفتارِ کار

امیر تنظیم کا دوسرا دورۂ بلتستان

۱۵ / تا ۲۱ / اگست ۸۳ء

از قلم :- قمر سعید قریشی، قیم تنظیم اسلامی پاکستان

پندرہ اگست کو ہم گلگت اور بلتستان کے دورے کے لئے راولپنڈی روانہ ہونے والے ہی تھے کہ رفیق مکرم ڈاکٹر شجاعت علی برنی کے کراچی پہنچنے کی اطلاع موصول ہوئی جو جدّہ سے جانب مغرب پرواز کرتے ہوئے پورے کرۂ ارض کا چکر لگا کر واصلِ کراچی ہوئے تھے۔ دوپہر کو ان سے فون پر رابطہ ہوا تو معلوم ہوا کہ شاید ۱۴ تاریخ وہ واپس بھی چلے جائیں لہٰذا امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ان کی ملاقات کی واحد صورت یہ تھی کہ وہ بھی پنڈی ہی تشریف لے آئیں۔ چنانچہ وہ کراچی سے Direct Flight پر اسلام آباد پہنچ گئے۔ اور جب راقم اور عزیزم ڈاکٹر عارف رشید صاحب امیر محترم کے ہمراہ شام سات بجے اسلام آباد پہنچے تو برنی صاحب ائیرپورٹ پر برادرم حق نواز کے ساتھ موجود تھے۔ ہمارا یہ مختصر قافلہ پندرہ بیس منٹ میں ائیرپورٹ سے اپنی قیام گاہ سواں کیمپ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی پتہ چلا کہ اسکردو سے برادرم حق نواز کا فون آیا تھا مگر پیغام چونکہ واضح نہ تھا لہٰذا طے پایا کہ حسب پروگرام پہلے گلگت پہنچنا چاہیئے۔ رات کو تقریباً دس بجے عزیزم عارف کی نظر ایک Slip پر پڑی جو ٹیلیفون کے قریب رکھی تھی۔ اور اس پر کسی نے بڑا واضح پیغام تحریر کیا تھا کہ حق نواز صاحب نے اسکردو سے فون کیا ہے کہ امیر محترم بجائے گلگت کے براہِ راست اسکردو ہی پہنچیں۔ چنانچہ فوراً برادرم عبدالرزاق صاحب کے توسط سے اسلام آباد میں PIA کے ایک سینئر آفیسر جناب جاوید حکیم سے رابطہ قائم کیا گیا۔ تو انہوں نے بجائے سولہ کے سترہ اگست صبح کے لئے اسکردو کی Seat کنفرم کرا دینے کا وعدہ فرمایا۔ یہ سارا مسئلہ طے ہونے میں تقریباً رات کے ½ ۱۱ بج گئے۔ اور اس طرح ہمارے سفر کا پہلا دن اختتام پذیر ہوا۔

۱۶ / اگست ۸۳ء : سفر کے پروگرام کی تبدیلی کے باعث چونکہ سولہ اگست کا دن ہمارے پاس فارغ تھا لہٰذا صبح ناشتہ کے دوران یہ طے ہوا کہ برادرم برنی صاحب کو ایوبیہ کا چکر لگوا دیا جائے۔ تقریباً نو بجے سواں کیمپ سے روانہ ہو کر ہم پہلے PIA کے صدر دفتر واقع مال روڈ پہنچے۔ وہاں جناب جاوید حکیم بڑے ہی تپاک سے پیش آئے اور ہمارے ٹکٹوں میں مناسب تبدیلی کرا کے انہیں اگلے دن کے لئے برائے اسکردو Confirm کرا دیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد ہم تقریباً ساڑھے دس بجے مری اور ایوبیہ کے لئے روانہ ہو گئے جہاں سے شام کو پانچ بجے واپسی ہوئی۔

۱۷ / اگست ۸۳ء : نمازِ فجر اول وقت ادا کر کے ½ ۴ بجے ائیرپورٹ کے لئے روانگی ہوئی۔ جہاز تقریباً

منٹ تاخیر سے 50-5 پر روانہ ہوا۔ اونچی برفانی چوٹیوں سے بچتا ہوا اور بادلوں کو قطع کرتا ہوا قریباً
گھنٹے میں ہمارا جہاز اسکردو ائیرپورٹ پر اتر گیا۔ برادرم حق نواز مع ائیرپورٹ منیجر حاتم صاحب اور کچھ
برہ چیدہ معززین شہر Runway پر ہی موجود تھے۔ یہاں سے معانقہ و مصافحہ وغیرہ کا مرحلہ طے
کرکے لاؤنج میں پہنچے تو وہاں ایک ہجوم کی سی کیفیت تھی۔ امیر محترم کے لاؤنج میں قدم دھرتے ہی پوری
ائیرپورٹ نعروں سے گونج اٹھی۔ ہمارے مقامی رفقاء کے علاوہ قریباً ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے
معززین موجود تھے اور ان لوگوں کا جوش و خروش واقعی دیدنی تھا۔ حاضرین میں سے ائیرپورٹ منیجر مسٹر حاتم،
حاجی قربان صاحب نائب صدر انجمن اہلسنت، جناب عبدالکریم بلغاری صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ زراعت،
مولانا محمد علی جوہر خطیب المرکز الاسلامی، مولانا عبدالرؤف استاذ و خازن المرکز الاسلامی، نوربخشی فرقہ کے
رہنما صوفی غلام محمد صاحب، ابراہیم خلیل ٹھیکیدار اور نوجوانوں میں سے پرنس عبدالکریم صدر تنظیم نوجوانان
اہلسنت اور حسن شاہد صاحب کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں جامع اسلامیہ وزیرپور کے رئیس الجامعہ
جناب فیض اللہ صدیقی ایک دن پہلے صرف ڈاکٹر صاحب کے استقبال اور ان سے کچھ وقت کی درخواست
کے لئے وزیرپور سے تشریف لائے تھے۔ ائیرپورٹ سے روانگی ہوئی تو ایک جلوس کی سی صورت بن گئی۔
سب سے آگے چند نوجوان موٹر سائیکلز پر گویا PpiLET کر رہے تھے۔ اس کے بعد امیر محترم کی گاڑی
تھی اور اس کے پیچھے باقی گاڑیاں اور مختلف قسم کی پک اپ وغیرہ تھیں۔ ائیرپورٹ سے اسکردو شہر کا فاصلہ
قریباً ۱۲ کلومیٹر ہے۔ جو طے کرتے ہوئے تقریباً آدھ گھنٹہ صرف ہو گیا۔ راستہ میں ڈی ایس پی وسٹی، مسٹر
شوکت رشید سے ملاقات ہوئی جو ہمارے استقبال کے لئے ائیرپورٹ جا رہے تھے۔ کوئی پونے آٹھ بجے
یہ قافلہ ہمارے عارضی پڑاؤ، ٹھیکیدار عبدالکریم کے ڈیرہ پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی کافی لوگ ہمارے منتظر تھے جن
میں اسکردو کی قابلِ احترام ہستی امام اہلِ سنت مولانا محمد کبیر خطیب جامع مسجد اسکردو و ناظم اعلیٰ مدرسہ صدیقیہ
بھی شامل تھے۔ ناشتہ کے ساتھ ساتھ حاضرین سے تعارف بھی جاری رہا۔ امیر محترم کا گلا چونکہ کافی دنوں سے
مستقل خراب چلا رہا تھا اور پچھلی رات نیند بھی پوری نہ کر سکے تھے۔ لہٰذا وہ کچھ آرام کے لئے لیٹ گئے۔ اسی
دوران مقامی Base Commander اور DMLA جناب بریگیڈیئر حامد جمیل صاحب بھی تشریف لے آئے۔
قریباً دس بجے دوبارہ نشست شروع ہوئی۔ برادرم عزیزم حق نواز کا مختلف حلقوں کے سفیر دل نے گھیراؤ
کیا ہوا تھا کہ ان سے امیر محترم سے کچھ وقت لینے کا طے کر سکیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی صحت کے پیشِ نظر یہ
بات طے کر لی گئی کہ اسکردو سے باہر صرف جامع سلامیہ وزیرپور میں پروگرام رکھا جائے گا۔ حتیٰ کہ
خپلو کا پروگرام بھی مشروط ہی تھا کہ اگر ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کچھ بہتر ہو گئی تو خپلو جائیں گے۔ ورنہ نہیں
اس نشست میں بھی مقامی اصحاب سے کافی مفید گفتگو ہوئی اور قریباً ایک بجے کھانا کھا کر نماز ظہر ادا کرنے
کے بعد یہ اختتام پذیر ہوئی۔ اور ہم لوگ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ کمانڈر حامد جمیل صاحب نے چونکہ
ڈاکٹر صاحب سے ہمارے پورے عرصۂ قیام کی میزبانی کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ لہٰذا ہمارے آرام کرنے
کے دوران ہی ہمارا سامان انہوں نے اپنے ہاں منگوا لیا۔

قریباً ساڑھے چار بجے بعد دوپہر جامع مسجد اہلِ سنت چشمہ بازار اسکردو کے لئے روانگی ہوئی۔ مسجد سے متصل سڑک اور گلی کو بڑی خوبی سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا اور جب ہم آرائشی دروازوں اور محرابوں سے گزر کر مسجد کے قریب پہنچے تو کچھ بچے باوجود امیرِ محترم کے منع فرمانے کے پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنے لگے۔ (واضح رہے کہ پھول اسکردو جیسی لق و دق جگہ میں خاصی نایاب شے ہے) یہاں خپلو سے مولانا عبدالرشید صاحب صدر مجلسِ اہلِ سنت اور شگر (؟) سے مولانا محمد سعدی بھی تشریف لا چکے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد قریباً ۵ ½ بجے خطاب شروع ہوا۔ آغاز میں تو قریباً سو حاضرین تھے۔ مگر جلد ہی مسجد بھرنے لگی اور نمازِ مغرب سے قبل دو سو سے زائد افراد موجود تھے (بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں اہلِ تشیع کے بعض علماء بھی تھے) امیرِ محترم نے سورۃ آلِ عمران کی آیات نمبر ۱۰۲ اور ۱۰۴ یعنی "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ .... الخ" اور "وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ .... الخ" اور سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ یعنی "شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ .... الخ" کے حوالے سے کلام کا آغاز فرمایا اور فرائضِ دینی کے تصور کے درست ہونے کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ وہ چھ نکات کے حوالے سے اپنا بیان مکمل کریں گے۔ پہلے تین نکات یعنی (i) دین پر خود کاربند اور عمل پیرا ہونا (ii) دین کو پھیلانا (iii) دین کو فی الواقع قائم کرنا تو وہ آج کی گفتگو میں مکمل کریں گے اور باقی تین نکات سٹیلائٹ ٹاؤن کی مسجد میں نمازِ فجر کے بعد دو تین دن میں بیان کریں گے۔

حاضرین نے پورے ۲½ گھنٹے کے بیان کو بہت ہی توجہ اور ذوق و شوق سے سنا۔ بعد نمازِ مغرب یہ نشست ختم ہوئی اور ہم کمانڈر صاحب کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر آ گئے۔ یہاں مہمان خانہ میں ہمارا سامان نہایت ہی سلیقہ سے رکھا ہوا تھا اور سہولت کی ہر چیز فراہم کر دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ محترم حامد جمیل صاحب اور ان کے گھر والوں کو جزائے خیر عطا فرما دیں۔ ہمارا انہوں نے بہت ہی خیال فرمایا۔ حتیٰ کہ فجر سے پہلے بھی ان کا ملازم ہم کو باقاعدہ کافی مہیا کرتا رہا۔ حالانکہ رات کو بھی سب لوگ خاصے لیٹ سوتے تھے۔

۱۸ اگست ۱۹۸۳ء : حسبِ پروگرام نمازِ فجر سٹیلائٹ ٹاؤن کی ڈویژن مسجد میں ادا کی اور بعد نمازِ فجر درس کا آغاز ہوا۔ امیرِ محترم نے سورۃ الحجرات کی آیات ۱۴، ۱۵ سے استشہاد فرماتے ہوئے جہاد کو ایمانِ حقیقی کا جزوِ لازم اور رکنِ رکین ثابت کیا اور لفظ جہاد پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ جہاد ایک مسلسل عمل ہے جس میں ایک بندۂ مومن بیک وقت کئی محاذوں پر مصروفِ عمل ہوتا ہے۔ مثلاً فرائضِ دینی کی پہلی سطح پر یعنی دین پر خود کاربند اور عمل پیرا ہونے کے لئے ایک مسلمان کو بیک وقت تین محاذوں پر کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ یعنی ایک خود اپنے نفس سے دوسرے شیطان لعین اور تیسرے بگڑے ہوئے معاشرے کے غلط رجحانات سے۔ پھر فرائضِ دینی کی دوسری سطح پر یعنی دین کو عام کرنے اور پھیلانے کی جد و جہد میں جان و مال کا کھپانا لازم ہوتا ہے اور اس مرحلے پر گویا ایک نظریاتی تصادم ظہور میں آتا ہے۔ پھر دینی فرائض کی تیسری اور بلند ترین سطح یعنی غلبہ و اقامتِ دین کی سعی و جہد تو 'حزب اللہ' اور 'حزب الشیطان' کے فیصلہ کن تصادم کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کی بلند ترین منزل 'قتال فی سبیل اللہ' یعنی اللہ کی راہ میں نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکل آنا ہے۔

اسی درس میں صرف تبلیغ کے عمل اور اقامت دین کی سعی میں تقابل فرماتے ہوئے ایک بڑی پیاری مثال امیر محترم نے دی۔ آپ نے تبلیغ کے عمل کو ایک کدو کی بیل سے تشبیہ دی جو زمین ہی پر پھیلتی چلی جاتی ہے جب کہ اقامت دین کی جد وجہد کی مثال ایک ثمر دار درخت آم کے درخت کی ہے جو جڑ پکڑ کر قد آور ہوتا ہے اور برگ و بار لاتا ہے۔ لوگوں کے دفاتر کے اوقات کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ درس قریباً ۴۰ منٹ میں مکمل کر لیا گیا۔

ناشتہ سے فراغت ہوتے ہی نوائے وقت کے مقامی نمائندہ جناب سالک صاحب تشریف لے آئے۔ کیونکہ انہوں نے گذشتہ روز ہی ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو کے لئے کچھ وقت لے لیا تھا۔ ان کے ساتھ لگ بھگ ایک گھنٹے تک گفتگو جاری رہی!

دس بجے کے قریب مقامی رفقاء نے ہمارے لئے جھیل اسکارا جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ قریباً ½ ۱۰ بجے وہاں کے لئے روانگی ہوئی۔ وہاں پر مقامی معززین نے پُر تکلف چائے کا بھی اہتمام کیا ہوا تھا۔ راستہ میں ہی اسکردو کو بجلی سپلائی کرنے والا ایک Mini Hydro Electric Thermal Station بھی تھا۔ جہاں ہم چند منٹ رکے۔ جھیل کا منظر بھی نہایت دلفریب تھا۔ قریباً پونے بارہ بجے یہاں سے واپسی ہوئی۔ امیر محترم نے واپسی پر سٹیلائٹ ٹاؤن کی مسجد سے متصل مدرسہ الہدیٰ کا معائنہ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے گزشتہ دورہ بلتستان کے دوران اس مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ فی الحال اس میں دس کمروں پر کام جاری تھا۔ کل دو منزلوں میں ۴۴ کمرے بنانے کا پروگرام ہے۔ ۲۲ نیچے اور ۲۲ اوپر

چھاؤنی کی مسجد میں بعد نماز عصر امیر محترم کا خطاب تھا۔ چنانچہ قریباً ½ ۴ بجے کمانڈر حامد جمیل صاحب کے ہمراہ روانگی ہوئی۔ انہوں نے راستے میں بتایا کہ درس کے لئے روانگی سے صرف پون گھنٹہ قبل انہیں کراچی سے فون پر اطلاع ملی تھی کہ ان کے برادر بزرگ رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" ان کا یہ ایثار اور ضبط واقعی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے کسی طرح درس کے پروگرام کو Disturb کرنا حتٰی کہ اپنی عدم شمولیت بھی گوارا نہ کی۔ ادھر ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی تنظیمی اجتماعات پر فوقیت دے کر اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ ہم اعتدال کی راہ پر ہیں۔ اور ہر چیز کا حق ادا کر رہے ہیں۔ چھاؤنی کی مسجد سکردو شہر سے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔ ہم قریباً نماز کے وقت پر ہی پہنچے۔ نماز کے بعد قریباً ½ ۵ بجے امیر محترم نے خطاب شروع فرمایا۔ یہاں یہ ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کو پچھلے دورۂ بلتستان کے دوران بھی اس مسجد میں خطاب کا موقع ملا تھا۔ اس وقت یہ بالکل ابتدائی تعمیری مراحل میں تھی اور اب وہاں ایک عظیم الشان اور وسیع و عریض مسجد ہے۔ ہال پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ اور حاضری قریباً ۲۵۰ تک تھی۔ امیر محترم نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ ... الخ" کی تلاوت فرمانے کے بعد تقریر شروع فرمائی اور پھر اپنے جچے تلے اور مدلّل انداز میں انسان کے چھ داعیاتِ عمل کا ذکر فرمایا جن میں پہلے تین کا زوردار تقاضا تو ہر انسان کے باطن سے ابھرتا ہے۔ یعنی ۱۔ بقائے ذات کے لئے معاشی جد وجہد ۲۔ بقائے نسل کے لئے شادی بیاہ اور گھر گرہستی کا نظام اور ۳۔ استراحت اور سر چھپانے کے لئے کسی نہ کسی جھونپڑے یا مکان کی تعمیر البتہ بقایا تین ذمہ داریوں کا

ں شعور ماسوا ایک محدود اقلیت کے باقی تمام انسانوں میں تعلیم و تلقین اور تذکیر و نصیحت کے ذریعے اجاگر کرنا ہے۔ یہ تین ذمہ داریاں وہ ہیں جو ۱۔ وطن ۲۔ قوم اور ۳۔ دین و مذہب کی جانب سے عائد ہوتی ہیں۔۔۔ صاحب نے یہ بات واضح فرمائی کہ اہل پاکستان کے لئے یہ تینوں ذمہ داریاں کس طرح سمٹ کر ایک اکائی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا ملک پاکستان بھی اسلام ہی کے نام پر قائم ہوا ہے۔ ہماری قومیت کی بنیاد بھی اسلام ، اور ہمارا دین تو اسلام ہے ہی لیکن چونکہ ہم نے چھتیس سال اس حال میں گزار دیئے کہ اسلام کا نام تو بہت یکن اس کی جانب کوئی حقیقی پیش قدمی نہ کی لہٰذا ہماری سب سے بڑی خوش بختی ہی ہماری بدبختی بن کے ہی کہ ملک و ملت کو استحکام نصیب نہ رہ سکا اور پہلے پاکستان دولخت ہوا اور اب بچے کھچے پاکستان میں بھی میتوں کا راگ الاپا جا رہا ہے اور مزید شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ قریباً سوا گھنٹے کے اس ماب کے دوران پورے مجمع پر سکوت طاری رہا۔ نماز مغرب کے بعد یہاں بھی مقامی حضرات نے کچھ چائے وغیرہ نتظام کیا ہوا تھا۔ لہٰذا واپسی نماز عشاء سے کچھ دیر پہلے ہی ہو سکی۔

نماز عشاء کے بعد کچھ مقامی خواتین نے امیر محترم سے بیعت کی جن میں صاحب خانہ کی اہلیہ یعنی بیگم حامد جمیل ی شامل تھیں

۱ر اگست ۱۹۸۳ء: بعد نماز فجر حسب سابق بقیہ سلسلہ درس شروع ہوا۔ اس درس میں امیر محترم نے سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ...... الآیۃ" سورۃ فتح کی آیت نمبر ۱۰ بنی "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ ...... الآیہ" اور حدیث نبوی "انی آمرکم بخمس..... الحدیث" کے حوالے سے بات شروع کی اور نظم جماعت کی اہمیت اور طریقہ واضح فرمادیا۔ آج حاضری کل کی نسبت زیادہ تھی۔ یہ بیان کوئی ۵۰ منٹ میں ختم ہوا۔ دوران تقریر کمانڈر حامد جمیل پر ایک خاص تاثر کی کیفیت نمایاں تھی۔ درس کے فوراً ہی بعد عزیزم ڈاکٹر عارف رشید واپس عازم لاہور ہو گئے۔ اصل میں وہ تو پنڈی سے ہی واپس بھاگ رہے تھے (کیونکہ انہیں پتہ چلا تھا کہ قرآن اکیڈمی کلینک کا جو عارضی انتظام وہ کر کے آئے ہیں وہ کچھ ٹھیک طرح نہیں چل رہا) لیکن کل سے ان پر اس معاملے میں باقاعدہ بڑے بوڑھوں جیسی سنجیدگی طاری تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے بھی اجازت دے دی۔ ویسے اس بات پر میں نے اللہ تعالٰی کا شکر بھی ادا کیا کہ ہمارے نوجوانوں میں بحمداللہ احساس ذمہ داری اس قدر پیدا ہو گیا ہے کہ ایک نئی جگہ کی سیر کا شوق بھی انہیں متزلزل نہیں کر سکا۔ اللہ تعالٰی ان کے جذبہ کو قائم رکھیں اور اپنے دین متین کی خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائیں۔

۹-۳۰ : مقامی رفقاء تنظیم کا اجتماع ہوا جس میں عزیزم امان اللہ صاحب (جنہوں نے پہلے سے حلف نامہ پڑھ کر باقاعدہ شمولیت کر لی ہوئی تھی) نے بیعت کی۔ اس کے علاوہ دو نئے حضرات محمد اقبال اور نادر خان صاحب نے بھی بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ ان میں سے مؤخر الذکر بہت باہمت اور مل گردہ کے ملک انسان ہیں۔ اللہ تعالٰی ان کی توانائیوں کو خدمت دین کے لئے قبول فرمالے۔

۱۰-۳۰ : ایک سرحدی یونٹ کے کمانڈر کرنل مجاہد صاحب تشریف لائے اور امیر محترم سے ان کی کافی مفید گفتگو

ہوئی۔ ان کو میں نے امیر محترم کے کچھ کتابچے بھی پیش کئے۔

۱۴۰۰ : نماز جمعہ امیر محترم نے جامع مسجد اہل سنت چشمہ بازار میں پڑھائی۔ یہاں پر سیرت مطہرہ کی روشنی میں جماعت صحابہؓ کی شان بیان ہوئی۔ علاوہ ازیں عظمتِ قرآن پر بھی ڈاکٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ آغاز ہی میں مسجد قریباً بھری ہوئی تھی۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف سے مسجد کے اطراف و اکناف چھلکنے لگے اور بنگلوں اور مکانوں میں ایک جم غفیر نے یہ خطاب سنا۔ جس میں الحمد للہ ہر طبقہ و مسلک سے تعلق رکھنے والے خواص و عوام جمع تھے۔

نماز جمعہ کے فوراً بعد رفقاء تنظیم نے ٹھیکیدار عبد الکریم صاحب کے ڈیرے پر دعوتِ طعام کا اہتمام کیا تھا۔ دوران طعام بھی خاصی مفید گفتگو ہوئی۔ یہاں سے قریباً ۴ بجے سہ پہر ہم کمانڈر حامد جمیل کے ہاں اپنی عارضی قیام گاہ پر پہنچے اور بالکل کچھ آرام کئے بغیر چائے کا ایک ایک کپ پیا۔ اور اگلے پروگرام کے لئے کمر کس لی۔

۱۶۴۰ : نماز عصر کے لئے جاتے ہوئے راستے میں امیر محترم نے المرکز الاسلامی کی لائبریری کا معائنہ فرمایا اور کچھ مفید مشورے دیئے۔

۱۶۴۵ : نماز عصر المرکز الاسلامی میں ادا کرنے کے بعد یہاں کے پروگرام کا آغاز ہوا۔ یہ مرکز سلفی المسلک حضرات نے ابھی ابھی قائم کیا ہے۔ ایک بہت بڑی مسجد کے علاوہ ایک وسیع و عریض Complex برائے مدرسہ زیر تعمیر ہے۔ اس اجتماع کے منتظمین میں بلتستان کے مسلک اہل حدیث کے مرکزی دار العلوم واقع غواڑی کے ناظم اعلیٰ مولانا عبد الرحمٰن خلیق اور رکن مجلس عاملہ مولانا عبد الرشید اور مقامی حضرات میں سے عبد الکریم بلغاری صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ زراعت کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں نوجوان عالم دین اور خطیب مولانا محمد علی جوہر نے بھی اس اجتماع کے اہتمام میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ قریباً ۵ بجے امیر محترم نے اپنی تقریر کا آغاز فرمایا۔ قریباً ۲۰۰ افراد موجود تھے۔ خواتین اس کے علاوہ تھیں۔ سورۃ الاحزاب کی آیات نمبر ۲۱ و ۲۲ یعنی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ ...... الآیہ" اور " وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ...... الآیہ" کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے ایمان حقیقی اور اسوۂ رسولؐ پر گفتگو فرمائی اور اپنے مخصوص انداز میں حقیقی ایمان اور قانونی ایمان کا فرق واضح کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاری کے اقوال میں جو کامل تطبیق فرمائی وہ حاضرین کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی۔ امیر محترم کا انداز آج بڑا پر جلال تھا۔ انہوں نے حضورؐ کی سب سے مؤکد اور متواتر سنّت یعنی ـــ دعوت کو ترک کر کے فروعات میں الجھے ہوئے علماء و واعظین کو حضرت مسیحؑ کی بیان کردہ اس تمثیل کے مصداق قرار دیا کہ "تم مچھر چھانتے ہو لیکن سموچے اونٹ نگل جاتے ہو"۔ بجلی بار بار بند ہونے کے باعث پنکھوں اور لاؤڈ سپیکر کا انتظام مستقلاً خراب رہا۔ مگر لوگوں کی محویت کا یہ عالم تھا کہ باوجود شدید حبس و گرمی کے کسی نے پہلو تک نہیں بدلا۔ قریباً پونے دو گھنٹے پر محیط یہ خطاب نماز مغرب کی اذان کے متصل ختم ہوا۔ نماز کے بعد سوال و جواب کی نشست تھی۔ حاضرین کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نماز مغرب کے بعد محفل سوال و جواب میں قریباً سب لوگ موجود تھے۔ شاید ہی کوئی اِکّا دُکّا فرد اپنے کسی کام سے گیا ہو۔ حاضرین میں سے مختلف

طبقاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات نے تقریب سے متعلق اور غیر متعلق اور بعض ذاتی سوالات امیر محترم سے کئے جن کا جواب انھوں نے نہایت ہی اطمینان اور شرح و بسط سے دیا۔ اس نشست نے بھی اتنا طول پکڑا کہ عشاء کی اذان ہوگئی۔ بعد نماز عشاء مرکز والوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں معززینِ شہر کو ایک پُرتکلف دعوت دی گئی۔ گو میرا اس دعوت کے دوران یہ حال تھا کہ اکثر و بیشتر نظر گھڑی پر تھی جس نے رفتہ رفتہ گیارہ بجا دیئے تھے اور میں زبانِ حال سے "النوم خیرٌ من الطعام" کی دہائی دے رہا تھا۔ اس دوران جب کبھی امیر محترم پر نظر پڑی تو وہ بظاہر ہشاش بشاش کسی سے اپنے دلنواز پیرایہ میں محو گفتگو ہوتے۔ مجھے اس رات اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ امیر محترم کو اپنے مشن سے کس قدر لگاؤ ہے اور یہ بھی محسوس ہوا کہ ان کو اپنی اس جد و جہد کا اجر صرف اللہ سے مطلوب ہے۔ ورنہ میرے نزدیک کوئی دنیوی یا نفسانی داعیہ اتنا شدید و مستقل ہرگز نہیں ہو سکتا کہ صبح سے رات گئے تک متواتر، بغیر ایک لمحہ کر سیدھی کئے سلسلہ درس و تدریس جاری رہ سکے جس میں سات گھنٹے کی خطابت بھی شامل ہو۔ اس دن میں نے مولا کریم سے خاص دعا کی کہ اے رب العزت مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی ہمارے امیر کا سا جذبہ بخش دے کہ ہم ان کے ساتھی کہلانے کے اہل ہو سکیں خصوصاً ڈاکٹر صاحب کے بچوں اور ہمارے نوجوان ساتھیوں کو کہ جن سے ہماری مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں۔ اس رات قریباً ½ ١١ بجے واپسی ہوئی اور نیند تو یقیناً اگلے روز کی تاریخ میں ہی نصیب ہوئی۔

٢٠ اگست ١٩٨٣ء: صبح نماز فجر کے بعد میں نے امیر محترم سے درخواست کی کہ وہ کل کی تھکاوٹ کے پیش نظر تھوڑا آرام فرمائیں کیونکہ آج وادئ شگر کا پروگرام تھا اور جیپ کا سفر بھی خاصا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی امیر محترم لیٹے میں ذرا باہر سیر کے لئے نکل گیا۔ لیکن میں بمشکل شہر سے ایک ڈیڑھ میل ہی باہر نکلا ہوں گا کہ شگر کے احباب کی جیپ میری تلاش میں پہنچ گئی کہ ڈاکٹر صاحب روانگی کے لئے آپ کے منتظر ہیں۔ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مجھے کمرے کے باہر موجود رہنا چاہیئے تھا۔ ہوا یہ کہ جیسے ہی میں نکلا فوراً شگر کے دوست آدھمکے۔ لہٰذا اب ڈاکٹر صاحب کے آرام کا کیا سوال تھا۔ بہرحال قریباً سات بجے ہم لوگ دو جیپوں اور ایک بڑی 'لینڈ کروزر' میں عازم شگر ہو گئے۔ دریائے سندھ پر ایک معلق پل اور ایک پہاڑی چوٹی کو عبور کر کے ہم کوئی ½ ٨ بجے شگر پہنچے۔ راستہ میں تبت کے روایتی جانور یاک (YAK) کی بھی زیارت ہوگئی۔ یہ یہاں بہت ہی قیمتی متاع ہے اور صرف نسل کشی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں مقامی لوگوں نے N.A.W.O (Northeren Area Works Organization) کے ریسٹ ہاؤس میں بڑے پُرتکلف ناشتہ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ کوئی پون گھنٹہ قیام کے بعد ہم نو بجے اپنی اصل منزل وزیرپور کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں کی جامع اسلامیہ کے رئیس الجامع مولانا فیض اللہ صدیقی ١٧ تاریخ کو ایئرپورٹ سے ہمارے ساتھ ہو لئے تھے کہ امیر محترم سے کچھ وقت لے سکیں۔ وزیرپور کا گاؤں دنیا میں دوسرے نمبر پہ بلند ترین سلسلۂ ہائے کوہ K-2 (بلکہ ایک نئے خیال کے مطابق بلند ترین) کے دامن میں واقع ہے اور اس کی بلند ترین چوٹی K-2 یہاں سے ایک چھوٹے راستہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے اور اکثر کوہ پیما پارٹیاں یہیں سے روانہ ہوتی ہیں۔ خوبانی سے لدے ہوئے درختوں میں سے گزرتے ہوئے ہم

سوا دس بجے وزیرپور پہنچ گئے۔ یہاں بالکل جنگل میں منگل کا سماں بندھا ہوا تھا۔ ہمارے جیپ سے اترتے ہی استقبالیہ نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ رنگ برنگ کی چادریں۔ قناتیں اور سب پر مستزاد قالینوں سے آراستہ ایک بلند سٹیج یہاں پر عجیب بہار دے رہی تھی۔ بہر حال ان لوگوں کا جذبہ اور محنت قابل صد ستائش ہے حاضری بھی یہاں کی آبادی کے پیش نظر بہت زیادہ تھی۔ کوئی ۱۵۰ افراد اور ۱۰۰ سے زائد اسکول کے بچے جلسہ گاہ میں جمع تھے سٹیج سیکرٹری کے فرائض جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ ایک ہونہار نوجوان سید عبداللہ نے سرانجام دیئے اور جلسہ کا آغاز ایک نوعمر قاری محمد اقبال نے سورۃ الشمس کی تلاوت سے کیا۔ اپنے ماحول کے پس منظر میں یہ تلاوت اس قدر عمدہ تھی کہ بے اختیار مصری قراء کے لئے دل سے دعا نکلی جن کی وجہ سے برصغیر پاک وہند میں اس طرز قراءت کا چرچا ہوا۔ خطبہ استقبالیہ رئیس الجامع جناب فیض اللہ صدیقی نے پڑھا جس کے بعد امیر محترم نے سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ کے آخری حصے یعنی " فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه .... الآیه " کے حوالے سے حضور اکرمﷺ سے ہمارے تعلق پر روشنی ڈالی اور توحید فی العمل پر زور دیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وزیرپور سے واپس شگر روانگی ہوئی۔ قصبہ شگر سے گزرتے ہوئے ہم نے نوربخشی حضرات کی ایک نہایت قدیم خانقاہ جس کی شکل بالکل جاپانی Pagoda سے ملتی ہے، دیکھی۔ اس عمارت کا بیشتر حصہ لکڑی کا ہے۔ اور بہت ہی قدیم زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ قریباً ۵ بجے شام ہم واپس سکردو اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

بعد نماز مغرب جامع مسجد اسکردو بازار میں جلسہ سیرت النبیؐ تھا۔ حسب سابق حاضری بھرپور تھی اور ہر مکتبہ فکر کے لوگ جوق در جوق آئے تھے۔ امیر محترم نے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۵ " یا ایها النبی انا ارسلنٰک .... الآیه " اور سورہ صف کی آیت نمبر ۹ " هو الذی ارسل رسوله .... الآیه " کے حوالہ سے سیرت مطہرہ کے انقلابی پہلو پر سیر حاصل کلام فرمایا۔ دورہ بلتستان کا یہ طویل ترین خطاب ½۲ گھنٹے سے بھی کچھ منٹ اوپر ہی تھا اور ہر لحاظ سے دورہ کا حاصل تھا۔ حاضرین پر ایک عجب جذب کا عالم طاری تھا۔ بعد میں بریگیڈیر میجر حامد نواز صاحب کی جانب سے آفیسرز میس میں دعوت عشائیہ تھی جس سے فراغت نصف شب کے قریب ہوئی۔

۲۱ اگست ۱۹۸۳ء: مقامی پولیس کے ڈی ایس پی جناب شوکت رشید صاحب نے صبح ناشتہ کا اہتمام کیا ہوا تھا اور واقعی " اہتمام " کیا ہوا تھا۔ موصوف کے والد بھی اسکردو میں اعلیٰ Civil Servant ہیں۔ وہاں سے واپسی پر امیر محترم راجہ فتح علی خاں آف خپلو کی عیادت کے لئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال تشریف لے گئے۔ موصوف ڈاکٹر صاحب کے گذشتہ دورۂ بلتستان کے دوران قریباً ہمہ وقت ساتھ رہے اور ادھر کچھ عرصہ سے بیمار چل رہے تھے۔

۹۳۰ : ناظم دارالعلوم غواڑی مولانا عبدالرحمان خلیق اور مولانا عبدالرشید رکن مجلس عاملہ و صدر جمعیت اہلحدیث بلتستان امیر محترم سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ یہ حضرات آئندہ بھی ہم سے تعاون کرنے کی درخواست لے کر آئے تھے۔ ان سے بہت ہی کھلے دل سے اور بے تکلف ماحول میں گفتگو ہوئی

مولانا خلیق صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ کس طرح گذشتہ چند ماہ کے دوران ہمارے ایک پڑوسی ملک کے ناظم الامور نے اس علاقہ میں تابڑ توڑ دورے کئے ہیں اور اتحاد بین المسالک کے پردے میں دراصل ایک خاص فرقہ کی Mini State بنانے کے عزائم ہیں۔ امیر محترم نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ ان کے بتائے ہوئے طریق کار کو اپناتے ہوئے آپس کے اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کریں گے تو ہمارا تعاون بھی انشاء اللہ مستقل طور پر جاری رہے گا۔

۱۰-۴۵ : دو نوجوان کیپٹن ڈاکٹر زنعیم اور زاہد بخاری صاحبان فون پر وقت لے کر تشریف لائے۔ ان میں سے اول الذکر کا تعلق لاہور سے ہے اور تبلیغی جماعت سے متاثر ہیں جبکہ بخاری صاحب پشاور کے ایک دینی گھرانے کے چشم وچراغ ہیں۔ دونوں ماشاء اللہ خاصے ذہین نوجوان ہیں۔ ان دونوں سے بھی بہت ہی مفید گفتگو ہوئی۔

بعد نماز مغرب مسجد اہل سنت پرانا بازار سکردو میں وہاں کے بزرگ متوتی حاجی قربان علی صاحب کے بہت ہی پرجوش اور محبت آمیز اصرار کے نتیجہ میں امیر محترم نے ایک تقریر کا وعدہ فرمالیا تھا۔ یہاں جگہ تو بہت کم تھی لیکن آبادی گنجان ہونے کی وجہ سے بے شمار لوگ ملحقہ مکانوں میں بیٹھ گئے۔ اور یہ اجتماع بہت ہی اچھا ہوگیا۔ یہاں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں امیر محترم نے سورۃ العصر کی تشریح بیان فرمائی۔ عوام کے علاوہ یہاں کافی تعداد میں سول و ملٹری آفیسرز بھی موجود تھے اور لوگوں کے چہروں کے تاثرات سے عیاں تھا کہ جیسے بالکل کوئی نئی بات سامنے آئی ہو۔ صبح والے دو ڈاکٹر حضرات بھی بیچارے چھاؤنی سے پیدل یہاں پہنچے تھے (اتفاق سے ان کی گاڑی خراب ہوگئی تھی)

بعد نماز عشاء بلتستان میں اس دورے کا آخری پروگرام تھا۔ مولانا عبدالرشید صدر اہل سنت و کونسلر آف خپلو نے اپنے ہوٹل میں امیر محترم کے اعزاز میں اسکردو کے تمام مکاتیب فکر کے علماء اور چیدہ چیدہ سول و ملٹری آفیسرز کو ایک دعوت عشائیہ میں مدعو کیا تھا۔ اس دعوت کا ایک مقصد باہمی تعاون بھی تھا۔ یہاں اہل تشیع کے چوٹی کے علماء اور رہنما شیخ غلام محمد اور آغا غلام صادق سے ملاقات ہوئی۔ نوربخشی علماء میں سے شیخ احمد علی اور صوفی غلام محمد صاحب موجود تھے۔ اس کے علاوہ غلام حیدر حیدری کونسلر نادرن ایریا بھی تشریف فرما تھے۔ امیر محترم نے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ "شرع لکم من الدین .... الآیہ" کی تلاوت سے آغاز کلام فرمایا اور آدھ گھنٹہ کے مختصر خطاب میں نہایت ہی مبسوط پیرایہ میں دین و مذہب اور اختلاف و تفرقہ کا فرق واضح کیا۔ امیر محترم نے یہ بات حاضرین پر عیاں فرمائی ہمارے اختلافات فی الحقیقت فروعی ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ بجائے اختلافات کے متفق علیہ امور کو عام کیا جائے۔ میرے خیال میں یہ مختصر تقریر بلتستان کی تاریخ میں اتحاد بین المسالک کے سلسلہ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد شیعہ، نوربخشی اور حنفی علماء نے تائید و تصویب فرمائی۔

۲۱ اگست ۱۹۸۳ء : صبح چھ بجے برائے ایئر پورٹ روانگی ہوئی۔ کمانڈر حامد جمیل چونکہ ایک دن قبل کراچی

تشریف لے جا چکے تھے لہذا ہمیں ایئرپورٹ پر چھوڑنے سید طاہر علی شاہ صدر مقامی بار ایسوسی ایشن (سابق سول جج) گئے۔ اور یہ رپورٹ نامکمل رہے گی اگر موصوف کے متعلق میں یہ ذکر نہ کردوں کہ ہمارے قیام کردہ کے دوران بھی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اجتماعات میں لیجانے اور واپس لانے کی ڈیوٹی بڑی دلجمعی اور مستعدی سے سرانجام دی۔ ایئرپورٹ پر تمام مقامی حضرات ہمیں الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور جب تک ہمیں یہ نظر آتے رہے سب مسلسل ہاتھ ہلا کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے۔ تقریباً ۱۲ بجے اسلام آباد ایئرپورٹ پہنچ کر وہاں سے ٹیکسی سے لگژری کوچ کے اڈہ پر ۱/۲ ۱ بجے پہنچ گئے۔ جہاں سے ۲ بجے روانہ ہو کر پورے تین بجے ہم ریلوے سٹیشن لاہور کے نزدیک ایشیا ہوٹل کے سامنے کھڑے تھے۔ جہاں عارف میاں سراپا مسکراہٹ بنے ہمارے انتظار میں تھے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اس دورہ کے دوران امیر محترم کی سعی و جہد کو قبول فرمائے اور شرکاء درس کو عمل اور تعاون کی توفیق بھی عنائت کرے۔ آمین

رپورٹ دورۂ ملتان

پروگرام کے مطابق مؤرخہ ۱۲ ستمبر کو محترم ڈاکٹر صاحب رفیق محترم ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب کی معیت میں بذریعہ طیارہ اور راقم الحروف اسی روز بذریعہ ٹرین ملتان پہنچا جبکہ برادرم عزیزم رفیق صاحب (ملتانی) ایک رات پہلے ہی تشریف لے جا چکے تھے۔ گاڑی پانچ بجے شام جب اسٹیشن پر پہنچی تو رفیق محترم ماجد خاکوانی صاحب اور رفیق صاحب راقم کی رہنمائی کے لیے موجود تھے۔

امیرِ تنظیم اسلامی ملتان کرنل ڈاکٹر حافظ غلام حیدر ترین صاحب کی رہائش گاہ پر اجتماع ہونا تھا۔ لہٰذا ان کے گھر کی طرف جانے والی سڑکوں پر رہنمائی کے نشانات لگے ہوئے تھے۔ اجتماع کا انتظام خوبصورتی سے سجائے ہوئے وسیع لان میں کیا گیا تھا جبکہ خواتین کے بیٹھنے کے لئے مکان کے عقبی صحن میں اہتمام کیا گیا تھا۔

نمازِ مغرب کے بعد مقامی امیر جناب کرنل ترین صاحب نے بیس منٹ کے خطاب میں تنظیم اسلامی کا تعارف کروایا۔ اس سے قبل ہر آنے والے کو ایک طبع شدہ 'ہینڈبل' دیا گیا تھا جس میں تنظیم اسلامی کا تعارف اور قرآن مجید سے شغف کے بارے میں سوالنامہ مندرج تھا۔ اس اجتماع کی حاضری ابتداء ہی میں پانچ سو کے قریب تھی مگر جلد ہی یہ چھ سو سے تجاوز کر گئی۔ علاوہ ازیں اجتماع میں شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد بھی سو کے قریب تھی۔

امیر محترم نے اڑھائی گھنٹہ پر محیط اپنے خطاب میں اسلام اور پاکستان، حضورؐ کا منہجِ انقلاب' دعوتِ تنظیم اسلامی اور ملکی حالات پر مفصل خطاب فرمایا۔ حاضرین نے پوری توجہ سے ڈاکٹر صاحب کی تقریر سنی۔ بلدیہ کے الیکشن کے سلسلے میں کسی اہم میٹنگ کی وجہ سے کچھ حضرات بادلِ ناخواستہ نو بجے اٹھ کر گئے لیکن پونے دس بجے واپس آگئے۔ خطاب کے بعد نمازِ عشاء باجماعت ادا کی گئی۔ اجتماع کے بعد اعلان کیا گیا کہ اگلے روز صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک سوال و جواب کی نشست ہوگی اور گیارہ بجے تا ایک بجے ڈاکٹر صاحب سے نجی ملاقات کی جا سکے گی۔

کرنل صاحب نے ہم سب حضرات کے قیام کا بہت عمدہ انتظام کر رکھا تھا۔ صبح ۱/۲ ۵ بجے محترم ڈاکٹر صاحب کرنل صاحب کی معیت میں اوکاڑہ روانہ ہوئے اور پونے نو بجے واپسی ہوئی۔ لوگوں نے بہت سے سوالات کئے اور ڈاکٹر صاحب نے سائلین کو امکانی حد تک مطمئن کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے والوں میں ایک پرانی شخصیت ڈاکٹر عون محمد خان صاحب بھی تھے۔ امیر محترم نے تعارف کروایا کہ آپ (یعنی خان صاحب) ۱۹۵۷ء میں میرے ایم بی بی ایس کے امتحان کے ممتحن

ے جس پر کرنل صاحب نے فرمایا کہ آپ ۱۹۵۸ء کی بات کرتے ہیں یہ تو میرے ۱۹۵۸ء میں بھی Examiner تھے۔
بعد تنظیم کا ایک خصوصی اجتماع بھی منعقد ہوا جس میں پانچ حضرات نے امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کرنے
وں میں رفیق محترم ماجد خاکوانی صاحب کے برادر بزرگ عبدالرحمٰن خاکوانی صاحب بھی شامل تھے۔
رات پونے نو بجے نشتر میڈیکل کالج کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے ۱½ گھنٹے کی تقریر فرمائی۔ وسیع و عریض مسجد
سے بھری ہوئی تھی۔ اپنی تقریر میں ڈاکٹر صاحب نے انقلابی مراحل در اسلام۔ قانونی اور حقیقی ایمان کے موضوعات
روشنی ڈالی۔ اگلے روز ۴ ستمبر صبح کو واپسی ہوئی اور اسی روز شام کو عزیزم نعیم رفیع کے اہتمام پر امیر محترم "الموحد"
تشریف لے گئے اور وہاں سوالات کے جواب دیئے۔ یہ نشست بھی پُر از معلومات اور مفید ثابت ہوئی۔
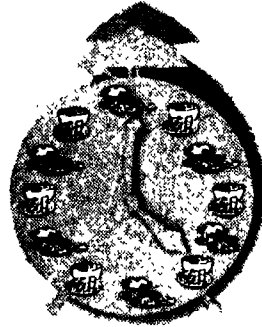
THE ORIGINAL

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱ ، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

امپورٹ ۔ ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ
ربن بو انٹرنیشنل
برآمدی اشیاء
آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ٭ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ٭ کاٹن گارمنٹس ٭ احرام تولیہ ٭ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ٭ لکڑی کا فرنیچر ۔
درآمدی اشیاء
لاکھ دانہ ٭ سٹکر فلم ٭ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ٭ پولیسٹر ریان ۔
مرکزی دفاتر
I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر:۔ کراچی ۔ فیصل آباد ۔

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما

یحب لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے

ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن

نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی

کیلئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے

لئے پسند کرتا ہے۔

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32 | OCTOBER 1983 | No 10

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماهنامه

میثاق

لاهور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۳۲ | شمارہ ۱۱ | صفر المظفر ۱۴۰۴ھ مطابق نومبر ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ملا داؤ منزل ۔
نزد آرام باغ ۔ شاہراہ لیاقت ۔
کراچی ۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

گذشتہ چار پانچ ماہ سے میثاق کی اشاعت میں کسی قدر بے قاعدگی ہو رہی تھی اور تقریباً ہر ماہ ہی پرچے کی اشاعت میں تاخیر ہو جاتی تھی - یہ معاملہ دو ماہ قبل اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا جب پاکستان کی موجودہ سیاسی صورتِ حال پر والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک تقریر کو شامل کرنے کے لئے اشاعت کو مزید تعویق میں ڈالنا پڑا --- اس دفعہ اس امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ پرچہ بروقت یعنی یکم تاریخ تک طبع ہو جائے تاکہ قارئین انتظار کی زحمت اور کوفت سے بچ جائیں - آئندہ بھی اس معاملے پر ان شاء اللہ خصوصی توجہ دی جائے گی -

چھ سال قبل جولائی ۷۷ء میں میثاق کے ان صفحات میں شرک کے موضوع پر والد محترم کی تقاریر بعنوان "شرک اور اقسامِ شرک" کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز ہوا تھا - یہ سلسلہ دس اقساط پر مشتمل تھا - الحمد للہ علماء کے حلقوں میں اس مضمون کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی تھی اور اسے بہت مفید قرار دیا گیا تھا --- لیکن اُن دنوں 'میثاق' کی اشاعت بہت محدود تھی اور مستقل قارئین کی تعداد بہت کم تھی --- اِدھر گذشتہ تین سال سے میثاق کی اشاعت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے - اور یہ رسالہ اب خاصے وسیع حلقے میں پڑھا اور پسند کیا جانے لگا ہے -- چنانچہ متذکرہ بالا مضمون کی افادیت کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسے میثاق میں دوبارہ شائع کیا جائے - تاکہ وہ قارئین جو گذشتہ تین سال کے عرصے کے دوران میثاق سے متعارف ہوئے ہیں وہ اس اہم مضمون سے محروم نہ رہیں -- حسنِ اتفاق سے 'الہدیٰ' کی سلسلہ وار اشاعت کے

ضمن میں جو درس آئندہ شامل اشاعت ہوگا وہ بھی شرک کی بحث پر مشتمل ہے۔
لیکن "الہدیٰ" میں چونکہ تنگیٔ وقت سے سابقہ تھا لہٰذا وہاں یہ بحث نہایت
اختصار سے آئی تھی اور اس کے بہت سے پہلو وہاں تشنہ رہ گئے تھے جب کہ
'شرک اور اقسام شرک' نامی مضمون میں اس اہم موضوع پر پوری تفصیل سے
بحث کی گئی ہے اور اس موضوع کے جملہ پہلوؤں پر نہایت تفصیل سے روشنی
ڈالی گئی ہے ۔۔ اس سلسلے کا آغاز ہم نے اسی اشاعت سے کر دیا ہے ۔

'سانحۂ کربلا' نامی کتابچہ جس کی متوقع اشاعت کا اعلان پچھلے ماہ کے
میثاق میں کیا گیا تھا حسب پروگرام چھپ کر آ گیا تھا - کتابچہ ہاتھوں ہاتھ
لیا گیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ ساڑھے پانچ ہزار میں سے چند سو نسخے باقی
ہیں اور دوسرے ایڈیشن کے لئے تیاری کا آغاز ہو چکا ہے "ہماری دینی
ذمہ داریاں اور اسوۂ رسول ﷺ" کے عنوان سے والد محترم کی ایک تالیف ان شاء
اللہ العزیز عنقریب طبع ہو جائے گی - جس سے تنظیم اسلامی کی دعوت کو سمجھنے میں
سہولت ہو گی -- اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں دینی ذمہ داریوں کا ایک جامع
تصور سامنے آئے گا -

'محاضرات قرآنی' کا سلسلہ حسب اعلان ۲۸ اکتوبر تا یکم نومبر جاری
رہے گا - ان محاضرات کے مرکزی مقرر مولانا سعید احمد اکبر آبادی ہوں گے - آخر
میں یہ اطلاع دیتا چلوں کہ ہمارے بزرگ رفیق کار محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب
کی کراچی سے آمد میں قدرے تاخیر ہو گئی ہے - وہ ہنوز تشریف نہیں لا سکے ہیں
لیکن تازہ اطلاع یہ ہے کہ وہ پرسوں یعنی ۲۸ اکتوبر کو لاہور پہنچ جائیں گے -
ان شاء اللہ العزیز ــــ

عاکف سعید
۸۳/۱۰/۲۶

نوعِ انسانی کا واحد اور آخری سہارا

قرآنِ حکیم

ایک نشری تقریر — از ڈاکٹر اسرار احمد

ہر باشعور انسان جانتا ہے کہ انسانی شخصیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک فکر اور دوسرے عمل۔ اور ان دونوں کے مابین رابطہ باہمی کا کام دیتی ہے قوت ارادی۔ چنانچہ اگر انسان کی فکر درست ہو اور ساتھ ہی قوت ارادی بھی مضبوط ہو تو عمل بھی لازماً درست ہو جائیگا۔ لیکن اگر قوت ارادی کمزور اور مضمحل ہو تو فکر اور عمل کا رابطہ بھی کمزور پڑ جائے اور فکر کی درستی بھی عمل کی صحت پر منتج نہ ہو سکے گی اور صورت وہ ہوگی جو غالب نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے کہ ؎

"جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی!"

بصورت دیگر اگر فکر ہی غلط اور کج ہو تو انسان کا عمل لازماً غلط ہوگا بالکل اس شعر کے مصداق کہ ؎

"خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج"

یا اس شعر کے مصداق کہ ؎

"ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است!"

ایسی صورت میں قوت ارادی کے ضعیف و مضمحل یا توانا و صحت مند ہونے کا اثر صرف

کج روی کی رفتار پر ہی پڑ سکتا ہے۔ گویا اس صورت میں انسان کی کمزور قوتِ ارادی اس کے حق میں مآلِ کار کے اعتبار سے مفید ہی ہے گی کہ غلط راہوں پر اس کی پیش قدمی سست رفتاری سے ہوگی۔

اب اگر آسمانی وحی سے قطع نظر انسانی فکر کا فی نفسہ جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ دو چیزیں اس کے لئے تانے بانے کی حیثیت رکھتی ہیں: ایک حواسِ ظاہری سے حاصل شدہ معلومات اور اسکی ترتیب و تدوین اور اس طرح حاصل شدہ SENSE - DATA کی PROCESSING پر مستزاد استدلال و استنباط جس میں استخراجی منطق (DEDUCTIVE LOGIC) استعمال ہوتی ہے اور دوسرے وہ منطقِ خالص جسے چاہیں تو استقراء (INDUCTION) سے تعبیر کر لیں جو عظیم تر اور وسیع تر حقائق سے نتائج اخذ کرتی ہے۔ اور ایک جامع اور گمبھیر فکر کا ہیولیٰ تیار کرتی ہے۔ اس دوسرے جزو میں لامحالہ کچھ حصہ انسان کے وجدان (INTUTION) کا بھی شامل ہو جاتا ہے۔

اب فکرِ انسانی کے ان دونوں اجزائے ترکیبی کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے پہلا تو نہایت محدود بھی ہے اور مسلسل ترقی پذیر بھی۔ چنانچہ آج سے دو ہزار سال قبل کے انسان کا SENSE - DATA بہت مختصر تھا آج کے انسان کے SENSE - DATA کے وسیع و عریض ذخیرے کے مقابلے میں، تاہم آج بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کامل ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج سے چند سو سال بعد کا انسان آج کے انسان کے ذخیرۂ معلومات پر زہر خند کے ساتھ تحقیر آمیز تبصرہ کرے رہا جزوِ ثانی تو وہ اگرچہ بظاہر پہلے کی نسبت وسیع تر ہے اور کسی قدر آزاد فضاؤں میں جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے۔ تاہم ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنی اصل کے اعتبار سے پہلے ہی سے بندھا ہوا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ فکرِ انسانی فی نفسہٖ کبھی بھی کامل نہیں ہو سکتی اور محض اس پر مبنی عمل لامحالہ محدود بھی رہے گا اور کج ہونے کے خطرہ سے بھی کبھی بالکلیہ آزاد نہ ہو سکے گا۔ اور اجتماعی سطح پر اس کے نتیجے میں انسان کے حصّہ میں یا TRIAL & ERROR کی ٹامک ٹوئیاں آئیں گی یا EXTREMES یعنی افراط و تفریط

کے دیکھے۔

کامل فکر تو ظاہر ہے کہ صرف اس ہستی کا ہو سکتا ہے جس کا علم کامل ہو اور نہ صرف ظاہر و باطن اور غیب و شہود سب پر حاوی ہو بلکہ ماضی، حال اور مستقبل یعنی ما کان، اور ما یکون، سب کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ پھر اس علم کامل پر مستزاد اس کی حکمت بھی ہر پہلو سے کامل ہو۔ ایسی ہستی ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ جو "عالم الغیب والشہادۃ" بھی ہے اور "بکل شیء علیم" بھی اور ساتھ ہی حکمت کاملہ و بالغہ سے بھی متّصف ہے۔

گویا فکرِ انسانی ہمیشہ محتاج رہے گی اس ہستی کامل العلم والحکمۃ کی رہنمائی کی۔ جسے قرآنی اصطلاح میں ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر ہم سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع کے مضامین پر غور کریں جو فلسفۂ حکمت قرآنی کی اساسات کی تعیین میں منفرد اہمیت کا حامل ہے تو یہ دلچسپ صورت نظر آتی ہے کہ فرشتوں کی جانب سے پیش شدہ اشکال کو رفع کرنے کے ضمن میں آدم کے خلافت ارضی کی اہلیت کی دلیل کے طور پر تو پیش کیا گیا "علم الاسماء"، کو۔ اور پھر جب آخر میں پروانہ خلافت کے ساتھ اترنے اور بالفعل زمین کا چارج لینے کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہی اس چارٹر کا اعلان بھی کر دیا گیا کہ "فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝" یعنی جب بھی میری جانب سے تمہارے لئے ہدایت پہنچے تو جو اسکی پیروی کرے گا اس پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ رنج و غم سے دوچار ہوں گے اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے تو وہ ہوں گے آگ والے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے"۔

اب ظاہر ہے کہ "علم الاسماء"، سے مراد ہیں مادی اور طبعی علوم جو بالقوہ یعنی POTENTIALLY ودیعت کر دیئے گئے تھے آدم کی سرشت میں اور جن کا ظہور بالفعل EXFOLIATION سے ہے کل کا کل سائنسی اور ٹکنیکی علم۔

اور سلسلۂ ہدایت سے مراد ہے سلسلۂ وحی سلسلہ انبیاء و رسل اور سلسلہ کتب سماویہ۔ جس کی آخری اور کامل کڑی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور قرآن حکیم۔ بقول علامہ اقبال مرحوم و مغفور

نوع انساں را پیام آخریں حامل او رحمۃ للعلمیں

قرآن حکیم نے سورہ مائدہ میں تورات اور انجیل دونوں کے بارے میں فرمایا ہے: "فیہ ھدیً و نورٌ"، یعنی ان میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی لیکن قرآن اپنے آپ کو تعبیر فرماتا ہے۔ "الھدیٰ" اور "النور" کے الفاظ سے یعنی ہدایت کاملہ اور نور کامل۔ اس میں اشارہ ہے اس حقیقت کی ——— طرف کہ جب تک انسان بحیثیت مجموعی عقلی اور شعوری اعتبار سے بلوغ کو نہ پہنچا تھا اسے درمیانی عرصے یعنی INTERIM PERIOD کے لئے ہدایات یعنی "COMMANDMENTS" دی جاتی رہیں۔ لیکن جب نسل آدم عقلی اور شعوری اعتبار سے سن شعور کو پہنچ گئی بقول علامہ اقبال کہ "جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!" تو اسے آخری اور کامل ہدایت نامہ دے دیا گیا اور وہ ہے ہدایت کاملہ یعنی "الھدیٰ" اور نور کامل یعنی "النور"۔ یہی وجہ ہے کہ بعثت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کل چھ سو سال قبل حضرت مسیح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حواریین سے یہ فرماتے نظر آتے ہیں کہ "مجھے ابھی تم سے اور بہت کچھ کہنا تھا لیکن ابھی تم اس کا تحمل نہیں کر سکو گے۔ البتہ میرے بعد جو آئیں گے وہ تمہیں ساری باتیں بتا دیں گے!" چنانچہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ نے قرآن پیش کیا تو اس دعویٰ کے ساتھ کہ:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ	یعنی — یہ قرآن ایسی کتاب
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ	ہی نہیں جسے اللہ کے سوا کوئی
لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ	اور تصنیف کر سکے۔ بلکہ یہ تو
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ	ایک جانب سابقہ کتب کی
لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	تصدیق کرتی ہے اور دوسری

— مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى	جانب ان پیشنگوئیوں کی مصدق
وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ	بن کر آئی ہے جو ان میں وارد
يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ	ہوئی تھیں ۔ اور اس میں کتاب
وَّ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ	و شریعت کی کل تفصیل درج
يُّؤْمِنُوْنَ (یوسف ۱۱۱)	ہے اور یہ اہل ایمان کے حق
	میں ہدایت بھی ہے اور رحمت
	بھی!

گویا اب تا قیام قیامت فکر انسانی کو زیغ اور کجی سے بچانے کے لئے واحد سہارا قرآن حکیم ہے — واضح رہے کہ قرآن اپنے آپ کو "الذکر" بھی قرار دیتا ہے ۔

اس اعتبار سے علامہ اقبال مرحوم و مغفور کے یہ اشعار بہت قابل توجہ ہیں :

جز بہ قرآں ضیغمی روباہی است　　فقر قرآں اصل شاہنشاہی است

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر　　فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

یعنی فکر انسانی اس وقت تک صحیح رُخ پر آگے نہیں بڑھ سکتی جب تک کہ وہ "الذکر"، یعنی قرآن حکیم سے مسلسل رہنمائی نہ لیتی رہے !

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

سورۃ الاسراء - الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

نمبر ۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

شرک اور اقسامِ شرک

اگست ۱۹۷۶ء میں راولپنڈی کی ہفت روزہ قرآنی تربیت گاہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے "شرک اور اقسامِ شرک"۔ "حقیقتِ ایمان" اور "حقیقتِ نفاق" پر تقاریر کی تھیں۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ تینوں خطابات ڈاکٹر صاحب کے اہم ترین خطابات میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ راقم پہلا خطاب ٹیپ سے منتقل کر رہا ہے، جس کی پہلی قسط پیشِ خدمت ہے۔ اِن شاء اللہ بقیہ اقساط بالترتیب آئندہ 'میثاق' میں پیش کی جائیں گی۔ خواہش یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب اُس پر نظرِ ثانی کر لیتے تو اُس کی افادیت میں اضافہ ہو جاتا۔ لیکن موصوف نظرِ ثانی تو درکنار اس کو سرسری طور پر پڑھنے کا بھی وقت نہ نکال سکے۔ چنانچہ اس مضمون میں اگر کوئی خطا ہے تو اُس کی ذمّہ داری راقم الحروف پر ہے، جس کے لیے یہ عاجز اللہ تعالیٰ سے عفو کا طالب ہے۔ اگر صواب ہے تو وہ منجانب اللہ ہے۔ اس پہلی قسط میں "شرک فی الذات" کی بحث مکمل ہو گئی ہے۔ اب اِن شاء اللہ دو اقساط میں "شرک فی الصّفات" اور "شرک فی الحقوق" کے مباحث بیان ہوں گے۔ (جمیل الرحمٰن)

خُطبۂ مسنونہ، تلاوتِ آیات اور دُعا کے بعد :-

حضرات و خواتین !

ہمارے دین کی تعبیر کے لیے اگر کسی ایک اصطلاح کی ضرورت ہو جو اُس کی پُوری حقیقت کو محیط اور اُس کے جملہ مقتضیات اور پہلوؤں پر حاوی ہو تو وہ اصطلاح یہ ہے کہ ہمارا دین ــــ دینِ توحید ہے، اور اس دین میں سب سے بڑا گناہ، سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی معصیت جو قطعی ناقابلِ عفو ہے، وہ شرک ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر مسلمان اِس سے واقف ہے۔ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ ہر خیر، خوبی، بھلائی اور نیکی چاہے

وہ عمل کی ہو، سیرت کی ہو، کردار کی ہو، علم اور نظریہ وخیال کی ہو وہ درحقیقت نقطۂ توحید ہی کا پھیلاؤ ہے اور ہر گمراہی، زیغ، کجی اور معصیت وضلالت، چاہے وہ اخلاق وکردار کی ہو چاہے وہ نظریہ وخیال اور علم وفکر کی ہو، اُس کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں شرک سے جا ملتے ہیں۔ گویا ہمارا دین بقول علاّمہ اقبال کیا ہے؟ "نقطۂ اِک نقطۂ ایمان کی تفسیریں" پس معلوم ہوا کہ ایک نقطۂ توحید کا پھیلاؤ ہی ہمارا دین، دینِ اسلام ہے۔ اور اِس اُصُول کے تحت کہ :۔ تُعْرَفُ الْاَشْیَآءُ بِاَضْدَادِھَا "یعنی اشیاء کی صحیح معرفت اُن کی ضد کی پہچان سے حاصل ہوتی ہے" تو علمِ توحید کے حصول کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ شرک اور اُس کی جملہ اقسام کی معرفت حاصل ہو جائے اور انسان یہ جان لے کہ یہ شرک کن کن صورتوں میں حملہ آور ہوتا ہے اور کیسے کیسے بھیس بدل کر آتا ہے۔ کن کن راستوں سے توحید کی پونجی پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ چنانچہ شرک کے مکمل فہم کے حصول کے بعد ہی کسی مسلمان کے لیے ممکن ہو جائے گا کہ وہ اپنی حقیقی اور بیش بہا متاعِ ایمان کی حفاظت کر سکے۔ جہاں تک شرک کی مذمّت کا تعلق ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس پہ مجھے آپ کا کچھ وقت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ ہر مسلمان کی گھٹی میں یہ بات موجود ہے کہ وہ شرک کو ایک مذموم شے مانتا ہے ــــ اُس کو مغالطہ لاحق ہو سکتا ہے، غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ وہ شرک کی کسی نوع کو شرک ہی نہ سمجھ رہا ہو۔ پہچان ہی میں اُس سے تقصیر اور کوتاہی ہوئی ہو۔ لیکن مسلمان کا خمیر جس مٹی سے اُٹھا ہے اور اُس کی گھٹی میں جو چیزیں پڑی ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک شرک سے نفرت بھی ہے۔ اور وہ کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتا جس کو وہ شعوری طور پر شرک سمجھتا ہو۔

شرک ناقابلِ عفو جرم ہے

اِس اعتبار سے شرک کی مذمّت میں مجھے دلیلیں قائم کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ اِس مقصد کے لیے سُورۂ نساء کی یہ آیت کفایت کرتی ہے جو اسی سُورۂ مُبارکہ میں دو جگہ تقریباً ایک جیسے الفاظ میں وارد ہوئی کہ :۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ۝ (نسآء - ۱۱۶)	بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اُس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس سے نیچے جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دُور کی گمراہی میں جا پڑا۔

مبادا کوئی غلط فہمی راہ پا جائے اِس لیے عرض کرتا ہوں کہ اِس ارشاد کو کہ "شرک کے سوا سب کچھ معاف ہو سکتا ہے" کھلا لائیسنس نہ سمجھ لیا جائے کہ اب کھُلی چھوٹ مِل گئی ہے، کھُلا وعدہ حاصل ہو گیا ہے

لہٰذا شرک کے علاوہ جو چاہو کرو، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے فرمایا گیا ہے کہ : وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ط —— یہاں اُمید ضرور دلائی گئی ہے کہ اللہ جس کے لیے چاہے گا دوسرے گناہ معاف فرما دے گا —— پس دوسری معصیتوں اور نافرمانیوں سے بچنے کی پوری کوشش لازمی و لابدی ہے۔ البتہ شرک وہ گناہ ہے، وہ جُرم ہے جس کے لیے واضح طور پر اعلان کر دیا گیا کہ یہ ناقابلِ عفو و معافی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی خاص صفت

آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بار بار ذکر آیا ہے۔ حضرتِ ابراہیمؑ ابوالانبیاء ہیں، امامُ النّاس ہیں، خلیلُ اللہ ہیں لیکن اکثر و بیشتر قرآن مجید میں اُن کے ذکر کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ : وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ط "اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا"۔ —— میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ حضرتِ ابراہیمؑ کی شرک سے براءت وہ سب سے اعلیٰ و بُلند و بالا سند ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے۔ اِسی بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک انسان کے لیے سب سے اُونچا تصدیق نامہ اور سند (CERTIFICATE AND TESTIMONIAL) اللہ تعالیٰ کی جناب سے یہی ہے کہ وہ خود اُس کے مشرک ہونے کی نفی فرما دے : وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ط اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شرک کے کسی داغ اور دھبّے کی آلودگی سے اپنے دامن کو بچانا کس قدر مشکل کام ہے۔ اِسی مفہوم کو علّامہ اقبال نے یوں ادا کیا کہ ؎

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے ✣ ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

یہ صلاحیت کہ انسان پہچان لے کہ شرک کیا ہے اور اُس کی اقسام، اُس کے بھیس اور رُوپ کیا کیا ہیں، اِس شعر کے مصداق ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش ✣ من اندازِ قدت را می شناسم

"تم جس رنگ کا چاہو لباس پہن لو! میں تم کو تمہارے قد سے پہچان لوں گا"۔ —— اُسی طریقہ سے شرک کی ایسی معرفت اور ایسی پہچان ایک بندۂ مومن کے لیے ضروری ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی بھیس بدل کر آئے، کیسی کیسی شکلیں اختیار کرے، مسلمان اُس کو پہچان لے —— وہ جان لے کہ شرک کی بیماری کس لبادے میں مستور ہے، یہ شراب کس نئی بوتل اور نئے لیبل کے ساتھ آئی ہے لیکن اپنی جگہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ شرک کی لعنت و معصیت کی پہچان آسان کام نہیں اور نہ یہ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ ہے۔ یہ ایسی جُھوٹی بلا ہے اور ایسے بھیس بدل کر متاعِ ایمان پر چھاپا مارتی ہے کہ غیر محسوس طور

غیر شعوری طور پر خود اہلِ ایمان اور مدعیانِ توحید کی اکثریت کے لیے بھی اُس کی چھوت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے، جیسا کہ سورۂ یوسف میں فرمایا :

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ٥ (آیت ۱۰۶)

"اور ان (مدعیانِ ایمان) میں سے اکثر اللہ پر (حقیقی و کامل توحید کے ساتھ) ایمان نہیں رکھتے (ایمان رکھتے ہیں) مگر اس طرح کہ ساتھ ہی اس کے شریک بھی ٹھہرائے ہوئے ہیں"۔

اس آیتِ کریمہ سے شرک کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ درحقیقت شرک توحید کی ضد ہے اور شیطان کا سب سے بڑا جال اور سب سے بڑا فریب ہے جس سے وہ کھلے مشرکوں کے مقابلے میں مدعیانِ توحید کو شکار کرنے کے لیے اپنے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔

اقسامِ شرک کا استقصاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کتب سیر میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ اُن کے سامنے کسی شخص کے زُہد و تقویٰ اور عبادت و برّ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی کہ : "وہ جانتا ہی نہیں کہ گناہ کیا ہے" تو حضرتِ عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ : "ایسے شخص کا گناہ میں مبتلا ہونے کا بہت زیادہ احتمال و امکان ہے"۔ چنانچہ شرک کی لعنت اور شیطان کے اِس فریب سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ اقسامِ شرک کا استقصاء کیا جائے، اُس کی معرفت حاصل کی جائے۔ اُس کے ہر بھیس اور رُوپ کو سمجھا جائے تاکہ اُس سے محفوظ و مامون رہنے کی ہر مسلمان شعوری طور پر کوشش کر سکے۔

لہٰذا میری آج کی گفتگو کا اصل موضوع اقسامِ شرک ہے ـــ شرک کی قسموں کو مختلف انداز و اُسلوب سے بیان کرنے کی کوششیں ہر دَور میں کی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شرک اعتقادی ہوتا ہے اور ایک شرک عملی ہوتا ہے۔ یعنی شرک کی بڑی بڑی دو اقسام مُعیّن کی جاتی ہیں۔ ایک شرک اعتقادی دوسرا شرک عملی۔ ایک تقسیم یہ بھی کی گئی ہے کہ کچھ شرک جلی ہوتے ہیں اور کچھ شرک خفی ہوتے ہیں یعنی شرکِ جلی اور شرکِ خفی ـــ میں جس نہج پر اقسامِ شرک کا ایک خاکہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ ان تقسیموں سے قدرے مختلف ہے۔ میں اپنے مطالعۂ خاص کر قرآن مجید میں غور و تدبّر کے نتیجے میں جہاں تک سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ شرک کی تین نمایاں ترین اقسام ہیں :-

شرک کی تین اقسام ایک شرک ہے، شرک فی الذّات، دوسرا شرک ہے، شرک فی الصفات اور تیسرا شرک ہے، شرک فی الحقوق جسے شرک فی العبادت بھی کہا جا سکتا ہے ـــ

شرک فی الذات یہ ہے کہ خدا کی ذات میں کسی کو اُس کا ساجھی، اُس کا ہمسر، اُس کا ہم کفو، اُس کا ہم پلّہ، اُس کا نِد اور اُس کا ضِد بنا دیا جائے۔ یہ عریاں ترین شرک ہے، بدترین شرک ہے، سب سے گھناؤنا شرک ہے۔ اِس کی ایک تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے مقامِ رفیع و اعلیٰ سے گرا کر اُس کو مخلوق کی صف میں لا کھڑا کیا جائے۔ یا مخلوق میں سے کسی کو اُٹھا کر اُس کو اللہ تبارک و تعالیٰ عزّ و جلّ کے برابر لا بٹھایا جائے۔

شرک فی الصفات یہ ہے کہ خدا کی صفات میں مخلوقات میں سے کسی کو اُس کا ہمسر بنا دیا جائے، مشابہت پیدا کر دی جائے، جو اللہ کی صفات ہیں سے کسی مخلوق کے لیے بھی کوئی ابدی صفت تسلیم کر لی جائے۔ مخلوقات میں سے بھی کسی کو رازق، خالق، سمیع و بصیر، مولا، دستگیر، حامی و ناصر اور حاضر و ناظر بالفعل و بالذّات مان لیا جائے۔ صفاتِ الٰہی کے لیے دیوتا اور دیویاں گھڑ لی جائیں مظاہرِ قدرت کو آزادانہ تصرّف اور نفع و ضرر پہنچانے والا تسلیم کر لیا جائے۔

شرک فی الحقوق یہ ہے کہ خدا کے حقوق میں سے کسی حق میں مخلوقات میں سے کسی کو اللہ کے برابر لا کر بٹھا دیا جائے، براجمان کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ صرف اُس کی اطاعت کی جائے اور اُس کی اطاعت کے دائرے میں مخلوقات میں سے اُن کی اطاعت کی جائے، جن کی اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اُسی حد تک کی جائے جس حد تک اطاعت کا حکم ہے۔ اللہ کا حق ہے کہ صرف اُس کی عبادت کی جائے، صرف اُسی سے دُعا کی جائے۔ اللہ کا حق ہے کہ ہر قسم کے مراسمِ عبودیّت اُسی کے لیے بجا لائے جائیں۔۔۔ اللہ کا حق ہے کہ صرف اُس سے محبّت کی جائے اور مخلوقات میں سے ہر ایک کی محبّت اللہ کی محبّت کے تابع ہو۔ اللہ کا حق ہے کہ خوف و رجا اور بیم و اُمید صرف اُس کی ذات سے وابستہ ہو۔۔۔ اللہ کی اطاعت سے آزاد کسی کی اطاعت کرنا، اللہ کے سوا مخلوقات میں سے کسی کے لیے مراسمِ عبودیّت بجا لانا جیسے کسی اور کے لیے رکوع و سجود، نذر و نیاز، کسی اور سے طلبِ اعانت و حمایت کرنا۔ اللہ کے برابر یا اُس سے زیادہ مخلوق میں سے کسی سے محبّت کرنا اور اللہ کے ساتھ ہی مخلوقات میں سے کسی کے ساتھ توقّعات کی وابستگی کرنا، یہ تمام افعال و اعمال اور نظریات و معتقدات شرک فی الحقوق ہیں۔

اسی شرک فی الحقوق کی تعبیر کے لیے دوسری اصطلاح ہے شرک فی العبادۃ۔ چونکہ جب اللہ تعالیٰ کے جملہ حقوق کو جمع کیا جائے تو وہ حقوق فی العبادۃ قرار پائیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ "میں نے جنّوں اور انسانوں کو

نہیں پیدا کیا مگر صرف اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"۔۔۔ایک جگہ فرمایا : وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ؁ "اور عبادت میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے" شرک فی العبادت ایک ایسی جامع اصطلاح ہے کہ شرک فی الحقوق کے جملہ پہلوؤں کا اس ایک اصطلاح میں پورا احاطہ ہو جاتا ہے۔

تین اہم عنوانات اقسام شرک کو سمجھنے کے لیے یہ تین عنوانات اپنے ذہن کی لوح پر کندہ کر لیجیے۔ چونکہ ان ہی کے صحیح شعور و فہم اور ادراک پر ہمارے دین کی اساس یعنی توحید کی صحیح معرفت کا انحصار اور دارومدار ہے۔ اِس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس کلمۂ شہادت کی ادائیگی سے ہم مسلمان قرار پاتے ہیں اُس کا پہلا جزو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ اِس میں توحید کے اثبات سے قبل ہر قسم کے معبودات کی نفی ہے۔ عربی قاعدے کے مطابق یہاں لَا نفی جنس ہے۔ یعنی پہلے ہر نوع اور ہر قسم کے شرک سے برأت کا اظہار ہے اور پھر اللہ کی توحید کا اقرار و اعلان ہے۔ اِسی بات کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ میں اِس اسلوب سے بیان فرمایا گیا کہ : فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ "پس جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اُس نے مضبوط رسّی پکڑی جو ٹوٹنے والی نہیں"۔۔۔ یہاں طاغوت کا کفر و انکار ایمان باللہ پر مقدم کیا گیا۔ طاغوت ہر اُس نظریہ و خیال، فکر و علم اور عمل و فعل کو کہا جاتا ہے جو شیطان کے وساوس و اغوا کی وجہ سے ظہور پذیر ہوں گویا شرک کی ایک تعبیر اطاعتِ طاغوت بھی ہے، جس سے مراد شیطان کی پیروی ہے۔

شرک فی الذات

جیسا کہ مَیں عرض کر چکا ہوں کہ خدا کی ذات میں کسی کو ساجھی بنا لینا، اُس کا ہم جنس قرار دے لینا، ہم نوع بنا دینا، کفو اور نِدّ و ضد اور مقابل قرار دے دینا، یہ سب سے زیادہ گھناؤنا اور عُریاں ترین شرک ہے۔۔۔۔ دنیا میں اِس شرک فی الذات کی دو شکلیں رائج رہی ہیں۔ ان میں سے جو بدترین شکل اور سب سے گھناؤنی صورت ہے، اُس کو تاریخ کی بوالعجبی کہیے یا انسان کی انتہائی بدقسمتی کہ یہ شکل اُن قوموں نے اختیار کی جن کی نسبت انبیائے کرام کی طرف ہے یعنی کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دے لینا۔ کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دینے کے معنی ہیں کہ وہ خُدا کا ہم جنس اور کفو ہو گیا، ہم کفو اور ہم جنس ہوا تو گویا وہ خدا کی ذات میں اُس کا ساجھی اور

شریک ہوگیا۔ پنجابی زبان میں جو لفظ شریکا آتا ہے تو یہ لفظ اس مفہوم کو بالکل صحیح ادا کرتا ہے کہ قریبی رشتہ داری کی بنیاد پر ہی شریکا ہوتا ہے۔ اور پھر ہر شریک یہ استحقاق رکھتا ہے کہ وہ اپنے قرابت دار کے بالکل برابر ہو۔ گاؤں میں کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو چودھریوں سے کوئی قرابت اور خون کا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہم ان چودھریوں سے کم تر ہیں۔ لیکن جو کسی چودھری کا چچازاد بھائی یا اسی قبیل کا کوئی قرابت دار ہوگا تو وہ اُسی نسبت سے چودھری سے اپنے رشتہ داری کے تعلق کا دعویٰ دار ہوگا اور اس کو اپنا اور خود کو اُس کا شریک، اُس کا ہمسر اور ہم پلّہ سمجھے گا اور یہ سمجھنا غلط بھی نہیں ہوگا، وہ ہر اعتبار سے اُس کا ند اور ضد ہی ہے۔ لہٰذا یہ شریکے کا لفظ عوامی سطح پر شرک فی الذات کو سمجھنے کے لیے قریب ترین مفہوم ادا کرتا ہے۔

شرک فی الذّات میں مُبتلا اقوام

اللہ تعالیٰ کے بیٹا، بیٹی کا یہ تصوّر، جیسا کہ میں نے عرض کیا، بدقسمتی سے اِن اقوام و امم اور ملل میں پیدا ہوا جو خود کو کسی جلیل القدر نبی و رسول سے منسوب کرتی ہیں۔ **یہود**:- یہود نے حضرت عُزَیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا :—
وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُنِ ابْنُ اللّٰہِ ط : "اور یہود نے کہا کہ عُزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں"— ویسے مذہب یہود کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہودیوں کا یہ عقیدہ نہیں رہا۔ البتہ اُن میں کچھ فرقے ایسے رہے ہیں جو اس عقیدے میں راسخ تھے۔ **نصاریٰ**:- اس معاملہ میں بدترین خرابی نصاریٰ میں پیدا ہوئی اور اس ضلالت و گمراہی نے اپنی انتہا تک نصاریٰ میں نفوذ کیا — وہ شخص جسے سینٹ پال کہا جاتا ہے لیکن جسے درحقیقت شیطان پال کہنا چاہیے یہودی تھا اور اُس نے بڑی عیاری و مکاری کے ساتھ نصرانیت قبول کی تھی۔ اس کے ہاتھوں دینِ عیسوی مسخ ہوا اور اس میں وہ مکروہ عقاید داخل کیے گئے جنھوں نے اِس عُریاں ترین شرک کی صورت اختیار کی کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کو صرف خدا کا بیٹا نہیں بلکہ خدا کا صُلبی بیٹا قرار دے دیا گیا : وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ یُضَاھِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ○

———— اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، "یہ اُن کے منہ کی بناوٹی باتیں ہیں، لگے اگلے کافروں کی سی باتیں بنانے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو غارت کرے، کہاں (اور کیسے) بہک گئے (اور گمراہ ہوگئے) ہیں" — اِس آیت میں تو حضرت مسیح علیہ السّلام کو ابنُ اللہ قرار دینے

پر گرفت کی گئی ہے۔ اِس مضمون سے متعلق قرآنِ کریم میں چند دوسری آیات بھی ہیں لیکن خاص طور پر حضرت مسیح علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کا صُلبی بیٹا قرار دینے پر تو متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا اظہار ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں اس غیظ و غضب کا اظہار پُورے عُروج پر ہے۔ اِس سے زیادہ غصّے کا اظہار کہیں اور نظر نہیں آتا۔ فرمایا :۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (آیات ۸۸ تا ۹۳)

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انہوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی اور یہ بات خدا کے شایان نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدائے رحمٰن کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں اِس باطل عقیدے کی تردید اِن الفاظ میں فرمائی گئی ہے :۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝ (آیت ۱۱۱)

اور کہو کہ شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ اُس کی بادشاہی میں اُس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اُس کو ذلّت سے بچانے کے لیے کسی مددگار کی حاجت ہے اور اُس کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اُس کا حق ہے !!

سُورۂ کہف میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد عیسائیوں کے اس باطل عقیدے پر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے، اُن کو آگاہ و خبردار کرنا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اِس اسلوب میں بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اُس کی بیزاری اور اُس کا غیظ و غضب چھلکا پڑ رہا ہے، چنانچہ فرمایا :۔

وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِآبَائِهِمْ

اور اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی ہوئی ہے، آگاہ کر دے۔ اُن کو اِس باب

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝ (آیت ۴-۵)

میں کوئی علم نہیں، نہ اُن کو نہ اُن کے آباو اجداد کو۔ نہایت ہی سنگین بات ہے جو اُن کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ یہ محض جھوٹ ہے جو وہ بک رہے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا قرار دینے کے باطل عقیدے کی مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ سُورۂ یُونس میں فرمایا :-

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (آیت : ۶۸)

یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے، وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ تمہارے پاس اِس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو، جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

سورۂ مریم کی ایک آیت اور سُن لیجئے ! فرمایا :-

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (آیت : ۳۵)

خدا کے شایان نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اُس کو فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرتِ عیسیٰؑ اور حضرتِ یحییٰؑ کی معجزانہ پیدائش عیسائی حضرتِ مسیح علیہ السّلام کی صرف خرقِ عادت اور معجزانہ پیدائش کی وجہ سے اُن کو خدا کا بیٹا قرار دے بیٹھے۔ حالانکہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی پیدائش بھی ایک معجزے اور خرقِ عادت سے کم نہیں۔ چونکہ اُن کے والد حضرت زکریا علیہ السّلام، اُن کی پیدائش کے وقت انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے اور اُن کی والدہ نہ صرف بوڑھی تھیں بلکہ ساری عمر بانجھ رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دو سُورتوں، سُورۂ آلِ عمران اور سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی معجزانہ پیدائش کے ذکر سے قبل حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی ولادت کا ذکر فرما کر اس نکتے کو واضح فرمایا ہے۔

ابن اور ولد کا فرق آگے گفتگو سے قبل مَیں چاہتا ہوں کہ لفظِ ابن اور لفظِ ولد کے فرق کو واضح کر دوں۔ عربی زبان میں ابن کا لفظ کسی دوسری نسبت کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ابن السّبیل، لفظی معنی ہوں گے "راستے کا بیٹا" حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس سے مراد مسافر لیا جاتا ہے۔ چونکہ مسافر کو راستے سے ایک گہری اور قریبی نسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہودی

جب اپنے آپ کو کہتے تھے : نَحۡنُ اَبۡنٰٓـؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ تو اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ یہ خود کو خدا کے بیٹے قرار دیتے تھے بلکہ اُن کا مفہوم و مقصود یہ ہوتا تھا کہ ہم خدا کے ساتھ ایک قرب کی نسبت رکھتے ہیں۔ ہمارا خدا سے گہرا تعلق ہے ہم اس کو ایسے محبوب و عزیز ہیں جیسے باپ کو اُس کے بیٹے عزیز و محبوب ہوتے ہیں۔ اناجیل میں اگرچہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے لیے ابن کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن اوّل تو یہ تمام موجودہ اناجیل محرّف ہیں۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ایک خصوصی نسبت کے لیے استعمال ہوا ہو۔ چونکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے بھی ان ہی اناجیل میں ابن اللّٰہ استعمال ہوا ہے، کیا عیسائی اس سے یہ مراد لے سکیں گے کہ ساری نسلِ انسانی اللّٰہ کی اولاد ہے۔ البتّہ لفظِ وَلَد صلبی بیٹے کے لیے ہی بولا جاتا ہے اور ولد کے معنی ہوں گے "جنا ہوا"۔ چنانچہ عیسائی اس معنی میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو خدا کا صُلبی بیٹا قرار دیتے تھے اور دیتے ہیں : قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سے مراد اُن کا یہی باطل عقیدہ ہے۔ انسان کی پوری تاریخ میں عیسائی وہ اُمّت ہے جس نے شرک فی الذّات کی یہ گھناؤنی اور عریاں ترین ضلالت اختیار کی ہے :

اللّٰہ تعالیٰ کا غیظ و غضب جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ اس عقیدے پر اللّٰہ تعالیٰ کا جس قدر غیظ و غضب بھڑکا ہے پورے قرآن مجید میں ایسا غصّہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ سُورۂ مریم کی آیات ۸۸ تا ۹۳ پھر ذہن میں تازہ کیجئے جہاں یہ غصّہ پورے عُروج پر ظاہر ہوا ہے اور یہ اس لیے کہ شرک کی یہ بدترین اور عریاں ترین صورت ہے :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡـئًا اِدًّا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ؕ

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اُس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انہوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی۔ اور یہ بات خدا کے شایان نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدائے رحمٰن کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔

سُورۂ اخلاص کا مقام آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے سُورۂ اخلاص کو ثلثِ قرآن قرار دیا ہے۔ اِس سُورہ کا یہ مقام اس وجہ سے ہے کہ اِس میں توحید کا اثبات اور

شرک کا ابطال خاص اس پہلو سے بھی ہے کہ اللہ کا کوئی ولد اور کفو ہو یا وہ کسی کا ولد ہو :-

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ ۝ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ہے یکتا ہے۔ اللہ بابہمہ ہے۔ نہ وہ باپ ہے، نہ وہ بیٹا، نہ کوئی اُس کی برابری کا ہے۔

ولد اور والد کا تعلق لامحالہ ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا کفو، ہمسر اور ہم پلّہ بنا دیتا ہے۔ اور فنا و بقا کے سلسلے کی کڑی ہے۔ اولاد خاص کر بیٹا ایک شخص کی اپنی شخصیت کے تسلسل کا سبب ہوتا ہے انسان کو بیٹی کے مقابلے میں بیٹے اِس لیے پسند ہیں کہ وہ جانتا ہے کہ مجھے تو فنا ہے لیکن میری نسل چلے میرا تشخص اور نام باقی رہے۔ اب اگر خدا کا کوئی بیٹا مان لیا جائے تو گویا نعوذ باللہ انسان نے اُس کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے نہ صرف صاحبِ احتیاج مان لیا بلکہ منطقی طور پر اس کی فنا بھی مان لی۔ اِس سے وہ اٹل اُصول اور وہ ارفع و اعلیٰ شان بالکل مجروح ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کے "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" اور هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کے اسمائے حسنیٰ میں بیان ہوئی۔ اور جس کو سورۂ رحمٰن میں اِس طرح ظاہر فرمایا گیا: کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۝ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ "ہر چیز جو زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے ربّ کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے"۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ عزّ و جلّ پاک ہے، مُنزّہ ہے اِس سے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط

بنی اسمٰعیلؑ آپ کو معلوم ہے کہ قریش تمام کے تمام حضرت اسمٰعیلؑ جیسے جلیل القدر نبی کی اولاد تھے۔ بلکہ اکثر عرب انہی جنابؑ ہی سے نسلی تعلق رکھتے تھے۔ اِن میں یہ شرک فی الذّات دوسری شکل میں آیا۔ اُنہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنا ڈالا۔ اُن کے اِس عقیدے پر قرآن مجید میں کچھ استہزاء کا انداز و اُسلوب بھی ہے جیسے "اُن کی بات دیکھو کہ اُنہوں نے خُدا کے لیے بیٹیاں الاٹ کیں اور اپنے لیے بیٹے۔ اپنے لیے تو اُن کو بیٹے پسند ہیں۔ اُن کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو اُن کا مُنہ لٹک جاتا ہے"۔ ——— سورۃ النحل، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ النجم میں اُن کی، اِس احمقانہ عقیدے پر بڑے لطیف طنزیہ انداز میں گرفت کی گئی ہے۔ سورۃ النحل میں فرمایا :-

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا

اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں وہ اِن چیزوں سے پاک ہے، اور اُن کے لیے ہے جو وہ چاہیں۔ اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی

وَهُوَ كَظِيمٌ ٥ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ٥ (آیات ۵۷ تا ۵۹)

کی خوشخبری سُنائی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گُھٹا گُھٹا رہتا ہے۔ وہ اِس منحوس خبر پر لوگوں سے چھُپا چھُپا پھرتا ہے سوچتا ہے کہ اُس کو ذلّت کے ساتھ رکھ چھوڑے یا اُس کو مٹی میں دفن کر دے۔ افسوس کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

سُورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا :۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ٥ (آیت ۴۰)

کیا تمھارے رب نے تمھارے لیے تو بیٹے مخصوص کیے اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنا لیں۔ یہ تو تم بڑی سنگین بات کہتے ہو۔

سورۂ والنّجم میں فرمایا :۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ٥ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ٥ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ٥

(آیات ۱۹ تا ۲۲)

اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اِس لات اور اِس عُزّیٰ اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟ کیا بیٹے تمھارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے؟ یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔

اِس گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ شرک فی الذّات کی یہ وہ صورتیں ہیں جو ان قوموں اور اُمتوں میں پیدا ہوئیں جن کی نسبت جلیل القدر انبیاء و رُسل سے ہے۔

شرک فی الذّات فلسفیانہ مذاہب میں

شرک فی الذّات کی ایک دوسری صورت وہ ہے جو اُن اقوام و ملل میں پیدا ہوئی جن کے مذاہب کو فلسفیانہ مذاہب کہا جا سکتا ہے۔ اِن مذاہب کی بنیاد وحی پر نہیں ہے یہ تو قرآن مجید کی تصدیق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کتابیں تورات اور انجیل یہود اور نصاریٰ کو بذریعہ وحی و نبوّت و رسالت دی گئی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اِن اُمتوں نے تحریفات سے اِن کتابوں کا حُلیہ ہی بدل ڈالا۔ پھر وہ زبانیں بھی معدوم ہو گئیں جن میں یہ نازل ہوئی تھیں۔ دُنیا میں اِس وقت تورات و انجیل کے نام سے جو کُتب سماوی پائی جاتی ہیں وہ دراصل ترجمے در ترجمے ہیں۔ ان دو الہامی مذاہب کے علاوہ دُنیا میں چند مذاہب ایسے ہیں جو فلسفیانہ مذاہب کہلاتے ہیں، مثلاً ہندو مت۔ اِن فلسفیانہ مذاہب میں شرک فی الذّات نے دو شکلوں میں ظہور

کیا۔ ایک حلول کا عقیدہ ــــ دوسرا اوتار کا عقیدہ ـــــ !

عقیدۂ حلول | اِس عقیدۂ حلول کی اساس یہ نظریہ ہے کہ اُن کے نزدیک خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا۔ اُنہوں نے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی فصل ہی نہیں رکھا۔ انہوں نے یہ تصورات و نظریات قائم کیے کہ برف بذاتِ خود پانی ہے جب پگھلتا ہے تو پانی ہی بنتا ہے ــــ پانی کو اُبال دیجیے وہ بھاپ بن کر اُڑ جائے گا لیکن بذاتِ خود بھاپ کوئی شے نہیں، وہ پانی ہی کی ایک شکل ہے۔ اِسی طرح خدا جو حقیقتِ مطلقہ ہے، اُس نے اِس کائنات کا رُوپ دھار لیا ہے، لہٰذا یہ جملہ مخلوقات و موجودات جو نظر آ رہی ہیں دراصل وہی خدا اور حقیقتِ مطلقہ ہے۔ خدا ان کے علاوہ کہیں اور نہیں ہے۔ شکر کو پانی میں گھولیے وہ اس میں حل ہو جائے گی، اُس کا اپنا وجود کہیں نظر نہیں آئے گا اسی طرح اُن کے عقیدے کے مطابق خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا ہے۔ اُس کا کوئی مستقل وجود کہیں نہیں ہے۔ اِسی عقیدے کو انگریزی میں PAN-THEiSiM کہتے ہیں۔ اِس لیے کہ انگریزی میں PAN کہتے ہیں "سب" کو ALL کو۔ اب رہا THEiSiM تو اِس کے معنی ہیں اُلوہیت ــــ پس PAN-THEiSiM کا مطلب ہوا کہ کائنات کی تمام چیزوں اور جملہ مخلوقات کو اُلوہیت حاصل ہے اور یہ سب اپنی اپنی جگہ "خــدا" ہیں۔ شجر بھی اُلوہیت کا حامل، حجر بھی اُلوہیت کا حامل، شمس و قمر بھی اُلوہیت کے حامل ــ مَیں اور آپ بھی اُلوہیت کے حامل۔ غرضیکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے اور جس شکل میں بھی ہے سب کا سب اُلوہیت کا حامل ہے۔ خدا اِس کائنات ہی میں حل ہو گیا ہے ــــ اِسی نامعقول نظریے اور عقیدے کی فارسی کے اِس شعر میں نفی کی گئی ہے ؎

حلول و اتحاد ایں جا محال است | کہ در وحدت دُوئی عین ضلال است

اِسی عقیدے کے دوسرے نام بھی ہیں جیسے عقیدۂ اتّحاد اور ہمہ اوست۔ یہ سب معمولی سے فرق کے ساتھ عقیدۂ حلول ہی کے اصل نظریے کی فروع ہیں۔ یہ عقیدہ و نظریہ بھی شرک فی الذّات کی ایک کریہہ صورت ہے۔

عقیدۂ اوتار | فلسفیانہ مذاہب میں اِسی عقیدۂ حلول نے ایک دوسری شکل میں خدا محدود پیمانے پر ظہور کیا جو عقیدۂ اوتار کہلاتا ہے جس کو انگریزی میں INCARNATiON کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کسی انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوتا رہتا ہے، یا خدا کسی خاص انسان میں حلول کر جاتا ہے۔ چنانچہ جس انسان کے متعلق یہ عقیدہ ہو گیا کہ اس صورت میں خدا نے نزول کیا ہے، یا یہ کہ اُس میں خدا نے حلول کر لیا ہے تو اُس انسان کو اُلوہیت کا مقام لامحالہ دیا جائے گا۔

عقیدے کی اسی کجی سے ہندو مت میں کرشن جی بھی اوتار ہیں اور رام چندر بھی اور نہ معلوم کتنے انسانوں کو اوتار قرار دیا گیا ہے، جن کا شمار آسان نہیں ـــــ باطنی اسماعیلیوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ ایک دوسری بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ مرض کہاں سے ہو کر کہاں کہاں پہنچا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں نو اوتار متفق ہیں۔ باطنی اسماعیلیوں نے ہندو ذہن کے قریب آنے کے لیے حضرت علیؓ کو دسواں اوتار قرار دے لیا۔ اُن کے عقیدے کے بموجب نعوذ باللہ خدا نے حضرت علیؓ میں حلول کیا اور اب حضرت علیؓ کی رُوح امامِ حاضر میں حلول کرتی رہتی ہے۔ بہرحال اسماعیلیوں کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے، اُس کو ایک جملۂ معترضہ سمجھیے۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا میں شرک فی الذّات کے یہ دو بڑے بڑے عقیدے رہے ہیں۔ ایک کسی کو خدا کا بیٹا اور بیٹی ماننے کا عقیدہ ـــ اس گمراہی میں وہ اقوام و اُمم مبتلا ہوئیں، جن کے پاس آسمانی کتابیں موجود رہیں اور جن کی نسبت خدا کے برگزیدہ پیغمبروں سے ہے۔ دوسرے حلول اور اوتار کا عقیدہ ـــ اِس گمراہی میں وہ اقوام مبتلا ہوئیں کہ جن کے مذاہب فلسفیانہ بنیادوں پر قائم ہیں۔ اِن دونوں میں جیسا کہ میں عرض کر چکا، زیادہ مکروہ اور گھناؤنی صورت وہ ہے جو انبیاؑ و رُسُل سے تعلق رکھنے والی اُمتوں میں پیدا ہوئی۔ جس پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا بار بار اظہار ہوا ہے، جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ـــــ!

اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل | اب میں چاہتا ہوں کہ ایک اہم ترین بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں۔ وہ یہ کہ ہماری اُمت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے، جس پر ہمیں اُس کا خصوصی شکر ادا کرنا واجب ہے کہ اُس نے اُمتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ و السّلام کو بحیثیّتِ مجموعی اِس نوع کے شرک سے تاحال محفوظ رکھا ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ پُورے چودہ سَو برس بیت گئے، جبکہ حضرت مسیح علیہ السّلام کے رفعِ آسمانی کو تو صرف چند ہی سال بیتے تھے کہ اُن کے بارے میں یہ ظلم ہوا کہ اُنہیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا گیا۔ لیکن نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر چودہ صدیاں گزر چکیں لیکن حضورؐ کے ساتھ یہ گستاخی نہیں کی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے اور اُس کی طرف سے حضورؐ کو ایک تحفّظِ خصوصی بھی حاصل ہے۔ میں نے جو یہ بات عرض کی ہے تو یہ جانتے ہوئے عرض کی ہے کہ ہمارے ہاں جہلاء اور چند جاہل شعراء کے ہاں کچھ ایسی باتیں ہیں کہ جن میں اوتار کے عقیدے کی جھلک کسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے اُس کی اساس یہ حقیقت ہے کہ جتنے بھی ہمارے مسلّمہ مذہبی فرقے ہیں اور ان کے جو مستند عقاید ہیں،

اُن میں کہیں بھی بحمد اللہ اِس نوعیت کی کوئی بات شامل نہیں ہے۔ جاہل عوام، شعرا اور بے علم واعظین کی بات اور ہے، یہ طبقہ عامۃ الناس میں نفوذ اور سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن میں غلو ہوتا ہے، شرک ہوتا ہے اور جو ہمارے عقیدۂ توحید کے بالکل خلاف ہوتی ہیں اور جن میں "عقیدۂ اوتار" کی جھلک ہوتی ہے جیسے کہ عوام میں یہ شعر بہت مشہور ہے

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر ❊ وہی اُتر آیا مدینے میں مصطفٰے ہو کر

یہ بالکل مشرکانہ قول ہے اور شعراء بالخصوص جاہل شعراء کے لیے قرآن نے یہ اٹل بات فرمادی ہے کہ: وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ ۝ وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۝ (سورۃ الشعراء آیات ۲۲۴ تا ۲۲۶) ــــ "رہے شعراء، تو اُن کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔"

اُمّت کا مُسَلّمہ عقیدہ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ ایسی بات نہ کسی مستند عالمِ دین نے کبھی کہی ہے اور نہ یہ بات ہمارے کسی بھی مُسَلّمہ فرقے کے مستند عقائد میں موجود ہے۔ اِس بات کی اصل حقیقت آپ پر جب منکشف ہوگی، جب آپ اس بات پر نظر رکھیں کہ عیسائیوں کو حضرت مسیح علیہ السّلام سے جو محبّت و عقیدت رہی ہے وہ اس محبّت و عقیدت اور احترام و تعظیم کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے جو اُمّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رہی ہے اور رہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بالکل حق بجانب ہوگا کہ عیسائیوں کو جو حضرت مسیح علیہ السّلام سے لگاؤ ہے اُس کی اِس محبّت سے جو اُمّت کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے، کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ اُمّت جو ادب اپنے رسول ؐ کا کرتی رہی ہے، وہ اظہر من الشّمس ہے۔ اس کے باوجود اُمّت کے کسی فرقے نے بھی نبی اکرم ؐ کو بحمد اللہ خدا کا بیٹا قرار نہیں دیا۔ ثم الحمد للہ کہ اِس اُمّت میں یہ گستاخی کہیں نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک یہ ایک معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل ہے، یہ خدائی تحفظ (DIVINE PROTECTION) حاصل ہے جناب محمّد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ــــ یہ تحفظ اس لیے حاصل ہے کہ حضور ؐ آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ آپ ؐ کے بعد تا قیامِ قیامت اب کوئی نبی، کوئی رسول آنے والا نہیں، آپ خاتم النّبیّن ؐ والمرسلین ہیں۔ اب حضور ؐ ہی کا دَورِ رسالت قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کی شخصیت کو مسخ کر دیا گیا تو قرآن مجید نے نازل ہو کر حضرت مسیح ؑ کی حقیقی شخصیت کو

پیش کردیا۔ اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر کہیں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسخ کر دیا جاتا نعوذُ باللہِ من ذٰلِکَ تو پھر اس کی تصحیح کون کرتا۔ تورات، زبور اور انجیل کو اللہ کی حفاظت حاصل نہیں تھی لیکن قرآن مجید کو ہے۔ اس لیے کہ یہ آخری کتاب ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ہ سابقہ کتبِ سماوی کی تحریف ہوئی تو قرآن نے قلعی کھول دی اُس کا پردہ چاک کردیا۔ قرآن میں کہیں تحریف ہوجاتی، تو اُس کی تصحیح کون کرتا۔ بالکل اسی طریقہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایک خصوصی تحفظ حاصل ہے۔ اگر کہیں حضورؐ کے ساتھ یہ معاملہ ہوجاتا تو کون آنے والا تھا کہ جو اس کی اصلاح کرتا۔ فوری تقابل کے طور پر اس حقیقت پر غور کیجئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے! حضورؐ رسول ہیں اور رسول بھی کیسے رسول؟ سید المرسلین، خاتم النبیین، محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمتی — بلاشبہ حضرت علیؓ اُمت میں فضیلت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ہیں اور چوتھے خلیفۂ راشد بھی ہیں۔ لیکن بہرحال اُمتی ہیں اور ایک اُمتی کو رسول سے کیا نسبت؟ بایں ہمہ حضرت علیؓ کو خدا کہنے والے پیدا ہوئے۔ اُسی خیر القرون میں خود اُن کے دَور میں پیدا ہوگئے خود حضرت علیؓ کے روبرو برملا کہا کہ "تم خدا ہو"۔ حضرت علیؓ نے اُن کو پکڑوایا، اُن کو اس فاسد عقیدے پر زجر و توبیخ کی، سزائیں دیں حتیٰ کہ قتل کرادیا لیکن وہ اِس پر قائم رہے۔ وہ فرقہ آج بھی موجود ہے۔ اِس وقت لبنان میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس میں اس فرقے کی ریشہ دوانیوں کو بڑا دخل ہے۔ غور کیجئے کہ حضرت علیؓ کو خدا کہنے والا فرقہ پیدا ہوگیا اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن للہ الحمد والشکر کہ اِن چودہ صدیوں میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنے والا کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا —! اِس کا سبب کیا ہے؟ اِس کا سبب وہی ہے جو میں نے عرض کیا کہ حضورؐ کو خدا کی طرف سے ایک خصوصی تحفظ حاصل ہے — اس ضمن میں قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں جو خصوصی اہتمام ہوا ہے، اُس پر بھی نگاہ رکھیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے ذمّے لی تو اس کے لیے تدبیر بھی فرمادی۔ یہ حفظ کا نظم اور تسلسل، یہ تجوید و قرأت کا التزام و اہتمام۔ حفاظ میں یہ شوق، ولولہ اور امنگ — اور پھر رمضان المبارک میں تراویح کا اہتمام و انتظام۔ یہ سب کچھ قرآن مجید کی حفاظت کی تدابیرِ الٰہیہ ہیں۔ اسی طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو من عند اللہ اور من جانب اللہ جو تحفظِ خصوصی حاصل ہے اُس کا ذریعہ دو تدبیریں بنیں۔

خدائی تدبیر | ایک طرف تو قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کو واضح کیا کہ محمدؐ نوع کے اعتبار

سے نی الحقیقت بشر اور اللہ کے بندے ہیں البتہ اُن کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی اور رسول بنایا ہے۔ اُن پر وحی نازل کی ہے اور اُن کو بنی نوع انسان کی رُشد و ہدایت پر مامور فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ کہف اور سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (سورۂ کہف ۱۱۰ اور سورہ حٰم السجدہ ۶)	اے نبی کہو کہ مَیں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے

سورہ المؤمنون میں فرمایا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ (آیت: ۳۳)	یہ تو بس تمہارے ہی مانند ایک بشر ہے وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو۔

قرآن حکیم میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بشریت کو مختلف انداز و اسالیب سے نمایاں کیا گیا ہے، تو اُس کی حکمت یہی ہے کہ مبادا مسلمان بھی غلو کر بیٹھیں، مبادا وہ بھی اسی گستاخی کا ارتکاب کریں جو حضرت مسیحؑ کے ساتھ کی گئی، مبادا وہ بھی اُسی افراط و تفریط کی روش اختیار کرلیں جو یہود نے حضرت عُزیرؑ اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اختیار کی۔ چنانچہ بار بار اس بات کو واضح کیا گیا کہ محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہمارے نبی اور رسول ہیں، خاتم النبیّین والمرسلین ہیں —!

رحمۃ للعالمین ہیں، شافع محشر ہیں لیکن ہیں ہمارے بندے اور تمہاری طرح بشر، انسان۔ اُلوہیت میں اُن کا کسی نوع کا کوئی حصّہ نہیں۔ کلمۂ شہادت کے دوسرے جزو میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر حضورؐ کی عبدیّت کو مقدم کیا گیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے متعلق اپنے خصوصی التفات کا جہاں ذکر فرمایا ہے تو وہاں حضورؐ کی شانِ عبدیّت کو نمایاں فرمایا ہے مثال کے طور پر صرف سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پیش کرتا ہوں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ۔ پھر سورۂ کہف میں فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا

اُن کو تو یہ بھی اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی چاہت، اپنی پسند اور اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت کی راہِ مستقیم پر گامزن کر سکیں۔ اُن کا مقام شاہد، مُبشّر، منذر، داعی اور مُبلّغ کا ہے۔ کسی کو اپنے ارادے، اپنی مرضی اور اپنی پسند سے راہ یاب کر دینا اُن

کے اختیار اور بس میں نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ القصص میں اس بات کو کھول دیا گیا، فرمایا:۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ (آیت: ۵۶)	(اے نبیؐ)، تم جن کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے!

سورۂ اعراف کی ایک آیت اور ملاحظہ فرمائیے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، مرتبہ اور مقام کو نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اُمّتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام فرطِ محبّت میں غلوّ کرنے کی ٹھوکر نہ کھائے اور حضورؐ کو یہ خصوصی تحفظ حاصل رہے کہ حضورؐ کی شان میں اس گستاخی کا ارتکاب نہ ہو جو عیسائیوں نے بحیثیتِ اُمّت کیا ہے،

فرمایا:۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ	(اے نبی)، کہہ دو، مَیں اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے اور اگر مَیں غیب جانتا ہوتا تو خیر کا بڑا خزانہ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچ پاتا مَیں تو بس ان لوگوں کے لیے ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں جو ایمان لائیں

حضورؐ کا اہتمام | دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں اتنی احتیاط فرمائی کہ جہاں ذرا سا شائبہ بھی پیدا ہو گیا کہ مبادا کہیں کوئی غلط فہمی اور مغالطہ راہ پا جائے تو اُس کا فوراً تدارک فرما دیا اور باریک سے باریک نکتے کو بھی نظر انداز ہونے نہیں دیا۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں ایک روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ کی زبان سے نکل گیا کہ "مَا شَآءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ" (یعنی جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) فوراً حضورؐ نے روک دیا اور فرمایا کہ: اَجَعَلْتَنِیْ نِدًّا لِلّٰهِ ؕ (کیا تم نے مجھے خدا کا مدِ مقابل بنا دیا) مشیّت صرف اللہ کی اختیار صرف اُس کے ہاتھ میں ہے۔ غور کیجئے کہ اس امر کا دور دور بھی امکان نظر نہیں آتا کہ کہنے والے کے ذہن میں اس بات کا ذرا بھی شائبہ موجود ہو کہ وہ مشیّت میں نبی کو کسی درجہ میں بھی شریک سمجھتا ہو کہنے والے نے تو ایک ایسی بات کہی تھی جو عموماً ایسے مواقع پر کہہ دی جاتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ان صحابیؓ کو ٹوک دیا۔ اِس باریک بینی اور اِس احتیاط کو اس

دوسری تدبیر میں شمار کیجیے کہ جس کے ذریعے سے یہ حفاظتِ خصوصی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہوئی کہ اُن کے ساتھ گستاخی کا وہ معاملہ نہیں کیا جا سکا، جو لوگوں نے فرطِ محبت و عقیدت میں غلو کر کے حضرت مسیح علیہ السّلام اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا ہے — ایک ضروری بات مَیں آگے بیان کرنا چاہتا تھا لیکن اِس وقت ذہن میں آگئی ہے تو ابھی بیان کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ، یہ "یا محمدؐ" کا جو سلسلہ چل نکلا ہے تو آپ غور کریں گے تو اس نتیجہ پہ پہنچیں گے کہ زیادہ تر عموماً یہ بعض مساجد کی زینت بنتا ہے، وہ بھی اِس لیے کہ اس مسجد کا ایک مخصوص فرقے سے تعلّق نمایاں ہو جائے اور فوراً پہچان میں آجائے کہ یہ مسجد فلاں فرقے سے متعلق ہے۔ یا وقتی وہنگامی مواقع پر جلسوں اور جلوسوں میں ہمارے عوامی قسم کے لیڈر ایک خاص ماحول پیدا کر کے بطورِ نعرہ اس کو کہلوا لیتے ہیں۔ اس نعرے کو غیر اسلامی سیاست اور جذباتی فضا کی پیداوار کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ ہمارے ہاں بطورِ نعرہ اس سے پہلے استعمال نہ ہوتا تھا۔ ہمارے جاہل عوام کی زبانوں پہ بطورِ نعرہ اور بطورِ دُعا (پکار) جو لفظ چڑھا ہوا تھا وہ ہے۔ "یا علی" — یہ ظلم اور یہ زیادتی بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوتی رہی ہے۔ میدانِ جنگ یا کسی مشکل مرحلے پر جاہل عوام کی زبان پر "یا علی مدد" کا مشرکانہ نعرہ آتا ہے، "یا محمدؐ مدد" نہیں آتا۔ آپ یقیناً میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ یہ اسی حفاظتِ خصوصی کا ظہور ہے جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہے۔ ورنہ جیسا کہ مَیں عرض کر چکا کہ حضرت علیؓ کا نبی اکرمؐ سے نسبت کا تعلّق یہ ہے کہ ایک اُمتی ہیں اور دوسرے رسول، اور رسول بھی کیسے؟ سیدالمرسلین، خاتم النبیّین، رحمۃٌ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم!

خلاصہ کلام یہ کہ شرک فی الذّات کے ذیل میں دو بڑے بڑے شرک دُنیا میں رائج رہے ہیں — پہلا شرک فی الذّات وہ عریاں ترین، انتہائی مکروہ اور سب سے گھناؤنا شرک ہے جو مخلوق میں سے کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹیاں قرار دینے سے متعلق ہے۔ جس میں وہ قومیں اور اُمتیں مبتلا ہوئیں اور ہیں، جن کی نسبت انبیاء و رُسُل سے ہے اور دوسرا شرک فی الذّات وہ جس میں فلسفیانہ مذاہب کے پیرو مبتلا ہیں یعنی ہمہ اوست، حلول، اتحاد، اور اوتار کا عقیدہ اور یہ دونوں گروہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ○ کے زمرے میں آتے ہیں۔

(جاری)

اصلاح معاشرہ کا انقلابی پہلو

(آخری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

حاصل کلام یہ نکلا کہ اسلامی انقلاب کہہ لیں، اسلام کی نشأۃ ثانیہ کہہ لیں، اسلامی نظام حیات کا قیام و نفاذ کہہ لیں، اصلاح معاشرہ کہہ لیں، یہ تمام اصطلاحات دراصل ایک ہی حقیقت کی تعبیر کے مختلف اسالیب ہیں یہ سب کچھ اس وقت تک روبعمل آنا ممکن نہیں ہے جب تک ہم اس کے لئے قرآن مجید کو اپنا رہنما اور ہادی نہ بنائیں - اور قرآن ہمارے اذہان و قلوب میں نفوذ نہ کرے - آج ہم جس المیہ سے دوچار ہیں وہ دراصل یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اس کتاب ہدایت سے ہمارا تعلق نہ صرف یہ کہ مضمحل و ضعیف ہو گیا ہے بلکہ اگر آپ حضرات بُرا نہ مانیں تو میں عرض کروں کہ تقریباً معدوم کے درجے میں آگیا ہے - ہمارے حال پر کیسی صادق آتی ہے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ - "وہ اللہ تعالےٰ اس قرآن مجید کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عزت و سربلندی سے سرفراز فرمائے گا اور دوسروں کو (اس کتاب ہدایت کو ترک کرنے کے باعث) ذلت و نکبت سے دوچار فرمائے گا" - صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین نیز ان کے بعد آنے والوں نے جب تک اس کتاب کو اپنا لائحہ عمل اور رہنما بنائے رکھا تو وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا وعدہ الٰہی پورا ہوتا رہا اور جب ہم نے اس قرآن کو محض ایک کتاب مقدس سمجھ کر اس کے ساتھ محض ظاہری احترام کا معاملہ اختیار کیا اور اس کی تعلیمات سے سراسر روگردانی اور اعراض کیا تو اس کی پاداش میں وہی کچھ

ہوا اور ہو رہا ہے جس کی خبر دی تھی الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وَیَضَعُ بِہٖ آخرین ــــ اس مضمون کو بھی علامہ نے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے ادا کیا ہے ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر ۔۔۔ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہی نہیں بلکہ کامل بھی ہوئی ہے۔ آں حضورؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور قائم مقام ہے وہ ہے: قرآن مجید ۔ فرقانِ حمید، کتاب مبین ۔ جو دائم و قائم ہے اور تا قیامت ایک شوشے کے تغیر کے بغیر اور ہر تحریفِ لفظی سے محفوظ زندہ و پائندہ رہے گا۔

چنانچہ حجۃ الوداع میں آں حضورؐ نے جو آخری بات فرمائی وہ اسی قرآن مجید کے متعلق ہے۔ مسلم شریف میں حجۃ الوداع کے اختتامی اور آخری الفاظ یہ ہیں:

وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَّا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا وَھُوَ کِتَابُ اللّٰہِ ۔

"اور میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تا ابد گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ چیز ہے ۔ کتاب اللہ"

معلوم ہوا کہ ہماری ہدایت کی ضمانت اعتصام بالقرآن ہے اور اس کو چھوڑنے کا لازمی نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے۔ جس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں"

قرآن ہی دراصل ہمارا انقلابی فکر اور نظریہ ہے ۔ اس انقلابی فکر کی تبلیغ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی وسعت دی کہ فرمایا: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً ۔ "پہنچاؤ میری طرف سے چاہے ایک ہی آیت" ۔ گویا ہر مسلمان پر لازم ہے واجب ہے، فرض ہے کہ وہ قرآن کا مبلّغ بنے چاہے ایک ہی آیت کو اچھی طرح سمجھ کر دوسروں تک پہنچائے ۔ اور یہ تبلیغ گویا نبی اکرمؐ کی جانب سے ہوگی یہاں "عَنِّي" کا صحیح مفہوم ہوگا 'On my behalf' اس طرح ہر مسلمان "يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ" کے کارِ رسالت کی زنجیر سے ایک کڑی کی طرح منسلک ہو جائے گا اور امتِ مسلمہ کی" تاسیس کی غرض وغایت کو پورا کرنے کی کوشش کرنے والوں میں شامل ہو جاتے گا۔ یہ ہے اصلاح معاشرہ کا انقلابی پہلو ۔

امتِ مسلمہ کی تاسیس کی غرض وغایت کا ذکر آیا تو میرا ذہن قرآنِ حکیم کی ان آیات کی طرف منتقل ہوا جن میں اُمتِ مسلمہ کی غرض وغایتِ تاسیس کو واضح کیا گیا ہے ۔ یہ بات قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ کے ابتدائی حصہ میں بیان ہوئی :

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً	اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک
وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ	بیچ کی اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں
عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ	پر گواہی دینے والے بنو اور
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا	رسول تم پر گواہی دینے والا بنے ۔

اسی بات کو سورہ حج کی آخری آیت نمبر ۷۸ میں ایک دوسرے انداز اور اسلوب سے بیان فرمایا گیا ۔ قبل اس کے کہ میں وہ آیت آپ کو سناؤں پہلے آیت نمبر ۷۵ سن لیجئے، جس سے اس آخری آیت کا گہرا ربط و تعلق ہے ۔ فرمایا: اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۔ "حقیقت یہ ہے کہ) اللہ (اپنی ہدایت کی ترسیل کیلئے ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی رسولوں کا انتخاب فرماتا ہے ۔ بلاشبہ اللہ ہی حقیقی، سمیع اور بصیر ہے"

یہ بڑی عظیم آیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ارسالِ وحی کا یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے فرشتوں میں سے کسی کو اپنا رسول، پیغامبر اور ایلچی منتخب فرماتا ہے۔ جو وحی کو ان حضرات قدسیہ تک پہنچاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بحیثیت نبی و رسول منتخب فرماتا ہے — چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آں حضورؐ پر نبوت ہمیشہ کے لئے صرف ختم ہی نہیں ہوئی بلکہ آپؐ پر نبوت کا اکمال و اتمام بھی ہوا ہے — اب قیامت تک کسی نوع کا، نہ بروزی نہ ظلّی — کوئی نبی نہیں آئے گا — جو بھی اس قسم کا دعویٰ کرے وہ لازماً کاذب اور کافر ہو گا — لیکن نوع انسانی کی ہدایت کی ضرورت تو تا قیام قیامت باقی رہے گی لہٰذا ایک تو قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

اور تا قیام قیامت قرآن مجید کو نبوّت کے قائم مقام کا درجہ عطا فرما دیا۔ اب رہا کارِ رسالت، یعنی تبلیغ دعوت، موعظت و نصیحت، تبشیر و انذار، شہادت علی الناس، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، تکبیر رب اور اقامت و اظہارِ دین کے فرائض منصبی تو یہ اُمّت کے سپرد کر دیئے گئے گویا ختم نبوّت کے بعد قیامت تک کے لئے ہی نوع انسانی کی ہدایت کے کام پر اُمّت مسلمہ ایک تیسری کڑی کی حیثیت سے شامل کر دی گئی۔ یہی بات ہے جو سورہ حج کی آخری آیت میں فرمائی گئی:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ	اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو
حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ	جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اسی نے
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي	تم کو برگزیدہ کیا اور دین کے
الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ	معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں
أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ	رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کی
سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ	ملت کو تمہارے لئے پسند فرمایا۔
مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ	اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا اس
الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ	سے پہلے (اور ۱۲، ق ۱۱: ۷۸)

وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

بھی تمہارا نام مسلم ہے تاکہ رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے اور تم دوسرے لوگوں پر اس کی گواہی دو اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط پکڑو۔ وہی تمہارا مرجع ہے۔ اور کیا ہی خوب مرجع اور کیا ہی خوب مددگار ہے!!

اس آیت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد اور شہادت علی الناس کی اصطلاحات میں وہ تمام تقاضے آگئے جن کی ادائیگی بحیثیت امت مسلمہ ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔ اس کام کے لئے یہاں سہارا اعتصام باللہ، فرمایا گیا۔ اس اجمال کو سورہ آل عمران میں کھول دیا گیا کہ: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ اب بھی کچھ اجمال رہ گیا کہ حبل اللہ سے مراد کیا ہے! چونکہ قرآن کی تبیین بھی آپؐ کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ لہذا آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے متعدد ارشاداتِ مبارکہ میں اس اجمال کی تشریح و توضیح فرمادی کہ اللہ کی کتاب قرآن مجید ہی درحقیقت حبل اللہ ہے جس سے اعتصام کا، چمٹ جانے کا جڑ جانے کا اور جس کو مضبوطی سے تھام لینے کا اللہ تعالٰے نے حکم دیا ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ کے آخری الفاظ میں آپ کو سنا چکا کہ: وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا وَهُوَ كِتَابُ اللّٰهِ ۔ ایک طویل حدیث میں جس کے راوی ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہٗ، نبی اکرمؐ نے قرآن کی عظمت و شوکت، اس کے مقام و مرتبہ اور اس کی اہمیت بیان فرماکر قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ ۔ یہ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ ایک حدیث میں جو حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے یہ الفاظ آئے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابُ اللّٰهِ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب (قرآن)

هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ

یہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے۔

ایک اور حدیث بھی سن لیجئے جس کے راوی ہیں حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالےٰ عنہ:

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الیس تشھدون ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وانی رسول اللہ و ان القرآن جاء من عند اللہ؟ قلنا بلی، قال فابشروا فان ھذا القرآن طرفہ بید اللہ وطرفہ بایدیکم فتمسکوا بہ فانکم لن تھلکوا ولن تضلوا بعدہ ابداً

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں - وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟ ہم نے عرض کیا یقیناً - تب آپ نے فرمایا، پس تم خوشیاں مناؤ اس لئے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ (اگر تم نے ایسا کیا تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہوگے، نہ کبھی گمراہ۔

سورہ حج کی آخری آیت کی طرف پھر مراجعت فرمائیے - وہاں جہاد اور شہادت علی الناس کے فرائض کا ذکر فرما کر ساتھ ہی ارکان اسلام میں سے بطور نمائندہ دو ارکان کے التزام حکم کا عطا فرما دیا اور اس طرح اُمت کی تربیت و تزکیہ کا طریق اور نصاب کا تعین فرما دیا - پھر اعتصام باللہ کا حکم دے کر قرآن کو اپنا ہادی و رہنما بنانے کی طرف بھی رہنمائی فرمادی -

الغرض انقلابی جدوجہد کے پہلے جو دو قدم ہیں، ان کے لئے مبنیٰ، مدار، مرکز و محور، اس کا ذریعہ اور وسیلہ صرف اور صرف قرآن ہے - ہمارے زوال، انحطاط، پستی، نکبت اور ذلت و خواری کا حقیقی، سبب درحقیقت

ی قرآن کو ترک کر دینا ہے۔ علامہ اقبال نے جو بات جواب شکوہ میں
درجہ سادہ الفاظ میں یوں کہی تھی کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اسی بات کا علامہ مرحوم نے نہایت درد انگیز اور حسرت آمیز پیرائے
میں اپنے فارسی کلام میں اس طرح اعادہ کیا ہے ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی　　شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ　　در بغل داری کتابِ زندۂ

گویا اسی "کتابِ زندہ" سے مسلمانوں کا احیاء وابستہ ہے۔ اصلاح معاشرہ ہو، اسلامی نظام کا قیام ہو، اسلامی ممالک کی بقا اور ان کا استحکام ہو ان سب کا تعلق احیائے قرآن سے ہے۔ احیائے قرآن ہی مسلمانوں میں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت کی جوت جگائے گا۔ ان کے دلوں میں ایمان تازہ کی مشعل فروزاں کرے گا۔ اسی قرآن سے مسلمانوں کا اللہ اور اس کے رسول سے تعلق صحیح بنیادوں پہ استوار ہو گا۔ یہ کام نہیں ہو گا تو میرے نزدیک اس سلطنت خداداد پاکستان میں صحیح معنی میں اسلام کا وہ کام نہیں ہو گا جو مطلوب اور پیش نظر ہے۔ چند نمائشی اور ظاہری کام شاید ہو جائیں۔ یہی پیغام علامہ اقبال مرحوم پچاس ساٹھ سال قبل دے گئے ہیں کہ ملت کے تن مردہ میں انقلابی روح پھونکنے اور اس میں عمل کا داعیہ پیدا کرنے کے لئے آبِ حیات کا چشمہ و منبع دراصل قرآن ہی ہے۔

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات　　در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد ما را پیامِ لاتخف　　می رساند بر مقامِ لاتخف
گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام　　شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ ام
فکرِ من گردوں مسیر از فیضِ اوست　　جوئے ساحل ناپذیر از فیضِ اوست
پس بگیر از بادۂ من یک دو جام　　تا درخشی مثلِ تیغِ بے نیام

ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اُوست اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست
چوں گہر در رشتۂ اُو سفتہ شو! ورنہ مانند غبار آشفتہ شو!

انقلابی نظریہ اور اس کے مطابق تربیت کے ساتھ ساتھ تنظیم کا مرحلہ
ہے - چونکہ تنظیم کے بغیر انقلابی جدوجہد تو دور کی بات ہے کوئی اصلاحی
ی فلاحی، تعلیمی اور سماجی نوع کے اجتماعی کام بھی انجام نہیں پا سکتے -
لئے اسلامی انقلابی جماعت کو قرآن نے حزب اللہ قرار دیا ہے - اور
کے لئے "اُمت" کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے - حزب (PARTY)
اعلیٰ مقصد کی انجام دہی کے لئے وجود میں آتی ہے - اسی طرح اُمت
بقی مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ کسی امرِ جامع، کسی قدرِ مشترک، کسی نظریہ
(IDEOLOGY) کو قبول کر لیں تو اُن افراد کا مجموعہ "اُمت" قرار پائیگا۔
سبب ہے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کے لئے لفظ
م" استعمال نہیں کیا اور نہ حدیث میں یہ لفظ استعمال ہوا - وجہ یہ ہے
دنیا میں ہمیشہ سے قومیت کا تصور یہ چلا آرہا ہے کہ وہ یا نسل کی بنیاد
ی ہے یا علاقہ، ملک، وطن اور زبان کی بنیاد پر - یہ تصور ہمارے دین
تصورات سے بالکل متضاد اور متناقض ہے - اسلام کا اصل الاصول
ت ہے - ہر مسلمان ایک دوسرے کا بھائی ہے خواہ وہ مشرق کا رہنے
ہو، خواہ مغرب کا - خواہ وہ گورا ہو خواہ کالا - وہ چاہے کسی نسل، کسی
اور کسی ملک کا رہنے والا ہو - چاہے وہ کوئی زبان بولتا ہو - چنانچہ
ۂ حجرات میں فرمایا: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ - "بالیقین تمام
ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں -" اس اصل الاصول کی بھی علامہ
ل نے خوب خوب ترجمانی کی ہے - ان کی ترانۂ ملّی کے نام سے بڑی
ہور نظم ہے - جس کا پہلا شعر ہے: -

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

نگ درا میں ان کی "طلوعِ اسلام" کے عنوان سے ایک طویل نظم ہے -

نظم کو علامہ کی اُردو مِلّی شاعری کے نہایت بلیغ و فصیح "خلاصے" کا مقام دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ علامہ فرماتے ہیں۔ ؎

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مُسلمانی
اخوّت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی
میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی
گمان آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی!
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ!
ہوئے احرارِ ملّت جادہ پیما کس تجمل سے
تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی!
ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دُنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی!
جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

بانگِ درا ہی میں "وطنیت" کے عنوان سے علامہ نے وطنی قومیت کی نفی میں جو معرکۃ الآراء نظم کہی ہے، بے اختیار اس کا ایک بند یاد آرہا ہے، وہ بھی سن لیجئے ؎

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے — غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

بات چلی ہے تو علامہ کے فارسی کلام سے بھی دو شعر پیش کرتا ہوں ؎

کل مومن اخوۃ اندر دلش　　حریت سرمایۂ آب و گلش

ناشکیب امتیازات آمدہ　　در نہاد او مساوات آمدہ

یہ تمام معروضات میں نے اس لئے پیش کی ہیں کہ قرآن کے انقلابی فکر اور نظریے سے چہار دانگ عالم کو روشناس اور واقف کرانے اور اسلامی انقلاب کے لئے جماعت، تنظیم اور حزب (پارٹی) کا وجود و قیام لابدمنہ ہے۔ لازم ہے، واجب ہے۔ جماعت کے بغیر کوئی اجتماعی کام انجام دینا بھی محال ہے تو اس کے بغیر اسلامی و قرآنی انقلاب کا فریضہ کیسے انجام دیا جا سکتا ہے!! پھر جماعت و تنظیم بھی انجمن اور اداروں کی طرز کی ڈھیلی ڈھالی مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ وہ جماعت درکار ہے جس کی تعلیم ملتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تاکیدی فرمان میں کہ:

اٰمرکم بخمسٍ بالجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجہاد فی سبیل اللہ ـ

قرآن مجید اور دین کی مجموعی تعلیمات سے لزوم جماعت کے لئے متعدد استشہاد پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن میں دو آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ میں واضح طور پر فرمایا کہ اے اہل ایمان! ہم نے تم کو ایک بہترین امت بنایا ہی اس مقصد کے لئے ہے۔ نوع انسانی کے لئے برپا ہی اس کے لئے کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو، برائیوں سے روکو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھو"! گویا امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس امت کا منشور (Manifesto) ہے۔ اس کام کی انجام دہی اس کا فرض منصبی ہے، دنیا میں ان الحکم الا للہ، کا عملی مظاہرہ ہی امت کو کرنا ہے چونکہ اقتدار و قوت نافذہ کے بغیر نیکیوں کا بول بالا اور بدیوں کا استیصال اور قلع قمع ممکن نہیں۔ فرمایا:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

اسی کی ترجمانی علامہ نے شکوہ میں یوں کی ہے۔ ؎

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے | نوعِ انسانی کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے | تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

اور ایک اگلے بند کے آخری شعر میں کہتے ہیں ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

ان اشعار میں ـــ اصل میں تو متقدمین کا تذکرہ ہے اس بند میں ان کے کارناموں کو بطور تلمیح بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارا جو حال ہے، اس کا نقشہ دیکھنا ہو تو علامہ کا جواب شکوہ پڑھیئے۔

اگر اُمت بحیثیت اُمت اپنے فرض منصبی کی انجام دہی سے غافل ہو جائے تو کیا کیا جائے ـــ! اس کا حل بھی سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں بیان فرما دیا گیا کہ: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ اس آیت کے آخر میں حصر کا اسلوب ہے یعنی حقیقی فلاح پانے والے اس گروہ، جماعت، تنظیم کے لوگ ہوں گے جن کا مقصدِ حیات ہی دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو گا۔

میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ قرآنی انقلاب اور اصلاح معاشرہ کا انقلابی پہلو واضح طور پر آپ کے سامنے بیان کر دوں۔ ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ انقلابِ محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے تین مراحل ہیں جو ہر انقلابی جدوجہد کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں ـــ ایک مرحلہ انقلابی نظریہ و فکر ـــ اس کے لئے ہمارے پاس قرآن مجید ہے ـــ دوسرا مرحلہ تربیت ـــ اس کے لئے اسلام نے ہمیں عبادات اور اخلاقیات و معاملات کا ایک مکمل نظام اور نصاب دیا ہے۔ تیسرا مرحلہ ہے اس انقلابی نظریہ کے

مطابق جدوجہد کے لئے تنظیم - اس کے لئے یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ یہ تنظیم
خالصتاً اسلامی اصولوں کے مطابق سمع وطاعت (DISCIPLINE)
والی تنظیم ہو - کہ سنو اور اطاعت کرو -

اس سے آگے کے تین تکمیلی مراحل ہیں - اُن کا جامع عنوان ہوگا -
"تصادم اور کشمکش" یا "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" - تنظیم کا مرحلہ پہلے
دو مرحلوں سے بھی مربوط ہے اور ان تکمیلی تین مراحل سے بھی - ان تکمیلی
مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے صبر و مصابرت اور ثبات و استقامت کا -
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا -

ہر انقلابی فکر و نظریہ اور دعوت کو قائم اور رائج الوقت کے جابرانہ
اور استحصالی نظام کے طنز و استہزا، جور و ستم اور ظلم و عدوان کا بتدریج
نشانہ بننا پڑتا ہے - اس مرحلے کے لئے ہدایت یہ ہوتی ہے کہ کُفُّوْا
اَیْدِیَکُمْ - اپنے ہاتھ بندھے رکھو - ماریں کھاؤ - ظلم کی چکی میں پستے
ہو لیکن جوابی کارروائی نہیں کر سکتے - ہاتھ نہیں اُٹھا سکتے - اس طرح
ایک طرف تو اس انقلابی جماعت کی تربیت اور آزمائش ہوتی ہے -
دوسری طرف عامۃ الناس کے دل اس دعوت کی طرف ملتفت ہونے
لگتے ہیں یہ دعوت ان کی ہمدردیاں غیر محسوس طریق پر حاصل کرتی رہتی ہے -
اس کو میں Active Resistance سے تعبیر کیا کرتا ہوں - دوسرا مرحلہ وہ
ہوتا ہے جب اس انقلابی جماعت کو قوت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ جوابی
کارروائی کرنے کی پوزیشن میں آجاتی ہے تو یہ جماعت رائج نظام کی کسی
دُکھتی رگ کو چھیڑتی ہے - اس عمل کو میں Active Resistance
سے تعبیر کرتا ہوں - تیسرا اور آخری مرحلہ ہوتا ہے مسلح تصادم
(Armed conflict) کا - یہی وہ مرحلہ ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ
بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ؕ

جس کو علامہ اقبال نے یوں تعبیر کیا کہ :

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

میں نے کتاب و سنّت کا جو تھوڑا بہت مطالعہ اور اس میں غور و فکر کیا ہے تو اسی کے نتیجے میں مَیں ۱۹۶۶ء ہی میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ ان فرائض دینی یعنی تکبیر ربّ، اقامتِ دین، اظہار دین الحق علی الدّین کلّہ کیلئے جو جماعت بنے گی، اس کی اساس بیعت پر ہو گی - چنانچہ مجھ سے یہ "جرم" سرزد ہوا ہے کہ میں نے جو جماعت تنظیم اسلامی کے نام سے قائم کی ہے اس کی بنیاد بیعت پر رکھی ہے - میں ہر وقت اور ہر اس شخص سے تبادلۂ خیال اور افہام و تفہیم کے لئے تیار ہوں جو کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت کر دے کہ اس مقصد کے لئے بیعت کے علاوہ بھی کسی دوسرے طریقہ کار کے لئے قرآن و حدیث سے رہنمائی ملتی ہے - میں نے اپنی فہم کے مطابق طریق بیعت اختیار کیا ہے تو اُسے میں پورے شرح صدر کے ساتھ کتاب و سُنت سے ماخوذ ہی نہیں بلکہ عین اس کے مطابق یعنی مسنون سمجھتا ہوں اور اسی پر جازم ہوں -

میں ان تکمیلی مراحل کے اس اجمال پر اکتفا کرتے ہوئے آج کی اس طویل تقریر کے خلاصے پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ انقلابی دعوت اسی قرآن کی بنیاد پر اٹھے - اسی قرآن کے ذریعہ سے تزکیہ و تربیت ہو - اسی قرآن کی تعلیم، حکمت بھی اسی کا ایک جزو ہے، کا صحیح مؤثر انتظام ہو - یہ ہیں درحقیقت اس انقلاب کے ناگزیر لوازم جن کو اسلامی انقلاب کہا جاتا ہے جن کے بغیر نہ انقلاب اسلامی آئے گا اور نہ ہی اصلاح معاشرہ کی کوئی تحریک کامیاب ہو گی - تمام کوششیں ٹھٹھر کر رہ جائیں گی - وہ اپنے ماحول سے غذا ہی نہیں پائیں گی - اور حال یہ ہو گا کہ

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی و لکم و لسائر المسلمین والمسلمات -

امپورٹ ۔ ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ
رینبو انٹرنیشنل

تعلیم و تربیت کے اصول

مولانا سید وصی مظہر ندوی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کے معلم اور مربی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرتؐ کے اس منصب کو بار بار واضح کرکے بیان کیا گیا ہے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیۂ نفس (یعنی تربیت) آپؐ کی بعثت کے مقاصد اوّلین میں ہیں۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

"وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے اُٹھایا۔ جو اس کی آیات ان کو پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر اپنی اس حیثیت کا خاص طور پر اعلان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا، بعثت معلما۔ مجھے معلّم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ تم پروانوں کی طرح برائی کی آگ میں جلنا چاہتے ہو اور میں تم کو اس آگ سے پکڑ پکڑ کر نکالتا ہوں۔

تعلیم و تربیت کا یہ فریضہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خوبی سے انجام دیا، اس کا اجمالی اندازہ تو اسی بات سے ہو جاتا ہے کہ ۲۳ سال کی مختصر

مدت میں تعلیم و تربیت اور وسائل نشر و اشاعت کے فقدان کے باوجود آپؐ جہالت کی تاریکی میں سب سے زیادہ ڈوبی ہوئی قوم کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

چوری اور لوٹ مار کے عادی دوسرے کے مال سے معمولی سا ناجائز اُٹھانے کے روادار بھی نہ رہے۔ زنا اور بدکاری کے مجرم عصمتوں کے نگہبان بن گئے۔ قتل و غارت گری کے خوگر امن و امان کے داعی بن گئے اور شیشہ و سا کے متوالے تحریک امتناع شراب کے علمبردار قرار پائے۔ اس اخلاقی انقلاب کے ساتھ ہی وہ تعلیمی انقلاب بھی برپا ہوا کہ عرب کے وہ بدو جو قرآن مجید پہلے عربی زبان میں کسی کتاب سے ناآشنا تھے، وہ روم، یونان اور ہند ایران کے علمی ورثے کے نہ صرف محافظ بلکہ نشو ونما اور ترویج و ارتقاء کا ذر بن گئے۔

اس کی وجہ دراصل اس نبیؐ اُمی کی وہ تعلیم تھی جس کا آغاز:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔

"پڑھو (اے نبی!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو۔ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔

پھر حضورؐ نے ہمیشہ علم اور طالبانِ علم کی عظمت کو مختلف طرح سے ان کے ذہن نشین کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ "صاحبِ علم کو عبادت گزار پر اتنی فضیلت حاصل ہے جتنی مجھ کو تم میں سے کسی معمولی فرد پر حاصل ہے۔ طلب علم کی فضیلت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ " طالبانِ علم کے لیے فرشتے اپنے بال و پر فرش را کرتے ہیں۔" طلب علم کو مہد سے لحد تک جاری رکھنے کی تلقین فرمائی اور فرمادیا طلب علم مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔

آپؐ کی نگاہ میں تعلیم کی اہمیت کیا تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے۔ بدر میں گرفتار کیے جانے والے بعض کفار قیدیوں کی رہائی کے لیے آپؐ نے ۱۰۔۱۰ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادینے والے کو ان کا فدیہ قرار دیا

[illegible]

را قرآن مجید کو سب سے زیادہ اولیت دی۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ان ہمہ جہتی مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ
وم کہ ایک وقت میں جس کے سب سے زیادہ متمدن قبیلے قریش کے صرف ۱۷
راد معمولی پڑھنا لکھنا جانتے تھے، وہ بہت جلد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت
ی زمام کار پوری طرح سنبھالنے کے قابل ہوگئی اور قوم میں تعلیم کا اتنا چرچا ہوگیا
ہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صرف دمشق کی مسجد کے اندر بیک وقت ۱۴۰۰
و طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے قول و عمل سے تعلیم و تربیت
ے جو زریں اصول سکھائے ہیں، اگر ان کو محنت کے ساتھ جمع کیا جائے تو وہ
ور حاضر میں ہمارے لیے تعلیم و تربیت کا بہترین لائحہ عمل بن سکتے ہیں۔ اس
ضمون میں اسی طرح کے چند اصول جمع کیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ اہل تحقیق
ے لیے یہ مختصر اصول تحقیق و جستجو کے لیے محرک ثابت ہوں گے۔

۱) متعلم کی توجّہ کو مرکوز کرنا

تعلیم میں کامیابی کی پہلی شرط یہ ہے کہ
استاد شاگردوں کی توجہ کو مرکوز
کرنے میں کامیابی حاصل کرے۔ تاکہ وہ استاد کی بات دلچسپی کے ساتھ
سنیں اور اس طرح ان کے ذہن و دماغ میں مطلوب تعلیم کا نقش ثبت
ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم متعلّمین سے سوال کرکے
ن کو جواب معلوم کرنے کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ آپ نے حجۃ الوداع کی تقریر
یں سامعین سے دریافت کیا، یہ کونسا شہر ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے، یہ
دن سا دن ہے؟ —— مزید متوجّہ کرنا مقصود ہوتا تو سوال کرکے کچھ دیر سکوت
رماتے تھے تاکہ جواب سننے کا اشتیاق بڑھ جائے۔ مثلاً حجۃ الوداع کی
سی تقریر میں آپ ہر سوال کے بعد سکوت فرماتے یہاں تک کہ سامعین کو
یال گزرتا تھا کہ شاید حضور شہر، مہینہ اور دن کا معروف نام تبدیل کرکے
وئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے۔
سوال کے اسلوب کو اور زیادہ مؤثر بنانے کے لیے بعض دفعہ آپؐ
وئی ایسا سوال کرتے جس کا جواب ہر شخص دے سکتا لیکن آپؐ اس معروف جواب

کے بجائے سوال کا جواب دیتے ہوئے کسی ایسی حقیقت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔
مثلاً ایک بار آپ نے دریافت فرمایا اتدرون من المفلس؟ کیا تم کو معلوم ہے کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے جواب دیا، یارسول اللہؐ، ہم اسے مفلس کہتے ہیں جو درہم دینار سے تہی دست ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس انسان وہ ہے جس نے دنیا میں نیکیاں تو بہت کی ہوں گی لیکن لوگوں کے حقوق بھی خوب مارے ہوں گے تو قیامت کے دن اس کی ساری نیکیاں اس سے لے کر ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جن کے حقوق اس نے تلف کیے تھے اور اگر اس طرح بھی حساب برابر نہ ہوا تو ان لوگوں کے گناہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔

تعلیم کی طرف ذہن کو متوجہ کرنے کے لیے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصل مقصود کے اظہار سے قبل کوئی نہایت چونکا دینے والی بات فرماتے۔ تاکہ سامعین پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔ مثلاً ایک بار آپؐ نے فرمایا" اس شخص کے لیے تباہی ہو۔ اس شخص کے لیے تباہی ہو۔ اس شخص کے لیے تباہی ہو" اصحاب نے دریافت کیا، وہ کون بدبخت ہے جس کے بارے میں حضور یہ کلمات ارشاد فرما رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بوڑھے ماں باپ کی خدمت نہ کرنے والے کے لیے۔

عملی مظاہرہ

کسی حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے استاد کو متعلمین کے سامنے عملی مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے۔
چنانچہ حضورؐ نے بھی اپنی تعلیم کا بیشتر حصہ عملی مظاہرہ کے ذریعہ عام فرمایا۔
مثلاً ایک شخص نے حضورؐ سے نماز کے اوقات دریافت کیے۔ آپؐ نے اس کو اپنے پاس دو دن تک روک لیا۔ پہلے دن آپ نے پانچوں نمازیں نہایت اول وقت میں ادا کیں اور دوسرے دن ساری نمازیں آخری وقت میں ادا کیں اور پھر سائل سے کہا کہ نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے۔"
اسی طرح آپؐ نماز کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ جس طرح تم مجھ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو۔
حج کے لیے آپؐ نے فرمایا: خذوا عنی مناسککم۔

حج کے مناسک تم مجھ سے عملاً حاصل کرلو۔" بعض وقت کسی علمی نکتہ کو سمجھانے کے لیے اس کو مخصوص شکل میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر فرمارہے تھے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔

"اور اے بندو، یہ ہے میرا راستہ سیدھا۔ تو اس راستہ کی پیروی کرو۔ دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ راہیں تم کو میری راہِ راست سے دُور کردیں گی۔"

تو آپؐ نے اسلام کی صراطِ مستقیم کو باطل کی منتشر راہوں میں سے ممتاز کرنے کے لیے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے متصل بہت سی لکیریں ٹیڑھی ترچھی بناکر بتایا کہ منزل تک پہنچانے والی سیدھی راہ بس یہ راہ ہے۔

اسی طرح ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بکری کے ایک مرے ہوئے بدبودار بچے کے پاس سے ہُوا تو آپؐ نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص اس مُردار کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا، ہم تو اسے مفت لینا بھی پسند نہ کریں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بھی بس اتنی ہی قدر و قیمت ہے۔

تکرار و اعادہ

بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے استاد کو تکرار اور اعادہ کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور نصائح کو بالعموم تین تین بار دہرایا کرتے تھے اور کلام کو واضح اور دلنشیں انداز میں پیش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ آپؐ کے کلام کو بالفاظہٖ یاد کرلیتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرک اور جھوٹی گواہی کی بُرائی کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس جملے کا بار بار دیر تک اعادہ کرتے رہے" بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔"

تشبیہات کا استعمال متعلم کے ذہن میں کسی حقیقت کو جاگزیں کے لیے تشبیہات کی ضرورت مسلّم ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اسی وجہ سے تمثیل اور تشبیہ کا کثرت استعمال ملتا ہے۔ مثلاً آپؐ نے ایک بار دریافت کیا کہ "اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے دریا رواں ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر پھر بھی میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ آپؐ نے فرمایا پانچ وقت کی نمازوں کی یہی مثال ہے۔ ان نمازوں سے اللہ تو اسی طرح گناہوں کو مٹاتا رہتا ہے۔

اسی طرح ایک بار آپؐ نے دنیا کی حقیقت ذہن نشین کراتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر میں اپنی اُنگلی ڈبوئے تو سمندر میں سے جتنا پانی اُس کی انگلی میں لگے گا، آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی بھی وہی نسبت ہے۔

سائل کے سوال کو توجّہ سے سُننا کسی شخص کو اپنی بات سمجھانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اُس کی ذہنی کیفیت کو سمجھا جائے۔ اسی غرض کے لیے معلم کو شاگرد کا سوال توجہ سے سُننا چاہیئے تاکہ ایک طرف سائل کو یہ اطمینان حاصل ہو کہ اس کی بات مکمل توجّہ سے سُنی گئی ہے۔ دوسری طرف جواب دینے والا اصل ذہنی الجھن کو سمجھ کر شافی جواب دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق صحابہؓ کا بیان یہ ہے کہ آپؐ کسی کی بات نہ کاٹتے تھے۔ جب کہنے والا اپنی بات پورے اطمینان سے کہہ لیتا تو آپؐ اس کا جواب دیتے تھے۔

سوال و جواب کے ذریعہ تعلیم تعلیم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دو اساتذہ یا مانیٹر اور استاذ باہم سوال و جواب کا سلسلہ شروع کرتے ہیں تاکہ عام طلبہ علمی مسائل کو بخوبی سمجھ لیں۔ اس طریق تعلیم کی متعدد مثالیں حضورؐ کے مدرسۂ علمی میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک بار یا ایک سے زائد بار حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں حضورؐ کی خدمت میں آگئے اور انہوں نے حضورؐ سے متعدد سوالات اس غرض سے کیے کہ صحابہ کرام ان سوالوں کے صحیح جوابات ... واقف ... ہو ... ائک

(۲)

تربیتی اصول

تعلیم سے زیادہ دشوار اور پیچیدہ مسئلہ تربیت کا ہے۔ فاسد اخلاق اور بُری عادات سے پاک کر کے اچھی سیرت اور اخلاق کو نشو و نما دینا انتہائی صبر و تحمل، خداداد حکمت و دانائی اور غیر معمولی فہم و فراست کا طلبگار ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت کے اس نازک کام کو جس طرح انجام دیا ہے۔ اس کی نظیر سے دنیا خالی ہے۔

حضورؐ کی سیرت سے خوشہ چینی کرتے ہوئے چند اصول یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) قول و عمل کی یکسانی

مربی کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ وہ قول و عمل کے تضاد سے پاک ہو اور خود اس کی سیرت بے داغ ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقاضے کو اس طرح پورا کیا کہ آپؐ نے ہر معاملے میں ہمیشہ راہ عزیمت اختیار کی۔ کبھی رخصتوں سے فائدہ نہ اٹھایا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

رات کے وقت نمازوں میں طویل قیام سے پیروں پر ورم آ جاتا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ آپؐ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معافی کا مژدہ سنا دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا خندق کی کھدائی۔ جنگل سے لکڑی لانا ہو یا لشکر کی رکھوالی کرنا۔ ہر کام میں حضورؐ خود پیش پیش ہوتے۔

مدینہ منورہ ایک زمانے میں بیرونی خطرات سے گھرا ہوا تھا۔ ہر وقت حملے کا خطرہ رہتا۔ ایک رات کو ایک طرف سے کچھ شور ہوا۔ لوگ دوڑ پڑے کہ شاید بیرونی حملہ ہو گیا۔ آواز کی سمت میں کچھ دُور چلے تو کیا دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر زین کے گھوڑے پر سوار اسی سمت سے واپس آ رہے ہیں۔ آپؐ نے انھیں لوگوں کو دیکھ کر اطمینان دلایا اور بتایا کہ میں معاملے کی خود تحقیق کر آیا ہوں۔ کوئی

خطرہ نہیں ہے۔ آپ کی ذاتی سیرت و کردار کے بارے میں قرآن کی گواہی ہے
اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ - "بے شک (اے رسول) تو عظیم اخلاق کے مرتبہ
پر فائز ہے۔"

جود و سخا، صدق و وفا، شجاعت و حمیت، اخلاق و مروت، امانت و
دیانت، عفو و حلم کا آپؐ پیکر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی آپ کے بدترین دشمنوں
کو بھی آپ کے کردار پر حرف گیری کا موقع نہ مل سکا۔

تربیت میں نفسیات کا لحاظ

مربی کے لیے دوسری ضروری بات یہ ہے کہ وہ اصلاح و تربیت کے کام
میں نفسیات کا پورا لحاظ رکھے اور بات کو ایسے انداز اور ایسے موقع پر کہے کہ وہ
سامع کے دل میں اترتی چلی جائے۔ آنحضورؐ اس کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ چند
مثالیں ملاحظہ ہوں۔

طویل خطبوں سے اجتناب

وعظ و نصیحت میں جو لوگ طویل گوئی سے اجتناب نہیں کرتے، ان کے سامع ان
سے نفور ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی طویل خطبوں سے
اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی لمبی لمبی یا موقع بے موقع نصیحتیں کرنے سے منع
کرتے تھے۔

عزتِ نفس کا خیال

جس شخص کی تربیت و اصلاح مقصود ہو اس کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا
اشد ضروری ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو ذلیل کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس میں ضد اور اپنی
غلطی پر اصرار کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ یا پھر وہ ذلت کو قبول کر کے پستی کے
اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں اسے اپنی اصلاح کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی
یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تربیت و اصلاح میں عزتِ نفس کو
مجروح کرنے سے قطعی طور پر اجتناب فرماتے تھے۔ چنانچہ کسی غلط کام کرنے والے
کو یا تو تنہائی میں نصیحت فرماتے یا عمومی اصلاح کی غرض سے اگر مجمع عام میں نصیحت
فرماتے تو کسی خاص شخص کا نام نہ لیتے بلکہ عمومی الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ مثلاً
ما بال اقوام یفعلون کذا " بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ فلاں

کام کرتے ہیں۔" یا اگر کسی شخص کا نام لے کر اس کو اس کی برائی پر ٹوکتے تھے تو پہلے اس کی خوبیاں بیان فرماتے۔ مثلاً ایک بار آپ نے ایک شخص کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: نعم الرجل خریم الاسدی۔ "خریم اسدی بہت اچھا انسان ہے کاش اس میں فلاں فلاں کمزوریاں نہ ہوتیں"

اگر حدودِ الٰہی کی خلاف ورزی کی بنا پر کسی کو کوئی سزا دی جاتی تو نہ اس آدمی سے خود نفرت کرتے اور نہ کسی اور کی جانب سے نفرت کے مظاہرے کو پسند فرماتے۔ ایک بار شراب نوشی کے جرم میں کسی شخص کو سزا دی جارہی تھی۔ ایک صحابی نے اس پر لعنت کے کلمات کہے تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے الفاظ کہہ کر اس شخص کے خلاف شیطان کے ہاتھ مضبوط نہ کرو۔ (کیونکہ اس طرح یہ شخص عزتِ نفس سے محروم ہو کر گناہوں پر شرمندہ ہونا ہی چھوڑ دے گا)۔

اس طرح ایک بار ایک عورت کو زنا کی سزا میں سنگسار کیا جارہا تھا (یہ وہی عورت ہے جس نے گناہ کا از خود اقرار اور سزا دینے کی بار بار درخواست کی تھی) تو ایک صحابی کی زبان سے اس کے بارے میں کچھ برے کلمات ادا ہوئے آپ نے فرمایا۔ یہ بات نہ کہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے ستر حکمرانوں پر تقسیم کر دیا جائے تو بھی وہ توبہ ان سب کی نجات کے لیے کافی ہو۔

اصلاح میں صبر و تحمل

اصلاح و تربیت کے لیے صبر و تحمل ناگزیر ہے اگر مربی یا مصلح غلطیوں کو دیکھ کر غصہ ہو جائے تو وہ اصلاح کرنے میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایک طبیب کو مرض کا تو دشمن ہونا چاہیئے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اسے مریض کا ہمدرد و غمگسار بھی ہونا چاہیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔ ایک بار کوئی ناواقف دیہاتی مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام ناراض ہو کر اسے ڈانٹنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا اور جب دیہاتی پیشاب کر چکا تو اسے بلا کر سمجھایا کہ یہ عبادت گاہ ہے۔ یہاں گندگی پھیلانا مناسب نہیں ہے۔ پھر صحابہ کو حکم دیا، اس پر پانی کے چند ڈول بہادیں۔

ایک بار ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت سختی بلکہ بدتہذیبی

کے ساتھ اپنے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا۔ حضرت عمرؓ غصہ ہو کر یہودی کو قتل کرنے کے لیے بڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکا اور فرمایا کہ یہ کیا نادانی ہے بہتر تو یہ تھا کہ مجھے حسنِ ادائیگی کی تلقین کرتے اور یہودی کو تقاضا کرنے کا معقول طریقہ سکھاتے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ذاتی تکلیف کی وجہ سے کسی پر غصہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت انس رضؓ جو دس سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خادم کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں، ان کا بیان ہے کہ میری بچکانہ حرکتوں اور خدمت میں کوتاہیوں کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی نہ مارا نہ ڈانٹا حتیٰ کہ میرے کسی کام پر یہ تک نہ کہا کہ انس تم نے یہ کیا کیا۔

تربیت و اصلاح کے لیے مناسب نفسیاتی لمحہ کا انتخاب

تربیت و اصلاح کے لیے اس بات کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بے موقع نصیحت فائدہ کے بجائے نقصان کا موجب ہوتی ہے اور مناسب موقع پر ذرا سی بات دل کی گہرائی میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اصول کو پوری طرح مدِنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک بار دیکھا کہ دو آدمی باہم لڑ رہے ہیں۔ آپؐ نے اپنے قریب دیگر اصحاب سے کہا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو اگر یہ دونوں آدمی پڑھ لیں تو غصہ کی کیفیت ختم ہو جائے لیکن اس لڑائی کی حالت میں آپ نے خود ان لڑنے والوں کو جا کر وہ کلمہ نہ سکھایا کیونکہ اس وقت ان کی حالت اس لائق نہ تھی کہ وہ کوئی بات سُننے کے لیے تیار ہوتے۔

اسی طرح ایک بار جبکہ ابھی شراب حرام نہ ہوئی تھی، دو ممتاز اصحاب کے درمیان شراب کے نشہ میں باہم سخت جھگڑا ہو گیا۔ حالانکہ دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہونے کے باعث ہر مسلمان باہمی اتحاد کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا تھا تو آپؐ نے اسی نفسیاتی موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○

" شیطان تو محض یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا اب تم شراب نوشی سے باز آجاؤ گے "

اس موقع پر اس آیت نے اتنا اثر کیا کہ صحابہؓ نے یک زبان ہو کر کہا، انتھینا، انتھینا، ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔

اخلاص، خیر خواہی اور ہمدردی

اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ زیر تربیت شخص آپ کے قول و عمل میں اخلاص کا رنگ، خیر خواہی کی مٹھاس اور ہمدردی کی لذت کو محسوس کرے۔ بصورت دیگر پند و نصائح کے دفتر کے جواب میں ایک ہی صدا قلب و دماغ سے ابھرتی ہوئی سنائی دے گی:

کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف " الظالم لی " " گنہگار میرا ہے" کہہ کر گناہ گاروں کو عفو و مغفرت کے گہرے سایہ میں پناہ ملنے کا آسرا مہیا فرما دیا۔ دوسری طرف غلط کاروں اور گناہ گاروں کے ساتھ آپ انتہائی شفقت اور ہمدردی کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قانون شکنی کی صورت میں آپ کسی رشتہ داری، دوستی، یا وجاہت کا لحاظ فرما کر مجرم کو سزا دینے میں کوئی نرمی برت جائیں۔

معاشرہ میں اگر قانون شکن افراد کے ساتھ بے جا رحمدلی کا برتاؤ کیا جائے تو پورے معاشرہ کا چین و اطمینان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہونے کے باوجود حدود الٰہی کے بارے میں انتہائی سخت تھے۔

ایک بار فاطمہ نامی ایک با اثر قریشی عورت نے چوری کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پیارے صحابی اسامہ رض جو آپؐ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے صاحبزادے تھے، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ان کی سفارش سُن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ بے حیثیت مجرموں کو سزا دی جاتی تھی اور با اثر لوگ سزا سے بچ جاتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اجتماعی ماحول کے ذریعہ اصلاح

عمومی اصلاح کے لیے یہ لازمی ہے کہ معاشرہ کا ماحول ایسا بنا دیا جائے جس میں برائی پنپ نہ سکے لیکن بھلائیاں نشوونما پائیں۔ اس مقصد کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم معاشرہ کے ہر فرد میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح پھونک دی اور ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ میں ذمہ دار اور جواب دہ قرار دیا۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کے حلقۂ اثر کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

آپؐ نے کلمۂ حق نہ کہنے والے کو گونگا شیطان قرار دیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دینے کی صورت میں ایسے عذاب سے خبردار کیا، جو پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی عقائد کی ہمہ گیری اور وحی الٰہی کی دستگیری کے علاوہ تعلیم و تربیت کے بہترین اصولوں سے کام لے کر اصلاح و انقلاب کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ دنیا کی تاریخ جس کی نظیر سے خالی ہے اور جس کے اثرات و نتائج قیامت تک دنیا کے ہر گوشے میں محسوس کیے جائیں گے۔

اللھم صل وسلم علیٰ نبیک ورسولک محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

(بشکریہ دفاران، کراچی)

ملک محمد اقبال واحد

ہمارا علیٰ وجہ البصیرت ایمان یہ ہے، جس ایمان کا ماخذ علم نہیں العلم ہے اور جو براہِ راست خالق کائنات کی جانب سے پوری نوعِ بشری میں سے درجہ اوّل کے قابلِ اعتماد اور حاملِ اعتماد، راست باز، راست گو، راست شعار، راست رو، بلند کردار، الصّادق، الامین، خلاصہ کائنات، فخر موجودات، دانائے حق، دانائے راز، گویا جن کی زندگیاں عظمتِ کردار کا مینار تھیں، نشانِ راہ تھیں، نشانِ منزل تھیں، مخالفین اور موافقین دونوں کے درمیان، خالقِ انس و جان، خالقِ کائنات، ماورائے کائنات کے مامورین فرستادوں نبیوں اور رسولوں کی وساطت سے ایک سے نہیں ایک لاکھ چالیس ہزار یا چوبیس ہزار سے جن کے ادوار مختلف تھے، ممالک و امصار مختلف تھے، زمان و مکان مختلف تھے، اندازِ بیان مختلف تھے، اندازِ کلام مختلف تھے، وصول و حصول ہوا ہے، کہ یہ کائنات ماورائے کائنات درمیان کائنات ہر شے مع انسان آج جس شکل و صورت میں، سیرت و صلاحیت میں، علم و عقل میں، جسم و جسد میں موجود ہے، اس ذات کے امر و حکم سے جو اپنی ذات میں آپ واجب الوجود ہے، ہمہ صفت موصوف ہے، ستودہ صفات ہے، بے مثل و بیمثال ہے، بے مثیل و بے نظیر ہے، واحد و اَحد ہے، یکتا و یگانہ ہے، ذی الطول و ذی الجلال والاکرام ہے، قادر و قدیر ہے، فاطر و بدیع ہے، حیّ و قیوم ہے، خالق و باری ہے، عدم سے وجود میں لائی ہے۔ نیست سے ہست میں لائی ہے، نابود سے بود میں لائی ہے۔ کسی بندر کسی گوریلے کسی شمپانزی سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ مخلوق بذاتِ خود اوّل روز سے مخلوق ہے اور تمام مخلوقات سے ممتاز ہے، ممیز ہے، برتر ہے، بلند تر ہے، بالا ہے، بالاتر ہے، افضل ہے، اعلیٰ ہے، احسن الخلق ہے، احسن الخُلق ہے، احسن التقویم ہے۔ پوری کائنات کی ہر شے اس کی خدمت گزاری کے لئے ہے۔ اور یہ اپنے اختیار تمیزی کی بنا پر اپنے خالق کی مشیئت کو پورا کرنے کی مکلف ہے۔

دوسری بات جس پہ ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ وہ ذات بزرگ و برتر جو کائنات کو اور اس کائنات کے سربراہ انسان کو عدم سے وجود میں لائی ہے۔ عدم سے وجود میں لانے کے بعد معطل ہو کر نہیں رہ گئی ہے۔ فارغ ہو کر نہیں بیٹھ گئی ہے۔ وہ ذات کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ہے۔ وہ ذات اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے۔ وہ علیم ہے، خبیر ہے، بصیر ہے، حیّ ہے، قیّوم ہے۔ پوری کی پوری کائنات ہر شے ذی روح یا غیر ذی روح کا ایک ایک وجود، ذرّوں کا ایک ایک ذرّہ، قطروں کا ایک ایک قطرہ، پتھروں کا ایک ایک ریزہ، درختوں کا ایک ایک پتہ، ایک ایک جاندار اور ایک ایک بے جان، اپنے اپنے وجود، اپنے وظائفِ طبعی، اپنے وظائفِ نوعی کے ساتھ اپنے جذبات، اپنے میلانات، اپنے کردار، اپنی رفتار، اپنی گفتار، اپنے ہر سکون، اپنی ہر حرکت، اپنی ہر کوشش، اپنی ہر کاوش، اپنی ہر سعی، اپنی ہر جہد، اپنی ہر طلب، اپنی ہر خواہش، اپنے ہر حال میں، اپنے ہر قال میں، اپنے ہر کام میں، اپنے ہر انجام میں، اپنے ہر دن اور اپنی ہر رات میں، اپنی مہد سے لے کر لحد تک اور لحد سے لے کر قیامت تک، اپنی بقا سے لے کر فنا تک، اس بصیر خبیر علیم کی نگاہ کی زد میں ہے۔ جو اس کائنات کا خالق ہے، مالک ہے، پروردگار ہے اور ایسے ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے کھلا ہاتھ ہوتا ہے۔ گویا کائنات کی ہر شے اس کے سامنے کفِ دست کی مانند ہے۔ کائنات کی ہر شے میں انسان کے وجودِ ظاہری اور باطنی میں ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر ثانیہ جو تغیرات ہو رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کے علم و آگہی میں نہ ہو، اس کا علم ناپیدا کنار، اس کی قدرت حدود فراموش، اس کی ذات بے نہایت، اس کی صفات لامحدود، ازلی، ابدی، لافانی، باقی ہمیشہ کے لئے بقا آشنا۔

تیسری بات جس پہ ہمارا ایمان ہے۔ کہ اس ذاتِ عالی کی منجملہ صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، کوئی ساجھی نہیں ہے، کوئی ساتھی نہیں ہے، کوئی نصیر نہیں ہے، کوئی ظہیر نہیں ہے، کوئی مددگار نہیں ہے، کوئی رستگار نہیں ہے، کوئی ولی نہیں ہے، کوئی والی نہیں ہے، کوئی کفو نہیں ہے، کوئی ضد نہیں ہے، کوئی ند نہیں ہے۔ نہ کوئی رسول، نہ کوئی نبی، نہ کوئی صدیق، نہ کوئی شہید، نہ کوئی صالح، نہ کوئی مومن نہ کوئی جن نہ کوئی فرشتہ۔

چوتھی بات جس پہ ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ مالک وہ ہے، خالق وہ ہے اگر

وہ ہے، حاکم وہ ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کی ملکیت ہے۔ انسان محض امین ہے اور وہ بھی وقت موقت کے لئے جس کے بعد اسے امانت دینے والے کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ حکم اس کا حکم ہے، قانون اس کا قانون ہے، دستور اس کا دستور ہے، نظامِ زندگی، ضابطۂ حیات، طرزِ عمل وفکر کا شارح اس ذات کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو اس حق کا اقرار کرتا ہے، تصدیق کرتا ہے، تعمیل کرتا ہے وہ مومن ہے مسلم ہے۔ جو انکار کرتا ہے وہ کافر ہے، منکر ہے۔ کسی فرد کو کسی ذات کو کسی مجموعہ افراد کو کسی مجازی حاکمیت کو کسی مجازی بالادستی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ خدا کے بندوں پر اپنا حکم چلائے۔ ان کو اپنے قانون، اپنے دستور، اپنے نظامِ زندگی کا پابند بنائے، ان کو اپنا بندہ جانے اور سمجھے تا بہ دیگراں چہ رسد، رسول اور نبی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا جبکہ رسول اور نبی تو آتے ہی اس لئے ہیں اور آئے ہی اس لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے ان حقوق کو بحال کریں۔ جو صدیوں سے جباروں، قہاروں، ظالموں، فرعونوں قارونوں، نمرودوں، شدادوں، طالع آزما حکمرانوں، بندگانِ درہم و دینار کے استحصال اور استیصال کی زد میں تھے۔

پانچویں بات جس پر ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ انسانی راہِ عمل کے لئے طرزِ فکر وکردار کے لئے اس کے مالک کی جانب سے جو ہدایت نامے کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں اس کے پاک باز، پاک نہاد، پاک سیرت، پاک صورت، پاک کردار بندوں انبیاء و رسل کے ذریعے آئے۔ وہ انسانی زندگی کی فوز و فلاح، دنیا و آخرت کے لئے ابتدائی، آخری، قطعی اور لازمی دستور العمل ہیں۔ جن میں سے پہلی تین کتابیں تو محرف ہو چکی ہیں۔ جن پر اجمالی ایمان کافی ہے لیکن جہاں تک خالقِ کائنات کی آخری کتاب القرآن الحکیم کا تعلق ہے۔ وہ خالق کائنات کے تحفظ میں ہے۔ اس کے بارے میں تحریف کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ کتاب محض کتاب ہی نہیں ہے "الکتاب" ہے۔ جو براہِ راست صحیفۂ خداوندی ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام تر گوشوں کے قریب تر گوشوں، بعید تر گوشوں شعبوں کے لئے اپنی ہدایات و تعلیمات میں ایک کامل اور مکمل نظامِ زندگی کی حامل ہے۔ وہ ایک ایسا "الحق" ہے کہ اس سے باہر کسی حق کا تصور تک کرنا محال ہے۔ وہ اس قدر جامع ہے کہ اپنی جامعیت میں پوری نوع انسانی کی زندگی خواہ اس کا تعلق انفراد سے

ہو یا اجتماعی سے زندگی کی شبِ تیرہ و تار میں وہ مشعلِ راہ ہے کہ اس کے بعد اگر اور کوئی مشعلِ راہ ہے تو وہ محض ظلمت کی ہے۔ راہ کو مزید ظلمت بدوش کر رہی ہے۔

آخری بات جس پہ ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا، یہ کارو بارِ دنیا و آخرت اپنی تمام تر دل فریبیوں، دلکشیوں کے ساتھ محض ایک وقتِ موقت، ایک وقتِ مقرر ایک وقتِ متعین کے لئے ہے۔ انسان عرصۂ امتحان میں ہے۔ عرصۂ محشر میں ہے۔ مرحلۂ آزمائش و ابتلاء میں ہے۔ کائنات فانی ہے۔ آخرت باقی ہے۔ زندگی کو موت نہیں ہے۔ حیاتِ جاوید تخلیقِ ثانی کی شکل میں عنقریب ہے۔ حساب ہے۔ احتساب ہے۔ محاسبہ اعمال قطعی ہے اور محاسبہ اعمال کے نتیجہ میں پاداشِ عمل ضرور ہے۔ جس کی دو شکلیں ہیں۔ ایمان اور حسن کردار کے نتیجہ میں مقامِ ابدی و سرمدی، عدم ایمان اور اعمال سوء کے نتیجہ میں مقام ابدی اور لازمی جان سوز اور روح سوز۔

اظہارِ حق

قادیانیت: اپنے لٹریچر کے آئینے میں

از: قاری نصیر احمد غزنوی ——— قسط: ۴

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے مبعوث ہونے کی وجہ اور وقت

مرزا صاحب اور انگریزی سلطنت

اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ -

اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۱۲۷۴ ہیں اور ۱۲۷۴ کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۱۸۵۷ء ہوتا ہے سو درحقیقت ضعفِ اسلام کا ابتدائی زمانہ یہی ۱۸۵۷ء ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھا لیا جائے گا۔ سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ہو گئی تھی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا۔ انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک خوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ ایسا مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لیے شرعاً جائز نہ تھا۔ اس گورنمنٹ کے مقابلے پر سر اٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیرِ سایہ امن و آزادی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام ہے۔ اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ جب ہم ۱۸۵۷ء کی سوانح دیکھتے ہیں اور اس زمانے کے مولویوں کے فتوے پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر مہریں لگادی تھیں جو انگریزوں کو قتل کر دینا چاہئے تھے تو ہم بحرِ ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور

حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔
بلاشبہ ہم یہ داغ مسلمانوں خاص کر اپنے مولویوں کی پیشانی سے دھو نہیں سکتے۔ اس
میں بلاشبہ کتابِ الٰہی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے
کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست
کرسکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر نیک اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطری سعادت اور نیک
روشنی کی مزاحم ہو رہی ہیں۔ انہی معنوں سے کہا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن
آسمان پر اٹھالیا جائے گا۔ پھر انہی حدیثوں میں لکھا ہے کہ پھر دوبارہ قرآن کو زمین
پر لانے والا ایک مردِ فارسی الاصل ہو گا۔

(ازالۂ اوہام صـ ۴۸۹، صـ ۴۲۴، صـ ۴۹۰، صـ ۴۲۸، صـ ۴۹۲، صـ ۴۲۷، صـ ۴۹۳)

نوٹ (وہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب ہیں۔ جو اسی غرض سے مبعوث ہوئے
ہیں۔) (ن ا)

محسن اور مربی گورنمنٹ

۱۸۵۷ء میں مفسدہ پرداز لوگوں کی حرکت کو خدا نے پسند نہیں کیا اور آخر طرح طرح
کے عذابوں میں وہ مبتلا ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنی محسن اور مربی گورنمنٹ کا
مقابلہ کیا۔

مرزا صاحب کے خدائی اصول

خدا تعالیٰ نے مجھے اس اصول پر قائم کیا ہے کہ محسن گورنمنٹ
کی جیسا کہ یہ گورنمنٹ برطانیہ ہے سچی اطاعت کی جائے اور سچی شکر گذاری کی جائے۔
سو میں اور میری جماعت اس اصول کے پابند ہیں، چنانچہ میں نے اس مسئلہ پر
عملدرآمد کرانے کے لیے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کیں۔
اور ان میں تفصیل سے لکھا کہ کیوں کر مسلمانانِ برٹش انڈیا اس گورنمنٹ برطانیہ
کے نیچے آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ (تحفۂ قیصریہ صـ ۱۲ و صـ ۲۶۴/۱۲)

میری نظیر

پس اس گورنمنٹ کی خیر خواہی اور مدد میں کوئی دوسرا
شخص میری نظیر اور مثیل نہیں۔ اور عنقریب یہ گورنمنٹ

جان لے گی اگر مردم شناسی کا اس میں مادہ ہے۔ (نورالحق۔ حصہ اول ص ۴۵ ص ۳۳ (ترجمہ)

میرے باپ دادوں

گورنمنٹ برطانیہ مجھے اور میرے باپ دادوں کو خوب پہچانتی ہے اور میری راہ اور میرے مدعا کو دیکھ رہی ہے اور میرے اصل اور سرچشمہ کو خوب جانتی ہے۔
(نورالحق۔ حصہ اول۔ ص ۳۵ ص ۲۶)

دربار گورنری

میرے والد مرزا غلام مرتضٰے صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیرخواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جوان جنگجو بہم پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ کو مدد دی تھی۔ (تحفۂ قیصریہ۔ ص ۲۷ ص ۱۸)

نیا فرقہ

بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ

(امید رکھتا ہوں کہ اس درخواست کو جو میرے اور میری جماعت کے حالات پر مشتمل ہے غور اور توجہ سے پڑھا جائے۔)

چونکہ مسلمانوں کا ایک نیا فرقہ جس کا پیشوا اور امام اور پیر یہ راقم ہے۔ میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدیدہ اور نیز اپنے تمام حالات سے جو اس فرقہ کا پیشوا ہوں، حضور لفٹیننٹ گورنر بہادر کو آگاہ کروں اور یہ ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ ہر ایک فرقہ جو ایک نئی صورت سے پیدا ہوتا ہے، گورنمنٹ کو حاجت پڑتی ہے کہ اس کے اندرونی حالات دریافت کرے اور بسا اوقات ایسے نئے فرقہ کے دشمن اور خودغرض جن کی عداوت اور مخالفت ہر ایک نئے فرقہ کے لیے ضروری ہے گورنمنٹ میں خلاف واقعہ خبریں پہنچاتے ہیں اور مفتریانہ مخبریوں سے گورنمنٹ کو پریشانی میں ڈالتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے میں یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میں ایک ایسے خاندان میں سے ہوں،

جس کی نسبت گورنمنٹ نے ایک مدت دراز سے قبول کیا ہوا ہے کہ وہ خاندان اوّل درجہ پر سرکار دولت مدار انگریزی کا خیر خواہ ہے۔

(۲) دوسرا امر قابل گذارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول رہا ہوں کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کو رد کروں۔

(درخواست کتاب البریہ۔ صد ۳۴۷، صدا، صد ۳۳۸، صد ۳۳۹ (اجمالاً)

(۳) مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اوّل درجہ کا وفادار اور جاں نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لیے خطرناک نہیں۔ (درخواست کتاب البریہ۔ صد ۳۴۳، صد)

خود کاشتہ پودہ

(۴) التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گذار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے۔ لہذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدمات گذشتہ کے لحاظ سے سرکار دولت مدار کی پوری عنایات اور خصوصیت توجہ کی درخواست کریں تا ہر ایک شخص بے وجہ ہماری آبرو ریزی کے لیے دلیری نہ کر سکے۔ اب کسی قدر اپنی جماعت کے نام ذیل میں لکھتا ہوں۔

(۳۱۶۔ آدمیوں کے نام لکھے ہیں) ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء (درخواست کتاب البریہ صد ۳۵۰)

(۵) میری جماعت جیساکہ مَیں آگے بیان کروں گا، جاہلوں وحشیوں کی جماعت نہیں ہے بلکہ اکثر ان میں سے اعلیٰ درجہ تعلیم یافتہ اور علوم مروّجہ کے حاصل کرنے والے اور سرکاری معزز عہدوں پر فائز ہیں۔ (درخواست کتاب البریہ ص۳۴۵)

مسیح موعود کا مقصود

مَیں خدا سے پاک الہام پاکر یہ چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے اخلاق اچھے ہو جائیں اور وحشیانہ عادتیں دُور ہو جائیں اور یہ اپنی اس گورنمنٹ کی ایسی اطاعت کریں کہ دوسروں کے لیے نمونہ بن جائیں اور یہ ایسے ہو جائیں کہ کوئی بھی فساد کی رگ ان میں باقی نہ رہے۔ چنانچہ کسی قدر یہ مقصود مجھے حاصل بھی ہو گیا ہے اور مَیں دیکھتا ہوں کہ دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو میری ان پاک تعلیموں کے دل سے پابند ہیں اور یہ نیا فرقہ مگر گورنمنٹ کے لیے نہایت مبارک فرقہ برٹش انڈیا میں زور سے ترقی کر رہا ہے۔ اگر مسلمان ان تعلیموں کے پابند ہو جائیں تو مَیں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ فرشتہ بن جائیں۔ اور اگر وہ اس گورنمنٹ کی سب قوموں سے بڑھ کر خیر خواہ ہو جائیں تو تمام قوموں سے زیادہ خوش قسمت ہو جائیں۔ اگر وہ مجھے قبول کرلیں اور مخالفت نہ کریں تو یہ سب کچھ انہیں حاصل ہو گا۔ مگر مَیں نہیں کہتا کہ گورنمنٹ عالیہ جبراً ان کو میری جماعت میں داخل کرے۔ (ضمیمہ نمبر ۳ منسلکہ کتاب تریاق القلوب۔ ص ۴۹۲/۳۶۴، ص ۴۹۳/۳۶۵)

اولی الامر

میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔ (ضرورت الامام ص۹۳ھ ص۲۳)

ہم میں سے ہے

اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزماں ہے اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔

(ضرورت الامام ص۹۳ھ ص۲۳)

حدیثوں سے انگریزی سلطنت کی تعریف

حدیثوں سے صریح اور کھلے طور پر انگریزی

سلطنت کی تعریف ثابت ہوتی ہے کیوں کہ وہ مسیح موعود اسی سلطنت کے ماتحت پیدا ہوا ہے۔ (تریاق القلوب۔ ص ۱۴۵/۱۷)

حرامی اور بدکار

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔ (شہادت القرآن ص ۳۸/۸۴)

خدا اور رسول کا نافرمان

بارہا اپنی جماعت کو تحریراً و تقریراً بتاکید فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی اپنی گورنمنٹ سے منافقانہ روش اختیار کرے گا وہ ہماری جماعت میں شمار نہیں ہوگا اور وہ خدا اور رسول کا نافرمان ہوگا۔ (روئداد جلسہ دعا ص ۵۹/۵)

گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیرخواہ

گورنمنٹ یہ خوب جانتی ہے کہ یہ عاجز عرصہ چودہ سال سے برخلاف ان تمام مولویوں کے بار بار یہ مضمون شائع کر رہا ہے کہ ہم لوگ جو گورنمنٹ برطانیہ کی رعیت ہیں ہمارے لیے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گورنمنٹ ہذا کے زیر اطاعت رہنا اپنا فرض ہے اور بغاوت حرام ہے۔ جو کچھ اس عاجز نے گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیرخواہ بننے کے لیے بیان کیا ہے وہ سب سچ ہے۔

(عام اطلاع کے لیے ایک اشتہار ملحقہ سر الخلافہ ص ۴۰۲/۸۸، ص ۴۰۳/۸۹)

جہاد

دوسرا اصول جس پر قائم کیا گیا ہے وہ جہاد کے اس غلط مسئلہ کی اصلاح ہے جو بعض نادان مسلمانوں میں مشہور ہے سو خدا تعالیٰ نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ جن طریقوں کو آج کل جہاد سمجھا جاتا ہے وہ قرآنی تعلیم سے بالکل مخالف ہیں۔ (تحفہ قیصریہ۔ ص ۱، ص ۲۲۶/۱)

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف ہرگز جہاد کی تعلیم نہیں دیتا۔

(ضمیمہ رسالہ جہاد۔ ص ۳۱/۹)

یادِ رفتگاں

حکیم فیض عالم صدیقی مرحوم

پروفیسر عبد الرحمٰن

حکیم فیض عالم صدیقی کا شمار ان معدودے چند ہستیوں میں ہوتا ہے کہ جنہیں قدرت غیر معمولی صلاحیتوں سے نواز کر اس دنیا میں بھیجتی ہے۔ ۶؍ستمبر ۱۹۸۳ء کو انہیں محلہ مستریاں جہلم کی جامع مسجد میں جس بہیمانہ انداز میں قتل کیا گیا، اس نے ہر صاحب دل کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیا ہے۔ قتل کی یہ واردات اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اس نیم مہذب معاشرے میں ابھی وہ وسعتِ قلبی اور وسیع النظری پیدا نہیں ہوئی جو رائے کے اختلاف کو خنداں پیشانی سے برداشت کرنا سکھاتی ہے۔ حکیم صاحب کی شخصیت اور ان کے نظریات سے آگہی رکھنے والے اصحابِ علم جانتے ہیں کہ یہ قتل فی الحقیقت حُریّتِ فکر اور اظہارِ رائے کی آزادی کا قتل ہے۔

جب سے انسان کی شعوری تاریخ کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ وقت کے مروجہ افکار و نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو شدید مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دلیل کے میدان میں شکست کھانے کے بعد — رائج الوقت تصوّرات اور نظریات کے پیروکار اپنے مخالفین کو اپنے راستے سے ہٹا دینا ہی اپنے مسئلے کا حل سمجھنے لگتے ہیں لیکن کون نہیں جانتا کہ سقراط کو زہر کا پیالہ پلانے کے باوجود اس کے دشمن اس کے پیغام کو ابدی نیند سلانے سے قاصر رہے۔ رسولِ عربیؐ کے قتل کے کتنے ہی منصوبے بنے لیکن آپؐ کی انقلابی دعوت پھر بھی دلوں اور ذہنوں مسخر کرتی رہی۔ حکیم فیض عالم صدیقی بھی تاریخی صداقتوں کے سقراط تھے کہ جن کے وجود خاکی میں آہنی گولیوں کا زہر اتار کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔ لیکن آپ روشنیٔ فکر کی جو شمع جلا گئے ہیں وہ اب کبھی بجھ نہ سکے گی۔ چراغ سے چراغ جلتے رہیں گے۔ اور سچائی کا سفر جاری رہے گا۔

حکیم صاحب کی زندگی کے واقعات حد درجہ دلچسپ بھی ہیں اور پراسرار بھی، ان میں سوز و ساز رندی کی کیفیت بھی ہے اور پیچ و تاب رازی کی جھلک بھی۔ درویشی کا عنصر بھی ہے اور مجاہد کی صفات بھی۔ تحقیق و جستجو کا مادہ قدرت نے آپ کو بڑی فراخدلی سے ودیعت کر رکھا تھا۔ تاریخ کے گورکھ دھندے ہوں یا فکر و نظر کے، مذہبی نظریات ہوں یا سیاست کے پیچ و خم، ہر معاملے کی کنہ اور تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے اور تحقیق کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھنے اور جانچنے کے بعد پوری شرح و بسط سے اس کے حسن و قبح کو کھول کر رکھ دیتے۔ تحقیقِ حق میں آپ نے کن کن وادیوں کی سیر کی؛ آپ کے حالاتِ زندگی سے اس کا صرف ایک ہلکا سا اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔ جائے پیدائش فتح پور راجوری (مقبوضہ کشمیر) ہے۔ آپ ۱۸ اپریل ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد قاضی دین محمد اپنے علاقے کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ حکیم صاحب کی ذہنی صلاحیتوں کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ زمانۂ طالب علمی ہی میں بیشتر جرائد میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ تعلیمی مراحل سے گزرنے کے بعد ۱۹۳۴ء میں ہندوؤں کے مرکز کٹھوعہ میں بطور مدرس تعینات ہوئے جہاں ہندو مذہب کا بھرپور مطالعہ کیا۔ انہی دنوں مسلم کانفرنس کے احیاء اور مسلم کاز کی حمایت میں بیشمار مقالات لکھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندو مذہب کے مطالعہ کے زیرِ اثر رمل، جفر، تعویذ، گنڈہ بازی اور نقاشی وغیرہ سے بھی شغل جاری رکھا۔ مزید برآں طب کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور اس میں بھی مہارتِ تامہ حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں انگلش انڈین آرمی میں بھرتی ہو کر ایک سپاہی کی زندگی اختیار کر لی۔ فوج کی اس زندگی نے آپ کو بائبل اور مرزائیت کے بھرپور مطالعے کا موقع فراہم کیا۔ اس طرح آپ کو برصغیر کے قدیم اور جدید مذہبی نظریات اور رجحانات سے خوب آگاہی حاصل ہو گئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد طبیعت پر درویشی کا رنگ اس قدر غالب آیا کہ سبز لباس پہن کر فقیرانہ وضع قطع اختیار کر لی اور اسی حالت میں ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک ہندوستان کے کونے کونے میں گھومتے رہے لیکن اس دوران بھی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کھلی آنکھوں اور کھلے دماغ سے جاری رکھا۔ بے شمار ہندو جوگیوں، سنیاسیوں، بیراگیوں، پنڈتوں، مسلمان گدی نشینوں، پیروں فقیروں اور درویشوں کے پاس اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کی شعبدہ بازیوں اور

"کرامتوں" کا گہری نظروں سے جائزہ لیتے۔ مزید برآں خود بھی حبسِ دم، چلّہ کشی، اوراد و وظائف اور ہپناٹزم وغیرہ کی مشقیں کرتے رہے۔ آپ ہی کے الفاظ میں "اس تمام سیاحت کا ماحصل ان لوگوں کی ظاہری اور باطنی زندگیوں کا مطالعہ اور طبّی تجربات سے استفادہ تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کے استدراجی ہتھکنڈوں سے واقف ہونے کے بعد ۱۹۴۳ء سے تقسیم ملک تک درس و تدریس، صحافت اور طبابت میں مشغول رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور تحریکِ آزادیٔ کشمیر میں بھی ایک سرگرم مجاہد کی حیثیت سے حصّہ لیا۔ اپنے دینی مزاج اور مذہبی رجحانات کے باعث ۱۹۶۲ء میں دھریالہ جالپ ضلع جہلم میں ایک مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے لیکن ان کے محققانہ اور بیباک نظریات کی وجہ سے فقہی تقلید اور جمود کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے علماء آپ کی شدید مخالفت پر اتر آئے جن کے اوچھے ہتھکنڈوں سے تنگ آ کر بالآخر آپ جہلم محلہ مستریاں چلے آئے جہاں آپ نے مسجد اور مدرسہ تعمیر کروایا۔ زندگی کے ان تمام نشیب و فراز نے بالآخر آپ کو یہی راستہ سمجھایا کہ "صحیح دین صرف کتاب و سنّت پر عمل ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی کا یہ پہلو انتہائی قابلِ تحسین ہے کہ آپ کا مذہب تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی مذہب تھا اور آپ نے اپنے مذہبی نظریات کو تقابلِ ادیان کے مطالعے کے بعد پورے شعور و ادراک کے ساتھ قبول کیا تھا۔

آپ کے وسیع مطالعے کا ماحصل وہ بیسیوں کتب ہیں جو آپ نے انتہائی محققانہ اور فاضلانہ انداز میں لکھی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق خلافتِ راشدہ اور بنوامیہ کے زمانۂ اقتدار کے ان اہم واقعات سے ہے کہ جن سے لوگوں کو عقلی سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی ہے۔ گویا ان واقعات کو مذہب کا تقدس حاصل ہو گیا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ایک محقق تاریخ کا ایک غیر جانبدار طالب علم ہونے کی وجہ سے پورے خلوص اور دیانت سے ان تاریخی واقعات کو اس انداز میں پیش کرتا ہے جو مروجہ نظریات اور تصورات سے مطابقت نہ رکھتا ہو اور تصویر کا ایک دوسرا ہی رُخ سامنے آتا ہو تو رسوم و قیود کے پجاری، طرزِ کہن پہ اس شدّت سے اصرار کرتے ہیں کہ مرنے مارنے پر تل آتے ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود حکیم صاحب کی یہ جرأت رندانہ ہی تھی کہ جس نے

انہیں انتہائی نازک مسائل پر قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ تاریخ کے وہ مخفی گوشے جو دانستہ یا نادانستہ اوجھل رہے یا رکھے گئے۔ انہیں آپ نے انتہائی عرق ریزی سے کھنگالا اور اپنے نتائج تحقیق مربوط اور منضبط انداز میں بغیر کسی جھجک اور ہچکچاہٹ کے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ بدلائل و براھین پیش کیئے۔ چونکہ آپ کی تصانیف نظریات کی ساکن جھیل میں کنکر بن کر گریں۔ اس لئے بہت سے گوشوں سے آپ کے خلاف آوازیں اٹھیں۔ مقام تعجب ہے کہ دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی بجائے مخالفت کے روایتی انداز کو ہی اپنانے پر سارا زور صرف کیا گیا۔ راقم کے خیال میں حکیم صاحب کی اس مخالفت کے دو بڑے اسباب ہیں۔ پہلا سبب معاشی ہے اور دوسرا نفسیاتی۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں نظام تعلیم کی کمی، قرآنی تعلیمات سے بے خبری اور ماضی میں ہندوانہ اثرات کے باعث کچھ مذہبی طبقوں میں علماء کی حیثیت مذہبی پنڈتوں اور پروہتوں کے مترادف ہوگئی ہے جن کی معاش کا دارومدار بے سروپا قصوں اور مذکورہ تاریخی واقعات کی رنگین افسانہ طرازیوں پر منحصر ہے۔ چنانچہ یہ استحصالی طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہر حال میں سچائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں تک اس کے نفسیاتی پہلو کا تعلق ہے تو چونکہ یہ انسانی کردار کی خامی ہے کہ انسانوں کی اکثریت کا یقین حقائق کی بنیادوں پر استوار ہونے کی بجائے ان کی خواہشات کے تابع ہوتا ہے اور لوگ صرف اسی بات پر یقین کرتے ہیں جس پر کہ وہ یقین کرنا چاہتے ہیں۔ وراثتی اثرات، گھریلو ماحول اور بچپن کی تربیت انسان کی ذہنی ساخت پر بہت حد تک اثر انداز ہوتی ہیں۔ چنانچہ بہت ہی کم لوگ لگی بندھی ڈگر سے ہٹ کر مسائل کا استدراک اور مواجہہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ صورتحال کم وبیش ہر معاشرے کو درپیش ہے، ان تعلیم یافتہ معاشروں میں بھی جہاں سائنسی طرز استدلال عام ہے اور ان ناخواندہ یا کم خواندہ معاشروں میں بھی جہاں سائنسی طرز استدلال مفقود ہے۔ مذہبی نظریات کا تعلق چونکہ احساسات اور جذبات سے ہے، اس لئے ایک سائنسدان بھی بسا اوقات مذہب کے بارے میں غیر سائنسی طرز عمل اختیار کر لیتا ہے اور موروثی یا ماحولی عقائد کا تعصب ذہن پر حاوی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حکیم صاحب کے پیش کردہ مدلل حقائق

کے باوجود طبقۂ علماء کی اکثریت نے ہٹ دھرمی ہی کا طرزِ عمل اختیار کئے رکھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ باشعور اہلِ علم طبقے میں آپ کے نظریات کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ علم کے ارتقاء کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ غلط نظریات اپنی موت آپ مرتے چلے جاتے ہیں۔ ریسرچ جاری رہتی ہے اور حقائق نئی نئی شکل میں ابھر کر سامنے آتے رہتے ہیں۔

حکیم فیض عالم صدیقی ایک محقق مؤرخ تھے۔ عظمتِ صحابہؓ اور مقامِ صحابہؓ کے شدت سے قائل ہی نہیں بلکہ زبردست نقیب بھی تھے۔ اپنی تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں صحابہ کرامؓ کی شرافت و دیانت اور عصمت و عفت کی حفاظت کے لئے صرف کر دی تھیں۔ قوموں کی اجتماعی زندگی میں تاریخ کی اس اہمیت سے آپ بخوبی آگاہ تھے کہ اگر کسی قوم کا رستہ اس کے ماضی سے منقطع کر دیا جائے یا اس کی ماضی کی تاریخ بدل دی جائے تو مستقبل میں قوموں کے اغراض و مقاصد بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے تاریخ ایک ایسا علمی سرمایہ ہے کہ جسے بحفاظت جوں کا توں اگلی نسلوں کو منتقل کرنا پہلوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری اس وقت دوچند ہو جاتی ہے جب تاریخ اور مذہب کے مابین بعض پہلوؤں سے ایک گہرا رشتہ بھی ہو۔ ایسی صورتِ حال میں تاریخ ثقافت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور مؤرخین نے ممکنہ حد تک تاریخی تسلسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے باوجود بھی دشمنانِ اسلام تاریخ کو مسخ کرنے میں کامیاب رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں دینِ حق کے قیام و استحکام اور غلبہ و نصرت نے یہودیت اور مجوسیت کے پیروکاروں کو حسد کے مارے انگاروں پہ لوٹنے پر مجبور کر دیا لہٰذا دن بدن پھیلتی ہوئی اسلامی سلطنت کے خاتمے اور اسلامی افواج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لئے انہوں نے زیرِ زمین خفیہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ انہی سازشوں کی ایک کڑی تحریر و تقریر کے ذریعے تاریخ اسلام کو مسخ کر کے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ بڑی چالاکدستی اور مہارت سے ہر قسم کا رطب و یابس تاریخ کے صفحات میں داخل کر دیا گیا اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے بھرپور پروپیگنڈہ کی ٹیکنیک اختیار کی گئی۔ نتیجۃً دشمنانِ

اسلام اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب رہے ۔ چنانچہ نہ صرف صدرِ اول میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں بلکہ فتوحات کا سیلاب بھی رک گیا۔ مزید برآں خلافت راشدہ کے زمانہ آخر، بنو امیہ کے زمانہ آغاز میں جن افسوسناک واقعات نے جنم لیا، اسی سازشی گروہ نے ان واقعات کی تشریح و تفسیر اس انداز میں کی کہ جس سے امت مسلمہ آج تک گھرے تشتت و افتراق میں مبتلا چلی آرہی ہے۔ اسلام کے خلاف یہودیت اور مجمیت کی یہ سازش بہت گہری تھی کہ جس کی خوفناکی کا احساس آج بھی بہت کم لوگوں کو ہے

حکیم فیض عالم صدیقی نے اپنی تصنیفات کے ذریعے اسی سازش کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ خود بھی سازش کا شکار ہوگئے ۔ حکیم صاحب کے نظریات کوئی صحیفۂ آسمانی نہیں تھے کہ وہ تنقید سے بالاتر ہوتے. ہر شخص کو ان پر تنقید کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر یہ حق علمی سطح سے تجاوز کر کے گولی اور بندوق تک وسعت اختیار کرلے تو اس کے نتائج کی ہولناکی کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے۔ وحشت و بربریت کی یہ روایت اگر چل نکلی تو شاید کوئی بھی مروجہ تصورات و نظریات سے اختلاف رکھنے والا اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہے۔ حکیم صاحب کے خون کی سرخی تعصب اور جہالت کے اندھیروں کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوگی کہ

خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

عن عبداللہ بن عمرؓ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

رفتار کار

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ اسلام آباد

رحمت اللہ بٹر

اسلام آباد میں کمیونٹی سنٹر کے ماہانہ پروگرام کے لئے ۲ اگست بروز سوموار امیر محترم ، بھائی اقتدار احمد صاحب ناظم ... میں جناب محمد اشرف صاحب اور راقم کے ہمراہ اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ جناب محمد اشرف صاحب سودی عرب میں ایک بنک میں بہت اچھی پوسٹ پر تھے کہ انہوں نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی کے کچھ کیسٹ سنے جن میں سود کی حرمت اور دینی فرائض کی ادائیگی اور ان کی اہمیت کے مضامین تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا جذبہ پیدا کیا اور انہوں نے سعودی عالم دین عبدالعزیز بن باز سے بھی رابطہ قائم کیا اور سود کی حرمت کا فتویٰ حاصل کیا۔ اور اپنے بنک کو ایک ماہ کے نوٹس پر استعفیٰ پیش کر دیا۔ آج کل وہ پاکستان اپنے والدین سے ملنے آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے محترم امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے انہیں اس سفر میں ساتھ چلنے کی دعوت دی اور وہ ہم سفر بن گئے۔ بعد نماز عصر کمیونٹی سنٹر میں انجمن خدام القرآن کے اجتماع میں تاخیر سے شرکت ہوئی۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے بعد نماز مغرب تقریباً ۲ گھنٹے تک سورہ جمعہ کے پہلے رکوع کا درس دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت دین کے طریق کار پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم بھی کہیں اسی مثل نہ ہو جائیں جیسے یہود کے لئے ان آیات میں مثال بیان کی گئی ہے اور قرآن مجید کے صحیح معنوں میں حامل نہیں۔

۱۴ اکتوبر کو تنظیم اسلامی اسلام آباد اور راولپنڈی کے رفقاء سے ایک خصوصی اجتماع میں شرکت کی درخواست کی گئی۔ تاکہ وہاں کے معاملات پر مشورہ ہو سکے۔ اکثر رفقاء نے اس اجتماع میں شمولیت کی جو تقریباً ۳ بجے فیری لینڈ ہائی سکول سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ مشاورت کے بعد امیر محترم نے اسلام آباد اور راولپنڈی کی تنظیموں کو ایک ہی تنظیم میں مدغم کر دیا جس کے امیر جناب عبدالصمد خان شیروانی اور ناظم بیت المال نوجوان رفیق جناب نعیم احمد کو مقرر کیا گیا۔ تنظیم کو تین اسروں میں تقسیم کر دیا گیا جس کے ناظم جناب رانا عبدالغفور، جناب مقصود الٰہی بھٹی اور جناب بشارت علی مرزا مقرر ہوئے۔

نماز عصر کے بعد کھلابٹ ٹاؤن نزد ہری پور کے لئے روانگی ہوئی کیونکہ وہاں پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب کو خطاب فرمانا تھا۔ اسلام آباد سے جناب محمد اسلم صاحب اور محمد سلیمان صاحب مکتبہ لے کر ساتھ ہو لئے۔ ہمارے ایک نئے رفیق جلیل الرحمان صاحب بھی ساتھ گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد خطاب شروع ہوا جس میں کافی لوگوں نے شرکت کی۔ اگرچہ اس احتمال کے پیش نظر کہ انتظامیہ اجازت نہ دے گی کوئی پوسٹر یا اعلان عام نہ ہو سکا تھا۔ کھلابٹ اور ہری پور کے بہت سے علماء نے شرکت فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت کے لوازمات اور امت کے فرائض بعد ختم نبوت پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کو چونکہ بروز بدھ کوئٹہ کے لئے روانہ ہونا تھا اس لئے خطاب

کے فوراً بعد وہ بھائی اقتدار احمد، محمد اشرف صاحب اور جلیل الرحمٰن صاحب کے ہمراہ واپس روانہ ہو گئے۔ راقم الحروف مع اسلام آباد کے دو نوں ساتھیوں کے وہیں ٹھہرا اور صبح کچھ دوستوں سے ملاقات کی۔ راقم الحروف بعد میں ایبٹ آباد مانسہرہ اور پشاور کے تنظیمی دورہ پر روانہ ہوا۔ پشاور کے اجتماع میں شرکت کی اور واپسی پر راولپنڈی میں بھی بروز جمعہ بعد نماز مغرب اجتماع عمومی میں شمولیت کی۔ اجتماع کے بعد رات ہی کو لاہور واپسی ہوئی اور اسطرح یہ سفر الحمدللہ بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوا۔

دیگر تنظیمی سرگرمیاں

ہمارا ملتان اور وہاڑی کا دورہ اس دفعہ تین راتوں اور دو دنوں پر محیط رہا۔ اس ماہانہ دورے میں میرے اسرہ کے دو اور ساتھی جناب شکیل احمد صاحب (ناظم اسرہ) اور عبدالقدیر صاحب میرے ساتھ لاہور سے روانہ ہوئے اور میرے حلقہ کے ساتھی شیخ حفیظ صاحب پہلے ہی ملتان پہنچ چکے تھے۔ علی الصبح ہم امیر تنظیم اسلامی ملتان جناب کرنل ڈاکٹر حافظ غلام حیدر ترین صاحب کے ہاں پہنچے، ناشتہ کیا۔ کرنل صاحب نے ہماری آمد کے تسلسل پر قدرے تعجب کا اظہار کیا کہ ہمیں ایسی جگہوں پر جانا چاہیئے جہاں نئے ساتھی ہوں اور خصوصی تربیت کی ضرورت ہو۔ ملتان میں کام ٹھیک چل رہا ہے اور اس کی ماہانہ رپورٹ بھی مرکز کو پہنچ رہی ہے۔ بہرحال ڈاکٹر ترین صاحب کے ہاں ناشتہ کیا اور بھائی احمد خاکوانی صاحب کے ہاں پہنچے۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور حسب معمول میزبانی فرمائی۔ مہمان خانہ دے دیا۔ ہم رات کی تکان دور کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ اس کے بعد فرداً فرداً ہم خاکوانی صاحب کے ہمراہ، ہر رفیق کے ہاں گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کیا اور بعد نماز عصر شادی بیاہ کی تقریبات میں اصلاح کے موضوع پر رفقائے ملتان کی پہلے سے طے شدہ میٹنگ میں ہم بھی شریک ہو گئے۔ راقم الحروف نے شادی بیاہ کی رسومات والا پمفلٹ پڑھا اور پھر بات چیت شروع ہوئی۔ امیر تنظیم اسلامی ملتان کا موقف یہ تھا کہ ہمیں فی الفور امیر تنظیم کے دیئے ہوئے اسلامی پروگرام پر عمل شروع کر دینا چاہیئے جبکہ باقی رفقاء ملتان اس میں تدریج کے قائل تھے اور محرمات مریحہ سے شروع کر کے مکروہات کی طرف بڑھنے کے عمل کو اختیار کرنے کو مطابق مصلحت سمجھتے تھے۔

نماز مغرب کے بعد برادرم شکیل احمد صاحب نے تنظیم اسلامی کی دعوت قرآنی اصطلاحات کے حوالے سے بیان کی۔ تمام شرکاء نے رات کا کھانا وہیں کھایا اور بعد نماز عشاء ہم واپس خاکوانی صاحب کے ہاں آ گئے۔ صبح جمعۃ المبارک تھا اور شکیل احمد صاحب کو جمعہ امیر تنظیم کی عدم موجودگی کے باعث مسجد دارالسلام میں پڑھانا تھا اس لئے وہ واپسی کے لئے تیار ہوئے اور حفیظ صاحب نے بھی ان کی معیت اختیار کی۔ راقم اور عبدالقدیر صاحب علی الصبح وہاڑی روانہ ہو گئے۔

وہاڑی میں ڈاکٹر منظور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے کچھ دیر آرام کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ سب رفقاء کو ہماری آمد کی اطلاع ہے وہ خود ہمیں ملنے آئیں گے۔ وہ جلد ہی تشریف لے آئے اور دوپہر کے کھانے تک ان سے بات چیت ہوتی رہی۔ جس میں تفصیل کے ساتھ وہاڑی کے حالات معلوم ہوئے۔ کام کی رفتار اور اس کے لئے اختیار کئے جانے والے ذرائع کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہاڑی والے رفقاء کام تو بہت کر رہے ہیں۔ ان کا باہمی تعاون اور محبت و یگانگت بھی بالکل ایک کنبے کی طرح ہے۔ مگر معاشرے کی طرف سے خاطر خواہ جواب نہیں مل رہا۔ بقول ڈاکٹر صاحب جہالت اور پارٹی بازی کام میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔

نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد پھر خصوصی اجتماع ہوا۔ رفقاء نے قرآن مجید کا یاد کردہ حصہ سنایا۔ ڈاکٹر منظور صاحب نے مجھے سورۃ تغابن کا ترجمہ کرنے کو کہا۔ رفقاء نے پروگرام کے مطابق سورۃ العصر کا مذاکرہ کیا۔ ایک حدیث شریف کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا جس میں راقم حتی الوسع تسلی بخش جواب دینے کی کوشش کرتا رہا۔ منظور صاحب نے تجویز پیش کی کہ مرکز سے تربیت یافتہ افراد کو دوسرے شہروں میں کچھ روز کے لئے آکر رہنا چاہیے تاکہ وہ نئے افراد کی تربیت اور رفقاء اور دوسرے افراد کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکالات رفع کرسکیں۔ ہم شام کو واپس ملتان خاکوانی صاحب کے ہاں پہنچے اور رات ہی واپس لاہور کی راہ لی ——!!

مرتب : ڈاکٹر وقار احمد

★★

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ
فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
(الحدید : ۲۵)
اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔

ٹینٹ اور ترپال
بنانے کا ممتاز ادارہ
ایچ نظام دین اینڈ سنز
مرکزی دفتر
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال

لا یؤمن احدکم حتی یحبّ لاخیہ ما یحبّ لنفسہٖ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

Regd. L. No. 7360.

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol. 32	NOVEMBER 1983	No. 11

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۲ | شمارہ ۱۲ | ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون

-/۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ ---- -/۳ روپے

ناشر

ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۰۱۱ دادا منزل نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت، کراچی۔

فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

مشمولات

۲
ماہ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ کے موقع پر
سیرت نبویؐ کے ضمن میں دو عظیم تحفے
ڈاکٹر اسرار احمد
صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے اعلیٰ و دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ
رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم
یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ، اور
فرائضِ دینی اور اسوۂ رسولؐ
سورۂ احزاب رکوع ۲، ۳ کی روشنی میں
تبلیغی مقاصد کے پیش نظر ہدیہ صرف چھ روپے فی کتاب محصول ڈاک علاوہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون — ۸۵۲۶۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاکف سعید

تذکرہ و تبصرہ

الحمدُ للہ وَالمنّۃ زیر نظر شمارے پر، ہماری تقویم کے اعتبار سے ماہنامہ میثاق کی تئیسویں جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ـــــ یہ 'تقویم' کا معاملہ بھی بہت عجیب ہے ۔ ایک تقویم ہماری ہے جو گردشِ لیل و نہار سے تشکیل پاتی ہے ۔ اور جس کا معاملہ وہی ہے بقولِ شاعر کہ ع "میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ !" اس حقیقت کو سورۃ بنی اسرائیل میں نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا کہ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط " ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ۔ سو ہم نے رات کی نشانی تو دھندلی کر دی اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کے فضل کے لئے کوشش کرو اور تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو "۔

اور ایک تقویم اللہ کی ہے جس میں سلسلۂ روز و شب کا کوئی دخل نہیں ۔ بلکہ وہاں تو معاملہ یہ ہے کہ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یعنی اللہ کا ایک دن ہمارے حساب سے ایک ہزار برس کے مساوی ہے ۔ گویا اللہ کے ہاں وقت کے پیمانے بہت مختلف ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المعارج میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں فرمایا اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ہ یعنی ان لوگوں کو قیامت بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے جبکہ ہمارے لئے یہ بالکل سامنے کی بات ہے ۔

اس تمام تر بحث میں ہمارے لئے قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ وقت کی پیہم روانی کے ساتھ ساتھ ہماری مہلتِ عمر میں بھی مسلسل کمی واقع ہو رہی ہے ۔ اس زندگی میں، جو درحقیقت وقفۂ امتحان ہے، ہمارا اصل سرمایہ 'وقت' ہے ۔ لہذا واضح بات ہے کہ اگر اس وقت کا مصرف صحیح ہو گا تبھی آخرت میں ہم اپنے حق میں کسی اچھے نتیجے کی توقع کر سکیں گے

بصورتِ دیگر انجام معلوم! سورۃ العصر میں انسان کی عمومی ناکامی اور خسران پر عصر (وقت) ہی کو بطور گواہ پیش کیا گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ 'وقت' انسان کا اصل سرمایہ اور راس المال ہے۔ اور اسی سلسلۂ روز و شب میں ہمیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے لئے دائمی نجات یا اپنی تباہی کا سامان کرنا ہے۔ اقبال نے اپنی مشہور نظم 'مسجد قرطبہ' کے آغاز میں اس حقیقت کو بڑے دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے کہ :

سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب اصل حیات و ممات

سلسلۂ روز و شب تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلۂ روز و شب سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بمِ ممکنات

بات ادھوری رہ جائے گی اگر اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث کا ذکر نہ آئے جو اس موضوع پر حرفِ آخر اور حد درجہ چونکا دینے والی ہے۔ آپؐ نے اس حقیقت کو نہایت سادہ الفاظ میں بیان فرمایا:
كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا ۔ "نوعِ انسانی کا ہر فرد صبح کرتا ہے پس وہ اپنے نفس کو بیچتا ہے (یعنی اپنی صلاحیتوں کو کھپا کر قیمت وصول کرتا ہے) پھر یا تو وہ اپنے نفس کو آزاد کرا لیتا ہے (آگ کے عذاب سے) اور یا وہ اُسے ہلاکت سے دوچار کر دیتا ہے۔" اس موقعہ پر جبکہ ہمارا ایک تقویمی سال اختتام کے قریب ہے ہمیں اس حدیث کی روشنی میں اپنے معمولاتِ روز و شب کا جائزہ لینا چاہیئے آیا ہم اپنے اوقات اور صلاحیتوں کے عوض آخرت کی کامیابی خرید رہے ہیں یا اُن کے ذریعے ہلاکت کو اپنا مقدر بنا رہے ہیں! اور محاسبۂ نفس کا یہ سلسلہ ہمارے معمولات کا جزو بننا چاہیئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا ۔

۵

الہدیٰ

(نویں نشست)

مقامِ عزیمت
اور
حکمتِ قرآنی کی اساسات

(سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی روشنی میں)

مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

(۳)

السّلام علیکم - نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ط اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ہ صدق اللّٰہُ العظیم۔

حاضرینِ گرامی و ناظرینِ کرام!

قرآنِ حکیم کے جس منتخب نصاب کا ان مجالس میں ہم مطالعہ کر رہے ہیں اس کا درسِ ثالث سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر مشتمل ہے۔ گذشتہ دو نشستوں میں ہم اس رکوع کے مضامین پر کسی قدر گفتگو کر چکے ہیں۔ اس رکوع میں حکمتِ قرآنی کی جو اساسات بیان ہوئی ہیں اور جن مقاماتِ عزیمت کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے ان کا حق ادا کرنا اس محدود اور مختصر وقت میں تو ممکن نہ تھا تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ اس رکوع کا اصل سبق اور حاصل آپ حضرات کے سامنے ضرور آ جائے۔ آج کی نشست میں میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس رکوع کی آیت ۱۲

پھر مزید غور کریں۔ اس آیت میں حضرت لقمان کی اوّلین نصیحت وارد ہوئی ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ میں نے آغاز میں اسی آیت مبارک کی تلاوت کی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور یاد کرو جبکہ کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے اور وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بچّے! اللہ کے ساتھ شرک مت کیجیو۔ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم، بہت بڑی ناانصافی ہے۔"

سب سے پہلے یہ بات جان لیجئے کہ از روئے قرآن ہمارے دین میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے یہ ایسا جرم ہے جو ناقابل معافی ہے۔ سورۃ النساء میں دو مرتبہ اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا۔ آیت ۴۸ کے الفاظ میں إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ۝ "اللہ تعالیٰ اسکو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے البتہ ان سے کمتر خطاؤں اور تقصیروں میں سے جسے چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس نے بہت ہی بڑا جھوٹ گھڑا اور بہت بڑے گناہ اور گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اس سورۃ کی آیت ۱۱۶ میں یہ مضمون دوبارہ وارد ہوا اس شان کے ساتھ کہ آیت کا پہلا حصہ بعینہٖ وہی ہے جو آیت نمبر ۴۸ کا ہے یعنی إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ دوسرے حصے میں معمولی تغیر ہے چنانچہ یہاں فرمایا وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا "اور جس نے بھی اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ تو بلاشبہ گمراہی اور ضلالت میں بہت دُور نکل گیا" گویا یہاں یہ بات مزید واضح ہوگئی کہ شرک میں ملوث ہونے والا انسان گمراہی میں اتنی دُور تک نکل جاتا ہے کہ اب اُس کے لئے معافی اور بخشش کا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔

دوسری بات قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ گناہ اور یہ جرم بہت ہمہ گیر ہے اور اتنا عام ہے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں

کی اکثریت — اس میں ملوث ہو جاتی ہے - سورۃ یوسف میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں - وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ہ "انسانوں کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں رکھتی مگر یہ کہ اس کے ساتھ کسی نہ کسی نوع کا، شرک بھی کرتی ہے" لوگ اللہ کو مانتے ہیں اُس پر ایمان لاتے ہیں لیکن خالصتاً توحید کے ساتھ اللہ کو ماننا یہ کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے - بالعموم اللہ کو ماننے والے شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی نوع کے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں - علامہ اقبال نے شرک کی اسی ہمہ گیری کی طرف اشارہ کیا ہے اس شعر میں کہ ؎

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

تیسری بات یہ کہ شرک کی بہت سی اقسام ہیں - اور یہ بہت متنوع صورتوں میں ظہور کرتا ہے - بلکہ یہ بات جان لینی چاہیئے کہ ہر دور کا ایک خاص شرک ہوتا ہے اگر کوئی انسان اُس دور کے شرک کو نہ پہچان پائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ سابقہ ادوار کے تمام شرکوں سے تو بچا ہوا ہو اور اپنے خیال میں وہ بہت بڑا موحد ہو لیکن وہ اپنے دور کے شرک کو نہ پہچان پایا ہو اور لاعلمی میں وہ اس میں ملوث ہو گیا ہو — اس دور کا شرک میرے نزدیک جو سب سے عام اور سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے وہ مادہ پرستی کا شرک ہے - ہمیں مادے پر اور اسکی تاثیرات پر پورا یقین اور اعتماد ہے - اور ذات باری تعالےٰ پر اُتنا بھی توکل، یقین اور اعتماد نہیں رہا - جو ایمان حقیقی کے لیئے لازمی و لابدی ہے — اقبال نے اسے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے کہا ہے کہ:

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے — !

ایمان اصل میں نام ہے اللہ پر توکل اعتماد اور بھروسے کا — اور اس کی نفی کفر اور شرک ہے - لہٰذا شرک کے بارے میں بہت حساس ہونے

کی ضرورت ہے۔ اگر انسان کو وہ کیفیت میسر نہ آئے جو فارسی کے ایک شعر میں بیان ہوئی ہے کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

تم چاہے کسی رنگ کا لباس پہن لو۔ میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لوں گا۔ بالکل وہی کیفیت ہوتی ہے کہ یہ شرک کی بیماری جس صورت میں بھی کسی دور میں اور کسی معاشرے میں ظہور کر رہی ہو، نگاہ اتنی دور رس ہو کہ وہ پہچان لے کہ یہ شرک ہے۔ تب ہی اس بات کا امکان ہے کہ انسان شرک سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

چوتھی تمہیدی بات یہ نوٹ کر لیجئے۔ یہ درحقیقت ان تینوں باتوں کا منطقی نتیجہ ہے کہ شرک سے بچنا کلیتہً آسان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی آیا ہے، آپ ان کی عظمت کو ذہن میں رکھئے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں حضرت ابراہیم جو کہ ابو الانبیاء ہیں۔ ہم درود میں بھی انکی مثال پیش کرتے ہیں۔ اللّٰھم صلّ علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔ خلیل اللہ ہیں۔ امام الناس ہیں۔ لیکن قرآن مجید اکثر جہاں انکا ذکر کرتا ہے۔ جہاں بات آکر ختم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ "ابراہیمؑ مشرکوں میں سے نہ تھے"۔ معلوم ہوا کہ یہ آخری سند ہے جو اللہ کی طرف سے کسی بندے کو عطا ہو جائے۔ یہ سب سے بڑا سرٹیفکیٹ ہے۔ یہ سب سے قیمتی Testimonial ہے جو اللہ کی طرف سے کسی کو دیا جائے کہ "میرا یہ بندہ مشرک نہیں ہے"۔ گویا کہ اس میں انسان کے لئے ساری ہی مدح و ستائش آگئی۔

اب ذرا ذہن میں رکھیئے شرک اصل میں کہتے کسے ہیں۔ اشرک یعنی اشراك بالله اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کر دینا۔ جس کو اس آیہ

مبارکہ میں کہا گیا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۔
"بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ ظلم عربی زبان میں کہتے ہیں۔ وضع الشیئ فی غیر محلہ ۔ "کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر رکھ دینا" یہ ظلم ہے۔ ہر چیز کو اُسکے مقام پر رکھیئے۔ یہی عدل ہے۔ یہی انصاف ہے۔ شرک میں دو صورتیں لامحالہ ہوں گی۔ یا تو اللہ تعالےٰ کو اس کے مقام رفیع سے گرا کر مخلوقات کی صف میں لا کر کھڑا کیا جائے گا۔ کوئی صفت جو صرف مخلوقات کے لئے ہوگی اُس سے اللہ تعالےٰ کو متصف کر دیا جائے گا۔ یا مخلوقات میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر لا بٹھایا جائے گا۔ اور جو صفات صرف باری تعالیٰ کے لئے مختص ہیں۔ ان سے کسی مخلوق کو متصف تسلیم کیا جائے گا۔ یہ دونوں صورتیں یکساں "ظلم" ہیں۔ وضع الشیئ فی غیر محلہ اللہ کو اُس کی اُس منفرد شان رفیع سے گرانا بہت بڑا ظلم ہے۔ مخلوق کو اس کا جو اصل اور حقیقی مقام ہے، اُس سے اٹھا کر اللہ کا ہمسر۔ ہم پلہ۔ ند۔ ضد۔ مد مقابل بنا دینا۔ بہت بڑا ظلم ہے۔
اب ذرا اختصار کے ساتھ شرک کی چند قسموں کو سمجھیئے۔ اگرچہ اس کی تقسیمیں مختلف اعتبارات سے ہو سکتی ہیں۔ لیکن میں جس پہلو سے آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ شاید آپ بھی محسوس کریں کہ وہ بہت Compreh ensive بات ہو جائے گی۔ شرک کی تین موٹی موٹی قسمیں ہیں۔ "ایک شرک فی الذات"۔ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک بنا دینا۔ یہ بدترین شرک اور عریاں ترین شرک ہے۔ پھر شرک فی الصفات ہے۔ یہ معاملہ کسی علمی مغالطے کے باعث بھی ہو سکتا ہے۔ تیسرا شرک فی الحقوق ہے۔ اللہ کے حقوق میں کسی کو اس کا ساجھی بنا دینا۔ لہذا شرک کی یہ تین بڑی بڑی قسمیں ذہن میں رکھیئے۔ پھر ان کو علٰحدہ علٰحدہ سمجھیئے۔
شرک فی الذات یعنی ذاتِ باری تعالےٰ میں کسی کو شریک کر دینا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اس میں سے جو سب سے زیادہ مکروہ قسم ہے، عجیب ستم ظریفی ہے کہ یہ ان قوموں میں پیدا ہوئی ہے جو نبیوں اور رسولوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتی ہیں یہودیوں میں بھی ایک جماعت ہے جس

نے حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ مشرکین عرب حضرت ابراہیمؑ کے نام لیوا تھے۔ انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ عیسائیوں نے یہ ظلم ڈھایا کہ اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا صلبی بیٹا قرار دے دیا۔ اس شرک پر اللہ کا بڑا غضب بھڑکتا ہے۔ سورہ مریم کی آیات نمبر ۸۸ تا ۹۲ میں اس کا اظہار یوں فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۞ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۞ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۞ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۞ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۞

"انہوں نے رحمان کے بارے میں کہا کہ اس نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے۔ لوگو! تم بہت بڑی گستاخی کی بات کرتے ہو۔ یہ گستاخی اللہ کی جناب میں اتنی شدید ہے کہ آسمان پھٹ پڑنے کو ہے زمین شق ہونے کو ہے اور قریب ہے کہ پہاڑ ایک دھماکے کے ساتھ زمین بوس ہو جائیں۔ اس گستاخی پر کہ لوگوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا تراشا لیا حالانکہ رحمٰن کے شایان شان بھی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔"

اس شرک فی الذات کی دوسری صورت پیدا ہوتی ہے فلسفیانہ مذاہب میں۔ ان میں حلول اور تجسم کے عقیدے پیدا ہوئے جس کا مطلب ہے کہ اس پوری کائنات میں اللہ حل ہو گیا ہے اسی کا دوسرا نام ہمہ اوست pantheism ہے گویا اللہ ہی نے اس کائنات کی صورت اختیار کر لی ہے۔ معلوم ہوا ہر شے اب اللہ کی ذات کا عین بن گئی ہے یہ بدترین شرک ہے پھر ایک اور عقیدہ اوتار پیدا ہوا۔ یعنی اللہ کسی انسانی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے کسی انسان میں حلول کر لیتا ہے۔ اوتار Incarnation کا عقیدہ یہ بھی بدترین شرک فی الذات ہے۔ آگے چلئے۔ شرک فی الصفات کیا ہے۔ صفات کا معاملہ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا۔ کچھ وہ علمی نوعیت کا ہے۔ اس لئے کہ ہماری زبان میں الفاظ مشترک

ہیں جو ہم اللہ کے لئے بھی بطور صفت بولتے ہیں اور مخلوقات کے لئے بھی بولتے ہیں - اللہ بھی موجود ہے ہم بھی موجود ہیں - اللہ بھی زندہ ہے - ہم بھی زندہ ہیں - اللہ بھی سنتا ہے - ہم بھی سنتے ہیں - اللہ دیکھتا ہے - ہم بھی دیکھتے ہیں - اب اس لفظی اشتراک سے مغالطہ ہو جائے گا - حالانکہ اس اطلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے - ان صفات کا اطلاق جب اللہ پر ہوتا ہے تو مفہوم کچھ اور ہے - یہی صفات جب مخلوقات کے لئے استعمال ہونگی تو ان کا مفہوم کچھ اور ہوگا - تین چیزوں کو ضرور ذہن میں رکھئے تاکہ اس معاملے میں مغالطے سے نجات حاصل ہو - اللہ کا وجود ذاتی ہے - اور صفات بھی ذاتی ہیں - ماسوا اللہ کا وجود بھی عطائی ہے - ان کو اللہ نے وجود بخشا ہے اور صفات بھی اللہ کی دی ہوئی ہیں - اللہ کا وجود بھی لامحدود ہے اور صفات بھی لامحدود - ماسوا اللہ کے جو بھی مخلوق ہے اُس کا وجود بھی محدود - صفات بھی محدود - اللہ کی ہستی بھی قدیم ہے اور وہ حادث نہیں - ہمیشہ سے ہے - ہمیشہ رہے گی - اس کی صفات بھی قدیم - اس کے برعکس مخلوق کا معاملہ ہے کہ ان کی صفات بھی حادث ہیں جیسے کہ ان کا معاملہ حادث ہے - ان تین چیزوں کا اگر فرق سامنے رکھا جائے تو پھر اس میں مغالطہ نہیں ہوگا اور اگر اس میں ذرا بے احتیاطی ہو جائے تو شرک کا امکان پیدا ہو جاتے گا -

اب آیئے شرک کی تیسری قسم کی طرف یعنی اللہ کے حقوق میں کسی کو ساجھی بنا دینا - اگر ہم اللہ کے حقوق کا شمار کریں تو ہم اس کا احصاء نہ کر سکیں گے لیکن ایک لفظ ایسا ہے کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کے پاؤں - اُس ایک لفظ میں سب حقوق آجاتے ہیں اور وہ لفظ ہے - "عبادت" اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے - لیکن اس عبادت کی بھی کوئی تشریح ہوگی تو بات سمجھ میں آئیگی - اس ضمن میں میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ پانچ چیزیں آپ گن کر اچھی طرح ذہن نشین کرلیں - عبادت میں اہم ترین چیز ہے **اطاعت**

توحید فی الاطاعت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت تمام اطاعتوں پر غالب آجائے۔ تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں۔ اگر کسی کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے برابر ہو گئی تو یہ شرک فی الاطاعت ہو جائے گا۔ تمام اطاعتیں اللہ کے تابع ہوں تو یہ توحید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق "وہ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہو گی اُس چیز میں کہ جس میں خالق کی معصیت لازم آ رہی ہو۔" اللہ کی اطاعت کے تابع والدین کی اطاعت بھی ہے۔ اساتذہ کی بھی ہے۔ حکام کی بھی ہے۔ اولی الامر کی بھی ہے۔ لیکن کوئی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد نہ ہو۔ اگر آزاد ہوئی تو یہ شرک فی الاطاعت ہو گا۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ اللہ کی اطاعت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہو گی۔ قرآن حکیم بھی ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ملا ہے اور اس میں یہ قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ"۔

دوسری چیز ہے محبت۔ تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہوں۔ کوئی محبت اللہ کی محبت کے ہم پلہ نہ ہو ہمارے قلب کے سنگھاسن پر جو بالا ترین محبت ہو۔ وہ اللہ کی ہو۔ اگر کسی اور کی محبت برابر آ کر بیٹھ گئی۔ تو جان لیجئے کہ یہی تو شرک ہے۔ یہ دو چیزیں اطاعت اور محبت بہت اہم ہیں ان کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ یہ یوں سمجھئے کہ یہ وہ اصول ہیں کہ جن کو انسان خود Apply کر سکتا ہے۔ اصول اگر ہاتھ میں آ جائیں تو انکا اطلاق کر کے انسان تمام مسائل حل کر لے گا۔ ایک اس بات کا پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ اطاعت اور محبت دونوں کے اعتبار سے اللہ کے ساتھ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم Bracket ہے۔ اطاعت اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی تمام اطاعتوں پر غالب ہو، محبت اللہ کی اور اسکے رسول کی تمام محبتوں پر غالب ہو۔ یہ توحید ہے۔ کوئی اور محبت ان کے ہم پلہ ہو گئی۔ کوئی اور اطاعت ان کے برابر ہو گئی تو یہ شرک

فی الاطاعت اور شرک فی المحبت ہوگا۔

تیسری چیز ہے دُعا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ الدعاءُ مخ العبادۃ
عبادت کا جوہر دعا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ الدّعاءھُو العبادۃ"
دُعا ہی اصل عبادت ہے۔ دعا اللہ کے سوا کسی سے نہیں ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا: لَاتَدعُوا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ اللہ کے سوا
کسی اور سے دعا نہیں کر سکتے۔ پکارو اُسی کو۔ مانگو اُسی سے۔ یہ ہوگی
توحید فی الدعاء اور اگر اللہ سے بھی مانگ رہے ہو اور کسی اور سے بھی تو
یہ شرک فی الدُعا ہے۔

چوتھی چیز ہے اخلاص۔ اگر اسمیں ریاکاری کا کہیں شائبہ ہو گیا تو یہ
بھی شرک ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: مَن صَلّٰی یُرائی فقد اشرک۔ ومن
صام یرائی فقد اشرک ومن تصدق یرائی فقد اشرک۔ "جس نے
دکھلاوے کے لئے نماز پڑھی وہ شرک کر چکا۔ جس نے دکھلاوے کیلئے
روزہ رکھا وہ شرک کر چکا۔ جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ وخیرات
کیا وہ شرک کر چکا"۔ "یہ شرک خفی کہلاتا ہے۔ نظر نہیں آتا۔ وہ جو اقبال
نے کہا کہ: "ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں"
تو اس کا اطلاق ایسی نوع کے شرک پر ہوتا ہے۔ یہ تجزیہ حضورؐ نے کرکے
بتایا کہ اگر ایک شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور اس نے دیکھا کہ کوئی مجھے
دیکھ رہا ہے اس لئے سجدہ طویل کر دیا تو اس نے شرک خفی کا ارتکاب
کیا۔ چونکہ اس طرح اس سجدے کے مسجود دو ہو گئے۔ اللہ کو بھی
سجدہ کر رہا ہے۔ اور جسے دکھا رہا ہے گویا اُسے بھی سجدہ کر رہا ہے۔

پانچویں اور آخری چیز اسی ضمن میں یہ ہے کہ کچھ مراسم عبودیت
ایسے ہیں جو صرف اللہ کے لئے خالص ہیں۔ سجدہ نہیں ہوگا سوائے اللہ
کے کسی کو بھی — اس معاملے میں شیخ احمد سرہندیؒ کا جو مقام اور جو
عزیمت تھی اُسے علامہ اقبال نے خوب تعبیر کیا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے   جس کے نفس گرم سے گرمئ احرار

سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے - اسی طرح رکوع بھی اللہ
ہے اس کے خلاف عمل شرک فی العبادہ میں شمار ہوگا -
میں نے شرک کی چند موٹی موٹی اقسام آپ کے سامنے
جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ کتنا ہمہ گیر معاملہ ہے - اللہ تع
اس کا فہم عطا فرمائے اور ہر نوع کے شرک سے محفوظ رہنے کا
فرمائے - اب اگر اسمیں مزید تشریحات مطلوب ہوں تو میں

سوال : ڈاکٹر صاحب بعض مذاہب یا بعض قومیں گذری ہیں
اس قسم کے تصورات تھے کہ اللہ تعالےٰ نے Agents
پر اس کائنات کا نظام چلانے پر مامور ہیں - جیسے ہندو مت ا
یونانی مذہب جیسے یہ روممن دیو - خدا تعالےٰ کا تصور تو ان کے ہ
ہوتا تھا - کیا یہ بھی .... شرک ہے ؟

جواب : اگر ان کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ مختار ہیں -
مرضی سے کچھ کر سکتے ہیں - آپ کی دُعائیں سن کر آپ کی تکلیف
کر سکتے ہیں تو یہ شرک ہے - اصل میں یہ and
Goddesses اور دیویوں اور دیوتاؤں کا جو تصور ہے یہ
ملائکہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے - ملائکہ تو ہم بھی مانتے ہیں لیکن
بھی مانتے ہیں کہ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ
يُؤْمَرُونَ وہ اللہ کے کسی حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے - وہی کر
جس کا حکم انہیں اللہ دیتا ہے " تو یہاں بات شرک سے علیحدہ ہ
اور جہاں انہیں خود مختار سمجھا جائے اور ان کو پکارا جاتے اور
رکھا جائے کہ وہ حاجت روائی کر سکتے ہیں - ہماری تکلیفیں رفع
ہیں تو اسی تصور سے شرک شروع ہو جائے گا -

سوال : ڈاکٹر صاحب ہم اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں
شادی بیاہ کے رسم و رواج میں برادری کا لحاظ کرتے ہیں - اور اس
اسلامی احکام کو چھوڑ دیتے ہیں - کیا یہ بھی شرک ہے - ؟

جواب : میں آپ کو قرآن مجید کے حوالے سے بتا دوں کہ ایک سے زائد مقامات پر یہ مضمون آیا ہے ۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ ۔ یعنے نبیؐ کیا آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا" تو صرف سامنے کی رکھی ہوئی ۔ مورتیں ہی نہیں پوجی جائیں ۔ وہ اندر جو نفسانی خواہشات ہیں اُن کو بھی پوجا جاتا ہے ۔ تو یہاں لفظ اللہ آیا جو ہمارے کلمہ طیبہ کے جزو اوّل میں ہے ۔ لا الٰہ الا اللہ اور قرآن کی اس آیت میں آیا اَفَرَءَيْتَ من اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اپنی ہوائے نفس کو اس نے اپنا معبود بنا لیا ۔ اس جواب سے آپ نتائج خود اخذ کر سکتے ہیں ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب! آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ "جن لوگوں نے خدا کی نسل بنائی اور بیٹا بنایا ان کے لئے آسمان پھٹنے والا ہے اور بڑا عذاب آنے والا ہے"۔ لیکن ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آج وہی قومیں دنیا میں ترقی پر ہیں اور ہم لوگ ذلت میں اور گھاٹے میں جا رہے ہیں ۔ ایسا کیوں ہے ؟

جواب : اصل میں اللہ تعالےٰ کے زمان و مکان کے پیمانے اور ہیں اور ہمارے اور ہیں ۔ اللہ تعالےٰ کے حساب میں یہ ایک چشم زدن والا مسئلہ ہے ۔ جیسے کہ سورۃ معارج میں آیا ہے اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا جو انجام ہونے والا ہے — وہ اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہے تو اس پہلو سے وقتی طور پر دھوکا نہیں کھانا چاہیئے ۔ اور متاثر نہیں ہونا چاہیئے ۔ اصل میں دیکھنا یہ چاہیئے کہ صحیح بات کیا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ انکی قضا انکے سروں پر منڈلا رہی ہو ۔

سوال : آجکل کے دور میں ہم لوگوں نے جو معمولات بنا رکھے ہیں ۔ جیسے کسی نے اپنی روزی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے ۔ کسی نے ملازمت کو، تو کیا یہ بھی شرک ہے — ؟

جواب : میں نے ابھی عرض کیا کہ اگر کسی چیز کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد ہے تو شرک ہے ۔ کسی چیز کی محبت اللہ کی محبت پر غالب ہو گئی یا برابر ہو گئی تو شرک ہے ۔ اب اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے بچانے کی تدبیر

کیا ہوگی ؟ ہمارا جتنا یقین محکم ہوگا ۔ جتنا توکل اور اعتماد ہوگا اللہ پر اتنا ہی ہم ان تمام چیزوں سے بچ سکیں گے جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا کہ :

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ۔
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اَب اگر یقین ہی مضمحل ہے ۔ اللہ پر توکل اور اعتماد نہیں ہے اور مقصود و مطلوب کے درجہ میں دنیا اور اسباب دنیا آ گئے ہیں تو گویا ظاہر بات ہے کہ روپیہ پیسہ نے معبود کا مقام حاصل کر لیا ۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے بظاہر احوال یہ سمجھ لیا کہ میری منفعت فلاں سے وابستہ ہے اور اس کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے تو اس کا یہ رویہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس کا توکل اور اعتماد اللہ پر نہیں بلکہ اسباب ظاہر یہ پر ہو گیا ہے ۔ اس کے علاج کا طریقہ یہ ہوگا کہ اللہ پر یقین کیساتھ توکل بھروسہ ہو اور ایک مسلمان شعوری طور پر جان لے کہ اس کا حقیقی مولا، کارساز حاجت روا اللہ ہے ۔ یہ مقام ورضا توحید کی اعلیٰ چوٹی ہے ۔

حضرات ! اس مختصر سے وقت میں اس وسیع موضوع کے بارے میں اختصار و اجمال کے ساتھ جو باتیں سامنے آگئی ہیں، ان کے متعلق میں عرض کروں گا کہ ان کو بھی ہم مضبوطی کے ساتھ اپنے اذہان و قلوب کی گرفت میں لیں اور اپنے اعمال کو ہر نوع کے شرک کی آلودگی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں ساتھ ہی اللہ تعالٰی سے ہر وقت یہ دعا کرتے رہیں کہ وہ ذاتِ سبحانہٗ و تعالٰی ہمیں شرک سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور توحید کی لازوال دولت سے ہمیں مالا مال فرمائے ۔ اگر ہمیں اجتناب شرک اور التزام توحید کی سعادت نصیب ہو جائے تو یہ ہماری اُخروی کامیابی اور فوز و فلاح کے لئے کافی ہوگی ۔

اللّٰھم انّا نعوذ بک من الشک والشرک
وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین ہ

مسلمانوں کا باہمی اتّحاد و اتّفاق

اہمیّت، اساس اور مقصد

ڈاکٹر اسرار احمد

(ایک نشری تقریر جو ریڈیو پاکستان سے ۱۳ر نومبر ۸۳ء کو نشر ہوئی)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۰ اما بعد : فقد قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ آل عمران : اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ـــ وقال تبارک وتعالےٰ، وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ وقال عزوجل فی سورۃ الانفال : وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۰ صدق اللہ العظیم -

ابھی قرآن حکیم کی جو تین آیات مبارکہ تلاوت کی گئی ہیں، وہ من جملہ ان کثیر آیات کے ہیں جن میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا درس بلکہ حکم دیا گیا ہے۔ جہاں تک اتحاد و اتفاق کی برکات کا تعلق ہے، ان کا بیان تحصیل حاصل ہے - اس لئے کہ یہ ان عالمی مسلمات میں سے ہیں کہ جن کے بارے میں کسی اختلاف کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے - یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں بولی جانے والی زبان میں اس کے ضمن میں کہاوتیں اور ضرب الامثال کثرت

سے موجود ہیں۔ مثلاً: انگریزی میں: United you stand
divided you fall! اور: A home divided
Amongst itself Cannot stand!
وغیرہ بہت سے نعرے اور جملے زبان زد خواص و عوام ہیں۔ اور یہی حال دُنیا کی ہر زبان کا ہے۔

قرآن حکیم کی جو آیات ابتداء میں تلاوت کی گئی تھیں، ان میں سے سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں مثبت انداز میں حکم دیا گیا "اور اللہ کی رسّی کو سب مل جل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں مبتلا ہونے سے بچو!" — اور آیت نمبر ۱۰۵ میں تنبیہ اور تہدید کے انداز میں فرمایا "اور ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ بازی کی روش اختیار کی اور روشن تعلیمات کے آجانے کے بعد بھی باہمی اختلافات کو ہوا دی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو دردناک عذاب دیا جائے گا" — اسی طرح سورۃ انفال کی آیت ۴۶ میں تنازعہ و اختلاف اور انتشار و افتراق کے عواقب و نتائج سے خبردار کیا گیا کہ "اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور آپس میں مت جھگڑو، اس سے تمہاری ہمتیں بھی پست ہو جائیں گی اور تمہاری ہوا بھی اکھڑ جائے گی اور اس کے برعکس، صبر کی روش اختیار کرو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے!"

ذرا غور کیا جائے تو ان آیات مبارکہ میں جہاں اتحاد و اتفاق کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور افتراق و انتشار سے شدت کیساتھ منع فرمایا گیا ہے، وہاں اس اہم ترین سوال کا جواب بھی دے دیا گیا ہے کہ اس اتحاد و اتفاق کی اساس اور بنیاد کیا ہے؟ چنانچہ ان آیات مبارکہ سے مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی دو بنیادیں سامنے آتی ہیں:

ایک "اعتصام بحبل اللہ" یعنی اللہ کی رسّی کو مل جل کر مضبوطی سے تھامنا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے۔ تو اس کا جواب اس اصول کے تحت کہ قرآن میں جہاں بھی تشریح و وضاحت کی ضرورت محسوس ہو، اوّلاً

رجوع کیا جائے گا محمد رسول اللہ کی جانب کہ ان کا تو فرض منصبی ہی از روئے قرآن یہ ہے کہ وہ قرآن کی توضیح و تبیین کریں بفحوائے الفاظ قرآنی، وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (سورۃ نحل آیت ۴۴) یعنی "اے محمدؐ ہم نے یہ ذکر (یعنی" قرآن مجید" آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ وضاحت فرمائیں لوگوں کے لئے اس کی کہ جو ان کی جانب نازل کیا گیا ہے!" — چنانچہ متعدد احادیث نبویہ میں یہ حقیقت کھول کر بیان کردی گئی ہے کہ حبل اللہ سے مراد ہے۔ "قرآن حکیم" — جیسے کہ ایک طویل روایت میں جسے امام بیہقیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس میں نبی اکرمؐ نے قرآن حکیم کے محامد و محاسن کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے، اس میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: "وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ" یعنی وہ ہی قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے"— اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ سے مرفوعاً آنحضورؐ کا یہ قول روایت کیا گیا ہے -کہ" القرآن ھو حبل اللّٰہ الممدود من السماء الی الارض" یعنی" قرآن اللہ کی وہ رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے!" — اسی عظیم حقیقت کو نہایت دلنشیں پیرائے میں ادا کیا ہے ترجمان حقیقت علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ان اشعار میں کہ:

از یک آئینے مسلمان زندہ ہست	پیکر ملت از قرآن زندہ ہست
ما ہم خاک و دل آگاہ اوست	اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

یعنی مسلمان کی زندگی کا راز اس میں مضمر ہے کہ اس کے پاس ایک مشترک اور متفق علیہ آئین و دستور موجود ہے چنانچہ جسد ملت کی زندگی کا دار و مدار قرآن پر ہے اور جس طرح پورا جسد انسانی تو خاکی الاصل ہے البتہ اس میں دھڑکنے والا دل معرفت خداوندی سے منور ہے اسی طرح پوری ملت کا جسد بھی خاک کے مانند ہے جس میں قلب حقیقت آگاہ کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے پس اس کو مضبوطی سے پکڑو اس لئے کہ دراصل وہی حبل اللہ ہے! — اور یہ حقیقت ویسے بھی اظہر من الشمس ہے کہ انسانی اتحاد و اتفاق کی اصل جڑ، بنیاد فکری ہم آہنگی ہے — اور امت مسلمہ کو یہ نعمت عظمیٰ صرف قرآن حکیم کے ساتھ گہرے

اور مضبوط ذہنی و قلبی تعلق ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کی دوسری اساس عملی ہے —— یعنی اللہ اور اس کے رسول کی غیر مشروط اطاعت ۔ جس کے لئے قرآن و حدیث کی مخصوص اصطلاح "سمع و طاعت" ہے یعنی، سنو اور اطاعت کرو، گویا محض سننے ہی سے حکم کی اطاعت لازم ہوجائے —— یہ ضروری نہیں ہے کہ اس حکم کی حکمت و مصلحت بھی سمجھ میں آئے جیسے کہ ایک انگریزی نظم میں تصور دیا گیا ہے۔

There is not to reason why? -
There is but to do and die!

ظاہر ہے کہ جبتک اُمّتِ مسلمہ میں یہ جذبہ پیدا نہ ہوجائے کہ جو حکم بھی اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ملے، بے چون و چرا اس کی اطاعت کریں گے، اس وقت تک یہ اُمّت باہمی اتحاد و اتفاق کی دولت سے محروم رہے گی —— اس ضمن میں چونکہ یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ عملاً مسلمانوں کو اپنے اصحاب حل و عقد یا "اولوا الامر" کی اطاعت بھی کرنی ہوگی اور ان سے اختلاف رائے کی گنجائش بہرحال موجود رہے گی لہٰذا سورۂ نساء کی آیت ۵۹ میں اس کا حل بھی تجویز کر دیا گیا ہے "وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ" یعنی "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اپنے اولی الامر کی بھی۔ پھر اگر کہیں اختلاف رائے ہوجائے تو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب! یعنی مستقل بالذات اور غیر مشروط اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ باقی سب اطاعتیں ان کے تابع اور مقیّد و مشروط ہیں۔

اتحاد و اتفاق کے ضمن میں ایک اور اہم سوال یہ بھی ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ اور یہ اتحاد و اتفاق کس غرض کے لئے مطلوب ہے؟ چنانچہ سورہ آل عمران کے جس مقام پر اتحاد و اتفاق کا مثبت حکم اور افتراق و انتشار پر وعید وارد ہوئی ہے، وہیں نہایت واشگاف الفاظ میں ان کا اصل مقصد و مطلوب بھی واضح کر دیا گیا ہے اور وہ ہے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر"

یعنی "نیکی اور بھلائی کا پرچار اور اس کی ترویج وتنفیذ ـــــ اور برائی کی ممانعت وکلّی استیصال"، چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ امّتِ مسلمہ کی تاسیس ہی اس غرض سے کی گئی ہے کہ وہ پوری نوع انسانی کو نیکی کی تلقین کرے اور بدی سے روکے ـ بفحوائے الفاظ قرآنی كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ اور آیت ۱۰۵ میں اس امکانی صورتِ حال کے پیشِ نظر کہ جس سے امت اس وقت شدّت سے دوچار ہے یعنی یہ کہ پوری اُمّت اپنے فریضے کو بھول جائے اور دنیا کی دوسری اقوام کی مانند صرف ایک قوم بن کر رہ جائے جسے اپنے دنیوی مفادات کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہیں ہوتی، پیشگی حکم دے دیا گیا کہ اس صورت میں اُمّت کے جن افراد کو اپنا فرض یاد رہ جائے یا یاد آجائے وہ مل جل کر اس بڑی اُمّت میں ایک چھوٹی اُمّت یعنی Party within Party کی صورت اختیار کریں اور اوّلاً خود اُمّتِ مسلمہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں ـــــ اور اُمّت کو بیدار اور منظم کر کے عالمی اور آفاقی سطح پر اس فریضے کی بجاآوری کا اہتمام کریں ـ بفحوائے الفاظ قرآنی : وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ اس آیۂ مبارکہ کے آخری الفاظ بہت اہم ہیں یعنی یہ کہ فلاح کا حتمی اور پختہ وعدہ صرف انہی لوگوں سے ہے جو اس فریضے کی ادائیگی کے لئے نہ صرف کمربستہ ہوں بلکہ مل جل کر ایک امّت کی صورت اختیار کرلیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے ـــ

آمین ثم آمین ـ

(بقیہ صـ ۳۷)

شگاف ڈالے گئے ہیں تو یہ سارے اختلافات متاعِ غرور (دھوکے کی پونجی) کے سوا کچھ نظر نہیں آئیں گے، اور ہمیں کوشش کرنی ہوگی کہ ان اختلافات کی خلیج کو حکمت سے ساتھ پاٹا جائے ـ (باقی آئندہ)

قسط دوم

شرک اور اقسامِ شرک

شرک فی الصّفات (۱)

ڈاکٹر اسرار احمد

شرک فی الصّفات پر گفتگو سے قبل شرک فی الذّات کے ذیل میں اس بنیادی بات کی مزید وضاحت مفید رہے گی کہ شرک فی الذّات درحقیقت اعتقادی شرک ہے صرف عملی نہیں ہے بلکہ اس میں اعتقادی شرک بہت مضبوط جڑیں رکھتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ شرک جلی ہے، شرک خفی نہیں ــــ شرک فی الصّفات کا معاملہ ذرا اس سے مختلف ہے۔ اس کا معاملہ قدرے خفی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اگر انسان ہوشیار اور چوکس نہ رہے، چوکنا اور محتاط نہ رہے تو اس بات کا اندیشہ موجود رہے گا کہ وہ غیر شعوری اور غیر محسوس طریقہ پر شرک فی الصّفات کا مرتکب ہو جائے اور اُس میں ملوّث ہو جائے۔

اشتراکِ لفظی اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں بعینہٖ وہی الفاظ ہم مخلوق کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کو ہماری زبان کی تنگ دامنی کہہ لیجئے کہ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے جدا الفاظ نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ سُبحانہٗ کی صفات کی تعبیر کے لیے جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں وہی مخلوق کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ البتہ ان استعمالات میں ایک عظیم فرق موجود ہوتا ہے یعنی وہی لفظ اگر خالق کے لیے بولا جائے تو اُس کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور مخلوق کے لیے بولا جائے تو کچھ اور ــــ اگر یہ فرق پیشِ نظر نہ رہے، مستحضر نہ رہے تو غیر شعوری طور پر انسان شرک فی الصّفات میں ملوّث ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ خدا موجود ہے۔ وجود اللہ کی ایک صفت ہے، لیکن ہم بھی موجود ہیں لہٰذا اسی صفت وجود سے خدا بھی متصف ہے اور ہم بھی ــــ خدا کی ایک صفت علم ہے اسی صفت کا اطلاق ہم مخلوقات پر بھی کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ بڑے مبالغے کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں علّام یا علّامہ مبالغے کا لفظ ہے، یہی صفت اللہ کی بھی ہے، وہ عالم ہے، علیم ہے، علّام الغیوب ہے، اور ہمارے ہاں بھی نہ معلوم کتنے لوگ ہیں جن پر ہم علّامہ کی صفت

کا اطلاق کرتے ہیں۔ چند اور مثالیں دیکھ لیجئے۔ بصارت ہے، سماعت ہے، ارادہ ہے، حکم ہے، قدرت ہے، حیات ہے۔ ان تمام صفات سے اللہ تعالیٰ بھی متصف ہے اور ہم بھی۔ وہ بصیر ہے، سمیع ہے، صاحب ارادہ ہے، حکیم ہے، قادر و قدیر ہے، حیّ ہے تو ہم بھی صفات سے متصف ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس لفظی اشتراک کی وجہ سے انسان میں ایک پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک زبردست مغالطہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ چوکس، چوکنا اور ہوشیار و محتاط نہ رہے تو اس باب میں زبردست ٹھوکر کھا سکتا ہے۔

احتیاط کیا ہے؟ اس ضمن میں ہم کو جو احتیاط ملحوظ رکھنی ہے اور جس شرط و قید کو رکھنا ہے وہ یہ ہے کہ یہ صفات جن مفاہیم میں خدا کے لیے مستعمل ہیں، وہ اس مفہوم سے بالکل جدا ہیں، جن کا اطلاق مخلوق پر کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں بلکہ زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ بات بھی میں نے محض سمجھانے کی غرض سے کہی ہے ورنہ حقیقتِ نفس الامری تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ و عمّ نوالہٗ جن صفات سے متصف ہے اور اس سے مشابہ جو صفات کسی مخلوق میں پائی جاتی ہیں اُن میں سرے سے کوئی نسبت و تعلق ہے ہی نہیں اور نہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس فرق و تفاوت اور اس بات کو انسان اچھی طرح سمجھ لے، پورے شعور کے ساتھ جان لے تو پھر اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ شیطان کے اغوا سے خود کو محفوظ رکھ سکے اور شرک فی الصّفات میں ملوّث نہ ہو سکے!

اس تمہیدی گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ ہم کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ صفاتِ الٰہیہ کے بیان و تعبیر کے لیے الفاظ وہی ہوتے ہیں جو مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کا اطلاق خالق پر کیا جاتا ہے تو اُن کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور جب ان ہی صفاتی الفاظ کا اطلاق مخلوق میں سے کسی پر کیا جائے گا تو ان کے معانی و مفاہیم بالکل بدل جائیں گے۔

فرق و تفاوت کیا ہے؟ اب میں چاہتا ہوں کہ اس فرق و تفاوت کو تین نکات کے ذریعے سے اپنے ذہن نشین کر لیجئے۔ خوب اچھی طرح اپنے ذہن میں جما لیجئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور ماسوا یا مخلوق کی ذات و صفات میں تین بنیادی فرق ہیں

● پہلا نکتہ اور فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اس کی اپنی ہے۔ کسی اور نے اس کو وجود نہیں بخشا بلکہ وہ از خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جبکہ ماسوا جو کچھ بھی ہے اس کی ذات اور اس کا وجود عطائی ہے۔ اُس کو خدا نے بخشا ہے۔ پھر یہ کہ مخلوق جتنی

کسی کو بھی دوام و بقا حاصل نہیں ہر ایک کے لیے فنا لازم ہے : كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (سورۃ الرحمٰن ۔ ۲۷) "ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے اور صرف تیرے ربِ جلیل و کریم کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔"

● دوسرا نکتہ اور فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ذاتی ہیں، کسی اور کی عطا کردہ نہیں ہیں جبکہ مخلوق کی صفات کُلّیتہً عطائی ہیں، خدا کی عطا کردہ ہیں۔ کسی میں بھی اپنی ذاتی صفت کوئی نہیں ہے جب وجود ہی اپنا نہیں عطائی ہے تو ظاہر بات ہے کہ صفت تو اس پر عارض ہوگی، اس پر مزید اضافے کے طور پر واقع ہوگی تو اس کی ذات بھی مستعار (یہ لفظ ہماری زبان میں کثرت سے اس طور پر مستعمل ہے کہ ہم "حیاتِ مستعار" بولتے ہیں) اور اس کی صفات بھی عطائی ـــــ مخلوق کی زندگی کی مہلت بھی عارضی، لہٰذا اس کی صفات بھی عارضی۔ حیات بھی عطائی اور صفات بھی عطائی ـــــ دینے والے نے جو اجل مقرر کر دی ہے اس سے پلک جھپکنے کے برابر بھی اضافہ پر کسی کو قدرت نہیں۔

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ (المنافقون ۔ ۱۱)

اور جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ کسی شخص کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا۔

پس مخلوق کی تمام صفات اس کی ذات ہی کے مانند عطائی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اس کی ذات کے مانند اس کی اپنی اور ذاتی ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس نکتے کی مزید وضاحت کر دوں چونکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ انسان کو اس میں مغالطہ لاحق ہو ہی جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ العزیز مفید مطلب رہے گی۔

اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح جان لیجیے کہ اللہ کی ذات بھی قدیم ہے اور اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ ما سوا اور مخلوق کا مطلب ایک ہی ہے چونکہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ ما سوا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو خلاّق ہے، اُس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے۔ ما سوا کی ذات اور صفات دونوں حادث ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ازل سے ہے ـــــ یہ ازل کا لفظ بھی بطورِ مجاز و تفہیم اللہ کے لیے بولا جاتا ہے ورنہ اس لفظ میں بھی ایک محدودیت ہے

چونکہ "ازل" میں کسی سلسلہ کے آغاز کا تصوّر موجود ہوتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے لیے کسی شروعات کا تصوّر درست نہیں۔ یہ لفظ مخلوق کو خالق کی قدامت کا ایک تصوّر دینے کے لیے تو حقیقی ہو سکتا ہے لیکن خود خالق کے لیے یہ لفظ مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ جب سے ہے اور ہمیشہ سے ہے، اُس کی تمام صفات بھی یکساں و تمام اُس کی ذات کی طرح قدیم ہیں۔ اس کی شان تو وہ ہے جو سورۂ حدید میں یوں بیان ہوئی کہ : هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے، یہ بات نہیں ہے کہ کوئی واقعہ ظہور پذیر ہو جائے تو اس کے علم میں آئے بلکہ وہ تو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کی شان کا حامل ہے۔ اس کا علم کامل ہے۔ اس ہستی تبارک و تعالیٰ کی صفتِ علم کا معاملہ ہماری صفتِ علم کی طرح نہیں کہ جو عمر، تعلیم اور تجربہ کی بنا پر بڑھتا رہتا ہے اور کسی عارضہ و حادثہ کی وجہ سے معدوم و محو بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی کوئی کیفیت اللہ کی صفتِ علم کے ساتھ وابستہ کر لی جائے تو گویا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو اس کے مقامِ رفیع سے گرا کر مخلوق کی صف میں لا کھڑا کیا گیا — بعض فلاسفہ کا (جن میں بدقسمتی سے مسلمان بھی شامل ہیں) یہ خیال و نظریہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو صرف کلیات کا علم ہے جزویات کے علم سے (نعوذ باللہ) اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بھی گویا اللہ کو مخلوق پر قیاس کرنا ہوا۔ یہ خیال و نظریہ بھی درحقیقت شرک فی الصّفات کے ذیل میں آئے گا۔ چونکہ اپنی روح کے اعتبار سے یہ بھی اللہ کو اُس کے مقامِ بلند سے گرا کر مخلوق کی سطح پر لا کھڑا کرنا ہوا۔ اور جیسا کہ مَیں نے اپنی تمہیدی گفتگو میں عرض کیا تھا کہ شرک کی جامع تعریف و تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کو اس کے مقامِ ارفع و اعلیٰ سے گرا کر اس کو مخلوق کی صف میں لا کھڑا کیا جائے یا مخلوق میں سے کسی کو اٹھا کر اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ عزّ وجلّ کے برابر لا بٹھایا جائے۔"

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور وجود قدیم۔ مخلوقات میں سے ہر مخلوق کی ذات و وجود حادث ——— اور اللہ کی تمام صفات اس کی اپنی ذات کی طرح قدیم، اس کی اپنی ذاتی اور ہر لحاظ سے کامل و اکمل۔ مخلوق کی صفات عطائی اور ناقص و محدود۔

تیسرا نکتہ اور فرق یہ ہے (اور یہ مفہوم، معنی اور مطلب کے لحاظ سے بہت اہم اور عظیم

ہے) کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات ہی کے مانند مطلق (Absolute) ہیں۔ ان پر کوئی حدود و قیود عائد نہیں ہیں، نہ وہ کسی خارجی تعاون و اعانت کی محتاج ہیں۔ مثلاً وہ بصیر ہے تو اُس کی یہ صفت مطلق ہے جب کہ ہماری صفتِ بصارت محدود و مشروط ہے۔ ہماری آنکھ میں بینائی کی صلاحیت ہو، خارج میں روشنی بھی موجود ہو تو ہم دیکھ سکیں گے۔ بصارت موجود ہے لیکن خارج میں روشنی موجود نہیں، گھُپ اندھیرا ہے۔ یا ہم کسی انتہائی تاریک تہہ خانے میں مقیّد ہیں تو بصارت ہوتے ہوئے بھی ہم دیکھنے سے قاصر و معذور ہیں۔ اسی طرح خارج خوب روشن ہے لیکن بدقسمتی سے ہم "بینائی" سے محروم ہیں، تو بھی "دیکھنے" سے قاصر رہتے ہیں ــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم اتھاہ ہے، اُس کی کوئی حد نہیں ہے جس کو ماپا جاسکے وہ بکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ کی شان کا حامل ہے۔ اس کی قدرت لامحدود ہے، اُس کی سرحدیں نہیں جن کا تعیّن کیا جاسکے، وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ اس کی قدرت کا عالم تو یہ ہے کہ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد ہے اور اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ کی شان کا حامل ہے!!

مختصراً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی مطلق ہے جس کو انگریزی میں THE ABSOLUE BIENG سے تعبیر کیا جاتا ہے ــ ذاتِ مطلقہ ــ اسی طرح اس کی تمام صفات بھی مطلق ہیں وہ کسی حدود یا قیود سے آشنا نہیں ــــ اس کے برعکس ماسوا اور مخلوق کی جملہ صفات محدود و مقیّد ہیں، جیسا کہ مَیں ابھی بطورِ افہام بصارت کی صفت کے متعلّق عرض کر چکا۔ اب اگر مخلوق میں سے کسی کی کسی صفت کے ساتھ اطلاق کا کوئی تصوّر ذہن میں قائم ہو جائے گا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسی اعتبار سے انسان نے خالق کو مخلوق کے ہم پلّہ اور ہمسر بنا دیا۔

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ چونکہ ہماری زبان میں خالق اور مخلوق کی صفات کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اُن میں باہمی اشتراک ہے لہٰذا مغالطہ اور التباس کا پیدا ہو جانا عین قرینِ قیاس ہے۔ جس سے محفوظ رہنے کے لیے اس کی معرفت ضروری ہے!

ایک ضروری وضاحت | اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ایک اہم بات مزید اچھی طرح جان لیجئے کہ وہ لامتناہی ہیں۔ ان کی نہایت کا کوئی تصوّر بھی انسان کے محدود ذہن کے لیے ممکن نہیں۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ انسان جس خوبی، خیر اور کمال کا تصوّر کر سکتا ہے، وہ بدرجۂ اتم واکمل اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا

الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ج (۱۱۰) "اے نبی! اُن سے کہہ دو کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔"

اسی طرح سورۃ الحشر میں آیات ۲۲ تا ۲۴ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا جو بیان ہوا ہے، جس کو ایک حسین گلدستہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، اُس میں بھی فرمایا: لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ ان دونوں مقامات پر حصر کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے یعنی حقیقتِ نفس الامری یہی ہے کہ ہر اچھا نام اُسی ذات تبارک و تعالیٰ ہی کے لیے سزاوار ہے۔

صفات و اسمائے الٰہی کے باب میں اہم بات | جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ و احصاء انسان کے ذہنی افق کے لیے ممکن نہیں، اسی طرح اس کی صفات کا بھی "احاطہ" انسان کے بس سے باہر ہے، یعنی نہ تو ان کی "کمیت"، یعنی مقدار ہمارے محدود ذہنوں میں آ سکتی ہے اور نہ ہی "کیفیت" معلوم ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ اللہ کی "کمیت"، یعنی قدرت کتنی ہے؟ اور علم کتنا ہے؟ یہ ہم نہیں جان سکتے۔ اسی طرح اللہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی لیکن وہ کیسے سنتا ہے اور کیسے دیکھتا ہے۔ یہ بھی ہمارے علم کی حدود سے باہر ہے۔

صفاتِ الٰہی سے ہمارا ذہنی رابطہ | دوسری جانب یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ معرفتِ خداوندی کے ضمن میں ہماری کل پہنچ بس اس کے ان اسماء صفات تک ہی ہے ——— جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں اور ان تمام اسمائے حسنیٰ کو ماننا اور تسلیم کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ لیکن اس کی کیفیت و کمیت کا اندازہ ہمارے لیے ممکن ہی نہیں۔ اس کے لیے صرف ایک پناہ گاہ ہے اور وہ ہے لفظ کُلّ ـــ جیسا کہ فرمایا کہ: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط

ایک بات اور بھی جان لیجئے کہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ پر ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ یہ بات تسلیم کرنا اس ایمان و یقین کے مقتضیات میں سے ہے کہ دنیا میں جو بھی قدرت و کمال اور حسن و جمال جن جن اعتبارات سے موجود ہے وہ بہ تمام و کمال اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے اور جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اُسی طرح اُس کی صفات بھی قدیم ہیں اور تمام صفات بیک وقت موجود ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم میں جہاں اس کے ایک سے زائد اسماء حسنیٰ بیان ہوتے ہیں اکثر ان کے درمیان واو عطف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں نے سورۂ حشر کے آخری

رکوع کی آخری آیات کا حوالہ دیا کر : هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

احتیاطی تدابیر | میں تفصیل سے عرض کر چکا کہ صفاتی اسماء کے لفظی اشتراک کی وجہ سے التباس و مغالطہ لاحق ہو جانا عین قرین قیاس ہے جس سے محفوظ رہنے کے لیے تین اصولوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کو الجبرا کی Equation - اور اُس کے فارمولوں کی طرح اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے :

- خدا کی ذات بھی قدیم اس کی صفات بھی قدیم۔ ماسوا (مخلوق) کی ذات بھی حادث اور اُس کی صفات بھی حادث۔
- خدا کی ذات مطلق (ABSOLUTE) ہر قسم کی حدود و قیود سے آزاد و منزہ اور اس کی صفات بھی مطلق و اکمل۔ حدود و قیود (LIMITATIONS) سے ناآشنا — ماسوا (مخلوق) کی ذات و صفات دونوں محدود۔
- خدا کی ذات و صفات خود اُس کی اپنی ہیں۔ صرف اور صرف وہ ہی الحیّ القیّوم ہے صرف اُسی کی شان ہے کہ : اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

اور سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (سورہ حدید ۱ تا ۳)

ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ کی تسبیح کی ہے۔ آسمانوں اور زمین (کل کائنات) کی بادشاہی (حقیقتاً اور استحقاقاً) اُسی کی ہے وہی ہے جو زندہ رکھتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور صرف وہی ہے جو ہر چیز کا کامل علم رکھتا ہے۔

جبکہ ماسوا (مخلوق) کی ذات، اس کا وجود، اُس کی صفات سب کی سب عطائی ہیں۔

ان اصولوں کو تسلیم کرنے کے مثبت نتائج | یہ تینوں اصول اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں تو وہ بعض مسائل جو اس سلسلہ میں بڑے ہی مختلف فیہ اور معرکۃ الآرا بن گئے ہیں، اور جن کی شرح و تعبیر میں ہمارے مختلف کلامی مکاتبِ فکر میں قیل و قال اور بحث و نزاع کا بازار گرم رہتا ہے۔ جن کے باعث گروہ بندیاں حتیٰ کہ مسجدیں اور نمازیں علیحدہ ہوگئی ہیں جو امت کی وحدت کے لیے عظیم خطرہ ہیں. وہ تمام مسائل اس طرح حل ہونے اور سلجھتے چلے جاتے ہیں کہ کوئی التباس، کوئی مغالطہ، کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا اور انسان کو قلبی و ذہنی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس نتیجہ پر از خود پہنچ جاتا ہے کہ یہ مسائل بے جان اور بے حقیقت ہیں اور ان کو محض اپنے علیحدہ علیحدہ تشخص کے لیے بحث و نزاع کا موضوع بنا رکھا ہے اور اس کی غایت بحث برائے بحث کے سوا کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات | یہ بات تقریباً مجمع علیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اساسی و بنیادی ہیں۔ بقیہ صفات ان ہی کی فروعات، مقتضیات، متضمنات اور مقدرات کی حیثیت رکھتی ہیں — ہمارے متکلمین کے مابین ان بنیادی و اساسی صفات کے بارے میں ایک خفیف اور معمولی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ پانچ ہیں اور بعض کے نزدیک سات اور وہ یہ ہیں :

(۱) وجود (۲) حیات (۳) علم (۴) قدرت (۵) ارادہ (مشیئت)

یہ پانچ صفات تو تمام متکلمین کے مابین متفق علیہ ہیں — جو حضرات بنیادی صفات سات قرار دیتے ہیں وہ اس فہرست میں کلام اور سمع و بصر کو بھی شامل کرتے ہیں — میں اس مسئلہ پر صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ یہ بنیادی صفات پانچ ہیں یا سات، صرف چند مثالیں دے کر اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے وہ بات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔

چند مثالیں | پہلے صفتِ علم کو لیجیے، میں اس سلسلہ میں اجمالاً پہلے بھی چند اشارات کر چکا ہوں۔ اس صفتِ علم کو سمجھنے کے لیے اِن ہی تین بنیادی اُصُولوں کو ذہن میں لائیے۔

اللہ کا علم ذاتی ہے، اللہ کا علم مطلق اور غیر محدود اور لامتناہی ہے۔ اللہ کا علم قدیم ہے ماسوا یا مخلوق خواہ وہ ملائکہ ہوں، انبیاء و رُسُل ہوں، اولیاء اللہ ہوں مکسے باشد۔ وہ حضرت جبریلؑ ہوں جو سرخیلِ ملائکہ ہیں، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں جو سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں یا وہ اولیاء اللہ میں سے خلفائے راشدین ہوں، عشرہ مبشرہ ہوں، بدری

صحابی ہوں اور اُمت کے صلحا و اتقیا ہوں، کوئی بھی ہو، ان سب کا علم ماسوا اور مخلوق کی فہرست میں آئے گا ـــــ اگر ان کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ مخلوق نہیں ہیں تو معاملہ بالکل ہی خارج از بحث ہو جائے گا۔ ان کے بارے میں یہ تین باتیں لازماً تسلیم کرنی ہونگی کہ ان کا علم ذاتی نہیں ہے عطا کردہ ہے: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (اللہ کے علم کامل میں سے کوئی چیز انسانوں کی گرفتِ ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے) اُن کا علم قدیم نہیں ہے، حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی جو قدیم و مطلق شان ہے، اس کو ماسوا (مخلوق) میں سے کسی کے لیے ہم نہیں مان سکتے اور یہ کہ ماسوا (مخلوق) کا علم محدود تھا، محدود ہے اور محدود ہی رہے گا۔ اس کو غیر محدود اور لامتناہی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان تینوں میں کسی ایک کے بارے میں بھی اشتباہ ہو جائے، ان میں سے کسی کو بھی ماسوا (مخلوق) میں سے کسی کے لیے بھی مان لیا جائے تو یہ شرک فی العلم ہوگا۔ لیکن اگر ان تینوں باتوں کو ذہن میں مستحضر رکھا جائے تو وہ شرک نہیں ہوگا۔

علمِ غیب کی بحث میں چاہتا ہوں کہ صفتِ علم کے ضمن میں میں نے جو مقدّمات قائم کئے ہیں، ان کی روشنی میں علمِ غیب کے مسئلہ کو بھی سمجھ لیا جائے۔ چونکہ اس پر قیل و قال اور بحث و نزاع کا ایک طویل سلسلہ ـــــ چلا آرہا ہے، اور دو مکاتبِ فکر کے مابین جو چیزیں فرق و امتیاز کی علامتیں بن گئی ہیں، ان میں یہ مسئلہ بھی بڑی اہمیّت کا حامل ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے تو سارا مسئلہ دراصل لفظِ غیب کی تعریف و تعبیر پہ گھومتا ہے۔ جو گروہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کی نفی کر رہا ہے وہ علمِ غیب کی تعریف (DEFINATION) کچھ اور کرتا ہے اور جو گروہ اس کا اثبات کر رہا ہے اس کے نزدیک علمِ غیب کی تعریف و تعبیر بالکل دوسری ہے۔ لہٰذا اس بحث و تمحیص کا اصل سبب یہ ہے کہ دونوں گروہوں کے نزدیک علمِ غیب کی تعریف (DEFINATION) ایک نہیں ہے۔ مَیں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں ساہیوال میں بریلوی مکتبِ فکر کے ایک جیّد عالمِ دین سے رابطہ قائم کیا اور مَیں نے اُن سے معلوم کرنا چاہا کہ ان کے ہاں نبی اکرم کے علمِ غیب کے بارے میں اصل عقیدہ کیا ہے؟ انہوں نے مجھے زبانی بھی بتایا اور پھر مجھے اپنے مکتبِ فکر کی بہت سی کتابیں بھی دکھائیں تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ ہم حضور کے علم کے بارے میں یہ تینوں باتیں مانتے ہیں کہ وہ حادث ہے، قدیم نہیں، وہ محدود ہے، لامحدود نہیں وہ عطائی

ہے ذاتی نہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اگر ان تینوں کا اعتراف ہے تو میرا اطمینان ہو گیا۔
فساد جو واقع ہوتا ہے اُس کا سبب عموماً سطحی ہوتا ہے۔ میلاد اور مولود کی محفلوں میں اور
عوام النّاس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جن کی عظیم اکثریّت دین ہی سے نابلد اور جاہل
ہے کجا ان مہماتِ مسائل کا کوئی درک ہو۔ عام جلسوں میں ان مسائل کو چھیڑا جاتا ہے
تو بے علم واعظ اور نعت گو ان حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ تینوں چیزیں
مستحضر رہیں تو پھر شرک فی العلم کا کوئی شائبہ پیدا نہیں ہوگا۔

مسئلہ کا دوسرا رُخ | رہا یہ معاملہ کہ ہم اس بات کو ماپنے اور اُس کی حدود مقرر
کرنے کے لیے بیٹھ جائیں کہ حضورؐ کو غیب کا کتنا علم تھا اور کتنا نہیں، تو یہ درحقیقت ہم
اپنی حدود سے تجاوز کریں گے۔ چونکہ نبی اور رسول کا علم نوعیّت کے اعتبار سے ہمارے
علم سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ہمارا سارا علم، علم بالحواس ہے، یا علم بالعقل ہے۔ ہمارے
علم کے یہ دو دائرے ہیں لیکن نبی کا علم، علم بالوحی ہے۔ یہ علم کا تیسرا دائرہ ہے اور یہاں
معاملہ مقدار (QUANTITATIVE) کا نہیں بلکہ نوعیّت (QUALITATIVE)
کا ہے ـــــ ہمارا علم دراصل حواس و عقل کے دائروں میں محدود ہے۔ ہم حواس کے ذریعہ
جو تجربات و مشاہدات کرتے ہیں، اُن سے عقل کے ذریعہ نتائج مترتّب کرتے ہیں۔ مثلاً آنکھ
نے کچھ دیکھا، کان نے کچھ سُنا، اس پر عقل نے کچھ سوچا اور ایک نتیجہ برآمد ہو گیا۔ ہمارا سارا
علم حواس اور تعقّل و تفکّر کے دائروں میں محدود و محصور اور دائر رہتا ہے۔ اسی تعقّل و تفکّر
کے بہت سے شعبے ہیں، جن کو استدلال، استنباط، استشہاد، استنتاج، استخراج کہا جاتا
ہے لیکن نبی اور رسول کے علم کی نوعیّت بالکل مختلف ہوتی ہے، اُن کو یقیناً بہت سے غیبی
حقائق علم بالوحی کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں جو ہماری دسترس سے ماوراء ثم ماوراء ـــــ
(TOTALLY OUT OF BOUND) کی حیثیّت رکھتے ہیں۔ وہ حقائق جو اس
حیاتِ دُنیوی میں ہمارے لیے ہمیشہ ہمیش کے لیے غیب کا درجہ رکھتے ہیں اور جو ہم پر دُنیوی حیات
کے انقطاع پر منکشف ہوں گے۔ ان اُمورِ غیبی میں سے کچھ کا پردہ ہٹا کر نبی اور رسول کو مشاہدہ
کرایا جاتا ہے۔ اور اس پر انزالِ وحی ہوتا ہے جبھی تو وہ نبی قرار دیا جاتا ہے۔ نبی کے لُغوی معنی
ہیں: "عظیم خبریں دینے والا" اور دینی اصطلاح میں اس کے معنی ہوتے ہیں: "غیب کی خبریں
دینے والا" اُن امور کی خبریں دینے والا جو ماوراء الطبیعات ہیں اور جن کا تعلق عالمِ ملکوتی سے

ہے۔ لہٰذا نبی کے لیے علم غیب کا مطلق انکار کرنا تو گویا نبوت و رسالت کا انکار ہو جائے گا۔ اس استثناء کو خود قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ فرمایا کہ:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاۙ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا۠ ۝ (سورۃ الجن ۲۷ : ۲۸)

وہ (اللہ) عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس رسول کے جس کو اُس نے (نبوّت و رسالت کے لیے) پسند کر لیا ہو۔ تو اس (رسول) کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اور وہ ان کے پورے احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کا عددی حساب اس کے پاس ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لیے فرمایا کہ:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۝ (سورۃ الانعام ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین (کائنات) کی سلطنت (کے رموز) دکھاتے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تو خاص الخاص معاملہ ہوا۔ حضورؐ کو تو معراج کی سعادت عطا ہوئی۔ شبِ معراج میں حضورؐ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی، جنّت اور جہنّم کا مشاہدہ کرایا گیا، سدرۃ المنتہیٰ تک باریابی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی ملکوتی شان کی عظیم الشان آیات چشمِ سر سے دیکھیں۔ چنانچہ سورۂ نجم میں فرمایا: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝ اسی طرح سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) میں فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اب یہاں لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا کے اجمال میں کیا کیا حقائق مخفی ہیں۔ ان کا ہم ادراک کر ہی نہیں سکتے۔ اگر یہ بات ہماری فکر اور عقل کی محدودیّت اور ہماری سمجھ میں آنے والی ہوتی تو پھر یہ اجمال ہی کیوں اختیار کیا جاتا؟ پس اس اعتبار سے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر کتنا مطلع کیا تھا! ہمارے لیے نہ اس کا حدود اربعہ مقرر کرنا ممکن، نہ اس کی مقدار کا تعیّن ہمارے لیے آسان۔ چونکہ علم الوحی ہمارے بنیادی ذرائع علم سے بالکل مختلف علم ہے

البتہ یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے کہ حضورؐ کو جو علم عطا کیا گیا، اس میں یقیناً غیب کا بھی ایک حصّہ شامل ہے۔ جو حضرات حضورؐ کے علمِ غیب کا انکار کرتے ہیں، ان کے پیشِ نظر علمِ غیب کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ "وہ علم جو کسی کو از خود حاصل ہو" - یہ موقف صد فی صد درست اور صحیح ہے۔ اور جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا کہ بریلوی مکتبِ فکر کے علماء بھی اس موقف کے مُقِر ہیں اور ان کے عقاید کی کتب میں یہ بات بصراحت مندرج ہے۔ وہ بھی اس بات کی کُلّی نفی کرتے ہیں کہ "نبیؐ کو جو علم بھی تھا چاہے وہ غیب سے متعلق ہو چاہے شہود سے وہ حضورؐ کا ذاتی نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تھا" پس معلوم ہوا کہ سرے سے کوئی نزاع ہے ہی نہیں ــــ جو لوگ حضورؐ کے علمِ غیب کا انکار کرتے ہیں، وہ اس معنی میں نہیں کرتے کہ حضورؐ امورِ غیبی پر مطلع تھے ہی نہیں اور جو لوگ حضورؐ کو علمِ غیب حاصل ہونے کا اقرار کرتے ہیں، وہ اس مفہوم میں نہیں کرتے کہ حضورؐ از خود غیب کا علم رکھتے تھے ــــ یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ گروہی تشخص اور علامت کے لیے اس قسم کے مسائل کو خواہ مخواہ بحث و نزاع کا موضوع بنا لیا گیا ہے۔

ایک اہم نکتہ | بات سمجھانے کے لیے میں مثال دیا کرتا ہوں کہ قرآن مجید میں اللہ کے لیے: عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اور عَلَّامُ الْغُیُوْبِ فرمایا گیا ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی چیز اور کوئی بات غیب ہے ہی نہیں۔ اس کے لیے تو یہ عالمِ کون و مکاں بلا قیدِ زماں شہادہ ہی شہادہ اور شہود ہی شہود ہے۔ اس کے علم کا احاطہ ممکن ہی نہیں، جو کچھ ہو چکا ہے جو کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ جو کچھ ہو گا وہ اس کے علم میں ہے اور اس کی ذات کی طرح قدیم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہمیں قرآن مجید کی روشنی میں لفظِ غیب کا ایک خاص مفہوم متعیّن کرنا پڑے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے غیب کا کوئی تصوّر صحیح ہے ہی نہیں۔ ہر چیز آنِ واحد میں اس کے سامنے موجود ہے، ہمیشہ سے موجود تھی اور ہمیشہ موجود رہے گی ــــ اس کی شان تو عالمِ ماکان و مایکون ہے لہٰذا یہاں غیب کا کیا سوال! پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں لفظِ غیب کا استعمال در اصل ہمارے محدود علم کے اعتبار سے ہوا ہے جو عالمِ مابعد الطبیعی ہماری نگاہوں سے مخفی ہے، جہاں تک ہمارے حواس کی رہنمائی ممکن نہیں۔ جس کی طرف ہماری فطرت میں صرف چند وجدانی اشارے موجود ہیں، ان پر انبیاء و رسل کی وساطت سے ہم سے ایمان بالغیب لانے کا مطالبہ کیا

گیا ہے۔ ہم کو ملائکہ کے وجود کو ماننا پڑے گا اگرچہ ہماری آنکھیں اُن کو دیکھ نہیں سکتیں ہم ان کا لمس محسوس نہیں کر سکتے، وہ ہمارے حواس سے ماوراء ہیں۔ ہم کو جنّت و دوزخ پر ایمان لانا پڑے گا، ہم کو قیامت، حشر و نشر، اور حساب و کتاب پر غرضیکہ آخرت کے بارے میں جو بھی خبریں اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ نے دی ہیں، ان سب پر ایمان لانا پڑے گا۔ یہ تمام ایمانیات ہمارے لیے غیب ہیں۔ بلکہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رسالت پر ایمان لانا بھی غیب پر ایمان لانا ہے اور صرف ہمارے لیے غیب نہیں بلکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لیے بھی غیب تھا، بایں معنیٰ کہ حضرت جبریلؑ کو آتے ہوئے اور وحی کو نازل ہوتے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے دیکھا محمدؐ ابن عبداللہ کو۔ اور حضورؐ کی بحیثیت نبی و رسول تصدیق اور حضورؐ پر ایمان بھی غیب ہی تھا اور غیب ہی رہے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کی اپنے والد کو دعوت | حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جب نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ نے اپنے والد کو جن الفاظ میں دعوت دی وہ سورۂ مریم میں بیان ہوئے ہیں کہ:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝

(مریم، ۴۲ تا ۴۳)

"یاد کرو جب کہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ ایسی چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ وہ کچھ آپ کے کام آنے والی ہیں! اے میرے باپ! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے تو آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔"

یہاں حضرت ابراہیمؑ نے جس علم کا حوالہ دیا ہے وہ درحقیقت علم الوحی ہے۔ پس قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے عالم الغیب والشہادہ اور علّام الغیوب میں غیب کا لفظ اس معنی میں ہے کہ جو حقائق پردے کے پیچھے مستور ہیں اور جو انسانوں کی نگاہوں سے چھپائے گئے ہیں ان پر انسان ایمان لائے۔ ہمارے دین میں اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ انسان کا امتحان اسی میں ہے کہ وہ ان مستور حقائق پر اُسی طرح یقین و ایقان رکھے جس طرح وہ اپنے حواس کی گرفت میں آنے والے حقائق پر ایمان رکھتا ہے۔

انبیائے کرام کی اہم خصوصیت | ماوراء الطبیعات کے بعض اہم حقائق کو انبیائے کرام

علیہم السّلام پر منکشف کیا جاتا ہے اور اُن سے اُن کو مطّلع کیا جاتا ہے، اسی ذریعۂ علم کا نام وحی ہے اور یہی نزولِ وحی نبوّت کا خاصّہ ہے اور اس خصوص میں سرِفہرست ہیں ہمارے نبی جناب محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم جو نبی آخرالزّماں بھی ہیں اور خاتم النبیّین اور سیّدالمرسلین بھی۔ حضور کی شان تو یہ ہے کہ صبح وشام حضرت جبریلؑ سے ملاقاتیں ہیں۔ حضرت جبریلؑ قرآن حکیم بھی حضور کے قلب مبارک پر نازل فرما رہے ہیں: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (بقرہ ۹۷) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ (الشعراء ۱۹۳-۱۹۴) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ (التکویر ۱۹-۲۰) حضورؐ کی تعلیم پر بھی مامور ہیں، عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ (النجم ۵) نبی اکرمؐ اُن کی امامت میں نماز ادا فرماتے ہیں۔ ہر رمضان میں جتنا قرآنِ کریم نازل ہو چکا ہوتا ہے اُس کا حضرتِ جبریلؑ کے ساتھ دَور فرما رہے ہیں۔ اس حیاتِ دنیوی کے آخری رمضان المبارک میں یہ دَور دو مرتبہ ہوا ہے۔ نبی اکرمؐ حضرتِ جبریلؑ سے شکوہ بھی فرماتے ہیں کہ دیر دیر سے کیوں آتے ہیں، آپ کو جلد جلد آنے میں آخر کیا امر مانع ہے! غرض کہ یہ سارا معاملہ پیش آ رہا ہے حضرتِ جبریل علیہ السلام کے ساتھ، جو ہمارے لیے قطعی غیب ہیں۔ معراج تو نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی وہ خصوصیت وفضیلت ہے کہ جس میں کوئی اور دوسرا نبی شریک نہیں۔ اس عالمِ ارضی سے عالمِ ملکوتی میں جسمِ اطہر کے ساتھ حضورؐ کو بلایا جاتا ہے۔ مختلف آسمانوں پر مختلف جلیل القدر انبیاء و رُسُل سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں، جنّت و دوزخ کا مشاہدہ کرایا جا رہا ہے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک رسائی ہو رہی ہے۔ جہاں تک پہنچنے کی جبریل امینؑ کو بھی اجازت نہیں ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرمؐ کے لیے علمِ غیب ہی نہیں مشاہدۂ غیب بھی ثابت ہے، لیکن یہ کہ کُل غیب، سارا غیب، مطلق غیب، ما کان وما یکون کا علم حضورؐ کو حاصل نہیں تھا۔ قرآن مجید اور احادیث شریفہ نیز نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی سیرتِ مطہّرہ کے بعض اہم واقعات اس پر شاہد ہیں۔ بطورِ مثال عرض کرتا ہوں کہ واقعہ افک حضورؐ کی زندگی میں ایک انتہائی ذہنی اذیّت کا باعث تھا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگتی ہے، جس کا ذکر زبان زدِ عام ہو جاتا ہے۔ یہ تہمت نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے گوشِ مبارک تک بھی پہنچتی ہے۔ ذرا چشمِ تصوّر سے دیکھیے کہ قلبِ محمد علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام پر کیا بیت

گئی ہوگی۔ ایک عام شریف انسان پر بھی بیوی کی عصمت پر تہمت لگنے سے آسمان ٹوٹ پڑتا ہے اور حضورؐ تو اشرف الاشراف اور اکرم الخلائق ہیں۔ نوعِ انسانی کا عطر و جوہر ہیں۔ دنیا میں سب سے افضل انبیاء و رُسل کی جماعت ہے اور حضورؐ اس مبارک طائفہ کے سرخیل و سردار ہیں، سید المرسلین ہیں، خاتم النبیین اور محبوب ربّ العالمین ہیں، سیّد ولد آدم ہیں، سردارِ عالم ہیں (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و فداہ ابی و اُمّی) لیکن انسانی غیوروں میں سب سے اکبر و اعظم غیورؐ کے دل پر کیا بیت رہی ہے؟ ذاتی علمِ غیب ہوتا تو خود ہی فرما دیتے کہ:۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ لیکن تین دن کے قریب رحمۃ للعالمین شدید ترین ذہنی کوفت میں مبتلا رہے۔ ذاتی علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہ کر پائے آخر کار سورۂ نور میں حضرت صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا کی برأت خود اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تو دلِ بے قرار کو قرار آیا۔

پس معلوم ہوا کہ حضورؐ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے لیے مطلق علمِ غیب کا عقیدہ "شرک فی العلم" ہوگا۔ اسی طرح حضورؐ کے غیب کے علم کی کامل نفی بھی دراصل حضورؐ کی رسالت و نبوت کے انکار کے مترادف ہوگی۔

اصل حقیقت ہمارے ہاں جو مختلف مکاتیبِ فکر پائے جاتے ہیں، ان کے عقائد دراصل اشعریہ و ماتریدیہ سے ماخوذ ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں اور یہ عقائد، عقیدۂ توحید سے متصادم نہیں۔ کلامی انداز کی تعبیرات میں چند اختلافات ہیں لیکن اساسی طور پر کوئی اختلاف نہیں۔ بد قسمتی سے عالم نما جہلا اور بے علم واعظین نے عوام النّاس کی دین سے ناواقفیّت سے فائدہ اٹھانے اور اپنی مذہبی سیادت کا قلادہ عوام کی گردنوں پر لادنے اور اپنے مدرسوں کے لیے اپنے حلقۂ اثر سے مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے مسائل کو بحث و نزاع کا موضوع بنا رکھا ہے تاکہ ان کا علیحدہ تشخّص باقی رہے اور اس قسم کی تفرقہ بازی سے ان کی مذہبی سیادت و قیادت اور سیاست بھی قائم اور چمکتی رہے اور دنیا میں ان کی وجاہت اور قدر و منزلت ہو اور ان کی خطابت اور نکتہ آفرینی کی شہرت ہو۔ ان تمام تر کلامی و فقہی اختلاف کو ہوا دینے کی اصل حقیقت یہی ہے۔

شرک فی الصّفات کے ضمن میں مَیں نے جو فارمولا آپ کے سامنے رکھا ہے اس فارمولے کو جب آپ ان مسائل پر APPLY کریں گے جن کی وجہ سے ہماری وحدتِ مِلّی پارہ

(باقی ۱۲۱ پر)

قرآن کا عجیب ہونا

محمد اقبال واحد

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف یہ کہ اس قرآن کو سنا ایک جماعتِ جنوں نے پس انہوں نے اپنی قوم سے جاکر کہا کہ حق یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے قرآنِ عجیب ہے کہ جو راہ دکھاتا ہے رشد و ھدایت کی چنانچہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔"

یہ سورۂ جن کی ابتدائی آیات ہیں جن کا بامحاورہ ترجمہ یا ترجمانی میں نے کی ہے۔ چنانچہ میں نے ان آیات کو اپنے مقالے کا عنوان بنایا ہے۔ یعنی "قرآن کا عجیب ہونا"

القرآن الحکیم براہِ راست خدا کا کلام ہے جو اِلٰہ واحد الٰہ حقیقی الٰہ مطلق ہے۔ الٰہ فی الارض و الٰہ فی السماء۔ اِلٰہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ذات جس کی حقیقت و معرفت کُنہ کو جاننے میں جس حد تک کوشش جس حد تک کاوش سے کام لیا جائے گا، سوائے تحیر و درماندگی، عجز و بیچارگی، شکستِ ادراک و فکر کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہاں معاملہ معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد کا ہے وہ ذات عالی اپنی ذات میں، اپنی صفات میں، اپنی صفات کی وسعتوں میں، پہنائیوں میں، گہرائیوں میں، گیرائیوں میں، قوتوں اور طاقتوں میں، قدرت و اختیار میں، خوبیوں اور کمالات میں، جلال و جمال میں جس نکتہ عروج پر ہے، انسانی عقل اپنی رسائی میں اس حد تک نارسا ہے کہ وہ اس کی ذات و صفات کے درجات کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو بجا طور پر جنوں نے اس کتاب کے مصنف کے بارے میں جو ہر لحاظ سے ہر اعتبار سے ماوراء الوریٰ ہے، اس کی کتاب کو ایک عجیب شے سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ قرآن ہر لحاظ سے ہر اعتبار سے صوتِ کلام سے لے کر اعجازِ معانی تک، شکلِ ظاہری سے لے کر شکلِ معنوی تک، اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہا تک، ایک فرد کے لئے راہِ عمل ہونے سے لے کر پوری کائناتِ انسانی کے لئے نظامِ حیات ہونے تک، اپنے نظامِ تکوین سے لیکر نظامِ تشریع تک عجائب ہی نہیں عجائبات کا ایک ایسا خزینہ ہے جس کے عجائبات قیامت تک

تلاش کرنے والوں کو دُرِ شہوار کی طرح ہاتھ تو آتے رہیں گے لیکن ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن کا عجیب ہونا اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ دنیا کی تمام تر اخلاقی نصائح و پند پر مشتمل کتب میں سے واحد وہ کتاب ہے جو الکتاب ہے جو اپنے اعجازِ بیان میں، زورِ بیان میں، طرقِ بیان میں، طریقِ استدلال میں، طریقِ استشہاد میں، اپنی قوتِ تعمیرِ فکر و کردار میں، اپنی قوتِ تسخیر میں، اپنی قوتِ انقلاب میں اپنی مثال آپ ہے، اپنا جواب آپ ہے۔ اور جہاں تک صحیفہ خداوندی ہونے کا تعلق ہے، ایک الہامی و سماوی کتاب ہونے کا تعلق ہے وہ فرقان حق و باطل ہے، برہان خیر و شر ہے۔ محاکمہ درمیان خوب و زشت ہے۔ وہ نور ہے۔ وہ مصدق ہے۔ وہ صادق ہے۔ وہ مصدّق ہے۔ وہ ہدیٰ ہے۔ وہ الہدیٰ ہے۔ وہ قیّم ہے۔ وہ اقوم ہے۔ جو اپنی رعنائی بیان، اسلوبِ بیان، مضبوط طریقِ استدلال و استشہاد سے ایک تدریج کے ساتھ کمال حکمت و دانائی کے ساتھ فطرتِ انسانی کے تمام تر تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوتے اس راہ کی طرف بلاتی ہے جو راہِ نجات ہے۔ دنیا و آخرت میں ایک ایک فرد کے لئے بھی اور ایک ایک اجتماع کے لئے بھی۔

یہ اس لحاظ سے عجیب ہے کہ براہِ راست پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کرتی ہے۔ اس کے مخاطبین قیامت تک کے لوگ ہیں۔ خواہ وہ کسی عہد و ادوار کے لوگ ہوں۔ کسی خطۂ زمین کے زمان و مکان کے لوگ ہوں۔ وہ بلا امتیاز کسی اونچ نیچ کے وہ بلاکسی امتیاز گورے اور کالے کے بلاکسی امتیازِ رنگ و نسل کے بلاکسی امتیاز بڑے اور چھوٹے کے بلاکسی امتیاز شاہ و گدا کے بلاکسی امتیازِ خادم و مخدوم کے بلاکسی امتیاز غلام و آقا کے بلاکسی امتیاز راعی و رعیت کے بلاکسی امتیاز امیر و غریب کے بلاکسی امتیاز زوردست و زیردست کے بلاکسی امتیاز بندگی و آقائی کے عبادت سب کی دعوت دیتی ہے۔ وہ خالقِ کائنات کے سوا ہر نوع کی حاکمیت ساورنٹی، پروردگاری، برتری، بالاتری، عبودیت، بندگی، غلامی کا انکار کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس کائنات اور دیگر تمام کائناتوں کا اس مکلّف مخلوق انسان اور تمام غیر مکلّف مخلوقات کا واحد مالک خالق پروردگار، فرماں روا، حاکمِ مطلق، آمرِ مطلق، حاکم علی الاطلاق قادر و قدیر، بزرگ و برتر ایک اور ایک یکتا و یگانہ اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک ذوالجلال والاکرام اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے۔ یہ کائنات بے خدا نہیں اور تم بھی بے خدا نہیں اور خدا وہ ہے جو محض خالق نہیں محض مالک نہیں حاکمیت بس اس کی حاکمیت ہے۔ ساورنٹی بس اس کی ساورنٹی ہے۔ جو اپنے زور دیل پر پوری

کائنات پر بہ اعتبار تکوین کے اور کائنات انسانی پر بہ اعتبار تشریع کے قائم و دائم ہے اور اس کی حاکمیت کلی اور مکمل توحید خالص کی علم بردار ہر نوع کے شرک سے ہر نوع کے باطل سے ہر نوع کی منافقت سے ہر نوع کے تناقض سے ہر نوع کے تضاد سے ہر نوع کے تساہل سے ہر نوع کی کجی سے کجروی سے بے راہ روی سے ناہمواری سے بے انصافی سے ظلم و جبر سے خواہ وہ ایک فرد کا ہو یا ایک قوم کا ہو اس سے منع کرتی ہے اس کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہے۔ وہ حق کو اور الحق کو جو اس کے نزدیک الحق ہے وہ اس نظام حیات کو جو اس کے نزدیک نظام حیات ہے وہ اس دین کو جو اس کا دین ہے۔ غالب اور مسلط کر دینا کر دینا چاہتی ہے۔ وہ خدائے واحد کی حاکمیت میں کسی محدودیت کسی شراکت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ جس حق کو پیش کرتی ہے اس کے بارے میں اس کا مطالبہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ کوئی کونہ کوئی حصّہ کوئی شعبہ اس حق کی فرمانروائی سے باہر نہیں ہے۔ پھر وہ اس حق کو یعنی خدائے واحد کی حاکمیت کو زمین کے گوشے گوشے تک پہنچانا اور قائم کرنا چاہتی ہے کہ حق کے فوائد سے ہر ذی روح ہر متنفس بہرہ ور ہو۔ وہ انسان وہ انسانیت جو شرک کی وادیوں میں نام نہاد خداؤں کے حضور مصنوعی اور جعلی انا ربکم الاعلیٰ صنم و اصنام قبور و مقابر زندہ اور مردہ کے آستانوں استھانوں پر ٹھوکروں پہ ٹھوکریں کھاتی چلی آرہی ہے۔ سنگ مرمر کی سلوں اور سنگ سرخ سنگ سیاہ کے پتھروں اور گوشت پوست کے بے شمار فراعنہ اور نماردہ قیاصرہ و کسریٰ درختوں، سمندروں، دریاؤں، چاندوں سورجوں بندروں لنگوروں سانپوں اور بچھوؤں کے سامنے یہ اشرف مخلوق سر بزانو ہے سر بسجدہ ہے سرنگوں ہے۔ ایک خدا ایک ایمان ایک نبوت ایک رسالت ایک کتاب ایک آخرت پر قلبی یقین و ایمان لاکر اپنے اس مقام شرف و منزلت کو حاصل کرے جو خالق کائنات کی جانب سے اس کے لئے مقدر ہے۔ گویا وہ پوری نوع انسانی کی اجتماعی زندگی میں ایسے انقلاب کی داعی ہے جو نہ جزوی انقلاب ہے۔ نہ وقتی انقلاب ہے۔ نہ جسم و جسد کا انقلاب ہے۔ نہ کسی عہد و ادوار کا انقلاب ہے۔ نہ کسی زمان و مکان کا انقلاب ہے۔ وہ ایک کامل اور مکمل انقلاب ہے۔ ایک ایک فرد کے قلوب و اذہان کا انقلاب ہے۔ ایک ایک معاشرہ کا انقلاب ہے، ایک ایک ریاست کا انقلاب ہے۔ پوری نوع انسانی کا انقلاب ہے۔ گویا بین الاقوامی انقلاب ہے۔ بین الانسانی انقلاب ہے۔ اور وہ انقلاب وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا کہ پوری نوع انسانی فرد سے لے کر اجتماع تک

بدل جائے۔ ان کے قلوب واذہان بدل جائیں۔ صورتیں بدل جائیں۔ سیرتیں بدل جائیں فکر کے انداز بدل جائیں۔ کردار کے انداز بدل جائیں۔ زمین بدل جائے آسمان بدل جائے اور وہ انقلاب بس یہ ہے کہ ایک فرد کی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک پوری نوع بشری خالق کائنات کی حاکمیت ساورحتی کو بہ دل و جان قبول کرے کہ یہی اس کے لئے دنیا و آخرت میں راہ سود و بہبود ہے۔ راہ فلاح و صلاح ہے۔ راہِ نجات و مغفرت ہے۔ محض آخرت کی حد تک نہیں دنیا کی حد تک بھی کہ پوری انسانی برادری جب خداوندی نظام و قسط کو اختیار کرلے گی تو وہ سب کے سب تکوینی طور پر تو خدا کے بندے ہیں تشریعی اعتبار سے بھی جب خدا کے بندے ہوں گے تو نہ کوئی خادم ہوگا اور نہ کوئی مخدوم نہ آقا ہوگا اور نہ کوئی غلام نہ کوئی زورآور ہوگا اور نہ کوئی بے زور نہ کوئی زبردست ہوگا اور نہ کوئی زیردست۔ نہ کوئی راعی ہوگا اور نہ کوئی رعیت۔ نہ کوئی جہاں پناہ ہوگا اور نہ کوئی بے پناہ۔ نہ کوئی شاہجہاں ہوگا اور نہ کوئی بے جہاں۔ نہ کوئی عالمگیر ہوگا اور نہ کوئی بے گیر۔ سب کے فرائض یکساں سب کے حقوق یکساں۔ سب کے مال محترم سب کی جانیں محترم۔ سب کے سب خدا کے مملوک اس کی سلطنت کے رعایا ایک ہی قانون سب کے لئے ایک ضابطہ سب کے لئے۔ سب کے سب ایک ملک کے شہری سب کے سب ایک سفر کے غازی سب کے سب ایک سجدہ کے نمازی۔ ایک معبد کے پجاری ایک عبادت گاہ کے عابد۔

یہ اس لحاظ سے بھی عجیب کہ گویا کتاب ہے۔ لیکن الکتاب ہے۔ جس کا موضوع انسان ہے۔ انسان کا تزکیہ و تہذیب نفس انسان کے لئے فلاح و کامرانی آخرت کی ضامن دنیاوی فلاح و اطمینان کی ضامن۔ وہ آئی ہے اس دعوے کے ساتھ کہ وہ لاریب فیہ ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب نہیں جو اپنے بارے میں لاریب فیہ کا دعویٰ کرسکے۔ وہ یہدی الی الرشد کے پیام کے ساتھ آئی ہے یعنی وہ پورے نوع بشری کی راہ نمائی کرتی ہے۔ اس راہ کی جانب جو راہ مستقیم ہے۔ جو راہ فطری ہے جو راہ عقلی ہے۔ جو راہ وجدانی ہے۔

وہ اس لحاظ سے بھی عجیب کہ اس نے جہان علم و ادب میں فصاحت و بلاغت انشاء و زبان لسان و کلام طرق استدلال و استشہاد کا جو معیار قائم کیا ہے دنیا کی کوئی کتاب اس کا اس میدان میں مقابلہ کرنے کا تصور تک نہیں کرسکتی۔ اس کتاب نے

آج سے پندرہ سو سال پہلے زبان و کلام کا جو معیار قائم کیا تھا۔ اختیار کیا تھا۔ پندرہ صدیاں گزرنے کے باوجود وہ زبان انچ بھر آگے نہیں سرک سکی۔ انچ بھر پیچھے نہیں آسکی ہے۔ جبکہ زبانیں مرور زمانہ سے بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ اس صحیفہ خداوندی کی زبان اس قدر پاک صاف اور ستھری زبان ہے کہ اس میں سے ایک لفظ تک کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جو رکیک ہو بے محاورہ ہو بے مفاد ہو بے وجہ بے سبب ہو پھر وہ جس پروگرام کی حامل ہے وہ اس قدر جامع اور مانع کہ قیامت تک اس میں نہ کسی ترمیم کی ضرورت ہے نہ تنسیخ کی حاجت۔ وہ ہر زمانے کے مسائل کا حل ہر زمانے کے تقاضے ضرورت صورت مشکل اشکال کا جواب کافی وافی شافی۔

وہ اس لحاظ سے بھی عجیب کہ پندرہ سو سال میں کسی تحریف کی شکار نہیں ہوئی کسی کو یہ جرأت ہی نہ ہوئی کہ وہ اس میں تحریف کر سکے۔ یہ نہیں کہ جرأت کی نہ گئی ہو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور بعد کے ادوار میں یہودیوں نصرانیوں سناتن دھرمیوں برہمو سماجیوں کی طرف سے کوئی دقیقہ تحریف نہیں اٹھا رکھا گیا لیکن وہ منہ کے بل گر کر رہے۔ اس کتاب نے چیلنج کیا تھا اس زمانے کے دانش وروں کو اور وہ چیلنج قیامت تک کے دانشوروں کے لئے موجود ہے کہ اس کے مقابلہ کی ایک کتاب بہ سبیل تنزل ایک سورۃ بہ سبیل تنزل دس آیات بنا کر لا دکھائیں لیکن نہ اس وقت کے قریش کے ہاں جن کی یہ اپنی مادری زبان تھی اور جو اپنے سوا پوری دنیا کے انسانوں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ کوئی مائی کا لال پیدا نہ ہوا جو اس چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت کرتا اور نہ بعد کے حکماء و علماء فلاسفہ اور جی ٹی ایس یہ جرأت کر سکے۔ جرأت کرنا تو بڑی بات ہے جرأت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکے ــــــ اور آگے چلئے! اس کتاب نے انسانیت کی فلاح کے لئے جو پروگرام پیش کیا ہے اس سے بہتر پروگرام یا کم از کم اس کے مقابلے کا پروگرام کوئی تو پیش کرتا کہ انسانیت جس الجھن مصیبت پریشانی آفت دکھ درد میں گرفتار ہے، دھکوں پر دھکے کھاتی چلی آرہی ہے ــــ امپریل ازم سے دھکا کھاتی ہے تو سوشلزم کی طرف دوڑتی ہے۔ ملوکیت سے دھکا کھاتی ہے تو جمہوریت کی طرف آتی ہے اور جمہوریت سے نالاں ہوتی ہے تو آمریت کے سائے تلے پناہ لیتی ہے اور جب کہیں پناہ نہیں ملتی تو خودکشی کے سوا اسے کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ لیکن کسی کے پاس اس مصیبت کا مداوا اس درد کا درماں ہوتا تو پیش کرتا۔ یہ صرف اور

صرف اس کتاب کا اعجاز ہے افادیت ہے جو انسان کو ہر نوع کے استحصال سے نجات دلاتی ہے۔ اور یہ کوئی محض نظری بات نہیں۔ خلافت راشدہ کے دور میں اس نے یہ کر دکھایا ہے کہ انسان کو منجملہ انواع استحصال سے نجات ملی ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ وہ جو نظامِ معروف و منکر پیش کرتی ہے۔ وہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ یعنی آج تک کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکا اور آئندہ بھی نہیں کہہ سکے گا۔ خواہ وہ ملحد ہو زندیق ہو کافر ہو فاسق ہو فاجر ہو کہ کذب بہتر ہے صدق سے ظلم بہتر ہے رحم سے سنگدلی بہتر ہے رافت سے خیانت بہتر ہے دیانت سے باطل بہتر ہے حق سے ناجائز بہتر ہے جائز سے حرام بہتر ہے حلال سے۔ جہالت بہتر ہے علم سے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ وہ يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ہے تو يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا بھی ہے۔ يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا تو ظاہر ہے۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ان کے حق میں ہے۔ جو اپنے ذہنی تراشیدہ مزعومہ عقائد کو تفسیر بالرائے کو اس کتاب سے ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ وہ الفاظ تو بدل نہیں سکتے کہ وہ براہِ راست اس کے تحفظ میں ہیں جس کا یہ کلام ہے۔ معانی بدل دیتے ہیں۔ آیات کا مدلول بدل دیتے ہیں اور پھر کیا ہوتا ہے وہ اپنا منہ لٹکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے نظریات جن کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے قرآن پر اپنا زور صرف کیا تھا۔ کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بن کر رہ جاتے ہیں۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ جہاں وہ ایک ایک فرد کے روح و وجدان کا تزکیہ کرتی ہے اسے مزکّی اور متقی بناتی ہے۔ موحّد اور متوکّل بناتی ہے۔ صابر و شاکر بناتی ہے۔ امارت حق اور اقامت دین کا سپاہی بناتی ہے۔ پورے کے پورے ماحول کو اور معاشرے کو اس رنگ میں رنگ دیتی ہے جس کا نام اس کی زبان میں صبغۃ اللہ ہے۔ حزب اللہ ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ ایک عامی اس سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے تو بخل سے کام نہیں لیتی اور اگر ایک دقیقہ رس اور نکتہ رس مدبر اس کے بحر ذخار میں غوطہ زنی کرتا ہے تو درِ شہوار نکال لے آتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری ہے اور جاری و ساری رہے گا۔

یہ کتاب اس اعتبار سے بھی عجیب کہ کوئی فرد یہ شکایت نہیں کر سکتا کوئی معاشرہ یہ شکایت نہیں کر سکتا۔ کوئی ریاست یہ شکایت نہیں کر سکتی کہ اس کی زندگی کے فلاں فلاں گوشوں میں قرآن سے اسے راہ نمائی نہیں ملتی۔ وہ اگر فرد کو فکر و کردار کی تطہیر دیتی ہے اس کی زندگی کے تمام گوشوں، شعبوں اور حصص میں تو ٹھیک اسی طرح سے ایک معاشرہ کو اپنی معیشت میں اپنی معاشرت میں اپنے لین دین میں اپنے رہن سہن میں اپنے داد و ستد میں اپنے سلام و کلام میں اپنی نشست و برخاست میں اپنی خوراک و پوشاک میں راہ نمائی دیتی ہے تو ٹھیک اسی طرح ایک ریاست کو اپنے معاملات سلطنت میں اپنی مجالس قانون ساز میں اپنی مجالس پارلیمان میں اپنی ایوانِ شوریٰ میں ایوانِ صدارت و وزارت میں عدلیہ میں انتظامیہ مقننہ میں دفتر میں دفاتر میں قانون سازی میں دستور سازی میں راہ نمائی دیتی ہے۔ وہ اگر ایک فرد کو توحید کے اصول دیتی ہے۔ ایک خدا ایک پروردگار ایک مالک ایک خالق ایک حاکم ایک فرمانروا ایک ولی ایک والی ایک مددگار ایک رستگار ایک نافع ایک ضار ایک حاجت روا ایک مشکل کشا ایک فریاد رس تو ایک ریاست اور معاشرہ کو بھی یہ اصول دیتی ہے کہ ایک حاکمیت ایک سروری ایک سادہ ہستی اور وہ خدا ئے واحد یکتا و یگانہ کی ہے۔ وہ ایک ایک فرد کو اگر شرکِ نفسی شرکِ عبودیتِ ابلیس شرکِ صنم و اصنام شرکِ سورج و قمر، شرکِ قبور و مقابر سے روکتی ہے تو ریاست کو بھی شرکِ قومیت شرکِ وطنیت سے باز رہنے کی تلقین کرتی ہے۔ وہ ایک ایک فرد کے لئے اگر فضائل اخلاق کا اہتمام کرتی ہے رذائل اخلاق کی بیخ کنی کرتی ہے تو معاشرہ اور ریاست کے حق میں بھی یہ کام کرتی ہے۔ وہ عدلیہ کے حضور اگر ایک عام آدمی کو لا کھڑا کرتی ہے تو کسی جہاں پناہ کسی شاہ جہاں کسی امیر المومنین کسی خلیفۃ المسلمین کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتی اس کے کٹہرہ انصاف میں کسی نوع کی عدم یکسانیت نہیں ہے۔ برخلاف ازیں کامل اور اکمل یکسانیت ہے۔ اس کے قانون کی گرفت میں مکافاتِ عمل میں اس بحث کا کوئی مقام نہیں ہے کہ فلاں عام ہے اور فلاں خاص ہے۔ فلاں کا خون سفید ہے تو فلاں کا خون سرخ ہے۔ اس کے نزدیک شاہ سے لے کر گدا تک اور عامی سے لے کر خاص تک اور جاہل سے لے کر عالم تک سب کا خون سرخ ہے۔

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال

لایؤمن احدکم حتی یحبّ لاخیہ ما یحبّ لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

قاری نصیر احمد غزنوی

قسط : (۵)

اظہارِ حق

قادیانیت، اپنے لٹریچر کے آئینے میں

جہاد قطعاً حرام ہے

ہر ایک شخص جو بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے۔ (ضمیمہ رسالہ جہاد صد ۲۸)

وفادار فوج

اس مبارک اور امن بخش گورنمنٹ کی نسبت کوئی خیال بھی جہاد کا دل میں لانا کس قدر ظلم اور بغاوت ہے۔

یہ کتابیں ہزارہا روپیہ کے خرچ سے طبع کرائی گئیں اور پھر اسلامی ممالک میں شائع کی گئیں اور میں جانتا ہوں کہ یقیناً ہزارہا مسلمانوں پر ان کتابوں کا اثر پڑا ہے۔ بالخصوص وہ جماعت جو میرے ساتھ تعلق بیعت و مریدی کا رکھتی ہے وہ ایک ایسی سچی مخلص اور خیر خواہ اس گورنمنٹ کی بن گئی ہے کہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی نظیر دوسرے مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ وہ گورنمنٹ کے لیے ایک وفادار فوج ہے جن کا ظاہر و باطن گورنمنٹ برطانیہ کی خیر خواہی سے بھرا ہوا ہے۔

(تحفہ قیصریہ۔ صد ۱۲ ، صد ۲۱۴/۱۲)

تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت

یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لیے ہے۔ تاکہ ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے۔ اس جماعت کے نیک اثر سے جیسے عام خلائق منتفع ہوگی ایسا ہی اس پاک باطن جماعت کے وجود سے گورنمنٹ برطانیہ کے لیے انواع واقسام

کے فوائد متصور ہوں گے جن سے اس گورنمنٹ کو خداوند عزّ و جلّ کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ ازانجملہ ـــ یہ کہ یہ لوگ سچے جوش اور دلی خلوص سے اس گورنمنٹ کے خیر خواہ اور دعاگو ہوں گے کیونکہ بموجب تعلیم اسلام (جس کی پیروی اس گروہ کا عین مدعا ہے) حقوق عباد کے متعلق اس سے بڑھ کر کوئی گناہ کی بات اور خبث اور ظلم اور پلید راہ نہیں کہ انسان جس سلطنت کے زیر سایہ با امن و عافیت زندگی بسر کرے اور اس کی حمایت سے اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں بارآور کوشش کر سکے۔ اسی کا بدخواہ و بداندیش ہو۔ بلکہ جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکر گذار نہ ہو تب تک خدا تعالیٰ کا بھی شکر گذار نہیں۔ پھر دوسرا فائدہ اس بابرکت گروہ کی ترقی سے گورنمنٹ کو یہ ہے کہ ان کا عملی طریق موجب انسداد جرائم ہے

فتفکروا و تاملوا منہ (ازالۂ اوہام۔ حصہ دوم۔ ص ۵۶۱)

پُرامن گورنمنٹ

اوّل مَیں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ایسی پُرامن گورنمنٹ کے سایہ میں ہمیں جگہ دی جو ہمیں اپنے مذہبی اشاعت سے نہیں روکتی اور اپنے عدل اور دادگستری سے ہر ایک کانٹا ہماری راہ سے دُور کرتی ہے۔ سو ہم خدا کے شکر کے ساتھ اس گورنمنٹ کا بھی شکر کرتے ہیں

(لیکچر لاہور۔ ص ۱۴۷)

میرے اعلیٰ مقاصد

مَیں اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک ایسی گورنمنٹ کے سایۂ رحمت کے نیچے جگہ دی جس کے زیر سایہ میں بڑی آزادی سے اپنا کام نصیحت اور وعظ کا ادا کر رہا ہوں اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے۔ مگر مَیں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصرۂ ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں ہرگز ممکن نہ تھا کہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے گو وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔

(تحفۂ قیصریہ۔ ص ۲۸۳/۳۱ ص ۳۱ و ص ۲۸۴/۳۲ ص ۳۲)

یہی ایک سلطنت

ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ دنیا میں آج یہی ایک سلطنت ہے جس کے سایۂ عاطفت میں

بعض بعض اسلامی مقاصد ایسے حاصل ہوئے ہیں کہ جو دوسرے ممالک میں ہرگز ممکن الحصول نہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۱۴۱)

سچّی خیر خواہی

مَیں نے اپنی قلم سے گورنمنٹ کی خیر خواہی میں ابتدا سے آج تک وہ کام کیا ہے جس کی نظیر گورنمنٹ کے ہاتھ میں ایک بھی نہیں ہوگی۔ اور مَیں نے ہزار ہا روپیہ کے صرف سے کتابیں تالیف کرکے ان میں جابجا اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی کرنی چاہیئے اور رعایا ہو کر بغاوت کا خیال بھی دل میں لانا نہایت درجہ کی بدذاتی ہے۔

(انجام آتھم۔ ص ۶۴)

گورنمنٹ کی سچّی اطاعت

مجھ سے سرکار انگریز کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ مَیں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کرکے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گذار اور دعاگو رہے۔

(ستارہ قیصریہ ص ۱۱ ص ۴)

سلطنت انگریزی کی تائید وحمایت

میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید وحمایت میں گذرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔

(تریاق القلوب ص ۱۵۵/۲۷)

امن بخش سایہ

مَیں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے میری اور میری جماعت کی پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے۔ کیونکہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام کی دوبارہ زندگی انگریزی سلطنت

کے امن بخش سایہ سے پیدا ہوئی ہے۔ (تریاق القلوب ۔ ص ۱۵۶/۲۸)

گورنمنٹ کی پناہ

اے نادانو گورنمنٹ انگریزی کی تعریف تمہاری طرح میری قلم سے منافقانہ نہیں نکلتی بلکہ میں اپنے اعتقاد اور یقین سے جانتا ہوں کہ درحقیقت خدا تعالےٰ کے فضل سے اس گورنمنٹ کی پناہ ہمارے لیے بالواسطہ خدا تعالیٰ کی پناہ ہے۔ (کتاب البریہ۔ ص ۳۳۴)

سچی ہمدردی

یہ مسیح موعود جو دنیا میں آیا ہے تیرے ہی وجود کی برکت اور نیک نیتی اور سچی ہمدردی کا ایک نتیجہ ہے۔ خدا نے تیرے عہدِ سلطنت میں دنیا کے دردمندوں کو یاد کیا اور آسمان سے اپنے مسیح کو بھیجا اور وہ تیرے ہی ملک اور تیری ہی حدود میں پیدا ہوا۔ تیرا عہدِ حکومت کیا ہی مبارک ہے۔ (ستارہ قیصریہ ص ۱۱۸ و ص ۱۱۹)

پُرامن عہدِ سلطنت

اے ملکہ معظمہ ... تیرے عہدِ سلطنت سے زیادہ پُرامن اور کون سا عہدِ سلطنت ہوگا جس میں مسیح موعود آئے گا۔ تیرے عہدِ سلطنت کے سوا اور کوئی بھی عہدِ سلطنت ایسا نہیں ہے جو مسیح موعود کے ظہور کے لیے موزوں ہو سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور نازل کیا۔ (ستارہ قیصریہ ص ۱۱۶ و ص ۱۱۷)

انگریزوں کا آنا نعمتِ الٰہی ہے

انگریزوں کا اس ملک میں آنا مسلمانوں کے لیے درحقیقت ایک نہایت بزرگ نعمت الٰہی ہے پس جبکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ ایک نعمت ہے تو پھر جو شخص خدا تعالیٰ کی نعمت کو بے عزتی کی نظر سے دیکھے وہ بلاشبہ بدذات اور بد ہوگا۔ خدا تعالےٰ اس گورنمنٹ کو دُور سے لایا اور اس کا آنا ہمارے لیے ایسا ہوا کہ ہم یک دفعہ تاریکی سے روشنی میں آگئے اور قید سے آزادی میں داخل ہوئے اور نبوت کے زمانہ کی طرح اس ملک میں دعوتِ اسلام ہونے لگی اور ہمارے خدا نے بھی جس کی نظر کے سامنے ہر ایک سلطنت ہے جو اپنے قدیم وعدے[1] کو پورا کرنے کے لیے اس سلطنت کو موزوں دیکھا۔ (ایام الصلح ۔ ص ۲۱۶/۱۴۶ ص ۱۱۵)

---

[1] یعنی مرزا صاحب کو مسیح موعود بنانے کے لیے (ن ا)

مبارک گورنمنٹ

خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس نے اس زمانہ میں ایسے شخص کو پھر ایمان تازہ کرنے کے لیے مامور کیا اور اس لیے بھیجا کہ لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں۔ وہ اسی مبارک گورنمنٹ کے عہد میں آیا۔ وہ کون ہے؟ وہی ہے جو تم میں کھڑا بول رہا ہے۔

(روئیداد جلسہ دعا۔ صہ ۶۱۵/۲۳)

اسلام بول

مرزا صاحب اور انگریزی سلطنت

ہم اس گورنمنٹ سے دلی اخلاص رکھتے ہیں اور دلی وفادار اور دلی شکرگذار ہیں کیونکہ اس کے زیر سایہ اس قدر امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں کہ کسی دوسری سلطنت کے نیچے ہرگز امید نہیں کہ وہ امن حاصل ہو سکے کیا میں اسلام بول میں امن کے ساتھ اس دعوے کو پھیلا سکتا ہوں کہ میں مسیح موعود اور مہدی معہود ہوں

(کتاب البریہ صہ ۳۲۱)

اس نعمت کا شکر کرنا ہم پر واجب ہے

ہم جس کوشش اور سعی اور امن اور آزادی سے اسلامی وعظ اور نصائح بازاروں میں کوچوں میں گلیوں میں اس ملک میں کر سکتے ہیں اور ہر ایک قوم کو حق پہنچا سکتے ہیں۔ یہ تمام خدمات خاص مکہ معظمہ میں بھی نہیں بجا لا سکتے۔ چہ جائیکہ کسی اور جگہ۔ تو پھر کیا اس نعمت کا شکر کرنا ہم پر واجب ہے یا یہ کہ مفسدہ بغاوت شروع کر دیں۔ (اتمام الحجۃ صہ ۳۰۷/۳۵ صہ ۲۸)

محسن گورنمنٹ

اگر ہم سچے دل سے اس محسن گورنمنٹ کا شکر نہ کریں جس کے بابرکت وجود سے ہمیں دعوت اور تبلیغ اسلام کا وہ موقع ملا جو ہم سے پہلے کسی بادشاہ کو بھی نہیں مل سکا۔ کیونکہ اس علم دوست گورنمنٹ نے اظہار رائے میں وہ آزادی دی ہے جس کی نظیر اگر کسی اور موجودہ عملداری میں تلاش کرنا چاہیں تو لا حاصل ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہم لنڈن کے بازاروں میں دینِ اسلام کی تائید کے لیے وہ وعظ کر سکتے ہیں جن کا خاص مکہ معظمہ میں میسر آنا ہمارے لیے غیر ممکن ہے۔ اس محسن گورنمنٹ کا یہ احسان بھی کچھ تھوڑا نہیں ہے کہ وہ ہمارے مال اور آبرو اور خون کی جہاں تک طاقت ہے سچے دل سے محافظت

کر رہی ہے۔ (ست بچن صفحہ ۱۵۲/۲۷۷)

ہم آزادی سے اِس گورنمنٹ کے ہمارے سر پر احسان ہیں کہ اس کے زیرِ سایہ ہم آزادی سے اپنی خدمتِ تبلیغ پوری کرتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ظاہری اسباب کی رُو سے آپ کے رہنے کے لیے اور بھی ملک ہیں۔ اور اگر آپ اس ملک کو چھوڑ کر مکّہ میں یا مدینہ میں یا قسطنطنیہ میں چلے جائیں تو سب ممالک آپ کے مذہب اور مشرب کے موافق ہیں لیکن اگر میں جاؤں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ سب لوگ میرے لیے بطور درندوں کے ہیں الّا ماشاء اللہ۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ خدا تعالےٰ کا احسان ہے کہ ایسی گورنمنٹ کے زیرِ سایہ مجھے مبعوث فرمایا ہے جس کا مسلک دل آزاری نہیں ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ۔ حصّہ پنجم۔ صفحہ ۱۲۸ صفحہ ۲۹۴)

ظالم طبع ملّا خدا کا یہ فضل اور احسان ہے کہ ایسی محسن گورنمنٹ کے زیرِ سایہ ہمیں رکھا۔ اگر ہم کسی اور سلطنت کے زیرِ سایہ ہوتے تو ظالم طبع مُلّا[1] کب ہماری جان اور آبرو کو چھوڑتا۔ الّا ماشاء اللہ۔ ان ربّی علیٰ کلّ شیء قدیر۔ (کتاب البریہ صفحہ ۲۲/۴)

ٹکڑے ٹکڑے اگر خدا تعالےٰ کے فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کی اس ملک ہند میں سلطنت نہ ہوتی تو مدّت سے اس کو (یعنی مرزا صاحب کو) ٹکڑے ٹکڑے کر کے معدوم کر دیتے۔ (ایام الصلح صفحہ ۶۹/۲۵۵)

پُر امن حکومت کی پناہ میرے لیے خدا نے پسند کیا کہ میں آسمانی کارروائی کے لیے ملکہ معظمہ کی پُر امن حکومت کی پناہ لوں۔ (تحفۂ قیصریہ صفحہ ۳/۲۵۵ صفحہ ۳)

نورانی عہد اے ملکہ معظمہ... تیرے عہدِ سلطنت کے سوا اور کوئی سلطنت ایسا نہیں ہے جو مسیح موعود کے ظہور کے لیے موزوں ہو۔ سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نُور نازل کیا کیونکہ نور نور

---

[1] مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب۔

نی طرف کھینچتا ہے اور تاریکی تاریکی کو۔ (ستارہ قیصریہ ص ۱۱)

پوری آزادی

میرا یہ دعویٰ ہے کہ تمام دنیا میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرح کوئی دوسری ایسی گورنمنٹ نہیں جس نے زمین پر ایسا امن قائم کیا ہو۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت میں اشاعتِ حق کر سکتے ہیں۔ یہ خدمت ہم مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی ہرگز بجا نہیں لا سکتے۔ اگر یہ امن و آزادی و بے تعصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت عرب میں ہوتی تو وہ لوگ ہرگز تلوار سے ہلاک نہ کیے جاتے۔ اگر یہ امن و آزادی اور بے تعصبی اس وقت کے قیصر اور کسریٰ کی گورنمنٹوں میں ہوتی تو وہ بادشاہتیں اب تک قائم رہتیں۔ (ازالہ اوہام ص ۱۳۰)

حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست

مَیں اپنی گورنمنٹ محسنہ کی خدمت میں جرأت سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ بست سالہ خدمت ہے جس کی نظیر برٹش انڈیا میں ایک بھی اسلامی خاندان پیش نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قدر لمبے زمانہ تک جو بیس برس کا زمانہ ہے ایک مسلسل طور پر تعلیم مذکورہ بالا پر زور دیتے جانا کسی منافق اور خود غرض کا کام نہیں بلکہ ایسے شخص کا کام ہے جس کے دل میں اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی ہے۔ ہاں مَیں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مَیں نیک نیتی سے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مباحثات بھی کیا کرتا ہوں اور ایسا ہی پادریوں کے مقابل پر بھی مباحثات کی کتابیں شائع کرتا رہا ہوں اور مَیں اس بات کا بھی اقراری ہوں کہ جب کہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی اور حدِ اعتدال سے بڑھ گئی اور بالخصوص پرچہ نور افشاں میں جو ایک عیسائی اخبار لدھیانہ سے نکلتا ہے نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کیے کہ یہ شخص ڈاکو تھا۔ چور تھا۔ زناکار تھا اور صدہا پرچوں میں یہ شائع کیا کہ یہ شخص اپنی لڑکی پر بدنیتی سے عاشق تھا۔ اور باایں ہمہ جھوٹا تھا۔ اور لوٹ مار اور خون کرنا اس کا کام تھا۔

تو مجھے ایسی کتابوں اور ایسے اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو۔

تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کے دبانے کے لیے حکمتِ عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے۔

تا سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بے امنی پیدا نہ ہو۔

تب میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی چند ایسی کتابیں لکھیں جن میں کسی قدر بالمقابل سختی تھی۔

کیونکہ میرے کانشنس نے قطعی طور پر مجھے فتویٰ دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش والے آدمی موجود ہیں ان کے غیظ و غضب کی آگ بجھانے کے لیے یہ طریق کافی ہوگا۔

کیونکہ عوض معاوضہ کے بعد کوئی گلہ باقی نہیں رہتا سو یہ میری پیش بینی کی تدبیر صحیح نکلی اور ان کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا مسلمان جو پادری عماد الدین وغیرہ لوگوں کی تیز اور گندی تحریروں سے اشتعال میں آچکے تھے یکدفعہ اُن کے اشتعال فرو ہوگئے۔ کیونکہ انسان کی یہ عادت ہے کہ جب سخت الفاظ کے مقابل پر اس کا عوض دیکھ لیتا ہے تو اس کا وہ جوش نہیں رہتا۔ بایں ہمہ میری تحریر پادریوں کے مقابل پر بہت نرم تھی گویا کچھ بھی نسبت نہ تھی۔

سو مجھ سے پادریوں کے مقابل پر جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمتِ عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں سے اوّل درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں۔

کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اوّل درجہ کا بنایا ہے۔

(۱) اوّل والد مرحوم کے اثر نے۔

(۲) دوم اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے۔

(۳) تیسرے خدا تعالیٰ کے الہام نے۔

(روحانی خزائن جلد نمبر ۱۵۔ عاجزانہ درخواست ص ۴۸۹/۳۶۱ و ص ۴۹۰/۳۶۲ و ص ۴۹۱/۳۶۲)

(نوٹ) :- غور طلب بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعوے کی بنیاد کیا ہے؟ کیوں کہ بنیاد ہی پر عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ۱۸۸۲ء سے ۱۹۰۸ء تک کی قریباً ۱۹ کتابوں کے ۴۴ اقتباسات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کے دعوے کی بنیاد انگریزی سلطنت کی حمایت ہے۔ لہٰذا بنیاد ہی غلط ہے۔ دنیا میں جتنے بھی نبی آئے ہیں انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم دیا ہے (بقول خود) مرزا صاحب پہلے نبی ہیں جنہوں نے ایک کافر بادشاہِ وقت (یعنی انگریزی حکومت) کی اطاعت (فرمانبرداری) کا حکم دیا اور اسی تعلیم پر اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ مرزا صاحب مسلمانوں کی درستی و اصلاح کے لیے نہیں بلکہ انگریزی سلطنت کی درستی و مضبوطی کے لیے مسیح موعود بن کر تشریف لائے تھے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس دَور یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے میں مسیح موعود کی ضرورت مسلمانوں سے زیادہ انگریزی حکومت کو تھی، جو اِن کے خلاف نفرت و بغاوت کے بھڑکے ہوئے جوش کو ٹھنڈا کر سکے۔ اس کے لیے مرزا صاحب نے جو کچھ بھی کیا، جتنی اور جیسی کوششیں کیں وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ صرف ایک جگہ مخالفت کی جھلک نظر آتی ہے، اس میں بھی انگریزوں ہی کی ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ کارفرما ہے۔ بقول شاعر ؎

چشمِ عتاب میں بھی توجہ کی شان ہے
افسانہ برقرار ہے عنوان بدل گیا (ن۔ا)

جماعت کی تعداد و مالی امداد

ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ چند وجوہ ہم کو پیش آئے جنہوں نے ہماری رائے کو

اس طرف مائل کیا کہ اب کی دفعہ اس جلسہ کو ملتوی رکھا جائے۔ اس التوا کا موجب کیا ہے لہٰذا السطور اختصار کسی قدر ان وجوہ سے لکھا جاتا ہے۔

اس اجتماع میں بعض دفعہ بباعث تنگی مکانات اور قلت وسائل مہمانداری ایسے نالائق رنجش اور خود غرضی کی سخت گفتگو بعض مہمانوں میں ہوتی دیکھی ہے جیسے ریل میں بیٹھنے والے تنگی مکان کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور ابھی مکرّم حضرت مولوی نورالدین سلمہٗ اللہ تعالیٰ یاور ایسے یہ تذکرہ کرچکے ہیں کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور للّٰہی محبت باہم پیدا نہیں کی۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہو کر اور اس عاجز سے بیعت کر کے اور عہد توبہ نصوح کر کے پھر بھی ویسے ہی کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑیوں کی طرح دیکھتے ہیں اور مارے تکبر کے سیدھے منہ السلام علیک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آئیں اور انہیں سفلہ اور خود غرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ ادنیٰ ادنیٰ خود غرضی کی بنا پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بدامن ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا کر لیتے ہیں۔ اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں اور اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت میں بہت بلکہ یقیناً دو سو سے زیادہ ہی ہیں جن پر خدا کا فضل ہے جو نصیحتوں کو سن کر روتے اور عاقبت کو مقدم رکھتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر نصیحتوں کا عجیب اثر ہوتا ہے۔ لیکن میں اس وقت کج دل لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور میں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہے۔ یہ کونسی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے۔ نفسانی لالچوں پر کیوں ان کے دل گرے جاتے ہیں اور کیوں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی چاہتا ہے . . . بلکہ بعض میں ایسی بدتہذیبی ہے کہ اگر ایک بھائی ضد سے اس کی چارپائی پر بیٹھتا ہے تو وہ سختی سے اس کو اٹھانا چاہتا ہے اگر نہیں اٹھتا تو چارپائی کو الٹا دیتا ہے اور اس کو نیچے گرا دیتا ہے پھر دوسرا بھی فرق

ہیں کہ نادہ اُس کو گندی گالیاں دیتا ہے اور تمام بخارات نکالتا ہے۔ یہ حالات جو اس مجمع میں مشاہدہ کرتا ہوں تب دل کباب ہوتا ہے اور جلتا ہے اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر میں درندوں میں رہوں تو ان بنی آدم سے بہتر ہے۔ پھر میں کس خوشی کی امید سے لوگوں کو جلسے کے لیے اکٹھے کروں... اگر میں صرف اکیلا کسی جنگل میں ہوتا تو میرے لیے ایسے لوگوں کی رفاقت سے بہتر تھا۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ دن بھی ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا ہے اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا... مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت کرنے والے سے میں ایسا ڈرتا ہوں جیسے شیر سے۔ اس وجہ سے میں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا رہ کر میرے ساتھ پیوند کرے۔ پس التوا جلسہ کا ایک سبب یہ ہے جو میں نے بیان کیا۔

(شہادت القرآن۔ اگست ۱۸۹۳ء صفحہ ۳۹۴/۹۸ ، صفحہ ۳۹۵/۹۹ ، صفحہ ۳۹۶/۱۰۰ ، صفحہ ۳۹۸/۱۰۲)

بیعت کے باوجود!

اکثر لوگ باوجود... بیعت کے اور باوجود میرے دعوے کی تصدیق کے پھر بھی دنیا کو دین پر مقدم رکھنے کے زہریلے تخم سے بکلی نجات نہیں پاتے بلکہ کچھ ملونی ان میں باقی رہ جاتی ہے اسی وجہ سے ان کی نسبت ہمیشہ میری یہ حالت رہتی ہے کہ میں ہمیشہ کسی خدمت دینی کے پیش کرنے کے وقت ڈرتا رہتا ہوں کہ ان کو ابتلاء پیش نہ آوے اور اس خدمت کو اپنے پر ایک بوجھ سمجھ کر اپنی بیعت کو الوداع نہ کہہ دیں۔

مرید کے باطن کے چہرہ پر جذام!

مگر افسوس کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ قطع نظر ملاقات کے سالہا سال گذر جاتے ہیں اور ایک کارڈ بھی ان کی طرف سے نہیں آتا۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ ان کے دل مر گئے ہیں اور ان کے باطن کے چہرہ پر کوئی داغ جذام ہے۔

مرید۔ مُردار خور کتے

وہ لوگ جن کی آنکھیں زنا کرتی ہیں اور جن کے دل پاخانہ سے بدتر ہیں۔ اور جن کو مرنا ہرگز یاد

نہیں ہے۔ میں اور میرا خدا ان سے بیزار ہے۔ میں بہت خوش ہوں گا اگر ایسے لوگ اس پیوند کو قطع کر لیں۔

میں اس شخص کو اس کُتّے سے مشابہت دیتا ہوں جو ایسی جگہ سے الگ نہیں ہوتا جہاں مُردار پھینکا جاتا ہے اور جہاں سڑے گلے مُردوں کی لاشیں ہوتی ہیں۔ کیا میں اس بات کا محتاج ہوں کہ وہ لوگ زبان سے میرے ساتھ ہوں اور اس طرح پر دیکھنے کے لیے ایک جماعت ہو۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۶۶ و ص۶۸)

جماعت کی تعداد اور ترقّی کی رفتار میں

تضاد بیانیاں

(۱) ہمارے سلسلہ کی کارروائیوں کے لیے ہزارہا روپیہ آیا اور ہزارہا نئے لوگ جان و مال فدا کرنے والے ہماری جماعت میں داخل ہوئے۔ (فتح الاسلام ص۳۴۔ ۱۸۹۱ء)

(۲) اگرچہ یہ جماعت بہ نسبت تمہاری جماعتوں کے تھوڑی سی اور فئۃ قلیلہ ہے اور شاید اس وقت تک چار یا پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔

(انجام آتھم ص۴۴ دسمبر ۱۸۹۶ء، ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء)

اسی کتاب کے ص ۳۱۵/۳۱ پر فرماتے ہیں:

(۳) اس عرصہ میں آٹھ ہزار کے قریب لوگوں نے میرے ہاتھ میں بیعت کی۔

(انجام آتھم۔ دسمبر ۱۸۹۶ء۔ ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء)

یہ کہنا[1] کہ مرزا صاحب اپنے معتقدوں کی تعداد ۳۱۳ سے زیادہ نہیں بتلا سکتے یہ کس قدر حق پوشی ہے کہ یہ تعداد صرف ان لوگوں کی لکھی گئی تھی جو سرسری طور پر اس وقت خیال میں آئے۔ نہ یہ کہ درحقیقت یہی تعداد تھی اور اسی پر حصر رکھا گیا تھا۔ بلکہ ہم نے اپنے ایک مضمون میں صاف طور پر شائع بھی کر دیا تھا کہ اب تعداد ہماری جماعت کی آٹھ ہزار سے کم نہیں ہوگی لیکن یہ ایک مدّت کی بات ہے اور اس وقت تو بڑے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ دو ہزار اور بڑھ گئے ہیں اور ہماری جماعت اس وقت دس ہزار سے کم نہیں ہے جو پشاور سے لے کر بمبئی

[1] محمد حسین بٹالوی۔

کلکتہ، کراچی، حیدر آباد دکن، مدراس، ملک آسام، بخارا، غزنی، مکہ، مدینہ، اور بلاد شام تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک سال میں کم سے کم تین چار سو آدمی ہماری جماعت میں بزمرۂ بیعت کنندگان داخل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی دس دن بھی قادیان میں آکر ٹھہرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ کس قدر تیزی سے خدا تعالیٰ کا فضل لوگوں کو ہماری طرف کھینچ رہا ہے۔ اندھوں اور نابیناؤں کو کیا خبر ہے، کہ کس عظمت کی حد تک یہ سلسلہ پہنچ گیا ہے اور کیسے طالب حق لوگ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے مصداق ہو رہے ہیں۔

(فریاد درد صفحہ ۵۱ / ۴۲۲ - تالیف مئی ۱۸۹۸ء طبع ۱۹۲۲ء)

(۵) آج کی تاریخ تک تیس ہزار کے قریب یا کچھ زیادہ میرے ساتھ جماعت ہے۔ جو برٹش انڈیا کے متفرق مقامات میں آباد ہے۔ (ضمیمہ رسالہ جہاد صفحہ ۲ / ۷ - ۲۲ مئی ۱۹۰۰ء)

(۶) اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے ستر ہزار کے قریب بیعت کرنے والوں کا شمار پہنچ گیا ہے۔ (نزول المسیح صفحہ ۳۸۲ / ۱ و صفحہ ۳۸۳ - جولائی اگست ۱۹۰۲ء)

(۷) تیس ہزار کے قریب عقلاء اور علماء اور فقراء اور فہیم انسانوں کی جماعت میرے ساتھ ہے۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸۱ / ۹۵ یکم ستمبر ۱۹۰۲ء)

(۸) چند سال میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ اشخاص نے میری بیعت کی۔ (تحفۃ الندوہ صفحہ ۱۰ / ۱۴ صفحہ ۸ - ۱۶ راکتوبر ۱۹۰۲ء)

(۹) اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے۔

(ضمیمہ نزول المسیح اعجاز احمدی صفحہ ۲۴ صفحہ ۱۳۲ / ۲۸ - ۱۵ نومبر ۱۹۰۲ء)

(۱۰) اور ہزارہا لوگوں کا دو لاکھ کے قریب میرے ہاتھ پر بیعت کر کے راستبازی اور پاک دامنی اختیار کرنا۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۴ / ۴۴ - اکتوبر ۱۹۰۳ء)

خدا نے مجھے عزت دی اور ہزارہا لوگوں کو میرے تابع کر دیا۔

اس کے بعد تیسری سطر میں فرماتے ہیں:

یہاں تک کہ دو لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہو گئی۔ (لیکچر لاہور ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء)

(۱۱) ایک کثیر جماعت میرے ساتھ ہے اور جماعت کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ (لیکچر لدھیانہ صفحہ ۲۵ / ۴ - ۴ نومبر ۱۹۰۵ء)

(۱۲) جو صرف ظاہری مسلمان تھے وہ حقیقی مسلمان بننے لگے جیسا کہ اب تک چار لاکھ کے قریب بن چکے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۲۳/۱۴۴ رص۱۲۰۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۱۳) جن دنوں میں یہ فتویٰ ملک میں شائع کیا گیا ان دنوں میں دس آدمی بھی میری بیعت میں نہ تھے مگر آج خدا کے فضل سے تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں (تجلیات الٰہیہ۔ ص۳۹۷/۵۔ ۵۔ مارچ ۱۹۰۶ء)

(۱۴) خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی ہدایت سے تین لاکھ سے بھی زیادہ میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے آج تک توبہ کر چکے ہیں اور اس شریعت سے یہ کاروائی جاری ہے کہ ہر ایک ماہ میں صدہا آدمی بیعت میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۶۲/۱۶۷ ص۱۶۸۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۱۵) تین لاکھ سے زیادہ جماعت ہو گئی اور کئی لاکھ روپیہ آیا۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳ ص۴۴۴۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۱۶) اس وقت تو میری جماعت چالیس انسان سے زیادہ نہ تھی اور بعد میں چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۲ ص۵۳۸۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۱۷) اس سلسلہ میں داخل ہونے والے دو فریق ہوں گے۔ ایک پرانے مسلمان جن کا نام اوّلین رکھا گیا جو اب تک تین لاکھ کے قریب اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ (براہین احمدیہ۔ حصہ پنجم ص۱۰۸۔ ۱۹۰۸ء)

(۱۸) جس قدر لوگ بیعت کے لیے آج تک قادیان میں آئے وہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے اور سب بیعت کرنے والے چار لاکھ کے قریب ہوں گے۔ (چشمۂ معرفت۔ دوسرا حصہ۔ ص۳۰۶ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء)

(۱۹) یاد رہے کہ ہماری احمدی جماعت اب چار لاکھ سے کچھ کم نہیں ہے۔ (پیغام صلح ص۵۵ ص۲۶۔ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

(نوٹ:۔ ان اقتباسات سے جماعت کی تعداد فرضی معلوم ہو رہی ہے اور ظاہر ہو رہا ہے کہ بیعت کنندگان کا کوئی رجسٹر وغیرہ نہیں تھا۔ جس میں ناموں کا اندراج ہوتا ہو۔ اگر کوئی معقول انتظام ہوتا یا تعداد میں کچھ صداقت ہوتی تو ایک ہی کتاب کے اقتباسات اور ایک

بقیہ ص۹۲ پر

افکار و آراء

نسیمے از حجاز

رفیقِ تنظیمِ اسلامی محمد عبدالرشید رحمانی

۲/۴ شاہ فیصل نگر، ملتان روڈ، لاہور، حال مقیم جدہ سعودی عرب کے دو خطوط سے اقتباسات

—— (۱) ——

اما بعد! یہ عریضہ جو پہلی بار ارسال کر رہا ہوں۔ جو صرف "ماہنامہ میثاق" کے "افکار و آراء" کے بابت ہے۔

تنظیم کی رفاقت سے پہلے راقم الحروف امیر جمعیۃ اشاعت توحید والسنۃ پاکستان شیخ التفسیر قاطع شرک و بدعات حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ العالی کے دستِ مبارک پر بیعت تھا۔ میں اب بھی ان کی بیعت ارشاد پر الحمد للہ رب العلمین کار بند ہوں ــــ تنظیم اسلامی کے امیر محترم کو میں نے اشاعت توحید والسنۃ کے مشن کو جو حضرت شاہ صاحب محترم نے شروع کر رکھا ہے، مسئلہ توحید والسنۃ، عظمت انبیاء علیہم السلام اور مقامِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہم خیال پایا۔ خاص کر ان کے دروس و خطابات میں توحید میں سماع و موتیٰ اور صحابہ کرامؓ میں خلفاء راشدین کو اسلام میں حیثیت، سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے مقام کو واضح کیا اور اس کے علاوہ "جہاد" جو امت پر فرضِ عین ہو چکا ہے، اس جہاد کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے امیر تنظیمِ اسلامی نے تنظیم اسلامی عالمی سطح پر خالصتاً انقلابی بنیاد پر قائم کر کے امتِ محمدیہ پر حجت تو یہ قائم کر دی ہے۔ لہٰذا میں جمعیۃ اشاعتِ توحید والسنۃ کی تحریک سے اتفاق کرنے والے تمام رفقاء کرام سے استدعا کروں گا کہ وہ اشاعتِ توحید والسنۃ کے فریضہ کو ادا کرتے ہوئے تنظیمِ اسلامی کی رفاقت کا فیصلہ کریں۔

—— (۲) ——

بندہ نے مارچ ۱۹۸۳ء کا "ماہانہ میثاق" کا کالم "رفتارِ کار" کا بغور مطالعہ کیا۔ لاالہ موسیٰ۔

میانوالی، سرگودھا کی رپورٹ پڑھ کر از حد مزید قلبی اطمینان ہوا کہ میں نے جمعیۃ اشاعت توحید والسنہ پاکستان کی رفاقت کے ساتھ تنظیم کی بھی رفاقت کر کے بہت خیر والا معاملہ اپنے ساتھ کیا ہے چنانچہ ان اضلاع میں امیر محترم کے جلسوں میں امیر جمعیۃ اشاعت توحید والسنہ کے صاحبزادہ سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی، مولانا محمد امیر صاحب، حافظ محمد مطیع اللہ صاحب کی باقاعدہ شمولیت اور جلسوں کے اہتمام میں نوجوانان جمعیۃ اشاعت توحید والسنہ محمد اقبال کھوسی، ظفر اقبال، محمد اسلم، محمد افضل خواجہ کا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور مہمانوں کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے واقعی تنظیم اسلامی کے پروگرام کو سمجھا ہے اور انہوں نے کھلی میدان میں پاکستان میں تمام نوجوانان اشاعت توحید والسنہ کو دعوت دی ہے کہ وہ اشاعت توحید والسنہ کے مشن کو بھی پورا کرتے ہوئے فریضۂ جہاد (حقیقت جہاد) کو قرآن و سنت کی روشنی سے امیر تنظیم سے سمجھتے ہوئے انقلابی جد و جہد میں تنظیم کا بھی ساتھ دیں گے۔

بقیہ تبصرہ کتب

ہی کی ہے عبارت بے حد رواں اور ان سب کے لئے قابل فہم ہے۔ جو انگریزی کی کسی قدر استعداد رکھتے ہیں۔

اس اہم علمی و دینی خدمت پر سردار عبدالحمید صاحب بلاشبہ داد و تحسین اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں اہل علم و صاحب ثروت افراد کو آگے بڑھکر ان کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا چاہیئے تاہم ان کا اصل اجر تو ان شاء اللہ آخرت میں محفوظ ہے اللہ تعالٰی سردار عبدالحمید کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں دنیوی و اُخروی اجر کثیر عطا فرماتے۔ ۱۷۲ صفحہ کی اس کتاب کا ہدیہ اٹھارہ روپے نہایت مناسب بلکہ کم ہے۔ جب کہ اس کی افادیت کہیں زیادہ ہے۔

"بشکریہ تجارت"

بقیہ : اظہار حق

سنہ کی تعداد سے دوسرے سنہ کی تعداد میں اختلاف نہ ہوتا۔ (ن۔ا)

مرزا صاحب کے خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ستمبر ۱۹۲۴ء میں لکھتے ہیں:

"اس وقت یہ سلسلہ تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے ممبروں کی تعداد پانچ لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔" (احمدیت یعنی حقیقی اسلام صـ۴)

(جاری ہے)

تعارف کتب

The Diven Quran (Vol. 1) انگریزی ترجمہ : سردار عبدالمجید

ضخامت : ۱۷۲ صفحات قیمت : اٹھارہ روپے

ناشر : دارالاسلام ۲۲۴-۴۰ احمد نگر، ڈھاکہ، تبصرہ : معین کمال

قرآن حکیم کے اس انگریزی ترجمہ کے مترجم الحاج سردار عبدالمجید ایک ستر سالہ بزرگ ہیں جو پہلے مشرقی پاکستان میں تھے - ان کا بیان ہے کہ ۱۹۵۸ء میں انہیں خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ قرآن کریم کا ترجمہ کریں - چنانچہ انہوں نے ڈھاکہ میں ایک مسجد کے دو کمرے کرائے پر حاصل کرکے یہ کام شروع کر دیا - مشرقی پاکستان میں لوٹ مار اور دہشت گردی کے دوران ان کا تمام مال و اسباب ضائع ہو گیا - تو وہ ستمبر ۱۹۷۱ء میں کراچی آ گئے - پھر مارچ ۱۹۸۳ء میں اللہ نے انہیں خواب میں حکم دیا کہ وہ اس کام کو دوبارہ شروع کریں - انہیں توقع ہے کہ آئندہ تین برسوں میں وہ پورے قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ مکمل کر لیں گے اس پیرانہ سالی میں سردار عبدالمجید، ترجمہ، ٹائپ پروف ریڈنگ وغیرہ کا کام تنہا انجام دے رہے ہیں -

ترجمہ قرآن کا پہلا حصہ ہمارے پیش نظر ہے جو قرآن حکیم کے ابتدائی پانچ پاروں پر مشتمل ہے، ترجمہ نہایت سلیس اور آسان انگریزی میں ہے - اور حسب ضرورت حواشی سے بھی کام لیا گیا ہے، ترجمہ کا اسلوب یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے ہر آیت کا عربی متن درج ہے اس کے سامنے انگریزی ترجمہ اور نیچے حاشیہ میں اس کی تشریح کی گئی ہے -

سردار عبدالمجید نے تنہا وہ کام شروع کیا ہے جو کثیر وسائل کے حامل کسی ادارے کے کرنے کا تھا - اور انہوں نے محض ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ کتابی صورت میں شائع ہو کر جو چیز قارئین کے سامنے آئی ہے اس کا ایک ایک حرف خود انہی کا ٹائپ کیا ہوا ہے - اس کے بعد ڈیزائننگ، پیسٹنگ اور پروف ریڈنگ بھی خود

(بقیہ صفحہ ۶۴ پر)

بنائے کار

امیرِ تنظیمِ اسلامی کا سات روزہ دعوتی و تربیتی دورہ کوئٹہ

سید برہان علی ہاشمی

اے بادِ صبا کچھ تو نے سنا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم آنکھیں بچھانے والے ہیں

زہے نصیب کہ ایک مرتبہ پھر پاکستان کے مشہور اور صحت افزا مقام یعنی شہر کوئٹہ کو یہ شرف نصیب ہوا کہ ایک ہفتہ کے دعوتی و تربیتی دورہ پر اس حسین و خوبصورت شہر میں امیرِ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ورودِ مسعود ہوا۔ قارئین کے لئے یہ امر باعثِ تشنگی ہوگا اگر اس موقعہ کی مناسبت سے اس پرفضا وادی کے دینی پس منظر اور امیرِ موصوف کے موجودہ دورہ کی خصوصی غایت پر مختصراً روشنی نہ ڈالی جائے۔

کوئٹہ پاکستان کے بلحاظِ رقبہ سب سے بڑے صوبہ بلوچستان کا صدر مقام ہے۔ یہاں کی آبادی مختلف اقوام پر مشتمل ہے اگرچہ کہ یہ صوبہ ملک کے دیگر صوبوں کے مقابلہ میں نسبتاً پسماندہ ہے لیکن الحمدللہ دینی اعتبار سے کسی سے پیچھے نہیں۔ اہالیانِ بلوچستان روایتی طور پر اپنے دین پر سختی سے کاربند ہیں۔ عمومی طور پر پابندِ صوم و صلوٰۃ ہیں۔ سادہ طرزِ زندگی ان کا خصوصی طرۂ امتیاز ہے۔ نیز یہ امر قابلِ صد شکر و تحسین ہے کہ یہاں کے رہنے والے اکثر مسلمان تمام فرقہ بندیوں سے بالاتر ہیں۔ اور سیدھے سادے اور پکے مسلمان ہیں۔ یہاں قارئین کے لئے یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس صوبہ کی اصل مقامی آبادی میں کوئی قادیانی یا شیعہ نہیں ملے گا ماسوائے ایک نہایت معمولی، آٹے میں نمک کے مصداق اقلیتی فرقہ کے جو "ذکری" کے نام سے موسوم ہے اور مکران کے علاقے میں آباد ہے۔

چنانچہ اسی دینی پس منظر کا یہ ردِ عمل تھا کہ امیرِ محترم کے ماہِ اپریل ۱۹۸۳ء کے تین روزہ دعوتی دورہ کے دوران اس شہر کوئٹہ سے تیس رفقاء جو جذبۂ دینی سے سرشار تھے، آگے بڑھے اور امیرِ محترم کے دستِ مبارک کو تھام کر اقامتِ دین جیسی دشوار و کٹھن راہ پر گامزن ہونے کے لئے کمربستہ ہو گئے اور انہوں نے تجدیدِ ایمان، توبہ اور تجدیدِ عہد کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرنے کا عہد کیا۔ کوئٹہ جیسے چھوٹے سے شہر میں صرف تین یوم کے اندر اتنی تعداد میں رفقاء کا یہ انقلابی اقدام یقیناً اس خطہ کے باسیوں کا اپنے دین کو سمجھنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کو عملی طور پر قائم و نافذ کرنے کے جذبہ کا منہ بولتا ثبوت ہے اور یقیناً یہ امر ملک کے دیگر حصوں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔

اب آئیے امیرِ محترم کے موجودہ سات روزہ دورہ کی ضرورت اور اہمیت کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔

امیرِ محترم کی روزمرہ اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے آپ کے سہ روزہ دورۂ اپریل کے دوران تنظیم اسلامی میں شامل ہونے والے رفقاء کو امیرِ محترم کی علمی معیت خاطر خواہ طور پر نصیب نہ ہو سکی۔ بنابریں ان کے انقلابی جذبہ کو قابلِ قدر اور مناسب جِلا نہ مل سکی۔ امیرِ موصوف کا صرف تین روزہ درسِ قرآن جو کہ سورۃ صف پر مبنی تھا۔ ان کے اس جذبۂ عمل کا محرک بنا۔ چنانچہ تمام ہی رفقاء کی یہ شدید خواہش تھی کہ کاش کوئی ایسا موقعہ فراہم ہو کہ امیرِ محترم کا کچھ قرب نصیب ہو جائے۔ جس سے نئے رفقاء کے انقلابی جذبہ میں نکھار کی صورت پیدا ہو اور اس عظیم صاحبِ علم و عمل کی صحبت و تربیت کے فیضان سے ان میں بھی علم و عمل کے موجود جذبہ اور عزم کو دوام حاصل ہو۔ لیکن امیرِ محترم کی بے انتہا مصروفیات اور ملک کے حالیہ مخصوص حالات کی بناء پر رفقاء کی مذکورہ بالا شدید خواہش فوری طور پر پوری نہ ہو سکی۔ بہرحال امیرِ تنظیم اسلامی کوئٹہ کی مساعی جمیلہ بالآخر کامیاب ہوئیں اور یہ اُن ہی کی کوششوں کا ثمر اور خداوند کریم کا فضل و کرم ہے کہ امیرِ محترم نے اپنے انتہائی قیمتی وقت میں سے آٹھ روز کا طویل عرصہ کوئٹہ کی تنظیم کے مختصر قافلے کے راہروؤں کے لئے وقف فرما دیا اور طے پایا کہ امیرِ محترم چھ اکتوبر کو کوئٹہ تشریف لائیں گے اور گیارہ اکتوبر تک قیام فرمائیں گے اور کوئٹہ کی اس نوزائیدہ تنظیم کی آبیاری فرمائیں گے۔

جوں ہی امیرِ محترم کے مذکورہ بالا پروگرام کی اطلاع رفقاء کوئٹہ کو ملی ان کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے اور فوری طور پر تمام رفقاء محترم ڈاکٹر صاحب کے پروگرام کو کامیاب تر بنانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اس تیاری میں ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دس ہزار ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ پانچ سو پوسٹر شہر کے مختلف علاقوں میں چسپاں کئے گئے۔ اہم مقامات پر بینرز آویزاں کئے گئے۔ نیز شہر و چھاؤنی کی معروف جامع مساجد میں نمازِ جمعہ کے اجتماعات میں امیرِ محترم کے مجوزہ پروگرام کے اعلانات کرائے گئے۔ تربیت گاہ۔ درسِ قرآن اور خطابِ جمعہ کے لئے شہر کے قلب میں واقع "مسجدِ طوبیٰ" جو کوئٹہ میں تنظیم کا عارضی مرکز بھی ہے کا ہی انتخاب کیا گیا۔ اس سلسلہ میں اگر مسجدِ طوبیٰ کی انتظامی کمیٹی کے معزز و محترم اراکین و خطیب صاحب کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو یقیناً ناانصافی ہو گی جنہوں نے ازراہِ کرم و عنایت مسجدِ طوبیٰ کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کے سلسلہ میں ہر ممکن تعاون فرمایا۔ اس مسجد کے نیچے ایک وسیع و عریض ہال بھی ہے جو عوامی اجتماعات کے لئے رئیس بلدیہ کی منظوری سے استعمال ہوتا ہے۔ رفیقِ محترم سلطان محمود صاحب کی کاوش سے یہ ہال بھی بلا اجرت و کرایہ متذکرہ پروگرام کے لئے میئر کوئٹہ کی اجازت سے وقف کر دیا گیا۔

پانچ اکتوبر کو جبکہ انتظامی معاملات تکمیلی مراحل میں تھے۔ اچانک امیرِ تنظیم کوئٹہ جناب میاں محمد نعیم صاحب کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے دن بذریعہ ٹیلیفون لاہور سے اطلاع موصول ہوئی کہ نظرِ ثانی شدہ پروگرام کے تحت امیرِ محترم اب بجائے چھ اکتوبر کے آج ہی بذریعہ ہوائی جہاز کوئٹہ پہنچ رہے ہیں۔ امیر صاحب نے فوری طور پر راقم الحروف کو یہ خوشخبری سنائی اور طے پایا کہ راقم الحروف اور بھائی شعیب الرحیم دونوں مل کر فوری طور پر جس قدر رفقاء کو ممکن ہو سکے ان کے گھروں پر اس تبدیل شدہ پروگرام کی اطلاع دے دیں۔ اگرچہ راقم الحروف کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہ بھی نعیم صاحب کے ہمراہ امیرِ محترم کے استقبال کے لئے ایرپورٹ پر موجود ہو۔ لیکن اپنے امیر کے حکم کی تعمیل میں بادلِ ناخواستہ اس سعادت سے محروم رہا۔ بہرحال گھر گھر جا کر بیشتر رفقاء کو یہ نوید سنا دی گئی کہ ان کے انتظار کے کٹھن لمحات اب ختم ہو چکے ہیں۔ اور امیرِ محترم کچھ ہی دیر میں کوئٹہ پہنچ رہے ہیں۔ تمام رفقاء نے یہ خبر حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سنی۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس دن کا بڑی شدت اور بے چینی کے ساتھ انتظار ہو رہا تھا وہ یوں اچانک آن پہنچا۔ خبر سنتے ہی رفقاء بیتاب تھے کہ کسی طرح فوراً ہی اپنے شفیق و مہربان سالارِ قافلہ کی زیارت سے مشرف ہوں۔

عادتیں حاصل کریں۔

اس مرتبہ بھی حسبِ سعادت شرفِ میزبانی جناب چوہدری محمد یوسف صاحب اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل ہی کو حاصل ہوا جنہوں نے بکمال عنایت و خلوص امیرِ محترم کے لئے اپنے دولت خانہ پر قیام کا انتظام فرمایا۔ پروٹوکول کے فرائض رفیقِ محترم سلطان محمود صاحب کے سپرد ہوئے۔ جو خداوند کریم کی اَن گنت نعمتوں کے ساتھ ساتھ ایک کار کے بھی مالک ہیں۔ سلطان صاحب اگرچیکہ کافی عرصہ سے صاحبِ فراش ہیں لیکن علالت کے باوجود وہ جس طرح ہر وقت اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمربستہ اور مستعد رہے۔ اس پر وہ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ بہرحال امیرِ تنظیم کوئٹہ جناب میاں محمد نعیم صاحب امیرِ محترم کو خوش آمدید کہنے کے لیے سلطان محمود صاحب کے ہمراہ ائیر پورٹ تشریف لے گئے اور بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی جب امیرِ موصوف نے اپنے وجودِ مبارک سے کوئٹہ کو رونق بخشی۔ آپ کے ہمراہ محترم محمد اشرف صاحب بھی تشریف لائے جو سعودی عرب میں ایک مشہور و معروف بینک میں ملازم تھے۔ وہاں پر امیرِ محترم کے دروس کے کچھ کیسٹ سنے۔ جذبۂ ایمانی میں حرارت پیدا ہوئی اور بینک جس کی بنیاد ہی سودی نظام پر ہے کی ملازمت سے فوری طور پر استعفیٰ دے دیا۔ اور امیرِ محترم سے بیعت ہونے کی خاطر پاکستان کے لئے روانہ ہوگئے۔ خداوند کریم اپنے دین کی راہ میں ان کی اس عظیم قربانی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور استقامت سے نوازے۔ آمین۔ امیرِ محترم کی کوئٹہ تشریف آوری پر معلوم ہوا کہ جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب امیرِ محترم کی لاہور میں غیر حاضری کے باعث مسجد دارالسلام میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما کر کوئٹہ کیلئے روانہ ہوگئے۔

کوئٹہ پہنچنے سے قبل ہی جہاز میں امیرِ محترم کی طبیعت زکام کا اثر ہو جانے کی وجہ سے کچھ ناساز ہوگئی تھی۔ چنانچہ طے پایا کہ رفقاء کو مزید کچھ دیر انتظار کے صبر آزما لمحات سے گزرنا ہوگا تاکہ امیرِ محترم ناسازیٔ طبع کی بنا پر کچھ آرام فرمالیں۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ تمام رفقاء جن کو امیرِ محترم کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی بعد نمازِ مغرب امیرِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رفقاء کے علاوہ چند ایسے دوست بھی ہمراہ تھے جو بوجوہ تاحال باقاعدہ تنظیم میں شامل تو نہیں ہوسکے لیکن اجتماعات میں باقاعدگی سے شرکت کرتے ہیں۔ امیرِ محترم نے نہایت شفقت کے ساتھ فرداً فرداً ہر ایک سے مصافحہ و معانقہ فرمایا اور خیریت دریافت فرمائی۔ چونکہ بیشتر رفقاء کے ساتھ امیرِ محترم کی سابقہ ملاقات نہایت مختصر تھی۔ لہٰذا امیرِ تنظیم کوئٹہ نے فرداً فرداً ہر رفیق کا امیرِ محترم سے مختصر تعارف بھی کرایا۔ جس میں امیرِ محترم نے خصوصی دلچسپی لی اور رفقاء سے کچھ مختصر سوالات بھی فرمائے۔ یہ بابرکت نشست ایک گھنٹہ سے زائد جاری رہی۔ رفقاء میں شاہد اسلام بھی شامل تھے جو ایک نوجوان اور معروف قاری ہیں۔ گذشتہ ماہ رمضان میں اسلام آباد میں منعقدہ کل پاکستان مقابلہ قرأت میں دوسرے نمبر پر آئے تھے۔ ہمارے پرانے رفیق ہیں۔ امیرِ محترم نے ان سے فرمائش کی کہ وہ کلامِ ربانی کی قرأت سے حاضرین کو مستفید فرمائیں چنانچہ قاری صاحب نے اپنی مخصوص اور دلکش و سُریلی آواز میں سورۃ البقرۃ کی چند آیات کی قرأت فرمائی جو اس محفلِ سعید کی برکات میں مزید اضافہ کا باعث ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی امیرِ محترم سے اجازت طلب کی گئی۔ اسی روز چند دیگر معززینِ شہر نے بھی چوہدری صاحب کے دولت خانہ پر ہی امیرِ محترم سے ملاقات فرمائی۔

۶ اکتوبر: چھ اکتوبر کو صبح کے وقت چونکہ کوئی پروگرام نہیں تھا۔ لہٰذا رفیقِ محترم سلطان محمود صاحب نے اپنی کار میں امیرِ موصوف کو کوئٹہ کے الوستے تفریحی مقام "ہنہ" اور "اوڑک" کی سیر کرائی۔ اسی دن مزید مہمانانِ گرامی

کوئٹہ تشریف لائے۔ لاہور سے جناب محمد احمد صاحب و جناب علاؤ الدین صاحب اور حیدر آباد سے جناب سعید صاحب کوئٹہ پہنچے۔ سعید صاحب ہمارے نئے رفیق ہیں۔ ماہ اگست میں امیر محترم کے دورۂ حیدر آباد کے دوران بیعت ہوئے۔ کراچی سے بھی کئی رفقاء متوقع تھے لیکن راستہ کے مخدوش حالات کی بناء پر امیر محترم کے منع کر دینے کی وجہ سے نہ پہنچ سکے۔ تاہم حافظ سلطان صاحب کوئٹہ پہنچ گئے۔ ان کا تعارف قارئین کے لئے عموماً اور رفقاءِ تنظیم کے لئے خصوصاً باعثِ دلچسپی و تقلید ہوگا۔ حافظ صاحب اگرچہ ہمارے باقاعدہ رفیق نہیں ہیں لیکن تنظیم کے اجتماعات میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے ہیں۔ ظاہری قوتِ بصارت سے محرومی کے باوجود ان کی ہمت و حوصلہ قابلِ ستائش ہے کہ تن تنہا بلا تردد کراچی سے کوئٹہ پہنچ گئے اور تمام پروگراموں میں پوری تندہی و دل جمعی سے شرکت فرمائی۔ ان کا یہ جذبہ یقیناً لائقِ تحسین اور ہم سب کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

شام کو نمازِ مغرب کے بعد امیر محترم نے سورۃ الحدید کے درس کا آغاز فرمایا اور ابتدائی چھ آیات کی تشریح فرمائی۔

۷ اکتوبر: سات اکتوبر کو ٹھیک ایک بجے امیر محترم نے خطاب جمعہ کا آغاز فرمایا۔ محرم الحرام کی مناسبت سے "شہادت" کا موضوع زیرِ بحث آیا۔ امیر محترم نے رفقاء کے مشورہ سے ہی یہ موضوع منتخب فرمایا تھا اور آپ نے نہایت جامع اور مدلل تقریر فرمائی۔ خصوصاً شہادتِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ حاضرین نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ تقریر سنی اور بیشتر افراد کو تقریر میں بیان کردہ حقائق و اندازِ بیان کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے سنا گیا۔

سامعین کی تعداد کا اندازہ لگانا ایک مشکل امر ہے۔ بارہ بجے سے ہی لوگ جوق در جوق مسجد پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ جس وقت امیر محترم نے خطاب شروع فرمایا تو مسجد نمازیوں سے بھر چکی تھی۔ اور یہ وسیع و عریض بنتِ کعبہ اپنی تنگیٔ داماں کی شاکی تھی۔ پبلک ہال میں بھی تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اطراف کی تینوں سڑکیں حفظِ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی بند کر دی گئی تھیں اور وہاں پر دریاں اور صفیں بچھا دی گئی تھیں۔ وہ بھی تمام کی تمام نمازیوں سے بھر گئیں۔ اس سے ٹریفک میں بھی تعطل پیدا ہوا۔ نتیجتاً ٹریفک پولیس کے سپاہیوں کو آکر ڈیوٹی انجام دینی پڑی۔ اتنا پُر رونق اجتماع تھا کہ عید کا گمان ہو رہا تھا۔ اس اجتماع نے ایک مرتبہ پھر چھ ماہ قبل جامع مسجد ڈیری فارم کے اجتماعِ جمعہ کی یاد تازہ کرا دی جہاں امیر محترم نے اپنے سابقہ دورہ کے دوران خطاب فرمایا تھا۔

دوپہر کا کھانا امیر محترم نے رفقاء کے ساتھ مل کر کھایا۔ چونکہ تربیتی پروگرام کے سلسلے میں رفقاء کی کچھ تعداد مسجد کے نیچے واقع پبلک ہال میں ہی مقیم تھی۔ لہٰذا چلتے۔ ناشتہ و قیام و طعام کا بندوبست بھی وہاں ہی تنظیم اسلامی کوئٹہ کی جانب سے کیا گیا تھا۔ اور پہلے ہی سے یہ پروگرام طے پایا تھا کہ بیشتر اوقات امیر محترم بھی طعام رفقاء کے ساتھ ہی تناول فرمایا کریں گے۔ کھانے کے دوران ہی جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب بھی لاہور سے تشریف لے آئے اور شریکِ طعام ہو گئے۔

شام کو بعد نمازِ مغرب مطابق پروگرام سورۃ الحدید کے سلسلہ وار درس کا آغاز ہوا۔ آج سامعین کی تعداد گذشتہ روز کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھی۔ آیات نمبر ۷ تا نمبر ۱۱ زیرِ مطالعہ آئیں۔

۸ اکتوبر: ۸ اکتوبر سے تربیتی پروگرام کا آغاز ہوا۔ چنانچہ بعد نمازِ فجر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے اپنے مخصوص

دردِلکش انداز میں سورۃ العصر کا درس دیا۔ سامعین میں رفقاء کے علاوہ دیگر مقتدیوں نے بھی شرکت فرمائی۔
ات سے نو بجے تک ناشتہ اور دیگر ضروریات کے لئے وقفہ تھا۔ نو بجے نوجوان رفیق قاری شاہد اسلام صاحب کی
ادت سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک امیر محترم نے نہایت مدلل طریقہ سے "فرائضِ دینی کا تصور" کے
ت بنیادی فرائض و لوازمات ایسے اہم عنوانات پر مفصل روشنی ڈالی۔ ایک عمارت کے تشبیہی خاکہ کے ذریعے
یک ایک نکتہ کی وضاحت پیش فرمائی۔ رفقاء کے علاوہ کچھ دیگر احباب بھی اس پروگرام میں شریک ہو کر مستفید
وئے۔ ساڑھے دس بجے چائے کا وقفہ ہوا۔ گیارہ بجے امیر محترم کی تقاریر پر مشتمل کتابچہ "مطالباتِ دین" کا اجتماعی
طالعہ شروع ہوا۔ "عبادتِ رب" کا موضوع زیر مطالعہ رہا۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے مختلف نکات و اشکالات
ی وضاحت فرمائی۔ ایک بجے یہ نشست برخاست ہوئی۔ شام چار بجے محترم عبدالحنان صاحب جو رابطہ عالم اسلامی
ی جانب سے کوئٹہ میں مبعوث ہیں کی رہائش گاہ پر خواتین کا ایک اجتماع ہوا جس سے امیر محترم نے پردہ کے موضوع
پر خطاب فرمایا۔

شام بعد نمازِ مغرب سلسلہ وار درس کا آغاز ہوا۔ سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۲ تا نمبر ۱۵ کی تشریح فرمائی۔
نمازِ عشاء کے بعد امیر محترم جناب حاجی نسیم صاحب مالک کیف بلدیہ کی دعوت پران کے دولت خانہ پر
ناول ماحضر کے لیے تشریف لے گئے اور بعد میں دیگر شرکاء کے ساتھ دینی امور پر گفتگو بھی فرمائی۔
۹ اکتوبر: نو اکتوبر کو حسبِ پروگرام بعد نمازِ فجر محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے درسِ قرآن میں
آیۃ بِرّ پر وضاحت سے روشنی ڈالی۔ رفقاء کے علاوہ دیگر مقتدیوں نے بھی درس میں شرکت فرمائی۔
نو بجے امیر محترم نے اپنے سابقہ روز کے بیان کا خلاصہ پیش فرماتے ہوئے موضوع کو آگے بڑھایا۔
چونکہ آٹھ اکتوبر کے پروگرام میں انقلابی نظریہ کو قبول کرنے والے افراد کے لئے ایک منظم جماعت میں شامل
ہونے نیز جماعت کی اہمیت اور اس کے ناگزیر ہونے پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی تھی لہٰذا
آج کے پروگرام میں امیر محترم نے جماعتی نظام ہی کے سلسلہ میں اجتماعی کاموں کی اقسام۔ انقلابی عمل کے
مدارج و مراحل جیسے اہم موضوعات پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا۔ مختلف موضوعات پر سیر حاصل
بحث کرتے ہوئے ان کی توضیح و تشریح فرمائی۔
چائے کے وقفہ کے بعد گذشتہ روز کے مطالعہ کے تسلسل میں مطالباتِ دین
کے دوسرے باب "شہادت علی الناس" کا اجتماعی مطالعہ شروع کیا گیا۔ محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب
نے حسبِ سابق مختلف نکات کی تشریح فرمائی۔ بارہ بجکر تیس منٹ پر امیر محترم نے سوال و جواب کی مختصر
محفل میں رفقاء کے سوالات کے جواب عنایت فرمائے۔ ایک بجے امیر محترم نے رفقاء کے ساتھ مل کر
ماحضر تناول فرمایا۔ نمازِ مغرب کے بعد سورۃ الحدید کے سلسلہ وار درس میں امیر محترم نے آیت
نمبر ۱۶ تا نمبر ۲۱ کے مضامین کی توضیح و تشریح فرمائی۔
نمازِ عشاء کے بعد پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت درس سے متعلق سوال و جواب کی محفل منعقد
ہوئی۔ تنظیم کی جانب سے شرکاءِ درس میں سوالنامہ فارم تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ حاضرین و شرکاءِ درس نے کثیر تعداد
میں سوالات کئے۔ جن کے امیر محترم نے وضاحت کے ساتھ جواب عطا فرمائے۔ وقت زیادہ گذر جانے کے سبب

کچھ سوالات معرضِ التوا میں ڈالنے پڑے۔ جن کے جواب کے لئے گیارہ اکتوبر کی تاریخ مقرر کی گئی۔

۱۰ اکتوبر: آج کے پروگرام کا حسبِ معمول بعد نمازِ فجر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے درسِ قرآن حکیم سے آغاز ہوا۔ انہوں نے نہایت دلپذیر انداز میں سورۃ لقمان کی ابتدائی آیات پر مبنی درس دیا جس میں حکمت و دانائی کے گوہرِ نایاب سامعین کو عطا ہوئے۔ نو بجے سے ساڑھے دس بجے تک اپنے سابقہ دو روزہ تربیتی درس کے تسلسل میں "جماعتی زندگی" کے عنوان کے تحت گفتگو فرماتے ہوئے امیرِ محترم نے "شرکاءِ جماعت میں مطلوبہ اوصاف" قرآن حکیم سے بیان فرمائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے سورۃ فتح۔ سورۃ نور۔ سورۃ مائدہ۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ الحجرات سے حوالے بیان فرمائے اور جامع انداز میں مذکورہ سورتوں کے مخصوص اور موضوع سے متعلق حصّوں کی تشریح فرمائی۔ بعدازاں ایک بجے تک حسبِ معمول "مطالباتِ دین" کا اجتماعی مطالعہ شروع ہوا۔ آج کا موضوع تیسرا اور آخری باب تھا جو "اقامتِ دین" کے موضوع پر مشتمل ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے حسبِ سابق جہاں ضرورت محسوس ہوئی وضاحت فرمائی۔ نمازِ مغرب کے بعد حسبِ معمول سورۃ الحدید کا سلسلہ وار درس شروع ہوا اور آیت ۱۲ تا ۱۵ کے مضامین بیان ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد امیرِ محترم جناب چوہدری بشیر احمد صاحب ریٹائرڈ ڈی آئی جی پولیس کی دعوت پر ان کے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں دیگر مدعوین کے ساتھ امیرِ محترم نے دینی امور پر گفتگو فرمائی۔ نیز مختلف حضرات کے سوالات کے جوابات عطا فرمائے۔ طعام کے ساتھ ہی یہ محفل برخاست ہوئی ————!!

۱۱ اکتوبر: گیارہ اکتوبر کے پروگرام کا آغاز بعد نمازِ فجر حسبِ معمول ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے درس سے ہوا۔ آپ نے سورۃ تغابن کا درس دیا۔ امیرِ محترم کی مصروفیات آج بلا وقفہ جاری رہیں۔ ناشتہ کے وقفہ کے بعد تربیتی پروگرام کی آخری نشست میں امیرِ محترم نے اپنی سابقہ روز کی گفتگو کے تسلسل میں "تنظیم کی اساس و بنیاد" کے موضوع کے تحت "نظامِ بیعت" پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ سورۃ توبہ۔ سورۃ فتح اور سورۃ صف کے حوالوں سے نظامِ بیعت کو ثابت فرمایا۔ چونکہ اسی روز بیعت کے خواہشمند افراد کے لئے بھی وقت معین کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا گیارہ بجے مقررہ پروگرام کے تحت انیس سرفروشانِ دینِ متین نے امیرِ محترم کے ہاتھ پر بیعت کی اور قافلہ جاں نثارانِ محمدؐ میں شامل ہوئے۔ بارہ بجے اس تربیتی پروگرام کے آخری مرحلہ میں امیرِ محترم نے "نظمِ جماعت" کے موضوع پر سلسلۂ کلام کا آغاز فرمایا۔ قرآن مجید کی سورۃ نور۔ سورۃ توبہ اور سورۃ آلِ عمران کی مختلف متعلقہ آیات کے حوالہ جات کی روشنی میں اس موضوع کی اہمیت نیز امراء اور مامورین کی ذمہ داریوں کی تفصیل کے ساتھ وضاحت فرمائی۔ یوں اس چار روزہ تربیتی پروگرام کی آخری نشست تقریباً ڈیڑھ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے فوراً ہی بعد امیرِ محترم نے رفقاء کے ساتھ مل کر طعام تناول فرمایا

نمازِ عصر اور نمازِ مغرب کا درمیانی وقفہ سوال و جواب کے لئے مختص کیا گیا تھا۔ شرکاءِ درس نے کثیر تعداد میں سوالات دریافت کئے تھے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے آج بھی کچھ سوالات باقی رہ گئے جن کے جواب کے لئے اگلے روز نمازِ فجر کے بعد کا وقت مقرر کیا گیا۔

مغرب کی نماز کے بعد حسبِ سابق سورۃ الحدید کے سلسلہ وار درس کا اختتامی پروگرام ہوا۔ اور مذکورہ سورۃ کی آخری آیات کی توضیح و تشریح فرمائی۔ آج چونکہ درس کا آخری دن تھا۔ اس مناسبت سے عوام کی کثیر تعداد

اس میں شریک ہوئی۔ درس کے اختتام پر اجتماعی دعا مانگی گئی۔

نمازِ عشاء کے بعد امیرِ محترم کے ایک عزیز (جو کہ فوج میں ملازم ہیں) نے ایک محفل گفت و شنید کا انتظام فرمایا تھا۔ امیرِ محترم نے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب و محترم محمد اشرف صاحب کے ہمراہ اس میں شرکت فرمائی۔ جہاں انہوں نے شرکاءِ مجلس سے گفتگو فرمائی اور مختلف سوالات کے جواب عنایت فرمائے۔ آج کا دن امیرِ محترم نے نہایت ہی مصروف گذارا اور بغیر کسی وقفۂ آرام کے مختلف پروگراموں میں شرکت فرمائی۔

۱۲ اکتوبر: حسبِ اعلان امیرِ محترم نے نمازِ فجر کے بعد بقیہ سوالات کے جواب عطا فرمائے۔ بعد ازاں امیرِ محترم امیرِ تنظیم کوئٹہ جناب میاں محمد نعیم صاحب کے ہمراہ ان کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں ہمارے محترم رفقاء جناب قاری سید افتخار احمد صاحب کاظمی کی اہلیہ محترمہ، محترم عبدالواحد خان صاحب کی اہلیہ محترمہ اور جناب شعیب الرحیم صاحب کی والدہ ماجدہ نے امیرِ محترم سے بیعت فرمائی۔ واضح رہے کہ امیرِ تنظیم کوئٹہ جناب محمد نعیم صاحب کی اہلیہ محترمہ کوئٹہ کی وہ خاتونِ اوّل ہیں جو امیرِ محترم کے سابقہ دورۂ اپریل کے دوران بیعت ہوئی تھیں۔ یوں کوئٹہ میں اب خواتین کا یہ ننھا سا قافلہ ترتیب پا گیا ہے۔ بارگاہِ ربّ العزّت میں ہم سب کی یہ عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہماری ان لائقِ صد احترام بہنوں کی قربانی کو قبول فرما کر انہیں عزم و حوصلہ اور استقامت سے نوازے اور یہی مختصر قافلہ بلوچستان میں دینی انقلاب کا ہراول دستہ ثابت ہو۔ آمین۔ قابلِ تحسین و صد مبارکباد ہیں ہماری یہ بہنیں جنہوں نے اس گرے ہوئے معاشرہ میں اپنی دینی ذمہ داریوں کو محسوس فرمایا۔ اور اپنے اس جذبہ کو مہمیز دی۔ امید واثق ہے کہ اپنے مشن کو جاری و ساری رکھتے ہوئے یہ خواتین محترم دوسرے خطہ کی خواتین کے لئے ایک روشن مثال قائم فرمائیں گی۔

نو بجے تمام رفقاء نے جناب چوہدری محمد یوسف صاحب کے دولت کدہ پہ حاضری دی اور امیرِ محترم سے الوداعی ملاقات کی۔ چونکہ انتظامی معاملات کو سمیٹنے کی وجہ سے رفقاء کا ائیرپورٹ پہ جانا مشکل تھا لہٰذا وہاں سے ہی انہوں نے امیرِ محترم کو رخصت کیا۔ امیرِ محترم جناب چوہدری صاحب و محترم نعیم صاحب کے ہمراہ ائیرپورٹ روانہ ہوئے۔ جہاں سے وہ لاہور کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔

امیرِ محترم کا یہ ایک ہفتہ کا دورہ نہایت کامیاب رہا۔ نیز رفقائے تنظیم کے لئے خصوصی طور پر انتہائی منفعت بخش ثابت ہوا۔ عوام الناس کے لئے بھی یہ دورہ کچھ کم مفید نہیں تھا۔ جس انداز میں امیرِ محترم نے چھ روز تک مسلسل سورۃ الحدید کا درس دیا اور جس تفصیل سے اس سورۃ مبارکہ کا مطالعہ ہوا۔ شرکاء پر اس کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ درس کے دوران بیشتر ارکان کو اشکبار دیکھا گیا۔ اکثر و بیشتر سامعین کو یہاں تک کہتے سنا گیا کہ انہوں نے آج تک کسی بھی عالم سے اس مؤثر انداز میں درسِ قرآن نہیں ۔۔۔ دوسری جانب امیرِ محترم کے حالیہ دورہ کے نتیجہ میں قافلۂ سرفروشانِ دینِ متین میں مزید انیس مرد حضرات اور تین خواتین کا اضافہ ہوا۔ یہاں یہ امر خصوصی طور پہ قابلِ ذکر ہے کہ یہ تمام سربکف کارکنان اعلیٰ تعلیمی زیور سے بھی آراستہ و پیراستہ ہیں اور جذبۂ دینی سے بھی سرشار ہیں۔ ہمیں بارگاہِ ربّ العزّت سے قوی امید ہے کہ یہ نئے شامل ہونے والے مجاہدین پرانے رفقاء کے لئے یقیناً قابلِ تقلید مثال ثابت ہوں گے۔ اس سلسلہ میں اگر امیرِ تنظیم کوئٹہ کی خدمات کو نہ سراہا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی۔ دراصل یہ سب کچھ ربّ العزّت کی کرم فرمائی کے ساتھ

ساتھ جناب نعیم صاحب کی ان تھک محنت وجدوجہد کا ثمر ہے۔ آپ نے ۱۹۸۲ء میں لاہور سے کوئٹہ آکر تنظیم کی داغ بیل ڈالی۔ تنہا ہونے کے باوجود انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ آپ نے اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں دن رات اپنے آپ کو کھپائے رکھا۔ ان بے لوث اور مخلصانہ کوششوں کا ہی قدرت کی جانب سے یہ انعام ہے کہ آج تقریباً ڈیڑھ سال کی انتہائی قلیل مدت میں کوئٹہ تنظیم کے اس قافلہ میں ۶۳ جاں نثار شامل ہیں۔ خداوند کریم ان کی ان مساعی جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ تمام رفقائے گرامی جو کوئٹہ کی تنظیم سے وابستہ ہیں بھی قابل ستائش وصد مبارکباد ہیں کہ ان کی محنت وکاوش اور لگن سے امیر محترم کا یہ دورہ کامیاب رہا۔ جس جانفشانی سے انہوں نے دن رات خدمات انجام دیں۔ انکو اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں قبول فرمائے اور اقامت دین کے جس مقصد کو انہوں نے منزل حیات منتخب کیا ہے اس میں انہیں کامیابی وکامرانی سے نوازے۔ آمین ثم آمین!

EAGLE
EAGLE IRIDIUM
ایگل
ایک عالمگیر قلم
خوشخط، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
اریڈیم ٹپڈ نب
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب
آزاد فرینڈز اینڈ کمپنی لمیٹڈ

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)
۳۰۱ ، لنڈا بازار ، لاہور ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۶

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ
فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
(الحدید: ۲۵)
اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔

THE ORIGINAL

حمد و ستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا ـــــ اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

فکر و عمل کی اساس!

اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ تقدیر کیا ہے اور کیا نہیں ہے اور اسے اپنے فکر و عمل کی اساس بنالیں تو ہمارے وہ نسخۂ کیمیا آجائے گا جو ہمارے عروقِ مردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑا سکتا اور احساسِ کمتری میں مبتلا زندگی کو ذاتِ عطا کرکے عزم و یقین کی دولت سے مالا مال کرسکتا ہے۔

← اس حقیقت کو پاکر ہم منفی خیالات سے نجات حاصل کرسکتے اور ایک مثبت اور فعال شخصیت بن کر بیشتر مسائل و مشکلات پر قابو پاسکتے ہیں۔

← یہی وہ قندیلِ رہبانی ہے جو بیابان کی اندھیری رات میں بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا پتہ دیتی ہے۔

← یہی وہ اکسیرِ عظیم ہے جو کشاکشِ حیات اور غم روزگار سے نجات کا ضامن ہے۔

← یہی وہ بنیادی آئین ہے جس میں قوموں کی تعمیر کا راز مضمر ہے۔

ہم نے اس راز کو پالیا تو یہ ملتِ اسلامیہ کی تعمیرِ نو کی طرف ایک اہم ترین قدم ہوگا ـــــ ہماری زندگی خزاں دیدہ چمن میں بہار آجائے گی ـــــ ملک کی کایا پلٹ جائے گی ـــــ ہم اقوامِ عالم میں ایک نمایاں مقام حاصل کرلیں گے ـــــ انشاء اللہ تعالیٰ ـــــ آمین! یا رب العٰلمین!

روحانی اور مخفی علوم کے ممتاز سائنسدان سید عزیز الرحمٰن شاہ پیرزادہ فرماتے ہیں کہ تقدیر کیا ہے ـــــ اور کیا نہیں ہے کا راز اس دعا میں مضمر ہے کہ

اللہم رحمٰن و رحیم !!!

میرے ذہن و دل کو ایمان و یقین کے نور سے بھر دے تاکہ جو فیصلے تو نے میرے حق میں کردیئے ہیں انہیں شکر کے ساتھ قبول کرلوں ـــــ میرے بازو میں وہ قوت اور دل و دماغ کو وہ روشنی عطا کرکہ اپنے حسنِ تدبیر سے ان مشکلات پر قابو پالوں جن کا حل تو نے میری کوشش اور عمل پر منحصر کررکھا ہے ـــــ مجھے وہ سمجھ بھی عطا فرما کہ میں تقدیر کے صحیح مطلب اور مفہوم کو سمجھ سکوں اور جو مصائب و آلام میری کوتاہیوں یا بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں انہیں اپنی قسمت کا لکھا نہ سمجھوں۔

شاہ صاحب قبلہ تلقین فرماتے ہیں کہ اس دعا کو اپنے قلب و ذہن میں اتارلیں۔ کامذاد حیات میں اسے مشعلِ راہ بنالیں۔ اسے آخری حد تک اسے پہنچائیں جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکتی ہے۔

حمد وستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

اللہ رحمٰن و رحیم!

میرے ذہن و دل کو ایمان و یقین کے نُور سے بھر دے تاکہ جو فیصلے تو نے میرے حق میں کر دیئے ہیں انہیں شکر کے ساتھ قبول کروں۔

میرے بازو میں وہ قوت اور دل و دماغ کو وہ روشنی عطا کر کہ اپنے حُسنِ تدبیر سے ان مشکلات پر قابو پالوں جن کا حل تو نے میری کوشش او عمل پر منحصر کر رکھا ہے۔

مجھے وہ سمجھ بھی عطا فرما کہ میں تقدیر کے صحیح مطلب اور مفہوم کو سمجھ سکوں اور جو مصائب و آلام میری کوتاہیوں یا بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں انہیں اپنی "قسمت" کا لکھا نہ سمجھوں۔

●

اس دعا کو اپنے قلب و ذہن میں اتار لیں۔ کارزارِ حیات میں اسے مشعلِ راہ بنائیں۔ اسے آخری حد تک اسے پہنچائیں جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکتی ہے ــــــ!!

اہلِ ثروت سے درخواست ہے کہ

وہ اِس مشن میں دل کھول کر حصہ لیں اور اس پیغام کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کر کے نجی و ملی زندگی میں انقلابِ عظیم برپا کر دیں

●

سید عزیز الرحمٰن شاہ پیرزادہ
منگھوپیر روڈ۔ سائیٹ۔ کراچی ۱۶ (نزد حبیب بینک)
ایسٹرن سٹوڈیو / الائیڈ بینک / سندھ پرنٹنگ ورکس۔

خط وکتابت کا پتہ
معرفت پوسٹ بکس نمبر ۳۶۵۲۔ کراچی نمبر ۱۶
فون معرفت ۲۹۱۶۱۰ ــــ ۲۹۰۴۴۰

المشــــــــــــتہر!
قاری سید صبح الحسن معرفت سندھ پرنٹنگ ورکس نمبر ۱۷ تا ۲۱ شاپنگ سنٹر منگھوپیر روڈ۔ سائیٹ۔ کراچی ۱۶ (پاکستان)

مولانا امین احسن اصلاحی کے استاد

امام حمید الدین فراہیؒ

کے تفکر و تدبر قرآن کا مرقع

مجموعۂ تفاسیر فراہیؒ

اعلیٰ دبیز کاغذ پر بڑے سائز (۲۲×۲۹/۸) کے ۵۳۶ صفحات
عمدہ آفسٹ کی طباعت اور سنہری ڈائی والی مضبوط اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ

ہدیہ صرف -/۶۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ماہ ربیع الاوّل کے دوران طلب فرمانے والے حضرات کو مولانا فراہیؒ کی دو مزید تصانیف: 'اقسام القرآن' اور 'ذبیح کون ہے؟' مفت ارسال کی جائیں گی۔

نوٹ: وی پی ارسال نہیں کیا جائے گا۔ خواہشمند حضرات -/۷۰ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ کتاب بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ ارسال کردی جائے گی۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور